# امداد الفتاویٰ

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

بترتیبِ جدید

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بانی جامعہ دار العلوم کراچی و مفتی اعظم پاکستان

مکتبہ دار العلوم کراچی

# امداد الفتاوی

جلد دوم

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب قدس سرہ

بترتیبِ جدید

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴

باہتمام : محمد قاسم گلگتی
طبع جدید : شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ ...... جولائی 2010ء
فون : 5042280 - 5049455
" " mdukhi@gmail.com

## ملنے کے پتے

مکتبہ دارالعلوم احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی ﴿ ناشر ﴾

- ادارۃ المعارف احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- مکتبہ معارف القرآن احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
- دارالاشاعت اردو بازار کراچی
- بیت الکتب گلشن اقبال نزد اشرف المدارس کراچی

# فہرست مضامین

﴿امداد الفتاویٰ جلد دوم﴾

| مضمون | صفحہ |
|---|---|

## کتاب الزکوٰۃ والصدقات

عنوان | صفحہ

| عنوان | صفحہ |
|---|---|

| عنوان | صفحہ |
|---|---|



## فصل فی العشر والخراج



## فصل فی صدقۃ الفطر وغیرہا

عنوان — صفحہ



## کتاب الصّوم والاعتکاف

| عنوان | صفحہ |
|---|---|

عنوان　　صفحہ

عنوان | صفحہ



## باب الاعتکاف



## کتاب الحج

عنوان | صفحہ



## باب الاحرام وارکان الحج



## باب الحج عن الغیر

| عنوان | صفحہ |
|---|---|



## مسائل منثورہ متعلقہ بالحج



## کتاب النکاح

| عنوان | صفحہ |
|---|---|

| عنوان | صفحہ |
|---|---|

عنوان | صفحہ



## رسالہ ضم شار دالابل فی ذم شار دابل



## الصراح فی اجرۃ النکاح

عنوان | صفحہ

## باب الجہاز والمہر



## رسالہ تعدیل اہل الدھر فی درجہ تقلیل المہر



## باب المحرمات وغیرہا

عنوان | صفحہ

| عنوان | صفحہ |
| --- | --- |


## رسالہ جلائل الأبناء فی حرمة حلائل الأبناء

### باب الاولیاء والاکفاء

عنوان | صفحہ



## مسائل منثورہ متعلقہ بالنکاح

| عنوان | صفحہ |
|---|---|



# کتاب الطلاق

| عنوان | صفحہ |
|---|---|

عنوان صفحہ

عنوان | صفحہ



## فصل فی فسخ النکاح والخلع



## فصل فی الظہار والایلاء



## فصل فی العدة والرجعة

| عنوان | صفحہ |
|---|---|



## فصل فی النسب والحضانۃ والنفقات

| عنوان | صفحہ |
| --- | --- |



## کتاب الحدود والتعزیر

| عنوان | صفحہ |
|---|---|



## کتاب الایمان



## کتاب النذور

| عنوان | صفحہ |
|---|---|


## کتاب الوقف

عنوان | صفحہ

عنوان صفحہ

## احکام المسجد

| عنوان | صفحہ |
| --- | --- |

## ضمیمہ امداد الفتاویٰ چہارم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# کتاب الزکوۃ و الصّدقات

## نوٹ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

سوال (۱) نوٹ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں۔ جمیع نوٹوں پر جمیع احکام دراہم ودنانیر کے جاری ہوں گے یا نہیں۔؟

الجواب۔ نوٹ حقیقت میں سند ہے روپیہ کی اور اس روپے پر ہر وقت اس کو قدرت ہے جب چاہے حاصل کرلے۔ پس نوٹ خود گو مال نہیں ہے مگر جس روپیہ کی وہ سند ہے وہ مال ہے۔ اور بوجہ مقدور التحصیل ہونے کے ضمار میں داخل نہیں لہٰذا اس پر واجب ہوگی اور احکام مختلف ہیں بعض جاری ہوں گے بعض نہیں بالیقین سوال ہوتو جواب دیا جائے مثلاً دس روپے کی کوئی چیز خریدی اور مشتری نوٹ دینے لگے تو بائع پر جبر نہ ہوگا کہ ضرور اس کو لے۔ اس میں مثل دراہم ودنانیر کے نہیں ہے اور وجوب زکوٰۃ میں ہے جیسا کہ گزرا۔ فقط ۱۵رشعبان ۱۳۲۱ھ

سوال (۲) الامداد ماہ صفر المظفر ۱۳۳۷ھ نوٹ کے متعلق ایک مضمون چھپا ہوا ہے۔ جس میں یہ ہے کہ نوٹ مال نہیں ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوسکتی۔

(۱) تو اب یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جس کے پاس سوائے نوٹ کے کچھ نقد نہیں ہے اس کے اوپر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب نہیں ہونی چاہیے۔

(۲) اسی طریقہ سے یہ بھی خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر زکوٰۃ میں نقد روپیہ بذریعہ ڈاک روانہ کیا اور مرسل الیہ کو روپیہ کی عوض نوٹ ملے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں۔؟

(۳) بہشتی زیور میں یاد پڑتا ہے کہ جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ نوٹ کو کمی زیادتی میں نہیں بیچ سکتے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نوٹ اور روپیہ ایک چیز ہے۔

(۴) تو اس صورت میں نوٹ زکوٰۃ میں بھی ادا ہوسکتا ہے اور زکوٰۃ بھی نوٹ پر واجب ہوسکتی ہے۔

(۵) آجکل چونکہ رمضان میں زکوٰۃ دینے کا وقت آیا ہے اور یہاں لوگوں کے پاس اکثر نوٹ ہیں۔ نقد روپیہ نہیں ہے تو اس صورت میں کیا کرنا چاہئے۔

الجواب۔(۱) یہ شبہ غلط ہے۔اس لئے کہ یہ نوٹ جس روپے کی سند ہے وہ تو مال ہے جو بذمۂ گورنمنٹ قرض ہے۔اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

(۲) جب وہ اس نوٹ کو نقد بنا کر قبضہ کرلے گا اس وقت زکوٰۃ ادا ہوگی۔

(۳) یہ معلوم ہونا غلط ہے کمی بیشی کے ناجائز ہونے کی بناء یہ نہیں ہے کہ دونوں ایک حکم میں ہیں بلکہ اس کی بناء یہ ہے کہ کمی بیشی حوالہ میں بھی درست نہیں۔اور نوٹ کا معاملہ حوالہ ہے۔

(۴) یہ تفریع غلط ہے جیسا اوپر معلوم ہوا۔

(۵) یہ کرنا چاہیے کہ خود اگر دیں تو اول اس نوٹ کو نقد بناویں اور وہ نقد مساکین کو دیں۔یا یہ کریں کہ اس نوٹ کا کپڑا یا غلہ خریدیں اور وہ کپڑا یا غلہ زکوٰۃ میں دیں یا ایسا کریں کہ جس مسکین کو مثلاً دس روپیہ کا نوٹ دینا چاہیں اس سے کہیں کہ تو کہیں سے دس روپے نقد لے آ جب وہ لا دے تو اس سے کہیں کہ تو اس روپے کے عوض ہمارا نوٹ خرید لے۔جب اس خرید کی رو سے اس زکوٰۃ دینے والے کے پاس نقد روپیہ آ جاوے تو وہ نقد روپیہ اس مسکین کو دیدیں پھر وہ اپنا قرض خواہ نوٹ سے ادا کردے۔خواہ نقد سے ادا کردے۔دوسرے شخص کے ذریعہ سے ادا کریں تو ایسے شخص کو وکیل بناویں جو ان طریقوں کو سمجھتا ہو اور ان کے ذریعہ سے ادا کردے۔

نوٹ...... یہ میں نے بہت واضح کر کے لکھا ہے۔مگر میرا گمان یہ ہے تاوقتیکہ آپ کسی عالم سے اس خط کو زبانی نہ سمجھ لیں سمجھنے میں غلطی ہوگی۔ ۶ رمضان ۱۳۳۷ھ (حوادث خامس ص:۲۷)

سوال (۳) آج کل نوٹوں کا اس شدت سے رواج ہوگیا ہے کہ بعض مرتبہ مہینوں بھی روپیہ کی صورت دیکھنے کو نہیں ملتی۔تنخواہ وغیرہ میں نوٹ ہی ملتے ہیں۔اور وہی صرف میں آتے ہیں۔

(۱) بنیے فی نوٹ ایک پیسہ لے کر ریزگاری دیتے ہیں۔یہ بٹہ دینا جائز ہے یا نہیں۔بصورت اثبات کیا اس کے لئے بھی کسی شرعی حیلہ کی ضرورت ہے۔جیسا کہ روپیہ کی صورت میں کیا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ ایک پیسہ شامل کر کے دیدیا جاوے۔

(۲) اگر کسی کے پاس بقدر نصاب کے نوٹ جمع ہوجاویں تو حولان حول کے بعد زکوٰۃ نوٹوں پر واجب ہوگی یا نہیں۔شبہ کا منشاء یہ ہے کہ نوٹ حقیقتاً چاندی یا سونا نہیں۔اگر یہ کہا جاوے کہ اجرائے نوٹوں میں گورنمنٹ مقروض ہے۔اور قرض میں زکوٰۃ واجب ہے تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ گورنمنٹ قرضدار بے شک ہے۔لیکن گورنمنٹ نے نہ اس کا وعدہ کیا ہے نہ اس کے ذمہ ہے کہ ایک روپیہ کے نوٹ کے عوض میں روپیہ ہی دے، بلکہ اگر وہ چونسٹھ پیسے یا سولہ اکنی یا آٹھ دونی جو چاندی کی

نہیں ہوتیں دیدے تو لینے والا انکار نہیں کرسکتا۔اسی طرح بڑی رقم کے نوٹوں کے معاوضہ میں گورنمنٹ چھوٹی رقم کے نوٹ دے سکتی ہے۔اور چھوٹی رقم کے نوٹوں میں وہی پیسہ یا اکنّی یا دونی والی صورت پیش آسکتی ہے۔تو ایسی صورت میں اس کی ایسی مثال ہوگی۔جیسے کوئی شخص مثلاً کسی شخص کا ایک لاکھ پیسوں کا مقروض ہو یا پچاس ہزار کانسی کی اکنی یا دونی کا مقروض ہو تو کیا ایسی صورت میں قرض خواہ کے ذمہ زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(۳) قیاساً علی ذلک یہ جو اسّی ہزار ٹکہ کا مہر بندھتا ہے ان میں وقت ادائیگی مہر زوجہ کے ذمہ زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں۔اگر نہیں تو کیا فرق ہوا۔امید ہے کہ جواب سے عزت بخشی جاوے۔دلیل کی ضرورت نہیں۔صرف جناب کی تحقیق مطلوب ہے۔

الجواب۔اول ایک مقدمہ سمجھ لینا چاہیے، وہ یہ کہ حقیقت نوٹ کی کیا ہے۔سو حقیقت نوٹ کی یہ ہے کہ جس وقت اوّل میں روپیہ دے کر گورنمنٹ سے نوٹ لیا تھا گورنمنٹ اس روپیہ کی مقروض ہوگی اور نوٹ اس قرض کی سند ہے۔پس اصل حق مالک کا وہ روپیہ ہے۔اور آئندہ کسی کو نوٹ دینا اپنے اسی قرضہ کا بذمہ گورنمنٹ حوالہ کردینا ہے۔اس سے سب سوالوں کا جواب ہوگیا۔چنانچہ تصریحاً بھی لکھا جاتا ہے۔

(۱) یہ بٹہ دینا اور اسی طرح سے لینا جائز نہیں۔کیونکہ حوالہ میں کمی بیشی جائز نہیں۔اور اس حیلہ کا محل حوالہ نہیں۔بلکہ بیع یداً بید تفاضلا ہے جو یہاں نہیں۔

(۲) زکوٰۃ واجب ہوگی۔کیونکہ اس کا اصل حق مال ہے۔اور یہ مثال اس لئے غلط ہے کہ اس میں اصل حق مال زکوٰۃ نہیں عروض ہے اور دوسری جنس سے ادا ہوجانے سے جو اشتباہ ہوگیا ہے سو وہ قرضہ کا غیر جنس سے بتراضی طرفین ادا کردینا صحیح ہے۔

(۳) اور اسی تقریر بالا سے ٹکوں کے مہر میں اور نوٹ کے بدل میں فرق ظاہر ہوگیا کہ مہر میں اصل سے ہی واجب ٹکے ہیں۔اور یہاں ایسا نہیں جیسا مذکور ہوا۔(حوادث خامس ص:۳۰)

سوال (۴) زکوٰۃ بذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں عموماً مرسل الیہ کو ڈاک خانہ سے نوٹ دیئے جاتے ہیں نوٹ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔اس دشواری سے بچنے کے لئے کیا صورت اختیار کی جاوے۔

الجواب۔میں ایسا کرتا ہوں کہ اس مقام میں کسی کو وکیل بنادیا کہ اس نوٹ کو نقد کر کے فلاں مستحق کو دیدو۔۱۳۳۸ھ۔

سوال (۵) زکوٰۃ کے منی آرڈر میں ڈاک خانہ کو نوٹ دیئے جاسکتے ہیں یا روپیہ دینا ضروری ہے۔

الجواب۔ دونوں یکساں ہیں زکوٰۃ ادا نہ ہونے کی شرطیں دونوں صورتوں میں مشترک ہیں۔

تاریخ بالا

سوال (۶) جب مرسل الیہ کو عموماً ڈاک خانہ سے نوٹ ہی دیئے جاتے ہیں تو پھر بیمہ کیوں نہ کیا جائے کہ اس میں فیس کی بھی کفایت ہے۔

الجواب۔ ایسا ہی کیا جاوے مگر زکوٰۃ ادا ہونے کے لئے نوٹ کا قبض کافی نہیں۔

۱۳۳۸ھ (حوادث خامس ص: ۳۵)

سوال (۷) نوٹ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں۔

الجواب۔ زکوٰۃ ہے۔ (تتمۂ اولیٰ ص: ۵۸ حوادث ص: ۵۴ ج: ۱)

## نوٹ کے ذریعہ زکوٰۃ صرف اس وقت ادا ہوگی جبکہ مسکین اس نوٹ کو نقد کرے یا اس کی کوئی چیز خریدے

سوال (۸) زکوٰۃ میں نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں۔ اسی طرح دوسری رقوم واجب التملیک مثل فدیہ صوم و صلوٰۃ وغیرہ۔

الجواب۔ چونکہ وہ مال نہیں محض سند مال ہے۔ اس لئے نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اور یہی حکم ہے دوسری رقوم واجب التملیک کا۔ بلکہ ان صورتوں سے زکوٰۃ وغیرہ ادا ہو جاتی ہے۔

(الف) یا تو خود مسکین کو نقد دے یا کوئی چیز از قسم مال اتنی قیمت کی دے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زکوٰۃ غیر جنس سے بھی ادا ہو جاتی ہے۔ اور (ب) یا مسکین کو نوٹ دیا۔ اور اس مسکین نے اس کو نقد یا کسی جنس کے بدلے فروخت کر کے اس نقد یا جنس پر قبضہ کر لیا۔ اب قبضہ کے وقت زکوٰۃ وغیرہ ادا ہوگئی۔ اور اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوئیں مثلاً اس مسکین کے پاس سے وہ نوٹ ضائع ہوگیا یا اس نے اپنے قرض میں سے کسی کو دیدیا ان صورتوں میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ ۵ ربصفر ۱۳۳۷ھ (حوادث ص: ۲۳ ج: ۵)

## مسکین کو زکوٰۃ میں نوٹ دیا گیا پھر مسکین کو اس نوٹ کی قیمت کچھ کم ملی اس کا حکم

سوال (۹) اگر کسی مسکین کو زکوٰۃ وغیرہ میں نوٹ دیدیا اور اس نے اس کا نقد یا جنس لے کر قبضہ کر لیا۔ مگر نوٹ لینے والے نے اس نوٹ پر بٹہ لیا۔ مثلاً فی روپیہ ایک پیسہ اور اسی طرح اگر کسی مدرسہ میں دیا۔ اور مہتمم نے اس کو نقد کر کے کسی مستحق طالب علم کو دیا۔ اور نقد کرنے کے وقت اسی طرح بٹہ لگا تو آیا زکوٰۃ میں پورا روپیہ ادا ہوا یا پیسہ کم روپیہ۔ اور اگر اپنے روبرو ایسا نہ ہوا مگر معلوم ہے کہ جہاں نوٹ بھیجا ہے وہاں ایسا ہوا ہوگا تو احتیاط کی بات کیا ہے۔

الجواب۔ اس صورت میں پیسہ کم روپیہ ادا ہوگا۔ ایک پیسہ مثلاً اس شخص کو اور زکوۃ میں کسی مسکین کو دیدینا چاہیے۔ اسی طرح جب قرائن سے اپنے غیبت سے بٹہ لگنا معلوم ہو تب بھی فی روپیہ مثلاً ایک پیسہ اور بھی مسکین کو دیدے۔ ۵رصفر ۱۳۳۳ھ (حوادث ص:۲۵ ج:۵)

## احکام گوٹہ وغیرہ درزکوۃ وبیع

سوال (۱۰) گوٹہ، کمخواب، کلابتون، سلور کی چاندی، سچے بنارسی دوپٹے تاش وغیرہ ان تمام پر زکوۃ ہوگی یا نہیں۔ اور ان کی خرید وفروخت میں احکام بیع صرف کی ملحوظ ہوں گے یا نہیں۔؟

الجواب۔ تاش معلوم نہیں کیا چیز ہے۔ باقی سب چیزوں پر زکوۃ ہے۔ اور ان کی بیع میں احکام بیع صرف کے جاری ہوں گے۔ یعنی جتنی چاندی ہے اس قدر میں نسیہ وتفاضل جائز نہ ہوگا اور یہ اس تقدیر پر ہے جبکہ سلور چاندی ہو۔ گو ادنیٰ درجہ کی سہی۔ اور اگر کوئی اور چیز ہے (بعد میں معلوم ہوا کہ یہ چاندی نہیں ہے۔ ۱۲ منہ) تو حکم بدل جاوے گا۔ فقط ۱۵رشعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ص:۱۵۴ ج:۱)

## حکم غش درسیم وزر

سوال (۱۱) فقہاء جو تحریر فرماتے ہیں کہ اگر غش غالب ہو تو غش ہوگا۔ اور اگر ذہب وفضہ غالب ہوا تو اس کے کیا معنی ہیں۔ بعض غش ایسا ہوتا ہے کہ بغیر گلائے علیحدہ نہیں ہوتا۔ اور بعض ہوسکتا ہے۔ دونوں مراد ہیں یا ایک، دوسرے یہ امر کہ غش کا لحاظ واعتبار اس زیور کے لحاظ سے ہے کہ جس میں وہ موجود ہے یا نصاب کے لحاظ سے بھی۔ مثلاً ایک زیور میں غش غالب ہے اور زیور خالص ہیں۔ اگر وہ زیور بوجہ غلبۂ غش ساقط الاعتبار کیا جائے تو باقی ماندہ زیوروں کی مقدار زکوۃ کے نصاب کو نہیں پہنچتی۔ یا یہ صورت کہ اس ناقص زیور میں جس قدر خالص چاندی اندازہ کی جاوے اور دیگر زیور مقدار نصاب کے پہنچتے ہیں یا خالص زیور بقدر نصاب ہے۔ اور یہ غالب الغش مقدار سے زائد ہے تو ان سب صورتوں میں کیا کیا جاوے گا آیا جس زیور میں غش ہے اس کی غالبیت اور مغلوبیت کے احکام اسی زیور کے اعتبار سے ہوں گے یا دیگر زیوروں کے لحاظ سے۔

الجواب۔ ذہب وفضہ کے ساتھ غیر ذہب وفضہ کے مخلوط ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ دونوں متمیز ہوں اور گلا کر نہ ملائی گئی ہوں۔ اس میں تو مجموعہ کا ایک حکم نہ ہوگا۔ ذہب وفضہ کی مقدار میں ذہب وفضہ کے احکام جاری ہوں گے۔ اور غیر ذہب وفضہ میں اس کے احکام جاری ہوں گے۔ مثلاً بیع صرف وزکوۃ میں صرف مقدار ذہب وفضہ معتبر ہوگی۔ مجموعہ میں نہ ہوگی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک

دوسرے سے متمیز نہ ہوں۔ اور گلا کر دونوں کو ایک کر دیا ہو، اس میں فقہاء نے کہا ہے کہ غالب کا اعتبار ہے۔ یعنی اگر غالب ذہب یا فضہ ہو تو مجموعہ کو سب احکام میں ذہب وفضہ کہا جائے گا۔ اور اگر غالب دوسری چیز ہے تو مجموعہ کو دوسری چیز کے حکم میں کہیں گے۔ اس میں جس قدر ذہب وفضہ ہے اس میں بھی احکام ذہب وفضہ کے جاری نہ ہوں گے۔ نہ اس پر زکوٰۃ ہوگی، نہ احکام بیع صرف اس میں معتبر ہوں گے۔ اس سے سب سوالوں کا جواب نکل آیا۔ اگر کسی حکم میں شبہ رہے پھر دریافت کرلیا جاوے۔ فقط۔

۱۵؍شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ص:۱۵۵ ج:۱)

## حکم ادائے زکوٰۃ غالب الغش یا سکہ غیر نقدین

سوال (۱۲) گلٹ کے سکّے درحقیقت اس قیمت کے نہیں ہیں جو ان پر درج ہے۔ اور نہ وہ شرعاً مال ہیں۔ اس لئے یہ کسی قدر نوٹ کے مشابہ ہیں۔ اور یہ بھی خبر ہے کہ روپیہ بھی گلٹ کا بنے گا۔ اور یہ خبر میں نے خود اخبار میں دیکھی کہ چاندی کی گرانی کی وجہ سے پارلیمنٹ میں یہ طے ہوگیا کہ آئندہ اگر چاندی کے سکّے بنائے جاویں تو اس میں صرف چھٹا حصہ چاندی کا شامل کیا جائے اس صورت میں بھی یہ سکّے شرعاً مال نہ ہوں گے۔ کیونکہ ان میں غش غالب ہوگا۔ پھر ادائے زکوٰۃ میں اور بھی دشواری ہوگی۔ براہ کرم تفصیلی جواب مرحمت فرمائے جائیں۔ کیونکہ مجھے ادائے زکوٰۃ میں ان امور سے بہت دشواری پیش آرہی ہے۔

الجواب۔ غلبۂ غش سے ذہب یا فضہ ہونے کی نفی صحیح ہے۔ نہ کہ مال ہونے کی۔ مال کی تعریف اس پر صادق آتی ہے۔ لہٰذا وہ مال ہے۔ البتہ اگر زکوٰۃ غیر جنس سے ادا نہ ہوتی ہو تو اس کا ذہب وفضہ نہ ہونا بھی مضر تھا۔ مگر غیر جنس سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ جب بازار میں اس کی قیمت حق واجب کے برابر ہو اور یہ تساوی اس میں حاصل ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ میں کوئی دشواری نہیں۔ جیسے پیسوں سے نقدین کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ اور اگر ایسی ہی احتیاط ہو تو اور کوئی متقوم چیز خرید کر جیسے کپڑا یا غلہ زکوٰۃ کی نیت سے دیدے۔ ۱۳۳۸ھ (حوادث ۵ ص:۳۵)

## مقدار نصاب زکوٰۃ بہ حساب تولہ

سوال (۱۳) مقدار نصاب تولہ اور سکّہ انگریزی کے وزن سے کس قدر پر ہوگا چاندی سونا دونوں۔؟

الجواب۔ مشہور قول ۵۲ تولہ چاندی اور ۷ تولہ سونا لکھنؤ کے تولہ سے جس کے حساب سے روپیہ ۱۱ ماشہ کا ہوتا ہے۔ فقط ۱۵؍شعبان ۱۳۲۱ھ

## تحقیق مانعیت وعدم مانعیت دَین مہراز وجوب زکوٰۃ

سوال (۱۴) مہر مؤجل جس کے دینے کا بالفعل ارادہ نہ ہو مانع زکوٰۃ ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ اس میں اختلاف ہے۔ علامہ شامی نے اس کو نقل کر کے لکھا ہے۔ (زادالقھستانی عن الجواهر والصحیح انه غیر مانع) پس صحیح یہی ہوا کہ مانع وجوب نہیں۔ فقط ۱۵ رشعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ص:۱۵۵ ج:۱)

سوال (۱۵) دَین مہر بشرط نیت ادا مانع وجوب زکوٰۃ واضحیہ ہے یا نہیں۔

الجواب۔[1] دَین مہر کے مانع زکوٰۃ ہونے میں اختلاف ہے۔ درمختار میں تو مانع کہا ہے مؤجل ومعجّل ہر دو کو اور طحطاوی نے دو قول بیان کئے ہیں۔ معجّل مانع ہے مؤجل مانع نہیں۔ اگر عزم ادا ہو مانع ہے ورنہ نہیں لانہ لایعد دینا پس کل تین قول ہیں۔ اور طحطاوی نے قہستانی سے قول ثانی کی ترجیح وتصحیح نقل کی ہے۔ مگر میرے نزدیک قول ثالث قابل ترجیح ہے۔ واللہ اعلم (امداد ص:۱۶۸ ج:۱)

سوال (۱۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید کے ذمہ چار ہزار روپیہ دین مہر مؤجل ہے آیا یہ دین صدقۂ فطر واضحیہ وایفاء نذر وزکوٰۃ وحج کو مانع ہے یا نہیں۔ درصورت اول امور خمسہ کو مانع ہے یا بعض کو۔

الجواب۔ شامی کتاب الزکوٰۃ میں اختلاف نقل کر کے جواہر سے بحوالۂ قہستانی نقل کیا ہے۔ والصحیح انه غیر مانع۔ جلد ۲ ص:۸۔ اور جب یہ زکوٰۃ کو مانع نہیں تو واجبات کو بھی مانع نہیں کہ زکوٰۃ کے شرائط سب سے اشد ہیں۔ ۸ رمحرم ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۱۱۱)

سوال (۱۷) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میری والدہ مرحومہ کا کچھ زیور ہے۔ جس کے ۵۰ روپیہ سال

---

(۱) فی هذا الجواب رجوع عن الجواب السابق کما لایخفی ثم اعلم ان مولانا طال بقائهم رجحوا القول الثانی فی الجواب السابق والقول الثالث فی هذا الجواب و فی کلا الرجحتین نظر لان العلة التی جعلوا الدین مانعامن الزکوٰة لا جلها موجودة فی المهر مطلقا سواء کان مؤجلاً او معجلاً کان له نیة الاداء ام لا لانهم قالوا ان حاجة المدیون الیٰ هذا المال حاجة اصلیة لان قضاء الدین من الحوائج الاصلیة والمال المحتاج الیه حاجة اصلیة لایکون مال الزکوٰة اهـ شامی والمهر مطلقا دین له مطالب من جهة العباد والمدیون مامور من جهة الشرع بادائها فیکون هو محتاجاً الیٰ المال فی فراغ الذمةویکون المال مشغولاً بحاجة اصلیة فلایکون مال الزکوٰة ونیة الاداء وعد مهالا مدخل له فی المنع وعدمه لانه غیر مؤثر فی العلة کما ان الدین الذی هو یدل مال التجارة اوغیرها لا داخل فی اسقاط الزکوٰة وعدمه لنیة الاداء وعدمها وما یقال من انه لایعد دینا فهو ایضا غیرنافع لانه لا مدخل للعدد عدمه فی کون المدیون محتاجاً الیٰ فراغ الذمة وعدمه وکون المال مشغولا بالحاجة الاصلیة وعدمه لانه لایراء ذمة من عدم عده دینا کما لا یخفی فالا ظهر عندی القول الاول ولاعبرة لنقل القهستانی عن الجواهر تصحیح الثانی فلیتأمل (یہ تغیر تصحیح الاغلاط ص ۳۰ سے کیا گیا ہے)

زکوٰۃ کے ہیں جو کہ میرے اوپر واجب الاداء ہیں۔ مگر مجھ کو مہر بھی ادا کرنا ہے جس میں کہ ایک ہزار تو معجّل تھا۔ جو کہ ادا کر دیا گیا اور باقی نو ہزار کا ادا کرنا باقی ہے۔ تو ایسی حالت میں میرے اوپر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ عالمگیری میں ہے کہ نہیں ہوگی۔ جس کی عبارت یہ ہے (وکذالك المهر يمنع مؤجلاً كان اورمعجلاً لانه مطالب به كذا في المحيط السرخسي وهو صحيح على ظاهر المذهب اهـ) عالمگیری جلد ا ص: ۱۸۳ مطبوعہ مصر کتاب الزکوٰۃ۔

الجواب۔ اس میں دوسری روایت عدم مانعیت مہر لوجوب الزکوٰۃ کی بھی ہے۔ پس تطبیق دونوں میں یہ ہے کہ اگر اس شخص کی نیت ادائے مہر کی ہو تو یہ دین مانع وجوب زکوٰۃ ہوگا۔ اور اگر نیت نہیں ہے تو نہ ہوگا۔ لیکن اگر مہر بعد میں واجب ہوا ہے اور زیور آپ کی ملک میں پہلے داخل ہو چکا تو وجوب مہر کے قبل کی زکوٰۃ بلا اختلاف واجب ہوگی۔ ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص: ۳۱)

سوال (۱۸) دین مہر مسقط زکوٰۃ ہے یا نہیں۔

الجواب۔ في الدرالمختار باب الزكوة فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد الى قوله لوصداق زوجةالمؤجل للفراق في ردالمحتار عزاه في المعراج الى شرح الطحاوى وقال عن ابى حنيفة لايمنع وقال صدر الشهيدلا رواية فيه ولكل من المنع وعدمه وجه زاد القهستانى عن الجواهر والصحيح انه غير مانع جلد ۲ ص: ۷ و ۸۔

اس سے مسئلہ کا مختلف فیہ ہونا اور مانع عن وجوب الزکوٰۃ نہ ہونے کا صحیح ہونا ثابت ہوا۔

۱۸ محرم ۱۳۳۲ھ (تتمہ خامسہ ص: ۲۴۹)

## حکم زکوٰۃ بر مال مخلوط از رشوت وتنخواہ

سوال (۱۹) تنخواہ اور رشوت دونوں مخلوط ہیں۔ ان پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں۔

الجواب۔ مجموعہ (۱) پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ في الدرالمختار لوخلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه فتجب الزكوة الى قوله لان الخلط استهلاك اهـ فقط۔

۱۵ شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۵۶ ج ۱)

امداد الفتاویٰ جلد اول ص ۱۵۶

خلاصۂ سوال۔ زکوٰۃ در مال مخلوط از رشوت وتنخواہ۔

خلاصۂ جواب۔ وجوب زکوٰۃ۔

---

(۱) یعنی بشرائط معلومہ زکوٰۃ جن میں فراغ عن الدین بھی ہے۔ پس چونکہ مال حرام خلط سے مستہلک ہو جاتا ہے اور استہلاک سے مستہلک کے ذمہ دین ہو جاتا ہے۔ اس لئے دیکھا جاوے گا کہ اگر مال مخلوط میں سے بقدر مال حرام کے نکال کر بقدر نصاب بچتا ہے تو باقی پر زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ حضرت مولانا کے جواب پر بعض علماء نے کلام کیا ہے جو کہ ملحقات تتمہ اولیٰ میں مذکور ہے اور احقر نے اصلاحات ملحقات میں اس پر کلام کیا ہے۔ ۱۲ تصحیح الاغلاط ص ۲۶۔

تسامح۔ قید ضروری در جواب متروک نمودند وآں واجب الذکر بود وھذا اذاکان له مال غیرما استهلکه بالخلط منفصل عنه یو فی دینه الخ درالمختار۔

اصلاح تسامح۔ واجب بود کہ تمام شرائط کہ در وجوب زکوٰۃ مال مخلوط حلال بہ حرام در کتاب درالمختار وردالمختار بودازاں روایت ماخوذ ہ امدادالفتاویٰ درج فرمودہ باشند تا کہ سائل در غلطی نہ افتد۔ تمام عبارت ہر دو کتاب تحریر کردہ می شود بعدہ مقصود بوضوح خواہد انجامید۔ ولو خلط السلطان المال المغضوب بماله ملکه فتجب الزکوة فیه ویورث عنه لان الخلط استهلاك اذالم یمکن تمیزه عند ابی حنیفة وقوله ارفق اذ قلما یخلومال عن غصب وهذا اذا کان له مال غیرمااستهلکه بالخلط منفصل عنه یو فی دینه والا فلا زکوة کمالوکان الکل خبیثاً کما فی النهر ۱۲ درالمختار ص ۳۹۔

قوله کما فی النهرای اول کتاب الزکوة عند قول الکنز وملك النصاب حولی ومثله فی الشرنبلالیة وذکره فی شرح الوهبانیة بحثا و فی فصل العاشر من التتارخانیة عن فتاویٰ الحجة من ملك اموال غیر طیبة او غصب اموالا وخلطها ملکها بالخلط و یصیر ضامناوان لم یکن له سواها نصابا فلازکوٰة علیه فیها وان بلغت نصابا لانه مدیون ومال المدیون لاینعقد سبباً لوجوب الزکوة عندنا اھ فافاد بقوله وان لم یکن سواها نصاب الخ ان وجوب الزکوة مقید بما اذاکان له نصاب سواها وبه یندفع مااستشکله فی البحرمن انه ملکه بالخلط فهو مشغول بالدین فینبغی ان لاتجب الزکوة اھ لکن لایخفیٰ ان الزکوة حینئذ انما تجب فیما زاد علیها لا فیها لایقال یمکن ان یکون له المال سواها مما لازکوة فیه کدورالسکنی وثیاب البذلة مما یبلغ المقدار ماعلیه او یزید فتجب الزکوة فیهما من غیران یکون له نصاب آخر سواها لانا نقول انه خلطها ملکها وصار مثلها دیناً فی ذمته لا عینها وقدمنا ان الدین یصرف اوّلاً الی مال الزکوة دون غیره حتی لو زوج علی خادم بغیر عینه وله مائتا درهم وخادم صرف دین المهر الی المأتین دون الخادم ای فلو حال الحول علی المأتین لازکوة علیه لاشتغا لها بدین مع وجود مایبقی به من جنسه وهوالخادم وهنا کذلك مالم یملك نصاباً زائداً نعم تظهر الثمرة فیما اذا ابرأه المغصوب منهم کما نقله فی البحرعن المبتغی بالغین المعجمه وقال هو قید حسن یجب حفظه انتهیٰ واذا صالح غیر مأته علی عقار مثلا فیبقی ما غصبه سالماً عن الدین فتجب زکوٰة الی آخره۱۲ ردالمحتار ص ۴۰ باب الزکوة هکذا فی الکتاب والله تعالی اعلم بالصواب ۔ حررہ فقیر محمد بخش ساکن چونی۔

تکملہ اطلاع نمبر ۵۔ وہ حواشی لکھے جا چکے ہیں۔ عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ شائع ہو جاویں گے۔
اشرف علی ۱۷ رجب ۱۳۳۲ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۲۴۰)

## زکوٰۃ بر کلابتون دوختہ بر پارچہ بہ تخمین

سوال (۲۰) اگر گوٹا و کلابتون وغیرہ پر زکوٰۃ ہو اور وہ کپڑوں پر ٹکے ہوئے ہوں تو اندازہ کیا جائے گا یا نہیں۔

الجواب۔ اندازہ کیا جاوے گا۔ اور احتیاط یہ ہے کہ اندازہ سے کچھ زائد سمجھا جاوے۔ فقط
۱۵ رشعبان (امداد ص: ۱۵۶ ج: ۱)

## رفع شبہ غالب بودن پارچہ در کمخواب

سوال (۲۱) کمخواب میں غالب پارچہ ہوتا ہے۔ اس کا علیحدہ اعتبار ہوگا یا دیگر اشیاء کے لحاظ سے۔

الجواب۔ غالب کے یہ معنی نہیں جیسا کہ اس سوال [1] سے چار سوال پہلے مذکور ہوا۔ اس لئے اس میں جس قدر چاندی ہوگی اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ ۱۵ رشعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۵۶ ج ۱)

## معنی حولان حول بر نصاب

سوال (۲۲) ایک شخص کی آمدنی روزہ مرہ کی ہے۔ وہ روپیہ بنک میں بمد امانت بلا سودی جمع کرتا جاتا ہے۔ مثلاً ماہ جنوری سے دسمبر تک آمدنی معتد بہ قابل زکوٰۃ ہوگئی۔ آخر ماہ دسمبر تک اس کا حساب زکوٰۃ کیوں کر کیا جاوے۔ کسی آمدنی پر گیارہ ماہ گزرے۔ کسی پر دس کسی پر دو چار بلکہ کسی پر دو چار دن، اسی آمدنی سے خرچ ہوتا رہا۔ مگر اختتام سال پر باوجود خرچ کے وہ قابل زکوٰۃ ہے۔ لیکن کسی آمدنی پر سال پورا نہیں گزرا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔

الجواب۔ جس وقت سے وہ ذخیرہ بقدر نصاب ہوگیا ہو اس تاریخ سے سال شروع ہوگا اور اس سال کے ختم پر جس قدر اس وقت موجود ہوگا بشرطیکہ نصاب سے کم نہ ہو سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ گو ہر جزو پر سال نہ گزرا ہو۔ اور گو درمیان سال کے نصاب سے کم رہ گیا ہو۔ فی الدر المختار **وشرطه كمال النصاب ولو ساعة في طرفي الحول فلا يضر نقصانه بينهما** اھ۔
۳ رذی الحجہ ۱۳۲۱ھ (امداد ص: ۱۵۷ ج: ۱)

## حکم صرف زکوٰۃ ببعض رشتہ داران

سوال (۲۳) اپنے حقیقی یا علاتی یا اخیافی یا رضاعی بھائی بہن یا بھانجے یا بھانجی یا بھتیجے یا بھتیجی یا

(۱) موجودہ ترتیب میں ص ۳۶ پر سوال ۶ ہے ۱۲

ماموں یا خالہ یا پھوپھی یا سالہ یا سالی یا ساس کوخواہ بالغ ہوں یا نابالغ زکوٰۃ وفطرہ دینا جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ جائز ہے اگر وہ نابالغ ہے تو اس میں یہ بھی شرط ہے کہ اس کا باپ غنی نہ ہو۔ اگرچہ ماں غنی ہو۔ فی الدرالمختار ولا الی طفله بخلاف ولده الكبير وابيه وامرأته الفقراء وطفل الغنية فيجوز لانتفاء المانع اه قلت الضمائر فی طفله وولده وابيه وامرأته راجعة الى الغنى كما فى الشامية۔ ۲۶ محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ص:۱۵۸ ج:۱)

## اولویت صرف زکوٰۃ بلدے کہ دراں مال موجود باشد

سوال (۲۴) ایک شخص وطن اصلی میں کم رہتا ہے وطن اقامت میں زیادہ رہتا ہے تو زکوٰۃ کہاں کے لوگوں کو دینا چاہئے۔

الجواب۔ فی ردالمحتار و یعتبر فی الزكوة مكان المال كلها واختلف فی صدقة الفطر كماياتی اھ۔ اس روایت پر جس مال کی زکوٰۃ دی ہے وہ مال جس جگہ موجود ہو وہاں کے لوگ احق ہیں الا بعارض فضلوہ۔ اور اگر پھر بھی دوسری جگہ بھیجدے تو بھی ادا ہو جاوے گی۔ فقط واللہ اعلم

۲۶ محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۵۸ ج ا)

## حکم ادا کردن زکوٰۃ از غیر جنس

سوال (۲۵) اگر کسی شخص نے زکوٰۃ میں کچھ روپیہ نکالا۔ مگر وہ روپیہ مصارف میں صرف نہیں کیا۔ بلکہ اس روپیہ کا کپڑا یا غلّہ یا اور کوئی چیز لیکر مصارف کو دیدی۔ تو کیا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اور دوبارہ زکوٰۃ دینا پڑے گی۔؟

الجواب۔ ادا ہو جاوے گی۔ لان البدل فی حکم الاصل عند الحنفية بشرطیکہ مال خریدہ شدہ اتنی قیمت کا ہو مشتری کو کسی نے ٹھگ نہ لیا ہو۔ ورنہ بقدر قیمت بازار زکوٰۃ ادا ہوگی۔

۲۷ محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ص:۱۵۸ ج:۱)

## زکوٰۃ از خلاف جنس

سوال (۲۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی مال میں زکوٰۃ واجب ہو تو آیا اسی میں سے ادا کرنا اس کا ضرور ہے یا خلاف جنس میں سے بھی ادا کردے تو ادا ہو جاتا ہے۔ جیسے کسی کے ذمہ سونے یا چاندی کی زکوٰۃ میں ایک روپیہ واجب ہوا اور وہ اس روپیہ کا کپڑا خرید کر کسی کو دیدے تو زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی یا نہیں۔؟

الجواب۔ زکوٰۃ خلاف جنس سے بھی ادا ہو جاتی ہے۔ اور خلاف جنس قیمت میں واجب کی برابر ہونا چاہئے۔ واجمعوا انه لوادى من خلاف جنسه اعتبرت القيمة ۔ شامی جلدثانی

ص ۳۰۔ پس صورت مسئولہ میں زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی۔ کیونکہ رکن زکوٰۃ کا تملیک ہے۔ وہ پایا گیا۔
فی الدر المختار فلو اطعم یتیما ناویا الزکوۃ لایجزیه الا اذا دفع الیه المطعوم کما لو کساه ای کما یجزئه لو کساه ح شامی ج۲ بشرط ان یعقل القبض ص۳ جلد ثانی وقال الشامی بعد اسطر ففی الکسوۃ لاشك فی الجواز لوجود الرکن وهو التملیك فقط۔ جملہ اخیرہ رمضان ۱۳۲۰ھ (امداد ص:۱۶۴ ج:۱)

## تحقیق حیلۂ تملیک

سوال (۲۷) تملیک کرانے کا حیلہ جو اکثر مدارس اسلامیہ وغیرہ میں کیا جاتا ہے اس میں نیت یقیناً اچھی نہیں ہوتی۔ گو از روئے فقہ صورۃً جائز ہی کیوں نہ ہو۔ کیا اللہ تعالیٰ جو نیت اور دلوں کے ارادہ کو دیکھتا ہے ایسا کرنے سے راضی ہوگا۔ اور حیلہ کرنے والا مواخذۂ آخرت سے بری سمجھا جاوے گا۔؟

الجواب۔ قطع نظر ورع سے میرے نزدیک قاعدۂ فقہیہ کی رو سے بھی یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی کیونکہ تملیک رکن زکوٰۃ ہے۔ اور تملیک میں جب عاقدین ہازل ہوں تملیک نہیں ہوتی۔ اور صورت متعارفہ میں دونوں بشہادت قرائن قویہ معترف ہیں کہ تملیک مقصود نہیں۔

فی الدرالمختار وقدمنا ان الحیلة ان یتصدق علی الفقیر ثم یامره یفعل هذه الاشیاء وهل له ان یخالف امره لم اره والظاهر نعم فی ردالمحتار وفی التعبیر بثم اشارة الی انه لوامره اولا لایجزی لانه یکون وکیلاً عنه فی ذلك آه ثم نظرفیه [۱] ونظرت فی ذلك فیبقی الحکم سالما۔ فقط۔ ۲۷ محرم (امداد ص:۱۵۹ ج:۱)

---

تقریر نظر الشامی ان المعتبرنیة الدافع ولذاجازت وان سماها قرضا اوهبة فی الاصح کما قد مناه فافهم و تقریر مولانا فی ذلک النظر علی مارأیته مکتوبابهامش الشامی بخط طال بقائه علی رؤس المستفیدین ان التملیک رکن الزکوة ولم یوجد فی التوکیل بخلاف القرض والهبة فانما تملیک وان اختلف الجهة وعسی ان یکون قوله فافهم اشارة الی ذلک آه وعندی ان نظر مولانا غیر متجهة لان القول العلامة المعتبرنیة الدافع منع لقول المستدل انه یکون وکیلا عنه فی ذلک والحاصل انا لانسلم ان یکون وکیلا عنه لان المعتبرنیة الدافع والمفروض انه نویٰ الاعطاء وان لم یظهرها للآخذ فلا یرد علیه ان التملیک رکن الزکوة ولم یوجد فی التوکیل الخ لان الظاهرمن هذه العبارة انه طال بقائه فهم من عبارة الشامی ان العلامة سلم کو نه توکیلا ولیس کذلک کما لایخفی والحق فی النظر ان یقال ان التملیک الذی هو فعل المعطی غیر کاف فی اداء الزکوة بل یشترط التملیک وهو اختیاری ههنا فیتوقف علی قبول الآخذ ولم یوجد ههنا لانه لم یعلم التملیک اصلافلایکفی هذا التملیک فی اداء الزکوة نعم ان علم الآخذانه تملیک بالشرط وقبل یتادی الزکوٰة بلا شبهة ان الهبة والصدقة لاتفسدان بشرط الفاسد ومن ههنا علم مافی قوله طال بقائه قطع نظر ورع سے میرے نزدیک الیٰ قولہ صورت متعارفہ میں دونوں بشہادت قرائن قویہ معترف ہیں کہ تملیک مقصود نہیں۔ لان فی الصورة المتعارفة تملیکا بالشرط لاهزلا وبینهما فرق فتدبر۔ (یہ عبارت تصحیح اغلاط ص ۲۷ سے نقل کی گئی ہے)

## حکم زکوٰۃ در مال حرام

سوال (۲۸) رشوت سے حاصل کئے ہوئے روپیہ پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں۔ آج کل عام مسلمان جیسے رشوت وکسب حرام پر جری ہیں زکوٰۃ دینے سے بھی اس بناء پر مستغنی ہیں کہ ناجائز مال پر زکوٰۃ ہی نہیں۔ حالانکہ خود استعمال کرنے میں تامل نہیں کرتے اور نہ وہ قریبی رشتہ دار جو مفلس ومصرف زکوٰۃ ہیں اور اتفاقاً یہ روپیہ ان کو ملے۔ پس اگر زکوٰۃ کی نیت پر ان کو دیا جاوے تو کیا مضائقہ ہے۔

الجواب۔ فی الدر المختار[1] **ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه فتجب الزكوة فيه ويورث عنه لان الخلط استهلاک اذالم يكن تميزه الخ** اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ واللہ اعلم۔ ۲۷ محرم ۱۳۲۳ھ (امداد ص:۱۶۰ ج:۱)

خلاصۂ سوال۔ زکوٰۃ در مال رشوت وکسب حرام؟

خلاصۂ جواب۔ وجوب زکوٰۃ۔ (امداد الفتاویٰ جلد ا ص ۱۶۰)

تسامح۔ سوال از مال رشوت وکسب حرام خالص بود ونہ از مال مخلوط حلال بحرام بود جواب از ثانی ست ومطابق سوال نیست۔

اصلاح تسامح۔ لازم ست کہ جواب بایں طور دادہ آید اگر مال تمام حرام وخبیث ست چنانچہ رشوت وکسب حرام دراں زکوٰۃ واجب نیست بلکہ کل واجب التصدق ست **فی القنية لو كان الخبيث نصابا لايلزمه الزكوة لان الكل واجب التصدق عليه فلا يفيد ايجاب التصدق ببعضه آه۔ ومثله فی البزازية ۱۲ ردالمحتار ص ۲۹ باب الزكوة۔قوله بماله متعلق بخلط واما لو خلطه بمغصوب آخرفلا زكوة فيه كما يذكره فی قوله كمالو كان الكل خبيثا ۱۲ ردالمحتار ص:۲۹.هكذا فی الكتاب والله تعالى جل جلاله اعلم بالصواب۔** حررہ فقیر محمد بخش عفی عنہ ساکن چوٹی۔ ہو المصوب جل جلالہ (تتمۂ اولیٰ ص:۳۳۹)

## حکم زکوٰۃ در رقم لگان کہ بذمۂ کاشت کار باشد

سوال (۲۹) کسی شخص کا کچھ روپیہ لگان کا کاشتکار کے ذمہ قرض ہے۔ تین سو روپیہ سے زائد

(۱) اگر اصل سوال میں بظاہر خلط کی قید نہیں اور اس لئے وہ عام ہے اور شامل ہے خالص ومخلوط کو مگر حضرت مولانا نے بناء برعرف اس سے مال مخلوط سمجھا۔ اور اس بناء پر اس کا جواب دیا ہے۔ لیکن تفصیل مال حرام میں یہ ہے کہ اگر وہ مال حرام خالص ہو تب اس میں زکوٰۃ نہ واجب ہوگی۔ کیونکہ اس کے مالک معلوم ہیں تب تو وہ واجب الرد ہے اور اگر معلوم نہیں تو کل واجب التصدق ہے۔ اور اگر مخلوط ہے تب دیکھا جاوے گا کہ اگر مال حرام کی مقدار اس میں سے نکال لی جاوے تو بقدر نصاب بچتا ہے یا نہیں اگر بچتا ہے تو اس مقدار باقی میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور اگر نہیں بچتا تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ حضرت مولانا کے اس جواب پر بعض علماء نے کلام کیا ہے جو کہ ملحقات تتمۂ اولیٰ میں درج ہے۔ اور احقر نے اس پر اصلاحات ملحقات میں کلام کیا ہے۔ (یہ عبارت تصحیح الاغلاط ص ۲۸ سے نقل کی گئی ہے۔)

ہے۔اس کی زکوٰۃ کس وقت دینی چاہئے۔اوراس روپیہ میں حولانِ حول کا ہونا شرط ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار واعلم ان الدیون عندالامام ثلثة قوی ومتوسط وضعیف فتجب زکوتها اذاتم نصابا وحال الحول الخ فی ردالمحتار قوله وحال الحول ای ولو قبل قبضه فی القوی والمتوسط وبعده فی الضعیف وفی الدرالمختار الدین القوی کقرض وبدل مال تجارة وفی العالمگیریة رجل آجرارضه ثلث سنین کل سنة ثلث مائة درهم فحین مضی ثمانية اشهر ملك مائتی درهم فینعقد علیه الحول فاذا مضی حول بعد ذلك فعلیه زکوٰة خمسمائة الخ۔

ان روایات کی بناء پرصورت مسئولہ میں زکوٰۃ فرض ہے۔اور حولانِ حول بھی شرط[1] ہے۔ رہی یہ بات کہ ابتداء حول کس وقت سے لی جاوے گی اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر زمیندار ایسے نصاب کا مالک نہیں ہے جو کہ جنس دین سے ہے تب تو جس وقت وہ بقدر نصاب اُجرت کا مالک ہو جائے اس وقت سے حساب ہوگا کما فی العالمگیریه رجل آجرارضه ثلث سنین کل سنة ثلث مائة درهم فحین مضی ثمانية اشهر ملك مائتی درهم فینعقد علیه الحول فاذامضی حول بعد ذلك علیه زکوٰة خمسمأة آه اور اگر وہ مالک نصاب مذکور ہے تو یہ اجرت حولانِ حول اصل نصاب کے تابع ہوگی۔اور جس قدر اُجرت کا مالک ہوتا جاوے گا وہ مقدار اصل کے ساتھ ملتی جاوے گی۔جب اصل نصاب پر حولانِ حول ہوگا تو اس وقت جس قدر مقدار اُجرت کا مالک ہوگا۔اس پر بھی حولانِ حول ہو جاوے گا۔اور اصل نصاب اور اس مقدار دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔کما تقضیه اطلاق قولهم والمستفاد فی اثناء الحول یضم الیٰ نصاب من جنسه انتهی شامی۔مگر اداءِ زکوٰۃ دین مذکور قبل از قبض واجب نہیں۔بلکہ اس وقت واجب ہے جبکہ دین مذکور میں سے دوسو درہم یعنی چون روپے بارہ آنہ تین رتی (کما قال المولوی احمد حسن فی حاشیۂ بہشتی زیور) وصول ہو جاویں۔ لانه دین متوسط وقال فی الدرالمختار وعند قبض مائتین منه لغیرها ای من بدل مال لغیر التجارة والدین المتوسط ۔واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ (امداد ص:۱۶۲ ج:۱)

## حکم زکوٰۃ گرفتن آں کہ مالکِ نصاب نباشد

سوال (۳۰) ایک شخص کے پاس کچھ زیور ہے۔مگر نصاب سے کم ہے اس شخص کو اگر کوئی شخص زکوٰۃ دینا چاہے تو کس مقدار تک یہ شخص لے سکتا ہے۔

الجواب۔فی الدرالمختار وکره اعطاء فقیر نصابا واکثر اس روایت سے معلوم

---

(۱) یہ تغیر تصحیح الاغلاط صفحہ ۲۸ سے کیا گیا ہے۔۱۲

ہوا کہ شخص مذکور فی السوال کو اس قدر لینا تو بلا کراہت جائز ہے جس کو لیکر وہ اب بھی صاحبِ نصاب نہ ہوجاوے اور زیادہ لینا مکروہ ہے [۱]۔ واللہ اعلم۔ ۸ رذی الحجہ ۱۳۲۴ھ (امداد ص: ۱۶۲ ج: ۱)

## عدم جواز استقراض از مدّ زکوٰۃ برائے مدّ دیگر مدرسہ وصرف یک مد در دیگر

سوال (۳۱) ایک مدرسہ میں دو مد قائم ہیں۔ایک مد میں زکوٰۃ اور صدقات اور فدیہ وغیرہ کی آمدنی جمع ہوتی ہے۔دوسرا مد عام اغراض کے لئے ہے۔جس میں یکمشت امدادی رقم اور دوامی چندہ اور تقریبات شادی وغیرہ کی رقومات آتی ہیں۔مد زکوٰۃ صدقات وفدیہ وغیرہ میں سے یتامیٰ اور مساکین کی خوراک اور پوشاک وغیرہ کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔اور عام اغراض میں سے تنخواہ مدرسین ودیگر ملازمین اور کرایہ مکان مدرسہ اور فرش وصفائی وچھپائی اشتہارات وطبع کیفیت وڈاک وغیرہ میں خرچ ہوتا ہے۔مدرسہ کے ذمہ بابت خریداری زمین کچھ روپیہ قرض ہے جس کا قرض ہے اس نے اپنا روپیہ طلب کیا۔اور مدرسہ میں عام اغراض میں اس قدر روپیہ نہیں جو اس کے قرض کو پورا کرے اور جو روپیہ مد زکوٰۃ میں موجود ہے وہ اس قدر ہے کہ قرضدار کا قرض دیکر کسی قدر روپیہ بھی بچتا ہے۔صرف یہ دریافت طلب ہے کہ مد عام اغراض میں جس قدر روپیہ موجود ہے اوّل وہ روپیہ دیا جاوے اور باقی جو کسر رہے اگر مد زکوٰۃ میں سے قرض لیکر دیا جاوے درست ہے یا نہیں۔اور تحویلدار نے بوجہ اس قدر معلوم ہونے کے کہ شاید مد زکوٰۃ میں سے لینا درست نہ ہو زکوٰۃ میں سے روپیہ دینے میں تأمّل کرنا چاہا۔بلکہ اراکین کے سامنے یہ بھی کہا کہ یہ درست نہ ہوگا مگر نہ مانا بلکہ یہ کہا کہ درست ہے تم زکوٰۃ میں سے قرض دیدوان کے اصرار کرنے سے تحویلدار نے روپیہ مد زکوٰۃ سے دیدیا یہ گناہ تحویلدار کے ذمہ ہوا یا نہیں۔اور یہ امر درست ہے یا نہیں۔یعنی زکوٰۃ میں سے قرض لینا درست یا نادرست۔لہٰذا براہ عنایت جواب عنایت فرمائیے۔

الجواب۔ [۲] باذن معطین درست ہے کیونکہ اموال مذکورہ ہنوز ان کے ملک سے خارج نہیں ہوئے۔رہی یہ بات کہ صورت مسئولہ میں اذن معطین دلالۃ ہے یا نہیں یہ ایک واقعہ ہے۔اور ظاہر یہ ہے کہ اذن ہے۔کیونکہ جب چندہ دینے والے چندہ دیتے ہیں تو عادت یہی ہے کہ وہ اس سے اپنا تعلق تصرف منقطع کردیتے اور متولّی کو ہر مناسب تصرف کا اختیار دیدیتے ہیں اس لیے صورت مسئولہ میں تصرف مذکورہ جائز ہے۔واللہ اعلم۔(امداد ص: ۱۶۳ ج: ۱)

سوال (۳۲) مد زکوٰۃ میں سے قرض لیکر دوسری مد میں خرچ کرنا اس طور پر کہ بعد وصول

---

(۱) لیکن اگر یہ شخص مقروض ہو یا عیال زیادہ رکھتا ہو کہ قرض ادا کرکے یا عیال کی حوائج میں صرف کرکے نصاب نہ رہے گا پھر مکروہ نہیں کذا فی الدر المختار ۱۲ منہ۔

(۲) یہ تغیر تصحیح الاغلاط ص ۲۹ سے کیا گیا ہے ۱۲۔

چندہ یہ رقم مدزکوٰۃ میں شامل کردی جاوے گی جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ یہ بھی باذن معطین درست ہے۔ ۱۴ر صفر ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۵۸)

## حکم زکوٰۃ درمکانات کرایہ

سوال (۳۳) چہ می فرمایند علماء دین اندریں مسئلہ کہ برمکانات ودوکانات کہ زائد از سکونت ہست وبراں کرایہ گرفتہ می شودآیا زکوٰۃ واجب ست یانہ۔ بینواتوجروا۔

الجواب۔ زکوٰۃ براینہا واجب نیست زیرا کہ نامی شدن نصاب از شرائط زکوٰۃ است ومکانات[1] نامی نیستند ومنھاکون النصاب نامیًا۔عالمگیری جلد اول ص: ۱۷۱ ولافی ثیاب البدن واثاث المنزل ودورالسکنی ونحوھا۔ درمختار قولہ ونحوھا کحوانیت دخانات یستغلھا طحطاوی مصری جلداول ص: ۳۹۲۔ ذیقعدہ ۱۳۰۰ھ (امداد ص:۱۶۴ ج:۱)

## جواز گرفتن زکوٰۃ طالب علم غنی را

سوال (۳۴) اگرسفر میں کوئی مال دار طالب علم یا کوئی شخص صاحب نصاب ہو۔ خواہ بقدر نصاب اس کے ساتھ ہو یا نہ ہو اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ ابن السبیل مالک نصاب خواہ طالب علم ہو یا غیر طالب علم۔ جب اس کے پاس خرچ نہ رہے زکوٰۃ لینا بقدر حاجت جائز ہے۔اگر فقیر ہوتو حاجت سے زیادہ بھی جائز ہے۔ ابن السبیل وھو کل من لہ مال لا معہ درمختار وفی الشامی عن الفتح ولایحل لہ ان یاخذ اکثر من حاجتہ۔ اور بعض فقہاء نے جو طالب علم کے لیے مطلقاً اخذ زکوٰۃ جائز رکھا ہے کما فی الدرالمختار ان طالب العلم یجوز لہ اخذالزکوٰۃ ولو غنیا الخ وہ غیر معتمد ہے۔ کما فی الطحطاوی وھذا الفرع مخالف لاطلا قھم الحرمۃ فی الغنی ولم یعتمدہ احد آھ۔ پس قول مرجوح پر افتاء باطل ہے۔ کما بین فی رسم المفتی۔ واللہ اعلم۔ ۲۹ر محرم ۱۳۰۴ھ (امداد ص ۱۶۵ ج ۱)

## تحقیق وجوب زکوٰۃ براصل ومنافع درمال تجارت وکمپنی وصرف زکوٰۃ درمدرسہ

سوال (۳۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک کمپنی قائم ہوئی ہے جو کہ ایک معین سرمایہ سے کاروبار کرنا چاہتی ہے۔ اور اس سرمایہ کو معین حصوں میں (مثلاً سو یا ہزار) پر تقسیم کرکے ان حصوں کو معین قیمت پر فروخت کرتی ہے۔ کوئی ایک حصہ خریدتا ہے کوئی دو کوئی چار کوئی دس الیٰ غیر ذلک

---

(۱) البتہ اگر کوئی شخص یہی تجارت کیا کرے کہ مکان خرید لیا اور بیچ دیا تو مثل مال تجارت ان مکانات کی قیمت میں بھی زکوٰۃ لازم ہے۔ ۱۲ منہ

اور اس طرح وہ سرمایہ کی معینہ رقم وصول کر کے کاروبار کرتی ہے۔ اور کاروبار کی نوعیت بھی مقرر نہیں ہے۔ بلکہ وہ کمپنی کی رائے پر ہے اگر وہ سود پر روپیہ دینا مصلحت سمجھتی ہے تو سود پر دیدیتی ہے۔ اور اگر وہ کسی قسم کا کارخانہ قائم کرنے میں فائدہ سمجھتی ہے تو کارخانہ قائم کرتی ہے۔ اور اگر کوئی دوکان کھولنا مفید سمجھتی ہے تو دوکان کھولتی ہے۔ غرض جس کام میں وہ فائدہ سمجھتی ہے وہ کرتی ہے۔ شیر خریدنے والوں کو اس کے کاروبار سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ وہ مال تقسیم کرا سکتے ہیں نہ روپیہ واپس لے سکتے ہیں۔ اور نہ انفرادی حیثیت سے کسی قسم کی مداخلت کر سکتے ہیں۔ اور اجتماعی حیثیت سے بھی صرف اس حد تک مداخلت کر سکتے ہیں جس حد تک کہ ان کو کمپنی کے قواعد وضوابط کی رو سے حق حاصل ہے۔ انفرادی حیثیت سے ہر حصہ دار کو دو حق حاصل ہیں۔ ایک یہ کہ نفع جس قدر ان کے حصے میں آئے وہ لے لیں۔ اور دوسرا یہ کہ اگر وہ اپنا حصہ کسی کے ہاتھ فروخت کرنا چاہیں تو فروخت کردیں اس سے زیادہ ان کو حق نہیں اس کے متعلق دریافت طلب یہ امر ہے کہ وہ روپیہ جو کمپنی نے خریداران شیر سے وصول کیا ہے اور اس سے جو اشیاء منقولہ یا غیر منقولہ خریدی ہیں یا اس کو کسی دوسرے کام میں لگایا ہے کس کی ملک ہے۔ آیا خریداران شیر کی یا کمپنی کی۔ اگر کمپنی کو مالک کہا جاوے اور خریداران شیر کمپنی کو سودی قرض دینے والے قرار دیئے جائیں، تو خریداران شیر اصل اور سود دونوں کی زکوٰۃ ادا کریں گے یا صرف سود کی اس کا جواب اس امر کو پیش نظر رکھ کر دیا جاوے کہ خریداران شیر اصل رقم کمپنی سے وصول نہیں کر سکتے ہیں۔ البتہ اگر کمپنی کسی وقت ٹوٹ جائے تو اس کا سرمایہ حصہ داران میں بمقدار حصہ تقسیم ہو جائے گا۔ اور اگر خریداران شیر کو مالک کہا جاوے اور کمپنی کارکن تو اس صورت میں خریداران شیر اپنے مال کی زکوٰۃ کس قاعدہ سے دیں گے۔ اس کے جواب میں بھی اس امر کو ملحوظ رکھا جاوے کہ خریداران شیر کو کمپنی کے مقبوضات میں سوائے متذکرہ بالا دو حقوق کے اور کسی تصرف کا حق نہیں۔ نیز یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ مالکوں کے مالکانہ تصرفات سے اس درجہ مجبوری اور کمپنی کا اختیار کامل کمپنی کو غاصب کی حد میں تو داخل نہ کر دے گا۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ قواعد کا مقتضا ظاہراً یہ ہے کہ کمپنی میں رقم داخل کرنے کے بعد بھی حصہ دار ہی مالک رہیں۔ اور کارکن وکیل اور عدم واپسی کی شرط فاسد جس کا اثر حصہ داروں کے ربح پر نہ پڑے گا وکیل کی اجرت پر پڑے گا کہ اجر مثل سے زائد کا وہ مستحق نہ ہوگا۔ اور چونکہ یہ شرط مالک کی رضا سے ہے اس لئے غصب میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اور جب حصہ دار رقم کا مالک ہے تو زکوٰۃ بھی اس پر واجب ہوگی۔ باقی اگر یہ تحقیق نہ ہو سکے کہ وہ رقم کس مقدار اور کس صورت میں ہے تب بھی اس بناء پر کہ اصل رقم کا محل وجوب زکوٰۃ ہونا یقینی ہے اور کوئی امر جز زکوٰۃ کا مسقط ومانع ہو مشکوک ہے اور الیقین لا یزول بالشک اس پوری رقم پر زکوٰۃ واجب کہیں گے۔ اور نفع جو وصول ہوا ہے اس میں کوئی وجہ شک کی ہے ہی نہیں۔ جب

تک اس کے خلاف کوئی امر ظاہر نہ ہو استصحاباً یہی حکم باقی رہے گا۔ واللہ اعلم۔

اور واقفین سے معلوم ہوا کہ ان امور کی تحقیق بھی سہولت سے ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں حکم زکوٰۃ سہولت سے متعین ہو جائے گا۔

نوٹ۔ بہتر ہے کہ علماء سے بھی مشورہ کر لیا جاوے۔ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ (النور ذیقعدہ ۵۴ھ)

سوال (۳۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں اوّل کسی شخص نے ایک انجمن تجارت متفقہ میں کچھ زر داخل کر کے شرکت حاصل کی۔ شریک کو انجمن کے کاروبار تجارت خرید وفروخت مال وانتظام واہتمام میں کسی قسم کی مداخلت نہیں۔ مہتمم وسربراہ کار ششماہی خواہ سال تمام پر حسب قاعدہ معینہ زرمنافع شرکاء کے پاس بھیجدیتا ہے۔ ایسی صورت میں زرمنافع پر جو شریک کو وصول ہو زکوٰۃ واجب ہے یا زر اصل ومنافع دونوں پر۔ دوم زر زکوٰۃ تعلیم اطفال مسلمانان میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں۔ عام اس سے کہ تعلیم علوم دینی ہو یا دنیوی مثلاً زکوٰۃ دینے والے کو محض ہمدردی قومی اور حُبِ اسلامی سے یہ مقصود ہے کہ مسلمان جو بوجہ عام عدم حصول اُن علوم کے کہ فی زمانہ آلۂ کسب معاش سمجھے جاتے ہیں افلاس میں بسر کرتے ہیں، ان علوم سے ماہر ہو جائیں اور ان پر نوکری گورنمنٹ اور معاش کا دروازہ کھل جائے۔ اور اس ذریعہ سے ان کی فلاکت وتنگدستی دُور ہو۔ پھر حاجات دنیوی سے فارغ البال ہو کر اگر توفیق ایزدی رفیق ہو تو ان سے دینی امور کی امداد کی بھی امید ہے۔ پس زر زکوٰۃ بے مایہ اطفال کے خورد نوش یا کتابوں کی خرید یا معلموں مدرسوں وماسٹروں کی تنخواہ یا مدرسہ کی تعمیر یا ضروری سامانِ نشست وبرخاست واسباب استراحت اطفال واہل مدرسہ میں صرف کرنا جائز ہوگا یا نہیں۔؟

**الجواب۔** جواب سوال اول صورت مسئولہ میں آخر سال میں جس قیمت کا سرمایہ اسکے حصہ کا اور جس قدر اس پر منافع ہو دونوں میں زکوٰۃ واجب ہے۔ **فی الدر المختار نام ولو تقدیرا بالقدرة علی الاستمناء ولو بنائبه والمستفاد وسط الحول یضم الی نصاب من جنسه فیزکیه بحول الاصل۱۲ وفی عرض تجارة قیمة نصاب ۱۲ واللّٰہ اعلم۔**

جواب سوال دوم۔ اداء زکوٰۃ میں چونکہ تملیک شرط ہے۔ لہٰذا مصارف مذکورہ میں صرف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی۔ البتہ جواز کا یہ حیلہ (۱) ہے کہ اولاً کسی مستحق کی تملیک کر دی جاوے پھر وہ اپنی طرف سے ان مصارف میں صرف کر دے۔ لیکن اس مستحق کو صرف نہ کرنے کا بھی اختیار ہے **(یصرف الی کلهم او بعضهم تملیکاً لاالی بناء مسجد و کفن میت وقضاء دینه وثمن**

---

(۱) لیکن یہ حیلہ اگر محض ضابطہ ہی پورا کرنے کو کیا ہے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اور اگر تملیک واقعی ہوتی ہے تو اس کو حیلہ کہنا مجاز ہے اور زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی ۱۲ منہ

مایعتق لعدم التملیك وهو الرکن وقدمنا ان الحیلة ان یتصدق علی الفقیر ثم یامره ان یفعل هذه الاشیاء وهل له ان یخالف امره لم اره والظاهر نعم ۱۲ واللہ اعلم۔ (امداد ص ۱۲۵ ج ۱)

## کمپنی میں جو روپیہ لگائے اصل و نفع پر زکوٰۃ کا حکم

سوال (۳۷) زید نے ایک میل کمپنی کے حصے خریدے۔ ایک حصہ ۷۰۰ میں خریدا آج وہ حصہ ۴۰۰ میں بکتا ہے۔ اصل حصہ سو روپے کا ہے۔ اس کی آمد سالانہ کبھی ۱۰۰ کبھی زیادہ ہے۔ زید زکوٰۃ کس طرح دے۔ اور مفصل گزارش یہ ہے کہ کمپنی کی جائداد یعنی عمارت اور اس کی مشینیں سانچے وغیرہ یہ کل ۲۵ لاکھ روپیہ کی ہیں۔ اور روپیہ جمع ۲۵ لاکھ ہیں۔ زید کے حصہ میں اگر یہ جائداد اور روپیہ جمع ہوا تقسیم ہوئے تو دو سو روپے آنے کی امید ہے۔ یہ تو جواب ہے۔ اب بندہ پھر تفصیل سے عرض کرتا ہے۔ شروع کمپنی جب ہوئی تو ایک حصہ ایک سو روپیہ کا تھا ایسے دس ہزار حصے کے خریدار لوگ ہوئے جس سے دس لاکھ روپیہ جمع ہوگیا۔ اس کی ایک عمارت بنائی اور کچھ مشینیں لاکر اس میں نصب کردی گئیں۔ پہلے سال سو روپے پر اس کمپنی نے نفع دس روپیہ تقسیم کیا تو ایک حصہ جو سو کا تھا دو سو روپے میں پہلے خریدار سے عمر نے خرید لیا۔ دوسرے سال بیس روپے ایک حصہ جو کہ سو کا تھا اس پر تقسیم کئے جس کی وجہ سے حصہ کی قیمت تین سو کی ہوگئی۔ عمرو سے ایک حصہ بکر نے ۳۰۰ میں خریدا ایسے ہی زیادہ نفع ہونے سے قیمت بڑھ گئی۔ اور بکر سے خالد نے ۴۰۰ میں خریدا پھر خالد سے زاہد نے ۶۰۰ میں پھر زاہد سے اب زید نے ۷۰۰ میں خریدا اب اس سال وہی حصہ ۴۰۰ میں بکتا ہے۔ سرمایہ اور عمارت وغیرہ جمع کی جاوے تو زید کو ۲۰۰ روپے حصہ میں آسکتے ہیں۔ اور سالانہ نفع کبھی سو روپے کبھی دو سو روپے کبھی ڈیڑھ سو روپے۔ اب سوال یہ ہے کہ آمدنی سالانہ پر زکوٰۃ دے یا سرمایہ و جائداد کی قیمت کرکے جو حصہ جس قدر زید کے حصہ میں آوے اس مقدار پر زکوٰۃ دے یا اصل حصہ ۱۰۰ کا تھا اس مقدار پر زکوٰۃ دے۔ یا آج کل اس کی قیمت ۴۰۰ کی ہوگئی ہے اس مقدار پر زکوٰۃ دے تحریر فرماویں۔

الجواب۔ جواب سے پہلے یہ مقدمات سن لینا چاہئیں۔

(۱) تجارت کی اصل اور نفع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔

(۲) عمارات و آلات حرفہ پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

(۳) مال حرام پر اگر وہ اپنی ملک میں مخلوط ہوجاوے زکوٰۃ ہے۔ مگر بقدر حق غیر دین ہونے کے سبب زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوجاوے گا۔

اِن مقدمات کے بعد اب سمجھنا چاہئے کہ ابتدائی شرکت میں اصل شریک کا جو مثلاً سو روپے کا تھا۔ اس میں سے کچھ حصہ تو عمارات و آلات میں لگ گیا اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی۔ اور کچھ حصہ تجارت

میں لگا اس پر مع نفع کے زکوٰۃ واجب ہوئی۔خواہ نفع پورا اس شریک کو مل گیا ہو خواہ کچھ تقسیم ہو کر بقیہ سرمایہ میں شامل ہو گیا۔مثلاً سو روپے میں بیس تو عمارات و آلات میں لگ جاویں اور اسّی تجارت میں لگ جاویں۔اور اس اسّی پر پندرہ روپیہ نفع ہو جس میں سے دس تو شریک کو ملے اور پانچ سرمایہ میں داخل کر دیئے گئے۔اب زکوٰۃ ۹۵ روپے پر واجب ہوگی۔پھر جب یہ حصہ مثلاً کسی نے خریدا تو حقیقت عقد کی یہ ہوگی کہ ۸۵ روپے تو ۸۵ روپیہ کے عوض میں ہو گئے۔اور ایک سو پندرہ روپے حصہ آلات وعمارات کے عوض میں۔کیونکہ بدون اس تاویل کے یہ بیع جائز نہ ہوگی۔اب شبہ رہا تقابض کا سو آلات و عمارات کے حصہ میں تو تقابض شرط ہی نہیں۔اب حصہ پچاس کا رہا سو بیع صرف کی بناء پر تو تقابض فی المجلس ضرور تھا جو یہاں ممکن نہیں۔اس لیے اس کی صحت کا یہ حیلہ ہو سکتا ہے کہ جو شخص صورۃً وعرفاً بائع ہے وہ مشتری حصہ سے پچاسی روپے قرض لے لے۔پھر اس پچاسی روپے کا حوالہ اسی پچاسی روپے پر کر دے جو کہ کارخانہ میں اس کے امین یعنی منیجر کے قبضہ میں ہے۔اور اب اس کو یہ مشتری اپنی طرف سے وکیل و امین بناتا ہے۔پس حوالہ مع قبض الامین سے وہ ۸۵ روپے اس مشتری کے حصے کی ملک میں آ گیا۔اور معاملہ مکمل ہو گیا۔اب یوم ملک سے حولان حول ہونے پر حساب کرنے سے دیکھا جائے گا کہ علاوہ آلات وعمارات کے کل سرمایہ کتنا ہے۔اور اس ۸۵ روپے والے کا اس میں اصل اور نفع ملا کر کتنا ہے۔اس مجموعہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔اور اس قیمت کا اعتبار نہ ہوگا جس کے عوض میں یہ حصہ خریدا ہے۔اسی طرح اگر یہ حصہ کسی اور نے خریدا یہی تفصیل تاویل اور احکام کی اس میں ہوگی۔اور اگر بلا اس تاویل کے خریداری ہوئی تو اگر قیمت کی مقدار حصہ سے زائد ہے۔تو گو یہ عقد ناجائز ہے۔مگر اس حصہ میں کسی کا حق نہیں اس لیے زکوٰۃ صرف حصہ میں ہوگی۔اور اگر قیمت کی مقدار حصہ سے کم ہے تو عقد بھی ناجائز ہے اور زائد حصہ دوسرے شخص یعنی بائع کا حق ہے۔مگر چونکہ اس مشتری کے قبضہ میں اور اس کی ملک میں مخلوط ہے اس لئے زکوٰۃ مجموعہ میں ہوگی۔مگر بقدر حق مذکور کے یہ شخص مدیون ہے۔اس لئے اس حیثیت سے یہ مقدار زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوگی۔البتہ اگر صاحب حق معاف کر دے تو پھر باوجود خبث مال کے بوجہ دین نہ ہونے کے پھر مجموعہ پر زکوٰۃ ہوگی اور یہ بائع حربی ہے تو بناء بر روایت اباحت **زیادۃ من الحربی** یہ زائد حصہ حق غیر بھی نہ ہوگا۔امید ہے کہ اس تقریر سے سوال کے سب اجزاء کا جواب ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ ۳؍شوال ۱۳۳۹ھ

دوسرے علماء کو بھی دکھلا لینا یا خود غور کر لینا ضروری ہے۔(حوادث ص ۱۴۱ ج ۵)

**سوال (۳۸)** مذکورہ بالا کمپنی (۱) کے دو ہزار روپیہ کے اگر حصص خریدے تو اس کی آمدنی کے

(۱) یعنی کپڑے اور روئی بنانے کی ملوں کے حصص جن کا تذکرہ کتاب کی اصل ترتیب میں اس سے پہلے سوال کے اندر آیا ہوا ہے ۱۲ محمد شفیع۔

اوپر زکوٰۃ دینا واجب ہے یا دو ہزار روپیہ مذکورہ کے اوپر بھی زکوٰۃ دینا واجب ہے یا آمدنی اور مذکورہ دو ہزار روپیہ دونوں پر زکوٰۃ لازم آئے گی۔؟

**الجواب**۔ زکوٰۃ اصل ونفع دونوں پر واجب ہوتی ہے۔ (تتمۂ اولیٰ ص:۱۵۵)

## مفقود کے مال میں زکوٰۃ کا حکم

(۳۹) اگر کوئی زیور برس دو برس آدمی کے پاس رہے۔ اور وہ پاس سے جاتا رہے۔ یعنی کھویا جاوے تو اس کی زکوٰۃ دینا لازم ہے یا نہیں۔

الجواب۔ اگر خود کھودیا یعنی خرچ کر دیا تب تو سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ واجب رہے گی **بخلاف المستهلك بعد الحول لوجود التعدی**۔ اور اگر خود گم ہوگیا تو سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ ساقط ہوگئی۔ **ولا فی هالك بعد وجوبها** اور اگر بعد گم ہونے کے مل گیا تو دیکھنا چاہئے اگر اس سال زکوٰۃ پورا ہونے کے بعد ملا ان ایام گم گشتگی کی زکوٰۃ لازم نہ آئے گی۔ **ولا فی مال مفقود وجده بعد سنین** رہا آئندہ کے لیے زکوٰۃ کا آنا اس کا یہ حکم ہے اگر سوائے اس کے اس شخص کے پاس پہلے سے اس قسم کا نصاب ہے تو اس کے ساتھ اس کی زکوٰۃ بھی دی جائے گی۔ اور اگر نصاب سے کم ہے تب پانے کے وقت سے سال کامل گزرنا شرط ہوگا۔ **والمستفاد وسط الحول یضم الی نصاب من جنسه فیزکیه بحول الاصل قوله الی نصاب قیدبه لانه لو کان النصاب ناقصاً وکمل بالمستفاد فان الحول ینعقد علیه عند الکمال. شامی**۔ اور اگر سال کے اندر مل گیا۔ تو بھی دیکھنا چاہیے اس کے پاس سوائے اس کے اور مال بھی اس قسم کا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو وقت پانے سے جب ایک سال گزر جاوے تب زکوٰۃ لازم آوے گی۔ اور اگر اور مال بھی ہے کہ دونوں مل کر نصاب زکوٰۃ یا زائد ہو جاوے تو اس کی زکوٰۃ بھی مال باقی کے ساتھ دی جاوے گی۔ **وشرط کمال النصاب فی طرفی الحول فلا یضر نقصانه بینهما فلو هلك کله بطل الحول**۔ درمختار۔ واللہ اعلم۔ ۱۲ر ذیقعدہ ۱۳۰۲ھ (امداد ص:۱۶۶ ج:۱)

## زیور، برتن اور غیر منقولہ جائیداد کی زکوٰۃ کا بیان

سوال (۴۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ زکوٰۃ مفروضہ کا مسئلہ زیور مستورات پر جاری ہوسکتا ہے یا کیا۔ مواضع و دیہات کے منافع سالانہ پر زکوٰۃ ہے یا کہ قیمت مواضع پر زکوٰۃ دینا چاہیے۔ جو ظروف مثل دیگ ہائے ولگن وغیرہ کلاں ہوں اور سال بھر میں ان میں کبھی کبھی استعمال ہوتا ہو۔ اور ہمیشہ روزمرہ مستعمل نہ ہوتے ہوں تو ایسے ظروف، ظروف مستعملہ میں شامل ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ جواب سوال اول۔ جو زیور پہننے کے لیے نہ ہو بلکہ اجارہ یا تجارت یا انفاق وقت حاجت کے لیے ہو یا ممنوع الاستعمال ہو اس میں تو باتفاق مجتہدین زکوٰۃ فرض ہے۔ زیور مستعمل مباح الاستعمال میں ائمہ مختلف ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں بھی فرض ہے۔

لعموم قوله تعالى والذين يكنزون الذهب والفضة ولاينفقونها في سبيل الله فبشرهم بعذاب اليم۔ الأية وقوله عليه السلام في الرقة ربع العشر ولخصوص ماورد فيه وهو ماروى الترمذى عن عمروبن شعيب عن ابيه عن جده ان امرأتين اتيارسول الله صلى الله عليه وسلم وفي ايديهما سواران من ذهب فقال لهما تؤديان زكوته قالتا لافقال لهما رسول الله صلى الله عليه وسلم اتحبان ان يسوركما الله بسوارين من نار قالتا لاقال فأديا زكوته .ومآروى مالك وابوداؤد عن ام سلمة قالت كنت البس اوضاحاً من ذهب فقلت يا رسول الله اكنز هو فقال مابلغ يؤدى زكوته فزكى فليس بكنزٍ والله اعلم۔

جواب سوال ثانی قاعدہ کلیہ ہے کہ اگر نصاب نقود میں سے ہے اس میں زکوٰۃ مطلقاً واجب ہے۔ اور اگر دواب میں سے ہے اور سائمہ ہے تب بھی زکوٰۃ لازم ہے۔ اور اگر غیر نقود وسوائم ہو تو نیت تجارت سے زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔ بل لابدمع الحول من شيئ اخروهو الثمنية كما في الثمنين اى الذهب والفضة اوالسوم كما في الانعام اونية التجارة في غيرما ذكرنا۔ شرح الوقاية۔ پس مواضع اگر واسطے تجارت کے ہیں تو بعد حولانِ حول ان کی قیمت ومنافع پر زکوٰۃ لازم ہوگی۔ اور اگر اجارہ کے لیے ہیں یا اپنے مصارف کے لیے ہیں پس خود ان میں تو زکوٰۃ واجب نہیں وکالحوانيت والعقارات۔ شامی۔ اور ایسے ہی اگر منافع یا کرایہ جنس غلات سے ہو۔ البتہ اگر زر کرایہ یا منافع نقود میں سے ہو اور اس پر سال بھر گزر جاوے اس میں زکوٰۃ واجب ہے۔ لما مرمن وجوب الزكوة في النقدين مطلقاً۔ واللہ اعلم۔

جواب سوال ثالث۔ ظروف مستعملہ حاجت اصلیہ میں داخل ہیں۔ ان میں زکوٰۃ نہیں ولا بد ان يكون فاضلاً من حاجته الاصلية كالاطعمة والثياب واثاث المنزل شرح الوقاية۔ واللہ اعلم (امداد ص:۱۶۷ ج:۱)

## ادائے زکوٰۃ بذریعہ منی آرڈر

سوال (۴۱) منی آرڈر کے ذریعہ سے کسی فقیر کو زکوٰۃ بھیجنے سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں۔ وجہ شک یہ ہے کہ فقہاء نے تو یہ تصریح کی ہے کہ کافر کو وکیل بنانا ادائے زکوٰۃ میں جائز ہے۔ مگر یہاں اہل

ڈاک خانہ صرف وکیل ہی نہیں بلکہ یہ عقد داخل قرض ہوکر یہ صورت قرار پائی کہ کافر مدیون سے یوں کہا کہ ہمارا یہ قرض زید کو دیدینا اور دل میں یوں نیت کی کہ ہم زکوٰۃ میں دلاتے ہیں۔ لہٰذا مسئلہ دو وجہ سے مشکوک ہوا۔ ایک تو یہ کہ حوالہ سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں۔ دوم کافر کے اس طرح دینے سے زکوٰۃ جائز ہوگی یا نہ، آج کل مدارس میں اس کا بہت دستور ہے۔

الجواب (۱) فی الدرالمختار مسائل متفرقة من کتاب الهبة تملیك الدین ممن لیس علیه الدین باطل الافی ثلث حوالة اووصیة اواذاسلطه ای سلط المملك غیرالمدیون علی قبضه ای الدین فیصح حینئذٍ ومنه مالووهبت من ابنهاما علی ابیه فالمعتمد الصحة للتسلیط۔

اس جزئیہ ومنہ مالووہبت الخ سے معلوم ہوا کہ صورت تسلیط میں بالفعل تملیک ہوتی ہے۔ ورنہ صحت کو تسلیط سے معلل نہ کیا جاتا کیونکہ قبض حسی کے وقت تو صحتِ ہبہ میں کوئی تردد ہی نہیں پھر اس میں ترجیح صحت کے کوئی معنی نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ خود تسلیط تملیک ہے۔ گو قبل القبض اس تسلیط سے عزل جائز ہو لعدم تمام العقد کما لو قال وهبت ولم یقل الآخر قبلت یصح رجوعه ومع ذلك هو تملیك ویصح نیة الزکوة عنده وان لم ینووقت قبول الموهوب له پس جب تسلیط تملیک ہے۔ اور تملیک کے وقت نیت اداء زکوٰۃ کافی ہے۔ اور منی آرڈر بھیجنے میں یقیناً تسلیط ہے۔ لہٰذا روانگی منی آرڈر کے وقت نیت کافی ہے۔ اب دونوں وجہ شک کی جاتی رہیں۔ کیونکہ یہاں حوالہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اور نہ کافر کے دینے سے بلکہ مزکی کی تسلیط سے۔ کماذکر مفصلاً۔ فقط۔ واللہ اعلم۔ ۱۸/ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ص:۱۶۹ ج:۱)

## تحقیق ادائے زکوٰۃ بذریعہ منی آرڈر و جواب شبہ بریں مسئلہ

سوال (۴۲) ص:۲۵ فتاویٰ اشرفیہ حصہ دوم میں مسئلہ منی آرڈر کے متعلق قصور فہم سے کچھ خلجان ہے اس لیے کہ تسلیط کو تملیک کہا گیا اگر اسی مسئلہ میں براہ راست کسی فقیر کو منی آرڈر نہ کیا جاوے بلکہ کسی غنی کے ذریعہ سے تو لامحالہ یہ تسلیط تملیک نہیں بلکہ توکیل بالقبض ہے پھر اقتران نیت بوقت منی آرڈر کرنے کے مفقود ہے۔ و نیز فقہاء قاطبہ تسلیط کو توکیل بالقبض کہتے ہیں۔ کہ جس کے بعد مسلط اصیل فی القبض لنفسه ہوتا ہے چنانچہ شامی قوله علی قبضه بر سائحانی سے نقل کرتے ہیں وح یصیروکیلافی القبض عن الآمرثم اصیلاً فی القبض لنفسه الخ اور جس عبارت کو صاحب درمختار نے الااذاسلطه سے تعبیر کیا ہے ہدایہ ص:۱۷۰ کتاب الوکالة بالبیع

(۱) اس جواب کی توضیح امداد الفتاویٰ جلد سوم ص ۵۶ میں ہے ۱۲ تصحیح الاغلاط ص ۳۰

والشراء من تمليك الدين من غير من عليه الدين من غير ان يوكله بقبضه وذلك لا يجوز الى قوله بخلاف ما اذاعين البائع لانه يصيرو كيلا عنه في القبض ثم بتملكه الخ سے تعبیر کیا ہے جس سے تسلیط اور توکیل کا متحد ہونا ثابت ہے۔ اور صاحب درمختار نے بھی کتاب الوکالة بالبيع والشراء میں مسئلہ مذکورہ کو وجعل البائع وكيلاً بالقبض دلالةالخ سے ذکر کیا ہے۔ اور اگر تسلیط سے مانحن فيه من تمليك مراد لیا بھی جاوے تو معنی الااذا سلطه على قبضه کا الااذاملكه على قبضه ہوا اور تمليك على القبض توكيل على القبض ہے نہ تملیک العین۔ پس اقتران بوقت تملیک کیونکر مستحق ہوا۔

الجواب۔ تسلیط وکیل کا اتحاد اس وقت مضر ہوتا ہے کہ یہاں صرف تسلیط ہوتی اور جبکہ یہاں تملیک بھی ہے کماہو مذکور صریحافی قولہ تملیک الدین الخ اور اس کی شرط میں کہا ہے اذا سلطہ الخ تو تملیک مع التوکیل بالقبض متحقق ہوگئی اور تملیک کے وقت نیت مقارن ہے پس محل تردد نہیں ہے۔ چنانچہ بعد عبارت سائحانی منقول فی السوال مصرح ہے۔ واذا نوى في ذلک التصدق بالزكوة اجزاه كما في الاشباه اس تقریر سے محذور اخیر جو مبنی ہے تسلیط وتملیک کے اتحاد پر نیز دفع ہوگیا۔ کیونکہ اتحاد کا دعویٰ نہیں کیا گیا اور اگر اس جملہ سے ایہام ہو کہ ''خود تسلیط تملیک ہے'' تو اس سے اصل مقصود یہ دعویٰ کرنا ہے کہ تملیک وقت قبض تک مؤخر نہیں بلکہ بالفعل ہے البتہ تعبیر میں تسامح ہے مقصود تسلیط وتملیک کی مفارقت کا دعویٰ ہے فافہم البتہ غیر فقیر کی معرفت بھیجنے میں یہ تقریر جاری نہ ہوگی جس سے اصل سائل نے بھی سوال نہیں کیا۔ جیسا اس کی ظاہر عبارت سے مفہوم ہوتا ہے۔ گو مدارس کا ذکر قرینہ عموم تھا مگر اس کی طرف التفات نہ ہوا تھا۔ بہرحال اس صورت میں وکیل کی نیت کو شرط کہا جاوے گا۔ واقعی اصل جواب میں اس کی تصریح ہونا مناسب بلکہ ضروری تھا۔ واللہ اعلم۔ ۲۵ رذی الحجہ ۱۳۲۱ھ (امداد ص:۵۶ ج:۳)

## توکیل زکوٰۃ میں غلطی

سوال (۴۴۳) زید نے عمرو سے کہا کہ میں کچھ کتابیں زکوٰۃ میں دینا چاہتا ہوں۔ اس میں سے دس کتابیں مسماۃ ہندہ کو دینے کا ارادہ ہے تم کسی طرح اس سے پوچھ لو کہ آیا اس کے پاس بھیجدی جاویں یا تم اس کی جانب سے وکالۃً قبضہ کرلو۔ ہندہ اس شہر میں نہ تھی اتفاق سے بکر آیا تو عمرو نے یہ ذکر کر کے کہا کہ ہندہ سے پوچھ کر مجھ کو اطلاع دینا۔ غلطی سے بکر نے بجائے ہندہ کے زینب سے پوچھ کر عمرو کو لکھ بھیجا کہ میں فروخت نہیں کرسکتی تم قبضہ کر کے فروخت کردو۔ خط میں بکر نے ہندہ زینب کسی کا نام نہیں لکھا۔ عمرو یہ سمجھا کہ میں ہندہ کا وکیل ہوں اور کتابیں لیکر بیچ ڈالیں جب قیمت بکر کے پاس بھیج کر لکھا کہ ہندہ کو

دیدو تو بکر نے اطلاع دی کہ میں نے تو زینب سے پوچھا تھا۔ اور تم نے زینب ہی کے بارہ میں مجھ سے کہا تھا۔ غرض زید نے اپنے خیال میں کتابیں ہندہ کو دیں اور عمرو نے اپنے نزدیک بھی اسی کی جانب سے قبضہ کیا۔ بکر سے اتفاقاً غلطی ہوگئی۔ تو اب زکوۃ ادا ہوئی یا نہیں۔ اور قیمت کتب کس کو دینا چاہئے۔ اس مسئلہ میں بڑا تردد ہے۔

الجواب۔ یہاں جب واقع میں عمرو کسی کا وکیل نہیں ہے اس لیے یہ بیع کتب حق زید میں تصرف فضولی ہے۔ پس اگر زید نافذ رکھے گا نافذ ہو جاوے گی۔ اور قیمت ملک زید ہوگی۔ اور بجائے کتب اب زکوۃ روپیہ کے متعلق سمجھی جاوے گی۔ پس اگر وہ روپیہ ہنوز قبض زینب میں نہیں پہونچا تو زید کو اختیار ہے جس کو چاہے دیدے۔ اور اگر قبض زینب میں پہونچ گیا ہے اور بعینہٖ باقی ہے تو اب زید کی نیت کرنے سے زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ اور اگر باقی نہیں رہا تو زید عمرو سے رجوع کرے اور عمرو بکر سے اور بکر زینب سے کیونکہ یہ سب تصرفات حق غیر میں ہوئے۔ اس لئے یہ تصرفات فسخ کیے جاویں گے اور ہر شخص اپنے عاقد سے رجوع کرے گا۔ اور اگر زید نے بیع مذکور کو نافذ نہیں کیا تو ان رجوعات مذکورہ کے بعد عمرو وہ کتابیں مشتری سے واپس لیکر اس کو روپیہ ثمن کا واپس کردے اور کتابیں لاکر زید کو دے۔ پھر زید یہ کتابیں زکوۃ میں جس کو چاہے دے۔ فقط۔ (امداد ص:۱۶۹ ج:۱)

## وکیل زکوۃ کا زکوۃ کے روپیہ کو نوٹوں سے بدلنا

سوال (۴۴) ایک شخص نے کچھ روپیہ بمد زکوۃ ایک اپنے دوست کو دیا۔ کہ یہ رقم ایک مدرسہ میں بھیجدو۔ چنانچہ اس دوست نے وہ روپیہ نوٹوں میں ایک لفافہ میں بند کر کے اپنے نابالغ لڑکے کو جو بظاہر کچھ نہ کچھ سمجھدار ہے دیا۔ کہ اس کی رجسٹری کرادو۔ اس لڑکے نے بھول سے بجائے رجسٹری کرانے کے ویسے ہی خط بند کر کے ڈاک میں چھوڑ دیا۔ اس خط کے اندر ہی نوٹ تھے جو مدرسہ میں جانے کو تھے۔ وہ خط راستہ میں گم ہوگیا۔ اور مدرسہ تک نہیں پہونچا۔ اب یہ فرمایئے کہ وہ روپیہ کس کے ذمہ پڑے گا تاکہ مدرسہ کو ادا کیا جاوے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی الدر المختار کتاب الایداع فلو دفعها لولده المميز الی قوله لم یضمن خلاصہ بناء بر اس روایت کے اپنے سمجھدار لڑکے کو دینا تو موجب ضمان نہیں ہے لیکن جب روپیوں کو نوٹوں سے بدلا تو اس سے یہ دوست ضامن ہوگا اور روپیہ اسی کے ذمہ[1] پڑیں گے۔ فقط۔

۲۸ رجب ۱۳۲۹ھ (تتمہ ص:۵۷ ج:۱)

---

(۱) البتہ اگر یہ تبدیل باذن واقع ہوئی ہو تو ضامن نہیں ہے ۱۲ منہ

## سادات کے لیے زکوٰۃ حرام ہے

سوال (۴۵) سید صاحب نصاب ہو اور اس کے اعزہ میں غریب ومحتاج ہوں۔ اور کوئی ذریعہ ان کی امداد کا بجز زکوٰۃ کے نہ ہو ایسی حالت میں سیّد صاحب نصاب کو اپنے اعزہ غریب کو زکوٰۃ میں سے دینا درست ہے یا نہیں تا کہ ان کی حاجت روا ہو جائے۔ اسی طرح دیگر اقوام شیخ مغل، پٹھان صاحب نصاب اگر کسی غریب سیّد کو زکوٰۃ میں سے دیدیں تو درست ہے یا نہیں کیونکہ آج کل سیّدوں کی حالت بوجہ نہ ہونے ذریعہ معاش کے بہت سقیم ہو رہی ہے۔ اور بیت المال بھی نہیں ہے جس سے امداد کی جاوے۔ مفصل بدلائل حدیث وفقہ ارقام فرمایا جاوے۔

الجواب۔ بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ خواہ دینے والے بھی بنی ہاشم سے ہو یا اور کوئی ہو۔

لقوله عليه السلام لابى رافع مولى القوم من انفسهم وانالاتحل لنا الى بنى هاشم الخ قلت ولاتفتربما يذكرو من جوازها لهم لسقوط عوضها وهو الخمس لانه قياس فى مقابلة النص اولاً ثم هذا القياس نفسه لايتم لانه عليه السلام علّل حرمتها بكونها اوساخ الناس لابتعويض الخمس ههنا وانما هى حكمة مستقلة فى مشروعية حكم الخمس فلما لم يكن علة لم يلزم من ارتفاع الخمس ارتفاع حرمة الزكوة فتأمل حق التأمل۔ اور خدمت سادات کی ہدایا وصدقات نافلہ سے ممکن ہے اور وہ ان کے لیے حلال ہے فى الهدايه بعد الرواية المذكورة بخلاف التطوع فقط۔ (امداد ص: ۱۷۰ ج:۱)

## جو سید مشہور ہو اس کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال (۴۶) جو شخص کہ سیّد کہا جاتا ہے۔ مگر اس کے نسب کا کہیں پتہ نہیں بلکہ یہ خیال ہوتا ہے یہ چونکہ اس کے یہاں تعزیہ داری وغیرہ ہوتی ہے اس کے سبب سے سیّد کہلاتا ہے۔ اور اس طرح قرابتیں بھی عام طور سے جو لوگ شیخ کہلاتے ہیں ان میں ہوتی ہے تو ایسے شخص کو زکوٰۃ کا مال دے سکتے ہیں یا نہیں۔ یا صرف تسامع سے اس کو سیّد مانیں گے گو کہ سید نہ ہو۔

الجواب۔ نسب میں تسامع کافی ہے۔ جبکہ مکذب بیّن نہ ہو۔ فقط۔ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۵۸)

## نابالغ پر زکوٰۃ نہیں

سوال (۴۷) (۱) ولی و سرپرست یتیم پر مال یتیم سے زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے یا نہیں۔ (۲) اور یتیم صاحب نصاب پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ نمبر ۱ و نمبر ۲ نہیں۔ بلکہ جائز بھی نہیں۔ فقط

سوال (۴۸) آیا نابالغ کی چیز میں سے زکوٰۃ نکالنی چاہیے یا نہیں۔ امید کہ حسب الحکم شرع مبین کے جواب سے بواپسی مطلع فرمائیں گے۔

الجواب۔ فی الدرالمختار وشرط افتراضھا (ای الزکوۃ) عقل وبلوغ الخ وفیہ ویجب (ای العشر) فی الدین وفی ارض صغیر الخ۔ ان روایات سے دو امر معلوم ہوئے ایک یہ کہ زکوٰۃ نابالغ کے مال میں واجب نہیں۔ دوسرا یہ کہ عشر نابالغ کی زمین کی پیداوار میں واجب ہے۔ چونکہ بعض لوگ عشر کو بھی زکوٰۃ بولتے ہیں۔ اس لیے جواب میں دونوں کا حکم لکھدیا۔ (تتمۂ ثالثہ ص:۷۲)

## عاریت کے مکان میں رہنے والے مالک نصاب پر زکوٰۃ واجب ہے

سوال (۴۹) مثلاً ایک شخص اگر چہ مکان غیر میں بلا کرایہ سکونت پذیر ہے۔ مگر اپنی ملکیت میں کوئی مکان سکونت نہیں رکھتا۔ اور روزانہ اخراجات میں سے بمشکل کچھ بچا کر کسی قدر جو کہ قدر نصاب کو پہونچ چکا ہو زیور بنوا کر بطور عاریت پہننے کو اہل خانہ کو سپرد کیا۔ زیور مذکور حوائج اصلیہ سے فارغ سمجھا جائے گا یا نہیں۔؟

الجواب۔ ردالمحتار جلد ثانی ص:۹ سے اس مسئلہ کا مختلف فیہ ہونا ظاہر ہوتا ہے کہ اگر نقدین اس غرض سے رکھے ہوں کہ حاجت اصلیہ مسکن وغیرہ میں صرف کیے جاویں تو زکوٰۃ ان کی واجب ہوگی۔ پس احوط اس صورت میں وجوب ہے۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ زیور بنانا قرینہ اس کا ہے کہ گھر بنانے یا خریدنے کا ارادہ بھی نہیں ہے۔ فقط ۵ محرم ۱۳۲۶ھ (تتمہ ص:۵۰)

سوال (۵۰) ایک شخص کے پاس دوسو روپیہ نقد ہیں۔ جن پر سال بھر بھی گزر گیا۔ مگر اس خیال سے جمع کر رکھے ہیں کہ اپنے رہنے کے واسطے مکان خریدے۔ یعنی اس کے پاس رہنے کے واسطے مکان نہیں۔ بلکہ اپنی ہمشیرہ کے مکان میں سکونت پذیر ہے۔ نیز اس پر قرض بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اس صورت میں زکوٰۃ دینی ہوگی یا نہیں۔؟

الجواب۔ اس میں اختلاف ہے۔ مگر راجح وجوب زکوٰۃ ہے۔ والتفصیل فی ردالمحتار جلد ۲ ص:۹۔
۵ رجب ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۵۷)

## جائداد غیر منقولہ میں مقدار غناء کی تحقیق

سوال (۵۱) وجوب فطرو اضحیہ وحرمت اخذ زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ کے لئے عقار کی غناء کس طرح پر ہے۔ بہت جزئیہ دیکھے مگر تسکین نہ ہوئی۔ برہنہ میں ہے کہ زمین کی قیمت اگر نصاب کو پہونچے تو غنی ہے۔ شامی میں ایک مقام پر کہا (کتاب الاضحیۃ قولہ والیسار الخ ولولہ

العقار یستغله فقیل تلزم لو قیمة نصاباً وقیل لویدخل منه قوت سنة تلزم وقیل قوت شهر فمتی فضل نصاب تلزمه آه اور کتاب الزکوٰۃ میں ہے علی قوله فارغ عن حاجته الاصیلة وفیها سئل محمد عمن له ارض یزرعها اوحانوت یستغلها اودار غلتها ثلاثة آلاف ولا تکفی لنفقته ونفقة عیاله سنة یحل له اخذ الزکوة وان کان تبلغ قیمتها الوفاً علیه الفتویٰ وعندهما لایحل۔ اسی قسم اختلاف برجندی ابوالمکارم وبزازیہ وجامع الرموز واشباہ میں بھی ہے کہیں تو زمین کو حاجت اصلیہ میں داخل کرلیا ہے۔ اور کہیں خارج جیسے شامی میں ہے۔ کہیں قیمت زمین کے بعد اخراج قوت سال یا ماہ کی معتبر کی۔ کہیں اعتبار غلّہ کا کہیں ابتداءً کہیں بعد اخراج دخل سال یا ماہ کے۔ اگرچہ شامی کا فتویٰ موجود ہے۔ مگر مقابلہ حل وحرمت کا اور کلمہ عند کا عندہما میں مذہب پر دلالت کرتا ہے۔ شامی جلد اول میں ہے یعمل بما صح من المذهب لابفتویٰ المشائخ المذهب ماقال الإمام۔ دوسری جگہ اس کے خلاف کہا الروایة المختار للفتویٰ مرجح علی ظاهر الروایة۔ جلد ثانی میں ہے ترک ظاہر الروایۃ بقول المشائخ اس مسئلہ میں منقح حکم فرمایا جاوے۔ فقط۔

الجواب۔ روایات مذکورۂ سوال سے زیادہ تو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ لیکن حضرت استاذی علیہ الرحمۃ کو امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ دیتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور خود بھی احقر کا اسی پر عمل ہے۔ مگر اس میں قدرے تفصیل ہے۔ وہ یہ کہ اگر اس عقار سے یہ شخص استغلال نہیں کرتا تب تو خود اس کی قیمت کا اعتبار ہے۔ پس اگر وہ فاضل از حاجت اصلیہ قیمت بقدر نصاب ہے تو مانع اخذ زکوٰۃ وموجب فطر واضحیہ ہے۔ اور اگر اس سے استغلال کرتا ہے تو اس کے غلّہ کا اعتبار ہے۔ اگر اس کا غلّہ سال بھر کے خرچ سے بمقدار نصاب نہیں بچتا تو مانع اخذ زکوٰۃ وموجب فطر واضحیہ نہیں۔ اور امام صاحب کے قول کا تقدم علی الاطلاق نہیں ہے۔ کما فصل فی رسم المفتی واللّٰہ اعلم۔ ۱۱ر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۷ھ فقط (تتمۂ اولیٰ ص:۵۰)

## ختم ماہ وجوب زکوٰۃ پر حساب دشوار ہو تو زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ

سوال (۵۲) زید ایک کارخانہ میں حصہ دار ہے۔ کارخانہ کا سالانہ گوشوارہ نفع ونقصان بحساب شمسی مہینوں کے ۳۰ر جون کو ہوا کرتا ہے۔ ۳۰ر جون کو جو منافع اس کے حساب میں جمع ہوتا ہے اس منافع میں سے سال بھر تک اپنے مصارف پورے کرتا رہتا ہے۔ زید پر زکوٰۃ بماہ رمضان المبارک واجب ہوتی ہے۔ اور یہ ہمیشہ رمضان المبارک میں زکوٰۃ علیحدہ کیا کرتا ہے۔ وہ اس طرح کہ جو رقم اس کارخانہ میں بماہ رمضان المبارک باقی ہوتی ہے وہ اپنی ملکیت شمار کرتا ہے۔ مثلاً ۳۰ر جون کو جب کہ گوشوارہ تیار ہوا تھا تو زید کا سرمایہ مع منافع ایک ہزار روپیہ تھا۔ اور ماہ ستمبر یعنی رمضان المبارک میں اس پر زکوٰۃ

واجب ہوئی۔ اس وقت تک ایک سو روپیہ خرچ ہو چکے تھے۔ اور نو سو روپیہ باقی تھے۔ چنانچہ اس نے ٩٠٠ روپیہ شمار کر کے زکوٰۃ علیحدہ کر دی۔ جو نفع یا نقصان اس کارخانہ میں درمیانی تین ماہ میں ہوا اس کا شمار نہیں کرتا۔ کیونکہ کارخانہ کا حساب سالانہ بحساب شمسی مہینوں کے ہوا کرتا ہے۔ درمیان میں نہ ہوتا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ کیا یہ صورت جائز ہے۔ یا زید اپنے تخمینہ سے اس درمیانی تین ماہ کا نفع نقصان شمار کر کے زکوٰۃ دیدے۔

الجواب۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ رمضان تک جتنا روپیہ صرف ہو چکا ہے اس کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ لیکن اس نو سو روپیہ کے ساتھ اصل سرمایہ کی اور نیز اس تین ماہ میں جس قدر اور نفع ہوا ہو اس مجموعہ کی تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ باقی یہ کہ درمیان سال میں حساب نہیں ہو سکتا ہے سو اگر واقعی یہ حساب دشوار ہے تو تخمینہ احتیاط کے ساتھ کافی ہے۔ اور احقر کے خیال میں تخمینہ کے لئے سال گزشتہ کی نسبت سال آئندہ کا اعتبار اقرب ہے یعنی آئندہ جون میں جب پھر گوشوارہ سے سرمایہ و نفع کی مقدار معلوم ہو تو اس مجموعہ کو ان چڑھے ہوئے تین ماہ قمری پر تقسیم کر دے جو حاصل قسمت ہو اس کو ادا کر کے زکوٰۃ گذشتہ کی تکمیل کر دے۔ اس طرح ہمیشہ سلسلہ جاری رکھے اس میں اتنا کرنا پڑے گا کہ زکوٰۃ ہمیشہ دو بار کر کے ادا کرنا ہوگی۔ اور احتیاط کے لئے کچھ زیادہ دیدے۔ امید ہے کہ کمی بیشی عفو ہو جاوے گی۔ اور اگر اس سے سہل اور اقرب الی التحقیق کوئی صورت نکل سکے اس کو ترجیح ہوگی۔

۱۸ رجب المرجب ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۵۱)

## زکوٰۃ کا حساب قمری سال سے ہونا چاہئے شمسی سے نہیں

سوال (۵۳) عمرو تجارت کرتا ہے۔ اور سالانہ گوشوارہ ۳۰ جون کو بحساب شمسی تیار کرتا ہے۔ اور ۳۰ جون ہی کو زکوٰۃ علیحدہ کرتا ہے۔ سالانہ منافع مثلاً ۵٦۵ روپیہ یا اوسط ایک ہزار روپیہ اور ہوا۔ لہٰذا بابت فرق شمسی و قمری مہینوں کے دس روپیہ زائد شمار کر کے ان دس روپیوں پر بھی زکوٰۃ دیتا ہے۔ کیا یہ صورت جائز ہے۔

الجواب۔ امید ہے کہ ادا ہو جائے گی۔ اگر قدرے زائد دیدے تو احتیاط کی بات ہے۔

۱۸ رجب المرجب ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۵۲)

سوال (۵۴) زید کو اس کے خرچ روزمرہ سے زائد یکم جنوری ۱۹۱۳ء کو سو روپے مل گئے۔ جس کو اس نے بطور پس انداز کے رکھ چھوڑا۔ اور ۲۵ دسمبر ۱۹۱۳ء کو یعنی گیارہ ماہ بعد اس کے پاس مبلغ پانچ ہزار روپے اور آ گئے۔ جس کو بھی پس انداز رکھنے کی غرض سے اسی رقم سو روپے کے ساتھ رکھ دیا۔ اب یکم

جنوری ۱۹۱۴ء کو جو ختم سال کے بعد کا پہلا دن ہوگا۔ اس پر صرف رقم سو روپے کی بابت زکوۃ واجب ہوگی یا مبلغ پانچ ہزار ایک سو روپے کی بابت۔ کیونکہ پانچ ہزار کو ابھی صرف پانچ ہی دن گزرے ہیں۔

الجواب۔ چونکہ زکوۃ میں سال قمری کا حساب ہے۔ اور شمسی سال بڑا ہوتا ہے قمری سے۔ پس ۲۵ر دسمبر کو جو اس کے پاس پانچ ہزار روپے آئے وہ سال قمری کے گزرنے کے بعد آئے اس لیے ان کی زکوٰۃ بابت سال کے واجب نہ ہوگی۔ ۷ر رمضان ۱۳۳۲ھ (حوادث ص:۱۴۵ ج:۱ و ۲)

## معادن میں خمس واجب اور اسلامی بیت المال نہ ہونے کی صورت میں تصدق برفقراء لازم ہے

سوال (۵۵) ماقولکم اندریںکہ در کتب فقہاء نوشتہ اند کہ برلعل و مرجان خمس لازم و واجب نہ گردد زیرا کہ برقعر بحر قہر سلطان نمی رسد ہمچناں در معدن جبال وصحراء خمس لازم نیاید دریں صورت مراد فقہاء کدام جبال وصحراء ست مطلق ست یا مقید ست کہ قہر سلطان دراں: بال نرسد۔ ہر شقے اختیار فرمایند موجبہ بیان فرمودہ جواب ارشاد فرمایند۔ ومعنی قہر سلطان نرسیدن اگر واضح فرمودہ شود تا حکم مسئلہ حل گردد الغرض در اطراف ونواحی ایں دیار جبال کثیرہ است کہ در بعض کوہ چناں ست کہ مسکن مردمان است وبعض کوہ چناں ست کہ چراگاہ، مرعی اہل قریہ است وبعض کوہ چناں است کہ اہل قریہ ہیزم وحطب ازاں کوہ می آرند وبعض کوہ بیکار افتادہ است۔ لیکن ہمہ جبال در ماتحت سلطنت انگریز است ومراد فقہاء کدام کوہ است وبر تقدیر وجوب خمس برفقراء خمس راتقسیم کردن جائز گردد یا نہ زیرا کہ سلطان اسلام یافتہ نمی شود الحاصل برتقدیر خمس برکدام جبال وصحراء لازم آید۔ وبر تقدیر عدم لزوم خمس کدام جبال وصحرا مراد فقہاء ست۔ وقہر سلطان در جبال مذکورہ رسیدن طلاق است یا نہ۔ فقط

الجواب۔ فی الھدایہ والبنایہ ثم ان وجدہ فی ارض مباحۃ کالجبال والمفاوز فاربعۃ اخماسہ للواجد وکذا فی الدر المختار وغیرہ من کتب الفقہ۔ ازیں روایت معلوم شد کہ مضمون سوال کہ ہمچناں در معدن جبال وصحراء خمس لازم نیاید صحیح نیست۔ پس سوالات متفرعہ بریں ہم ضروری الجواب نماند البتہ در یاقوت و زمرد وفیروزہ عدم وجوب خمس نوشتہ اند لیکن نہ بدیں سبب کہ برآں قہر وارد نشدہ زیرا کہ وقت فتح ہمہ جبال وصحاریٰ داخل قہر می شوند کما فی الھدایۃ والبنایۃ لانھا ای اراضی المعدن کانت فی ایدی الکفرۃ وحوتھا اید ینا غلبۃ فکانت غنیمۃ وفی الغنائم الخمس آہ۔ بلکہ بناء برآنکہ احجار کہ از معدن یافتہ شود خود محل خمس نیست چنانکہ روایتش در ہدایہ مذکور است وایں خمس را خود برفقراء تقسیم نمودن جائز ست۔ اگرچہ فروع واصول ایں کس باشند۔ فی

ردالمحتار عن کافي الحاکم و من اصاب رکاز اوسعه ان يتصدق بخمسه على المساكين فاذا اطلع الإمام على ذلك امضى له ماصنع وان كان محتاجاً الى جميع ذلك وسعه ان يمسكه لنفسه وان تصدق على اهل الحاجة من آبائه واولاده جاز ذلك وليس هذا بمنزلة عشر الخارج من الارض آھ۔ ج ۲ ص ۷۷۔ ہرگاہ باوجود امام جائز ست بوقت فقدان امام بدرجۂ اولیٰ خواہد بود۔ آرے در ارض غیر مملوکہ کہ در دارالحرب باشد ہمہ رکاز ملک واجد است کما صرح وابہ۔ واللہ اعلم۔ ۲۷ رشوال ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۵۲)

## جس دَین کے وصول ہونے کی اُمید نہ ہو اس پر وجوب زکوٰۃ کی تحقیق

سوال (۵۶) زید کے مبلغ پانچ سو روپے ایک شخص کے ذمہ قرض ہیں۔ اور وہ شخص بہت دنوں سے یہ روپیہ دینے میں لیت ولعل کرتا ہے۔ اور یوں ہی ٹال بتاتا رہتا ہے۔ اب زید ان پانچ سو روپیوں کی جو اس شخص کے ذمہ قرض ہیں زکوٰۃ ہر سال برابر ادا کرتا رہے یا نہیں کیا زید ایسے روپیوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے ذمہ دار ہے۔ جو روپے کہ کسی کے ذمہ قرض ہوں اور ان کے آنے کی اُمید کم ہو یا بالکل نہیں ہو اگر زید ہر سال ایسے روپیوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کا ذمہ دار نہیں ہو تو جب یہ روپے قرض کے وصول ہو جاویں تب گزشتہ برسوں کی زکوٰۃ اکٹھی ادا کرنا اس پر لازم ہوگا یا اسی وقت سے جبکہ وہ روپیہ وصول ہو کر اس کے پاس آیا ہے۔

الجواب۔ اس میں اقوال مختلف ہیں۔ اور ہر جانب تصحیح بھی کی گئی ہے۔ جس کی تفصیل ردالمحتار ج ۲ ص ۱۴ و ص ۹۹ مطبوعہ مصر میں موجود ہے بندہ کے نزدیک ان اقوال میں سے قول مختار یہ ہے کہ جس قرض کے وصول ہونے کی اُمید ضعیف ہو یا بالکل نہ ہو قبل وصول اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اور وصول کے بعد جس قدر وصول ہوگا بعد حولان حول آئندہ صرف اسی قدر پر زکوٰۃ واجب ہوگی ومتمسکی فيه مافي ردالمحتار بعد نقل عبارة النهر عن الخانية قوله قلت وقدمنا اول الزكوة اختلاف التصحيح فيه ومال الرحمتي الى هذا وقال بل في زماننا يقر المديون بالدين وبملائة ولا يقدر الدائن على تخليصه منه فهو بمنزلة العدم ج۲ ص۹۹۔ واللہ اعلم۔ یکم محرم ۱۳۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۵۳)

## قیمت جائداد نصاب سے زائد ہو اور آمدنی بقدر گزر ہو تو اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں

سوال (۵۷) جس کے پاس زمین ہے جس کی قیمت دو سو درہم سے بہت زیادہ ہے۔ مگر اس میں جو زراعت پیدا ہوتی ہے وہ سال بھر کی خوراک کو پورے طور پر کافی نہیں۔ یا کافی ہے مگر فاضل نہیں ایسے شخص پر صدقۂ فطر و قربانی واجب ہے یا نہیں۔ فقط

الجواب۔ امام محمدؒ کے نزدیک یہ شخص غنی نہیں ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے کذا فی ردالمحتار ج ۲ ص: ۱۰۴ عن التتارخانیہ اس لیے اس پر صدقۂ فطر وقربانی واجب نہیں۔ ۱۰ رصفر ۱۳۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۵۳)

سوال (۵۸) کسی شخص کی دوسو تین سو روپیہ کی جائیداد ہے۔ اس کی پیداوار سے دو تین ماہ کی معاش وگزران کرسکتا ہے۔ اور باقی مہینے مشقت مزدوری سے اپنی اوقات بسر کرتا ہے۔ سوائے اس کے دوسرا کوئی طریقہ نہیں۔ آیا اس پر صدقۂ فطر واجب ہے یا نہیں۔ اور اگر اس پر واجب نہ ہو تو جس کی جائیداد اتنی ہے کہ اسکی پیداوار سے پورے سال کی معاش ہوسکتی ہے۔ لیکن اس میں سے کچھ بچتا نہیں۔ اس پر بھی واجب نہ ہونا چاہئیے۔ کیونکہ ان کے لئے یہ جائیداد حوائج ضروریہ میں سے ہے۔ حالانکہ اکثر علماء ان لوگوں کے لیے صدقۂ فطر واجب فرماتے ہیں اور حوائج اصلیہ میں سے کون کون چیز ہے۔

الجواب۔ وفي ردالمحتار وذكر في الفتاویٰ فيمن له حوانيت ودور للغلة لكن غلتها لاتكفيه ولعياله انه فقير ويحل له اخذ الصدقة عند محمدؒ وعند ابی یوسفؒ لايحل وكذا لوله كرم لا تكفيه غلته ولو عنده طعام للقوت يساوي مأتي درهم فإن كان كفاية شهر يحل او كفاية سنة قيل لايحل وقيل يحل لانه مستحق الصرف الى الكفاية فيلحق بالعدم وقد ادخرعليه السلام لنسائه قوت سنة الى قوله وفيها سئل محمدعمن له ارض يزرعها اوحانوت يستغلها اودارغلتها ثلاثة آلاف ولاتكفى لنفقته ونفقة عياله سنة يحل له اخذ الزكوة وان كانت قيمتهاتبلغ الوفاء وعليه الفتویٰ وعندهما لايحل اهـ ج: ۲ ص: ۱۰۳ و ۱۰۴

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے ایک سال کے خرچ کے لیے جائداد کی آمدنی کافی نہ ہو اس کے لیے حل زکوٰۃ میں اختلاف ہے اور امام محمدؒ کے قول جواز پر فتویٰ ہے۔ پس حل زکوٰۃ دلیل ہے اس کے فقیر ہونے کی اس لیے اس پر صدقۂ فطر بھی واجب نہ ہوگا۔ اور جس کے لیے سال بھر کے خرچ کو کافی ہو جاوے اس میں جزئیہ نہیں دیکھا گیا مگر قوت دلیل سے اس کا بھی حکم مثل مذکور معلوم ہوتا ہے۔ وهوقوله لانه مستحق الصرف الخ۔ یکم محرم ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص: ۶)

## سنین گذشتہ کی زکوٰۃ میں قدر واجب ہر سال منہا کرنے کا حکم، وجوب حج مانع زکوٰۃ نہیں

سوال (۵۹) ۱۔ ایک شخص کے ذمہ چند سال کی زکوٰۃ واجب ہے۔ وقت ادائیگی کے ہر پورے سال کی زکوٰۃ جو واجب ہے ادا کی جاوے گی۔ یا کچھ منہا واجب سے ہر سال میں ہوگی۔

(۲) اور اگر سال کے اندر ترکہ وغیرہ سے کچھ نقد ومال کا مالک آخر سال ہوا۔ جس سے کہ حج فرض اس پر ہو گیا۔ اور اس مال پر حولان حول ہوا نہیں تو زکوٰۃ اس مال میں سے ادا کرنی واجب ہوگی یا نہیں۔

الجواب۔(۱) اوّل پورے مال کی زکوٰۃ واجب ہے۔ اور دوسرے سال اُس قدر واجب منہا کرنے کے بعد بقیہ واجب ہے وعلیٰ ہذا (۲) وجوب حج مانع زکوٰۃ نہیں ہے پس اگر ابتداء سال میں اس کے پاس نصاب ہے تو سال کے گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ گو ہر جزو پر حولان حول نہ ہوا اور گو حج واجب ہوگیا ہو۔ ۲۲/رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص:۵۴)

## بھیڑ اور بکری برابر ہونے کی صورت میں ہر ایک قسم سے زکوٰۃ ادا کرسکتا ہے۔ مگر جو زیادہ ہو اس سے ادا کرنا چاہئے

سوال (۶۰) سوال اوّل۔ فی غایۃ الاوطار بھیڑ اور بکری دونوں برابر ہیں۔ نصاب کے پورا کرنے اور قربانی اور سُود میں نہ ادائے واجب میں اور قسموں میں۔ حضرتا اس سے معلوم ہوا کہ چالیس بکریوں میں سے ایک بھیڑ زکوٰۃ میں نہ لی جاوے گی۔ یا عکس آں۔ پس بندہ کے پاس ایک سو اکیس نصفاً نصف یعنی ہر دو قسم کا نصاب موجود ہے۔ بھیڑیں و بکریوں کی زکوٰۃ میں دو بھیڑیں دیدی ہیں۔ اور گزشتہ سال میں دو بکریاں دے چکا تھا ابھی اوپر کے مسائل دیکھ کر بالکل آپ کو قصور مند بنایا گیا ہے۔

سوال دوم...... اگر تیس بکریاں ہوں اور دس بھیڑیں ہوں۔ تو زکوٰۃ میں جو زیادہ قسم ہے اس سے دیا جاوے یا جو چاہے۔

سوال سوم...... اور اگر نصفاً نصف ہوں تو کیا حکم ہے۔

سوال چہارم...... پچاس گائیں ہیں۔ یہ غیر مشترک ہیں اور بیس گائیں مشترک ہیں یعنی اس بیس سے ہر ایک میں آدھا ہے۔ پس دس گائیں یہ بھی ہوئی۔ یہ دس پچاس میں شمار کی جاویں گی یا نہ۔

سوال پنجم...... اور علیحدہ علیحدہ[1] آدمی سے ساٹھ گائیں میں نصف نصف ہے۔ یہ تیس ہوئیں اس صورت میں زکوٰۃ ہوگی یا نہ۔

الجواب۔ جواب سوال اوّل۔ فی الدرالمختار باب زکوۃ الغنم لافی اداء الواجب فی ردالمحتار لان النصاب اذاکان ضانا یؤخذ الواجب من الضان ولو معزا فمن المعزولو منهما فمن الغالب ولوسواء فمن ایهماشاء جوهرة ای فیعطی ادنی لا اعلی او اعلی الادنی۔ آہ بنا بر روایت ہذا کے صورت مسئول عنہا میں حسب بیان سائل کے بھیڑیں اور بکریاں دونوں عدد میں برابر ہیں تو اختیار ہے خواہ بکری دیدیں خواہ بھیڑ دیدیں۔ لیکن اگر ادنیٰ قسم دیں تو وہ اپنی صنف میں اعلیٰ ہونا چاہئے۔ مثلاً اگر بجائے بکری کے بھیڑ دی تو وہ بھیڑ سب بھیڑوں

(۱) اس کا مطلب یہ سمجھا گیا تھا کہ ساٹھ گائے دو آدمیوں میں مشترک ہیں جواب اسی پر مبنی ہے۔ اور اگر یہ مطلب ہو کہ ساٹھ آدمی آدھی آدھی گائے کے مالک ہیں اور ایک آدمی بقیہ آدھی آدھی کا تو جواب یہ ہے کہ کسی پر زکوٰۃ نہیں۔ ۱۲ منہ

میں اعلیٰ وافضل ہونا چاہئے۔ اگر افضل نہیں دی گئی تو اس افضل کی قیمت میں جس قدر اس غیر افضل سے بیشی ہوگی اتنی قیمت اب دی جاوے۔ مثلاً جو بھیڑ دی تھی وہ ایک روپیہ کی تھی اور ان بھیڑوں میں جو سب سے افضل ہے وہ ڈیڑھ روپیہ کی ہے تو آٹھ آنہ اور مساکین کو بہ نیت زکوٰۃ دیدینا چاہئے۔

جواب سوال دوم۔ اوپر کی روایت سے اس کا جواب بھی معلوم ہوا کہ اس صورت میں بکری واجب ہے۔

جواب سوال سوم۔ اور نصفاً نصف میں اختیار ہے۔ مگر اسی قید سے کہ اعلیٰ کا ادنیٰ یا ادنیٰ کا اعلیٰ جیسا روایت بالا میں گزرا۔

جواب سوال چہارم۔ چونکہ غیر مشترک بھی بقدر نصاب ہے اس لیے ان دس کو بھی ان کے ساتھ شامل کیا جاوے گا۔

فی الدرالمختار باب زکوة المال ولا تجب الزکوة عندنا فی نصاب مشترك الی قوله ولو بینه وبین ثمانین رجلاً ثمانون شاة لاشیئ علیه لانه مما لایقسم خلافاً للثانی۔فی ردالمحتار قوله فی نصاب مشترك المرادان یکون بلوغه النصاب بسبب الاشتراك وضم احدالماکین الی الآخر بحیث لایبلغ مال کل منهما نصاباً قوله ولو بینه فی التجنیس ثمانون شاة بین اربعین رجلاً لرجل واحد من کل شاة نصفهما والنصف الآخر للباقین لیس علی صاحب الاربعین صدقة عند ابی حنیفةؒ وهو قول محمدؒ ولوکانت بین رجلین تجب علیٰ کل واحد منهما شاة لانه مما یقسم فی هذه الحالة وفی الاولی لا یقسم آه ای لان قسمة کل شاة بینه وبین من شارکه فیهما لاتمکن الا باتلا فها بخلاف قسمة الثمانین نصفین۔

جواب سوال پنجم۔ ہوگی لمامر من الروایة آنفاً۔ ۲۷؍ ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۵۴)

## زکوٰۃ سوائم میں تکمیل نصاب کے معنی اور بہشتی گوہر کی عبارت کی تحقیق جو اس کے خلاف معلوم ہوتی ہے

سوال (۶۱) آپ نے جو پہلے تحریر مسئلہ متنازع فیہا میں کی تھی وہ یہ ہے۔

الجواب۔ (۱) تکمیل نصاب میں برابر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اگر ہر واحد کم ہو تو تب بھی یوں نہ کہیں گے کہ نصاب پورا نہیں ہوا۔ نصاب کو کامل کہیں گے اور یہ عام ہے نصاب سے زائد کو بھی پس جب ہر شریک کے ۸۰۔۸۰ ہیں تو (۸۰) کو دو نصاب نہ کہیں گے۔ لہٰذا ہر شریک پر ایک شاۃ لازم ہے

(۱) اس جواب کی نقل نہ رکھی گئی تھی اس لئے مستقلاً اس مجموعہ میں پہلے یہ جواب منقول نہیں ہوا۔ ۱۲ منہ

ادنیٰ سے اعلیٰ یا اعلیٰ سے ادنیٰ۔ دوم مشترک کا تو اعتبار ہی نہیں ہر شریک کی (٤٠×٤٠) دونوں چیزیں ہیں۔ پس ٨٠ ہوئے۔ پس ایک جانور ایک شریک پر واجب ہے۔ کتبہ اشرف علی۔ ١٨ محرم ١٣٢٩ھ

اور ''بہشتی گوہر'' میں اس طرح مرقوم ہے۔ زکوٰۃ کے بارے میں بکری بھیڑ سب یکساں ہیں خواہ بھیڑ دم دار ہو جس کو دُنبہ کہتے ہیں یا معمولی ہو۔ اگر دونوں کا نصاب پورا ہو تو دونوں کی زکوٰۃ علیحدہ دی جائے گی۔ اور اگر ہر ایک کا نصاب تو پورا نہ ہو مگر دونوں کے ملا لینے سے نصاب پورا ہو جاتا ہے تو دونوں کو ملالیں گے۔ اور جو زیادہ ہوگا تو زکوٰۃ میں وہی دیا جائے گا۔ پس بندہ کی فہم اور اس طرف کے علماء کے دھیان میں دونوں میں اختلاف واقع ہے یعنی پہلی تحریر سے (٤٠) بکری اور (٤٠) بھیڑ پر ایک شاۃ ثابت ہوتی ہے۔ اور عبارت ''بہشتی گوہر'' سے دو شاۃ ثابت ہوتی ہیں پس اگر عبارت ''بہشتی گوہر'' کے یہ معنی مقصود ہے یعنی اگر زید کے پاس صرف بکریوں کا نصاب ہوگا تو اس کی زکوٰۃ دی جائے گی اور اگر بھیڑ کا نصاب پورا ہوگا تو اس کی زکوٰۃ دی جائے گی۔ یعنی انفرادی حالت میں۔ پس پہلی تحریر اور اس عبارت ''بہشتی گوہر'' کی میں اور تحریر مولانا عزیز الرحمٰن صاحب اور مولانا خلیل احمد صاحب کی میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔ اور اگر اس عبارت رسالہ سے دو شاۃ لازم مقصود ہے تو اختلاف ہوا۔ پس معروض ہے کہ آں صاحب اپنے دستخطی الفاظوں سے عود ارقام فرماویں کہ بندہ کا یہی باعث تصدیع دینے کا ہے۔

الجواب۔ ظاہر عبارت بہشتی گوہر سے جو مطلب مفہوم ہوتا ہے واقع میں وہ میری تحریر کے خلاف ہے۔ چونکہ تلخیص علم الفقہ کے وقت اس پر مفصل نظر نہیں کی گئی اس لیے ایسا ہوا۔ اب میری اس تحریر کو میری تحقیق سمجھی جاوے۔ بہشتی گوہر کو میری تحقیق نہ سمجھی جاوے۔ فقط۔ ١٢ شوال ١٣٢٩ھ (تتمۂ اولیٰ ص:٥٥)



## طلباءِ علم دین پر زکوٰۃ خرچ کرنے کی افضلیت اگرچہ وہ دُور ہوں

سوال (٦٢) مال زکوٰۃ وصدقۂ فطر و قیمت چرم قربانی اپنے قرب وجوار کے فقراء اور مساکین کو دینے میں افضلیت ہے یا دوسری جگہ کے اسلامی مدارس میں۔ زیادہ مستحق کون ہے۔ اور زیادہ ثواب کس کے دینے میں ہے۔ اگر اپنے قرب وجوار کے فقراء و مساکین کو نہ دے اور اسلامی مدارس میں بھیجدے تو کسی قسم کا گناہ و حق تلفی ہے یا جائز۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار باب المصرف وكره نقلها الاالى قرابة اواحوج او اصلح او اورع اوانفع للمسلمين اومن دارالحرب الى دارالإسلام اوالى طالب علم۔ وفى المعراج التصدّق على العالم الفقير افضل وفى ردالمحتار اى من الجاهل الفقير قهستانى ج ٢ ص: ١١٠۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ طالب علموں کو دینا زیادہ افضل ہے

اگر چہ وہ دور ہوں۔ ۵ محرم ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص:۵۶)

## اشرفیوں کی زکوٰۃ وزن کر کے دی جاوے یا اُن کو روپیہ سمجھ کر روپیہ کی زکوٰۃ دی جاوے

سوال (۶۳) (۱) اگر کسی کے پاس اشرفیاں ہوں تو اُن کی زکوٰۃ اس طرح ادا کی جائے کہ ان کو وزن کر کے اُن کا چالیسواں حصہ جس قدر نکلے اس کی قیمت دی جائے اور قیمت بھی کھرے سونے کی لگائی جاوے یا جیسا کہ اس کا ناقص سونا ہے اور بازار میں اس کے دام ملتے ہیں یا اس طرح کہ فی اشرفی پندرہ روپے قائم کر کے جس قدر حساب سے نکلے اس کے موافق دی جاوے؟

(۲) مدارس میں زکوٰۃ کا روپیہ دوسری مدّات کے ساتھ خلط کرنا جائز ہے یا نہیں۔؟

(۳) اور ایک مد کا دوسرے مد کے ساتھ مطلقاً بھی خلط جائز ہے یا نہیں۔ قاضی خان میں فی باب اداء الزکوٰۃ ناجائز لکھا ہے۔ اکثر مدارس میں اسی طرح ہوتا ہے۔ مدزکوٰۃ کے سوا اور مدات کا تو خلط ہوتا ہی ہے۔ اور بعض جگہ مدّ زکوٰۃ کا بھی خلط۔

الجواب۔ (۱) دونوں طرح درست ہے۔

(۲ و ۳) باذن معطین درست ہے۔ ۱۴ صفر ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص:۵۸)

## تبدیل حول زکوٰۃ میں ایک اشکال

سوال (۶۴) ایک شخص کے پاس یکم جمادی الاولیٰ کو تین سو روپے تھے۔ آٹھ مہینے میں ۳۰ ر ذی الحجہ تک بذریعہ تجارت ایک سو روپے اس کو نفع ہوا اب اس کے پاس چار سو روپے ہیں چاہتا ہے کہ یکم محرم سے اپنے کاغذات سالانہ ترتیب وار کرے اب اس آٹھ مہینے کی زکوٰۃ وہ کتنے روپے ادا کرے براہ کرم جواب سے ممتاز فرماویں۔

الجواب۔ اس میں ایک خرابی ہوگی وہ یہ کہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس مقدار پر جو وقت حولانِ حول کے موجود ہو تو صورت مسئولہ میں فرض کیجئے حولانِ حول ہوا۔ ۳۰ ر ربیع الثانی کو۔ اور فرض کیجئے کہ اس وقت روپیہ زائد ہو۔ اور جب اس نے یکم محرم سے حساب رکھا تو ۳۰ ر ذی الحجہ کو جتنا روپیہ ہوگا زکوٰۃ اس کی دے گا تو اس وقت کم ہوا تو زکوٰۃ میں کمی رہے گی۔ اور ہر سال ایسا ہی احتمال رہے گا۔

۲۵ ر ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص:۱۰۱)

## ادائے زکوٰۃ میں کوئی شرط فاسد لگا دی تو زکوٰۃ میں خلل نہیں وہ شرط لغو ہے

سوال (۶۵) السلام علیکم۔ زکوٰۃ دہندہ اپنے ہی غریم کو بایں شرط مال زکوٰۃ دے کر غریم اس مال کو زکوٰۃ دہندہ کو فوراً واپس دیدے اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں۔ کیونکہ اول تو شرط واپسی

مال ہے دوسرے غریم اس صورت میں مالک کامل نہیں ہوسکتا۔ تیسرے بالواسطہ بھی نہیں اور غریم کا ذرا بھی اعتبار نہیں کیا جاتا اور یہ معاملہ شرط بالمواجہ ہوتا ہے۔

الجواب۔ السّلام علیکم۔ ایسی شرط بوجہ اس کے کہ تصدیق تبرعات سے ہے خود باطل ہو جاوے گی۔ اس سے ادائے زکوٰۃ میں کوئی فساد لازم نہ آوے گا۔ اور یہ شبہ کہ غریم مالک کامل نہ ہوگا غلط ہے۔ مالک تو کامل ہوا مگر اس تملیک میں ایک شرط کرلی ہے جس کا اثر اس تملیک میں کچھ نہیں۔ بخلاف حیلۂ متعارفہ کے کہ اس میں فی الواقع محض صورتِ ملک ہے حقیقت ملک نہیں۔ لیکن تاہم اولیٰ یہ ہے کہ ایسی شرط بالکل نہ کی جاوے۔ کیونکہ شرط تو خود فاسد ہی ہے بلکہ بلاشرط اس کا مالک بنا دیا جاوے جب وہ مالک ہو جائے اس سے اپنا قرض مانگے اگر وہ نہ دے جبراً اس سے وصول کرلینا جائز ہے اور اگر شبہ ہو کہ شاید اس پر اتنی قدرت نہ ہو جواب یہ ہے کہ جب قدرت ہی نہیں تو اگر شرط لگانے کے بعد بھی وہ نہ دے گا تو اس صورت میں کیا کیا جاوے گا۔ پس اشتراط اور عدم اشتراط دونوں حالتیں یکساں ہوئیں۔

۲۸ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثالثہ ص: ۱۳۲)

## کرایہ یا تجارت کی کشتی پر زکوٰۃ کا حکم

سوال (۶۶) ہر سفینہ کہ برائے تجارت ست آں راز کوٰۃ واجب است یا نہ۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ دریں دوصورت است یکے آنکہ ازیں سفینہ کرایہ حاصل کردہ شود وایں مثل حانوت کرایہ است۔ کہ زکوٰۃ برآں حانوت واجب نیست۔ دوم آنکہ ہرگاہ ایں سفینہ خریدہ بود نیت کردہ بود کہ بدست خریدارے فروخت خواہم کرد پس ایں مال تجارت است وبر مال تجارت زکوٰۃ واجب است۔

۱۰ رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص: ۱۶۲)

## سونے چاندی کو حساب زکوٰۃ میں باہم ملانے کی صورت

سوال (۶۷) اگر نزد کسے بعد حولان حول دوصد پنج درہم وہفت مثقال ذہب موجود باشد برآں کس بہ حسب مذہب امام یا حکم ہی باشد کہ بجز پنج درہم کہ زکوٰۃ دوصد درہم است چیزے دیگر واجب نباشد زیرا کہ پنج درہم کہ از نصاب فضہ افزودہ باشد بخمس نصاب نمی رسد وہفت مثقال ذہب ناقص از نصاب ست یا قیمت ذہب با کسر فضہ یعنی مابقی من نصاب الفضہ منضم شدہ بحساب خمس درآں ہم زکوٰۃ واجب باشد۔

الجواب۔ فی الدر المختار من ذهب او ورق مقوماً باحدهما فلواحد هما اروج تعين التقويم به ولو بلغ باحدهما نصابا دون الآخر تعين مايبلغ به الخ وفي ردالمحتار عن البحر والنهر عن المحيط من انه لا تضم احد الزيادتين الى الاخرى

الی قوله وعندنا تضم لوجوبها فی الکسور و بعده باسطر ان السروجی نقل عن المحیط الخلاف بالعکس ج۲ ص۴۸ وص۴۹ وفی ردالمحتار عن البدائع ان ما ذکرمن وجوب الضم اذالم یکن کل واحد منهما نصاباً بان کان اقل الخ ج۲ ص۵۳
بنابریں روایات ذہب رابفضہ مقوم کردہ درمجموعہ زکوٰۃ واجب خواہد شد ودرعفوزیادت اختلاف است واحوط وجوب ست۔ ۱۶ر رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص:۱۶۵)

## چندہ وصول کرنے والوں کورقم زکوٰۃ دے دینے سے زکوٰۃ ادانہیں ہوگی

سوال (۶۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مدارس کی طرف سے جولوگ محصلین چندہ ہیں ان کوزکوٰۃ دینے سے ادا ہوجاتی ہے۔؟

الجواب۔نہیں۔ ۲۰ر جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (حوادث اولیٰ ص:۱۹)

## ایک مشترک چیز نا قابل تقسیم کا حصہ زکوٰۃ میں دینا

سوال (۶۹) مدرسہ دیوبند میں ایک پریس آہنی ۲۲×۲۹ ڈبل کی ضرورت ہے۔میرے پاس موجود ہے۔ ۱۳۰ روپیہ اس پرلاگت میری ہے۔ایک وقت ۱۴۰ روپیہ ایک صاحب اس کے دیتے تھے میرے یہاں وہ بوجہ کام کم ہونے کے خالی ہے۔اگرغرض مندآ جاوے تو ۲۵۰ تک فروخت ہوسکتا ہے۔اگراسے اس صورت سے دوں کہ کچھ روپیہ نقد لے لوں اورکچھ روپیہ بمدزکوٰۃ مدرسہ میں دے دوں توزکوٰۃ کتابوں کی ادا ہوجائے گی۔؟

الجواب۔ بدون تملیک مسکین کے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔اگرحصہ غیرمبیعہ کوان پروقف کیا۔تب توزکوٰۃ ادا ہوگی۔اوراگرمالک مطبع کوبلاقیمت دیا توان کا مسکین ہونا شرط ہے اس کی تحقیق کیجئے۔صرف یہ صورت ہوسکتی ہے کہ خود یا بذریعہ وکیل معتمد کے وہ حصۂ غیرمبیعہ کسی مسکین کی ملک کردیجئے۔پھراس مسکین سے صاحب مطبع خریدلیں خواہ وہ مسکین ایسا طالب علم ہوجس کوبقدرقیمت اس حصہ کے نفع مالی پہونچانا مقصود ہوپھرخواہ ایک ہو یا متعدد۔ ۲ر صفر ۱۳۳۲ھ (حوادث ثانیہ ص:۱۳۲)

## روپیہ کی زکوٰۃ میں ایسا سکہ ادا کرنا جو قیمت میں روپیہ کا مساوی ہووزن میں مساوی نہ ہو

سوال (۷۰) اگرکسی شخص کوزکوٰۃ میں دوتولہ چاندی دینی ہے اوراس کی قیمت ایک روپیہ ہے تواس کوایک روپیہ دیدینا کفایت کرے گا یا نہیں۔کیا اس کوحکم فضہ میں کرکے باقی فضہ اوردینی لازم قراردیں گے۔

الجواب۔ دوتولہ چاندی پورا کرنا واجب ہے۔خواہ مسکوک ہو یا غیرمسکوک لان فی الجنس لا یعتبر القیمة۔ ۱۷ر صفر ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص:۱۹)

## کسی کے ذمہ قرض ہو اس کو بری کر دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی

سوال (۷۱) چند یوم ہوئے کہ جناب والد صاحب مکرم ومعظم نے فرمایا تھا کہ تو مولانا صاحب کے پاس ایک عریضہ تحریر کر اور یہ مسئلہ دریافت کر کہ اگر مثلاً زید کا عمرو پر کچھ قرضہ آتا ہو اور زید کو اپنے قرضہ کے وصول ہونے کی امید نہ ہو اور زید کو زکوٰۃ بھی ادا کرنی ہو جس کی مقدار اس قرض کی مقدار کے برابر ہو یا زیادہ ہو تو اگر زید یہ چاہے کہ میں اپنا قرضہ معاف کر کے زکوٰۃ ادا کر دوں تو اس طرح سے زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے یا نہیں تو مجھے خیال ہوا کہ شاید یہ مسئلہ ''بہشتی زیور'' میں ہو اس لئے میں نے اس میں ڈھونڈا تو بہشتی زیور مطبوعہ بلالی اسٹیم ساڈھورہ حصہ سوم صفحہ ۳۹ سطر ۱۳ پر یہ مسئلہ دیکھا۔

مسئلہ..... اگر کسی غریب آدمی پر تمہارے دس روپے قرض ہیں اور تمہارے مال کی زکوٰۃ بھی دس روپیہ یا اس سے زیادہ ہے اس کو اپنا قرضہ زکوٰۃ کی نیت سے معاف کر دیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ البتہ اس کو دس روپے زکوٰۃ کی نیت سے دے دو تو زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ اب یہی روپیہ اپنے قرضہ میں اس سے لے لینا درست ہے آھ جس کو کہ میں نے والد صاحب سے عرض کر دیا۔ تھوڑے دنوں بعد والد صاحب نے یہ فرمایا کہ میں نے عالمگیری میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ اس طریقہ سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اس کی عبارت یہ ہے۔ فصل فی هبة الدین من المدیون بنیة الزکوة ولو وهب جمیع الدین من المدیون بنیة الزکوة عن الدین فی الاستحسان یکون مؤدیاً وتسقط عنه الزکوة اھ جلد اول حاشیہ عالمگیری ص ۲۴۱ سطر ۲۲ مطبوعہ مصر اور دوسری جگہ ہے ولو امر فقیراً بقبض الدین له علی آخر ونواہ عن زکوة عین عنده جاز کذا فی البحر الرائق اھ عالمگیری جلد اول ص ۱۴۲ سطر ۴۔ مطبوعہ مصر۔ تو اب تو مولانا صاحب کی خدمت میں تحریر کر کہ کس پر عمل کیا جاوے تو اب حضور ایسا جواب ارشاد فرمادیں جس سے والد صاحب کی تشفی ہو جاوے۔

الجواب۔ پہلی عبارت میں عن الدین کی تصریح ہے۔ پس اس سے خاص اس دین پر جس قدر زکوٰۃ واجب تھی خاص اس حصہ زکوٰۃ کا ادا ہونا لازم آیا نہ کہ دوسرے اموالِ موجود عیناً کی زکوٰۃ کا۔ اور دوسری عبارت میں چونکہ قبض دین کے بعد وہ دین نہ رہا عین ہو گیا اس لئے زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی تو اس سے اصل سوال میں زکوٰۃ کا ادا ہونا لازم نہیں آتا۔ ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۳۰)

## زکوٰۃ میں اشیاء کی وہ قیمت معتبر ہوگی جو عام طور پر رائج ومعروف ہو

سوال (۷۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید تاجر کتب اپنی کتب مختلف طور سے فروخت کرتا ہے۔ کسی کو نصف قیمت پر دیتا ہے کسی کو ۳/۱ قیمت کی رعایت کر

دیتا ہے۔ کسی کو چوتھائی قیمت کی تخفیف کر دیتا ہے اور کسی کو ثمن کمیشن پر دیتا ہے اور بعض کو پوری مشتہر قیمت پر دیتا ہے۔ اور مال خریدنے کی بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ اب وہ چاہتا ہے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ نقد روپے سے ادا کرے تو کونسی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ خرید کا یا فروخت کا۔ اور فروخت میں کونسی صورت کا اعتبار کیا جاوے گا۔

الجواب۔ جزئیہ ملنے کی تو کوئی امید نہیں۔ قواعد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تاجرانہ قیمت کا تو اعتبار نہیں۔ کیونکہ وہ مبنی ہے تخفیف و رعایت و مصالح خاصہ پر بلکہ متفرق خریدار جس قیمت سے لیتے ہیں وہ معتبر ہے۔ اور اس میں اگر اختلاف ہو تو اکثر اور اشہر کا اعتبار ہے۔ اور وہ قریب قریب متعین ہوتی ہے۔ یعنی وہ قیمت کہ اگر کوئی تخفیف کی درخواست نہ کرے تو اس قیمت پر فروخت کی جایا کرے۔

۱۳ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص: ۱۳۴)

## استعمالی مشین پر زکوٰۃ نہیں

سوال (۷۳) کپاس کی ایک مشین ہے۔ اس میں کچھ حصہ ہے اس کا منافع ہر سال ملتا ہے۔ جو منافع ملتا ہے اس کی تو زکوٰۃ برابر دی جاتی ہے۔ اور جو روپیہ مشین میں لگا ہے اس روپیہ کی زکوٰۃ دینے کی ضرورت ہے یا نہیں۔ کیونکہ یہ مشین لوہے کی ہے۔ اس میں ہر سال مرمت کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اس مشین میں بہت آدمیوں کا حصہ ہے۔ چندہ سے ہے۔ اس میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک ہیں۔

الجواب۔ وہ مشین آلۂ صنعت ہے مالِ تجارت نہیں۔ لہٰذا اس میں زکوٰۃ نہیں۔

۷ رجمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص: ۱۴۰)

## تنخواہ سے کٹ کر جو روپیہ جمع ہو (پراویڈنٹ فنڈ) اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں

سوال (۷۴) سرکاری ملازموں سے تنخواہ کا ایک آنہ روپیہ جو فنڈ میں جمع کیا جاتا ہے۔ اور مع سود وغیرہ مستعفی ہونے پر ملتا ہے اس کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے۔ دَین مہر کی طرح یوم القبض سے حولانِ حول معتبر ہوگا یا دیگر دیون کی طرح وصول ہونے پر سالہائے گزشتہ کا بھی ادا کرنا ہوگا۔؟

الجواب۔ یہ دَین قوی ہے لہٰذا گزشتہ کی زکوٰۃ بھی واجب ہوگی۔ ۵ رشوال ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص ۵۵)

سوال (۷۵) زید ایک ریلوے[1] ملازم ہے۔ حسب قواعد ریلوے کمپنی اس کے مشاہرہ سے

---

(۱) نوٹ: پریویڈیٹ فنڈ پر زکوٰۃ کے متعلق حضرتؒ کے وہ متضاد فتوے مندرجہ بالا صفحہ ہذا ۷۴ و ۷۵ میں شائع ہوئے۔ مرض وفات میں حضرت کو اس طرف توجہ دلائی گئی تو مسئلہ کی مکمل تحقیق کے لئے احقر اور مولانا جمیل صاحب کو مامور فرمایا یہ تحقیق سوال ۷۶ پر درج ہے ملاحظہ ہو۔ بندہ محمد شفیع

آٹھ روپے سیکڑہ کاٹ کر جمع کرتی ہے۔ایک سال کے اندر جس قدر روپیہ کٹ کر جمع ہوا اسی قدر روپیہ کمپنی اپنی طرف سے ملا کر اصل روپے کو دونا کر کے ایک کاغذ ملازم کے پاس بھیج دیتی ہے اگر اور کچھ نفع زائد ہوا تو کچھ زیادہ بھی دیتی ہے۔اگر نقصان ہوا تو اس میں کاٹ بھی لیتی ہے مگر اس جمع شدہ روپے پر ملازم کا کوئی حق نہیں ہے اور نہ وہ تصرف میں لا سکتا ہے تاوقتیکہ وہ نوکری سے برخاست نہ کیا جاوے۔کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس جمع شدہ روپے پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں اگر ہے تو اصل روپیہ جس قدر کٹا ہے اس پر یا کل روپیہ پر۔؟

الجواب۔فی الطحطاوی ولواجر عبده او داره بنصاب ان لم یکونا للتجارة لا تجب ما لم یحل الحول بعد القبض فی قوله وان کان للتجارة کان حکمه کالقوی لان اجرة مال التجارة کثمن مال التجارة فی صمیع الروایة آه ص۶۵۷۔اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس جمع شدہ روپے میں زکوٰۃ واجب نہیں۔البتہ وصول کے بعد سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔اس تفصیل سے کہ اگر اس کے پاس پہلے سے کوئی نصاب نہیں تب تو بعد حولانِ حول کے اور اگر کوئی نصاب ہو تو اس نصاب کی زکوٰۃ کے ساتھ۔ شوال ۱۳۳۸ ہجری (تتمۂ خامسہ ص:۱۰۳)

## فصل در تنقیح وجوب یا عدم وجوب زکوٰۃ بر پراویڈیٹ فنڈ بنا بر داخل بودنش در دَین قوی یا ضعیف

سوال (۷۶) امدادالفتاویٰ تتمۂ رابعہ ص ۵۵ اور تتمۂ خامسہ ص ۱۰۳ میں پراویڈیٹ فنڈ کے متعلق دو فتوے متعارض ہیں،اس کی تحقیق کی غرض سے روایات کا تتبع کیا گیا تو حسب ذیل تحقیق ثابت ہوئی،اب ان سب میں کس کو راجح سمجھا جاوے،وہ تحقیق یہ ہے:

(۱) فی البدائع وجملة الکلام فی الدیون انها علٰی ثلاث مراتب فی قول ابی حنیفة (۱) دین قوی و دین ضعیف ودین وسط، کذا قال عامة المشائخ، اما القوی فهو الذی وجب بدلا عن مال التجارة کثمن عرض التجارة من ثیاب التجارة وعبید التجارة ولاخلاف فی وجوب الزکوة فیه الاانه لا یخاطب باداء شیئ من زکوة ما مضی ما لم یقبض اربعین درهما(الٰی قوله) واما الدین الضعیف فهو الذی وجب بدلاً عن شیئ سواء وجب له بغیر صنعه کالمیراث او بصنعه کما بوصیة اووجب بدلاً عمّا لیس بمال کالمهر وبدل الخلع والصلح عن القصاص وبدل الکتابة ولا زکوة

(۱) وقال ابو یوسف ؒ ومحمد ؒ الدیون کلها سواء وکلها قویة تجب الزکوة فیها قبل القبض بدائع ص:۱۰ ج:۲ ومثله فی المبسوط ص:۱۹۰ ج:۲

فیہ ما لم یقبض کلہ و یحول علیہ الحول بعد القبض، واما الدین الوسط فما وجب له بدلاً عن مال لیس للتجارة کثمن عبد الخدمة وثمن ثیاب البذلة والمهنة وفیه روایتان عنه ذکر فی الاصل انه تجب فیه الزکوة قبل القبض لکن لا یخاطب بالاداء ما لم یقبض مائتی درهم فاذا قبض مائتی درهم زکی لما مضیٰ، وروی ابن سماعة عن ابی یوسف عن ابی حنیفة انه لازکوة فیه حتیٰ یقبض المائتین ویحول علیه الحول من وقت القبض وهو اصح الروایتین عنه(الیٰ قوله) ولابی حنیفةؒ وجهان، احدهما ان الدین لیس بمال بل هو فعل واجب وهو فعل تملیك المال وتسلیمه الیٰ صاحب الدین والزکوة انما تجب فی المال (الیٰ قوله) فی الخلافیات کان ینبغی ان لا تجب الزکوة فی دین ما لم یقبض ویحول علیه الحول الا ان ما وجب بدلاً عن مال التجارة اعطی له حکم المال لان بدل الشیئ قائم مقامه کانه هو فصار کان المبدل قائم فی یده وانه مال التجارة وقدحال علیه الحول فی یده،والثانی ان کان الدین مالاً مملوکاً ایضاً لکنه مال لا یحتمل القبض لانه لیس بمال حقیقة بل هو مال حکمی فی الذمة وما فی الذمة لا یمکن قبضه فلم یکن مالاً مملوکاً رقبةً ویداً فلا تجب فیه الزکوة کما فی الضمارفقیاس هذاان لا تجب الزکوة فی الدیون کلها لنقصان الملك بفوات الید الا ان الدین الذی هو بدل مال التجارة التحق بالعین فی احتمال القبض لکونه بدل مال التجارة قابل للقبض والبدل یقام مقام المبدل والمبدل عین قائمة قابلة للقبض فکذا ما یقوم مقامه وهذا المعنی لا یوجد فیما لیس ببدل رأساً ولا فیما هو بدل عمّا لیس بمال وکذا فی بدل ما لیس للتجارة علی الروایة الصحیحة انه لا تجب فیه الزکوة مالم یقبض قدر النصاب ویحول علیه الحول بعد القبض لان الثمن بدل مال لیس للتجارة فیقوم مقام المبدل ولوکان المبدل قائماً فی یده حقیقة لا تجب الزکوة فیه فکذا فی بدله بخلاف مال التجارة انتهی ( بدائع ص۱۰ ج۲) وفیه فی تفسیر مال الضمارهو کل مال غیر مقدور الانتفاع به مع قیام اصل الملك (الیٰ قوله)فان کان مدفوناً فی البیت تجب فیه الزکوة بالإجماع وفی المدفون فی الکرم والدار الکبیرة اختلاف المشائخ انتهی(بدائع ص۹ ج۲)وفی المبسوط لشمس الائمة سرد الاقسام الثلثة للدیون ثم نقل رأیته ابن سماعة التی صحّحها صاحب البدائع انه اختیار الکرخی ثم ذکر من وجه قول ابی حنیفةؒ ما ذکره صاحب البدائع فی الاول بعینه ثم قال وفی الاجرة ثلاث روایات عن ابی حنیفةؒ (۱).فی روایة جعلها کالمهر لانها لیست ببدل من

المال حقیقة لانها بدل عن المنفعة (۲)۔ وفی روایة جعلها کبدل ثیاب البذلة لان المنافع مال من وجه لکنه لیس بمحل لوجوب الزکوة فیه، (۳)۔ والاصح ان اجرة دارالتجارة او عبد التجارة بمنزلة ثمن متاع التجارة کلما قبض منها اربعین تلزمه الزکاة اعتباراً لبدل المنفعة ببدل العین (مبسوط ۱۹۵ و۱۹۶ج۲) (٤)۔ وفی البحر الرائق ولو آجر عبده او داره لنصاب ان لم یکونا للتجارة لا تجب ما لم یحل الحول بعد القبض فی قوله وان کان للتجارة کان حکمه کالقوی لان اجرة مال التجارة کثمن مال التجارة فی صحیح الروایة الخ۔

وقال فی حاشیة منحة الخالق علیٰ قوله کان کله کالقوی، هذا مخالف لما فی المحیط، حیث قال فی اجرة مال التجارة او عبد التجارة روایتان فی روایة لا زکوة فیها حتیٰ یقبض ویحول علیه الحول لان المنفعة لیست بمال حقیقة فصار کالمهر وفی ظاهر الروایة تجب الزکوة ویجب الاداء اذا یقبض منها مائتی درهم لانها بدل مال لیس بمحل لوجوب الزکاة فیه لان المنافع مال حقیقة لکنها لیست بمحل لوجوب الزکاة آه قلت وهذا صریح فی انه علی الروایة الاولیٰ من الدین الضعیف وعلی ظاهر الروایة من المتوسط لامن القوی لان المنافع لیست مال زکوة وان کانت مالا حقیقة تأمل ثم رأیت فی الولوالجیة التصریح بان فیه ثلث روایات (منحة الخالق علی البحر، ص۲۰۸ ج۲)

عبارات مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک دیون کی تین قسمیں ہیں۔۱۔ قوی ۲۔متوسط ۳۔ضعیف، دین قوی وہ ہے جو مالِ تجارت یا سونے چاندی کے بدلے کسی کے ذمہ عائد ہوا ہو، اور متوسط وہ دَین ہے جو مال کے بدلے عائد ہوا ہو، مگر وہ مال تجارت یا نقد سونا چاندی نہ ہو، بلکہ گھر کا سامان وغیرہ ہو، اور ضعیف وہ دَین ہے جو کسی مال کے بدلے میں بذمۂ مدیون عائد نہیں ہوا، جیسے دَین مہر وغیرہ۔

دَین قوی پر قبضہ ہونے سے پہلے بھی زکوٰۃ ہر سال واجب ہوتی رہتی ہے۔مگر ادا کرنا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب چالیس درہم یا اس کی مقدار روپیہ وصول ہو جائے، اس سے پہلے ادا کرنا واجب نہیں ہوتا، لیکن جب زکوٰۃ ادا کی جائے گی تو تمام سنین ماضیہ کا حساب کر کے ادا کی جائے گی، اور دَین ضعیف پر قبضہ ہونے کے بعد جب تک سال بھر نہ گزر جائے اس وقت تک زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہوتی اور دَین متوسط میں امام اعظم ابوحنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ اُس پر دَین قوی کی طرح زکوٰۃ تو ایام ماضیہ کی بھی واجب ہوگی، مگر ادا کرنا محض چالیس درہم کی وصولیابی پر لازم نہیں ہوگا، بلکہ پورا نصاب

یعنی دوسو درہم یا ساڑھے باون تولہ چاندی جب وصول ہو اس وقت ادا کرنا لازم ہوگا، مگر ایام ماضیہ کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا ہوگی، اور دوسری روایت یہ ہے کہ دَین متوسط بھی دَین ضعیف کے حکم میں ہے، اس پر بھی زکوٰۃ ایام ماضیہ کی واجب نہیں ہے، بلکہ دَین وصول ہونے کے بعد جب سال بھر اس پر گزر جائے تب زکوٰۃ واجب ہوگی اور صاحب بدائع نے اسی آخری روایت کو اصح قرار دیا ہے۔

لہٰذا خلاصہ امام اعظمؒ کے مذہب کا یہ ہوا کہ (۱) جو دَین کسی مال تجارت یا سونے چاندی کے عوض میں کسی شخص کے ذمہ واجب ہوا ہے (جس کو دَین قوی کہا جاتا ہے) اس پر تو ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب ہے، مگر ادائیگی اس وقت لازم ہوگی جب بقدر چالیس درہم کے وصول ہو جائے، اور (۲) جو ایسے مال کے عوض نہ ہو، خواہ بالکل کسی چیز کا معاوضہ ہی نہ ہو، جیسے حصۂ میراث و وصیّت، یا معاوضہ تو ہو مگر مال کا معاوضہ نہ ہو۔ جیسے دین مہر (اس کو اصطلاح میں دین ضعیف کہتے ہیں) اس میں ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں، بلکہ قبضہ ہونے کے بعد جب سال بھر گزر جائے اس وقت زکوٰۃ لازم ہوگی (۳) یا معاوضہ مال بھی ہو مگر مال تجارت کا معاوضہ نہ ہو، جیسے گھریلو سامان کا معاوضہ (جس کو دَین متوسط کہا جاتا ہے) اس صورت میں بھی اصح الروایتین کے مطابق امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک زکوٰۃ ایام ماضیہ کی واجب نہیں ہے، بلکہ وصول ہونے کے بعد جب اس پر سال بھر گزر جائے اس وقت زکوٰۃ واجب ہوگی، اور ادائیگی زکوٰۃ لازم ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس شخص کے پاس علاوہ اس رقم کے اور بھی کچھ نصاب سونے چاندی کا موجود ہے تو جتنی رقم وصول ہوگی وہ اصل نصاب میں شامل ہو کر۔ اس کے پاس نہیں تو جب دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کے انداز کی رقم وصول ہو جائے، اور اس پر سال گزر جائے اس وقت زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اس کے بعد اب یہ دیکھنا ہے کہ پراویڈیٹ فنڈ میں جو روپیہ جمع اور بذمۂ گورنمنٹ یا کارخانہ وغیرہ قرض ہے وہ ان تین قسموں میں سے کس قسم میں داخل ہے۔

سو یہ تو ظاہر ہے کہ دین قوی نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ معاوضہ کسی مال تجارت کا نہیں بلکہ خدمت کا معاوضہ ہے، جیسا کہ بحرالرائق کی عبارت **ان لم تکونا للتجارۃ لا تجب ما لم یحل الحول** سے بوضاحت وصراحت ثابت ہے کہ غلام یا مکان تجارت کے لئے نہ ہو تو اس کی خدمت و اجرت کو مال تجارت قرار نہیں دیا، تو خدمت حُر کو بدرجۂ اولیٰ مال تجارت نہیں کہہ سکتے۔

اب دو احتمال باقی ہیں کہ اگر خدمت کو مال قرار دیا جائے تو دین متوسط میں داخل ہے، اور اگر مال ہی قرار نہ دیں تو دین ضعیف میں داخل ہے، امام اعظم ابوحنیفہؒ سے دونوں احتمالوں پر دونوں روایتیں

منقول ہیں، جن میں سے حسب تصریح منحۃ الخالق بحوالۂ محیط ان دونوں میں ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ مال قرار دے کر دین متوسط میں شامل کیا جائے، اور ایک تیسری روایت مبسوط میں ہے کہ اس میں تفصیل کی جائے کہ اجرت وخدمت نہ علی الاطلاق مال ہے نہ غیر مال، بلکہ اگر عبد تجارت کی خدمت یا دار تجارت کی اجرت ہے، تو مال ورنہ غیر مال، پہلی صورت دین قوی میں داخل ہے، اور دوسری دین ضعیف میں، اور اسی تیسری روایت کو مبسوط نے اصح قرار دیا ہے،

مگر یہ سب گفتگو اور روایات کا اختلاف عبد کی خدمت کے بارے میں ہے، جومن وجہ مال ہے، حُر کی خدمت حسب تصریح فقہاء مال نہیں، اس لئے یہ اختلاف روایت بھی صورت زیر بحث میں مؤثر معلوم نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دین قوی میں داخل ہونے کی صرف ایک صورت ہے، کہ عبد تجارت کی خدمت یا دار تجارت یا ارضِ تجارت کا معاوضہ ہو، اس کے سوا کوئی دین اجرت دین قوی میں باتفاق داخل نہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ پراویڈیٹ فنڈ کا روپیہ جو ملازم کی تنخواہ سے وضع کیا گیا یا بطور انعام گورنمنٹ کی طرف سے جمع کیا گیا ہے وہ اس میں قطعاً شامل نہیں، اسلئے اس میں صرف دو ہی احتمال ہو سکتے ہیں کہ دین متوسط ہو یا دین ضعیف، اور دین متوسط میں بھی اس کا داخل ہونا اس لئے مشکل ہے کہ دو روایتیں جو بحوالۂ محیط منحۃ الخالق میں لکھی ہیں وہ دونوں عبد کی خدمت کے متعلق ہیں، حُر کی خدمت کا وہاں ذکر نہیں، اور ظاہر ہے کہ حُر کی خدمت کو عبد کی خدمت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، کہ حسب تصریحات فقہاء خدمت عبد فی الجملہ مال ہے، اور خدمتِ حُر مال نہیں ہے، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ یہ دین دین ضعیف میں داخل ہے، اور اگر اس کو دین متوسط بھی تسلیم کیا جائے تب بھی اصح روایت کے مطابق امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک دین متوسط بھی بحکم دین ضعیف ہے، اس پر بھی ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، کما صرح بہ فی البدائع۔

الغرض پراویڈیٹ فنڈ کا روپیہ دین قوی میں داخل نہیں ہو سکتا، اور دین متوسط میں داخل کرنا بھی اس وقت تک کسی روایت پر منطبق نہیں ہے، جب تک کہ حُر کی خدمت کو مال قرار دینے کی تصریح نہ ملے، اور بالفرض اس میں داخل مان بھی لیا جائے تو حکم اس کا بھی اصح روایت پر دین ضعیف کی طرح یہی ہے کہ اس پر ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے،

**تنبیہ**:[1] روایات فقہیہ کو دیکھنے اور غور کرنے سے احقر کو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس فنڈ کی رقم پر ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں احتیاطاً دوسرے علماء سے بھی تحقیق کر لینا مناسب ہے، نیز حضرات

---

(۱) یہ تنبیہ بحکم حضرت سیدی حکیم الامت اضافہ کی گئی ہے ۱۲ محمد شفیع۔

صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک چونکہ دیون میں قوی، متوسط، ضعیف کی کوئی تفصیل نہیں ہے، بلکہ ہر قسم کے دین پر زکوٰۃ ایام ماضیہ کی واجب ہے۔ اس لئے کوئی احتیاط اور تقوی پر عمل کرے اور ایام ماضیہ کی زکوٰۃ بھی ادا کرے تو بہتر ہے، اور شاید اسی اختلاف سے بچنے کے لئے ہمارے بلاد میں عام طور پر مہر باندھنے کے وقت بجائے روپے کے اسّی ہزار ٹکے دو دینار سرخ کہا جاتا جو کہ قیمت ہے ڈھائی ہزار روپے کی، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ السائل الاحقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ خادم دارالعلوم دیوبند ۱۲/صفر ۶۲ھ

الجواب۔ آپ صاحبوں کی تحقیق صحیح ہے، لہٰذا میں بھی اس کو اختیار کرتا ہوں اور اسکے خلاف سے رجوع کرتا ہوں، اشرف علی ۱۳/صفر ۶۲ھ

## سونے کی بنائی ہوئی ناک یا دانتوں پر زکوٰۃ

سوال (۷۷) اکثر لوگ دانت سونے کے تاروں سے بندھوا لیتے ہیں یا کھوکھلے دانت کے اندر سونا بھروا لیتے ہیں، سونے کی ناک بنوا کر چہرہ پر لگاتے ہیں اور یہ ناک بلا حرج جدا بھی ہوسکتی ہے۔ لیکن دانت میں سے اس طرح سونا جدا نہیں ہوسکتا۔ سوال یہ ہے کہ آیا صاحب نصاب پر اس سونے میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔؟

الجواب۔ **فی الدر المختار بعد عد الجزئیات المتعددۃ التی لا فیھا الزکوۃ ما نصہ لعدم النمو فی ردالمحتار لانہ غیر متمکن من الزیادۃ الخ** ج ۲ ص ۱۴۔ اس تعلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ناک میں تو زکوٰۃ واجب ہے اور جو سونا دانت میں لگا یا بھرا ہے اس میں واجب نہیں۔ واللہ اعلم (۱)۔ ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص: ۷۵)

## زکوٰۃ میں زیور کی گھڑائی لگے گی یا نہیں

سوال (۷۸) در تفصیل بعض صور ضرور یہ اعتبار قیمت در ادائے زکوٰۃ از خلاف جنس۔ احقر اب تک طلائی زکوٰۃ کا جبکہ روپیہ سے ادا کی جاوے یہ طریق بتلایا کرتا تھا اور عجب نہیں کہ میرے کسی لکھے ہوئے فتوے میں بھی یہ مضمون ہو کہ اس زیور کا وزن کر کے اتنے سونے کی قیمت کا چالیسواں حصہ دے دیا جاوے۔ مگر مجی مولوی احمد حسن صاحب سنبھلی نے مجھ کو ایک روایت دکھلائی جو کہ ذیل میں منقول ہے جس سے معلوم ہوا کہ صرف سونے کی قیمت لگانا کافی نہیں بلکہ اس زیور کی بنوائی یعنی گھڑائی کی اجرت بھی لگا کر مجموعہ کو اس زیور کی قیمت قرار دے کر اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں واجب ہوگا۔ یہ تو اصل

---

(۲) تنبیہ یہ جواب فوائد سے لکھا گیا ہے علماء سے امید ہے کہ اگر یہ جواب صحیح نہ ہو تو برائے نصح دینی مجیب کو مطلع فرمائیں، سمجھ کے بعد اپنے جواب سے رجوع کر کے اس کو شائع کردوں گا۔ ۱۲ منہ

مسئلہ ہے۔البتہ اگر کہیں یہ عرف ہو کہ بیع وشراء زیور کے وقت بنوائی نہ لگاتے ہوں وہاں اس کو نہ لگاویں گے صرف سونے کی قیمت جس حیثیت کا اس زیور کا سونا ہو لگاویں گے۔ ہمارے دیار میں یہ عرف ہے کہ اگر سنار یا صرّاف سے زیور خرید و تو وہ بنوائی لگاتا ہے اور اگر اس کے ہاتھ بیچو تو نہیں لگاتا۔ پس اس بناء پر مقتضیٰ قاعدہ کا یہ ہے کہ ایسے دیار میں مالک زیورات کا اگر تاجر زیورات کا ہے تب تو وہ زکوٰۃ میں بنوائی بھی لگاوے۔ اگر تاجر نہیں ہے محض استعمال میں لانے والا ہے تو وہ نہ لگاوے۔ اگر کہیں عرف اس کے خلاف ہو تو وہاں ویسا ہی حکم ہوگا اور اسی کی ایک فرع یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو اسّی روپے کی زکوٰۃ قیمت سے دینا ہو اور پیسوں سے دینا چاہے تو دو روپے بھر چاندی جتنے پیسوں کی ملتی ہو اور وہ پیسے بوجہ ارزانی چاندی کے دو روپیہ سے کم کے ہوں ان کا ادا کرنا کافی نہ ہوگا۔ بلکہ پورے دو روپے کے پیسے دینا ہوں گے کیونکہ سکّے سے قیمت روپیہ کی بڑھ گئی۔ اور وہ روایت یہ ہے۔

ولو كان له ابريق فضة وزنه مائتان وقيمته لصياغته ثلث مائة ان ادى من العين يؤدى ربع عشره وهو خمسة قيمتها سبعة ونصف وان ادىٰ خمسة قيمتها خمسة جاز ولو ادى من خلاف جنسه يعتبر القيمة بالإجماع كذا في التبين (عالمگيريه ج: ۱ ص: ۱۱۵)

کتبہ اشرف علی ۴ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (ترجیح رابع ص: ۷۶)

## مال زکوٰۃ سے یتیموں کو کھانا کھلانے یا کپڑے بنانے کا حکم

سوال (۷۹) ایک شخص نے ایک یتیم خانہ قائم کیا ہے اور وہ مسلمانوں سے زکوٰۃ، صدقۂ فطر، چرم قربانی کا روپیہ لے کر ان یتیم بچوں کے واسطے کھانے کپڑے کا انتظام بطور خود کرتا ہے۔ بچوں کے ہاتھ میں روپیہ پیسہ نہیں دیتا ہے اور نہ وہ روپیہ زکوٰۃ کا کسی اور کو دے کر حیلۂ تملیک کرتا ہے۔ دوسرا شخص یہ کہتا ہے کہ ایسا روپیہ کسی مستحق زکوٰۃ کو تملیک کرا کر یتیم بچوں کے واسطے خرچ کرنا چاہئے ورنہ زکوٰۃ دینے والوں کی ادا نہ ہوگی۔ پس ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

الجواب۔ تملیک ان سب رقموں میں شرط ہے۔ خواہ روپیہ کی ہو یا روپیہ سے جو چیز خریدی جاوے اس چیز کی ہو مثلاً کپڑا دے دیا مگر اس میں چند شرطیں ہیں اول یہ کہ اہل رقم کا اذن ہو اس خریداری کے لیے۔ دوسرے یہ کہ وہ چیز قیمت میں اس رقم کے برابر ہو۔ تیسرے یہ کہ ان بچوں کی ملک کی جاوے مثلاً اگر کھانا بٹھلا کر کھلاوے تو ادا نہ ہوگی۔ نیز لکڑی وغیرہ کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا۔

۱۵ رذیقعدہ ۱۳۳۶ھ (تتمۂ خامسہ: ص ۷۳)

## حیلۂ تملیک میں نابالغ کی تملیک کا حکم

سوال (۸۰) نابالغ یتیم بچہ کو زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جائے گی یا نہیں۔؟

الجواب۔ ہو جاوے گی بشرطیکہ مصرف زکوٰۃ کا ہو۔ ۱۵؍ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۳۷)

## عورت کا دَین مہر جو بذمۂ شوہر ہے اس پر زکوٰۃ نہیں

سوال (۸۱) اس خاکسار کی نکاح خوانی ہو کر تیس برس ہوئے مہر سوا پانچ سو روپے مقرر ہوئے تھے اب تک دیئے گئے نہیں ہیں۔ مکان کے لوگ تقاضا بھی کئے نہیں۔ باوجود قدرت ہونے کے ادا کئے نہیں گئے۔ ان تیس سال میں کوئی سال بھی اس مہر کی رقم کی زکوٰۃ دینے کا خیال بندہ کو گزرا بھی نہیں۔ ہر سال اس فدوی کے پاس رمضان شریف میں جتنی رقم جمع رہتی تھی اس کی زکوٰۃ دے دیا کرتا تھا اور ہر بقرہ عید کے روز مکان کے لوگ کی طرف سے بھی ایک بکرا قربانی کیا کرتا تھا۔ گذارش خدمت شریف میں یہ ہے کہ مکان کے لوگ کے مہر کی رقم کی زکوٰۃ علیحدہ تیس سال کے حساب کر کے دینا بندہ پر واجب ہے یا نہیں۔ آگاہی فرما کر سرفراز فرمانا۔ ان شاء اللہ بندہ کا ارادہ بعد رمضان شریف کے مکان کے لوگ کو مہر میں ایک زمین جو نو سو روپے کو خرید کی گئی ہے دینے کا ہے۔

الجواب۔ رقم دین کی زکوٰۃ آپ کے ذمہ تو کسی قاعدے سے نہیں اگر احتمال ہے تو یہ ہے کہ شاید عورت کے ذمہ ہو کیونکہ مہر عورت کا حق ہے۔ سو اس کا حکم درمختار وغیرہ سے لکھتا ہوں وہ یہ کہ جب تک مہر ان کو وصول نہ ہو تب تک ان کے ذمہ بھی زکوٰۃ نہیں۔ اور جب وصول ہو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر نقد روپیہ وصول ہو تو اس تاریخ سے زکوٰۃ ان کے ذمہ واجب ہوگی۔ اور گزشتہ سالوں کی نہ ہوگی۔ اور اگر مہر میں زمین وغیرہ ملی تو اس پر بالکل زکوٰۃ نہیں۔ ۲۲؍رمضان ۱۳۳۷ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۹۳)

## حکم مخلوط کردن وکیل زکوٰۃ رقوم واجب التملیک وغیر واجب التملیک را

سوال (۸۲) اگر واجب التملیک وغیر واجب التملیک رقومات کو ایک ہی تھیلے میں رکھا جائے صرف کاغذات میں علیحدہ علیحدہ اندراج ہو جس کو دیکھ کر واجب التملیک رقم کو اس کی مد میں صرف کیا جاوے اور غیر واجب التملیک کو اس کی مد میں تو آیا اس طرح دونوں ثمن کو یکجا رکھنے سے زکوٰۃ یا قربانی کے چرم کی قیمت ادا ہو جاوے گی یا نہیں۔ اگر کسی مدرسہ میں دونوں ثمنوں کو یکجا رکھا جاتا ہو تو باوجود اس علم کے اس مدرسہ کو زکوٰۃ کا روپیہ دینا جائز ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی ردالمحتار من الفصل التاسع من زکوۃ التتارخانیۃ دفع رجلان لرجل دراھم یتصدق بھاعن زکوتھما فخلطھا ثم دفعھا ضمن الا اذا وجد الاذن اواجاز المالکان اووجد دلالۃ الاذن بالخلط کما جرت العادۃ من ارباب الحنطۃ بخلط ثمن الغلات وکذا الطحان ضمن اذا خلط حنطۃ الناس الافی موضع یکون

ماذوناً بالخلط عرفا آہ ملخصاً ج: ۲ ص: ۱۲۶۔

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ اہل عطاء کے اذن سے ایسا کرنا جائز ہے خواہ اذن صراحتاً ہو یا دلالۃً مگر دلالت ضعیفہ نہ ہو۔ اور بلا اذن ایسا کرنا جائز نہیں۔ بلکہ ضمان لازم آوے گا۔ جس مدرسہ میں اس قید اذن کی رعایت ہو اس میں دینا جائز ہے ورنہ نہیں۔ ۶ رذی الحجہ ۱۳۴۲ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۳۱۵)

## عدم وجوب زکوٰۃ مشترکہ در تجارت مشترکہ

سوال (۸۳) مشترک تجارت میں حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ مشترک واجب ہوگی۔؟

الجواب۔ نہیں۔

بقیہ سوال: یا انفراداً ؟

الجواب: ہاں

بقیہ سوال:۔ یعنی کل شرکاء مل کر زکوٰۃ کا روپیہ نکالیں۔؟

الجواب: نہیں۔

بقیہ سوال: اور اگر بعض حصہ دار زکوٰۃ دینا چاہیں تو ہر شخص انفراداً اپنے روپے و مال جو حولانِ حول کے بعد اس کے حصہ میں آوے اس کی زکوٰۃ ادا کرسکتا ہے۔؟

الجواب: ہاں۔ (تتمۂ خامسہ ص: ۳۶۷)

## زکوٰۃ سکہ ہائے مختلفہ

سوال (۸۴) میں نے ممالک غیر کے نقرئی اور مسی سکے جمع کئے ہیں جن کا وزن اور قیمت مختلف ہے۔ دوسرے مال کے ساتھ ان سکہ جات کی بھی زکوٰۃ دینا چاہئے یا نہیں۔ اور اگر دی جاوے تو کس طریقہ سے۔ کیونکہ ان میں اکثر ایسے بھی سکے شامل ہیں، جن کی قیمت نہیں معلوم ہے۔ اور معلوم کرنا بھی مشکل ہے۔

الجواب۔ مسی سکوں میں زکوٰۃ نہیں۔ البتہ اگر نیت بیع سے خریدا ہو کہ اگر کوئی خریدار نفع دے گا تو فروخت کردوں گا اس وقت اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی باقی نقرئی سکوں پر ہر حال میں زکوٰۃ فرض ہے۔ اور زکوٰۃ میں اگر روپیہ دیا جاوے تو اس وقت ان سکوں کی قیمت معتبر نہ ہوگی۔ بلکہ وزن معتبر ہوگا۔ یعنی اگر یہ سکے وزن میں چالیس روپیہ بھر ہوں تو ان کی زکوٰۃ ایک روپیہ ہوگی۔ ۸ رمحرم ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص: ۶۰)

## حکم صرف کردن چندۂ زکوٰۃ در تنخواہ مدرسین مدرسہ و در سکونت طلبۂ اغنیاء و در کرایۂ مکان برائے مدرسہ

سوال (۸۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائلِ ذیل میں۔ مدارس میں

طلباء غرباء یتامیٰ کی خوراک ولباس وغیرہ کے علاوہ مہتمم مالِ زکوٰۃ کو امور ذیل میں صرف کرسکتا ہے یا نہیں (۱) باورچی کی تنخواہ وخوراک وغیرہ (۲) مدرسین ومہتمم وچندہ وصول کنندہ کی تنخواہ بقدر تعداد غرباء ویتامیٰ یعنی مدرسہ میں غرباء اور غیر غرباء دونوں قسم کے طلباء پڑھتے ہیں۔ پس غرباء کے حصہ کے قدر مدرسین وغیرہ کی تنخواہوں میں زکوٰۃ صرف کی جائے یا نہیں۔ (۳) کرایہ مکان جس میں طلباء رہتے اور پڑھتے ہوں آیا طلباء کے رہنے کے لئے کرایہ والے مکان میں مہتمم کسی ایسے غیر شخص کو رکھ سکتا ہے جس کو مصالح طلباء میں کوئی دخل نہ ہو۔ (۴) اور پڑھنے کے لئے کرایہ والے مکان میں غرباء اغنیاء دونوں کا شریک ہونا درست ہے یا نہیں (۵) بچوں کو اسباق الاشیاء سمجھا کر پڑھانے کے لئے اسکولوں میں کتا، بلی، شیر وغیرہ کی تصاویر رکھنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ بجز سوال نمبر ۴ کے کہ اس کے جواب میں تو تفصیل ذیل ہے باقی سب سوالوں کا مشترک جواب یہ ہے کہ یہ سب امور ناجائز ہیں اور وہ تفصیل یہ ہے کہ اگر صراحۃً یا دلالۃً معطین چندہ کی طرف سے اس کی اجازت ہو تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ اور اگر یہ کرایہ چندہ سے نہیں دیا جاتا بلکہ مال وقف سے دیا جاتا ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر واقف نے تصریحاً یا دلالۃً تعمیم کردی ہے تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ اور عدم جواز کی صورت میں اگر شرکت جماعت کے سبب سے اغنیاء کو اس مکان میں بیٹھنا ضروری ہو تو اغنیاء کے حصہ کا کرایہ یا تو وہ اغنیاء خود ادا کریں یا کسی ایسی مد سے دیا جاوے کہ اس میں تخصیص نہ ہو۔ واللہ اعلم۔ ۱۵ ؍ شوال ۱۳۳۶ھ (تتمۂ خامسہ ص:۶۶)

## تحقیق معنی تبدل ملک

سوال (۸۶) یوں مشہور ہے کہ تبدل ملک سے اور دام دینے سے حرمت زائل ہو جاتی ہے یہ صحیح ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ تبدلِ ملک سے تبدل عین کا ہو جانا اس کے یہ معنی نہیں جو عوام سمجھتے ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس کسی خاص طریقہ سے کوئی چیز آئی جو اس شخص کے لئے وہ طریقہ حلال تھا لیکن اس طریقہ سے اگر دوسرے شخص کے پاس آتی تو اس کے لئے حلال نہ ہوتا اب اس شخص نے اس دوسرے شخص کو کسی دوسرے طریق سے وہ چیز دی جو کہ اس دوسرے شخص کے لئے بھی حلال ہے۔ سو اس میں اس پہلے طریقہ پر لحاظ نہ کیا جاوے گا اور اس کا ثواب باقی نہ رہے گا۔ مثلاً غنی کو صدقہ لینا حرام ہے مگر کسی فقیر کو کوئی چیز صدقہ میں ملی اور اس نے ہدیۃً اس غنی کو دی اب اس کے لئے حلال ہوگی گویا یہ دوسری چیز ہوگی۔ یہ مطلب ہے اس قاعدہ کا اسی طرح جو مشہور ہے کہ دام دینے سے حرمت زائل ہو جاتی ہے یہ تو بالکل ہی غلط ہے۔ فقط (امداد ج:۳ ص:۲۹)

## ادلۃ حکم یضم المستفاد الی نصابہ من جنسہ

سوال (۸۷) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ گزارش یہ ہے کہ یضم المستفاد الی نصابه من جنسه کی کیا دلیل ہے اگر کوئی حدیث مرفوع یا موقوف معلوم ہو تو مہربانی فرما کر بحوالۂ کتاب و باب مطلع فرماویں۔ بظاہر قوله عليه السلام لا زكوة فى مال حتى يحول عليه الحول سے عدم وجوب سمجھ میں آتا ہے کما ہو قول البعض کنز الدقائق کے حاشیہ پر یہ حدیث دیکھی ان من السنة شهراتؤدون فيه زكوة اموالكم فما حصل بعدذلک فلا زكوة عليه حتى يحبيئى رأس الشهر رواه الترمذى۔ لیکن اس خاکسار نے ترمذی شریف کے ابواب الزکوٰۃ کو ایک دفعہ سرسری نظر سے دیکھ لیا۔ اس مضمون کی کوئی حدیث نہیں دیکھی۔ باقی حضور کا سایۂ عاطفت ہم بیکسوں پر ہمیشہ دراز ہو۔

الجواب۔ السلام عليكم ورحمة الله ۔ فى شرح العينى للهداية فان قلت ما تقول فى الحديث الذى استدل به الشافعیؒ رواه الترمذى (بسنده)عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من استفاد مالاً فلا زكوة عليه حتىٰ يحول عليه الحول رواه ابن ماجة من حديث عمرة عن عائشة قالت سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول لازكوٰة فى مال حتىٰ يحول عليه الحول قلت اماحديث بن عمرفانه ضعيف لان فيه عبدالرحمٰن بن زيد قال الترمذى وهو ضعيف فى الحديث ضعفه احمد بن حنبل وعلى بن المدينى وغيرهما من اهل الحديث وهو كثيرالغلط وقال الترمذى ايضاً وروى ايوب وعبيداللّٰه بن عمر وغير واحد عن نافع عن ابن عمر موقوفاً قلت انفرد الترمذى بإخراج هذا الحديث وانفردايفر بالموقوف واما حديث ابن ماجة ففيه حارثة بن محمد وقال احمد ليس بشيئى وقال يحيىٰ ثقة ولوثبت لماكان مخالفاً لمذهبنا لان حول الاصل حول الزيادة كما قالوا فى الاولاد والارباح ولزيادة فى البدن بالثمن ثم قال فى حديث ان من السنة شهرا ما نصه ولم اره فى الترمذى ثم قال ان مذهبنا فى هذا الباب هو قول عثمان وابن عباس والحسن البصرى والثورى والحسن ابن صالح آه مختصراً وقال محمد فى موطاه بعد نقل قول ابن عمر لا تجب فى مال زكوٰة حتىٰ يحول عليه ما نصه الا ان يكتسب مالاً فيجمعه الىٰ مال عنده معاً يزكى الىٰ قوله وهو قول ابى حنيفة وابراهيم النخعى وفى التعليق الممجد عن ابن الهمام هكذا وقال اصحابنا هو حديث ضعيف وعلى تسليم [illegible] فعمومه ليس مراداً للاتفاق علىٰ خروج الارباح والاولاد فعللنا

بالمجانسة فقلنا انما اخرج الاولاد والارباح للمجانسة لا للتولد فيجب ان يخرج المستفاد اذا كان من جنسه وهو ادفع للحرج علیٰ اصحاب الحرف الذين يجدون كل يوم درهماً فاكثر وا قل فان فى اعتناء الحول لكل مستفاد حرجاً عظيماً وهومدفوع بالنص اهـ قلت ونسب الترمذى القول بالضم الى سفيان الثورى واهل الكوفة ووجدت فى حاشية الترمذى مكتوباً بخطى ما نصه محمول علىٰ مال جديد لا المنضم الى نصاب فلا دليل فيه مع قيام هذا الاحتمال ومع كون الحديث موقوفاً علىٰ الاصح اهـ۔ ان عبارات میں آپ کے سب سوالوں کا جواب مذکور ہے۔

۲۳ رجمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص: ۱۴۹)

## تحقیق کیل وفرق

سوال (۸۸) فرق کی مقدار میں اختلاف ہے۔ کافی میں چھتیس رطل ہے۔ محیط میں ساٹھ رطل، صحاح میں سولہ رطل، اور تکملہ میں ہے فرق بالسکون سولہ رطل اور بقول بعض سولہ رطل اور بقول بعض چار رطل اور فرق بالفتح اسی رطل۔ قاموس میں ہے مكيال بالمدينة يسع ثلثة اصع ويحرك وهو افصح او يسع ستة عشر رطلا او اربعة ارباع۔

الجواب۔ شیخین نے جو کعب بن عجرہ سے حدیث روایت کی ہے اس میں جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ فاحلق راسك واطعم فرقاً بين ستة مساكين اوراس کے بعد یہ عبارت ہے والفرق ثلثة اصع۔ ہر چند کہ غالباً یہ عبارت کسی راوی سے مدرج ہے مگر اس پر بعد والوں سے کہ فقہاء ومحدثین ماہرین لغت وجملہ ثقات ہیں نکیر نہ ہونا مرجح ہے اس کا کہ احکام شرعیہ میں جو مقدار اس کی معتبر ہے وہ تین صاع ہے۔ صاحب مرقات نے طیبی سے بھی اس قول کے نقل کے بعد دوسرے اقوال کو قیل سے نقل کیا ہے۔ باقی دوسرے اقوال کو اس پر محمول کیا جائیگا کہ حسب اختلاف امکنہ یہ سب اطلاقات بھی صحیح ہیں۔ اس کی نظیر ہمارے محاورہ میں لفظ سیر، یا دھڑی یا من ہے کہ ہر جگہ جدا مقام پر اطلاق ہوتا ہے مگر احکام میں جس کا اعتبار ہے وہ وہی ہے جو اول مذکور ہوا۔ یکم محرم ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص: ۵)

## عدم جواز جبر بر چندہ از مال زکوٰۃ

سوال (۸۹) اس اشکال کے حل کرنے کی احقر کو ضرورت ہے کہ اگر زکوٰۃ کی مد سے چندہ طلب کیا جاوے اور اس میں کچھ دباؤ یا اصرار سے کام لیا جاوے تو جائز ہے یا نہیں۔ منشاء اشکال کا یہ ہے کہ حدیث الا بطیب نفسہ سے صدقات فرض خارج ہیں کیونکہ ان کو ہر طرح ادا کرنا چاہئے۔ خواہ طیب نفس ہو یا نہ ہو۔ لہٰذا زکوٰۃ کے دباؤ سے وصول کرنے میں اعانت علی الفرض ہے۔ نیز امام کو اموال ظاہرہ کی

زکوٰۃ جبراً قہراً وصول کرلینی جائز ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقات مفروضہ میں طیب نفس شرط نہیں۔ بعض مصلین چندہ سے گفتگو کی تو اس سے یہ خلجان پیدا ہو گیا۔ مہربانی فرما کر حکم مسئلہ سے آگاہی فرمائیں۔

الجواب۔ اگر نماز فرض پر جبر جائز ہو تو کیا اس کی خصوصیات غیر لازمۃ پر بھی جبر جائز ہے مثلاً یہ کہ فلاں مسجد میں پڑھو یا فلاں گھنٹہ ہی میں پڑھو، یا فلاں امام کے پیچھے پڑھو۔ جب یہ نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ اصل فعل پر جبر کے جواز سے ایسی خصوصیات پر جبر کا جواز لازم نہیں آتا۔ پس اس قید پر جبر جائز نہ ہوگا کہ زکوٰۃ فلاں مصرف ہی میں دو۔ پس حدیث لایحل الخ اس کو بھی عام رہی اور سلطان کو ایسے اختیارات من جانب الشرع حاصل ہیں، غیر سلطان کو اس پر قیاس کرنا مع الفارق ہے۔ وہذا ظاہرٌ جداً۔
۲۵ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ (تتمۂ خامسہ ص:۲۷۶)

## تحقیق وجوب وعدم وجوب زکوٰۃ در مویشی از قسم گاؤ و جاموس وغیرہ بقدر نصاب کہ غرض از انہا زراعت واستعمال گوشت شیر وغیرہ باشد نہ تجارت

سوال (۹۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس مویشی از قسم بھیڑ و بکری وگائے بھینس اس تعداد میں ہیں جن پر زکوٰۃ واجب ہے۔ مگر فروخت کے لئے نہیں ہیں۔ جو نر بچے پیدا ہوتے ہیں زراعت کے کام آتے ہیں اور مادہ بچہ کشی دودھ وغیرہ کے استعمال میں۔ اور بھیڑ و بکری کا گوشت وغیرہ استعمال ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ مویشی سال کا نصف حصہ اور کبھی زائد ایسی زمین پر چرتے ہیں جو پٹہ کی ہے۔ اور اس زمین کا محصول مالگذاری سرکار کو ادا کیا جاتا ہے۔ اور کچھ زمانہ ایسی ہی محصولی زمین کا پیداوار گھانس گھر پر لاکر کھلایا جاتا ہے۔ پس ایسی صورت میں کیا متذکرہ مویشی پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی الدرالمختار باب السائمة هی المکتفیة بالرعی المباح فی اکثر العام لقصد الدر والنسل والزیادة والثمن الٰی قوله لواسامها للحم (ای للاکل) فلا زکوٰة فیها کما لواسامها للحمل والرکوب آه۔ فی ردالمحتار لو حمل الکلاء الیها فی البیت لا تکون سائمة بحر۔ اس عبارت سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔ (۱) جس سال کے گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس سال کے اکثر حصہ کی چرائی کا اعتبار ہے۔ (۲) جبکہ مباح گھاس کھلایا ہو۔ اور خودرو گھاس مباح ہے۔ محصول دینے سے مملوک نہیں ہوتا۔ (۳) اگر گھاس گھر لا کر کھلایا تو شرط وجوب زکوٰۃ نہیں پائی گئی۔ واللہ اعلم۔ (۴) کھانے کے لئے جو جانور پالا جاوے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ اسی طرح بار برداری یا سواری یا کاشتکاری کے لئے بھی۔ کہ کاشتکاری بھی

بار برداری کے حکم میں ہے۔

اشرف علی۔ ۲۱؍شوال ۱۳۵۰ھ ہجری (النور ص: ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ)

## مدارس کے سفیر عاملین کے حکم میں نہیں

سوال (۹۱) جیسے کہ عاملین صدقات کے دینے سے ادا ہو جاتی ہے اور یہ قائم مقام عاملین کے سمجھے جاسکتے ہیں یا وہ مال زکوٰۃ جب تک کہ مہتمم یا بانی مدرسہ مزکین کی طرف سے بطور نیابت کے مستحقین پر خرچ نہ کرے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ہے۔

الجواب۔ ہاں یہی دوسری بات ہے۔ ۲۰؍جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ۔

## اشتراء زکوٰۃ از مسکین

سوال (۹۲) کتابوں کی زکوٰۃ میں اگر کتابیں ہی مساکین کو دی جاویں اور ان مساکین سے تاجرانہ نرخ سے بتراضی طرفین وہ کتب مزکی خرید لے تو کوئی حرج تو نہیں۔

الجواب۔ صحت بیع میں تو کوئی شبہ نہیں باقی اگر قرائن سے معلوم ہو کہ اس نے ہمارے لحاظ سے اتنی قیمت کو قبول کرلیا ہے اس صورت میں کراہت ہوگی۔ دلیله حدیث ارادة عمرؓ اشتراء الصدقة ونهيه عليه السّلام عنه۔ ۱۳؍ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ

# فصل فی العشر والخراج

## عشر در باغات

سوال (۹۳) باغات کی زکوۃ کس طرح دینا چاہیئے۔ آیا باغات کی پیداوار میں سے عشر یا نصف عشر دینا چاہیئے۔ عام باغات جب تک تیار نہیں ہو جاتے بیچے جاتے ہیں جب تیار ہو گئے پھر ان کو نہیں بیچتے۔ حاصل یہ کہ پیداوار اور پھلنے کے وقت ان میں پانی نہیں دیا جاتا۔ پھر بعض لوگ باغات کی فصل فروخت کر ڈالتے ہیں تو کیا عشر یا نصف عشر کی مقدار فصل نہ فروخت کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس کو مصارف میں زکوۃ دے دینا چاہئے۔ یا فصل کی قیمت میں سے عشر یا نصفِ عشر دینا چاہیئے۔ اگر قیمت میں سے دینا چاہیئے تو اس میں عشر یا نصف عشر زکوۃ نہیں بلکہ چالیسواں حصہ زکوۃ ہے۔ پھر حولان حول کی شرط الگ ہے۔ چونکہ اکثر لوگ باغات کی زکوۃ سے غافل ہیں۔ اس کے مفصل جواب سے مطمئن فرماویں۔

الجواب۔ فی ردالمحتار اختلفوا فی وقت العشر فی الثمار والزرع فقال ابوحنیفةؒ وزفر یجب عند ظهور الثمرة والامن علیها من الفساد وان لم یستحق الحصاد اذا بلغت حداً ینتفع بها وقال ابویوسفؒ عند استحقاق الحصاد وقال محمدؒ اذا حصدت وصارت فی الجرین وفی الدرالمختار ولو باع الزرع ان قبل ادراکه فالعشر علی المشتری ولو بعده فعلی البائع اھ۔

ان اقوال مختلفہ میں میرے نزدیک امام ابو یوسفؒ کا قول اعدل ہے۔ اس بناء پر پختگی ثمرہ کے وقت جس کے پاس وہ باغ ہو۔ اس پر عشر واجب ہوگا۔ خواہ پھل دے یا اس کی قیمت بشرطیکہ بیع باطل نہ ہوئی ہو ورنہ بائع کے ذمہ ہوگا۔ کیونکہ اس کی ملک سے خارج نہیں ہوا۔ اور پانی نہ دینے کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ بارانی زمین و باغ میں بھی عشر ہے۔ اور اگر دام دے گا تو وہ زکوۃ روپیہ کی نہ ہوگی۔ بلکہ حق عشر کا بدل ہوگا۔ پس اس میں کوئی شبہ نہیں۔ اور اگر کوئی ابو یوسفؒ کا قول نہ لے تو جس قول کو لے گا اس کے موافق وجوب عشر کا وقت دیکھا جاوے گا۔ ۲۶ محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ص: ۱۵۷)

## عشر در زمین وآب محصول

سوال (۹۴) زید ایک شخص کی زمین میں زراعت کرتا ہے اور مبلغ پانچ روپیہ دو آنہ فی بیگہ کرایہ اس شخص زمیندار کو دیتا ہے۔ اور زید کو کبھی کبھی آبپاشی ہر سال میں کرنی پڑتی ہے۔ اس میں جو غلہ پیدا ہوگا

اس کی زکوٰۃ کس قدر اور کس طرح دے۔

الجواب۔ فی ردالمحتار ویجب (العشر) فی مسقی سماء وسیح ونصفه فی مسقی غرب ودالية وفی كتب الشافعية اوسقاه بماء اشتراه وقواعدنا لاتاباه ولو سقی سيحاً وبالة اعتبر الغالب ولو استو يا فنصفه و قيل ثلثة ارباعه آه۔

اس سے معلوم ہوا کہ آبپاشی پانی خرید کر کرتا ہے تو بیسواں حصہ پیداوار کا دے اور اگر مفت کے پانی سے کرتا ہے تو کنویں سے آبپاشی کرنے میں بھی بیسواں حصہ دے۔ اور نہر سے کرنے میں دسواں حصہ دے جبکہ زمین عشری ہو یعنی کسی کافر سے نہ لی گئی ہو۔ اور جس سال آبپاشی نہ کرنی پڑے اس سال دسواں حصہ دے۔ اور جو دو قسم کی آبپاشی ہو تو جو غالب ہے اس کا اعتبار ہے، اور اگر دونوں مساوی ہوں تو کل میں ایک بیسواں حصہ اور ایک چالیسواں حصہ دیا جائے گا۔

## تحقیق وجوب عشر بر زمیندار یا کاشتکار

سوال (۹۵) زید کی زمین کا عمرو ۱۵ من غلّہ فی بیگہ ہر سال دے کر زراعت کرتا ہے۔ باقی غلّہ آپ لے لیتا ہے۔ اور زید اس غلّہ سے دو روپیہ دو آنہ فی بیگہ سرکار کو دیتا ہے۔ تو زید اس غلّہ کی زکوٰۃ کس طرح دے۔؟

الجواب۔ (۱) فی الدرالمختار والعشر علی الموجر كخراج مؤظف وقالا علی المستاجر كمستعير مسلم وفی الحاوی وبقولهما ناخذ قلت ولكن افتى بقول الإمام جماعة من المتاخرين الیٰ ان قال لكن فی زماننا عامة الاوقاف من القریٰ والمزارع يرضی المستاجر بتحصل غرامات مؤنهما يستاجرهابدون اجر المثل بحيث لا نفی الاجرة ولا اضعافها بالعشر اواخراج المقاسمة فلا ينبغی العدول عن الإفتاء بقولهما فی ذلك لانهم فی زماننا يقدرون اجرة المثل بناء علی ان الاجرة سالمة بجهة الوقف ولا شيئ عليه من عشر وغيره اما لو اعتبر دفع العشر من جهة الوقف وان المستاجر ليس عليه سوی الاجرة المثل تزيد اضعافاً كثيرة كما لا يخفی فان امكن اخذها لا اجرة كاملة يفتی بقول الإمام والا بقولهما لم يلزم عليه من الضرر الواضح الذی لا يقول به احد والله تعالی اعلم آهـ۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر موجر پوری اجرت لے اور مستاجر کے پاس بہت کم بچے تو عشر موجر کے ذمہ ہے۔ اور اگر موجر اجرت کم لے اور مستاجر کے پاس زیادہ بچے تو مستاجر کے ذمہ ہے۔

(۱) یہ جواب تصحیح الاغلاط ص ۷۲ سے نقل کیا گیا ہے ۱۲)

چونکہ ہمارے دیار میں اجرت کم لی جاتی ہے اسی لئے میں وجوب عشر علی المستاجر پر فتویٰ دیا کرتا ہوں۔ ہاں اگر کسی جگہ پوری اجرت لی جاوے جس میں زمیندار عشر بخوبی ادا کرسکتا ہو تو اس وقت وجوب عشر علی الموجر پر فتویٰ ہوگا۔ صورت مسئولہ میں اجرت اور پیداوار کی نسبت معلوم نہیں اس لئے حکم میں تعیین نہیں کی جاسکتی۔ واللہ اعلم۔ (امداد ج: ۱ص: ۱۶۰)

## عشری زمین کی تحقیق

سوال (۹۶) عشری زمین کے متعلق جو کچھ حضور کی تحقیق ہو مفصل تحریر فرمائی جاوے۔

الجواب۔ حاصل مقام کے یہ ہے کہ جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی مِلک میں ہیں اور ان کے پاس مسلمانوں ہی سے پہونچی ہیں۔ ارثاً و شراءً وہلم جرا وہ زمینیں عشری ہیں۔ اور جو درمیان میں کوئی کافر مالک ہوگیا تھا وہ عشری نہ رہی۔ اور جس کا حال کچھ معلوم نہ ہو اور اس وقت مسلمانوں کے پاس ہے یہی سمجھا جاوے گا کہ مسلمان ہی سے حاصل ہوئی ہے۔ بدلیل الاستصحاب پس وہ بھی عشری ہوگی۔ وقدر العشر معروف فقط۔ ۱۸ محرم ۱۳۲۶ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۵۰)

## تحقیق عشر و خراج در اراضی ہند

سوال (۹۷) ا۔ ہندوستان کی زمین بحالت موجودہ خراجی ہے یا عشری۔ جب گورنمنٹ برطانیہ نے بعد غدر کے سلطنت کی باگ اپنے قبضہ و اقتدار میں لی تھی تو اس وقت اعلان عام کیا تھا کہ تمام اراضی ضبط کرلی گئی اور کسی کا حق نہیں ہے۔ اگر صاحب اراضی دعویٰ کرکے ثبوت پیش کرے تو اس کو حسب تجویز حاکم دی جاوے گی۔ چنانچہ جن مالکان اراضی نے دعویٰ کرکے بینہ قائم کئے ان کو وہی اراضی یا بعوض ان کے دیگر اراضی عطاء ہوئی اور بعض کو کسی امر، صلہ میں زمین عطاء ہوئی اور مالگزاری سرکاری جو سالانہ زمینداروں سے بادشاہ وقت لیتا ہے مقرر کردی۔ اور بعض کو معاف کردی۔

(۲) بر تقدیر وجوب عشر یا نصف عشر کاشتکار پر عشر یا نصف عشر واجب ہوگا۔ یا زمیندار پر کاشتکار وہ ہے جو زمین کی جملہ خدمت کرتا ہے اور مالک اراضی یعنی زمیندار اس سے نصف یا ثلث پیداوار کا بہ حیثیت شرائط جنس پیداوار سے یا غیر جنس سے لیتا ہے اور سرکاری مالگزاری زمیندار ادا کرتا ہے۔

(۳) کسی گاؤں کے بعض حصہ اراضی کی پیداوار کا دارومدار صرف آسمانی پانی پر ہے اور اس کی آبپاشی نہیں ہوتی، اور بعض حصہ اراضی کی آبپاشی چاہات و تالاب وغیرہ وغیرہ سے ہوتی ہے۔ اور بعض حصہ اراضی کی پیداوار بارش و آبپاشی دونوں سے ہوتی ہے۔ یعنی صرف بارش پر اکتفاء کرنے سے

پیداوار کم ہوتی ہے اور اگر اس میں آبپاشی کردی جاوے تو پیداوار زیادہ ہوتی ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس اراضی کی آبپاشی ہوا کرتی تھی مگر وقت پر بارش ہونے سے آبپاشی کی ضرورت رفع ہو جاتی ہے تو ان تمام صورتوں میں برتقدیر وجوب عشر، عشر واجب ہوگا۔ یا نصف عشر۔؟

الجواب۔ (۱) ضبط کرنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک قبضۂ مالکانہ۔ اگر یہ ہوا ہے تو وہ اراضی عشری نہیں رہیں۔ دوسرا قبضۂ مَلِکانہ و حاکمانہ و منتظمانہ اور احقر کے نزدیک قرائن قویہ سے اسی کو ترجیح ہے۔ اگر ایسا ہوا ہے تو اراضی عشریہ بحالہا عشری رہیں۔ البتہ اگر پہلے سے وہ ارض عشری نہ تھی یا سرکار نے کوئی دوسری زمین اس کی زمین کی عوض میں دے دی یا کسی صلہ میں اس کو کوئی زمین دی سو چونکہ وہ دینے کے قبل استیلاء سے سرکار کی ملک ہوگئی تھی لہٰذا وہ عشری نہ رہی۔

(۲) والعشر علی الموجر کخراج مؤظف وقال علی المستاجر کمستعیر مسلم وفی الحاوی وبقولهمانا خذ وفی المزارعة ان کان البذر من رب الارض فعلیه ولو من العامل فعلیهما بالحصة۔ در مختار۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر زمین کرایہ پر ہے تو بقول مفتیٰ بہ کاشتکار پر ہے۔ اور اگر بٹائی پر ہے اور تخم بھی کاشتکار کا ہے تو زمیندار اور کاشتکار دونوں پر اپنے حصہ کی قدر ہے۔

(۳) ویجب (ای العشر) فی مسقی سماء او سیح کنهر الیٰ قوله ویجب نصفه فی مسقی غرب ای دلو کبیرو دالیة ای دولاب لکثرة المؤنة وفی کتب الشافعیة او سقاه بماء اشتراه وقواعدنا لاتاباه ولو سقی سیحا وبآلة اعتبر الغالب ولو استویا فنصفه وقیل ثلثة ارباعه. در مختار۔ قلت واختلف الترجیح والاحتیاط فی الثانی۔

اس سے معلوم ہوا کہ بارانی زمین میں عشر ہے۔ اور آبپاشی چاہ و تالاب میں نصف عشر۔ اور جس زمین کی آبپاشی دونوں طرح ہو تو اس میں غالب کا اعتبار ہے۔ اور اگر دونوں برابر ہوں تو نصف پیداوار میں عشر اور نصف میں نصف عشر۔ ۲۷ محرم ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص: ۱۰)

## تحقیق جواز قیمت عشر افیون

سوال (۹۸) افیون کی زکوٰۃ میں افیون مثل غلہ کے دینا چاہئے یا قیمت پر۔ اگر قیمت پر دینا چاہئے تو کس حساب سے۔ واضح رائے عالی رہے کہ افیون کا فروخت گورنمنٹ میں ہوتا ہے۔ کسی کو افیون دینا بطریق زکوٰۃ ملک اودھ میں بوجہ جرم ممکن نہیں۔

الجواب۔ قیمت بھی دے دینا جائز ہے۔ ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ (حوادث ص: ۱۹ ج: ۱ و ۲)

## عدم سقوط عشر باداے محصول سرکاری

سوال (۹۹) زمین عشری کی مالگزاری سرکاری ادا کرنے سے جیسے کہ جناب مولوی قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی اور حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہما کی تحقیق تھی عشر ادا ہو جاتا ہے یا نہ معاملہ احتیاط تو ظاہر ہے کہ مستحقین کو علیحدہ دے۔ مگر قول مضبوط آپ کے نزدیک کون سا ہے۔؟

الجواب۔ ہم کو تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ادا نہیں ہوتا جیسے انکم ٹیکس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ باقی ان حضرات کے ارشاد کا مبنیٰ معلوم نہیں۔ (حوادث ص:۱۹ ج:۱و۲)

## دفع تعارض در عبارت بہشتی زیور و علاج القحط والوباء در باب عشر

سوال (۱۰۰) ''بہشتی زیور'' حصہ سوم ص ۳۹ میں ہے اگر کھیت کو سینچنا نہ پڑے فقط بارش کے پانی سے پیداوار ہوگئی، یا ندی اور دریا کے کنارہ پر ترائی میں کوئی چیز بوئی اور بے سینچے پیدا ہوگئی تو ایسے کھیت میں جتنا پیدا ہوا ہے اس کا دسواں حصہ خیرات کر دینا واجب ہے الخ اور کھیت کو پر چلا کر کے یا کسی اور طریق سے سینچا ہے تو پیداوار کا بیسواں حصہ خیرات کرے۔ فقط۔ اس سے معلوم ہوا کہ نہری اور بارانی کھیت میں دسواں واجب ہے۔ اور چاہی میں بیسواں۔ اور علاج القحط والوباء میں مرقوم ہے اگر بارانی ہو تو دسواں اور اگر چاہی یا نہری ہو بیسواں حصہ واجب ہے۔'' اب عرض یہ ہے کہ حکم علاج القحط میں نہری کا حکم صراحۃً بیسواں حصہ مرقوم ہے۔ اور عربی کتابوں میں سے بھی نہری کا حکم دسواں حصہ معلوم ہوتا ہے کما فی القدوری العشر واجب سواءٌ سقی سیحاً او سقتہ السماء ازیں سواء۔ اس عرض داشت کے جواب سے ممتاز فرمانا کہ (۱) سینچنے سے کیا مراد ہے۔ (۲) گرستی کا اسباب گرستی کے معنی کیا ہیں۔؟

الجواب۔ کچھ تعارض نہیں۔ جس نہری میں دسواں لکھا ہے وہ وہ ہے جس میں سینچنا یعنی آبپاشی کرنا اور قیمت دینا نہ پڑے۔ چنانچہ بہشتی زیور کی پہلی عبارت میں اس کی تصریح ہے اور جس نہری میں بیسواں حصہ لکھا ہے مراد اس سے جس میں آبپاشی کرنا پڑے یا پانی کی قیمت دینا پڑے گرستی کے معنی اثاث البیت اور عشر کا لفظ عربی کتابوں میں بعض اوقات عام معنی میں آتا ہے۔ عشر و نصف عشر دونوں کو شامل درمختار میں تفصیل مذکور موجود ہے۔ رجب ۱۳۳۶ھ (تتمۂ خامسہ ص:۶۲)

## حکم اراضی سرکاری در باب وجوب عشر

سوال (۱۰۱) علاقہ پنجاب میں سرکار نے کچھ اراضی نہر کے پانی پر آباد کی ہے۔ اس اراضی کی

ابتدائی حالت یہ تھی کہ ایک جنگل بیابان تھا سوائے گھاس کے کچھ پیداوار نہ ہوتی تھی۔ کچھ لوگ اپنے مواشی اس جنگل میں چرایا کرتے تھے۔ اور سرکار کو کچھ نقد اس کے معاوضہ میں دے دیا کرتے تھے۔ جب سرکار کا ارادہ نہر کا پانی لاکر اس اراضی کو آباد کرنے کا ہوا تو وہاں کے باشندوں کو کہا کہ تم اس اراضی کو آباد کرو انھوں نے کہا کہ ہم سے کھیتی کا کام نہیں ہوسکتا ہے تو سرکار نے باہر سے لوگوں کو بلا کر اس اراضی کو آباد کرایا۔ اس وقت وہاں پر مختلف ملکوں کے لوگ آباد ہیں۔ بندۂ خاکسار کا بھی کچھ تعلق وہاں پر ہے۔ سرکار نے وہ اراضی فی الحال لوگوں کو موروثی کر دی ہے۔ اور کچھ لگان نقد مقرر شدہ ششماہی یا سالانہ کاشتکاروں سے لیتی ہے۔ اور مالک خود سرکار بنی ہوئی ہے۔ جب سے وہ اراضی آباد ہوئی ہے سب کاشتکار وہاں کے اس کی آمدنی سے عشر برابر ادا کرتے رہے۔ جیسے اور ملکوں میں پنجاب ہندوستان میں عشر نکالا جاتا ہے۔ اور اس عشر کو برابر لوگ واجب سمجھتے رہے۔ لیکن کچھ عرصہ سے ایک مولوی صاحب نے فتویٰ دیا کہ یہ اراضی سلطانی ہے۔ اس میں نہ عشر واجب ہے اور نہ خراج۔ نقل فتویٰ حسب ذیل ہے۔

اراضی المملكة والحوز لا عشرية ولا خراجية لا شيئ على زراع الارض السلطانية من عشر او خراج سوى الاجرة (درمختار) قلت وهذا نوع ثالث يعنى لا عشرية ولاخراجية من الاراضى تسمىٰ ارض المملكة واراضى الحوزوهو مامات اربابه بلاوارث وآلِ لبيت المال اوفتح عنوة وابقى للمسلمين الىٰ يوم القيٰمة و حكمة علىٰ ما فى التاتارخانية انه يجوز للإمام دفعه الىٰ الزارع باحد الطريقين اما باقامتهم مقام الملاك فى الزراعة واعطاء الخراج واما باجارتها لهم بقدر الخراج فيكون الما خوذ فى حق الإمام خراجاً ثم ان كان دارهم فهو مؤظف وان كان بعض الخارج فخراج المقاسمة واما فى الاكرة فاجرة لا غيره لاعشر ولاخراج فلما دل دليل على عدم لزوم المؤنتين العشر والخراج فى الاراضى المملكة والحوز كان الماخوذ منها اجرة لا غير الخ ما فى الدر المنتقىٰ ملخصاً قلت هذا لا شيئ على زراعها من عشر او خراج. (شامى ج:ثالث ص:۳۹۵)

از مسائل مسطورہ بالا مستفاد گردید کہ زمینہائے سلطانیہ یعنی مالکان سوائے سلطان ندارند نہ عشری نہ خراجی۔ فقط آھ

فتویٰ مذکور بالا ایک اور مولوی صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا انھوں نے حسب ذیل جواب لکھا:

نقل جواب:۔ ایک روایت شامی باب الرکاز میں یہ دیکھی گئی واحترز به عن داره وارضه دارالحرب الىٰ ان قال فان ارضها دارالحرب ليست ارض خراج وعشر الخ۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان وغیرہ اراضی دارالحرب میں عشر اور خراج کچھ نہیں ہے۔

ملک سندھ میں ایک مولوی صاحب ہیں انہوں نے حکم لکھا ہے کہ اراضی مذکورۂ بالا میں عشر واجب ہے۔ مثل اراضی پنجاب و ہندوستان کے۔ اور فتویٰ مذکورہ بالا کی عبارت کو اراضی مصر وشام کے ساتھ مختص کرتے ہیں۔ یعنی شامی نے جو کچھ لکھا ہے وہ اراضی مصر وشام کی بحث ہے عام نہیں اور شامی کی بعض عبارات سے وجوب عشر ثابت کرتے ہیں۔ طوالت کی وجہ سے اس فتوے کی عبارت کو نقل نہیں کیا گیا۔ فقط۔ حضور والا کی خدمت عالیہ میں ہم لوگ عرض کرتے ہیں کہ اراضی مذکورہ بالا میں عشر واجب ہے یا نہیں؟ علاوہ اس اراضی کے ہندوستان و پنجاب کی زمین کا کیا حکم ہے۔ عشری ہے یا خراجی ہے۔ پہلے فتویٰ کی عبارت کا اور شامی باب الرکاز کی روایت کا کیا مطلب ہے بحوالۂ کتب معتبرہ مفصل جواب سے سرفراز فرمایا جاوے۔

**الجواب**۔ اراضی سلطانیہ کا وہ حکم اس لئے ہے کہ وہ بیت المال یا عامہ مسلمین کی ہیں۔ کما فی ردالمحتار۔ وهذا نوع ثالث يعني لاعشرية ولاخراجية من الاراضي تسمى ارض المملكة واراضي الحوز وهومامات اربابه بلا وارث وآل لبيت المال او فتح عنوة وابقي للمسلمين الى يوم القيمة (ص:۳۹۵ ج:۳) اور اراضی مذکورہ فی السوال ایسی نہیں۔ پس اس حکم پر حکم مذکور کی بناء ہی جائز نہیں۔ پھر خود اراضی مذکورہ کے اس حکم میں بھی کلام ہے۔

كما قال في ردالمحتار وبان الملك غيرشرط فيه بل الشرط ملك الخارج الى قوله فكان ملك الارض وعدمه سواءً كما في البدائع ثم الى قوله فالقول بعدم الوجوب في خصوص هذا الارض يحتاج إلى دليل خاصٍ ونقل صريح الخ (ص ۳۹۴ ج ۳) خصوص صاحبین کے قول پر کہ عشر مالک پیداوار پر ہے مالک زمین پر نہیں۔ کما في ردالمحتار قلت فعلى هذا لاشيئ على زراعها من عشر اوخراج الا على قولهما بان العشرعلى المستاجر كما مر في بابه ص:۳۹۵ ج:۳) اور باب مذکورہ میں ہے وفي الحاوي القدسي و بقولهما نأخذ ج:۲ ص:۸۸ اور بعض جزئیات سے جو شبہ سقوط عندہما کا ہوتا ہے تو اس کی بناء یہ ہے کہ انھوں نے اجرت کو خراج کہا ہے مگر خراج کو واجب نہیں کہا۔ كما في ردالمحتار واما على قولهما فالظاهر انه كذالك لما علمت من ان الما خوذ ليس اجرة من كل وجه لانه خراج في حق الإمام ص:۸۹ ج:۲۔

پس ثابت ہو گیا کہ ان عبارتوں سے اس پر استدلال نہیں ہوسکتا۔ پھر جس اراضی پر خراجی کی تعریف صادق آوے اس پر خراج ہے اور جس پر عشری کی تعریف صادق آوے اس پر عشر ہے۔ البتہ درمختار باب الرکاز کی عبارت مشعر ہے عدم وجوب عشر وخراج کو۔ مگر یہ موقوف ہے دارالحرب ہونے پر۔ اور اس میں گنجائش کلام ہے ۔ ۲۲ رمضان ۱۳۴۲ھ (تتمۂ خامسہ ص:۳۰۶)

## حکم عشر در ترکاری وعدم جواز اجارۂ باغ

سوال (۱۰۲) از قسم ترکاری باجازت صاحب باغ اگر زراعت کردہ شود مثل میتھی و باذنجان وکدو وترئی ومرچ وغیرہ وغیرہ شرعاً برآں ہم چیزے عشر لازم می شود یا نہ۔ اگر شود از قیمت آں یا ازنفس آں دادہ میشود آب چاہ می باشد اگر آب تالاب می باشد چہ حکم ست مثلاً کسے کدام باغ را باجارہ گیرد بایں شرط کہ تمام ثمرۂ درخت را تا یک سال باجارہ گرفت وقدرے قدرے دراں باغ زمین خالی ہم باشد بخوشی ورضائے مالک باغ دراں زراعت ترکاری ہم کرد ازاں باغ ہر چہ فائدہ شود یا نقصان۔ مقدار مبلغ حصول از باغ عشر دادہ میشود یا زکوٰۃ موافق شرع باید داد حکم شرع را بیان فرمائید۔

الجواب۔ عشر لازم میشود خواہ از قیمت دہند یا ازعین آں۔ وآب تالاب وآب چاہ یک حکم دارد کہ درو نصف عشر واجب می شود۔ چوں بآلۂ آب رسانیدہ شود کذا فی الدر المختار وآنچہ در مثال صورت اجارۂ باغ فرض کردہ شدہ است ایں اجارہ جائز نیست لورودہ علی استہلاک العین ثمر باغ بدستور در ملک مالک اصلی خواہد ماند وعشرش بذمہ او واجب خواہد بود وآنچہ در زمین خالی باذن مالک کاشت کردہ است آں در ملک کاشت کنندہ خواہد بود وعشر بذمہ ایں واجب خواہد شد وایں ہمہ آنگاہ است کہ زمین عشری باشد واگر خراجی باشد عشر واجب نخواہد بود وتفصیل عشری وخراجی در کتب فقہ موجود است مثلاً در صفائی معاملات وزکوٰۃ وقتے واجب باشد کہ ایں ثمرہ یا غلہ فروخت کردہ روپیہ او جمع کردہ شود بر قدر نصاب از انکہ فارغ از دَین وغیرہ باشد سال کامل گزارد۔ (تتمۂ اولیٰ ص:۳۱۶)

## چری کے کھیت میں عشر ہے

سوال (۱۰۳) چری جو بیل، بھینس وغیرہ ہری کھاتے ہیں جو بونے سے تھوڑے ہی عرصہ بعد کاٹنا شروع ہوجاتی ہے جانوروں کے کھلانے کے واسطے اور جب تک اس میں جوار آتی ہے بہت کاٹ کر جانوروں کو کھلا دی جاتی ہے۔ ایسی زراعت میں زکوٰۃ کس صورت سے ادا کی جائے اور زکوٰۃ چری پر بھی ہے اور جوار پر بھی اور چری پر ہے تو چری کا کھڑا دسواں حصہ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں۔؟

الجواب۔ دسواں یا بیسواں حصہ جیسی زمین ہو سب پیداوار پر ہے۔ اس صورت میں بہتر ہے کہ کھڑے کھیت میں سے اندازہ کرکے اتنا علیحدہ کردیا جائے۔ اخیر میں اس کو یا اس کے داموں کو مصرف عشر میں خرچ کردیا جائے۔ ۳؍ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۵۷)

جواب یک سوال غیر مذکور در بارۂ زمین عشری۔ السلام علیکم۔ درمختار میں ہے یجب العشر الخ قوله ومسقی سماء الخ اور اسی میں ہے الا فی نحو حطب وقصب فارسی وحشیش وتبن۔

اور ردالمحتار میں ہے غیر انہ لو فصلہ قبل انعقاد الحب وجب العشر فیہ لا نہ صار ھو المقصود ج:۲ ص:۸۰) اس روایت کی بناء پر آپ کے سوال میں اس روپیہ فی صدی عشر واجب ہے اور بھوسہ میں نہیں۔ لیکن دانہ پڑنے سے پہلے جتنا کاٹ لیا جاوے جیسے خوید کہلاتے ہیں اس میں عشر ہوگا۔

۲۱رشوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص: ۸۰)

## تحقیق خراج

سوال (۱۰۴) آج کل خراج کا ادا کرنا واجب ہے یا نہیں اگر ادا کیا جائے تو اس کا مصرف اور مقدار کیا ہے۔

الجواب۔ فی الدرالمختار یجوزترک الخراج للمالک لاالعشروفی ردالمحتار ترک السلطان او نائبہ الخراج لرب الارض او وھبہ ولو لشفاعة جاء عند الثانی وحل لہ لومصرفاوالا تصدق بہ بہ یفتی وما فی الحاوی من ترجیح حلہ لغیر المصرف خلاف المشھورج:۲ ص:۹۱وفی الدرالمختاروثالثھا خراج الی قولہ وثالثھا حواہ مقاتلون وفی ردالمحتار الذی فی الھدایة وعامّة الکتب المعتبرة انہ یصرف فی مصالحنا کسدالثغور وبناء القناطر والجسور وکفایة العلماء والقضاة والعمال ورزق المقاتلة وذراریھم ج:۲ ص:۹۲و۹۳

اس عبارت سے یہ امور مستفاد ہوئے (۱) یہ شخص خراج کا مصرف ہو تو اپنے صرف میں خراج لاسکتا ہے (۲) اگر یہ مصرف نہ ہو تو اس میں اختلاف ہے (۳) مصارف خراج میں سے علماء بھی ہیں۔

۲۷محرم ۱۳۳۳ھ

# زکوة الفرض فی نبات الارض

بعد الحمد والصلوٰة اس احقر کے پاس ایک مخدوم واجب الاحترام کا والا نامہ بحکم ضبط کر دینے مسائل عشر کے آیا امتثالاً للامر ان مسائل کو جمع کیا گیا اور حسب ایماء ان بزرگ کے اس کو ایک رسالہ قرار دیکر ایک مناسب نام بھی اس کا تجویز کر دیا گیا۔ اب اس سوال وجواب کی نقل کی جاتی ہے۔

سوال (۱۰۵) گزارش یہ ہے کہ درباب عشر جو ہم لوگوں کے پاس زمینیں ہیں عجب خلجان رہتا ہے اکثر اس باب میں دریافت فرماتے رہتے ہیں۔ ایک قسم کی زمین معافی ہوتی دوسرے مضبطہ جن کا محصول گورنمنٹ انگریزی کو دیا جاتا ہے ان ہر دو قسم کی زمینوں کو کبھی مالک کاشت کرتا ہے یا اکثر غلہ یا روپیوں پر اجارہ دیتا ہے بعض دفعہ بٹائی پر کاشتکاران کو مالک دیتا ہے بعض کی آبپاشی بوجہ انہار

گورنمنٹ روپیہ آبپاشی دے کر ہوتی ہے بعض کی چاہات سے ہوتی ہے بعض کی محض باراں سے ہوتی ہے۔ ان سب میں عشر یا نصف عشر ہے یا زمین معافی میں عشر ہے زمین مضبطہ میں نہیں ہے جو زمینیں اجارہ پر دی گئی ہیں ان میں کاشتکاران پر عشر عائد ہوگا یا مالکان زمین پر الحاصل اس مسئلہ کی اشد ضرورت ہے عموماً سب کو تساہل اس باب میں ہو رہا ہے۔

الجواب۔ الراویة الاولی:۔ فی الدرالمختار من باب العشر من الزکوٰة وتجب فی مسقی سماء ای مطروسیح کنهربلاشرط نصاب راجع للکل وبلاشرط بقاء وحولان حول لان فیه معنی المؤنة ولذا کان للإمام اخذه جبراً ویؤخذ من الترکة ویجب مع الدین وفی ارض صغیر و مجنون ومکاتب ومأ ذون ووقف وتسمیته زکاة مجاز الا مافی مالایقصد به استغلال الارض نحوحطب وقصب فارسی وحشیش وتبن وسعف وصمغ وقطران وخطمی واشنان وشجر قطن وباذنجان وبزربطیخ وقثاء و ادویة کحلبة وشونیز حتیٰ لواشغل ارضه بها یجب العشر ویجب نصفه فی مسقی غرب ای دلوٍ کبیرٍ ودالیة ای دولاب لکثرة المؤنة وفی کتب الشافعیة اوسقاه بماء اشتراه وقواعدنا لا تاباه ولو سقی سیحاً وبالة اعتبر الغالب، واستویا فنصفه وقیل ثلثة ارباع بالرفع مؤن ای کلفِ الزرع وبلا اخراج البذر لتصریحهم بالعشر فی کل الخارج إلیٰ قوله واخذ الخراج من ذمی اشتری ارضًا عشریة واخذ العشر من مسلم اخذها منه من الذمی بشفعة اوردت علیه لفسادالبیع اھ مختصراً فی ردالمحتار قوله وتبن بالباء الموحدة قال فی الفتح غیر انه لو فصله قبل انعقادالحب وجب العشر فیه لانه صارهوالمقصود۔

الروایة الثانیة : فی الدرالمختار ویؤخذ العشر عند الإمام عند ظهورالثمرة وبدوصلاحها، برهان الیٰ قوله لا یحِل الخ فی ردالمحتار واختلفوا فی وقت العشر فی الثمار والزروع فقال ابوحنیفة وزفر یجب عند ظهورالثمرة والا من علیها من الفساد فیه تحت قوله لا یحل فی الواقعات عن البزازیة لا یحل الاکل من الغلة قبل اداء الخراج وکذا قبل اداء العشر الا اذا کان المالك عازماًعلیٰ اداء العشر آھ وهو تقیید حسن۔

الروایة الثالثة :فی الدرالمختار ویسقطان بهلاك الخارج فی ردالمحتار قوله ویسقطان ای العشروخراج المقاسمة الی قوله وفی البزازیة هلاك الخارج بعد الحصاد لا یسقطه وقبله یسقط لو بآفةٍ لا تدفع کالغرق والحرق واکل الجراد والحروالبرد اما اذا اکلته الدابة فلا لإمکان الحفظ عنها غالباً۔

الروایة الرابعة: فی الدرالمختار ولو باع الزرع ان قبل ادراکه فالعشر علی المشتری ولوبعده فعلی البائع۔

الروایةالخامسة: والعشرعلی الموجرکخراج مؤظف وقال علی المستاجر کمستعیر مسلم وبقولهما نأخذ وفی المزارعة ان کان البذر من رب الارض فعلیه ولومن العامل فعلیهما بالحصة فی ردالمحتار قوله کخراج مؤظف فانه علی الموجر اتفاقاً الی قوله واماخراج المقاسمة وهوکون الواجب جزءًاشائعامن الخارج کثلث وسدس ونحوهما فعلی الخلاف کذا فی شرح دارالبحار وکذا الخراج المؤظف علی المعیر ذخیره ای اتفاقاً بدائع اما العشر فعلی المستعیرکمایاتی تحت قوله وبقولهما نأخذ فلا ینبغی العدول عن الإفتاء بقولهما فی ذٰلك لانهم فی زماننا الیٰ قوله والافبقولهما لمایلزم علیه من الضررالواضح الذی لایقول به احد وفیه تحت قوله وفی المزارعة لکن ما ذکر من التفصیل یخالفه ما فی البحر والمجتبیٰ والمعراج والسراج والحقائق والظهیریة وغیرها من ان العشر علی رب الارض عنده وعلیهما عندهما من غیر ذکر هذا التفصیل وهو الظاهر لما فی البدائع من ان المزارعة جائزة عندهما والعشر یجب فی الخارج والخارج بینهما فیجب العشر علیهماآھ الی قوله فکان ینبغی للشارح متابعة ما فی اکثر الکتب۔

الروایة السادسة: فی الدرالمختار وثالثها خراج الی قوله حواه مقاتلونا فی ردالمحتار الذی فی الهدایة وعامة الکتب المعتبرة انه یصرف فی مصالحنا کسد الثغور وبناء القناطر والجسور وکفایة العلماء والقضاة والعمال ورزق المقاتلة و ذراریهم ای ذراری الجمیع۔

الروایةالسابعة: فی الدرالمختارمن باب المصرف ای مصرف الزکوة والعشر فی ردالمحتاروهو مصرف ایضاً لصدقة الفطر والکفارة والنذر وغیر ذلك من الصدقات الواجبة کما فی القهستانی۔

الروایة الثامنة: فی الدرالمختارباب العشر والخراج والجزیة ارض العرب وما اسلم اهله طوعاً او فتح عنوة وقسم بین جیش والبصرة ایضاً باجماع الصحابة عشریة الی قوله ویجب الخراج فی ارض الوقف والصبی والمجنون لوکانت الارض خراجیة والعشر لو عشریة ومر فی الزکوة فی ردالمحتار تحت قوله وقسم بین جیش ولو قال بیننا اشمل ما اذا قسم بین المسلمین غیر الغانمین فانه عشر لان الخراج لا یؤظف علی المسلم ابتداء ذکره القهستانی در منتقی۔

الروایة التاسعة: فی ردالمحتار عن الاسعاف واذا دفع المتولی الارض مزارعة فالخراج والعشر من حقه اهل الوقف ص:۳۹۵ ج:۳

الروایة العاشرة: ولو احیاه مسلم اعتبر قربه ما قارب الشیئ یعطی حکمه۔

الروایة الحادیة عشر: فی الدرالمختار ولاخراج ان غلب الماء علی ارضه او انقطع الماء او اصاب الزرع افة الی قوله فان عطلها صاحبها وکان خراجها مؤظفا اواسلم صاحبها او اشتری مسلم من ذمی ارض خراج یجب الخراج فی ردالمحتار قوله ولاخراج الخ ای خراج الوظیفة وکذا خراج المقاسمة والعشر بالاولی لتعلق الواجب بعین الخارج فیهما۔

الروایة الثانیة عشر: فی الدرالمختار ولا یؤخذ العشر من الخارج من الخراج لانهما لا یجتمعان فی ردالمحتار ای لو کان له ارض خراجها مؤظف لا یؤخذ منها العشر الخارج وکذا لوکان خراجها مقاسمة من النصف ونحوه وکذا لو کانت عشریة لا یؤخذ منها خراج لانهما لا یجتمعان الخ ۔

الروایة الثالثة: عشر فی الدرالمختار ترک السلطان او نائبه الخراج لرب الارض اووهبه له ولو بشفاعة جاز عند الثانی جازوحل له لو مصرفا والا تصدق به یفتی ولو ترک العشر لا یجوز اجماعاً ویخرجه بنفسه للفقراء آھ مختصراً فی ردالمحتار قوله وحل له لو مصرفا کالمفتی والمجاهد والمعلم والمتعلم والذاکر والواعظ عن علم ولا یجوز لغیرهم وکذا اذا ترک عمال السلطان الخراج لاحد بدون علمه۔

ان روایات سے مسائل ذیل ثابت ہوئے (اطلاع) جہاں لفظ عشر آوے گا عشر و نصف عشر دونوں کو عام ہوگا۔ (۱) عشر یا نصف عشر ارض عشریہ میں جس کی تعریف عنقریب آتی ہے کل پیداوار میں واجب ہوتا ہے نہ اس میں کوئی نصاب شرط ہے اور نہ قرض وغیرہ مانع ہے نہ اخراجات زراعت کے اس میں منہا کئے جاتے ہیں البتہ جو لوگ کسی خاص حصۂ پیداوار پر زراعت میں کام کرتے ہیں ان کے حصہ کا عشر خود ان کے ذمہ ہے (۲) نابالغ بچہ و مجنون کی زمین میں بھی عشر واجب ہے (۳) ارض وقف میں بھی عشر واجب ہے (۴) ہر پیداوار میں جس سے آمدنی حاصل کرنا مقصود ہو عشر واجب ہوتا ہے خواہ غلّہ ہو خواہ پھل پس کھیت اور باغ دونوں میں واجب ہے۔ (۵) مقدار عشر میں تفصیل یہ ہے کہ جس کی آبپاشی بارش سے ہوئی ہو اس میں دسواں حصہ پیداوار کا واجب ہے اور جس کی آبپاشی چاہ سے یا نہر کے خریدے ہوئے پانی سے ہوئی ہو اس میں بیسواں حصہ واجب ہے اور اگر دونوں طرح ہوئی ہو تو غالب کا اعتبار ہے اور اگر دونوں طریقے مساوی ہوں تو بعض کے نزدیک بیسواں حصہ اور بعض کے نزدیک عشر کا تین

ربع یعنی چالیس میں سے تین واجب ہے۔(۶) خوید وغیرہ جو کاٹ لیجاتی ہے اس میں بھی عشر واجب ہے اور جو تیاری کے بعد غلّہ سے بھوسہ نکلتا ہے اس میں واجب نہیں (۷) جب پھل قابل اطمینان ہو جائے اس وقت کے حساب سے عشر واجب ہے۔

(۸) تیاری سے پہلے جس قدر خرچ کرے گا اس سب کا حساب یاد رکھے اس کا بھی عشر دینا پڑے گا۔(۹) اگر پھل توڑنے سے پہلے یا کھیت کاٹنے سے پہلے کسی آفت غیر اختیاری مثل برف یا غرق یا حرق وغیرہ سے پھل یا غلہ ہلاک ہو جاوے عشر ساقط ہو جاتا ہے اور اگر چوری ہو جاوے یا جانور کھا جاوے۔ اس سے ساقط نہیں ہوتا۔(۱۰) پکنے سے پہلے کھیت بیچ ڈالا تو اس کا عشر مشتری کے ذمہ ہے اور اگر پکنے کے بعد بیچا تو بائع کے ذمہ ہے۔ یہی حکم پھل کا ہے۔(۱۱) جو زمین اجارہ پر دی جاوے اس کا عشر بقول صاحبینؒ کے مفتیٰ بہ ہے کاشتکار کے ذمہ ہے کہ وہ پیداوار کا مالک ہے اور اگر مزارعت یعنی بٹائی پر ہے تو مالک زمین و کاشتکار دونوں کے ذمہ ہے اپنے اپنے حصہ میں۔(۱۲) عشر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے۔ یعنی مساکین جو اصول و فروع میں سے اور ہاشمی نہ ہوں اور زوج و زوجہ نہ ہو۔(۱۳) عشری زمین وہ ہے کہ جب سے مسلمانوں نے اس کو مفتوح کیا تھا اس وقت تک برابر وہ مسلمان ہی کی ملک میں چلی آئی ہو اور بروئے میراث یا بروئے خرید یعنی درمیان میں وہ غیر مسلم کی ملک میں نہ آئی ہو جو ایسی نہ ہو وہ خراجی کہلاتی ہے(۱۴) خراج کی دو قسم ہیں ایک مؤظف کہ اس کا لگان یا ایک مقرر مقدار ہے مثلاً روپیہ بیگہ یا کم وبیش۔ دوسرا خراج مقاسمت کہ پیداوار کا کوئی حصہ کسی خاص نسبت سے لیا جاتا ہے۔ مثلاً نصف یا ثلث وغیرہ۔(۱۵) خراجی زمین میں خراج واجب ہوتا ہے۔(۱۶) لیکن خراج مؤظف تو قدرت انتفاع زراعت سے واجب ہو جاتا ہے باوجود امکان زراعت کے اگر زمین کو معطل چھوڑے رکھے گا یہ خراج واجب ہو جاوئے گا۔ البتہ جب قدرت زراعت کی نہ ہو تب ساقط ہو جاتا ہے۔ اور خراج مقاسمت مثل عشر کے اس وقت واجب ہوگا جب واقع میں پیدا بھی ہو(۱۷) اگر مسلمان کسی غیر مسلم سے زمین خرید لے وہ خراجی ہوگی۔(۱۸) اگر مسلمان کسی غیر مسلم کے ہاتھ عشری زمین بیچ ڈالے وہ خراجی ہو جاوے گی۔(۱۹) خراج کے مصارف مصالح عامہ ہیں اور علماء مدرسین و مفتیین وطلبہ کی خدمت بھی ان میں داخل ہے۔(۲۰) عشر اور خراج دونوں ایک زمین میں واجب نہیں ہوتے۔(۲۱) خراجی زمین سے عشر نہ نکالا جاوے گا۔(۲۲) اسی طرح جس زمین میں عشر واجب ہے اگر اس سے خراج لیا جاتا ہو تو عشر ساقط نہ ہوگا۔ جس طرح مال تجارت سے انکم ٹیکس ادا کرنے سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی۔(۲۳) خراج مؤظف بالاجماع مالک زمین کے ذمہ ہے۔ کاشتکار کے ذمہ نہیں البتہ خراج مقاسمت کا حکم مثل عشر کے ہے۔(۲۴) اگر خراجی زمین

کا محصول بادشاہِ وقت کی طرف سے معاف ہو تب بھی اگر وہ خراج مؤظف ہے تو وہ مالک زمین کے ذمہ رہے گا۔ آگے اس میں تفصیل ہے کہ اگر یہ شخص خراج کا مصرف ہے مثلاً مفتی ہے مدرس ہے واعظ ہے تو اس کو اپنے صرف میں لانا جائز ہے اور اگر مصرف نہیں ہے تو اس پر واجب ہے کہ مصرف میں اس کو پہونچا دے مدارس اسلامیہ کا مد چندہ اس کے لیے بہت مناسب ہے البتہ اگر انتفاع بالارض پر قدرت نہ ہو تو خراج ساقط ہے اسی طرح خراج مقاسمت میں تفصیل ہے۔ (۲۵) اور اگر بوجہ معافی ہونے کے اس کے محصول کی مقدار کی تعیین میں دشواری ہو تو اس کے قرب وجوار کی آراضی غیر معافی کا محصول معتبر ہے۔ (۲۶) ارض وقف کا بھی عشر یا خراج پیداوار سے نکال کر بقیہ کو مصارف میں صرف کیا جاوے گا۔

**تنبیہ:** ارض خراجی میں خراج کا حق شرعی ہونا اب تک احقر کو بھی محقق نہ تھا۔ اب اس تحقیق کے بعد اراضی معافی کے متعلق یہ امر خصوصیت کے ساتھ قابل تنبیہ واہتمام ہے کہ اس کے خراج کا قرب وجوار کی اراضی سے اندازہ کر کے مدارس اسلامیہ میں پہنچا دیا کریں ورنہ ان کے ذمہ یہ ایک حق شرعی واجب رہے گا اور عشر کے حق شرعی ہونے سے بے خبری یا انکار یہ تو غفلت وغلطی عظیم ہے یہ کل تیرہ روایتوں سے اس کے مضاعف یعنی ۲۶ مسئلے ثابت ہوتے ہیں۔

**وللہ الحمد علیٰ اتمام الجواب واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب ضمیمہ فی ردالمحتار تحت قول الدرالمختار یجب العشر مانصہ ثبت ذلک بالکتاب والسنۃ والإجماع والمعقول ای یفترض لقولہ تعالیٰ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ فان عامۃ المفسرین علیٰ انہ العشر اونصفہ بینہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ما سقت السماء ففیہ العشر وما سقی بغرب اودالیۃ ففیہ نصف العشر ص۷۸ قلت وایضاً لقولہ تعالی یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ الاٰیۃ۔**

اس عبارت میں تصریح ہے کہ عشر فرض ہے مثل زکوٰۃ کے قرآن سے اور حدیث اور اجماع سے اور قیاس سے اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ اس میں کوتاہی کرنا کیسی چیز ہے۔ واللہ الموفق۔ اشرف علی

۱۰/رجب ۱۳۳۴ھ

## عشری وخراجی نبودن الخ

سوال (۱۰۶) اراضی عشری وخراج منحصر بہ دارالاسلام ہے یا غیر دارالاسلام میں بھی عشری، خراجی ہے۔

الجواب۔ **فی ردالمحتار باب الرکاز تحت قولہ الدرالمختار فی ارض خراجیۃ او عشریۃ اھ بعد بحث طویل مانصہ ثم رأیت عین ما قلتہ فی شرح الشیخ اسمٰعیل حیث قال**

ویحتمل ان یکون احترازاعما وجد فی دارالحرب فان ارضها لیست ارض خراج او عشر الخ
ج:۲ص:۲۷ مصریہ ۱۲۹۴ھ۔ ۷ رصفر ۱۳۳۰ھ

## عشر بودن الخ

سوال (۱۰۷) ہندوستان کی زمینوں کی پیداوار پر عشر فرض ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی ردالمحتار عن شرح شیخ اسمٰعیل حیث قال ویحتمل ان یکون احترازاعما وجد فی دارالحرب فان ارضها لیست ارض خراج اوعشر ج۲ ص۷۲ و فی الدرالمختار ارض العرب وما اسلم اهله طوعا او فتح عنوة وقسم بین جیشنا والبصرة عشریة اھ ج۳ ص۳۹۳۔

اگر ہندوستان کو دارالاسلام مانا جاوے تو ظاہراً قسم ثالث میں داخل ہونے سے اس کی زمین مسلمانوں کے پاس ہے جب کہ کسی غیر مسلم سے حاصل نہ ہوئی ہو عشری ہے اگر غیر دارالاسلام ہے تو اس کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی ہے۔ ۲۱ رصفر ۱۳۴۰ھ

## تحقیق عشر وخراج

سوال (۱۰۸) الامداد جلد: ۲ص: ۲۷ بابت ماہ محرم ۱۳۳۵ھ مضمون معنون بہ زکوٰۃ الارض میں ہے نمبر ۳ خراج مؤظف بالاجماع مالک زمین کے ذمہ ہے کاشتکار کے ذمہ نہیں البتہ خراج مقاسمۃ کا حکم مثل عشر کے ہے انتہی۔ فقرۂ اخیرہ کا یہ مطلب ہے کہ رب الارض اور مزارع دونوں پر بحصتہما خراج مقاسمۃ واجب ہے۔ اس کی دلیل صراحتاً درالمختار اور ردالمحتار میں میری سرسری نظر سے تو باوجود تلاش نہ گزری بلکہ بر خلاف اس کے۔ چنانچہ درمختار کے اس قول (و فی المزارعة ان کان البذر من رب الارض فعلیه ولو من العامل فعلیهما بالحصة) کی شرح کے بالکل آخر میں شامی لکھتا ہے ثم اعلم ان هذا کله فی العشر اما الخراج فعلی رب الارض اجماعاً کما فی البدائع شامی ج۲ ص: ۵۷ اسکے اول میں وجوب عشر کا حکم بالتفصیل مع الاختلاف بیان کر چکا ہے اور یہاں وہ تفصیل مذکورہ معتبرۃ فی العشر خراج سے مستثنیٰ کرتا ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خراج مطلقاً رب الارض پر ہے مزارعت میں خراج مؤظف ہو یا مقاسمۃ کا ہو حضرت والا مدظلہم عم فیضہم نے جو تفصیل لکھی ہے اور اس مطلق کو مقید کیا ہے از راہ کرم اس کے ماخذ کی عبارت بعینہ سے مطلع فرماویں۔ تو باعثِ بصیرت وتشفی بندہ ہو اور رافع خدشہ۔ والسلام۔

الجواب۔ الامداد کی اسی جلد اسی نمبر صفحہ ۲۷ تحت الروایۃ الخامسۃ میں ردالمحتار کی یہ عبارت ہے

واما خراج المقاسمة وھوکون الواجب جزءاً شائعاً من الخارج کثلث وسدس ونحوھما فعلی الخلاف کذا فی شرح دار البحار میں اسی پر نمبر ۲۳ کو متفرع کیا ہے اور مثل عشر کا مطلب یہ ہے کہ علی الخلاف ہے اب آپ نے بدائع سے جو عبارت نقل کی ہے ان دونوں عبارتوں میں تطبیق میں غور کیجئے میں نے اپنا ماخذ لکھدیا۔ ۱۹ رمضان ۱۳۳۹ھ

سوال (۱۰۹) اس پر یہ خدشہ ہوسکتا ہے کہ عبارت مذکور شرح دار البحار کی دلیل عقد اجارہ کی ہے نہ کہ مزارعت (بٹائی) کی زیرا کہ شامی نے بھی اسی کو اسی مراد کے لئے لایا ہے۔ چنانچہ تحت قولہ کخراج مؤظف فانه علی الموجر الخ کے لایا ہے اور خدام والا کی عبارت نمبر ۳ حکم عقد مزارعت کا ظاہر کررہی ہے چنانچہ لفظ کاشتکار اسی کی طرف مشیر ہے فلم یصح الاستدلال بتلك العبارة علی ذلك ہاں اگر خدام والا کی عبارت نمبر ۳ سے حکم عقد اجارہ ہے تو کوئی خدشہ نہیں۔ پس دریں حالت ازراہِ کرم حکم خراج عقد مزارعت (بٹائی) سے سرفراز فرمایئے گا کہ سب مالک زمین پر ہے یا مزارع پر بھی بالحصّہ ہے جیسا کہ حکم عشر ہے۔

اگر دونوں پر مثل عشر ہے تو شامی کی اس عبارت (ثم اعلم ان ھذا کله فی العشر اما الخراج فعلی رب الارض اجماعاً کما فی البدائع) کا کیا مطلب ہے۔

الجواب۔ کتاب دیکھنے کا وقت نہیں ملتا دوسرے علماء سے تحقیق کرلیجئے اور بعد حصول اطمینان اگر یاد رہے مجھ کو بھی اطلاع کردیجئے۔ مجھکو بھی فائدہ ہوگا۔

اس کے بعد مستفتی نے دیوبند خط لکھا جو مع جواب ذیل میں منقول ہے پھر حسب درخواست اس جواب کی یہاں اطلاع کرکے ایک جزو کا یہاں سے استصواب کیا وہ استصواب مع جواب بھی منقول ہے۔

**والمجموع ہذا۔** بخدمت جناب مفتی دار العلوم دیوبند عم فیضہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ جن سطور مسطورہ بالا پر خط مستطیل کھنچا ہوا ہے ازراہِ کرم ان کے جواب مدلل سے واقف فرمانا اور نیز اس سے کہ خراج مقاسمت اگر محض مالک زمین پر ہے تو کل پیداوار کا خمس (جو کہ یہاں کا خراج ہے) اس سے لیا جائے گا یا جتنا حصہ اس کا پیداوار میں مقرر ہے اس کا خمس لیا جائے گا امید ہے کہ ان دونوں سوالوں کا جواب دلائل کے ساتھ تحریر فرما کر مشکور فرمایئے گا کہ صورتِ مسئولہ واقعی ہے۔ والسلام۔

الجواب۔ شامی جلد ثالث باب العشر والخراج والجزیۃ میں درمختار کے قول وھو ای الخراج نوعان خراج مقاسمة الخ شرح میں ہے وقد تقرران خراج المقاسمة کالعشر لتعلقه بالخارج ولھذا یتکرربتکرر الخارج فی السنة وانما یفارقه فی المصرف فکل شیئی

یوخذ منه العشر او نصفه یوخذ منه خراج المقاسمة وتجری الاحکام التی قررت فی العشر وفاقا وخلافا الخ۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبارت منقولہ شامی ثم اعلم ان هذا کله فی العشر اما الخراج فعلی رب الارض اجماعاً کما فی البدائع میں خراج سے مراد خراج مؤظف ہے نہ خراج مقاسمۃ اور اصل مسئلہ کے متعلق ایک روایت شامی باب الرکاز ص ۴۵ میں یہ ہے۔ ولهذا قال القهستانی بعد قوله فی الارض خراج اوعشر الاخضر فی ارضنا سواء کانت جبلا اوسهلا مواتا او ملکا واحترزبه عن داره وارضه وارض الحرب ثم رائت عین ما قلته فی شرح الشیخ اسمٰعیل حیث قال وتحمیل ان یکون احترازاعماوجد فی دارالحرب فان ارضها لیست ارض خراج او عشر الخ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی اراضی نہ عشری ہیں اور نہ خراجی فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عزیز الرحمٰن ۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ

بخدمت سراپا برکت مرشدی و مولوی حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم ۔ بعد از سلام علیکم وکور نشات بندگانہ معروض آنکہ حسب الارشاد مفتی صاحب سلمہ کی تحقیق بعینہ مرسول خدمت ہے اور جناب مفتی صاحب کا بالکل اخیر ارشاد کہ اس سے معلوم ہوتا ہے الیٰ قولہ نہ خراجی صحیح ہے مطلب یہ ہے کہ آپ کی رائے عالی اس کے موافق ہے یا نہیں والسلام۔

الجواب ۔ ہاں صحیح ہے لیکن اگر کسی کے نزدیک یہ دار الاسلام ہوتو یہ حکم نہ ہوگا۔

سوال نمبر ۲ جواب مسئلہ شرعی دادن براں صاحب ضروری امر است کہ از اہلِ ذکر ظاہری و باطنی ذات والا اندو بر ما سوال واجب است کہ عقل وعلم مایان ناقص است ۔ در بارہ اراضی تمام ہندوستان و پنجاب وخصوصاً ڈیرہ غازی خان کہ سرحد اضلاع پنجاب است ایں ضلع قریب و ماتحت کوہ است مگر ضلع ہذا اکثر زمین صفاء از جمر است ضلع شمال صوبہ پنجاب جانب غربی دریا سندھ است عشری اند یا خراجی تمام کتب فقہ بناء عشری وخراجی بر فتوحات اول داشتہ اند آں بطور علم الیقین ظاہر نمی شود مگر مولوی ہمایونی در فتاویٰ خود نوشتہ کہ ملک سندھ و ہند خراجی است کہ محمد ابن قاسم ثقفی در خلافت ولید بوقت فتح خمس نہادہ بطریق خراج کما یشعربه رسائل مخدوم ابی الحسن الدأرهریؒ قال الشیخ الحسن فی بیان اراضی الهند والسنده فی ضمن راجا ویرالذی کان قبل نبوت عیسیٰ علیه السلام کانت خراجیة وخراجها الخمس وبعد الإسلام بقیت ایضاً خراجیة ۱۲ فتاویٰ ہمایوں و در رسالہ الامداد بابت ماہ شعبان ۱۳۳۴ھ تحریر است ۔ اگر مسلمان کسی غیر مسلم سے خریدے وہ خراجی ہوگی ۔ الخ ۔ و در تتمۂ جلد اول فتاویٰ امدادیہ صفحہ ۵۰ کتاب الزکوٰۃ

مرقوم است۔ جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک میں ہیں الخ وہ زمینیں عشری ہیں تا آخر۔ لہٰذا معروض جواب امور ذیل مفصل عنایت فرمایند۔

۱۔ زمین ضلع ڈیرہ غازی خاں پنجاب عشری است یا خراجی۔

۲۔ تحریر مولوی ہمایونی صحیح است قابل اطمینان ست یا نہ مدلل تحریر فرمایند۔

۳۔ جناب والا کہ در تتمہ جلد اول فتاویٰ امدادیہ صفحہ ۵۰ کتاب الزکوٰۃ فرق و تعریف عشری و خراجی تحریر فرمودند نقل کدام کتاب فقہ معتبر درج نہ فرمودند مہربانی فرمودہ از ماخذ آں اطلاع دہند کہ از کدام کتاب واز کدام عبارت ایں فرق و تعریف استخراج فرمودہ فتویٰ دادند۔

۴۔ بر مردماں اینجا خراج نہایت گراں است اکثر برابر تمام آمدنی اراضی می باشد انگریزاں را می دہند و آں بموجب تحقیق آں صاحب محسوب نمی گردد و مردمان غربا مقروض از کجا آرند کہ خمس دیگر بمساکین دہند ایں تکلیف مالا یطاق است و آں در شرع نمی باشد۔ البتہ بعضے ایماندار عشرین دادن برخود لازم کردہ اند مساکین رامی دہند دریں بارہ امر فیصل مدلل تحریر فرمایند۔ چونکہ وجود مسعود حضور پرنور سراسر رحمت برائے مسلمانان است و حکیم امت اند ہر حال بجواب باصواب سرفراز فرمایند۔ ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۴۳ھ

## الجواب قولہ فی السوال

برفتوحات اول داشتہ اند اقول بشرطیکہ استیلاء کافرے برآں طاری نہ شدہ باشد قولہ وآں بطور علم الیقین ظاہر نمی شود اقول بسے جاہا تواتر حاصل است و اگر نباشد استصحاب را حکم خواہند گفت قولہ کما یشعر بہ سائل المخدوم اقول اول بلا سند حجت نیست ثانیا بعد تسلیم استیلاء کفار آں را رفع گشت باز موجب جدید مؤثر خواہد شد اکنوں جوابات سوالات بہ ترتیب میدہم۔

۱۔ اگر تعریف عشری صادق باشد عشری است و اگر تعریف خراجی صادق باشد خراجی است۔

۲۔ بالا گزشت۔

۳۔ آں تعریف نیست بلکہ بناء علی المقدمات المعلومہ بیان علامات ست و آں مقدمات ایں ست۔

(الف) عشری چند اقسام است لیکن قسمیکہ در ہندوستان کہ پنجاب وسندھ دراں داخل است یافتہ میشود آں ست کہ فقہاء در تعریفش نوشتہ اند اوفتح عنوۃ وقسم بین جیشنا کذا فی الدر المختار۔

وقال فی ردالمحتار ولو قال بیننا لشمل ما اذا قسم بین المسلمین غیر الغانمین فانہ عشری لان الخراج لا یؤظف علی المسلم ابتداءً ذکرہ القہستانی در منتقی

(ب) سلاطین الاسلام ہندوستان را فتح کردہ یقیناً بعض کسان را اراضی عطاء کردہ اند دراں وقت

آنہا یقیناً مصداق تعریف عشری بودند باز ایشاں بدیگراں منتقل شدند ارثاً یا شراءً او نحوہ الی وقتنا هذا وہر جا کہ حال وسائط بالیقین معلوم نباشد استصحاب راحکم قرار دادہ خواہد شد پس آنچہ الحال بدست مسلمان ست وسائط را مسلمان قرار خواہند داد۔

(ج) تخلل کافر عشری را خراجی میکند کما صرحوا بہ پس بعد ایں مقدمات احکام منقولہ امداد الفتاویٰ ورسالہ الامداد ظاہر است۔

۴۔ عشر وخراج از حقوق شرعیہ است پس چنانکہ انکم ٹیکس مسقط زکوٰۃ نیست ہم چنیں محصول سرکاری مسقط ایں حقوق نباشد وتکلیف مالا یطاق کہ در شرع مرفوع است مراد نفی تشریع است نہ نفی وقوع گو از غیر شارع بلا اذن شارع باشد خوب تامل باید کرد ایں مغالطۂ عظیمہ است کہ اثرش بر عقیدہ محتمل است البتہ اگر بقول بعضے کہ ارض دار الکفر نہ عشری است نہ خراجی نقلہ فی رد المحتار کسی تشبث کند امید کہ بحالت چنیں ابتلاء گنجائش باشد واللہ اعلم ۔ ۲۸ رجمادی الثانی ۱۳۴۳ھ تمت رسالۃ النشر للعشر۔

# فصل فی صدقة الفطر وغیرها

## اولویت صرف صدقہ ببلدے کہ دراں خود باشد

سوال (۱۱۰) اگر ایک شخص اپنے وطن کے غرباء ومساکین کو زکوٰۃ یا فطرہ میں سے بعض یا اکثر حصّہ دے اور بعض یا اکثر حصّہ غیروطن کے غرباء ومساکین کو دے تو بلا کراہت جائز ہے یا نہیں۔ اور وطن کا لفظ عام ہے خواہ اصلی ہو خواہ اقامت۔؟

الجواب۔ زکوٰۃ کا حکم تو اس سے پہلے جواب میں گزر چکا۔ اور فطرہ ادا کرنے والے کا مکان معتبر ہے وہاں کے لوگ احق ہوں گے۔ اور بلاعذر مذکور التفصیل نقل مکروہ ہوگا۔ فی الدر المختار وفی الفطرة مکان المؤدی عند محمدؒ وهو الاصح لان رؤسهم تبع لراسه اھ۔

۲۷ رمحرم ۱۳۳۲ھ (امدادص:۱۵۸ج:۱)

## حکم صدقۂ فطر یک کس بر جماعتے یا جماعت بر یکے

سوال (۱۱۱) ایک جماعت آدمی کا صدقۂ فطر ایک شخص کو دینا یا ایک آدمی کا فطرہ شخص واحد کو یا برعکس، یعنی شخص واحد کا فطرہ جماعت پر تقسیم کرے۔

الجواب۔ فی الدرالمختار وجاز دفع کل شخص فطرته الی مسکین اومساکین علی المذهب کما جاز دفع صدقة جماعة الی مسکین واحد بلاخلاف آھ و رجحه فی ردالمحتار اس سے معلوم ہوا کہ سوال کی تینوں صورتیں جائز ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

۲۰ رصفر ۱۳۲۵ھ (امدادص ۱۶۳ ج ۱)

سوال (۱۱۲) ویجب دفع صدقة فطر کل شخص الی مسکین واحد حتی لو فرقه علی مسکینین اواکثر لم یجز ویجوز دفع مایجب علی جماعة الی مسکین واحد کذا فی التبیین هکذا فی العالمگیری ص۲۰۵ جلد اول مصری ویجوز ان یعطي الواجب عن واحد جماعة او علی العکس هکذا فی قاضی خان ص۲۱۱ مابین عبارتین جواختلاف معلوم ہوتا ہے ترجیح کس کو ہے اور وجہ ترجیح کیا ہے۔ امید کامل ہے کہ جلد ان شبہات مذکورہ کے جواب سے رفع تردد فرماویں گے۔

الجواب۔ فی الدرالمختار وجاز دفع کل شخص فطرته الی مسکین او مساکین علی ما علیه الاکثروبه جزم فی الولوالجیة والخانیة والبدائع والمحیط وتبعهم

الزیلعی فی الظھار من غیر ذکر خلاف وصححه فی البرھان فکان ھو المذھب کتفریق الزکوة والامر فی حدیث اغنوھم للندب فیفید الاولویة ولذا قال فی الظھیریة لایکره التاخیر ای تحریما کماجازدفع صدقة جماعة الی مسکین واحد بلاخلاف یعتدبه فی ردالمحتار قد صرح فی مواھب الرحمن بالخلاف فی المسئلتین بقوله ویجوز اخذ واحد من جمع ودفع واحد لجمع علی الصحیح فیھما آھ۔ ج۲ ص۱۲۵ و۱۲۶ ان عبارات سے دونوں امر کے جواز کی ترجیح معلوم ہوگئی۔ یکم محرم ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص:۷)

## مصارف صدقۂ نافلہ

سوال (۱۱۳) رواج اس ملک کا یہ ہے کہ ثواب رسانی مردہ کے لئے وارثوں نے اپنی اپنی ہمت کے موافق طعام پختہ کھلاتے ہیں اور روپیہ پیسہ وغیرہ صدقہ کرتے ہیں۔ اب اس طعام پختہ اور روپیہ وغیرہ کے مستحق کون کون ہیں، فقیر، مسکین، یتیم، طالب علم وغیرہ، غریب، غرباء، تونگر، سودخور، بے نمازی کو دعوت کرکے کھلانا کیسا ہے۔؟

الجواب۔ یہ صدقۂ نافلہ ہے۔ ہر ایک کے لئے جائز ہے۔ لیکن زیادہ اولیٰ مساکین کے لئے ہے۔ اور اگر شہرت کے قصد سے ہو سب کو بچنا واجب ہے۔ فقط (تتمۂ اولیٰ ص:۱۶۳ ج:۱)

## معنی حلت صدقۂ نافلہ اغنیاء را

سوال (۱۱۴) صدقۂ نافلہ اغنیاء اور فقراء سب کو مباح ہے۔ اس کے کیا معنی ہیں۔ آیا یہ معنی ہیں کہ جب کسی شئے کو خدائے تعالیٰ کے حضور میں پیش کردیا۔ اور اس کے ایصال ثواب کی نیت کسی کے لئے کرلی تو یہ صدقہ ہوگیا اس کا کھانا سب کو جائز ہے یا اور کچھ پھر بعد الانفاق ایصال ثواب کی ضرورت ہوگی یا وہی نیت کافی ہوگی۔؟

الجواب۔ اس کی تحقیق مصرح تو کہیں باوجود تلاش کے ملی نہیں۔ لیکن قواعد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بدون تملیک کے ابھی صدقہ نہ ہوگا۔ کیونکہ مفہوم صدقہ میں تملیک داخل ہے۔ رہا اس کا کسی کے لئے حلال یا حرام ہونا اس کے معنی یہ معلوم ہوتے ہیں کہ جو چیز غنی وغیرہ کو دینے سے کافی اور ادا نہیں ہوتی منفق علیہ پر واجب ہے کہ منفق کو اپنے مصرف اور مستحق نہ ہونے کی اطلاع اور تنبیہ کردے۔ کیونکہ یہ تو ہم اور احتمال ہے کہ شاید اس کو اطلاع حقیقت کی یا حکم شرعی کی نہ ہو اور یہ واجب مثلاً اس کے ذمہ رہ جائے تو یہ ایک گونہ خداع اور تغریر ہے۔ اور یہ حرام ہے۔ البتہ اگر بیت المال میں زکوۃ وغیرہ آگئی چونکہ سلطان بوجہ ولایت عامہ کے فقراء کا بھی نائب ہے اس لئے اس کا قبضہ بجائے قبضہ فقراء کے ہے

اور اسی سے دو صدقہ کے ساتھ متصف ہوگیا اور اگر زکوٰۃ ہے تو اس میں وخیت آ گئی۔ اور غیر مصارف پر اس وجہ سے بھی حرام ہوگیا۔ تیسرا طریق جو کہ سب صورتوں میں مشترک اور بلا واسطہ مفید حلت وحرمت ہے یہ کہ صدقہ ہونا نہ تو زماناً تملیک پر مقدم ہے اور نہ مؤخر بلکہ مقارن ہے پس صدقہ ہونا اور مملوک ہونا معاً متحقق ہوں گے اس لیے اسی وقت حلت وحرمت بھی حاصل ہو جائے گی گو تملیک بالذات مقدم ہو اور جب معلوم ہوگیا کہ تملیک کے وقت صدقہ ہوگا تو اس سے پہلے کی نیت بھی معتبر نہیں۔ البتہ زکوٰۃ میں اخراج کے وقت کی معتبر ہے کہ واسطے ادائے شرط واجب نیت کے نہ کہ ثواب کے لیے کہ وہ تملیک ہی پر موقوف ہوگا۔ واللہ اعلم۔ ۲۷ ر ذی الحجہ ۲۲ھ

## وجوب قضاء وصدقۂ فطر بعد بلوغ اگر ولی ادا نہ کردہ باشد

سوال (۱۱۵) صبی مالک نصاب کا ولی اگر صدقۂ فطر اس کی طرف سے نہ دے تو اس صبی پر بعد بالغ ہونے کے ادا کرنا واجب ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب۔ ہاں اس صبی کو بعد بلوغ صدقہ فطر ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر صبی مالک نصاب نہ ہو گو باپ صاحب نصاب تھا اور اس نے ادا نہ کیا تو صبی پر بعد بلوغ واجب نہ ہوگا۔ کذا فی الدرالمختار وردالمختار تحت قولہ علی کل حر مسلم باب صدقۃ الفطر۔ یکم صفر ۲۹ ۱۳ھ (تتمہ اولیٰ ص ۵۶)

## حکم ادائے صدقۂ فطر وفدیۂ صلوٰۃ از غیر منصوص مثل برنج وغیرہ ومقدار آنہا

سوال (۱۱۶) (۱) ہمارے ملک بنگالہ میں علی العموم ہر کس وناکس کے واسطے خورش چاول ہے۔ اور کوئی غذا ہمارے یہاں ماکول نہیں ہے۔ پس اس صورت میں ہم لوگ نصف صاع چاول سے صدقۂ فطر ادا کر سکتے ہیں یا نہیں بحوالۂ کتب فقہ تحریر فرماویں۔ (۲) ہمارے بنگالیوں کی غذا علی العموم چاول ہے پس ہم لوگ نصف صاع چاول سے میّت کے فوت نماز کا فدیہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں۔؟

الجواب۔ (۱) فی الدرالمختار باب صدقۃ الفطر ومالم ینص علیہ کذرۃ وخبز ویعتبر فیہ القیمۃ پس اگر کوئی شخص صدقۂ فطر میں چاول ادا کرنا چاہے تو اس چاول کا کوئی وزن یا پیمانہ معتبر نہیں بلکہ وہ چاول اس قدر ہو کہ قیمت میں برابر نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو کے ہو جاوے مثلاً اس وقت صدقۂ فطر ادا ہوگا اور اگر کسی نے نصف صاع چاول دیدیا اور وہ قیمت میں اشیاء مذکورہ سے کم ہوا صدقہ ادا نہ ہوگا۔ (۲) فی الدرالمختار یعطی لکل صلوٰۃ نصف صاع من برٍ کالفطرۃ وکذا حکم الوتر والصوم ردالمختار قولہ نصف صاع من بُرّای اومن دقیقہ

او سویقه او صاع من تمراوزبیب او شعیر او قیمته. اس سے معلوم ہوا کہ نماز وروزہ کے فدیہ میں وہی مقدار دی جاتی ہے جو صدقۂ فطر میں دی جاتی ہے۔ پس اگر چاول فدیہ میں دینا چاہے تو اس میں بھی وہی شرط ہے جو سوال اوّل کے جواب میں مذکور ہوئی۔ واللہ اعلم۔ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۱۶۰ ج ۱)

سوال (۱۱۷) صدقۂ فطر ما سوائے اجناس گندم وجو وخرما وزبیب از دیگر اشیاء مثل جوار، باجرا، برنج وغیرہ دادن جائز یا حسب روایت جوہرہ وطحطاوی کہ در باب احکام العیدین لایجوز الا بالقیمۃ غیر جائز۔ آنچہ در نسخہ بہشتی زیور از دیگر اشیاء دادن جائز نوشتہ اید کدام استناد دارد تا کہ بر آں اعتماد کردہ آید۔

الجواب۔ صدقۂ فطر از جوار وباجرا وغیرہ اجناس کہ غیر منصوص اند ادا کردن جائز است ہرگاہ کہ در قیمت با یکے از اجناس منصوصہ گندم وجو وخرما وغیرہ برابر باشد وہمیں معنی است عبارت مذکورہ سوال رالایجوز الّا بالقیمة اي لايجوز باعتبار الوزن بل باعتبار القيمة بان يساوي في القيمة احدي المنصوصات في الدر المختار مالم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة وفي ردالمحتار بعد ذكر بعض الفروع لان القيمة انما تعتبر في غير المنصوص عليه آهـ۔
ربیع الاوّل ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۹)

سوال (۱۱۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ صدقۂ فطر کے بارے میں اگر چاولوں سے صدقہ ادا کر دیا جائے آیا کہ کہ جائز ہے یا نہیں۔ اور بر تقدیر اول کس طرح ادا کرنا چاہئے۔ آیا کہ گندم کے طریقے سے یا اور کسی طریق سے علی الخصوص جہاں پر علاوہ چاول کے دیگر اشیاء منصوصہ نہیں مل سکتی ہیں وہاں پر اگر نصف صاع چاول کا ادا کر دیا جاوے تو جائز ہوگا یا نہیں۔ اور نرخ چاولوں کا بھی وہاں پر بہ نسبت گندم کے نہایت ارزاں ہے۔ مفصلاً مع ادلّہ بیان ہو۔ بینوا توجروا۔ فقط۔

الجواب۔ بجز اشیاء منصوصہ یعنی حطہ وزبیب وتمر وشعیر کے دوسری جنس سے اگر صدقۂ فطر ادا کیا جاوے تو اس میں قیمت معتبر ہے۔ یعنی وہ احد الاشیاء المنصوصہ کی برابر قیمت میں ہو مثلاً نصف صاع گندم کی برابر ہو یا ایک صاع جو کی برابر ہو۔ اور اگر وہاں گندم وجو مثلاً نہ ہوتے ہوں تو اقرب المواضع کی قیمت معتبر ہوگی۔ في الدرالمختار ومالم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة في ردالمحتار قوله وخبز عدم جواز دفعه الا باعتبار القيمة هو الصحيح لعدم ورود النص به فكان كالذرة وغيرها من الحبوب التي لم يرد بها نص و كالا قط (بحر ج ۲ ص ۱۲۲) پس چاول بھی اسی قاعدہ سے دینا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ کتبہ اشرف علی۔ ۱۴؍رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۱۴۸)

## تحقیق صدقۂ فطر از جانب منکوحہ غیر مزفوفہ

سوال (۱۱۹) جس لڑکی کی شادی ہو چکی ہو اور وہ لڑکی اپنے ماں باپ کے گھر ہو بالغ ہے یا نابالغ ہے تو اس کا فطرہ رمضان شریف ماں باپ کے ذمہ ہے یا سُسرال والوں کے ذمہ ہے۔؟

الجواب۔ اگر وہ لڑکی مالدار ہے تو خود اس کے مال میں صدقۂ فطر واجب ہے خواہ بالغ ہو یا نابالغ۔ اور اگر مالدار نہیں تو اگر بالغ ہے تو کسی کے ذمہ نہیں۔ اور اگر مالدار نہیں اور نابالغ ہے اور رخصت نہیں ہوئی تو باپ کے ذمہ ہے۔ اور اگر رخصت ہوگئی تو کسی کے ذمہ نہیں۔ کذا فی الدر المختار ورد المحتار۔

۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص: ۲۵)

## جواز فدیہ دادن برادر را

سوال (۱۲۰) شخصے نماز دو (۲) ماہ قضا کردہ بود۔ قبل موت وصیت کرد کہ از اموال متروکہ کفارہ اش ادا کردہ شود در میان برادران میت بعضے غنی وبعضے فقیر۔ اکنوں برادر غنی از ثلث مال ارادۂ کفارہ میدارد و نیز می خواہد کہ بعض کفارہ فقیر اجنبی را وبعض برادر فقیر خود را دہد آیا برادرش را کفارہ دادن روا باشد یا نہ۔؟

الجواب۔ ہر گاہ برادر را زکوٰۃ دادن درست است فدیہ وکفارہ ہم درست است لاشتراکہما فی الوجوب۔ ۷؍ رجب ۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص: ۱۵۲)

## وجوب صدقۂ فطر بر مسافر واضحیہ

سوال (۱۲۱) مسافر جو مکان میں صاحب نصاب ہے اس کو حالت سفر میں اگر قربانی وفطرہ دینے کی قدرت ہو، تو اس پر قربانی یا فطرہ واجب ہوگا یا نہیں۔ لیکن فی الحال سفر میں مقدار نصاب مال ساتھ نہیں ہے لیکن بوقت ضرورت منگانے پر قادر ہے ایسے شخص پر کیا حکم ہے۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار باب المصرف وابن السبیل وھو کل من له مال لامعه فی ردالمحتار عن الفتح ولایحل له ای لابن السبیل ان یاخذ اکثر من حاجة۔ ج ۲ ص ۹۹ وفی الدرالمختار باب صدقة الفطر علی کل حرّمسلم ولو صیغراً مجنوناً ذی نصاب فاضل عن حاجته الاصلیة وان لم یتم وبه ای بهذا النصاب تحرم الصدقة وتجب الاضحیة وفیه کتاب الاضحیة وشرائطها الإسلام والإقامة والیسار الخ۔

ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوئے[1] ایسے مسافر پر نہ صدقۂ فطر واجب ہے اور نہ قربانی۔ کیونکہ[1] وجوب صدقہ وحرمت اخذ صدقہ مجتمع نہیں ہوتے۔ اور اس شخص کو زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ پس

(۱) جو مسافر نصاب ساتھ نہ رکھتا ہو مگر بقدر حاجت مال اس کے پاس ہو وہ چونکہ زکوٰۃ نہیں لے سکتا ہے لہٰذا اس پر وجوب صدقۂ فطر سے کوئی امر مانع نہیں پس اس پر صدقۂ واجب ہوگا ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

صدقۂ فطر وقربانی واجب نہیں۔ (۲) ایسے شخص کو زکوٰۃ لینا گو درست ہے مگر حاجت سے زیادہ نہ لے۔ اور دینے والا بھی اس سے تحقیق حاجت کی کر لے۔ زیادہ حاجت سے نہ دے۔ (۳) اور اگر اس مسافر کے پاس نصاب ساتھ ہی موجود ہو تو قربانی تو پھر بھی واجب نہیں مگر صدقۂ فطر واجب ہے۔ (۴) لیکن اگر ایام قربانی میں مقیم ہو گیا تو پھر قربانی واجب ہو جاوے گی۔ (۵) سفر سے مراد سفر شرعی ہے۔

۲۶ رشوال ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۸۰)

## صدقۂ فطر اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے واجب ہے

(۱۲۲) زید ایک شخص ہے جو گھر کا مالک ہے۔ اور اس کے متعلقین بہ تفصیل ذیل لوگ ہیں۔ زوجۂ زید، بیٹا بالغ، حقیقی بھائی، زوجہ حقیقی بھائی کے بیٹے کی، دو زوجہ اور چار زید کی لڑکیاں، ایک لڑکی جوان بیاہی جو سسرال میں رہتی ہے اور کبھی کبھی اس کے یہاں آجاتی ہے۔ دوسری نابالغ بے بیاہی تیسری نابالغ بیاہی یہ دونوں آخر الذکر زید کے یہاں رہتی ہیں۔ چوتھی نابالغ بیاہی جو سسرال میں رہتی ہے۔ زید کی بہن بیاہی ہوئی جو بطور مہمان ہونے کے آگئی ہے۔ ایک خادمہ بے باپ وماں وشوہر کے جس کا کھانا کپڑا زید کے ذمہ ہے ان میں سے کس کس کا صدقۂ فطر زید کے ذمہ ہے۔؟

الجواب۔ زید کے ذمہ صرف اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے جو کہ نادار ہوں صدقۂ فطر واجب ہے۔ مگر جو لڑکی نابالغ بیاہی گئی ہو اور خاوند کے گھر رخصت ہوگئی ہو بشرطیکہ خاوند کی خدمت کے لائق ہو اس لڑکی کا صدقۂ فطر بذمہ زید واجب نہیں فی الدرالمختار عن نفسه وطفله الفقير الیٰ قوله ولوزوج طفلته الصالحة لخدمة الزوج فلافطر آھ وفی ردالمحتار لوسلمت لزوجها لاتجب فطرتها علیٰ ابيها آھ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

یکم ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۶۰)

## تحقیق ادائے فدیۂ صوم وصلوٰۃ در حیات خود وتعریف شیخ فانی

سوال (۱۲۳) قضاء نماز روزہ کا فدیہ کوئی اپنی حیات میں ادا کرسکتا ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار بعد ذكر الفدية للشيخ الفانی هذا اذاكان الصوم اصلا بنفسه وخوطب بادائه حتی لولزمه الصوم لكفارة يمين او قتل ثم عجز لم تجز الفدية لان الصوم ههنا بدل عن غيره فی ردالمحتار هذا ای وجوب الفدية علی الشيخ الفانی ونحوقوله اصلابنفسه كرمضان وقضائه والنذر كما مرّ فيمن نذر صوم الابد وكذا لونذر صوماً معينا فلم يصم حتی صارفانياً جازت له الفدية. بحر ج۲

ص۱۹۲ و فی ردالمحتار عن الکافی ان العاجز عن صوم ھو بدل عن غیرہ کما فی کفارۃ الیمین والقتل لوفدی عن نفسہ فی حیاتہ بان کان شیخاً فانیاً لا یصح الخ۔ ج۲ ص۱۹۱۔ فی ردالمحتار لو فدی عن صلاتہ فی مرضہ لا یصح بخلاف الصوم۔ فی ردالمحتار لانہ یصلی بماقدر ولو مؤمیاً برأسہ فان عجز عن ذلک سقطت عنہ اذا کثرت الخ۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ شیخ فانی (بالتفسیر المذکور فی الجواب الاوّل (قبل ہذا ۱۲۱ منہ) روزہ کا فدیہ تو اپنی حیات میں دے سکتا ہے مگر نماز کا فدیہ نہیں دے سکتا۔ کیونکہ اشارہ سے قضاء کر سکتا ہے۔ اور غیر شیخ فانی نہ روزہ کا فدیہ دے سکتا ہے نہ نماز کا۔ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۲۲)

## صدقۂ نفل محرم وغیرہ کا غنی کے لیے جائز ہونا

سوال (۱۲۴) ایک شخص نے عام لوگوں کی دعوت کی۔ ایک دوسرے شخص نے دوسرے شخص سے پوچھا کہ یہ دعوت کیسی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ماہ محرم کا کھانا اللہ کیا ہے تو یہ کھانا درست ہے یا نہیں۔ اور امیر وکبیر لوگ اس کھانے کو کھا سکتے ہیں یا نہیں۔ اور کھلانے والے کو ثواب مل سکتا ہے یا نہیں۔ اور جس مقام پر غریب لوگ نہ ہوں تو کس کو کھلاوے۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار قبیل باب الرجوع فی الھبۃ لالغنیین لان الصدقۃ علی الغنی ھبۃ وفیہ فی مسائل متفرقۃ کالھبۃ الصدقۃ الی قولہ ولو علی غنی لان المقصود فیھا الثواب لاالعوض وفیہ باب المصرف ولا الیٰ غنی ولا الی بنی ھاشم وجازت التطوعات من الصدقات وغلۃ الاوقاف لھم ای لبنی ھاشم۔ الخ مختصراً۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ نفل صدقہ غنی کے لیے بھی جائز ہے۔ خواہ وہ حکماً ہبہ ہو یا صدقہ اور اس میں ثواب بھی ہے گو فقیر کو دینے کے برابر نہ ہو، پس صورت مسئولہ میں گو بقرینہ اس کے قول للہ کے یہ صدقہ ہے مگر نافلہ ہے۔ اس لیے غنی کے لیے حرام تو نہیں ہے۔ لیکن زیادہ ثواب فقراء ہی کو کھلانے میں ہے۔ اور غنی کو عذر کر دینا اولیٰ ہے۔ اور اگر وہاں فقراء نہ ہوں تو دوسری جگہ فقراء کے لیے بھیج دیں۔ خواہ طعام یا بقدر اس کی قیمت کے نقد واللہ اعلم۔ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۱۴۴)

## ہندو کو صدقۂ نفل دینا جائز ہے

سوال (۱۲۵) میں نے تفسیر بیان القرآن میں سورۂ بقرہ میں دیکھا کہ حضور والا نے فرمایا ہے کہ حربی کافر کو کسی قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں ہے۔ اور صرف ذمّی کافر کو صدقات نافلہ دے سکتے ہیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ہندوستان میں جو کہ دارالحرب ہے ہندو فقیروں کو کوئی صدقہ نہیں دینا

چاہئے۔ اس وقت تک میں ان لوگوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ یاد کر کے خیرات دیدیا کرتا ہوں۔ اب جیسا حکم عالی ہو۔

الجواب۔ کام کا سوال ہے جواب دیتا ہوں۔ مراد میری حربی سے محارب ہے۔ حربی مسالم نہیں کہ اس کا حکم ذمی جیسا ہے۔ عبارت میں قید رہ گئی ہے مگر قواعد سے قید ظاہر ہے۔
۲۵ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ (النور ص:۱۰ محرم ۵۵ھ)

## محصول چنگی سے بچنے والے کو گرفتار کروا کر حاصل کردہ انعام پر زکوٰۃ کا حکم......؟

سوال (۱۲۶) ایک اسلامی ریاست میں منجملہ دیگر قوانین ایک یہ بھی ہے کہ جو شخص اپنا محصولی مال بلا ادائے محصول سرکاری خفیۃً لے جاتا ہوا گرفتار کیا جائے گا اس کا کل مال نیلام کر کے نصف گرفتار کنندہ کو دیکر باقی سرکار اپنے خزانہ میں داخل کرلے گی۔ چنانچہ ایک شخص نے ایک ہندو کا مال گرفتار کر کے اسی قسم کا انعام حاصل کیا اور رقم انعام میں سے کچھ اپنے صرف کے لئے رکھی اور کچھ کسی کو قرض دیدی مگر مقروض نے یہ کہہ کر روپیہ لیا ہے کہ میں اس سے ایک مکان خریدوں گا اور اس کا کرایہ ماہ بماہ تم کو دیتا رہوں گا مکان کا بیع نامہ اپنے ہی نام کرایا اور مقرض سے صرف زبانی اقرار کیا اب اس میں چند امور دریافت طلب ہیں۔

(۱) اس ہندو نے جو کہ ذمی ہے تمام قوانین کے ساتھ اس قانون کی پابندی کا بھی عہد کیا ہے تو کیا امام مسلمین کو ذمی سے اس قسم کا عہد لینا جائز نہیں۔

(۲) اگر یہ قانون ذمی کے حق میں بھی غیر نافذ اور ناجائز ہے تو گرفتار کنندہ کا انعام حکم غصب میں ہے یا نہیں۔

(۳) اگر حکم غصب میں ہے تو واجب الرد ہوگا۔

(۴) اگر رد نہ کرے تو زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں۔

(۵) مقروض کو رقم قرض کیسے واپس کرنا چاہئے مقرض کو یا اس ہندو کو جس کا یہ مال ہے۔

(۶) اگر مقروض ادا نہ کرے تو مقرض کو خود بھی اصل مالک پر رد کا قصد نہیں رکھتا تقاضا کرنیکا حق حاصل ہے یا نہیں۔

(۷) مقروض کا ماہانہ کچھ روپیہ دینا سود ہوگا یا نہیں اور مقرض کو اس روپیہ کے تقاضہ کا بھی حق حاصل ہے یا نہیں۔ فقط بینوا توجروا۔

الجواب۔ اول مال تجارت پر ذمی سے محصول لینے کا قانون شرعی سمجھ لیا جاوے پھر سوال کا جواب لکھا جاوے گا وہ قانون یہ ہے۔ حسبما فی الدر المختار ورد المحتار۔

(۱) وہ مال تجارت کا ہو (۲) سال بھر میں صرف ایک مرتبہ لیا جاوے زیادہ نہ لیا جاوے۔ (۳) وہ مال نصاب کے قدر ہو۔ (۴) اس پر اتنا دین نہ ہو جو کہ نصاب کو کم کردے۔ (۵) اگر وہ کہے کہ اس مال میں میری نیت تجارت کی نہیں یا اس سال میں دوسری چوکی پر مجھ سے اس مال کا محصول لے لیا گیا ہے یا میرے ذمہ دین ہے جس کے بعد نصاب نہیں رہتا اس سے حلف لے کر اس کی تصدیق کی جاوے گی۔ (۶) بیسویں حصہ سے زیادہ نہ لیا جاوے۔ (۷) مالک مال کا نابالغ نہ ہو۔

اگر اس قانون کے خلاف محصول لیا جاوے گا ظلم ہوگا پس اگر اس ریاست میں اس قانون کی پابندی نہیں ہے تب تو مال کا گرفتار کرانا ہی حرام اور اعانت علی الظلم ہے اور اس پر انعام لینا یہ صریح اکل سحت ہے اگر اس قانون کی پابندی (اور اس کی توقع بعید) ہے تو گرفتار کرانا تو جائز بلکہ طاعت اور اعانت علی الحق ہے لیکن اس پر انعام لینا بوجہ اجرت علی الطاعۃ ہونے کے پھر بھی ناجائز اور رشوت ہے۔ بہرحال جو انعام لیا ہے وہ ہر صورت میں ناجائز رہا اس کے بعد سوالوں کا جواب بہ ترتیب مرقوم ہوتا ہے۔

(۱) قانون شرعی کے موافق عہد لینا جائز ہے اور اس کے خلاف عہد لینا ناجائز ہے۔

(۲) ہر حال میں بحکم غصب ہے۔

(۳) واجب الرد ہے اور اس کے خلاف عہد لینا ناجائز ہے۔

(۴) اگر اس نے اپنے مال میں مخلوط کر لیا تو زکوٰۃ واجب ہے۔

(۵) اگر اس انعام گیرندہ نے اس کو دوسرے اموال میں مخلوط کر لیا تو وہ مالک ہو گیا گو ملک خبیث سہی پس یہ قرض اسی کو واپس کیا جاوے گا اور اگر مخلوط نہیں کیا بالکل علیحدہ رکھا ہے تو مالک وہی ہندو ہے اگر قدرت ہو تو اسی کو دیدے۔

(۶) اگر یہ مقرض اس کو مخلوط کر چکا تھا تو تقاضے کا حق رکھتا ہے ورنہ نہیں۔

(۷) اگر یہ ماہانہ قسط ہے اصل قرض کی تب تو سود نہیں اگر اس کے علاوہ ہے تو سود ہے اور اصل قرض کا مطالبہ جائز ہوتا ہے سود کا جائز نہیں ہوتا۔ ۲۵ رمضان ۱۳۳۲ھ

## وزن صاع

سوال (۱۲۷) حضور کی بہشتی زیور نامی کتاب میں صدقۂ فطر کے بارہ میں دیکھنے میں آیا کہ نصف صاع عراقی اسی تولہ کے سیر کے حساب سے ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک ہوتا ہے یعنی اسی قدر صدقۂ فطر ادا کرنا چاہئے۔ یہ فقیر حسب تحریر فقہاء عالمین رحمہم اللہ تعالیٰ کے حساب لگا کر جو دیکھا تو نصف صاع عراقی انگریزی سیر کے حساب سے ایک سیر ساڑھے گیارہ چھٹانک ہوتا ہے۔ نہ معلوم ایک

چھٹانک کا بیش وکم کیوں ہوتا ہے۔ میں جہاں تک سمجھتا ہوں میرے ہی حساب میں غلطی واقع ہوئی ہوگی۔ اس لیے امیدوار ہوں کی نصف صاع عراقی انگریزی سیر ساڑھے بارہ چھٹانک کس حساب سے ہوتا ہے اس فقیر کو ہدایت فرما کر سرفرازی دارین بخشیں۔ زیادہ ایام بہ کام باد۔

الجواب۔ چونکہ مرجع اخیر سب حسابوں کا مثقال ہے اس کے حساب میں اختلاف ہونے سے صاع کے حساب میں اختلاف ہوجاتا ہے سوایسا اختلاف مضر نہیں سب میں توسع ہے۔

۹ رجمادی الثانی ۱۳۴۳ھ

# کتاب الصّوم والاعتکاف

## تحقیق حکم صوم رجب

سوال (۱۲۸) ابن ماجہ میں باب صیام اشھر الحرام میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو فرمایا کہ صُمْ اشھر الحرام اور اسی باب میں ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن صیام رجب ان دونوں حدیثوں میں صورت تطبیق کیا ہے۔؟

الجواب۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ جاہلیت رجب کی تعظیم میں غلو کرتے تھے چنانچہ رسم عتیرہ اس پر شاہد ہے جس کو حدیث لا فرع ولا عتیرة سے منسوخ کیا گیا۔ بالخصوص قبیلۂ مضر سب سے زائد اس امر میں مبالغہ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کی طرف رجب کی اضافت کی جاتی تھی۔ جیسا کہ احادیث میں ترکیب رجب مضر اس پر دال ہے۔ پس اس طور پر تخصیص کے ساتھ رجب کی تعظیم شعار جاہلیت کا تھا۔ چونکہ احتمال تھا کہ بعض لوگ جو رجب کی تعظیم کرتے تھے اور اب مشرف باسلام ہو گئے تھے شاید وہ لوگ یا ان کی دیکھا دیکھی اور لوگ اس طرح کی تعظیم کے قصد سے اس میں روزہ نہ رکھنے لگیں۔ اس لئے شارع علیہ السلام نے اس کی ممانعت فرمادی۔ جس طرح بعض احادیث میں صوم یوم السبت سے نہی آئی ہے، حالانکہ اطلاق سے دلائل سے ونیز اجماع سے اس کا جواز ثابت ہے۔ وہاں بھی یہی وجہ ہے کہ یہود کے دیکھا دیکھی تخصیص صوم کو ذریعۂ تعظیم نہ بنائیں اسی طرح صیامِ رجب کی نہی کو سمجھنا چاہئے۔ پس اس حیثیت سے تو یہ منہی عنہ ٹھہرا۔ دوسری حیثیت رجب میں صرف شہر حرام ہونے کی ہے۔ جو اس میں بقیہ اشہر حرم میں مشترک ہے۔ پہلی حیثیت سے قطع نظر کر کے صرف اس دوسری حیثیت سے اس میں روزہ رکھنے کو مندوب فرمایا گیا پس دونوں حدیثوں میں تعارض نہ رہا۔ لاختلاف المحملین کما ذکرنا۔ فقط (امداد ص: ۱۷۱ ج: ۱)

## تحقیق صوم ۲۷ / رجب

سوال (۱۲۹) بہشتی زیور حصۂ ششم میں اس کے متعلق یہ لکھا گیا ہے۔ اس کو عام لوگ مریم روزہ کا چاند کہتے ہیں۔ اور اس کی ستائیس تاریخ میں روزہ رکھنے کو سمجھتے ہیں کہ ایک ہزار روزوں کا ثواب ملتا ہے۔ شرع میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ اگر نفل روزہ رکھنے کو دل چاہے اختیار ہے خدائے

تعالیٰ جتنا چاہیں ثواب دے دیں۔ اپنی طرف سے ہزار یا لاکھ مقرر نہ سمجھے۔ آھ۔ اس عبارت پر شبہ پڑتا ہے کہ اس کی نہ قوی اصل ہے اور نہ ضعیف۔ سو چونکہ ضعیف اصل اس کی پائی گئی ہے اس لئے الامداد بابت ماہ رجب ۴۴ھ میں اس کی مزید تحقیق کردی گئی جو بعینہ ذیل میں منقول ہے۔

اس ماہ کی ۲۷ رتاریخ میں یہ اعمال مروج ہیں۔ ۱۔ روزہ جس کی روایات پر شیخ دہلویؒ نے ماثبت بالسنہ میں سخت جرح کی ہے۔ صرف ایک روایت کو جو کہ ابو ہریرہؓ سے موقوفاً وارد ہے۔ جس میں اس روزہ کو برابر ساٹھ ماہ کے روزوں کے کہا گیا ہے۔ شیخ نے سب سے امثل اور غنیمت کہا ہے لیکن پھر بھی ختم روایت پر فرمایا **فهذه احاديث ذكرت فيما حضر عندنا من الكتب ولم يصح منها على ما قالوا شيئ وغايته الضعف وجلها موضوع**۔ مگر شیخ ہی نے ایک حدیث بروایت ابن ابی شیبہ وطبرانی حضرت عمرؓ سے نقل کی کہ حضرت عمرؓ صوم رجب پر لوگوں کے ہاتھوں پر مارتے تھے۔ اور جبراً کھانے میں ڈلواتے تھے۔ کہ یہ ماہ جاہلیت میں معظم تھا اسلام میں متروک ہوگیا خیر اگر کوئی روزہ ہی رکھے تو ایک تو اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہ سمجھے۔ ابو ہریرہؓ کا سمجھے۔

۲۔ دوسرے اس کو ہزاری یعنی ہزار روزہ کے برابر ثواب میں نہ سمجھے کہ اس میں منقول کی تغییر ہے۔

۳۔ تیسرے اس کو حدیث صحیح کے برابر نہ سمجھے۔ غایت سے غایت ضعیف سمجھ لے۔ اور اس کو بھی کسی فقیہ سے تحقیق کرلے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے بیان کی فضیلت اور حضرت عمرؓ کی ممانعت میں عملاً کس کو ترجیح ہوگی۔ آھ۔ پس اصل تو ظاہر ہوگئی باقی روزہ رکھنا نہ رکھنا اس میں بوجہ تعارض فتویٰ حضرت عمرؓ و حضرت ابو ہریرہؓ کسی محقق عالم سے تحقیق کر کے عمل کرے۔ قواعد سے اتنی گنجائش ہے کہ جاہلیت کی تشبہ کی بناء پر صوم کو منع کیا جاوے اور اب چونکہ یہ تشبہ نہیں رہا۔ اس لئے اجازت دی جاوے۔ بہرحال اس روزہ کو عملاً منع نہ کیا جاوے۔ مگر عقیدہ کی اصلاح کردی جاوے۔ فقط۔ ۲۷ رذی الحجہ ۴۴ھ (ترجیح رابع ص ۸۵)

## حکم صوم ہزاری

سوال (۱۳۰) ہزارہ روزہ جو مشہور ہے اس کی کوئی سند نہیں ملتی ایک عنایت فرمانے حضرت امام غزالیؒ کی مکاشفۃ القلوب سے یہ حدیث پیش کی ہے۔ **عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صام السابع والعشرين من رجب كتب له صيام ستين شهراً وهو اول يوم نزل فيه جبرئيل عليه السلام على النبى صلى الله عليه وسلم بالرسالة وفيه اسرىٰ به صلى الله عليه وسلم** اس حدیث کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ اس کے خلاف کوئی حدیث آئی ہو تو تم بتاؤ۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ماثبت من السنۃ میں اس روایت کو تو نہیں لائے مگر اس کے ہم معنی اور روایات کو لائے ہیں اور سب کی تضعیف کی ہے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس قسم کے

اعمال میں ایسی روایات سے سند پکڑنا ضروری ہے۔ان کو یہ قول ایسا ہے کہ جس کا جواب کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔لہٰذا اس مسئلہ میں جناب کیا ارشاد فرماتے ہیں۔اور یہ روایت کس کتاب کی ہے۔اور کیسی ہے۔؟

الجواب۔ (۱) روایت مکاشفہ القلوب کی نظر سے نہیں گزری۔ناقل کے ذمہ تصحیح نقل ہے اور سند کا حال رجال دیکھنے سے معلوم ہو۔باقی ایک علت تو اس حدیث میں بیّن ہے وہو اول یوم نزل فیہ جبرئیل علیہ السلام الخ۔آپ کی ابتداء وحی ربیع الاول میں مشہور ہے۔باقی نفس صوم رجب بے اصل نہیں ہے۔گفتگو اس عدد خاص میں ہے۔وہ اس حدیث سے بھی ثابت نہیں۔بلکہ عدد مشہور سے زیادہ ثابت ہوتا ہے۔اس لئے یہ دعویٰ صحیح ہے کہ اس عدد مشہور کا کہیں پتہ نہیں۔اور اگر علت مذکورہ پر نظر کر کے حدیث کے ثبوت میں کلام کیا جاوے تو بھی گنجائش ہے۔ ۲۲ر رجب ۱۳۳۲ھ

## رمضان کے روزہ میں اجنبیہ سے جلق کرایا

(۱۳۱) ایک شخص نے بذریعہ کسی اجنبیہ محرمہ کے رمضان میں جلق کرایا اب وہ شخص زانی کہلائے گا یانہیں اور اس عورت کے اصول وفروع اس کے حق میں کیا ہے اور اس کے روزہ کا کیا حکم ہے۔

الجواب۔زنا کی تعریف میں ادخال الذکر قدر الحشفة داخل ہے کما فی الدرالمختار اس لئے یہ زنا حقیقی تو نہیں ہے البتہ مقدمات زنا کو حدیث میں زنا فرمایا گیا ہے اس لئے حکماً زنا ہے یعنی گناہ میں مشابہ زنا کے ہے اور چونکہ مس بالشہوۃ سے اس کے اصول وفروع سب حرام ہو جاتے ہیں اس لئے یہ حکم ثابت ہو جاوے گا۔البتہ اگر انزال ہو تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔کمافی الدرالمختار واصل ممسوسة بشهوة واصل ماسته وفروعهن وفيه ايضاً فلو انزل مع مس اونظر فلاحرمة وبه يفتي اور روزہ فاسد ہو جائے گا اور صرف قضاء لازم آئے گی۔في الدرالمختار اذا استمنى بكفه الىٰ قوله كذافقط۔

---

(۱) حضرت قدس سرہٗ التشرف میں فرماتے ہیں۔ابو ہریرہؓ کی حدیث جو شخص رجب کی ۲۷ کا روزہ رکھے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ۶۰ مہینے کے روزوں کا ثواب لکھیں گے اور وہ وہ دن ہے جس میں جبرئیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے (کوئی خاص ہبوط مراد ہے مثلاً معراج کے لئے) روایت کیا اس کو ابو موسیٰ مدینی نے کتاب فضائل اللیالی والایام میں مشہر بن جوشب کی روایت سے وہ ابو ہریرہؓ کی روایت سے۔ف اگر یہ مہینے آدھے تیس کے لئے جاویں اور آدھے انتیس کے تو ان روزوں کی تعداد سات سو ستر ہوتی ہے اور عجب نہیں کہ یہ اصل ہو اس کی جو عام لوگوں میں اور عام عابدین میں مشہور ہے کہ یہ روزہ ہزار روزہ کے برابر ہے اور اس کا لقب ہزاری روزہ رکھتے ہیں اور شاید انھوں نے کسر کو سہولت کے لئے حذف کر دیا ہو اور میں نے جو اپنے بعض رسائل میں اس کی نفی کی ہے، تو وہ اس اثر پر مطلع ہونے کے قبل ہے بشرطیکہ یہ اثر سند کی رو سے ثابت ہو اور مجھ کو سند کا علم نہیں (التشرف ص: ۲۴) قلت۔احیاء العلوم ص ۳۲۸: ج:۱۔بیان اللیالی والایام الفاضلہ میں اس روایت کی سند پر زین الدین عراقیؒ جیسے جلیل القدر محدث کا حاشیہ میں کلام نہ کرنا دلیل صحت ہے۔ ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

## تحقیق حکم خبرتاردربارۂ رویت ہلال رمضان وعید

سوال (۱۳۲) خبرتار واحد افطار شوال یعنی عید الفطر کرنے کے لئے موجب للعمل ہے یا نہیں بسند صحیح ارشاد فرمائیے۔

الجواب۔ تار دلالت وضعیہ غیر لفظیہ میں مشابہ خط کی ہے۔ اور اس فرق کے لحاظ سے کہ خط میں خود علامت ممیّزہ موجود ہے اور تار میں مفقود ہے بہ نسبت خط کے توپ وطبل وغیرہ کے زیادہ مشابہ ہے۔ اور خط امور ملزمہ میں باستثناء مواضع معدودہ ضرورت شدیدہ بشرط امن من التزویر مثل فرامین شاہی وغیرہ کے بدون اقرار کاتب یا قیام بینہ حجت نہیں۔ اور امور غیر ملزمہ میں اگر قرائن صدق و صحت کے مجتمع ہوں جس سے نسبت الی الکاتب مظنون ہو جاوے، حجت ہے ورنہ نہیں۔ اور توپ وغیرہ کا حکم بھی ایسے امور میں یہی ہے کہ ظن صحت میں معتبر ہے ورنہ نہیں۔ پس خبر ہلال افطار جو کہ (یہ تغیر تصحیح الاغلاط ص ۱۳ سے کی گئی ہے ۱۲) مثل خبر ہلال صوم کے امور غیر ملزمہ سے ہے۔ چونکہ ہمارے دیار میں بوجہ والی مسلم نہ ہونے کے اس کا مدار محض، اخبار پر ہوتا ہے اور شہادت کا لحاظ نہیں کیا جاتا، اس لئے اگر بوجہ فقدان عدالت تار دہندہ توسط غیر مسلم وعدم لحاظ شہادت کے کسی شخص کے اعتبار سے مانع غلبۂ ظن ہو اس کو مطلقاً عمل جائز نہیں۔ اور اگر بوجہ عدم توسط غیر مسلم وعدالت تاردہندہ ولحاظ شہادت کے کسی کے اعتبار سے مانع نہ ہو تو اس کا حکم مثل نطق کے ہے۔ اور حالت صحو میں اخبار کثیرہ متواترہ اور حالت غیم میں اخبار عدلین پر عمل جائز ہے اور خبر واحد پر کسی طرح عمل جائز نہیں۔

والدلائل علی الدعاوی المذکورۃھذہ۔فی الدرالمختار بخلاف کتاب الإیمان فی دارالحرب حیث لا یحتاج الٰی بینة لانه لیس بملزمة وفی ردالمحتار قوله لانه لیس بملزم لان له ان لایعطیھم الامان بخلاف کتاب القاضی فانه یجب علی القاضی المکتوب الیه ان ینظر فیه ویعمل۔ولابد للملزم من الحجة وھی البینة۔ فتح ج ٤ ص ٥٤٦ مطبوعه مصر وفی ردالمحتار وذکر فی الکفایة اٰخر الکتاب عن الشافی ان الصحیح مثل الأخرس فاذا کان مستبینا مرسوما وثبت ذلك باقراره او ببینة فھو کالخطاب ج: ٤ ص: ٥٤٨ وفی ردالمحتار وقدمنااول القضاء استظھار کون علة العمل بماله رسوم فی دواوین القضاة الماضیین ھی الضرورة وھٰھنا کذلك فانه یتعذر اقامة البینة علی ما یکتبه السلطان من البرائت لاصحاب الوظائف ونحوھم وبعد اسطر عدیدة وان ابن الشحنة وابن وھبان جزما بالعمل بد فتر الصراف ونحوه لعلة امن التزویر کما جزم به البزازی والسرخسی وقاضیخان قال ان ھذه العلة فی الدفاتر

السلطانية اولى كما يعرفه من شاهد احوال اهاليهاحين نقلها ج:٤ص:٥٤٧ وفى ردالمحتار قال البيرى المراد من قوله لا يعتمد اى لا يقضي القاضى بذلك عند المنازعة لان الخط مما يزور ويفتعل كما فى مختصر الظهيرية وبعد اسطر قال الشيخ ابوالعباس يجوز الرجوع فى الحكم الٰى دواوين من كان قبله من الامناء اى لان سجل القاضى لا يزور عادة حيث كان محفوظا عند الامناء بخلاف ما كان بيد الخصم آهـ وبعد اسطروصرح ايضاً فى الإسعاف وغيره بان العمل بما فى دواوين القضاة استحسان والظاهران وجه الاستحسان ضرورة احياء الاوقاف ونحوها عند تقادم الزمان بخلاف السجل الجديد لامكان الوقوف على حقيقة مافيه باقرار الخصم اوالبينة فلذالايعتمد عليه آهـ ج:٤ص:٤٧٨ وفى الهداية كتاب الشهادة ثم التذكية فى السران يبعث المستورة الى المعدل فيهاالنسب والحلى والمصلى ويرد المعدل وكل ذلك فى السركيلا يظهر فيخدع اويقصد وفيها بعد اسطر واذا كان رسول القاضى الذى يسئل عن الشهود واحد اجاز الٰى قوله ولهما انه ليس فى معنى الشهادة الخ قوله مستورة اسم للرقعة التى يكتبها القاضى ويبعثها سرابيد امنه الٰى المزكى سميت بذلك لانها تستر عن نظر العوام كفاية وفى ردالمحتار يتسحر بقول عدل وكذا بضرب الطبول وبعد اسطرلايجوزاذا لم يصدقه ولا بقول المستور مطلقا وبالاولٰى سماع الطبل او المدفع الحادث فى زماننا لاحتمال كونه لغيره ولان الغالب كان الضارب غير عدل فلا بد حينئذ من التحرى فيجوز لان الظاهر مذهب اصحابنا جواز الإفطار بالتحرى وبعد اسطر وقد يقع ان المدفع فى زماننا يفيد غلبة الظن وان كان ضاربه فاسقا لان العادة ان الموقت يذهب الٰى دارالحكم اٰخر النهار فيعين له وقت ضربه ويعينه (۱) ايضاً للوزير وغيره واذا ضربه يكون ذلك بمراقبته الوزير واعوانه للوقت المعين فيغلب على الظن بهذه القرائن عدم الخطاء وعدم قصد الإفسادج:۲ ص:۱۶۹و۱۷۰وفى ردالمحتاروكون المدعى والكاتب ذميين يقوى شبهة التزويرو بعد اسطر وقلما يشتبه الخط من كل وجه الخ ج:٤ ص:٥٤٩ وفى الدرالمختار ولوكانوا ببلدة لاحاكم فيها صاموالقول ثقة وافطروا باخبار عدلين مع العلة للضرورة وبعد اسطر وقبل بلاعلة جمع عظيم الخ والله اعلم۔

۲۷رشوال ۲۱ھ (امداد ج:۱ص:۱۷۲)

## لفظ عید مبارک کا تار کے ذریعہ سے معتبر یا غیر معتبر ہونا

سوال (۱۳۳۳) مقام کراچی سے ایک تار آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ عید مبارک اور یہ تار وہاں

(۱) اقول هذا فى الاصل اى الشامى ولىحرر بل هو للوزيرا والوزير ۱۲ تصحيح الاغلاط ص:۳۱

سے ۲۹ رتاریخ کو دیا اور چنار گڑھ دس بجے دن کو ملا۔ لہٰذا اس تار پر چند لوگوں نے افطار کیا اور جمیع مسلمانان نے افطار نہ کیا۔ جن لوگوں نے افطار کیا ان پر کفارہ ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب۔ محض اس مضمون کا تار شرعاً شبہ پیدا نہیں کرتا اس لئے ان لوگوں پر کفارہ لازم ہے ونظائرہ کثیرۃ فی الفقہ۔ البتہ اگر بعد میں دلیل شرعی سے رویت کی خبر کہیں سے ثابت ہو جاوے کفارہ نہ آوے گا۔ کما فی الدر المختار ولم یطرء مسقط فقط واللہ اعلم۔ ۳رشوال ۱۳۲۷ھ

## کلام بر جواب سوال متعلق صوم وافطار بر خبر تار کہ در ۱۳۲۷ھ اکثر جا واقع شد

جواب سوال اول۔ اصل طریقہ اثبات رویت کا شہادت علی الرویۃ یا شہادت علی الشہادۃ یا شہادت علی قضاء الحاکم الشرعی ہے۔ حتیٰ کہ شہادۃ علی رویۃ الغیر بھی حجت نہیں۔ کذا فی الدر المختار ورد المحتار باقی استفاضہ کو جو حجت کہا ہے تو خود اس کو فی ذاتہ حجت نہیں کہا بلکہ علت اس کی یہ لکھی ہے لان البلدۃ لا تخلو عن حاکم شرعی عادۃ فلا بد من ان یکون صومھم مبینا علی حکم حاکمھم الشرعی فکانت تلک الاستفاضۃ بمعنی نقل الحکم المذکور الخ کذا فی ردالمحتار ج:۲ ص:۱۰۰۔ اور جہاں یہ علت متحقق نہ ہو وہاں حجت بھی نہ ہوگا۔ اور جمعرات کے روزے کی خبر میں تو استفاضہ بھی نہیں ہوا اور جمعہ کے چاند میں شنبہ کی شب اور روز تک بذریعۂ تاروں کے بعض کو استفاضہ کا شبہ ہو گیا تھا۔ مگر تار دینے والوں کا بکثرت بے علم خود رائے غیر محتاط ہونا اور علماء سے رجوع نہ کرنا چونکہ معلوم ہے اس لئے وہ علت منتفی ہے۔ لہٰذا احتجاج بھی منتفی ہے۔ اگرچہ تار کو مثل خبر لسانی کے بھی قرار دے دیا جاوے مگر خود خبر لسانی میں بھی جب یہی شرط ہے تو تار میں کیوں نہ ہو گی۔ پس اکثر جگہ ایسے تاروں کی بناء پر افطار کر ڈالنے میں غلطی عظیم ہوئی۔ واللہ اعلم۔

۱۲رشوال ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۶۰)

سوال (۱۳۴) رویت ہلال ماہ رمضان و ماہ شوال تار برقی کی خبر پر معتبر ہے یا نہیں۔ اور تار کی خبر پر روزہ رکھنا یا افطار کرنا جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ اس سے قبل بندہ نے تار کو خط یا طبل ومدفع یعنی توپ پر قیاس کر کے اس باب میں ایک تقریر (۱) لکھی تھی جس میں قبول خبر تار میں کچھ تفصیل اور بعض شرائط کے ساتھ تقیید تھی۔ مگر اس سال یعنی ۱۳۲۷ھ کی رویت شوال کے متعلق تاروں پر عمل کرنے میں بے علموں اور کم علموں نے بے

---

(۱) یہ تقریر اصل (۱) امداد الفتاویٰ مطبوعہ مجتبائی ۱۳۲۹ھ جلد اول ص:۱۴۷ میں چھپی ہے۔ ایک (۲) اور تقریر متعلق تار کے اس تتمہ میں ہے وہ بھی اس کے ساتھ دیکھ لی جاوے ۱۲ منہ

(۱) اس تبویب جدید میں ص:۱۱۸ پر ہے۔

(۲) اس تبویب جدید میں ص:۱۲۲ پر ہے ۱۲۔ رشید احمد عفی عنہ

احتیاطیں کیں اوران سے جوفتن وشرور پیدا ہوئے ان کو دیکھ کر تجربہ ہوا کہ عوام ان قیود وشرائط کوملحوظ نہیں کر سکتے ونیز اخبارمتواترہ سے تحقیق ہوا کہ تار میں مختلف اقسام کی غلطی اور دھوکہ بھی زیادہ محتمل ہے لہٰذا وہ خط سے بھی ادون ہے کہ خط میں اس کے طرز سے کچھ معرفت کاتب کی ہوتی ہے پھر بھی الخط یشبہ الخط بعض احکام میں کہا گیا ہے۔ اور تار میں تو اس کی بھی کوئی علامت نہیں۔ اور نیز طبل سحر و مدفع افطار سے بھی اضعف ہے۔ کیونکہ ان کی ضرب ایک جماعت حاضرین کی مشارکت سے ہوتی ہے جس میں جرأت تعمد خدع کی ابعد ہے۔ تار میں یہ بھی نہیں۔ ان امور پر بھی نظر کر کے سداً للذرائع وحسماً للمادۃ اس تفصیل سے رجوع کر کے اب یہ حکم متعین سمجھتا ہوں کہ اس باب میں تار کی خبر اصلاً قابل اعتبار ولائق عمل نہیں۔ **ولهٰذا نظائر فی فن الفقه منها عدم جواز القضاء بعلمه كما بسط القول فيه في الدرالمختار وردالمحتار** ج:۴ص:۵۳۴و۵۵۰واللہ اعلم۔

۳/ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۱۱۶ حوادث ا۔۲ ص:۵۴)

سوال (۱۳۵) متعلق حکم تار کے تھا جس کی عبارت نقل نہیں کی گئی۔

الجواب۔ اول دو مسئلہ بطور تمہید کے لکھے جاتے ہیں پھر جواب سوالات کا عرض کیا جائے گا۔ اول مسئلہ یہ ہے کہ تار دلالت وضعیہ غیر لفظیہ میں مشابہ خط کے ہے۔ اور اس فرق کے لحاظ سے کہ خط میں خود علامت ممیزہ موجود ہے۔ اور تار میں یہ مفقود ہے بہ نسبت خط کے توپ اور طبل وغیرہ کے ساتھ زیادہ مشابہ ہے اور خط کا حکم یہ ہے کہ امور ملزمہ میں باستثناء مواضع معدودہ ضرورت شدیدہ بشرط امن من التزویر مثل فرامین شاہی وغیرہا کے بدون اقرار کاتب یا قیام بینہ حجت نہیں۔ اور امور غیر ملزمہ میں اگر قرائن صدق وصحت کے مجتمع ہوں جس سے نسبت الی الکاتب مظنون ہو جائے حجت ہے ورنہ نہیں اور توپ وغیرہ کا حکم بھی ایسے امور میں یہی ہے کہ ظن صحت میں معتبر ہے ورنہ نہیں۔ پس خبر ہلال افطار میں کہ ہمارے دیار میں بوجہ والی مسلم نہ ہونے کے محض اخبار پر بلا اشتراط شہادت اس کا مدار ہونے میں، مثل اخبار ہلال صوم کے امور ملزمہ سے ہے۔ اگر فقدان علامت تار دہندہ وتوسط غیر مسلم کسی شخص کے اعتبار سے مانع غلبہ ظن ہو اس کو مطلقاً عمل جائز نہیں۔ اور جس کے اعتبار سے مانع نہ ہو مثل نطق کے صحو میں اخبار کثیرہ متواترہ اور غیم میں اخبار عدلین پر عمل جائز ہے۔ اور چونکہ کلام ہلال عید میں ہے اس لئے خبر واحد پر کسی طرح عمل جائز نہیں۔ (**ثم ساق الدلائل علی هذا الدعاوی**) امدادالفتاویٰ۔

دوسرا مسئلہ (۱)۔ یہ ہے طریق اثبات رویت کا۔ شہادت علی الرویۃ یا شہادت علی الشہادۃ یا شہادت علی قضاء الحاکم الشرعی ہے۔ حتیٰ کہ اثبات رویۃ الغیر بھی حجت نہیں۔ کذا فی الدرالمختار و ردالمحتار باقی استفاضہ کو جو حجت لکھا ہے تو خود اس کو فی ذاتہ حجت نہیں کہا بلکہ علت اس کی یہ لکھی ہے۔

(۱) یہ مسئلہ ص:۱۱۹ پر بعنوان کلام بر جواب سوال متعلق صوم وافطار الخ منقول ہے ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

**لان البلدة لاتخلوعن حاکم شرعی عادة فلا بد من ان یکون صومھم مبینا علی حکم حاکمھم الشرعی فکانت تلك الاستفاضة بمعنی نقل الحکم المذکورالخ کذا فی ردالمحتار** ج:۲ ص:۱۵۰۔ اور جہاں یہ علت محقق نہ ہو وہاں حجت بھی نہ ہوگا۔ بعد اس تمہید کے اب سوالات کا جواب دیا جاتا ہے۔

۱۔ اس ایک یا متعدد تار کا مضمون دیکھنا چاہئے کہ کیا ہے۔ اگر یہ ہے کہ یہاں چاند ہوا ہے یا فلاں شخص نے دیکھا ہے یا بہت آدمیوں نے دیکھا ہے، اور اکثر تاروں کا ایسا ہی مضمون ہوتا ہے تب تو معتبر نہیں اگر چہ کتنے ہی تار ہوں۔ اور اگر یہ مضمون ہے کہ میں نے دیکھا ہے یا فلاں شخص نے میرے سامنے اپنا دیکھنا بیان کیا۔ یا یہاں کے فلاں حاکم شرعی یا عالم ومفتی نے قبول کر لیا ہے یا یہاں عید ہے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ایک تار ہے تو عمل جائز نہیں کیونکہ کلام ہلال عید میں ہے۔ اور اگر دو تین ہیں اور بادل نہیں تھا تب بھی عمل جائز نہیں۔ اور اگر دو تین تار بادل کی حالت میں آئے مگر تار دینے والے معتبر نہیں یا شناسا نہیں تب بھی عمل جائز نہیں۔ اور اگر بادل کی حالت میں دو تین معتبر لوگوں کے آئے یا بدون بادل آٹھ دس آ گئے اور مضمون وہ ہے جو آخر میں لکھا ہے کہ میں نے دیکھا ہے الخ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر دل گواہی دے کہ اس میں کذب اور خطا نہیں ہوئی تو عمل جائز ہے اور اگر دل گواہی نہ دے تو عمل جائز نہیں۔ اور جہاں کوئی محقق عالم ہو وہاں عوام کے دل کی گواہی معتبر نہیں۔ عالم کے دل کی گواہی اور ان کا فتویٰ حجت ہے۔ اور عوام کی خود رائی کرنا یا فتویٰ کے خلاف کرنا جائز نہیں۔ اور ایک جگہ کے تار کی خبر جو دوسری جگہ بذریعۂ تار دی جاتی ہے چونکہ اس کا مضمون ویسا نہیں ہوتا جس کا معتبر ہونا اوپر بیان کیا ہے۔ اس لئے وہ بھی معتبر نہیں ہے۔ اور یہی تفصیل صورتوں کی اور احکام کی خط میں بھی ہے۔ عبارت سابقہ متضمنہ حکم تار میں ہر جگہ بجائے لفظ تار لفظ خط رکھ دیا جائے تو خط کے سب احکام کی تعیین ہو جاوے گی۔

۲۔ جو طرق خبر کی حجت ہونے کے نمبر ا میں مذکور ہوئے ہیں چونکہ ان ممالک کے تاروں کے آنے یا منگانے میں ان کی رعایت نہیں کی جاتی لہٰذا وہ حجت نہیں۔ البتہ اگر قواعد شرعیہ کی پوری رعایت ہو تو واقعہ جزئیہ کو عین وقت پر کسی عالم سے رجوع کر کے حکم شرعی پوچھ لیا جاوے اور صرف اختلاف مطالع حنفیہ کے نزدیک مانع قبول نہیں۔

۳۔ چونکہ معاملات ودیانات میں فرق ہے اسی طرح شہادت واخبار میں بھی فرق ہے اس لئے معاملات میں عدم اعتبار شہادت مطلقاً مستلزم نہیں دیانات میں عدم اعتبار مطلقاً کو بلکہ اس میں تفصیل ہوگی جو نمبر ا میں مذکور ہوئی۔

۴۔ جس طرح تار کے مضمون میں تفصیل ہے اسی طرح خط کے مضمون میں بھی ہے جو نمبر ۱ میں بسط کے ساتھ مذکور ہو چکی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ ۸ رشعبان ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۶۴)

## تحقیق خبر تار

سوال (۱۳۶) چاند دیکھنے کی خبر ایک شہر سے یا چند شہروں سے بذریعۂ تار یا خط آوے تو وہ قابل اعتبار ہے یا نہیں۔

الجواب۔ چونکہ تار میں اس کی کوئی علامت نہیں کہ کس کا تار ہے۔ نیز اس میں غلط اور خلط بھی کثیر ہوتا ہے، اس لئے معتبر نہیں۔ (تتمۂ ثالثہ ص: ۸۰)

## تحقیق حکم خط

سوال (۱۳۷) ایک شہر یا چند شہروں سے ایک شخص یا چند شخصوں کے خطوط کے ذریعہ سے رویت ہلال کی خبر آئی کہ ہم نے ۲۹ رکو خود چاند اور بہت سے لوگوں نے دیکھا یہ قابل اعتبار ہے یا نہیں۔ اور عوام الناس کے اور خاص قاضی کے نام کے خط میں کچھ فرق ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی ردالمحتار والظاهر انه يلزم اهل القرى الصوم بسماع المدافع او رؤية القناديل من المصر لانه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به واحتمال كون ذلك لغير رمضان بعيد اذ لا يفعل مثل ذلك عادة فى ليلة الشك الا لثبوت رمضان ج ۲ ص ۱٤٠ وفى الدرالمختار لا يعمل بالخط الا فى مسئلة ،كتاب الامان ويلحق به البراات ودفتر بياع وصراف وسمسار وجوزه محمدؒ لوداد قاضى وشاهد ان يتقن به قيل وبه يفتى واطال.فى ذلك صاحب ردالمحتار ورجع العمل به اذا امن التزوير۔ ج:٤ ص:٥٤٦ وص:٥٤٩۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو مضمون زبانی حجت ہے وہ خط سے بھی حجت ہے۔ جب خط کی شناخت اور اس کے واقعی ہونے پر اطمینان ہو اور قاضی عرفی اور عوام برابر ہیں۔ (تتمۂ ثالثہ ص: ۸۰)

## حکم ٹیلیفون دربارۂ رویت رمضان وغیرہ

سوال (۱۳۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر رویت ہلال عید کی خبر کسی معتبر شخص سے بذریعۂ ٹیلیفون معلوم ہو تو عند الشرع وہ معتبر سمجھی جائے گی یا نہیں؟

۲۔ اگر رمضان المبارک کے چاند کی خبر مذکورہ بالا طریقہ سے معلوم ہو تو معتبر مانی جائے گی یا نہیں۔؟

**الجواب عن السوالین** ۔گوان دونوں ہلالوں کی شہادت میں بعض احکام میں اختلاف یعنی تفاوت بھی ہے۔لیکن یہ شرط مشترک ہے کہ شاہد عدل یا مستور بمعنی غیر معلوم الوصف ہو،اور یہاں وہ خود غیر معلوم الذات ہے۔باقی آواز اول تو ٹیلیفون میں صاف پہچانی نہیں جاتی دوسرے اگر پہچانی بھی جاوے تب بھی آوازوں میں تشابہ ہوا کرتا ہے۔اور جو شرط ہے محتجب کے تعین کی ( کہ اس کے تکلم کے وقت دو معتبر شخص اس کو دیکھ رہے ہوں اور وہ اس کو دیکھ کر کہیں کہ یہ متکلم فلاں شخص ہے۔اور یہ محتاج الی التعیین اس وقت ان دونوں کو دیکھ رہا ہو ) یہ یہاں ممکن نہیں۔لہٰذا یہ شہادت ٹیلیفون کے واسطے سے رمضان (۱) یا فطر میں معتبر نہیں۔فی الدرالمختار (جلد ۲) **للصوم مع علة كغيم وغبار خبر عدل اومستور على ما صححه البزازی علی خلاف ظاهر الرواية لا فاسق اتفاقاً الخ (فيه جلد ٤) ولا يشهد على محجب بسماعه منه الا اذا تبين القائل الٰى قوله مع شهادة اثنين بانها فلانة بنت فلان الخ۔** قربب ۱۶ ۱۳۳۶ھ (حوادث خامسہ ص:۱۱)

## ایضاً

سوال (۱۳۹) ایک شہر کے مفتی یا دیندار عالم کے نزدیک رویت ہلال کا ثبوت بموجب شرع شریف کے ہوا اور وہ اس رویت کے ثبوت کی خبر دوسرے شہر کے مفتی یا دیندار عالم کو بذریعۂ آلہ ٹیلیفون کے کرے کہ جس میں خبر دہندہ ومخبر الیہ ایک دوسرے کی آواز کو اچھی طرح سنتے اور پہچانتے ہیں اور تکلم کے وقت غیر کا واسطہ بھی نہیں ہوتا۔اور مخبر الیہ کو اس خبر کی تصدیق میں کسی طرح کا شک و شبہ بھی نہیں رہتا۔تو اس خبر پر عمل کرنا درست ہے یا نہیں۔اور صورت مسئولہ میں اور دوسرے قابل اعتبار ٹیلیفون کی ضرورت باقی رہی ہے یا نہ۔؟

الجواب۔ایک کلام تو خود طریق بموجب میں ہے۔سو اس کا سوال مقصود نہیں۔دوسرا کلام ٹیلیفون کے واسطہ میں ہے۔اور یہی مقصود بسوال ہے سو اس کا جواب ظاہر ہے کہ جن احکام میں حجاب مانع قبول ہے اس میں غیر معتبر ہے۔اور جن میں حجاب مانع نہیں اس میں اگر قرائن قویہ سے متکلم کی تعیین معلوم ہو جاوے تو معتبر ہے۔ ۱۶؍ محرم ۱۳۳۸ھ (حوادث خامسہ ص:۳۱)

## حکم انتظار خبر رویت درصورت عدم غیم

سوال (۱۴۰) ۲۹؍ شعبان کو باوجود نہ ہونے ابروباد کے چاند نہیں دکھائی دیا۔اس صورت میں انتظار کرنا کہ اگر کل چاند کی خبر ہوگی تو نیت روزہ کی کر لیں گے ورنہ نہیں۔جائز ہے یا نہیں۔؟

---

(۱) اگر صوت وغیرہ کا امتیاز ہو جائے اور وہ عادل بھی ہو تو رمضان میں یہ خبر معتبر ہے۔البتہ فطر میں بہرکیف معتبر نہیں ۱۲ رشید احمد عفی

الجواب۔ بعض اقوال پر مطلع صاف ہونے پر بھی انتظار منقول ہے۔ لیکن زیادہ مناسب حالت عوام کے دوسرے قول پر فتویٰ دینا ہے کہ اس میں انتظار نہ کریں۔ فی الدرالمختار ولا یصام یوم الشك هو یوم الثلاثین من شعبان وان لم یکن علة ای علی القول بعدم اعتبار اختلاف المطالع لجواز تحقق الرؤیة فی بلدة اخری واما علی مقابله فلیس بشك ولا یصام اصلا آھ۔ فقط واللہ اعلم ۔ ۱۰؍رمضان ۱۳۳۲ھ (امداد ص: ۱۷۴ ج:۱)

## منتہائے وقت سحر

سوال (۱۴۱) ماہ رمضان المبارک کی رات میں کس قدر حصہ رات کا باقی رہتا ہے کہ اس وقت تک سحری کھانا درست ہے۔؟

الجواب۔ ہیئت کے قاعدہ سے طلوع آفتاب کے وقت ڈیڑھ گھنٹہ قبل تک (۱) سحری کھا سکتے ہیں۔ اور فقہاء نے احتیاط کی ہے کہ غروب سے طلوع تک کل وقت جتنا ہے اسکو سات پر تقسیم کریں۔ چھ حصہ میں سحری کھا سکتے ہیں۔ ۱۲؍ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص: ۱۷۴ ج:۱)

## دفع استدلال بر رمضانیت از خسوف شوال

سوال (۱۴۲) آپ نے شاید عید کے متعلق غور نہیں فرمایا چاند گرہن دوشنبہ کی شب کو ہوا۔ یعنی اتوار کی ۱۳؍تاریخ تھی تو عید جمعرات کی ہوئی۔ اور ٹھیک ہوئی جن لوگوں نے بدھ کی عید کی ان کے حساب سے چاند گرہن پندرہویں شب کو ہوا۔ جو کسی طرح ممکن نہیں۔؟

الجواب۔ فی شرح الجغمینی ص ۹۰۔ واذا بعد عن الشمس مقداراً قریباً من اثنیٰ عشر جزء واقل منه بقلیل او اکثر کذٰلك علی اختلاف اوضاع المساکن فان المسکن اذا کان مدار القمر فیه اقرب الیٰ انتصاب یکون رویة الهلال فیه اسرع بل الرؤیة تختلف فی مسکن واحد ایضاً بسبب قرب القمر وبعده عروضه وکونه فی اجزاء مختلفة من فلك البروج وغیر ذلك وایضاً فیه ص ۹۲۔ وانما لا یختلف حد القرب والبعد فی الخسوف باعتبار جهتی العقدة واختلاف البقاع کما یختلف فی الکسوف لان الخسوف امر عارض للقمر فی ذاته بخلاف الکسوف فانه امر یعرض للشمس بالنسبة الی الابصار آھ وفی الحاشیة للإمام لا یختلف وجوداً وعدماً بحسب البقاع وان اختلف قدراً بسبب وقوع کله او بعضه فی دائرة مخروط ظل الارض۔

---

(۱) بعض مواسم میں اس سے بھی زیادہ گنجائش ہے یہ احتیاطاً لکھ دیا ۱۲ منہ

عبارت اولیٰ میں تصریح ہے کہ رویت قمر باختلاف مساکن مختلف ہوتی ہے۔ اور عبارت ثانیہ میں مصرح ہے کہ جس وقت قمر اختلاف مساکن سے مختلف نہیں ہوتا۔ اور تاریخ کا مدار رویت پر ہے۔ پس فرض کرنا چاہئے کہ ایک جگہ شام یکشنبہ کو رویت ہوئی اور غرہ دوشنبہ کا ہوا۔ اور دوسری جگہ شام دوشنبہ کو رویت ہوئی اور غرہ سہ شنبہ کا ہوا۔ اور اس کا ممکن ہونا اوپر مذکور ہو چکا تو اگر چاند گرہن شب دوشنبہ کو ہوا تو لامحالہ وہ اسی وقت سب جگہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ شب غرہ دوشنبہ والوں کے حساب سے پندرہویں ہوگی۔ اور غرہ سہ شنبہ والوں کے نزدیک چودھویں ہوگی۔ پس ثابت ہو گیا کہ ہیئت کے قاعدہ سے بھی چاند گرہن پندرہویں شب کو ہونا ممکن ہے۔ پس اس بناء پر خسوف کا واقع ہونا کسی تاریخ کی تعیین کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ پس خسوف کی بناء پر تو شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ البتہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب رویت دوسری جگہ معتبر نہ ہونا چاہئے۔ سو یہ مسئلہ خود مختلف فیہ ہے۔ بعض ائمہ مجتہدین نے ہر جگہ رویت اسی جگہ کے لئے معتبر رکھی ہے جیسا قیاس کا مقتضی ہے۔ البتہ ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اعتبار نہیں کیا۔ سو اعتبار کی نفی سے وقوع کا انکار لازم نہیں آتا۔ باقی یہ کیوں نہیں اعتبار کیا سو وہ ادلۂ شرعیہ سے شارع کی غرض یہی سمجھے وہ ادلہ یہ ہیں **صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ** اور **نحن امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب** ونحو ذلک سو یہ ایک انتظامی امر ہے اس میں کسی حقیقت کا انکار نہیں کیا گیا۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے نصف النہار ہر جگہ کا مختلف ہے۔ مگر انتظامی سہولت کے واسطے ہندوستان بھر کی ریلوی گھڑیوں کو ایک خاص نصف النہار کے مطابق رکھ کر حساب وغیرہ میں اسی کا اعتبار ولحاظ کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ (امداد ص: ۱۷۴ ج:۱)

## تحقیق ومشورۂ تحصیل خبر رویت از مقامات مختلفہ وایصالش بمقام دیگر

سوال (۱۴۳) بعالی خدمت جناب مولانا حافظ محمد اشرف علی صاحب ادام اللہ تعالیٰ

السلام علیہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

انجمن نے اس دفعہ ہندوستان کے مشہور بلاد وامصار میں جو اس ملک کے ہر طرف واقع ہیں۔ مثلاً کلکتہ، مدراس، بمبئی، پشاور، بنگلور، گوالیار، دہلی، میرٹھ، سہارن پور، ڈیرہ اسمٰعیل خان، سرینگر، وغیرہ میں سرسٹھ خطوط اور تار برقیاں رویت ہلال کے بارے میں روانہ کیں تاکہ سب جگہ رمضان سے غرہ ایک روز قرار پائے چنانچہ اس کی تعمیل میں بموقع رویت ہلال رمضان المبارک ۱۳ تار برقیاں و ۱۷ خطوط در باب رویت ہلال بروز جمعہ موصول ہوئے صرف کلکتہ و پشاور میں بسبب محیط آسمان ہونے کے رویت نہ ہوسکی۔ تمام ہندوستان میں شنبہ کے غرہ کی تصدیق ہوگئی۔ اب دریافت طلب امر

یہ ہے کہ اگر انجمن کی طرف سے ایسا انتظام ہمیشہ کے لئے مقرر کر دیا جاوے تو یہ کچھ بہت بڑا امر ہے یا نہیں۔ اور صرف استفتاء ذیل کے جواب پر موقوف ہے۔ اس دفعہ حیدرآباد سندھ کے علاقہ مورو میں اتوار کو روزہ ہوا۔ چنانچہ مقام مذکور میں اطلاع دی گئی ہے کہ ایک روزہ کی قضاء دینی چاہئے۔ اس لئے گزارش ہے کہ استفتاء ذیل کا جواب ۲۵ر رمضان تک عنایت ہوجاوے تاکہ بصورت جواز بموقع عید اس کی تعمیل ہوسکے۔ دیگر علماء کرام کی خدمت میں مضمون ہذا کے علیحدہ استفتاء ارسال کئے گئے ہیں۔ جوابات موصول ہونے پر مشتہر بھی کر دیئے جاویں گے۔ پولیٹکل سکرٹری انجمن نعمانیہ لاہور۔

استفتاء یہ ہے۔ مسئلۂ ذیل یعنی بحالات ذیل جناب کے نزدیک شریعت غرائے محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام مفتی بہ جواب کیا ہے۔ اگر ایسا انتظام کیا جاوے کہ رویت ہلال کے لئے ہندوستان کے مختلف بڑے بڑے مقامات سے رویت کی خبر بذریعۂ تار برقی منگوائی جاوے۔ اور ایسی تار برقیاں شرقی، غربی، شمالی، جنوبی، امصار ہندوستان سے بتعداد دس پندرہ بیس حاصل کی جائیں اور ان کی کثرت اور تواتر اور مختلف اور مقابل اطراف سے جن میں صدہا کوس کا باہمی فاصلہ ہو دو چار گھنٹے ایک جیسے کثیر خبروں کا موصول ہوجانا معمولی دنیوی عقل کے مطابق شائبہ کذب کو قطعاً محو کر دیتا ہے۔ اور صداقت کا علم عام عقل کے مطابق تو ہوجاتا ہے لیکن شرعی قواعد کے موافق ایسی تار برقی کی خبروں پر غرہ قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں بہر دوشق اگر مطلع صاف ہوتو نہ ہوتو اور یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ تاریں ان لوگوں کی طرف پہونچیں گی جن کے ساتھ پہلے خط وکتابت کے ذریعہ سے یہ بات قرار پاچکے گی کہ فلاں تاریخ فلاں وقت رویت کی بابت خبر بھیجیں گے اور وہ ایسے مسلمان ہوں جو قابل وثوق معتبر شاہد ہوں۔

الجواب۔ ایسی صورت میں یہ خبر متواتر شرعاً بھی معتبر ہے۔ خواہ مطلع صاف ہو یا نہ ہو۔ لیکن اگر دوسری جگہ یہ خبر بذریعۂ تار یا خط بھیجی جاوے جیسا خط مصحوب معلوم ہوتا (۱) ہے۔ سو وہاں چونکہ یہ خبر تواتر کے ذریعہ سے نہیں پہونچی اور جس طریق سے پہونچی ہے وہ شرعاً موجب اور حجت نہیں ہے۔ اس لئے وہاں والوں کے حق میں قابل عمل نہ ہوگی۔ وہذا کلہٗ ظاہر۔ ۱۴ر رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ

## جواب بالا کے ساتھ ذیل کے مضمون کا خط لکھا گیا تھا

مکرم بندہ۔ السلام علیکم۔ جواب مسئلہ تو لکھ چکا۔ اب اپنی رائے بطور مشورہ کے عرض کرتا ہوں۔ اس کے قبول وعدم قبول کو اپنے ارکان کے قبول پر رکھئے وہ یہ ہے کہ اول تو جب ثابت ہوا کہ یہ خبر دوسری جگہ قابل عمل نہ ہوگی تو اس صورت میں اطلاع کرنا ہی بیکار ہے۔ لیکن اگر دوسرے علماء کا فتویٰ

---

(۱) یعنی اس عبارت سے ''مقام مذکور میں اطلاع دی گئی ہے کہ ایک روزہ کی قضاء دینی چاہئے'' اور ظاہر ہے کہ یہ ایک تار ہوگا ۱۲ منہ

بھی اس کے قابلِ عمل ہونے پر ہو جاوے۔ اور علماء انجمن کے نزدیک وہ فتویٰ راجح بھی ہو تب بھی بچند وجوہ یہ انتظام مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اول بے ضرورت انجمن پر اتنے مصارف کا بار ڈالنا۔ اگر یہ رقم کسی مہم کام میں صَرف کی جاوے تو کیسی خوبی ہے۔ دوم مجھ جیسے آدمیوں کی نیت بھی اس انتظام میں خالص ہونا مشکل ہے۔ شہرت و رفعت کا شائبہ ضرور ہو جاتا ہے اور میں آپ کو نہیں کہتا۔ سوم سب کا ماننا مشکل۔ سو اس صورت میں مسلمانوں میں بے حد اختلاف اور تفریق واقع ہوگا۔ چہارم انجمن میں جب یہ رسم جاری ہو جاوے گی پھر آئندہ آنے والے ارکان ممکن بلکہ غالب ہے کہ تحقیق و ایصال خبر میں اتنی احتیاط نہ کریں۔ اور بانی اس کے اس وقت کے لوگ ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

اس کو خاتمۂ تحقیق نہ سمجھا جاوے۔ ہمارے مولانا غلام احمد صاحب اور دیگر علماء و ارکان انجمن کے نزدیک جو امر طے ہو جاوے مبارک ہوگا۔ خواہ اس کے موافق ہو یا اس کے خلاف (امداد ص ۱۷۶ ج ۱)

## واجب نبودن تحقیق ہلال از دیگر بلاد

سوال (۱۴۴) جس شہر میں بوجہ ابر و غبار یا مطلع صاف ہونے کی صورت میں ۲۹ رشعبان یا رمضان کو چاند نظر نہ آیا ہو کیا وہ مکلف ہیں یا نہیں کہ کوشش کر کے دوسرے شہروں سے خبریں منگائی جاویں۔

الجواب۔ چونکہ کوئی حکم بلا دلیل ثابت نہیں ہوتا اور اس کے وجوب کی کوئی دلیل نہیں لہٰذا یہ امر واجب نہیں۔ (تتمۂ ثالثہ ص:۷۹)

## طریق موجب اعتبار خبر ہلال

سوال تتمۂ سوال بالا۔ اگر مکلف ہیں تو وہ کون سے ذریعہ ہے کہ جس کے ذریعہ سے خبریں منگائی جاویں اور وہ قابل اعتبار ہوں اور جب معتبر ذریعہ سے خبر دوسرے شہروں سے آجاوے تو اس شہر کے قاضی یا مفتی کو اس کا ماننا ضروری ہے یا نہیں۔ اگر قاضی نہ مانے اور مانے اور عمل نہ کرے تو گنہگار ہوگا یا نہیں۔

الجواب۔ اس کے مکلف تو نہیں لیکن اگر دوسری جگہ سے خبر آجاوے تو اس کے معتبر ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ طریق موجب سے پہونچے اور طریق موجب یہ ہیں ایک شہادت بالرؤیۃ۔ دوسرے شہادت علی الشہادت بالرؤیۃ۔ تیسرے شہادت علی حکم الحاکم۔ چوتھے استفاضہ جو حکم حاکم کے حکم میں ہے۔

**كذا في الدرالمختار قوله شهدوا انه شهد الٰى قوله مجتبٰى وغيره وفي ردالمحتار من قوله لانه حكاية الٰى قوله بمجرد الشيوع ج:۲ ص:۱۵۰ وص ۱۵۱ وكما في الدرالمختار من قوله فيلزم اهل المشرق الٰى قوله كما مرو في ردالمحتار من قوله**

بطریق موجب الیٰ قوله لانه حکایة (ج:۲ ص:۱۰۵)

اور جب ان ذرائع سے خبر آوے گی اس پر عمل واجب اور خلاف کرنا معصیت ہے۔ اگر کسی کے اجتہاد میں وہ طریق موجب نہ ہو تو معذور ہے اور رمضان میں جس طرح رویت پر ایک کی شہادت معتبر ہے اسی طرح اس شہادت پر بھی ایک شہادت معتبر ہے۔ فی الدر المختار ويقبل (ای فی رمضان) شهادة واحد علیٰ اخر الخ ج: ۲ ص: ۱۴۶ اور اسی طرح جہاں حاکم نہ ہو فطر میں عدد تو ضروری ہے لیکن لفظ شہادت ضروری نہیں کذا فی الدالمختار ایضاً ولو کانوا ببلدة لا حاكم فيها صاموا بقول ثقة وافطروا باخبار عدلين مع العلة ج:۲ ص:۱۴۶

## وقت افطار و حکم حیلولۂ جبل

سوال (۱۴۵) وقت نماز مغرب کا اور افطار صوم کا بمجرد غروب آفتاب کے ہو جاتا ہے یا کچھ دیر بعد جب پہاڑ بفاصلۂ چھ سات کوس بجانب مغرب واقع ہو اور آفتاب پہاڑ کے پیچھے ہو جاوے تو وقت نماز و افطار صوم ہو جاتا ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ وقت افطار و صلوٰۃ مغرب کا بمجرد غروب شمس کے ہو جاتا ہے کچھ دیر کی ضرورت نہیں اگرچہ جانب مغرب پہاڑ واقع ہو۔ کیونکہ غروب کے یہ معنی نہیں کہ دنیا میں کہیں آفتاب نظر نہ آئے۔ ایسا تو ممکن نہیں کہیں غروب ہوتا ہے کہیں طلوع۔ بلکہ غروب کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے افق سے غائب ہو جائے اور مشرق میں تاریکی نمودار ہو۔ ہاں اگر کوئی شخص (۱) پہاڑ پر کھڑا آفتاب دیکھ رہا ہے اس کو افطار حلال نہیں کیونکہ اس کے افق سے غائب نہیں ہوا۔

او المراد بالغروب زمان غيبوبة جرم الشمس بحيث يظهر الظلمة فی جهة المشرق قال صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذا اقبل الليل من ههنا فقد افطر الصائم ای اذا وجدت الظلمة حساً فی جهة المشرق فقد ظهر وقت الفطر شامی کلکتّی ج:۲ ص: ۸۰۔ جمادی الاول ۱۳۰۲ھ (امداد ص:۱۷۸ ج:۱)

## حکم صوم یوم عرفہ للحاج

سوال (۱۴۶) صوم یوم عرفہ واقفین عرفہ کے واسطے جائز ہے یا نہ۔ حدیث سے تو ثابت ہے کہ عرفہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے افطار کیا۔ کما فی الترمذی افطر النبی صلی الله علیه وسلم بعرفة وارسلت ام الفضل اليه بلبن فشرب اسی طرح اکثر حدیث اس امر پر دلالت کرتی

---

(۱) یعنی ایسی اونچی جگہ کھڑا ہے کہ مقام اول کے افق سے اس کا افق مغایر ہو گیا ۱۲ منہ

ہیں کہ واقفین عرفہ کے لئے روزہ رکھنا اچھا نہیں لیتقوی به الرجل علی الدعاء اور جو بعض اہل علم نے روزہ کو ان کے واسطے جائز رکھا اس پر ہمارا عمل ہے اس کی تحقیق تحریر کریں گے۔

الجواب۔ صوم یوم عرفہ حاجی کے لئے اگر اندیشہ ضعف کا نہ ہو بلا کراہت مستحب ہے۔ اگر اندیشہ ضعف کا ہو مکروہ ہے۔ فی الدرالمختار فی الصیام المستحبة وعرفة ولو لحاج لم یضعفه آهـ قوله لم یضعفه صفة لحاج ای ان کان لا یضعفه عن الوقوف بعرفات ولا یخل بالدعوات محیط فلوا ضعفه کره ردالمحتار ج۲ ص۰ ۸۳ والله اعلم اقول وعلیه یحمل افطار رسول الله علیه وسلم وتحریضه علیه مطلقاً۔ ۲۰ رذی الحجہ روز جمعہ ۱۳۰۴ھ (امداد ص:۱۸۲ ج:۱)

## جہاں چھ ماہ کی رات اور چھ ماہ کا دن ہو وہاں روزے کا حکم

سوال (۱۴۷) باشندگان جزیرۂ لاپ لینڈ کہ جہاں پر چھ مہینہ تک دن رہتا ہے اور علیٰ ہذا رات۔ روزہ کس اعتبار سے رکھیں۔ اگر یوں کہا جائے کہ گھڑی سے اعتبار رکھیں تو اس میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بابرکت میں گھڑی نہیں تھی آپ نے کیوں اس جزیرہ کی بابت حکم نہیں فرمایا نہ فقہ میں کہیں اس کا پتہ چلتا ہے یا تمام دن کا روزہ رکھیں یا نہ رکھیں۔ بینوا تو جروا۔؟

الجواب۔ وہاں کوئی باشندہ ہی نہیں اور نہ کوئی زندہ رہ سکتا ہے اس لئے نہ سوال متوجہ ہے نہ جواب کی ضرورت۔ ۲۵ رشوال ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص:۶۳)

## نقارۂ افطار وسحور کا حکم

سوال (۱۴۸) اگر رمضان المبارک میں سحری وافطار کے اوقات صحیحہ بتانے کے لئے جامع مسجد میں نقارہ کا انتظام کیا جاوے اور اسکے ذریعہ سے تمام مسلمانوں کو اطلاع دی جاوے اور ان کو صحیح وقت بتلا کر غلطی سے بچایا جاوے تو آیا ایسا کرنا عندالشرح جائز ہے یا نہیں بعض لوگ ناقوس وغیرہ اور ہندوؤں کی عبادات کے مشابہ ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صحابہ میں ثابت نہ ہونے سے نامشروع اور قبیح سمجھتے ہیں۔ جواب مع دلیل ارشاد ہو اور ایسی تقریر فرمائی جاوے کہ سارے شبہات برأسہ مندفع ہو جاویں گو ہر مسئلہ کی دلیل درکار نہیں ہوتی مگر صورتِ ہذا میں دلیل کی حاجت بوجہ شبہات مذکورہ پیدا ہوگئی ہے۔ فقط۔

الجواب۔ طبل سحور کو فقہاء نے جائز لکھا ہے۔ اور افطار اور سحور کی مصلحت متشابہ ہے اس کے لئے بھی کچھ حرج نہیں۔ مگر فرش مسجد سے علیحدہ ہو۔ اور ناقوس وغیرہ سے اس کو اس لئے مشابہت نہیں کہ وہ لوگ اس طریق اعلان کی خصوصیت کو عبادت بھی سمجھتے ہیں اور یہاں کوئی ایسا نہیں سمجھتا۔ اور خیر القرون

میں اس کی نظیر دف نکاح ہے کہ اس سے بھی مقصود اعلان ہے **ایک طاعت کی تحقیق کا۔** اور اس سے بھی مقصود اعلان ہے ایک طاعت کے وقت کے تحقیق کا۔ بلکہ عند التامل دف اپنی غرض میں اس قدر محتاج الیہ نہیں جس قدر عوام کے اعتبار سے یہ اپنی غرض میں محتاج الیہ ہے۔ یکم رمضان ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۶۶)

**ایضاً**

سوال (۱۴۹) سحری کے وقت روزہ داروں کی اطلاع اور نیند سے بیداری کے لئے نقارہ پیٹنا یا ڈھول کوٹنا، گھنٹہ بجانا یا توپ سر کرنا، یا گولہ چھوڑنا جائز ہے یا نہ۔ بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان کہا کرتے تھے اب بھی اذان کہنا تو جائز بلکہ سنت ہے اور اس کے خلاف بدعت ہے اس میں کیا تحقیق ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ فقہاء کے کلام سے اجازت معلوم ہوتی ہے بشرط عدم التطریب اور اذان موجب التباس ہے۔ لہٰذا امت نے ترک کردیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع تلبیس کا انتظام فرمادیا تھا۔ حضور ﷺ کے نائب یعنی خلیفہ کو اب بھی اس کی اجازت ہے کیونکہ وہ جو کچھ کرے گا انتظام سے کرے گا دوسرے لوگ ایسے انتظام پر قادر نہیں۔ اس لئے ہر شخص کو اس کی اجازت نہیں۔

۱۳ رشعبان ۱۳۳۹ھ (تتمۂ خامسہ ص:۱۹۳)

## حکم تعدد نیت بہ تعدد صوم

سوال (۱۵۰) کفارہ کے روزوں میں ہر روزہ کی نیت الگ الگ کرے یا صرف ایک بار کی نیت ساٹھ روزوں کو کافی ہے۔؟

الجواب۔ ہر روز جدا نیت ضروری ہے کہ فلاں روزہ کا کفارہ۔ تاریخ بالا۔ (تتمۂ ثانیہ ص:۳۶)

## وجوب صوم بر رائی ہلال کہ شہادتش نہ شنیدہ باشد

سوال (۱۵۱) ایک شخص نے رمضان کا چاند دیکھا، مگر قاضی نے نہ مانا اس شخص نے روزہ رکھ کر توڑ ڈالا۔ اس پر کفارہ لازم ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ صرف قضاء ہے۔ **فی الدرالمختار رأی مکلّف ھلال رمضان او الفطر ورد قوله بدلیل شرعی صام فان افطر قضی۔ فقط فیھما اھ۔** ۱۴ ررجب ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۵۶)

## حکم ابر کہ بر مطلع بود نہ بر باقی آسمان

سوال (۱۵۲) چاند رات کے روز چاند کی جگہ ہلکے ہلکے ابر کے ٹکڑے ہوں اور باقی تمام

آسمان صاف ہو تو رویت میں ابر کا حکم ہوگا یا غیر ابر کا۔؟

الجواب۔ ابر کا۔ ۲؍ شعبان ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۶۰)

## مقدار جمِ غفیر

سوال (۱۵۳) جمِ غفیر کی تعداد تخمیناً کس قدر ہے۔؟

الجواب۔ ہر جگہ آبادی کی کمی بیشی پر اس کی مقدار بھی متفاوت ہے۔ حاصل مشترک یہ ہے کہ دل گواہی دے کہ اتنے آدمی غلط کہتے ہوں گے۔ ۲؍ شعبان ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۶۱)

## ایضاً

سوال (۱۵۴) بحالت صاف ہونے مطلع کے ابر و غبار سے ہلالِ عید اور رمضان کے لئے قاضی کو قبولِ شہادت کے لئے کس قدر نصاب کی ضرورت ہے۔ اور کتب فقہ میں جو جم غفیر لکھا ہے اس سے کیا مراد ہے اور اس میں علماء کے کیا کیا قول ہیں؟ اور مفتی بہ قول کیا ہے۔؟

الجواب۔ اقوال مختلف سے حدیث صحیح یہ ہے۔ یقع العلم الشرعی وھو غلبة الظن بخبرھم وھو مفوض الی رای الامام من غیر تقدیر بعدد علی المذھب کذا فی الدر المختار۔
ج:۲ ص:۱۴۸ (تتمۂ ثالثہ ص:۸۱)

## حکم صیام ایام بیض در ماہ ذی الحجہ

سوال (۱۵۵) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ایام بیض کے روزے ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵ تاریخ رکھتا ہے۔ مگر اب بقرعید کی ۱۳؍ تاریخ کو چونکہ روزہ حرام ہے۔ لہٰذا ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶ تاریخ رکھے یا کیا کرے۔ مگر اس میں ایام بیض کا شمار ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ فوت ہوتا ہے۔

الجواب۔ اس ماہ میں ایام بیض کے روزے نہیں ہو سکتے۔ بطور بدل کے خواہ ۱۶ کو رکھ لے۔ یا بعد میں رکھ لے سب برابر ہیں۔ ۶؍ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۹۸)

## حکم روزہ یوم الشک وتردد نیت میاں دو روزہ دراں یوم

سوال (۱۵۶) آج ۲۵؍ جولائی ۱۹۱۴ء مطابق یکم رمضان یا ۳۰؍ شعبان روز شنبہ ہے۔ بروئے جنتری آج یکم رمضان ہے۔ لیکن ۲۹؍ شعبان کو آسمان پر اس قدر ابر غلیظ رہا ہے کہ چاند تو درکنار سورج بھی نظر نہیں آیا۔ اور نہ اس وقت تک کوئی اطلاع باہر سے چاند نظر آنے کی آئی۔ ایسی حالت میں روزہ رکھا جاوے یا نہیں اور اگر کوئی اس پر نیت رکھے اگر چاند نظر آ گیا ہو تو فرض ورنہ نفل تو

روزہ جائز ہے یا نہیں۔ میں نے یہ نیت کی ہے کہ فرض روزوں کی قضاء دینی ہے۔ اگر چاند ۳۰ کا ہو تب تو یہ آج کا روزہ قضاء روزوں میں شمار ہوگا۔ اور اگر چاند ۲۹ کا ہو اس رمضان شریف کا پہلا روزہ فرض ادا ہوا۔ یہ صورت جائز ہے یا نہیں۔ اور اگر بعد میں اطلاع معتبر آوے کہ چاند ۲۹ کا ہوا تو اس روزہ کی قضاء دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

الجواب۔ عوام کو یوم الشک میں روزہ نہ رکھنا چاہئے۔ اور سوال میں جو دو طرح کی نیت لکھی ہے یہ مکروہ ہے۔ لیکن اگر اس یوم کا رمضان ہونا ثابت ہو گیا تو دونوں صورتوں میں رمضان ہی کا روزہ ہو گا۔ قضاء کی ضرورت نہیں۔

فی الدرالمختار یصومه الخواص ویفطرغیرهم الیٰ قوله ویصیر صائما مع الکراهة لورود فی وصفها بان نویٰ ان کان من رمضان فعنه والافعن واجب اٰخر وکذا یکره لو قال انا صائم ان کان من رمضان والافعن نفل متردد بین مکروهین او مکروه وغیر مکروه فان ظهر رمضانیته فعنه والانفل فیهما ای الواجب والنفل آهـ۔

۳/ رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص: ۱۵۸)

## تحقیق حدیث من صام یوم الشک

سوال (۱۵۷) حدیث من صام الیوم الذی یشک فیه فقد عصی ابا القاسم صلی الله علیه وسلم ذکره البخاری تعلیقا ووصله الخمسة وصححه إبن خزیمة وابن حبان کذا فی بلوغ المرام والمصفی شرح المؤطاء کو صاحب درمختار لکھتے ہیں لا اصل لہ مگر چونکہ مقابل تصحیح نقاد محدثین قول فقہاء کرام قابل اعتماد نہیں ہوتا، کیونکہ تنقید حدیث ہر ایک کا حق نہیں ہوتا، اس باب میں قول محدثین ہی معتبر ہوتا ہے، لکل فن رجال مقولہ مشہور ہے، لہٰذا آپ کی تحقیق میں کیا ہے۔؟

الجواب۔ فی ردالمحتار علیٰ قول الدرالمختار فلا اصل له مانصه کذا قال الزیلعی ثم قال ویروی موقوفا علی عمار بن یاسروهو فی مثله کالمرفوع آهـ قلت وینبغی حمل نفی الاصلیة علی الرفع کما حمل بعضهم قول النووی فی حدیث صلوة النهار عجماء انه لا اصل له علیٰ ان المراد لا اصل لرفعه والا فقد وردموقوفا علیٰ مجاهد وابی عبیدة وکذا هذا اورده البخاری معلقا بقوله وقال صلة عن عمار من صام الخ قال فی الفتح و اخرجه اصحاب السنن الاربعة وغیرهم وصححه الترمذی عن صلة بن زفر الخ ج ۲ ص ۱۴۲ مصریہ، (تتمۂ ثانیہ ص: ۱۷۴)

## ایضاً

سوال (۱۵۸) درمختار کی ایک عبارت کتاب الصوم بابت روزہ یوم الشک کے لکھتا ہوں اس

کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ والتنفل فیه احب ای افضل اتفاقا وان وافق صوماً یعتاد والا یصومه الخواص ویفطر غیرهم بعد الزوال به یفتی نفیاً لتهمة النهی۔ آخر کی عبارت زیر سطر سے معلوم ہوتا ہے کہ خواص جن کو کیفیت نیت یوم الشک معلوم ہو ان کو یوم الشک کا روزہ رکھنا جائز ہے۔ حالانکہ حدیث لا تقدموا رمضان بصوم یوم او یومین عام ہے۔ خواص کہاں سے مستثنیٰ ہوئے۔ پھر جب خواص کو رکھنے کی اجازت ہے تو عوام کس طرح بچیں گے۔ قواعد فقہیہ پر نظر کرتے ہوئے عوام کی ابتلاء کے خوف سے خواص کو بچنا چاہئے۔

الجواب۔ عن ابی هریرةؓ عن النبی صلی الله علیه وسلم قال الا یتقدمن احدکم رمضان بصوم یوم او یومین الا ان یکون رجل کان یصوم صومه فلیصم ذلك رواه البخاری۔

اس حدیث سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ بعض عوارض کے سبب بعض افراد تقدم کے مستثنیٰ ہیں۔ پس اگر کسی دوسری دلیل سے دوسرے بعض افراد مستثنیٰ ہوں تو حدیث لا تقدموا رمضان بصوم یوم او یومین کے معارض نہیں۔ اور صوم یوم الشک کے باب میں دوسری دلیل موجود ہے۔ اور وہ دلیل ان حضرات کا عمل ہے۔ علیؓ، عائشہؓ، عمرؓ، ابن عمرؓ، انس بن مالکؓ، اسماء بنت ابی بکرؓ، ابوبکرؓ، معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ۔ یہ اصحاب ہیں جن کا عمل مالا یدرک بالقیاس میں مرفوع حکمی ہے۔ اور ما یدرک بالقیاس میں دلیل ہے حدیث مرفوع کے مؤول ہونے کی۔ اور ان تابعین سے بھی یہ عمل منقول ہے۔ مجاہد، طاؤس، سالم بن عبداللہ، میمون بن مہران، مطرب بن الشخیر، بکر بن عبداللہ المزنی، ابوعثمان نہدی۔ یہ سب نام نیل الاوطار ج: ۴ ص: ۷۷ میں شمار کئے ہیں۔ پس حدیث لا تقدموا غیر صوم یوم الشک۔ غیر صوم یوم معتاد پر محمول ہوگی یہ تو اہل علم سے منقول ہے۔ اور احقر عرض کرتا ہے کہ اگر غور کیا جائے تو حدیث لا تقدموا الخ کو صوم یوم الشک سے کچھ تعلق ہی نہیں کیوں کہ معنی حدیث کے یہ ہیں کہ رمضان سے پہلے روزہ مت رکھو۔ تو ظاہر ہے کہ وہ غیر رمضان کا روزہ ہوگا۔ اور یوم الشک پر غیر رمضان ہونے ہی کا حکم نہیں کر سکتے۔ جو شخص اس کا روزہ رکھتا ہے وہ بحیثیت یوم رمضان ہونے کے رکھتا ہے۔ نہ کہ غیر رمضان کی تعظیم و استقبال رمضان کے لئے اور احتیاط امور دیانات میں خود منصوص و مطلوب شرعی ہے۔ جب تک کہ کوئی مفسدہ لازم نہ آوے۔ اور خواص میں یہ مفسدہ محتمل نہیں۔ اور عوام میں محتمل ہے۔ لہٰذا قواعد شرعیہ نے دونوں میں فرق فرمادیا۔ رہا یہ کہ اس فعل خواص سے عوام کو ابتلاء ہوگا سو یہ اس وقت محتمل ہے کہ عوام کو اس کی اطلاع ہو سو وہ خواص اس کی اطلاع کیوں کریں۔ بلکہ پوچھنے پر بھی ٹال سکتے ہیں۔ یا انکار کر سکتے ہیں اور ایسا جحود مذموم نہیں۔ ۲۹ رشعبان ۱۳۳۷ھ (حوادث خامسہ ص: ۲۸)

## حکم تعیین سال ویوم وغیرہ در قضائے صوم فرض

سوال (۱۵۹) علالت کی وجہ سے چند سال کے روزے میرے قضاء ہو گئے تھے، جن کی مع چند نفل روزوں اور سحر میں تاخیر ہو جانے کیوجہ سے جو قضاء ہوئے ان کی کل مجموعی تعداد ۶۳ ہو گئی تھی۔ ان میں سے ۳۴ روزے کئی مرتبہ میں، میں نے ادا کئے مگر نیت کرنے میں اس کا خیال کبھی ذہن میں نہیں پیدا ہوا کہ فلاں سال کے روزہ کی نیت کرتا ہوں۔ اور دو چار مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ خفیف ارادہ رات ہی سے روزہ رکھنے کا کیا گیا مگر مستقل نیت قبل زوال آفتاب صبح کو کی گئی۔ بہشتی زیور میں مسئلہ یہ لکھا ہے کہ قضاء کے روزہ کی نیت رات ہی سے کرنا ضروری ہے۔ اور دوسرے سال کا خیال بھی ضروری ہے کہ فلاں سال کے روزہ کی قضاء رکھتا ہوں۔ میں نے سال کا خیال کبھی نہیں کیا۔ اور دو چار بار صحیح تعداد یاد نہیں ہے، مستقل نیت صبح کو قبل زوال آفتاب کی۔ اب عرض یہ ہے کہ یہ ۳۴ روزے جو میں نے رکھے وہ درست ہوئے یا نہیں۔ یا ان کا اعادہ پھر سے کیا جاوے۔

الجواب۔ جو روزے دن کو نیت کر کے رکھے گئے وہ قضاء میں شمار نہیں ہوں گے۔ قضاء رمضان میں شب سے نیت شرط ہے۔ باقی یہ تعیین کہ فلاں سال کا روزہ رکھتا ہوں سو اس میں دو قول ہیں۔ بہشتی زیور میں احتیاط کا قول لے لیا ہے۔ باقی ضرورت میں دوسرے قول پر بھی کرنے کی گنجائش ہے۔ فی الدرالمختار ولو نویٰ قضاء رمضان ولم تعین الیوم صح ولو عن رمضانین کقضاء الصلوة صَحَّ ایضاً الیٰ قوله وهو رای التعیین، المعتمد قال فی ردالمحتار قد علمت ان الثاني مصحح وان کان الاحوط التعیین۔ ج ۵ ص ۷۱۹ اس لئے ایسے فرض قضاء روزے جن میں تعیین نہیں کی گئی صحیح سمجھئے۔ ۴ ربیع الاولیٰ ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص: ۲۱)

## حکم ترک سحور بسماع اذان

سوال (۱۶۰) ایک شخص بیدار ہو کر اس خیال سے کہ ابھی رات باقی ہے سحری کھانے لگا۔ کہ دفعتاً اذان کی آواز کان میں آئی۔ اس نے آذان سنتے ہی فوراً لقمہ منہ سے نکال کر پھینک دیا۔ اور کلی کر ڈالی۔ اور غروب آفتاب تک روزہ پورا کیا...... تو کیا یہ روزہ اس کا صحیح ہو گیا قضاء کی ضرورت نہیں۔

الجواب۔ یہ تو مستبعد ہے کہ بمجرد طلوع فجر اذان بھی شروع ہوتی ہو۔ عادةً طلوع قبیل اذان ہوا ہے۔ پس اس کا اکل بعد فجر کے واقع ہوا ہے۔ اس لئے یہ روزہ نہیں ہوا۔ البتہ اگر اذان قبل طلوع ہوئی ہے تو روزہ درست ہو گیا۔ ۸ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص: ۷۳)

## حکم عدم رویت ہلال در تاریخے کہ اورا ثلاثین شمار کردہ اند بوجہ شہادت بلد دیگر

سوال (۱۶۱) ایک شہر میں ۲۹ر شعبان کو بوجہ ابر وغبار چاند دکھائی نہیں دیا۔ کسی دوسرے شہر کی شہادت قابل اعتبار گزری کہ ۲۹ر تاریخ کو شعبان کا چاند فلاں مقام پر میں نے دیکھا ہے۔ جس کو قاضی نے مان لیا۔ اور اس شہادت کے اعتبار سے رمضان المبارک کل تیس تاریخ کو مطلع صاف ہونے کی صورت میں بھی چاند نظر نہیں آیا تو ایسی صورت میں جب کہ اس شہر کی رویت کے حساب سے ۲۹ر ہے اور اس شہادت کے حساب سے ۳۰ر تاریخ ہوتی ہے پس کیا کرنا چاہئے۔ اور اگر وہ گواہ خاص اسی شہر میں ۲۹ر شعبان کو چاند دیکھنا بیان کریں اور فوراً حاضر نہ ہوں تو ایسی صورت میں کچھ فرق ہو جاوے گا یا نہیں۔؟

الجواب۔ في الدرالمختار ولو صاموا بقول عدل حيث يجوز وغم هلال الفطر الخ وفي ردالمحتار عن المعراج عن المجتبى ان حل الفطر هنا (اى فيما اذا غم هلال الفطر) محل وفاق وانما الخلاف فيما اذا لم يغم ولم ير الهلال فعندهما لايحل الفطر وعند محمد يحل كما قاله شمس الائمة الحلوانى وحرره الشرنبلالى فى الإمداد قال فى غاية البيان وجه قول محمد وهو الاصح ان الفطر ما ثبت بقول الواحد ابتداء بل بناء وتبعافكم من شيئ يثبت ضمناً ولا يثبت قصداً الخ ج۲ ص۱۵۱۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ صورت مختلف فیہ ہے۔ مگر علامہ شامی کا رجحان امام محمدؒ کے قول کی تصحیح و ترجیح کی طرف ہے۔ کہ باوجود مطلع صاف ہونے کے بھی عید کرلیں گے۔ لیکن جہاں تشویش عوام کا اندیشہ ہو شیخین کے قول پر فتویٰ دینا مناسب ہے۔ بلکہ اس گواہ کو تنبیہ بھی کرنا چاہئے۔ فی ردالمحتار قال فى الدرر ويعزر ذلك الشاهد اى لظهور كذبه (ج:۲ ص:۱۵۱)

اور جو گواہ خود شہر میں موجود تھا اور اس وقت حاضر نہ ہوا اور ایک مہینہ کے بعد آکر بیان کرے اس کا اعتبار نہ کیا جاوے۔ کیونکہ اس نے ترک واجب کیا اس لئے عادل نہ رہا۔ اور ایسا شخص مقبول الشہادۃ نہیں رہا۔ فی الدرالمختار وهل له اى للفاسق ان يشهد الى قوله ويجب على الجارية المخدرة ان تخرج۔ ج۲ ص۱۴۵ و ص۱۴۶۔ البتہ اگر وہ اس توقف کا کوئی عذر جو شرعاً مسموع ہو بیان کرے تو مقبول ہوگا۔

كما فى ردالمحتار صف مذكور وقول الشارح وهل له يفيد عدم الوجوب بناء على عدم علمه باعتقاد القاضى الخ۔ وفى ردالمحتار وعليه تفرع مالو شهدوا فى اخر رمضان برؤية هلاله قبل صومهم بيوم ان كانوا فى المصر ردّت لتركهم الحسبة وان جاؤا من خارج قبلت من الفتح ملخصاً ج:۲ ص:۱۴۵۔ (تتمۂ ثالثہ ص: ۸۰)

## بیان اشتراط عدالت ومعنے آں درشہادت رویت ہلال رمضان وعید

سوال (۱۶۲) ہلال عید ورمضان کی شہادت کیلئے شاہدوں میں عدل کی ضرورت ہے یانہیں۔ اورعدل کی کیا تعریف ہے۔ یعنی رویت ہلال کے بارے میں فاسق فاجر یامستورالحال کی شہادت معتبر ہے یانہیں۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار للصوم مع علة کغیم وغبار خبر عدل او مستور علیٰ ما صححه البزازی علیٰ خلاف ظاهرالروایة لا فاسق اتفاقاً الیٰ قوله و شرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة الخ. وفی ردالمحتار العدالة ملکة تحمل علی ملازمة التقویٰ والمروة والشرط ادناها وهو ترک الکبائر والاصرار علی الصغائر وما یخل بالمروة ج ۲ ص ۱۴۵۔ اور یہ شرط خبر واحد میں ہے اور جمع عظیم مفید تواتر میں یہ شرط نہیں۔

(تتمۂ ثالثہ ص: ۸۲)

## تحقیق اعتبار اختلاف مطالع ومراد حدیث ابن عباسؓ درآں باب

سوال (۱۶۳) رویت ہلال کے بارے میں کس قدر دور دراز کی خبر ایک شہر سے دوسرے شہر میں مانی جاسکتی ہے۔ اس میں کچھ علماء کا اختلاف ہے یانہیں۔ اور مذہب حنفیہ میں اس کی بابت مفتیٰ بہ قول کیا ہے۔

الجواب۔ فی الدرالمختار واختلاف المطالع غیرمعتبرعلی ظاهرالمذهب وعلیه اکثر المشائخ وعلیه الفتویٰ.بحرعن الخلاصة فیلزم اهل المشرق برؤیة اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤیة اولئک بطریق موجب الیٰ قوله قال الکمال الاخذ بظاهر الروایة احوط ج:۲ ص:۱۵۴ و:۱۵۵۔ اس سے معلوم ہوا کہ مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ اختلاف مطالع معتبر نہیں۔

۲۵ رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص: ۸۲)

## ایضاً

سوال (۱۶۴) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مدرسۂ اشرفیہ راندیر کا ایک طالب علم رویت ہلال کی گواہی دور کی قبل عیدالضحیٰ کے نامنظور رکھتا ہے۔ اور موافق ذہن اپنے کے اس پر دلیل عبارت شامی کی جوکہ ذیل میں لکھی گئی ہے پیش کرتا ہے تو یہ موافق شرع شریف کے ہے یانہیں۔

یفهم من کلامهم فی کتاب الحج ان اختلاف المطالع فیه معتبر فلا یلزمهم شیئ لوظهرانه فی بلدة اُخریٰ قبلهم بیوم وهل یقال کذلك فی حق الاضحیة لغیر الحاج لم اراه والظاهر نعم اه مختصراً۔

الجواب۔ قیاس تو مقتضی ہے اس کو کہ اختلاف مطالع معتبر ہو مگر حنفیہ نے بناء برقول علیہ

السلام لا نکتب و لا نحسب الحدیث۔ اس کا اعتبار نہیں کیا کہ خالی حرج و رعایت قواعد ہیئت سے نہ تھا پس مقتضیٰ حدیث مسطور کا یہ ہے کہ اختلاف مطالع مطلقاً معتبر نہ ہو۔ نہ قبل وقوع عبادت نہ بعد وقوع عبادت، بلکہ ہر مقام کی رویت ہر مقام کے لئے کافی ہو جائے۔ چنانچہ قبل وقوع تو کہیں بھی اعتبار نہیں کیا گیا۔ ہاں بعض مواقع میں (۱) جیسے بعض بعض صور حج میں اس کا اعتبار کرنا بظاہر مفہوم ہوتا ہے مگر رائے ناقص میں وہ اعتبار اختلاف مطالع کا نہیں۔ لاطلاق الحدیث بلکہ عمل اس حدیث پر ہے **الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون والاضحی یوم تضحون الحدیث او کماقال** چنانچہ صاحب ہدایہ نے مسئلہ حج میں اسی کو دلیل ٹھہرایا حیث قال وفی الامر بالاعادۃ حرج اور علامہ شامی رحمۃ اللہ نے ہر چند کہ بناء عدم قبول شہادت کے اعتبار اختلاف مطالع پر ٹھہرائی ہے مگر اس کو کسی نے صراحۃً نقل نہیں فرمایا۔ بلکہ یفہم من کلامہم کہا جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے کلام سے یہ اعتبار مستخرج ہوتا ہے تو اصل حنفیہ کے نزدیک کل جگہوں میں عدم اعتبار اختلاف مطالع ٹھہرا کما ہو ظاہر من اطلاقاتہم اور استنباط علامہ شامی کا مسئلۂ اضحیہ میں اسی بناء پر ہے کہ انہوں نے عدم قبول شہادت کو بعض مسائل حج میں مبنی بر اعتبار اختلاف مطالع ٹھہرایا۔ حالانکہ عند التأمل یہ امر غیر صحیح ہے۔ بلکہ بناء اس عدم قبول کی وہی حرج ہے۔ پس جب بناء ہی صحیح نہیں تو مبنیٰ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ خصوصاً جب کہ کتب مذہب کے خلاف ہو۔ پس صورت مسئولہ میں رد شہادت صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔ ۶ ربیع الثانی بروز پنجشنبہ ۱۳۰۵ھ (امداد ص: ۱۸۶ ج: ۱)

## ایضاً

سوال (۱۶۵) کیا حدیث ابن عباسؓ سے جو ترمذی و بخاری میں مروی ہے فقہاء نے صرف اختلاف مطالع استنباط کیا ہے۔ حدیث مذکور میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ منقول نہیں۔ صرف ابن عباسؓ نے کریبؓ کی شہادت کو جو شام سے مدینہ منورہ تشریف لائے تھے قبول نہیں کیا۔ کیا استدلال کیا جا سکتا ہے۔ کہ بوجہ اختلاف مطالع یا تنہا شہادت کی وجہ سے قبول نہیں کیا۔ جن فقہاء نے اختلاف مطالع کو معتبر نہ سمجھا (جیسا کہ درمختار و فتاویٰ عالمگیری میں تحریر ہے) انھوں نے اس حدیث پر عمل کس وجہ سے نہیں کیا۔ اس حدیث پر بصراحت روشنی ڈالئے۔

الجواب۔ قائلین باعتبار اختلاف المطالع نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور حدیث اس کو محتمل ضرور ہے۔ لیکن نافین اعتبار اختلاف المطالع اس کا وہ جواب دے سکتے ہیں جو امام نووی نے اس حدیث کے ذیل میں بعض شافعیہ سے نقل کیا ہے۔ **وقال بعض اصحابنا تعم الرؤیۃ فی موضع**

---

(۱) یہ تغیر تصحیح الاغلاط ص: ۳۲ سے کی گئی ہے۔

جمیع اھل الارض فعلی ھذا نقول انما لم یعمل ابن عباس نجبر کریب لانہ شھادۃ فلا تثبت بواحد اور حدیث اس کو محتمل ہے فاذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال اسی طرح ھکذا امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دونوں احتمال ہیں۔ اس حالت میں نووی کا اس کے بعد کہنا لکن ظاھر حدیث الخ خصم پر حجت نہیں ہوسکتا۔ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ (تتمہ خامسہ ص:۳۷۵)

## معتبر بودن رویت ہلال از دوربین یا دردریا یا آئینہ وغیرہ

سوال (۱۶۶) شخصے در دوربین ماہ ہلال عید الفطر امسال بتاریخ بست نہم دیدہ است آیا ایں رویت ہلال صحیح باشد یا نہ۔

الجواب۔ دوربین محض آلۂ تحدید بصر ست و رویت ببصر واقع ست پس حکمش مثل عینک باشد وبریں دیدن رویت کہ مدار وجواب احکام ست صادق ست پس لامحالہ صحیح ومعتبر ومناط احکام باشد البتہ اگر بدلائل فن ایں امر بہ ثبوت پیوند کہ خاصیت آں دوربین چنیں ست کہ ہلال باوجود تحت افق بودن بواسطۂ آں بنظر می آید حتیٰ کہ شمس ہم باوجود عدم طلوع از افق دراں طالع می نماید آرے صحیح ومعتبر نباشد۔ ۱۹ ذی قعدہ ۱۳۲۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص:۱۶۰)

## ایضاً

سوال (۱۶۷) ذیل کے سوالات میں اپنی تحقیق ازروئے کتب حدیث وفقہ تحریر فرما کر ممنون فرماویں۔

۱۔ ۲۹ ر تاریخ کو دوسرے شخص کمزور بینائی والے سفر میں جارہے تھے۔ جنگل میں مغرب کے وقت چشمہ یا خوردبین سے ان دونوں نے عید الفطر کا چاند دیکھ لیا۔ لیکن بلامدد چشمہ یا خوردبین کے نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ اور سوائے ان دونوں کے اورلوگوں نے چاند نہیں دیکھا ایسے حال میں وہ دونوں دوسرے روز روزہ رکھیں گے یا عید الفطر کی نماز پڑھیں گے۔ اور جن لوگوں نے نہیں دیکھا ان کے لئے کیا حکم ہے۔

۲۔ دو شخص دریا میں جارہے ہیں ۲۹ ر رمضان کو پانی میں دونوں کو چاند کا عکس صاف نظر آیا۔ لیکن آسمان پر دیکھنے سے چاند نہیں معلوم ہوا۔ خواہ نظر کی کمزوری سے خواہ اور کسی وجہ سے اور ان دو شخصوں کے سوا اور کوئی چاند دیکھنا بیان نہیں کرتا ہے ایسے وقت میں ان کے لئے اور دوسروں کے لئے کیا حکم ہے۔

۳۔ دو شخص کسی جگہ پر ہیں ۲۹ ر رمضان المبارک کو آئینہ کے اندر دونوں کو چاند صاف معلوم ہوا لیکن اسمان پر دونوں نہیں دیکھ سکے۔ ایسی حالت میں وہ کیا کریں گے۔

الجواب۔ ۱۔ دوربین یا خوردبین سے دیکھنے کا کوئی جدا حکم نہیں بلا آلہ دیکھنے کے جو احکام ہیں وہی اس کے بھی ہیں پس اگر افق پر ابر وغبار ہے تب تو ان کی رویت بشرط عدم مانع اوروں کے لئے کافی ہے۔ سب عمل کریں۔ اور اگر ابر وغیرہ نہیں ہے تو اوروں کو بھی عمل جائز نہیں اور خود ان کو بھی عمل جائز نہیں۔ بلکہ روزہ رکھیں۔

۲۔ دریا کو بھی مثل چشمہ وغیرہ کے رویت کا ایک آلہ کہا جاوے گا، اور اس کا حکم بھی مثل جواب سوال نمبر ا کے ہوگا۔

۳۔ اس کو بھی مثل دریا کے ایک آلۂ رویت کہیں گے اور اس میں بھی وہی تفصیل ہوگی جو نمبر ا میں مذکور ہوئی۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص:۶۶)

## حکم شہادت واحد بر قضاء رویت ہلال

سوال (۱۶۸) کسی مقام کے قاضی کے حکم کی تصدیق کے لئے دوسرے مقام پر صرف ایک آدمی کی شہادت کی ضرورت ہوگی یا دو کی اور عدالت کی شرط ہوگی یا نہیں۔ مثلاً زید نے رویت شوال کی باقاعدہ شہادت لے کر اپنے شہر الہ آباد میں افطار کا حکم دیا۔ اب بکر جو اس وقت الہ آباد ہی میں مقیم تھا۔ شہر کانپور میں جا کر اس بات کی خبر دی کہ فلاں شہر میں زید نے باقاعدہ شہادت لے کر افطار کا حکم دیا ہے اب تم لوگ بھی افطار کرلو تو ایسی صورت میں اگرچہ یہ مسلم ہے کہ قاضی کا حکم حجت شرعی ہے دوسرے شہر کے لئے بھی۔ مگر اثبات حکم پر۔ سو دریافت طلب یہ امر ہے کہ صرف بکر کی شہادت زید کے حکم کے اثبات کے لئے کانپور والوں کے لئے کافی ہوگی یا نہیں۔ یا ایک اور شہادت کی ضرورت ہوگی۔ اور زید اگر خود کانپور میں جا کر اپنی باقاعدہ شہادت لینے کی خبر کرے تو کانپور والوں کو افطار کرنا درست ہوگا یا نہیں۔ اور جنہوں نے صرف بکر کی شہادت پر کانپور میں افطار کرلیا ان کا کیا حکم ہوگا۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار فی احکام ھلال رمضان وتقبل شھادۃ واحد علٰی اخر کعبد وانثی ولو علی مثلھما الخ فی ردالمحتار بخلاف الشھادۃ علی الشھادۃ فی سائر الاحکام حیث لا تقبل مالم یشھد علی شھادۃ کل رجل رجلان او رجل وامرأتان ح وفی الدرالمختار احکام ھلال الفطر وشرط للفطر مع العلۃ والعدالۃ نصاب الشھادۃ لفظ اشھد وعدم الحد فی قذف لتعلق نفع العبد لکن لا تشرط الدعوی الٰی قولہ ولو کانوا ببلدۃ لا حاکم فیھا صاموا بقول ثقۃ وافطروا باخبار عدلین مع العلۃ للضرورۃ۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ بکر کی شہادت ہلال رمضان میں معتبر ہو جاوے گی۔ لان

الشهادة على القضاء كالشهادة على الشهادة لكونهما موجبين اور اسی طرح زید کا قول بھی معتبر ہوگا۔ لانه شهادة على الشهادة اور ہلالِ فطر میں عدد بھی شرط ہے کالاصل وان سقط لفظ الشهادة في سائر الاحكام اى في غير احكام هلال رمضان اور یہ بھی ان روایات سے ثابت ہوا کہ عدالت ہر حال میں شرط ہے۔ ۱۷ر شوال ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص: ۹۲)

## عدم اعتبار حکایت رویت بلا طریق موجب

سوال (۱۶۹) یہاں میرے پڑوسی نائب تحصیلدار بحکم گورنمنٹ بصرہ بغداد کو گئے تھے۔ اب وہ رخصت لیکر ۲۰ر جون کو بغداد سے دجلہ میں کشتی پر سوار ہو کر چلے تو رمضان المبارک کا چاند بدھ کے روز یعنی پنجشنبہ کی شب میں انھوں نے اور سب ہمراہیوں نے دیکھا۔ اور جمعرات کو روزہ رکھا۔ تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان کا چاند دیکھنا یہاں والوں کے لئے مانا جاوے گا یا نہیں۔ رہا یہ امر کہ ان کی شہادت بھی شرعاً معتبر ہے یا نہیں۔ اس سے بحث نہیں دیگر کوئی خبر جناب کے یہاں بھی ایسی موصول ہوئی ہے جو قابل اعتبار ہو اور اس پر عمل کیا جاوے اس سے مطلع فرمایا جاوے۔

الجواب۔ ایک خبر یہاں بھی بجنور سے آئی ہے بابو مردان علی صاحب لکھتے ہیں کہ بدھ کے روز یہاں بھی چاند نہیں دیکھا گیا۔ مگر جمعرات کے روز صبح کو جہاں آباد سے رویت ہلال کے گواہ معتبر آ گئے۔ اور ہم نے روزہ رکھ لیا۔ انتہی۔ یہ دو خبریں ہیں۔ قاعدہ کلیہ اس باب میں یہ ہے کہ ایسی خبر معتبر ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ طریق موجب سے پہونچے۔ اور طریق موجب یہ ہیں:

۱۔ شہادت بالرؤیت ۲۔ شہادت علی الشہادت بالرؤیت ۳۔ شہادت علی حکم الحاکم ۴۔ استفاضہ جو حکم حاکم کے حکم میں ہے۔ اور مجرد حکایت معتبر نہیں ہے۔ (زوال السنہ ص ۱۵) اسی طرح خبر واحد کے معتبر ہونے کے لئے علت یعنی ابر وغیرہ شرط ہے۔ اسی طرح رائی کا ثقہ ہونا شرط ہے۔ کذا فی کتب الفقہ۔ پس دجلہ کی خبر میں آسمان پر علت ہونا ثابت نہیں۔ اور شہادت دینے والے ایک صاحب ہیں۔ اور اوروں کے دیکھنے کی روایت محض حکایت ہے جو معتبر نہیں۔ اور اگر یہ صاحب ثقہ نہیں ہیں تو قبول ہدایت سے ایک دوسرا امر بھی مانع ہے۔ اور جہاں آباد کی خبر ہم لوگوں تک طریق موجب سے نہیں پہونچی۔ لہٰذا دونوں خبریں حجت نہیں ہیں۔ اشرف علی ۲۷ر رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۳۳)

## عدم اعتبار قول اہل ہیئت در افطار و صوم

سوال (۱۷۰) علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا تحریر فرماتے ہیں کہ اخبار ہمدم

لکھنؤ مورخہ ۱۰؍ جولائی ۱۹۱۷ء میں ایک مضمون چھپا ہے جو لفظ بلفظ درج ذیل کیا جاتا ہے۔ اس پر شرعاً عمل درآمد کے لئے کیا حکم ہے۔ اور اس پر عمل درآمد کرنا چاہئے یا نہیں۔ اور ان امور کا ماننا درست ہے یا نہیں۔

# اوقات صوم وصلوٰۃ

۱۔ ملاحظہ ہو روزانہ ہمدم مورخہ ۱۱؍ جون ۱۹۱۷ء (جس میں ایک مضمون اوقات کے متعلق تھا جس سے مسئلۂ ہٰذا سے کوئی خاص تعلق نہیں)

۲۔ مسلمان اگر علم ہیئت سیکھیں تو ان کو معلوم ہو کہ الشمسُ والقمر بحُسبَان کی کس قدر تصدیق ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو قرآن مجید نمبر: ۵۵ سورۂ رحمٰن آیۃ نمبر: ۵

۳۔ افلاک ارضی وقمر بیضاوی شکل کے ہیں۔ لہٰذا حساب واقعی طلوع اور غروب شمس بحساب مخروطی کرنا لازم ہوتا ہے۔ اشکال مدور اور بیضاوی میں فرق ہوتا ہے۔ ہند میں معیار وقت بلحاظ شمس وسطی ہوتا ہے لہٰذا جب واقعی طلوع اور غروب کا وقت کسی جگہ کا نکالنا ہو تو جو فرق شمس وسطی اور شمس واقعی میں ہو اس کو دفع کرنا لازم ہوتا ہے۔ اسی سبب سے بعض روز دو ایک دقیقہ کی کمی یا زیادتی بغیر تسلسل کے ہوتی ہے۔

۴۔ لیل ونہار ہمیشہ ۲۴ گھنٹے کے ہیں۔ کبھی طلوع اور غروب میں کمی اور زیادتی ہوئی تو بھی ۲۴ گھنٹے میں فرق نہیں ہوسکتا۔

۵۔ پنجشنبہ ۵؍ جولائی ۱۹۱۷ء کو ۹، ۸ دقیقہ ۳ گھنٹہ پر قبل ظہر خسوف یعنی چاند گرہن تھا۔ اس وقت عمر قمر کی چودہ روز سے زائد تھی۔ اور اس روز پندرہ رمضان ۱۳۳۵ھ میں کچھ شبہ نہیں ہوسکتا ہے۔

۶۔ غرہ رمضان المبارک میں بوجہ عدم رویت کے فرضیت نہیں ہوسکتی تھی۔ لیکن ہلال اور بدر کے مشاہدہ سے کوئی شبہ نہیں رہتا ہے کہ جمعہ ۲۰؍ جولائی ۱۹۱۷ء کو ۳۰؍ رمضان المبارک ہے۔ اور اس روز اگر مطلع صاف نہ ہو تو رویت کی حاجت نہیں ہے۔ بلحاظ علم ہیئت اور مشاہدہ شنبہ ۲۱؍ جولائی ۱۹۱۷ء کو غرۂ شوال ۱۳۳۵ھ ہونا لازم ہے اور اس روز صوم بلاشبہ حرام ہے۔

الجواب۔ اول تو ان مقدمات ریاضیہ میں بعضے مخدوش بھی ہیں۔ دوسرے قطع نظر اس سے شریعت میں ان کا بالکل اعتبار نہیں کیا گیا۔ حدیث نحن امة امية لا نكتب ولانحسب الشهر هكذا وهكذا اس کی صریح نفی کر رہی ہے۔ یعنی ان کے اعتبار کی قطع نظر وقوع سے، اور یہ ہر قانون کو اختیار ہے کہ باوجود کسی امر کے واقع ہونے کے اس پر اپنے احکام کو مبنی نہ کرے۔ جیسے عدالت کے متعلق قانون ہے کہ حاکم اپنے عینی علم پر بدون ضابطہ کی شہادت کے عمل نہیں کرسکتا کہ اس

کے یہ معنی نہیں کہ حاکم کے علم کی واقفیت کی نفی کی گئی ہے۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ باوجود واقعی ہونے کے اس پر حکم کو مبنی کرنا جائز نہیں رکھا گیا۔ اسی طرح یہاں سمجھ لیا جاوے اس قانون شرعی پر خلافِ عقل ہونے کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ اور راز اس کا وہی ہے جس کی طرف حدیث مذکور میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی شریعت کا سہل قواعد پر مبنی ہونا نہ کہ دقائق پر۔ تیسرے نمبر ۶ میں جب عدم فرضیت صوم مان لی گئی تو شنبہ کو غرۂ شوال یقینی ماننا اس کے منافی ہے۔ کیونکہ جمعہ کو ۳۰ قرار دینا مستلزم ہے پنجشنبہ کے غرہ ہونے کو گو اس کا ظہور بعد میں ہوا اور پنجشنبہ کا غرہ ہونا مستلزم ہے اس میں فرضیت صوم کو تو لازم آتا ہے فرضیت اور عدم فرضیت صوم کا مجتمع ہونا اور یہ اجتماع خود محال ہے۔ اور مستلزم محال کو محال ہے۔ پس یہ فتویٰ دینا کہ شنبہ کو روزہ رکھنا یقینی حرام ہے بوجہ مبنی ہونے کے مقدمات مستحیلہ پر یقیناً باطل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہ رائے محض غلط ہے۔ اور اس پر عمل کرنا بالکل حرام ہے اس کو اچھی طرح شائع کر دیجئے۔ کتبہ اشرف علی　　۲۵ رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۳۲)

## عدم اعتبار حساب جنتری در افطار وصوم

سوال (۱۷۱) غرہ ذیقعدہ جنتری کی رو سے تسلیم کیا گیا ہے اور رویت نہیں ہوئی۔ اس حساب سے شوال کے ۲۹ یوم ہوتے تھے۔ اب ذی الحجہ کی رویت بھی نہیں ہوئی۔ اور ۳۰ یوم پورے کر کے پہلی تاریخ پنجشنبہ کی قرار دی گئی۔ اب شبہ یہ واقع ہے کہ ذی قعدہ کی رویت ہوئی نہیں۔ جنتری کے اعتبار پر شوال ۲۹ کا قرار دیا گیا تھا۔ اب اگر اس کو بھی ۳۰ یوم کا قرار دیتے ہیں تو پہلی جمعہ کی ہونی چاہئے۔ کیونکہ رویت ذی قعدہ تو ہوئی نہیں تھی۔ اب ارشاد فرمایا جاوے کہ ذی الحجہ کی پہلی قرار دینے کے لئے شوال کے ۳۰ پورے ماننے پڑیں گے یا مطابق جنتری کے ۲۹ یوم جیسے قرار دیئے تھے سمجھے جائیں گے نیز اگر چند ماہ تک بوجہ ابر وغبار مثلاً چھ ماہ تک رویت نہیں ہوئی۔ تو کیا ایسے سب مہینوں کو ۳۰ یوم کا قرار دینا چاہئے۔ اگر ایسا عمل ہوگا تو خدشہ ہوتا ہے کہ قمری سال کے ۳۵۵ دن ہوتے اس میں ضرور زیادتی ہوگی۔ اور اگر سب کو ۳۰ یوم کا نہ قرار دیا جائے تو یہ شبہ ہے کہ جب رویت نہیں ہوئی تو ۳۰ یوم کا کیوں نہ مانا جائے۔

الجواب۔ شریعت میں یا رویت حجت ہے یا شہادت رویت یا تکمیل ثلاثین اگر اولین نہ ہوں تو ثالث متعین ہے۔ اور جو خدشہ لکھا ہے یہ اس وقت صحیح ہوتا جب شریعت اس قاعدہ کو تسلیم کرتی کہ قمری سال ۳۵۵ سے نہیں بڑھتا اس لازم کے بطلان کی کیا دلیل ہے۔ ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۱۰۳)

## افطار در غرۂ رمضان وصوم غرۂ شوال بعدمِ رویت

سوال (۱۷۲) مشرقی بنگال میں اکثر لوگوں نے منگل کے روز روزہ رکھ کر جمعرات کو عید کی۔ اب ہم لوگوں نے جو پیر کو روزہ نہیں رکھا اور بدھ کو عید نہ کر کے جو روزہ نہ رکھا اس میں ہم سب گنہگار ہوئے یا کیا۔؟

الجواب۔ اگر پیر کے روز کی خبر معتبر طور سے آ گئی تو ایک روزہ قضاء کرنا ہوگا اور بدھ کے روزہ سے نہ گناہ ہوگا اور نہ پیر کے روزہ کے عوض محسوب ہوگا۔ ۹ رذی قعدہ ۱۳۳۶ھ (تتمۂ خامسہ ص:۷۱)

## تحقیق وحکم انفراد صوم عاشورہ

سوال (۱۷۳) بندہ اب تک یہ فتویٰ دیتا تھا کہ دسویں محرم کا ایک روزہ رکھنا بلا کراہت درست ہے۔ مگر درمختار وغیرہ میں اس کے خلاف جزئیہ نکلا۔ لہٰذا میں اس سے رجوع کر کے اب موافق اس جزئیہ فتویٰ دیتا ہوں کہ دسویں تاریخ محرم کو اکیلا روزہ رکھنا مکروہ ہے اس کے ساتھ نویں کا بھی رکھنے سے کراہت دور ہوگی۔ اسی طرح اگر دسویں کے ساتھ گیارہویں کا بھی رکھ لے تب بھی کراہت نہ رہے گی۔ مگر اول صورت اولیٰ ہے۔ یعنی نویں دسویں کا وہ جزئیہ یہ ہے۔

**المکروہ تحریماً کالعیدین وتنزیھاً کعاشوراء وحدہ فی ردالمحتار قولہ وعاشوراء وحدہ ای مفرداً عن التاسع او عن الحاوی عشر امداد لانہ تشبہ بالیھود۔ محیط** ص ۱۳٤ ج ۲۔ فقط (ترجیح الراجح ص ۸۰ ج ۴)

## ایضاً

سوال (۱۷۴) ضروری دریافت یہ ہے کہ احقر نے بہشتی زیور کے تیسرے حصہ میں نفل روزہ کے بیان میں دیکھا کہ محرم کی دسویں تاریخ میں روزہ رکھنا مستحب ہے۔ احقر نے دسویں تاریخ کو ایک روزہ ہی رکھا اب بعضے لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ نویں و دسویں کا رکھنا چاہئے۔ ایک روزہ میں اختلاف ہے ایک نہیں رکھنا چاہئے۔ اختلاف کیسا ارشاد فرمایا جائے۔

الجواب۔ واقعی دو ہی روزے رکھنا چاہئیں۔ بہشتی زیور کی تالیف کے وقت اس مسئلہ کی پوری تحقیق نہ تھی، لیکن اگر نویں کو نہ رکھے تو گیارہویں کو رکھ لے۔ ۹ رج:۲ ۱۳۴۳ھ (ترجیح ۵ ص:۱۵۳)

## رسالہ کلمۃ القوم فی حکمۃ الصوم

سوال (۱۷۵) تمہید: ایک صاحب نے اپنے خط کے ساتھ مولوی صاحب کا ایک مضمون

دیکھنے کے لئے بھیجا اس کے متعلق یہاں ایک تحقیق لکھی گئی۔ ذیل میں دونوں منقول ہیں:

**مضمون:** صوم رمضان کے متعلق ایک نہایت ضروری اصلاح کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ جہاں تک مجھے یاد ہے آپ نے اب تک اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ نہیں دلائی ہے۔

یہ مسلّم ہے کہ رمضان کے روزوں کا اصلی مقصد قوت بہیمیہ کو مغلوب اور قوتِ ملکیہ کو غالب کرنا ہے۔ اسی لئے شارع نے ان مہیجات ومحرکات سے چند دنوں کے لئے روکا ہے جن سے قوت بہیمیہ میں ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ یعنی کھانا پینا، عورتوں سے متمتع ہونا اور ان تینوں چیزوں کے چھوڑ دینے کے بعد مادی حیثیت سے روزے کی حقیقت مکمل ہوجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم اسرار الدین کے ماہرین نے روزے کی تکمیل کے لئے جو باتیں ضروری قرار دی ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ غذا میں جہاں تک ممکن ہو کمی کی جائے۔ چنانچہ امام غزالیؒ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ روزے کی تکمیل کی پانچویں شرط یہ ہے کہ افطار کے وقت حلال کھانا کھانا بھی اس قدر نہ کھایا جائے کہ پیٹ میں امتلاء پیدا ہوجائے۔ کیونکہ خدا کے نزدیک کوئی ظرف اس پیٹ سے زیادہ مبغوض نہیں جو حلال کھانے سے بھر لیا جائے۔ درحقیقت روزے سے خدا کے دشمن کی شکست اور خواہش نفسانی کی مغلوبیت کیونکر ممکن ہے جب کہ روزے دار اپنے افطار کے وقت اس کمی کی تلافی کرے جو دن میں کی گئی ہے بلکہ بسا اوقات طرح طرح کے کھانے وغیرہ سے وہ اس پر اضافہ کرلیتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ ایک مستقل عادت ہوگئی ہے کہ رمضان کے لئے ہر قسم کے کھانے مہیا کئے جاتے ہیں اور اس میں وہ وہ کھانے مہیا کئے جاتے ہیں جو اور مہینوں میں نہیں کھائے جاتے۔ حالانکہ یہ معلوم ہے کہ روزے کا مقصد بھوکا رہنا اور خواہشِ نفسانی کو شکست دینا ہے۔ تاکہ نفس کو تقویٰ حاصل کرنے کی قوت حاصل ہو لیکن جب معدے کو صبح سے شام تک خالی رکھا جائے یہاں تک کہ اس کی خواہش سے طعام میں ہیجان پیدا ہوجائے اور اسکی رغبت غذا کی طرف زیادہ ہو جائے، پھر اس کو لذیذ کھانے کھلا کر آسودہ وسیر کردیا جائے تو اسکی لذت طلبی بڑھ جائے گی۔ اس کی قوت دگنی ہوجائے گی۔ اور وہ خواہشیں ابھر جائیں گی جو تقریباً دبی ہوئی تھیں۔ غرض روزے کی روح ان قوتوں کو ضعیف کرنا ہے جو برائی کی طرف میلان پیدا کرنے میں شیطان کا آلہ ہیں۔ اور یہ غرض صرف تقلیل غذا سے حاصل ہوسکتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ روزہ دار صرف وہی کھانا کھائے جو رمضان کے علاوہ معمولاً کھاتا تھا۔ لیکن اگر صبح وشام دونوں وقت کا کھانا ملا کر کھائے جو رمضان کے روزوں میں نہیں چاہئے تو اس کو روزے سے کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا بلکہ آداب صوم میں یہ ہے کہ روزہ دار دن کو بہت نہ سوئے تاکہ اس کو بھوک اور پیاس کا احساس ہو اور اپنی قوت کا ضعف معلوم ہونے لگے۔

(احیاء العلوم ج:۱ مجتبائی پریس ص:۱۴۷)

احادیث کے مطالعہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ عہد نبوت اور عہد صحابہ میں رمضان میں کھانے کا کوئی مزید اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ معمولی غذا رمضان میں بھی کھائی جاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور یا پانی سے افطار کرتے تھے۔ سحر میں بھی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے صرف کھجوریں کھائیں بعد کو بعض صحابہؓ ستو گھول کر لائے تو ستو پی لیا۔ اس سے زیادہ مجھے اس مبارک عہد میں غذاؤں کی رنگینی اور بوقلمونی نظر نہیں آئی۔ لیکن اس وقت مسلمانوں کی حالت کیا ہے۔ رمضان نے ایک تہوار یا تقریب کی صورت اختیار کر لی ہے۔ معمولی آدمی کے لئے بھی افطار کے وقت گھنگنی اور پھلوڑی (پھلکی) تو لازمی ہے سحر کے لئے دودھ بھی ایک اہم چیز فرض کر لی گئی ہے۔ کھانے میں جو شخص دال روٹی کھاتا تھا وہ کم از کم ترکاری کا اضافہ کر ہی لیتا ہے۔ اہلِ قدرت کے دسترخوان تو رمضان میں گویا رنگینی غذاؤں کا گلدستہ بن جاتے ہیں۔ دعوتوں کا ہنگامہ گرم ہو جاتا ہے۔ روزہ کشائی کی رسم تو خالص شادی کی تقریب بن جاتا ہے۔ یہ حالت معمولی دنیاداروں کی نہیں ہے۔ علماء وصوفیہ بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ رمضان میں بجائے اس کے کہ حدیث وقرآن کا درس دیا جائے راحت طلبی کے لئے ہمارے عربی مدارس میں تعطیل ہو جاتی ہے میں نے ایک خالص تصوف کے مرکز کے متعلق ایک مضمون پڑھا تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مغرب سے سحر کے وقت تک تمام لوگ جو اس مرکز سے روحانی فیض اٹھاتے ہیں بیدار رہتے ہیں، اور زیادہ تر عمدہ غذاؤں کا لطف حاصل کرتے ہیں تراویح سے پہلے تراویح کے بیچ میں اور تراویح کے بعد تین بار چائے کا دَور چلتا ہے۔ چونکہ آپ نے زیادہ تر علماء وصوفیہ کا فیضِ صحبت اٹھایا ہے۔ اس لئے براہ کرم مجھ کو اور ناظرین سچ (اخبار) کو اس معاملہ میں اپنی معلومات سے فائدہ پہنچایئے، اور یہ بتایئے کہ اس کی سند کیا ہے اور یہ حالت مقاصد صوم کے منافی ہے یا نہیں۔؟

## تحقیق:۔

بعد الحمد والصلوٰۃ تحقیق مقصود کے قبل بعض مبادی کی ضرورت ہے۔

۱۔ احکام باعتبار ثبوت تین قسم ہیں۔ (۱) منصوص (۲) اجتہادی (۳) ذوقی۔ اجتہادی میں اجتہاد سے مراد وہ ہے جس کو فقہاء اجتہاد کہتے ہیں، اور ایسے اجتہاد سے جو احکام ثابت ہوتے ہیں، وہ واقع میں نص ہی سے ثابت ہوتے ہیں اجتہاد سے صرف ظاہر ہو جاتے ہیں اسی لئے کہا جاتا ہے **القیاس مظهر لا مثبت**۔ اور ذوقی وہ احکام ہیں جو نص کا مدلول نہیں، نہ بلا واسطہ جو منصوص کی شان ہوتی ہے نہ بواسطہ جیسے اجتہادیات کی شان ہوتی ہے بلکہ وہ احکام محض وجدانی ہوتے ہیں۔ اور اس ذوق و اجتہاد میں فرق یہ ہے کہ احکام اجتہادیہ تو مدلول نص ہیں اور یہ مدلول نص نہیں اسی واسطے مجتہدین سے

ایسے احکام منقول نہیں، نہ کسی پر ان احکام کا ماننا واجب ہے۔ محض اہل ذوق کا وجدان ان احکام کا مبنیٰ ہوتا ہے البتہ ان میں بعض احکام ایسے ہوتے ہیں کہ اشارات کتاب وسنت سے ان کی تائید ہو جاتی ہے تو اس صورت میں ان کا قائل ہونا جائز ہے۔ اور اگر کتاب وسنت کے خلاف ہو تو اس کا رد واجب ہے۔ اور اگر کتاب وسنت سے نہ متأید ہوں نہ اس کے خلاف ہوں تو اس میں جانبین میں گنجائش ہے۔ اسی طرح اگر ایک صاحب ذوق کو متأید معلوم ہوں اور دوسرے کو خلاف تب بھی اس میں جانبین میں گنجائش ہے۔ اور اجتہادیات جز وفقہ ہیں اور ذوقیات جز وتصوف۔

۲۔ احکام اجتہادیہ کا مبنیٰ علت ہوتی ہے۔ جس سے حکم کا تعدیہ کیا جاتا ہے۔ اور ذوقیات کا مبنیٰ محض حکمت اور وہ بھی غیر منصوص جس سے حکم متعدی نہیں ہوتا نہ حکم کا وجود وعدم اس کے ساتھ دائم ہوتا ہے۔ اور یہ عدم دوران حکمت منصوصہ میں بھی عام ہے جیسے طواف میں رمل کہ اس کی بناء ایک حکمت تھی۔ مگر وہ مدار حکم نہیں رہی۔ مگر تمام مسائل تصوف کو اس شان کا نہ سمجھا جاوے۔ ان میں بھی بعض اجتہادی ہیں اور بعض منصوص بھی ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ ان میں جو ذوقیات ہیں ان کی یہ شان ہے جو مذکور ہوئی۔

۳۔ ایک دوسرے اعتبار سے احکام کی اور دو قسمیں ہیں۔ مقاصد اور مقدمات یہ احکام ذوقیہ صرف مقدمات ہوتے ہیں مقاصد نہیں ہوتے۔ مقاصد صرف منصوص ہوتے ہیں یا اجتہادی۔

۴۔ احکام منصوصہ واجتہادیہ شریعت ہے۔ احکام ذوقیہ شریعت نہیں البتہ اسرار شریعت ان کو کہا جا سکتا ہے۔ اور یہ سب مبادی ماہر قواعد شرعیہ کے نزدیک ظاہر ہیں۔ اب مقصود عرض کرتا ہوں کہ مسئلۂ زیر بحث نہ منصوص ہے نہ اجتہادی صرف ذوقی ہے۔ اور ذوقی بھی مختلف فیہ۔ چنانچہ امام غزالیؒ کا یہی ذوق ہے اور جو کچھ اس باب میں احیاء العلوم میں فرمایا ہے وہ اسی ذوق پر مبنی ہے۔ اور ان کے نزدیک کچھ رمضان کی تخصیص نہیں۔ مطلق جوع کے باب میں وہ اسی کے قائل ہیں۔ اور بعض کا ذوق اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ علی قاریؒ شرح شمائل ترمذی میں ابن الجوزیؒ سے نقل کرتے ہیں۔

ومن جهلة الصوفية تقليل المطعم واكل الدسم حتى ييبس بدنه ويعذب نفسه بلبس الصوف ويمتنع من الماء البارد وما هذه طريقة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا طريقة صحابته واتباعهم وانما كانوا يجوعون اذا لم يجدوا شيئاً فاذا وجدوا اكلوا الخ (من حاشية تقليل الطعام بصورة الصيام) اور حضرت شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ ابواب الصوم میں فرماتے ہیں ثم ان تقليل الاكل والشرب له طريقان احدهما ان لا يتناول منهما الا قدراً يسيراً والثاني ان تكون المدة المتخللة بين الاكلات زائدة على القدر المعتاد والمعتبر في الشرع هو الثاني لانه يخفف وينقه ويذيق بالفعل مذاق

الجوع والعطش ویلحق البهیمیة حیرة ودهشة ویاتی علیها اتیاناً محسوسا والاول انما یضعف ضعفا یمربه ولا یجد بالاحتی یدنفه وایضا فان الاول لایأتی تحت التشریع العام إلا بجهد فان الناس علی منازل مختلفة جداً الخ۔

اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ مسئلہ متکلم فیہا میں ذوق مختلف ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کون سا ذوق اقرب الی الکتاب والسنۃ ہے اس کا موازنہ ذوق کے مؤیدات میں غور کرنے سے ہوسکتا ہے سو ذوق اول کے یہ مؤیدات ہوسکتے ہیں۔

(الف) کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون۔ ای کی تحذروا المعاصی فان الصوم یعقم الشهوة التی هی امهاویکسرها (ب) قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یا معشر الشباب من استطاع منکم البائة فلیتزوج فإنّه اغض للبصرواحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فانه له وجاء رواه الشیخان۔

(ج) احادیث فضیلت جوع وذم شبع مگر ان سب استدلالات میں شبہات ہیں۔ (الف) میں یہ کہ یہ تفسیر متعین نہیں دوسری تفسیر بھی محتمل ہے۔ چنانچہ ابن جریر نے سدی سے نقل کیا ہے۔ فتتقون من الطعام والشرب والنساء مثل ما اتقوا قبلکم۔ اور تفسیر نیشاپوری میں ہے۔ لعلکم تقون بالمحافظة علیها لقدمها وبعدا اسطراو لعلکم تنتظمون فی سلک اهل التقویٰ فان الصوم شعارهم اور اگر وہی تفسیر مان لی جاوے تب بھی دلالت علی المقصود میں یہ شبہ ہے کہ کسر قوت بہیمیہ تقلیل طعام پر موقوف نہیں کما مر قریبا عن حجة الله البالغة وسیاتی ایضاً اور ب میں یہ کہ اس میں صوم کی خاصیت بیان کی گئی ہے۔ تشریع صوم کی حکمت بیان نہیں کی گئی اور یہ خاصیت موقوف نہیں ہے۔ تقلیل اکل پر۔ کیوں کہ تجربہ ہے کہ باوجود شبع من اللذات کے رمضان میں ضعف معتد بہ ہو جاتا ہے۔ اور راز اس کا یہ ہے کہ عادت تھی دو وقت رغبت کے ساتھ کھانے کی۔ اور اب رغبت کے ساتھ صرف ایک وقت کھایا جاتا ہے۔ یعنی شام کو اور سحر کے وقت عادت نہ ہونے کے سبب رغبت سے نہیں کھایا جاتا۔ اس لئے وہ جزو بدن اور بدل ما یتحلل نہیں بنتا۔ پھر جب وقت معتاد آتا ہے عادت کے سبب طبیعت کو اشتیاق ہوتا ہے۔ اور باوجود اشتیاق کے کھانے کو نہیں ملتا اس لئے طبیعت ضعیف ہوجاتی ہے۔ چنانچہ یہ ضعف عشرۂ وسطیٰ میں کمی کے ساتھ اور عشرۂ اخیرہ میں زیادتی کے ساتھ بیّن طور پر محسوس ہوتا ہے۔ البتہ اگر کئی مہینے کے روزے ہوتے تو چندروز میں کھانے کے اوقات معتادہ بدل جاتے، پھر رغبت سے دونوں وقت کھانا کھایا جاتا اور جزو بدن بنتا اور ضعف نہ ہوتا اور قوت شہویہ میں انکسار نہ ہوتا اور اسی راز سے صوم دہر پسند نہیں کیا گیا اور صوم داؤدی میں عادت

قدیمہ نہیں بدلتی۔ اس لئے اس کی اجازت مع بیان الفضیلت دی گئی۔ اور یہی تقریر **الف** میں بھی ہو سکتی ہے۔ کہ اگر اس تفسیر کو متعین بھی مان لیا جاوے تب بھی صوم ہر حالت میں قوت شہویہ کا کاسر ہے۔ وھذا ھو الذی وعدناہ قریباً فی قولنا وسیأتی ایضاً اور **ج** میں یہ کہ احادیث فضل جوع وذم شبع میں یہ احتمال ہے کہ جوع سے مراد جوع اضطراری ہو یعنی اگر میسر نہ ہو تو اس کی فضیلت کو یاد کر کے صبر کرے۔ جیسے نصوص میں بیماری کے فضائل بیان کئے گئے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ عمداً بیمار ہو جایا کرے۔ چنانچہ آیت ولنبلونکم الخ میں جوع کو مصائب میں شمار فرمایا ہے۔ اور سب مصائب مذکورہ آیت غیر اختیاری ہیں تو جوع سے بھی مراد وہی ہوگا جو غیر اختیاری ہو۔ اسی طرح شبع مذموم میں یہ احتمال ہے کہ شبع مفرط یعنی فوق الشبع مراد ہو، چنانچہ ایک حدیث میں اکثر ہم شبعا فرمایا ہے من شبع منہم نہیں فرمایا سو ایسے شبع کو فقہاء نے بھی حرام فرمایا کذا فی الد.رالمختار وردالمحتار کتاب الکراھیۃ یہ تو ذوق اول کے مؤیدات پر کلام تھا، اب ذوق ثانی کے مؤیدات عرض کرتا ہوں **ا** حدیث میں ہے شھر یزاد فیہ رزق المومن کذا فی المشکوۃ عن البیھقی تو کیا یہ امر معقول ہے کہ رزق زائد تو رمضان میں دیا جاوے اور اس سے منتفع ہونے کے لئے شوال کے انتظار کا حکم دیا جاوے **۲** افطار کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قول منقول ہے ذھب الظماء وابتلت العروق وثبت الاجر ان شاء اللّٰہ،رواہ ابوداؤد، ظاہر ہے کہ ذہاب ظماء وابتلال عروق بدون سیراب ہو کر پانی پینے کے نہیں ہو سکتا، اور باوجود اس کے وہ منقص اجر نہیں ہوا، چنانچہ ثبت الاجر اس میں نص ہے اور کھانے اور پانی میں کوئی معقول فرق نہیں کہ ایک سے سیری پسندیدہ ہو اور دوسرے سے ناپسندیدہ ہو **۳** حدیث میں اشباع صائم کی فضیلت اور ثواب وارد ہے (مشکوٰۃ عن البیہقی) اگر شبع ناپسندیدہ ہوتا تو اشباع جو کہ اس کا سبب اور معین ہے وہ بھی ناپسندیدہ ہوتا، لان مقدمۃ الشیئ ملحق بہ نہ کہ موجب اجر ہوتا، ز شبع اور ری (یعنی پیٹ کا بھرنا اور سیرابی) تو مقدمات شہوت سے ہیں اور جماع خود قضاء شہوت ہے اگر شبع اور ری مفوت روح صوم ہے تو جماع بدرجۂ اولیٰ اس کا مفوت ہے، مگر اس کی تقلیل کی کسی نے ترغیب نہیں دی بلکہ اس کی اجازت وسیعہ کو موقع امتنان میں ارشاد فرمایا گیا ہے، فا لاٰن باشروھن وابتغوا ما کتب اللہ لکم اور اس کے ساتھ کلوا واشربوا کو بھی مقرون فرما دیا گیا ہے، اور سب کے لئے غایت فرمائی حتیٰ یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر، **ج**، اگر تقلیل طعام فی رمضان کوئی امر مقصود ہے تو فضائل صوم کے ساتھ اس کی فضیلت اور منکرات صوم کے ساتھ شبع کی مذمت نصوص میں یا مجتہدین کے کلام میں کیوں نہیں وارد ہوئی، کیا اس سے اکملت لکم دینکم میں اشکال نہیں وارد ہوتا، یہ

پانچ مؤیدات ہیں ذوق ثانی کے، جو اس وقت ذہن میں حاضر ہوگئے اگر اہل ذوق اول ان تائیدات میں بھی کوئی خدشہ نکالیں، ہم کو مضر نہیں، کیونکہ احکام مختلفہ فیہا میں جانبین میں گنجائش ہوتی ہے، اس لئے اس کا بھی مطالبہ کیا جاوے گا کہ اہل ذوق اول بھی اہل ذوق ثانی پر طعن و تشنیع اور ان کی تحقیر و تقبیح نہ فرماویں، کیونکہ ذوقیات میں ایسا اختلاف کوئی امر منکر نہیں ہے، چنانچہ قوم میں دعاء و ترک دعاء کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، اور مباشرتِ اسباب و ترکِ اسباب کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، اور بہت مسائل ایسے ہی ہیں، اسی طرح یہ مسئلہ فقہی نہیں جس کا اتنا اہتمام کیا جاوے، چنانچہ فقہاء نے باوجودیکہ مستحبات تک کی تدوین فرمائی مگر اس سے کہیں تعرض نہیں فرمایا، اور اگر فقہی بھی ہوتا تو مختلف فیہ ہونے کی صورت میں پھر بھی یہی حکم ہوتا، اس تقریر سے امید ہے کہ اصل اجزاء مسئول عنہا کا جواب ہوگیا ہوگا، باقی بعض زوائد کے متعلق بھی کچھ مختصر عرض کئے دیتا ہوں،

۱۔ صحابہؓ کے وقت میں اہتمام نہ ہونا حجت نہیں کیونکہ ان کے یہاں ہر چیز میں سادگی تھی اسی عادت کے موافق بھی عمل تھا، نیز جب صحابہؓ کو رمضان کے لئے تکثیر اطعمہ کا اہتمام نہ تھا، اسی طرح رمضان کی خصوصیت سے تقلیل کا بھی اہتمام نہ تھا، پھر اس سے مدعا یعنی حکمت خاصہ کی بناء پر اہتمام جوع بھی کیسے ثابت ہوا۔

۲۔ اور اس کو تقریب بنالینا اگر حدود کے اندر ہو تو کیا حرج ہے، خود حدیث میں ہے کہ رمضان کے لئے جنت کی زینت سال بھر تک ہوتی رہتی ہے، (مشکوٰۃ عن البیہقی) سو اگر اسکی تقلید میں یہاں بھی کچھ اہتمام ہو تو کیا حرج ہے

۳۔ دعوتوں کا ہنگامہ یہ فرد ہے مواسات کی حدیث میں اس کو شہر المواساۃ فرمایا گیا ہے (مشکوٰۃ عن البیہقی)

۴۔ روزہ کشائی کی تقریب بھی ایک فرد ہے فرحت عند الفطر کی اولاد کی توفیق دین فرح کیوں مذموم ہو قرآن مجید میں اس کو قرۃ العین فرمایا گیا ہے،

۵۔ تعطیل مدارس کی راحت اور اعمال رمضان کے لئے کیوں منکر ہے، اور وہ اس کے ساتھ عادۃً جمع نہیں ہوسکتے۔

۶۔ صوفیہ کی طرف سے جواب دینا خود صوفیہ کے مذاق کے خلاف ہے، وہ بیچارے خود ہی اپنے کو سب سے اخس و ارادون سمجھتے ہیں، اپنی نصرت سے خود اس طرح منع کرتے ہیں ۔

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی　　بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

اس احقر کو صوفیہ کے اور اعمال میں تو ان کی تقلید کی توفیق نہیں ہوئی، مگر یہ رسم سن کر جو اب تک نہ سنی تھی ضرور حرص ہوئی کہ واقعی چائے کا دور جاگنے کی اچھی تدبیر ہے، مگر حرص ہی ہو کر رہ گئی، اس لئے کہ پھر نیند سے محرومی ہو جائے گی جس میں اس سے زیادہ حریص ہوں، اور جس طرح تقلیل طعام میں وہ ذوق پسند آیا جس میں شبع بھی ہاتھ آوے اسی طرح تقلیل منام میں وہ مسلک پسند ہے جو مخل نوم نہ ہو، وہ مسلک یہ ہے:-

حدیث: من صلى العشاء فى جماعة فكانما قام نصف الليل ومن صلى الصبح فى جماعة فكانما صلى الليل كله لمالك ومسلم۔

**تفسیر** عن انس تتجافى جنوبهم عن المضاجع قال ما بين المغرب والعشاء وعنه ايضاً نزلت فى انتظار الصلوٰة التى تدعى العتمة وعنه ايضاً فى قوله تعالىٰ كانوا قليلاً من الليل ما يهجعون قال يتيقظون يصلون ما بين هاتين الصلاتين ما بين المغرب والعشاء وعن محمد بن على قال لا ينامون حتىٰ يصلوا العتمة وعن ابى العالية قال لاينامون بين المغرب والعشاء (تفسير ابن جرير) وفى الدر المنثور كانوا لا ينامون الليل كله آهـ فالقليل لا يقابل الكثير بل يقابل الجميع فهو فى معنى البعض (كذا فى بيان القرآن) اثر قال سعيد بن المسيب من شهد العشاء من ليلة القدر فقد اخذ بحظ منها (مؤطا الإمام المالكؒ) قلت وكانه تفسير للمرفوع من حرم خيرها فقد حرم فالذى شهد فى جماعة لم يحرم خيرها۔

اس نوم کی پسندیدگی سے وہ چائے کی حرص بھی جاتی رہی اور اپنے جی کو یوں سمجھا لیا کہ اللہ تعالیٰ ناکاروں کو بھی بخش ہی دیں گے، اس امید مغفرت پر کلام کو ختم کرتا ہوں، اور چونکہ اس کی مقدار معتد بہ ہو گئی اس لئے اس کا لقب بھی بمناسبت مضمون کے تجویز کیے دیتا ہوں، یعنی "كلمة القوم فى حكمة الصوم"

**ضمیمہ** ۔ یہ بھی محتمل ہے کہ امام غزالیؒ کے ارشاد کو اختلاف ذوق پر محمول نہ کیا جائے، بلکہ اپنے زمانہ کے قویٰ کو دیکھ کر بطور مجاہدہ اس طریق کو تجویز فرمایا، اور مجاہدہ زمانہ کے اختلاف سے بدل جاتا ہے۔ اب قویٰ ایسے ضعیف ہیں کہ اتنی تقلیل یقیناً طاعات مقصودہ میں مخل ہو جاوے گی، باقی یہ کہ حضرت امام نے عنوان تاکید سے کیوں فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرات صوفیہ پر بعض حالات کا یا بعض اصلاحات کا غلبہ ہوتا ہے، اس میں اس قسم کا عنوان بے ساختہ صادر ہو جاتا ہے، اور اس مقام پر ایک اور نکتہ قابل سمجھنے کے ہے، گویا قواعد طریقت سے وہ روح ہے مسئلہ کی، وہ یہ کہ مقصود سالک کا حسب تصریح ائمہ تشبہ ہے ملائکہ کے ساتھ، اور یہ تشبہ جس طرح شبع مفرط سے فوت ہوتا ہے

اسی طرح جوع مشوش سے بھی، کیونکہ ملائکہ دونوں سے منزّہ ہیں، اور یہ سب تحقیق اس تقدیر پر ضروری ہے کہ صوم میں حکمت کسر قوت شہوت کو مان لیا جائے ورنہ اگر وہ امر تعبدی ہو جیسا خود روزہ کا عدد کہ اس میں کوئی حکمت معلوم نہیں تو اس تمام تر سوال وجواب ہی کی گنجائش نہیں، اور بعض الفاظ حدیث سے یہ احتمال تعبد کا ظاہر اور قوی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے، من صام رمضان إيمانا واحتسابا رواه الشيخان حيث جعل الباعث عليه الإيمان وطلب الثواب لا شيئاً من الحكمة والمصلحة وهذا هو التعبد والله اعلم۔ ۲۵ رشعبان ۱۳۵۲ھ (النور ص:۹ رشوال ۵۳ھ)

## تطبیق درمیان روایات متعلقہ بہ نیت صوم از شب

سوال (۱۷۶) کتاب بہشتی زیور حصہ سوم میں صفحہ ۳ زیر عنوان:۔

''رمضان شریف کے روزہ کا بیان'' یہ مسئلہ درج ہے،

مسئلہ۔ اگر کچھ کھایا پیا نہ ہو تو دن کو ٹھیک دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے رمضان کے روزہ کی نیت کر لینا درست ہے'' خاکسار نے رمضان شریف کے پہلے اس مسئلہ کو دیکھا تھا اور اسی کے موافق سفر میں چند روزے رکھے، بعض دفعہ خیال ہوا کہ اگر دس گیارہ بجے تک سفر میں زیادہ تکان یا تکلیف محسوس نہ ہوئی، تو روزہ رکھ لوں گا ورنہ نہیں رکھوں گا، چنانچہ چند روزوں کی نیت دس بجے دن کے وقت کی، اس وقت میں کتاب تیسیر الوصول الی جامع الاصول مترجم اردو کو چوتھا حصہ دیکھ رہا ہوں، اس میں صفحہ ۵ پر روزے کی نیت کے بیان میں یہ احادیث درج ہیں عن حفصة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من لم يجمع الصيام قبل الفجر فلا صيام له اخرجه اصحاب السنن،وعن عائشة وحفصة رضى الله عنهما انهما قالتا لا يصوم الامن اجمع الصيام قبل الفجر اخرجه مالك ونسائي، ان کا ترجمہ یہ لکھا ہے کہ جس نے قبل فجر کے روزے کی نیت نہیں کی اس کا روزہ نہیں، حضور براہ مہربانی جلد فرمائیں کہ اس کتاب میں یہ احادیث درج ہیں یہ صحیح ہیں یا نہیں؟ اور اگر صحیح ہیں تو پہلے مسئلہ سے ان کی تطبیق کیا ہے اور خاکسار نے جو روزے ایسے رکھے جن کی نیت دس بجے کے قریب کی وہ ہو گئے یا نہیں۔؟

الجواب۔ روى مسلم عن عائشة قالت دخل النبى صلى الله عليه وسلم ذات يوم فقال هل عندكم شيئ فقلت يا رسول الله ما عندنا شيئ فقال فانى صائم الحديث وروى الشيخان وغيرهما ان النبى صلى الله عليه وسلم بعث رجلا ينادى فى الناس يوم عاشوراء ان من اكل فليصم (اى ليمسك) بقية يومه ومن لم ياكل فلا ياكل

(التعلیق الممجد) پہلی حدیث سے نفل کی نیت دن میں اور دوسری حدیث سے فرض روزہ کی نیت دن میں معلوم ہوتی ہے کیونکہ اولاً روزہ عاشورہ کا فرض تھا به ورد کثیر من الاخبار کما اخرج الطحاوی عن الربیع وعائشة وعن جابر وعن قیس وفی الباب اخبار اخر مخرجة فی السنن والصحاح (التعلیق الممجد) اور رمضان بوجہ موقت ہونے کے مشابہ روز عاشورہ کے ہے جو اول فرض تھا، پس نفل اور موقت فرض میں دن کو بھی نیت جائز ٹھہری، پس لا محالہ تطبیق بین الاحادیث کے لئے احادیث مذکورۂ سوال محمول ہوں گی ان صیام کے غیر پر جیسے قضاء وکفارہ ونذر مثلاً، آپ کے روزے بلا شبہ صحیح ہوگئے۔ ۲۵؍رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۱۶۷)

## جیسا دس برس کے بچوں کو مار کر نماز پڑھانے کا حکم ہے کیا روزہ کا بھی یہی حکم ہے

سوال (۱۷۷) بہشتی زیور مسئلہ نمبر ۱۲ جب لڑکا یا لڑکی روزہ رکھنے کے لائق ہو جاویں تو ان کو بھی روزہ کا حکم کرے، اور جب دس برس کی عمر ہو جاوے تو مار کر روزہ رکھاوے، اگر سارے روزے نہ رکھ سکے تو جتنے رکھ سکے رکھاوے، (بہشتی زیور حصہ ص:۲۳ مجتبائی دہلی، مسئلہ نمبر ۱۴ فتاویٰ رشیدیہ) جب کہ بچوں کے ساتھ نماز کا حکم بعمر سات برس کے سکھلانے کا ہے، اور دس برس کے بعد مارنے کا تو کیا روزہ کی نسبت بھی یہی حکم ہے؟

الجواب۔ روزہ کی نسبت یہ حکم نہیں، فقط، (ص ۱۳۴ فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم قاسمی، دیوبند) بظاہر دونوں کتابوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے، واضح فرمایا جاوے۔

الجواب۔ فی الدرالمختار اول کتاب الصلوٰة بعد ذکر حدیث مروااولادکم بالصلوٰة وهم ابناء سبع واضربوهم علیها وهم ابناء عشر ما نصه والصوم کالصلوٰة علی الصحیح کما فی صوم قهستانی معزیا للزاهدی اهـ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس میں دو قول ہیں، پس ایک کتاب میں ایک قول کو لے لیا گیا، دوسری کتاب میں دوسرے قول کو لے لیا گیا، پس کچھ اشکال نہیں، واللہ اعلم۔

۲؍ذیقعدہ ۵۴ھ (النور ص:۲۰ ذیقعدہ ۵۵ھ)

## ذکر بعض مسائل متعلقہ بشہادتِ ہلال رمضان وغیرہ

سوال (۱۷۸) ہلال رمضان کی شہادت بقاعدۂ شرعیہ باہر سے غیر قاضی کے پاس آوے اور قاضی اس کو تسلیم نہ کرے تو اس شخص کے لئے ۳۰؍رمضان کے صوم کا کیا حکم ہے جب کہ قاضی اور عام اہل شہر کے نزدیک وہ ۲۹؍تاریخ ہے، اور ابر کی وجہ سے رویت نہ ہو، جیسا کہ امسال ہوا، اور آیا اس پر ضروری ہے کہ عام اہل اسلام کو اس شہادت معتبرہ کا اور اس کی بناء پر ایک روزے کی قضاء کا

اعلام کرے یا عرفی قاضی پر چھوڑ دے، کہ مرجع عوام شہر وہی سمجھا جاتا ہے، اور اسی پر اعلان اور عدم اعلان کا بار ہے، بہر حال قاضی عرفی کے اختلاف پر یہ شخص اپنے اذعان اور شہادت معتبرہ مامون من التزویر میں کن کن باتوں کا مامور ہے۔؟

الجواب۔ ظاہراً قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کے ساتھ اختلاف نہ کرے نہ عملاً نہ اعلاناً یا اعمالاً، تعذر کے وقت اس باب خاص میں وہ قائم مقام قاضی شرعی کے ہے، البتہ جب قاضی کی خطاء اس کو متیقن ہو جائے تو خاص لوگوں کو حقیقت کی اطلاع ایسے طور سے کر دے کہ تشویش وفتنہ نہ ہو۔

۵ رشوال ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص:۵۵)

# باب ما يفسد به الصَّوم او يكره وما يوجب القضاء والكفارة

{بیان ان چیزوں کا جن سے روزہ فاسد یا مکروہ ہوتا ہے اور قضاء یا کفارہ لازم آتا ہے}

## تحقیق مفطر شدن حقہ

سوال (۱۷۹) حقہ مفطر صوم ہے یا نہیں، اگر ہے تو کن وجوہ سے، اور روزہ حقہ سے افطار کیا جا سکتا ہے یا نہیں روزہ میں کوئی نقص تو نہیں آوے گا۔؟

الجواب۔ في الدرالمختار ولوادخل حلقه الدخان افطراى دخان كان الى قوله فليتنبه له في ردالمحتار وبه علم حكم شرب الدخان ونظمه شرنبلالي في شرحه على الوهبانية بقوله ؎

ويمنع من بيع الدخان وشربه وشاربه في الصوم لا شك يفطر

ويلزم التكفير لوظن نافعا كذا دافعا شهوات بطن فقرروا۔

اس روایت میں تصریح ہے کہ حقہ پینا مفسد صوم ہے، اور موجب کفارہ[1]، رہا خود اس سے افطار کرنا جو شخص بعذر پیتا ہے اس کے لئے مکروہ نہیں، اور جو محض شوقاً وشغلاً پیتا ہے اس کے لئے مکروہ ہے،

۱۰ ررمضان ۱۳۲۲ھ (امداد جلد ۱ ص:۱۷۳)

## وجوب قضاء صوم بانزال کہ بقُبلہ ولمس شود

سوال (۱۸۰) ایک شخص نے نیت روزہ رمضان کی کی، اور علی الصبح اتفاقیہ طور پر زوجہ سے

---

(۱) افطار کو نفس شرب پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ نفس شرب کا حکم ضرورت وعدم ضرورت سے مختلف ہو سکتا ہے، مگر افطار میں کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے افطار میں مطلقاً کراہت ہونی چاہئے، الا اذا لم يكن هناك مفطر ما آخر ۱۲ تصحيح الاغلاط، ص:۳۱

اختلاط کیا، حالت اختلاط میں بحالت بے اختیاری انزال ہوگیا، اسی وقت اس نے غسل کیا، اور نماز صبح با جماعت ادا کی، اور تمام دن روزے سے رہا، ایسی حالت میں اس شخص کو قضاء اور کفارہ دونوں دینا چاہئے، یا صرف قضاء کرے یا قضاء کفارہ دونوں معاف ہیں کیا صبح صادق سے طلوع آفتاب تک وہی احکام ہوں گے جو بعد طلوع یا غروب کے ہیں۔

الجواب۔فی الهداية ولو انزل بقبلة او لمس فعليه القضاء دون الكفارة اس سے ثابت ہوا کہ بوس وکنار سے انزال ہو جاوے، تو اس روزے کی قضاء لازم آوے گی کفارہ نہ ہوگا، لیکن اس دن بھی کھانا پینا دن بھر جائز نہ ہوگا، اور یہ جواب اس صورت میں ہے کہ سوال میں اختلاط سے مراد بوس وکنار ہو اور اگر مراد صحبت وجماع ہے تو دوسرا جواب ہے کہ قضاء وکفارہ دونوں لازم ہیں جیسا کہ ظاہر ہے، اور طلوع صبح صادق کے بعد کے وقت کا وہی حکم ہے، جو طلوع آفتاب کے بعد کا حکم ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۱ر رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ (امداد ج:۱ ص:۱۷۶)

## حکم انزال در صوم بدوانیدن اسپ

سوال (۱۸۱) ایک شخص کو بعض اوقات یہ بات پیش آتی ہے کہ جس وقت گھوڑے پر سوار ہو کر اس کو دوڑاتا ہے تو شرمگاہ حرکت کر کے منی کود کر خارج ہوتی ہے، حسب اتفاق ایک روز ماہ رمضان میں روزہ میں گھوڑے پر سوار ہو کر ایک جگہ جاتا تھا یہی واقعہ پیش آیا، اس بارہ میں جو حکم شرع شریف ہو مطلع فرمایئے گا، کیا کفارہ ہوگا یا قضاء؟

الجواب۔ اس[1] پر نہ قضاء ہے نہ کفارہ، بلکہ روزہ صحیح اور باقی ہے۔في الدر المختار او احتلم او انزل بنظر او بفكر اهـ قلت وهذا المسئول عنه دونه كما هو ظاهر والله اعلم وايضاً في الدر المختار او مس فرج بهيمة او قبلها فانزل الىٰ قوله لم يفطر اهـ قلت وهذا المسئول عنه دونه ايضاً۔ ۱۸ر رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد ج:۱ ص:۱۷۸)

سوال (۱۸۲) شرم گاہ سے بوقت سواری اسپ حرکت کر کے منی نکلے، روزہ جاتا رہا یا نہیں۔؟

الجواب۔نہ۔

**تسامح**۔ در لفظ قلت وہذا المسئول دونہ۔

**اصلاح تسامح**۔ از تجربہ معلوم ست کہ بوقت سواری فرج بسرج سودہ میشود بسبب حرکت اسپ از مزاج رقیق منی بدفق وشہوت ولذت بیروں می آید اغلب کہ مراد سائل ہمیں طور ست پس ازیں

---

(۱) احتیاطاً قضاء رکھ دینا چاہئے، اس جواب پر بھی بعض علماء نے کلام کیا ہے، جو ملحقات تتمہ اولیٰ ص:۳۲۶ کے حوالہ سے اس کے بعد سوال نمبر ۱۶۷ میں درج ہے اور تصحیح الاغلاط ص:۳۱ میں اس پر کلام کر کے احتیاطاً قضاء کرنے کا حکم لکھا ہے ۱۲ محمد شفیع۔

قاعدہ وعبارت رد المحتار روزہ آں شکستہ معلوم میشود قضاء ست کفارہ نیست، قولہ

(او مس فرج بهيمة او قبلها فانزل) وكذا لايفسد صومه بدون إنزال بالاولىٰ ونقل في البحر وكذا الزيلعي وغيره الإجماع على عدم الإفساد مع الإنزال واستشكله في الإمداد بمسئلة الاستمناء بالكف قلت والفرق ان هناك إنزالاً مع مباشرة بالفرج وهنا بدونها وعلىٰ هذا فالاصل ان الجماع، المفسد للصوم هو الجماع صورة وهو ظاهراً معنى فقط وهو الإنزال عن مباشرة بفرجه لا في فرج او في فرج غير مشتهى عادة او عن مباشرة بغير فرجه في محل مشتهى عادة ففي الانزال بالكف او بتفخيذ او بتبطين وجدت المباشرة بفرجه لا في فرج وكذا الإنزال بعمل المرأتين فانها مباشرة فرج بفرج لا في فرج وفي الإنزال بوطى ميتة او بهيمة وجدت المباشرة بفرجه في فرج غير مشتهى عادة وفي غير مشتهى عادة وفي إنزال بمس آدمي او تقبيله وجدت المباشرة بغير فرجه في محل مشتهى اما الإنزال بمس او تقبيل بهيمة فانه لم يوجد فيه شيئ من معنى الجماع فصار كالإنزال بنظر او فكر فلذا لم يفسد الصوم اجماعاً هذا ما ظهر لي من فيض الفتاح العليم ۱۲

ردالمحتار ص ۱۶۱ جلد ۲، ظاہرست کہ در ما نحن فیہ مباشرت فرج لا فی فرج ثابت ست مانند استمناء بالکف او بالتفخیذ او بالتبطین چرا کہ فرج بسرج مباشر شدہ بعدہ انزال شد روزہ فاسد بخلاف انزال بمس فرج بہیمہ وتقبیل آں، وانزال بسبب نظر وفکر کہ دراں فرج مباشر نیست پس ما نحن فیہ فوق شدنہ دون آں ،فتدبر، فانہ دقیق والنصف فان الانصاف خیر الاوصاف چونکہ خاص جزئی دستیاب نشد جناب مجیب مدظلہ وقدس سرہٗ دریں جواب نظر ثانی بامعان فرمایند کہ بندہ را روایۃ ذیل رد المحتار در خوف وخشیت انداختہ ست کہ براندام لرزہ افتادہ است چہ امکان ست کہ امثال ما قیاس مسئلہ بر فتویٰ دہند واللہ تعالیٰ ہو المصوب والعاصم، القاضي اذا قاس مسئلة على مسئلة و حكم ثم ظهرر واية بخلافه فالخصومة للمدعى عليه يوم القيامة مع القاضي والمدعي (الىٰ ان قال) لان احدا ليس من اهل الاجتهاد في زماننا وبعض اذكياء خوارزم قاس المفتي على القاضي (إلى ان قال)والكلام في الخصومة في الآخرة ولا شك ان كلا من المباشر والمتسبب ظالم آثم وللمظلوم الخصومة معهما ۱۲ رد المحتار جلد:۳ ص:۵۳، (تتمۂ اولیٰ ص:۳۳۶)

## حکم ادخال صائم چیزے را در گوش وبینی

سوال (۱۸۳) اے علماء دین ومفتیان شرع متین صائم رمضان کو سوراخ بینی وگوش یا آنکھ

میں کوئی شے مائع مثلاً تیل یا عرق یا پانی وغیرہ کے یا کوئی چیز خشک مثل سفوف وغیرہ دواءً ڈالنا اور سر میں تقویت دماغ کے لئے تیل یا کوئی عرق یا پانی ڈالنا اور پانی کے اندر حدث کرنا اور غوطہ لگانا اور غرارہ کرنا اور سر پر یا اور کہیں ضماد لگانا اور زخم عمیق میں سر پر یا پیٹ میں یا اور کہیں مرہم یا عرق یا تیل وغیرہ دواءً ڈالنا جائز ہے یا نہیں، اور بر تقدیر عدم جواز کے اگر کوئی صائم باوجود علم عدم جواز کے عمداً یا خطاءً یا بلاعلم عدم جواز کے عمداً یا خطاءً ان امور میں سے کسی امر کا مرتکب ہو تو اس پر کس صورت میں کفارہ کس صورت میں قضاء اور کس صورت میں نہ کفارہ ہے نہ قضاء،

الجواب۔ سوراخ بینی وگوش میں دوائی تر ڈالنا مفسد صوم ہے، اور کفارہ واجب نہیں، ومن احتقن او استعط او اقطر فی اذنه افطر ولا كفارة عليه (هدايه) اور خشک میں اگر وصول یقینی ہو تو مفسد ہے والا لا کما بحثه الشامی اور آنکھ میں کوئی دواء ڈالنا اور سر میں لگانا مفسد نہیں، ولا بأس بالكحل ودهن الشارب (هدايه) اور پانی پہنچانا مواضع مذکورہ میں علی الاصح مفسد نہیں، ولو اقطر فی اذنه الماء او ادخله لا يفسد صومه (هدايه) اور پانی میں حدث کرنے اور غوطہ لگانے سے کچھ نہیں ہوتا، البتہ اگر پانی اندر پہونچ گیا تو فاسد ہو جائے گا، ولو بالغ فی الاستنجاء حتیٰ بلغ موضع الحقنة فسد وهذا فلما يكون ولو كان فيورث داء عظيما (در مختار) اور کفارہ لازم نہ آئے گا، کما فی مسئلة الاحتقان فی الهدایه، علی هذا القیاس غرغرہ کرنے میں اگر پانی حلق سے اتر گیا تو فاسد ہوگا، والا لا، اور سر وغیرہ پر ضماد کرنا جائز ہے قیاساً علی العین ودہن الشارب اور اگر زخم سر وشکم اس قدر عمیق ہے کہ ام الدماغ یا جوف تک پہنچا ہو تو اس میں دواء ڈالنے سے روزہ جاتا رہے گا، بشرطیکہ[1] وہ جوف یا دماغ میں پہونچ گئی ہو ولو داوی جائفة او آمة فوصل الیٰ جوفه او دماغه افطر (ہدایہ) اور چونکہ دوائی تر میں ظاہر وصول ہے اس لئے اس میں افطار کا مطلقاً حکم دیا جاوے۔ الا ان یعلم عدم وصوله الی الجوف والدماغ، اور خشک کا حکم بالعکس ہوگا، اور باقی زخموں میں دواء ڈالنا مفسد نہیں خشک میں تفصیل مذکور ہے، اور صور مذکورہ میں سے جن میں روزہ فاسد نہیں ہوا ان میں نہ قضاء ہے نہ کفارہ اور جن میں فاسد ہو گیا ہے ان میں قضاء ہے کفارہ نہیں اگر عمداً ہو خواہ علم مسئلہ کا ہو یا نہ ہو، لان الجهل لا يعتبر فی ضروريات الدين اور اگر ناسیاً ہو تو روزہ باقی رہتا ہے، کیونکہ جب اکل وشرب جو اکمل مفطرات اور موجب کفارہ ہیں وقت نسیان مفسد نہیں تو غیر اس کا بدرجۂ اولیٰ وقت نسیان مفسد نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔ ۲۰ شوال ۱۳۱۰ھ (امداد جلد:۱،ص:۱۷۹)

## کان میں قصداً پانی ڈالنا مفطر صوم ہے یا نہیں

سوال (۱۸۴) شرح وقایہ کی کتاب الصوم باب مایوجب الإفساد میں لکھا ہے، او صب فی

(۱) یہ تغیر تصحیح الاغلاط ص:۱۳ سے کی گئی ہے ۱۲۔

احلیلة دھن او فی اذنه ماء'' الیٰ قوله لم یفطر، اور مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی فرنگی محل نور اللہ مرقدہٗ نے اس عبارت کی توجیہ یہ لکھی ہے، اما فی صب الدھن فی الاحلیل فلانه لیس بین المثانة وبین الجوف منفذ یصل به الیه حتیٰ یوجد المفطر، وفی صب الماء فی الاذن لانه لیس فیه صلاح البدن بخلاف الدھن، میں نے عبارت مذکورہ کے مطالعہ سے یہ سمجھا تھا کہ صائم اگر قصداً کان کے اندر پانی ڈالے تو روزہ باطل نہ ہوگا، پس دل کی تسلی کے لئے گزشتہ خط میں آپ سے عرض کیا تھا کہ روزہ دار اگر اپنے کان کے اندر پانی ڈالے تو روزہ باطل ہوگا یا نہ، آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ قصداً ڈالنے سے روزہ باطل ہوگا، اب عرض کرتا ہوں کہ میری سمجھ غلط ہے، نہ آپ کی اور معتبر مفتیٰ بہ قول سے فرماتے ہیں بتلا دیجئے۔

الجواب۔ اصل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے تصحیح دونوں جانب ہے شاید میں نے احتیاط پر عمل اولیٰ سمجھ کر لکھ دیا ہوگا، بہر حال دونوں طرف گنجائش ہے۔ ہدایہ و تبیین ومحیط وولوالجیہ میں عدم فساد کو ترجیح دی ہے اور خانیہ و بزازیہ و فتح و برہان میں فساد کو ترجیح دی ہے کذا فی ردالمحتار باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہٗ۔　۸ رجمادی الاخریٰ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص:۶۳)

## حکم جماع کردن صائم بوقت فجر بظن شب

سوال (۱۸۵) ایک شخص کی جاڑے کے رمضان میں شب کو بہ نیت صوم حجرہ کے اندر اپنی زوجہ کے پاس آنکھ کھلی، تو بخیال شب جماع کیا، باہر آن کر دیکھا تو صبح ہوگئی تھی، پس ان دونوں نے اس خیال سے کہ روزہ صحیح نہیں ہوا پانی پی لیا، اس صورت میں ان دونوں پر کفارہ ہے یا صرف قضاء اور اسی صورت میں اگر وہ دونوں پانی نہ پیتے تو ان پر کفارہ تھا یا صرف قضاء یا روزہ صحیح ہو جاتا۔

الجواب۔ جب بظن شب جماع کیا اور بعد میں صبح طالع دیکھی یہ روزہ صحیح نہیں ہوا، لیکن تمام دن کھانا پینا نہ چاہئے، اور کفارہ لازم نہ آوے گا، واذا تسحر وھو یظن ان الفجر لم یطلع فاذا ھو قد طلع امسک بقیة یومه ولا کفارة علیه (ھدایه) فی الدرالمختار فی موجبات القضاء او جامع علی ظن عدم الفجر، اور اگر دن میں پانی پی لیا، تارک تعظیم رمضان کا ہوا کفارہ لازم نہیں قضاء ہر صورت میں لازم ہے پانی خواہ پیا یا نہ پیا۔ واللہ اعلم ۱۳۰۲ھ (امداد، ج:۱ ص:۱۸۰)

## حکم فرو بردن آب در حلق بخطاء

سوال (۱۸۶) اگر کوئی صائم رمضان دریا میں تیر رہا ہے، اور دھوکے سے بلا اختیار باوجود یاد روزہ کے یہ شخص کئی بار پانی پی گیا تو اس پر کفارہ ہے یا صرف قضاء،

الجواب۔ باوجود یاد ہونے روزہ کے بلا قصد جب پانی پی گیا تو یہ شخص محض مخطی ہے، اس پر قضاء ہے **ولو کان مخطیا او مکرھا فعلیه القضاء (ھدایه) فی موجبات القضاء من الدر المختار وان افطر خطاء بان تمضمض فسبقه الماء** واللہ اعلم (امداد ج:۱ص:۱۸۰)

## حکم رفتن آب در بینی بحالت استنشاق

سوال (۱۸۷) اگر کسی صائم رمضان کی ناک کی طرف سے حالت استنشاق میں باوجود یاد صوم کے خطاءً یا عمداً دماغ تک پانی پہنچ گیا، یا دماغ تک نہ پہنچا، مگر اتنی دور تک کہ اس کو بہت تکلیف ہوئی تو اس پر کس صورت میں کفارہ ہے، کس صورت میں قضاء اور کس صورت میں نہ کفارہ نہ قضاء۔

الجواب۔ ناک کی راہ سے پانی پہنچانے سے بروایت متون روزہ نہیں جاتا، **قیاساً علی ادخاله الاذن** واللہ اعلم۔ ۱۳۲۰ھ (امداد ج:۱ص:۱۸۱)

# تتمۂ مسئلہ مذکورہ

## از ملحقات تتمۂ اولیٰ امداد الفتاویٰ

**اطلاع نمبر ۳**[1] فتاویٰ امدادیہ مطبوعہ مجتبائی جلد اول صفحہ ۱۸۱ میں جو مسئلہ مذکور ہے کہ ناک کی راہ سے دماغ میں پانی پہنچانے سے روزہ نہیں جاتا آہ اس مسئلہ میں بعض وجوہ سے تردد ہو گیا، یعنی اگر ناک سے حلق میں پانی چلا آیا، تب تو روزہ فاسد ہو ہی جاوے گا، اس میں تردد نہیں صرف دماغ تک پہنچنے کی صورت میں تردد ہے، تحقیق کرلیں، بعض علماء نے شرح المجمع سے یہ عبارت نقل کر کے اطلاع دی ہے **لو استنشق فوصل الماء الی دماغه افطر** ۱۲ شرنبلالی حاشیہ درر المکارم نمبر ۲۰۳ ناظرین اس کی بھی تحقیق علماء سے کرلیں، اشرف علی۔

**ف**۔ اور انہی عالم نے یہ بھی لکھا ہے کہ در بعض مسائل فتاویٰ امدادیہ تسامح واقع ست، اگر جناب اجازت دہند بحضور فرستادہ آیند بعدہٗ بطور الحاق طبع کنانند تا کہ عوام در غلطی نہ افتند آہ میں نے اس کی اجازت ممنونیت کے ساتھ لکھ دی ہے، اگر میرے پاس اس کی فہرست آ گئی ان شاء اللہ کسی موقع پر اس کی اشاعت کر دوں گا، ورنہ ناظرین کی سہولت کے لئے میں ان کا پتہ لکھے دیتا ہوں، تا کہ ان سے بطور خود تحقیق کرلیں اور بہتر یہ ہے کہ ان سے ان مقامات کا پتہ دریافت کر کے ایسے علماء سے

---

(۱) امداد الفتاویٰ طبع سابق میں اس جگہ چند اطلاعات مختلف ابواب کے متعلق لکھی ہیں اس باب کے متعلق نمبر ۳ کی اطلاع تھی وہ یہاں نقل کی گئی ۱۲ محمد شفیع

بھی اطمینان کرلیں جن پر پہلے سے اطمینان ہے، پتہ ان کا یہ ہے۔ مولوی محمد بخش صاحب ڈاکخانہ شہر چوٹی ضلع ڈیرہ غازی خاں، ملک پنجاب، وجہ اس مشورۂ اخیرہ کی یہ ہے کہ مجھ کو ان سے نیاز حاصل نہیں، اور نہ کافی حالات معلوم ہیں۔ اشرف علی (تتمۂ اولیٰ ص:۳۲۸)

## تکملہ مضمون ف مندرجہ اطلاع نمبر ۳

اس فؔ کے تحت میں جس فہرست کا ذکر ہے، پھر وہ میرے پاس دوبارہ کرکے آ گئی، ایک ۳۰؍ ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ کی لکھی ہوئی [1] یہاں اس کو بعینہٖ نقل کیئے دیتا ہوں جن صاحبوں کو اطمینان ہوجاوے فبہا ورنہ اطمینان کی جگہ سے تحقیق فرمالیں [2]۔ اشرف علی، ۵؍رجب ۱۳۳۲ھ (ملحقات تتمۂ اولیٰ ص:۳۳۰)

### حکم یافتن برگ تنبول در دہن بوقت صبح

سوال (۱۸۸) بہت سے لوگ شب رمضان میں شب کو بہ نیت صوم پان کھا کر لیٹ گئے، اتفاق سے سب کو نیند آ گئی، سب کے سب بدون کلی غرارہ کئے ہوئے پان منہ میں لئے ہوئے سو گئے، صبح کو جاگے تو کسی کے منہ میں کل پان اور کسی کے چنے سے زیادہ اور کسی کے منہ میں بقدر چنے کے اور کسی کے منہ میں بقدر ماش کے اور کسی کے منہ میں صرف ایک دو پتی باقی ہے اور کسی کے منہ میں کچھ بھی نہیں، لیکن شب کو کلی غرارہ نہیں کیا تھا تو اس صورت میں کس کس کا روزہ صحیح ہوگا اور کس کس پر قضاء واجب ہے اور جس کا روزہ صحیح نہیں ہوگا اس نے اگر افطار کرڈالا تو اس پر کفارہ واجب ہوگا اور جس کا روزہ صحیح ہوگا اگر اس نے لاعلمی سے افطار کرڈالا تو اس پر کفارہ یا قضاء۔؟

الجواب۔ اگر سوتے وقت پان منہ میں لے کر سوئے اور صبح تک منہ میں رہا، روزہ جاتا رہے گا جس صورت میں پان منہ میں نہ پایا تو ظاہر ہے کہ نگل گیا، اور یہی کہا جاوے گا کہ بعد صبح کے نگلا ہے، **لان الحادث یضاف الی اقرب الاوقات علی ما فی قواعد الفقه**، اور اگر پان سالم بھی پایا تب بھی غالب ہے، کہ اس کا عرق ضرور حلق میں گیا ہوگا، دلیل اس کی یہ ہے کہ حکماء واطباء اصل السوس وغیرہ منہ میں ڈال کر سونے کو بتلاتے ہیں، اگر عرق نہیں پہونچتا تو اس سے کیا نفع جب وصول ثابت ہوگیا تو حالاتِ نوم میں افطار کرنے سے قضاء لازم آتی ہے اوشرب نائماً درمختار فی موجبات القضاء اور اگر سونے سے پہلے پان تھوک دیا اور غرغرہ نہیں کیا تو اگر منہ میں بقدر نخود یا زیادہ تھا اور

---

(۱) پھر تیسری فہرست ۱۸؍رجب ۱۳۳۲ھ کی لکھی ہوئی پہونچی ۱۲

(۲) یہ فہرست مسائل اس جلد دوم کے آخر میں طبع کردی گئی ہے اس کو دیکھ لیا جاوے ۱۲ محمد شفیع۔

سونے میں نگل گیا موجب قضاء ہے، اور جو اس سے قلیل ہو مفسد نہیں ولو اکل لحماً بین اسنانه فان کان قلیلاً لم یفطر وان کان کثیرا یفطر والفاصل مقدار الحمص وما دونها قلیل ھدایه اور افطار صحیح الصوم وفاسد الصوم کا گزر چکا، فتذکر، البتہ باوجود صحت صوم کے افطار کرڈالا، تو کفارہ و قضا دونوں لازم ہیں، لان ظنه لیس بمستند الی دلیل شرعی واللہ اعلم۔ ۲۰؍۱۳۲۸ھ (امداد جلد ا ص ۱۸۱)

## حکم بقائے سرخی تنبول در دہن

سوال (۱۸۹) ایک مولوی صاحب نے یہاں یہ مسئلہ بیان کیا ہے جس سے عوام کو مشکل پڑ گئی وہ یہ کہ مولوی صاحب نے فرمایا ہے جس طرح ریشم کا تاگا بانٹنے والے کے ریشم منہ میں جانے سے اس کا رنگ تھوک میں آجاتا ہے اگر حالت روزہ میں اس تھوک کو نگل جائے گا تو روزہ جاتا رہے گا، ایسے ہی پان کھانے والوں کا چونکہ باوجود منہ صاف کر لینے کے پھر بھی سرخی پان کی تھوک میں صبح آتی رہتی ہے، تو جو شخص پان کھانے والا تھوک کو باوجود صاف کر لینے منہ کے نگل جاوے گا روزہ نہیں ہو گا، سو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس پان کا قیاس ریشم کے مسئلہ پر کرنا صحیح ہے یا نہیں، اگر صحیح ہے تو تمام عمر کے روزوں کا اعادہ سحری کے کھانے والوں پر لازم ہوگا یا نہیں، اگر یہ ہوگا تو جو لوگ تمبا کو کھانے کے عادی بوجہ امراض کے ہیں ان کو سخت تکلیف ہوگی، روزہ صحیح ہونے کی کوئی صورت ہو، باوجود تھوک نگل جانے کے تو تحریر فرمایا جاوے۔

الجواب۔ تاگا بٹنے والے کا مسئلہ تو مقید ہے حالت صوم کے ساتھ یعنی اس نے روزہ کی حالت میں ایسا تاگا منہ میں ترکر کے باٹا، اور ریق میں اس کا رنگ آگیا، اور اس کو کوئی نگل گیا، اور یہاں پان حالتِ روزہ میں نہیں کھایا جاتا، پہلا کھایا ہوا ہوتا ہے، جس کا اثر خود روزہ میں بھی باوجود سعی ازالہ کے رہتا ہے، جو اختیار سے خارج ہے، اور ایسے غیر اختیاری آثار مفسد صوم نہیں، خود حالت صوم میں دخول غبار یا ذباب یا دخان فی الحلق کو اسی بناء پر عذر کہا ہے، لعدم امکان التجرز عنه اسی طرح کہا گیا ہے اوبقی بلل فیه بعد المضمضة وابتلعه مع الریق کطعم ادویة ومص اھلیلج الخ کذا فی الدر المختار۔ ۷؍رجب ۱۳۳۶ھ تتمہ خامسہ ص: ۶۳)

## حکم فسخ نیت صوم در شب

سوال (۱۹۰) کسی نے شب رمضان میں صوم رمضان کی نیت کی یا غیر رمضان میں شب کو یا دن کو صوم نفل کی نیت کی، اب وہ شب کو یا دن کو بعذر یا بلا عذر نیت فسخ کر سکتا ہے یا نہیں اور اگر نیت صوم کو شب کو یا دن کو بعذر یا بلا عذر فسخ کر کے افطار کر لیا، تو اس پر کفارہ ہے یا صرف قضاء۔

الجواب۔ فسخ نیت رات کو ممکن ہے کہ افطار کا عزم کر لے، اور دن کو جب روزہ شروع ہوگیا اب فسخ لغو ہے، ولا يبطل بالمشية (ای قوله ان شاء الله) بل بالرجوع عنها بان يعزم ليلاً على الفطر ونية الصائم الفطر لغو (درمختار) پس صوم رمضان میں اگر شب کو نیت کر کے فسخ کر دی اور دن کو افطار کیا تو صرف قضاء لازم آوے گی ومن اصبح غير ناو للصوم فاكل لا كفارة عليه، اور اگر دن کو فسخ کر کے افطار کیا تو کفارہ لازم آوے گا، لما مر من ان نية الصائم الفطر لغو، اور اگر غیر رمضان میں شب کو نیت فسخ کر دی تو نہ قضاء ہے نہ کفارہ۔ لما مر انها تبطل بالرجوع ليلا اور دن کو فسخ کیا تو قضاء لازم آوے گی اور صوم معین میں بلا عذر فسخ جائز نہیں، اور غیر معین الوقت میں جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ ۲۰ ۱۳۲۰ھ (امداد ج:۱ص:۱۸۲)

## حکم افطار غیر ناوی صوم

سوال (۱۹۱) جس شخص نے شب کو نہ نیت صوم کی کی، نہ عدم صوم کی، تو دن کو اسے کھانا پینا جائز ہے یا نہیں، اور اگر کچھ نہ کھایا پیا تو اس کا روزہ صحیح ہوگا یا نہیں، اور اگر افطار کرلیا تو اس پر قضاء ہے یا کفارہ؟

الجواب۔ اگر صائم رمضان نے قبل زوال تک نیت نہ کی تو روزہ اس کا صحیح نہیں ہوا، اگر چہ دن کو بھوکا پیاسا رہا لیکن کھانا پینا بوجہ حرمت وقت کے جائز نہیں، اور اگر کھالیا تو صرف قضاء لازم آوے گی، لما مر ان من اصبح غير ناو الخ واللہ اعلم۔ ۲۰ ۱۳۲۰ھ (امداد ج:۱ص:۱۸۲)

## حکم دادن کفارۂ نماز میت بہ بنی ہاشم

سوال (۱۹۲) فوت شدہ نمازوں کے کفارہ کے مصرف میں ایک شبہ پیدا ہوا ہے کہ اگر مرحومہ وصیت کر جاتی تب تو ثلث مال سے اس کا نکالنا واجب ہوتا اور یہ کفارہ صدقہ واجبہ میں شمار ہو کر مثل زکوٰۃ وعشر وصدقہ فطر وکفارۂ صوم ہاشمیوں کو نہ دینا چاہئے تھا۔ لیکن جب کہ وصیت نہ تھی تو یہ فعل تبرع ہوا اور یہ صدقہ نافلہ ہوا لہٰذا مثل دیگر صدقات نافلہ کے ہاشمیوں کو دینا جائز ہونا چاہئے۔ میں نے اس مسئلہ کو تلاش کیا کہیں نہیں ملا، بہشتی زیور کی عبارت سے کہ "اگر کفارہ نکالیں تو اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرمالیں" اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ کفارہ تبرع ہے۔

الجواب۔ بالکل تبرع ہے اور اس کا مقتضا ظاہراً بیشک یہی ہے کہ بنی ہاشم کے لئے جائز ہو مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خود فدیہ کے احکام لازمہ سے یہ ہے کہ بنی ہاشم اس کا مصرف نہ ہوں اور راز اس میں یہ ہے کہ گویہ تبرع ہے مگر ملحق ہے واجب کے ساتھ بوجہ فدیہ ہونے کے ورنہ اس میں

اس اثر کی امید نہ ہوگی جو فدیہ میں ہے پس اس کی مثال نفل نماز کی ہوگئی کہ وضو وغیرہ اس کے لئے بھی شرط ہے اس کی نظیر فقہاء کے کلام میں یہ ہے کہ عقیقہ کے احکام مثل قربانی کے لکھے ہیں حالانکہ عقیقہ واجب نہیں بلکہ خود قربانی ہی اگر نفل ہو اس کے بھی وہی احکام وشرائط ہیں جو واجب کے ہیں غور فرمایا جائے۔ دوسرے علماء سے بھی مراجعت مناسب ہے۔ جمادی الاول ۱۳۳۸ھ

## ادائے کفارۂ صوم میں تعین سال کا اور صوم کفارہ میں تتابع ضروری ہے

سوال (۱۹۳) ایک شخص پر دو رمضان کے دو روزوں کے کفارے تھے چند سال ہوئے کہ اس نے بلا تعین اس سال کے کہ جس میں روزہ توڑا تھا، ایک روزہ کا کفارہ دیا تو یہ کفارہ کسی رمضان کا صحیح ہوا یا نہیں، اور کون سے رمضان کا ہوا، پہلے کا یا بعد کا، اب دوسرے رمضان کا کفارہ بتعین سال اب دے رہا تھا، پندرہ روزے رکھے تھے کہ سولہویں روزے کو رات سے نیت کرنا بھول گیا، اور بعد از زوال یاد آیا کہ میں فلاں سال کے روزے کا کفارہ دے رہا ہوں اور آج نیت کرنا تمام شب مجھ کو یاد نہ آیا غرض وہ بھی روزہ پورا کیا، اور آئندہ روزہ رکھ رہا ہے تو اب یہ فرمائیے کہ جب ساٹھ روزے رکھ لیوے تو کفارہ پورا ہو جاویگا یا نہیں، کیونکہ کفارہ میں رات سے نیت کرنا ضروری ہے کہ جو اس نے سہواً ترک کی، اور اگر اول کے روزے میں نیت شرط ہو تو معلوم نہیں، اور اگر اس کی بیوی نے حسب معمول روز مرہ کے خواب سے اس کو جگا کر کھانا سحر کا کھلایا ہو اور اس کو کھانا کھاتے میں روزے کا خیال نہ آیا یا قریب صبح کے پانی پینے کی ضرورت ہوئی اور اس نے بخیال اس کے کہ اب صبح ہوگئی ہوگی اس لئے پانی نہ پیا ہو مگر روزے کا خیال نہ آیا ہو تو بھی وہ کفارہ صحیح ہو جاوے گا یا نہیں اگر نہ ہوگا تو اس ایک روزے کی اگر قضاء ادا کرے تو صحیح ہوگا یا نہیں یا اوراز سر نو ساٹھ روزے رکھے۔

الجواب۔ فی الدرالمختار والشرط للباقی من الصیام (اقول ومنها صوم الکفارة) قران النیة للفجر ولو حکما وھو تبییت النیة للضرورة وتعیینها آھ وفیه ولو تکرر فطره ولم یکفر للاول یکفیه واحدة ولو فی رمضانین عند محمد وعلیه الاعتماد فی ردالمحتار قوله وعلیه الاعتماد ونقله فی البحر عن الاسرار ونقل قبله عن الجوهرة لوجامع فی رمضانین فعلیه کفارتان وان لم یکفر للاولی فی ظاهر الروایة وھو الصحیح آھ قلت فقد اختلف الترجیح کما تریٰ ویتقوی الثانی بانه ظاهر الروایة آھ وفی الدرالمختار باب الظهار والاصل نیة التعیین فی الجنس المتحد سببه لغو و فی المختلف سببه مفید وفی ردالمحتار ولذا کان صوم رمضانین من قبیل الاول والصلوة من الثانی وکذا صوم یومین من رمضانین (ای ھو من قبیل المختلف السبب)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ جب اول کفارہ میں اس نے سال کی تعیین نہیں کی تو کسی سال کا بھی کفارہ ادا نہیں (۱) ہوا، اگر ایک کی تعیین کر لیتا تو اس کا ادا ہو جاتا، خواہ وہ اول ہوتا خواہ دوسرا، مگر دوسرا کفارہ بوجہ اس کے کہ درمیان میں ایک روزہ صحیح نہیں ہوا درست نہیں ہوا اب از سر نو دونوں روزوں کے کفارے ادا کرنا پڑیں گے۔ فقط واللہ اعلم۔ ۳۰ر شوال ۱۳۲۶ھ (تتمہ ص:۵۹ ج:۱)

## تداخل کفارات صوم یعنی کئی روزوں کے لئے ایک کفارہ کافی ہے

سوال (۱۹۴) اوائل عمر میں مجھ سے کچھ روزے قصداً فوت ہوئے اور جہاں تک مجھے یاد ہے تخمیناً پندرہ یا بیس ہوں گے، اب ان کی اگر قضاء کرنا چاہوں تو بموجب حکم شرع ہر روزہ کے عوض دو مہینے کے روزے چاہئے، اور متتابعین بھی شرط ہے، اس شرط پر عملدرآمد بہت مشکل معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ نقاہت بوجہ قلت غذا کے فی الحال بہت ہے اور باوجود اس کے بھی دو چار برس تک برابر روزہ رکھوں تو غالباً بوجہ زیادتی نقاہت فرائض عبادات میں بھی قصور ہوگا اور علاوہ اس کے بہت سے حقوق ضائع ہوں گے، پس ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے۔؟

الجواب۔ قضاء تو ان روزوں کی عدد میں برابر کرنا ظاہر ہے کہ ضروری ہے، یعنی بیس روزے تھے تو بیس روزے رکھنا چاہئے، اب رہ گیا کفارہ بوجہ اس کے کہ روزوں کو عمداً توڑا ہے، یعنی جب کہ شروع کر کے توڑ دیئے ہوں، تو اس میں اقوال مختلف ہیں، امام محمدؒ کے نزدیک دو رمضان یا زیادہ کے روزوں کے کفارہ میں بھی تداخل ہو جاتا ہے، کما فی الدرالمختار، پس اگر حالت مذکورہ سوال میں اس قول پر عمل کر لیا جاوے جائز ہے، پس اس بناء پر ساٹھ روزے علی التواتر کفارہ کی نیت سے رکھنا واجب ہوگا اس سے کسی طرح مفر نہیں، اور اگر شروع کر کے نہیں توڑے بلکہ سرے سے نیت ہی نہیں کی تو صرف برابر سرابر قضاء لازم ہے کفارہ لازم نہیں۔ فقط ۳۰ر ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص:۶۰)

## تحقیق وتفصیل تداخل کفارات صوم

سوال (۱۹۵) ایک رمضان کے چار پانچ روزوں کی طرف سے ایک کفارہ (یعنی ساٹھ روزے) کافی ہے یا نہ اگر کافی ہے تو اس کے کافی ہونے میں یہ شرط بھی ہے کہ سب روزے ایک ہی سبب سے ٹوٹے ہوں یا یہ شرط نہیں۔؟

الجواب۔ سوال آئندہ کے جواب میں اس کا جواب بھی آجاوے گا۔ ۲ر جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ

(۱) یہ حکم جب ہے کہ روزہ جماع سے توڑا ہو۔ اگر غیر جماع سے توڑا تو قول راجح پر ایک ہی کفارہ واجب ہوگا۔ لہٰذا تعیین کی ضرورت نہ رہی اور دونوں سالوں کا کفارہ ادا ہو گیا ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

**سوال نمبر ۲** بہشتی زیور حصۂ سوم میں مرقوم ہے۔ **مسئلہ** اگر ایک ہی رمضان کے دو تین روزے توڑ ڈالے تو ایک ہی کفارہ واجب ہے البتہ اگر یہ دونوں روزے ایک رمضان کے نہ ہوں تو الگ الگ کفارہ دینا پڑے گا۔ انتہی۔ اس مسئلہ سے مطلقاً معلوم ہوتا ہے کہ خواہ کوئی بھی سبب سے کئی ایک روزے گئے ہوں ایک کفارہ کافی ہے اور کسی سبب کی تحقیق نہیں بشرطیکہ ایک رمضان کے ہوں، بہشتی گوہر میں تتمہ حصۂ سوم بہشتی زیور میں مذکور ہے۔ **مسئلہ** سوائے جماع کے اور کسی سبب سے اگر کفارہ واجب ہوا ہو اور ایک کفارہ ادا نہ کرنے پایا ہو کہ دوسرا واجب ہو جائے تو ان دونوں کے لئے ایک ہی کفارہ کافی ہے اگرچہ دونوں کفارے دو رمضان کے ہوں۔ ہاں جماع کے سبب سے جو روزے فاسد ہوئے ہوں ہر ایک کا کفارہ علیحدہ رکھنا ہوگا اگرچہ پہلا کفارہ ادا نہ کیا ہو انتہی، اس مسئلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر روزے بسبب جماع کے گئے ہوں تو ایک کفارہ کافی نہیں اگرچہ ایک رمضان کے ہوں اور اگر سوا جماع کے دوسرے سبب سے کفارہ واجب ہوا ہو تو ایک کفارہ کافی ہے اگرچہ دو رمضان کے ہوں پس مثلاً اگر کسی شخص کے دو رمضان کے ملا کر پانچ روزے کسی اور سبب سے سوا جماع کے گئے تو مطابق مسئلہ اولیٰ کے ایک کفارہ کافی ہے اور مطابق مسئلہ ثانیہ کے پانچ کفارے رکھنا پڑیں گے پس کون سی بات ٹھیک (۱) ہے۔

**الجواب۔** بہشتی زیور کی سند میں تو اس وقت کوئی روایت نہیں ملی، مولوی احمد علی صاحب مرحوم نے معلوم نہیں وہ مسئلہ کہاں سے لکھا، البتہ بہشتی گوہر کے موافق روایت درمختار و ردالمحتار میں موجود ہے لیکن اول مسئلہ تو بلا اختلاف اور دوسرا باختلاف۔ فقط

## عدم وجوب تقدیم قضاء بر کفارہ

**سوال (۱۹۶)** جناب نے قضاء روزوں کی بابت تحریر فرما دیا تھا کہ سب روزوں کا کفارہ ساٹھ

---

(۱) حاشیہ بہشتی گوہر: از مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہ ... اس مسئلہ میں تین مسلک ہیں، ایک یہ کہ قبل کفارہ مطلقاً تداخل ہو سکتا ہے، دوم یہ کہ ایک رمضان میں مطلقاً تداخل ہو سکتا ہے اور دو رمضان میں مطلقاً تداخل نہیں ہو سکتا۔ سوم یہ کہ کفارہ جماع میں مطلقاً تداخل نہیں ہو سکتا اور کفارہ غیر جماع میں مطلقاً تداخل ہو سکتا ہے۔ بہشتی زیور میں مسلک دوم کو اختیار کیا ہے اور بہشتی گوہر میں مسلک سوم کو۔ یہ اختلاف رائے مولوی احمد علی صاحب مؤلف بہشتی زیور و مولوی عبدالشکور صاحب علم فقہ کا ہے اور حضرت مولانا مرحوم و مغفور نے تتمہ ثانیہ میں امداد الفتاویٰ ص: ۳۷ میں ایک سوال کے جواب مسئلہ بہشتی زیور کو غیر معلوم السند اور مسئلہ بہشتی گوہر کو مستند الی الدر المختار و ردالمحتار خیال فرمایا ہے۔ اور ہم نے اس کی اصلاح میں ثابت کیا ہے کہ مسئلہ بہشتی زیور ماخوذ از درالمختار ہے اور وہی ان کے نزدیک راجح ہے من شاء التفصیل فلیراجع الی اصلاحاتنا المعلقۃ بالتتمۃ المذکور ۱۲ تصحیح الاغلاط۔ پھر بعد میں بہشتی گوہر کے مسلک پر بھی ترمیم کر دی گئی، اب حاصل مسئلہ کا یہ ہے کہ غیر جماع میں تو تداخل جائز ہو سکتا ہے اور جماع میں ایک رمضان کے کفارات متداخل ہو سکتے ہیں دو رمضان کے نہیں کیونکہ جماع مطلقاً تداخل نہ ہونا خلاف ظاہر روایت ہے۔ کما یظہر من الشامیۃ و مراقی الفلاح فلیراجع۔ خلاصہ یہ ہے کہ ظاہر روایت میں ایک رمضان کے کفارات متداخل ہو سکتے ہیں جب ہنوز کوئی کفارہ ادا نہ کیا ہو، دو رمضان کے متداخل نہیں ہو سکتے اور اس میں جماع غیر جماع سب مساوی ہیں مگر ہم نے غیر جماع میں قول صحیح و معتمد کو لے لیا ہے ۱۲ ظفر احمد

روزے ہوں گے، اب یہ عرض ہے کہ قضاء روزے پہلے رکھے جاویں یا کفارہ کے روزے پہلے رکھے جاویں۔؟

الجواب۔ فی ردالمحتار تحت قول الدرالمختار قضی و کفر ما نصه و انما قدم القضاء اشعاراً بانه ینبغی ان یقدمه علی الکفارة الخ ج:۲ ص:۱۷۴، اس روایت سے معلوم ہوا کہ زیادہ بہتر تو یہی ہے کہ قضاء روزے اول رکھے جاویں، لیکن اگر کفارہ کے روزے اول رکھ لے تب بھی جائز ہے۔ ۹/ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ (تتمۂ خامسہ ص ۳۸)

## طاعونی ٹیکہ مفطر صوم نہیں

سوال (۱۹۷) چند جراثیم طاعونی کو بکری یا بھیڑ کی یخنی یا دودھ وغیرہ سیال شے میں ڈال دیتے ہیں جہاں وہ اپنی نسل بڑھا لیتے ہیں، پھر اس سیال سے ایک ایسا عرق تیار کرتے ہیں جس میں جراثیم طاعون کی خفیف زہریلی تاثیر موجود ہوتی ہے، اب اس مادۂ مذکور میں سے ذرا سا لے کر بذریعہ جلدی پچکاری ایک خرگوش یا چوہے وغیرہ کے جسم میں داخل کر دیتے ہیں، جس سے اس چوہے یا خرگوش میں علامات مرض طاعون ظاہر ہو جاتے ہیں، اور جب اس کو افاقہ ہو جاتا ہے تو پھر اور تھوڑا سا مادۂ مذکورہ اس کے جسم میں داخل کرتے ہیں، اس دفعہ علامات طاعون بہ نسبت اول کے خفیف ہوتے ہیں، اسی طرح مادۂ مذکور کو چند بار داخل جسم کرنے سے اس خرگوش یا چوہے کی ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ پھر تھوڑی مقدار مادۂ مذکور سے اس میں علامات طاعون پیدا ہی نہیں ہوتے، کیوں کہ اس کا خون مادۂ مذکور کی سمیت سے ایسا متاثر ہو جاتا ہے کہ پھر اس قسم کی ذرا سی سمیت کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا، اب اس خرگوش یا چوہے کے خون سے سیرم مائیت خون لے کر بذریعہ جلدی پچکاری کسی تندرست آدمی کے جسم میں داخل کرتے ہیں تو اس سے خفیف علامات پیدا ہوں گے، جن سے وہ جلد شفایاب ہوگا اور پھر اسی مرض طاعون میں مبتلاء ہونے کا اندیشہ نہ رہے گا، اور اگر مبتلاء ہو بھی جاوے تو اس سے خفیف قسم کا طاعون ہوگا مہلک نہ ہوگا، اور اس کی تاثیر چھ ماہ تک رہتی ہے، چھ ماہ بعد ضرورت ہو تو دوبارہ ٹیکہ لگا لینا چاہئے، بہرحال اس مفصل حالت اور کیفیت لکھنے سے میرا اصل منشاء اور غرض جو باعث ہیں اس عریضہ ارسال کرنے کی یہ ہے کہ صائم کو اس ٹیکہ سے روزے میں تو کوئی خلل نہیں ہے یا اس سے روزہ جاتا رہتا ہے بر تقدیر چلے جانے کے قضاء کے ساتھ کفارہ بھی لازم آوے گا یا نہیں، اس کا لحاظ رہے کہ طاعونی ٹیکہ از قسم تداوی ہے اور بائیں ہاتھ کے بازو پر لگایا جاتا ہے، پچکاری کی نوک جو لوہے کی ہے اور لمبی ............ اس لکیر کے برابر ہوتی ہے سب کی سب جسم میں داخل کر دی جاتی ہے جس کا اثر تمام

رگ رگ میں اور دماغ وغیرہ میں ہوتا ہے، یہ ایک فتویٰ کی شکل کا عریضہ خدمت اقدس میں ابلاغ ہے۔

**الجواب۔** اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، البتہ تداوی بالنجس ہے اس لئے مختلف فیہ ہے۔

۲۶ رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۶۲)

## روزہ میں منہ میں دواء رکھنے کا حکم

**سوال (۱۹۸)** اگر کسی شخص کے دانت میں درد ہو اس کے دفعیہ کے لئے کوئی دواء استعمال کریں بایں طور کہ وہ دواء حلق کے اندر نہ جائے یا پان کھانے والا پان گلوری منہ میں رکھ کر چبائے اور لعاب اندر نہ جانے دے، یا نسوار (یعنی ناس) جو تمبا کو پیس کر بناتے ہیں، اور پنجاب کے لوگ اکثر منہ میں ڈالتے ہیں اور بعض لوگ ناک سے سونگھتے ہیں اس کو یعنی نسوار کو صرف منہ میں رکھ کر عادت پوری کرے تو روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں - جواب مدلل عنایت فرمایئے، بینوا توجروا۔؟

**الجواب۔** في الدر المختار وكره له ذوق شيئي وكذا مضغه بلا عذر قيد فيهما اه ثم عد عذرا مست اليها الحاجة في الحال ككون الزوج سيئي الخلق وخوف الغبن في الشراء، اس سے معلوم ہوا کہ صور مسئول عنہا سب مکروہ ہیں۔ لاسیما وقد ايد الكراهة الحديث من قوله عليه السلام افطر الحاجم والمحجوم وقوله عليه السلام من وقع حول الحمٰى او شك ان يقع فيه ۔ ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۶۵)

## قے کو مفطرِ صوم جان کر پھر قصداً کھانے سے کفارہ وقضاء کا حکم

**سوال (۱۹۹)** ا۔ ایک بیمار شخص رمضان شریف کا روزہ دار تھا، صبح اس پر قے غالب ہوئی اور اس نے منہ بھر قے کی، پھر تشنگی غالب ہوئی مگر بخوف روزہ فاسد ہو جانے کے کچھ دواء نہیں پی، کیونکہ وہ شخص جانتا تھا کہ قے ہونے سے روزہ نہیں جاتا مگر ایک دوسرے آدمی سے یہ خیال صحیح کرنے کے لئے بعد نماز جمعہ پوچھا کہ قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں تو اس آدمی نے کہا کہ قے ہونے سے روزہ جاتا رہا، اگر تکلیف ہے تو افطار کرلو، چنانچہ اس بیمار نے بعد نماز جمعہ دواء دافع تشنگی پی لی، بعد ازاں معلوم ہوا کہ قے ہونے سے روزہ نہیں جاتا، پس اس صورت میں اس روزہ کی قضاء رکھنا پڑے گی، یا دونوں یعنی کفارہ وقضاء دونوں ادا کرنا پڑیں گے، اور بیمار مذکور کا افطار کرنا قصداً سمجھا جائے گا یا غلطی سے، اگر قصداً ہے تو قضاء وکفارہ دونوں دینے پڑیں گے اور اگر مغالطہ سے ہے تو قضاء وکفارہ کچھ نہیں ہونا چاہئے، مالا بدمنہ فارسی کے میں لکھا ہے کہ اگر دواء یا غذا قصداً خورد کفارہ واجب بود، مگر محشی صاحب خزانۃ المفتین وعالمگیری کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ایں سخن وقتے

ست کہ دوا و غذا برائے اصلاح بدن و بدل ما یتحلل مقرر بودہ باشد یعنی او را از جنس دواء و غذا اقرار دادہ باشند و الا کفارہ لازم نیاید، آرے قضاء واجب شود کذا فی خزانۃ المفتین ہٰکذا فی العالمگیریۃ۔

(۲) کفارہ روزہ رمضان کا کیا قاعدہ ہے، اس کی مقدار کیا ہے، فقط۔

الجواب۔ (۱) عامی کا فتویٰ مورث شبہ شرعاً نہیں لہٰذا یہ افطار متعمداً سمجھا جائے گا، پس اگر تشنگی قابل برداشت تھی تو افطار سے قضاء و کفارہ دونوں لازم ہیں فی الدر المختار اذا احتجم فظن فطره به فاكل عمداً قضى وكفر لانه ظن فى غير محله حتى لو افتاه مفت يعتمد على قوله الى قوله لم يكفر للشبهة، فى ردالمحتار ويشترط ان يكون المفتى ممن يوخذ منه الفقه ويعتمد على فتواه فى البلدة۔ جلد ۲۔ ص ۱۷۴۔

(۲) کفارہ کے ساٹھ روزے متواتر رکھے فقط۔ ۸ ر رمضان ۱۳۳۰ھ تتمۂ اولیٰ ص:۷۶

## بخور کا مفسد صوم ہونا

سوال (۲۰۰) ما قولكم ايها العلماء الكرام دام فضلكم، طحطاوی حواشی مراقی الفلاح میں ہے فى سكب الانهر لو وجد بدا من تعاطى ما يدخل غباره فى حلقه افسد لو فعل اھ ويدل عليه التعلل بعدم امكان الاحتراز انتهى، اور محقق ابن عابدین شامی حواشی درمختار میں لکھتے ہیں، اذا وجد بداً من تعاطى ما يدخل غباره فى حلقه افسد لو فعل شرنبلالیہ انتہی، ان دونوں عبارات و امثال ذلک سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر روزہ دار کو ایسے فعل سے بچنا اور احتراز کرنا بدون نقصان و حرج کے ممکن ہو جو اس کے حلق میں غبار یا دخان کے داخل ہونے کا باعث ہو، باوجود اس کے اس فعل کو کرے تو روزہ فاسد ہوگا، تب رمضان شریف کے دن مجلس سوم یا چہارم اموات یا محفلِ میلاد شریف وغیرہ قریب مجمع و اثناء حلقہ روزہ داران لوبان جلانا، اگر کی بتی سلگانا جو ضروری امر نہیں ہے، بغیر اس کے بھی بذریعہ چھڑکنے عرق گلاب وغیرہ اور تقسیم عطر کے حاضرین میں یا حلقۂ روزہ داران سے کسی قدر دوری و فصل پر لوبان بتی اگر کی جلانے سے انتشار خوشبو کا ان مجالس میں ممکن ہے، خواہ مخواہ باثناء و قرب مجمع روزہ داران لوبان بتی اگر کی جلانا اور اس کے گردا گرد و قریب ایسے موقع سے روزہ داران کا بیٹھنا، جس سے دھواں حلق یا دماغ میں ان لوگوں کے یقینی اور ضروری پہنچتا ہے بوجہ ارتکاب فعل موجب داخل ہونے دخان کے حلق و دماغ میں باوصف چارہ و امکان احتراز کے اور نہ ہونے کسی مجبوری و لاچاری کے بفحوائے عبارت افسد لو فعل موجب فساد صوم ہوگا یا نہیں، بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ قیود مذکورۂ سوال کے ساتھ یہ بخور مفسد صوم و موجب قضاء ہوگا، فى الدر المختار

او دخل حلقه غبار او ذباب او دخان ولو ذاكراً استحساناً لعدم إمكان التحرز عنه و مفاده انه لو ادخل حلقه الدخان افطر ای دخان كان اوعوداً او عنبراً لو ذاكراً لإمكان التحرز عنه فليتنبه له كما بسطه الشرنبلالي في ردالمحتار قوله لو ادخل حلقه الدخان ای بای صورة كان الإدخال حتى لو تبخر ببخور فاواه الیٰ نفسه واشمه ذاكراً لصومه افطر لإمكان التحرز عنه وهٰذا ما يغفل عنه كثير من الناس ولا يتوهم انه كشم الوردومائه والمسك لوضوح الفرق بين هواء تطيب بريح المسك وشبهه وبين جوهر دخان وصل الى جوفه بفعله امداد وبه علم حكم شرب الدخان، الخ۔

۱۹رذی قعدہ ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۶۷)

## عمل بر تخمین در تعداد صیام فاسدہ

سوال (۲۰۱) اگر کسی شخص کے دو تین سال کے رمضان کے چند روزے گئے، لیکن سال یاد نہیں کہ کس کس سال کے رمضان کے گئے ہیں، مگر غالب گمان سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاں فلاں سال کے رمضانوں کے روزے گئے ہیں، لیکن کسی رمضان میں تو بعض روزے بسبب جماع کے گئے ہیں، اور بعض کسی دوسرے سبب سے گئے ہیں جس سے صرف قضاء واجب ہوتی ہے اور کسی رمضان میں صرف قضاء والے روزے گئے ہیں، مگر پورے طور سے یاد نہیں کہ اس رمضان میں کفارے والا روزہ نہ گیا ہے، اور یہ بھی یاد نہیں کہ ہر رمضان میں کتنے روزے گئے ہیں، مگر اندازاً معلوم ہوتا ہے کہ پانچ پانچ یا چھ روزے گئے ہوں گے، اور یہ یاد نہیں کہ ہر رمضان میں کتنے روزے بسبب جماع کے گئے ہیں، اور کتنے روزے دوسرے سبب سے گئے ہیں، یعنی اسی سبب سے جس سے صرف قضاء واجب ہے، تو اب ان دونوں روزوں کی قضاء و کفارہ کس طرح ادا کرے، اور نیت بھی کس طرح کرے؟

الجواب۔ غالب تخمینہ پر عمل کرے، احتیاط کے لئے دو چار اور بڑھا دے اور نیت میں اول صوم واجب کہہ لینا کافی ہے۔　　۲۱ر جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص: ۳۵)

## وجہ مفطر نبودن غیبت باوجود مفطر بودن زنا حالانکہ غیبت اشد من الزنا ست

سوال (۲۰۲) کنز الدقائق میں آیا ہے کہ ومن جامع او جومع او اكل او شرب غذاءً او دواءً عمداً قضیٰ و كفر، اور حدیث شریف میں آیا ہے وعن ابی سعید رضی اللہ عنہ و جابر قالا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الغيبة اشد من الزنا الخ جب زنا سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو غیبت سے بدرجۂ اولیٰ ٹوٹنا چاہئے، اس وجہ سے کہ یہ اس سے زیادہ سخت ہے۔

الجواب۔ اشد ہونے سے مفطر ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ یہ اشدیت باعتبار گناہ کے ہے، نہ

باعتبار منافات رکن صوم کے، بخلاف اکل وشرب وجماع کے کہ منافی ہے رکنِ صوم یعنی امساک عن المفطرات الثلث کے غایت یہ کہ وہ صوم بسبب اقتران گناہ کے قابل قبول نہ ہو، لیکن عدم قبول سے عدم صحت لازم نہیں، جس طرح اسبال ازار سے نماز قبول نہیں ہوتی، لیکن صحیح ہو جاتی ہے، اور یہ اشدیت بھی من کل الوجوہ نہیں بلکہ خود حدیث میں وہ وجہ خاص آئی ہے کہ زنا توبہ سے معاف ہوتا ہے، اور غیبت بدون عفو مغتاب کے معاف نہیں ہوتی۔ ۱۶ رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۷۰)

## حکم تبرد در صوم برائے دفع تشنگی

سوال (۲۰۳) درحالت صوم از شدت تشنگی برائے تفریح وتبرید غسل کردن جائز ست یا نہ؟

**الجواب**۔ في الدرالمختار لاتكره حجامة وتلفف بثوب مبتل ومضمضة او استنشاق او اغتسال للتبرد عند الثاني وبه يفتي في ردالمحتار قوله و به يفتي لان النبي صلى الله عليه وسلم صب على رأسه الماء وهو صائم من العطش اومن الحر رواه ابوداؤد وكان ابن عمرؓ يبل الثوب ويلفه عليه وهو صائم ولان هذه الاشياء بها عون على العبادة ودفع الضجر الطبيعي وكرهها ابو حنيفة لما فيها من اظهار الضجر في العبادة كما في البرهان امداد ج:۲ ص:۱۸۳، ازیں روایت معلوم شد کہ اگر غسل کردن بدیں طور است کہ از واظہار بے صبری می شود کراہت دارد و اگر بطور تسہیل عبادت واستعانت برو باشد غیر مکروہ است وہو وجہ التوفیق بین قول الامام والثانی، ۱۲ رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص:۷۷)

## حکم مسواک تازہ در صوم

سوال (۲۰۴) روزہ میں نیم کی ہری مسواک کرنی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ جائز ہے لما في الدرالمختار ولا سواك ولا عشيا او رطبا بالماء على المذهب في ردالمحتار اما الرطب الاخضر فلا بأس به اتفاقا كذا في الخلاصة، نهر ص:۱۸۳ ج:۲، ۳ شوال ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص:۸۷)

## حکم مالیدن دواء (منجن وغیرہ) بردندان در صوم

سوال (۲۰۵) بہشتی زیور کے حصہ ۳ ص:۱۵ پر روزہ توڑنے والی چیزوں کے بیان میں لکھا ہے۔

مسئلہ۔ کوئلہ چبا کر دانت مانجنا اور منجن سے دانت مانجنا مکروہ ہے، اور اگر اس میں سے کچھ حلق میں اتر جائے گا تو روزہ جاتا رہے گا، امسال ایک شخص نے اس پر بہت اعتراض کیا اور یہ کہا کہ جب تک حلق کے اندر نہ جائے روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی، اور یہ بات بالکل غلط ہے، اور یہ اردو کے

رسائل ہیں ان کا کیا اعتبار، بلکہ یہاں تک زیادتی کی کہ اگر کوئلہ یا منجن سے دانت مانجنے سے روزہ مکروہ ہوگا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں، اور اس شخص کی وجہ سے چند آدمیوں نے امسال تمام رمضان بھر کوئلہ اور منجن سے دانت مانجے، بلکہ مجھ کو نیز دوسرے خداموں کو خوب جتاجتا کر دانت مانجے، اگر کوئی روایت فقہ کی اس کے ثبوت میں تحریر فرمادی جاوے تو کیا عجب ہے کہ ان لوگوں کی اصلاح ہو جاوے، اور اگر ان لوگوں کی اصلاح نہ ہوئی یعنی انہوں نے نہ مانا جیسا کہ اس زمانہ میں تجربہ ہو رہا ہے، تو کم از کم اتنا نفع تو ضرور ہوگا کہ اپنے آدمیوں کو زیادہ تقویت ہو جاوے گی،

الجواب۔ فی الدرالمختار او ذاق شیئاً بفمه وان کره لم یفطر فی ردالمحتار قوله ان کره ای الالعذر کما یاتی ط ج: ص:۱۶۲ ثم قال فی الدرالمختار وکره له ذوق شیئی وکذا مضغه بلا عذر قید فیهما قاله العینی ککون زوجها او سیدها سیئی الخلق فذاقت وفی کراهة الذوق عند الشراء قولان ووفق فی النهر بانه ان وجد بدأ ولم یخف غبنا کره والا لا الی قوله وکره مضغ علك ابیض ممضوغ و الا فیفطر فی ردالمحتار قوله ابیض قیده بذالك لان الاسود غیر الممضوغ وغیر الملتئم یصل منه شیئی الی الجوف الی قوله فان کان مما یصل عادة حکم بالفساد لانه کالمتیقن ج:۲ ص: ۱۸۰، ان روایات سے واضح ہے کہ یہ فعل مکروہ ہے، اور اگر عادۃً جوف کے اندر پہونچ جاوے تو مفسد صوم ہے۔ ۲ رذی قعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص:۹۶)

## حکم خوردن علانیہ در رمضان برائے معذور فطر

سوال (۲۰۶) رمضان میں جو بیمار ہو یا حائضہ اس کو روزہ داروں کے روبرو پان یا روٹی وغیرہ کھانا شرعاً درست ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی النهایة قیل تاکل الحائض سراوقیل هی والمسافر والمریض جهرا، جامع الرموز ج:۱ ص:۱۶۳، اس سے معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف ہے، اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ پوشیدہ ہو کر کھاوے۔ ۲۰ رذی قعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص:۱۰۹)

## مکروہ نبودن روزہ از بودن دندان مصنوعی در دہن

سوال (۲۰۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے دانت ٹوٹ گئے ہیں وہ مصنوعی دانت ہر وقت اپنے منہ میں لگائے رہتا ہے، دانتوں کی ساخت میں سنگ مرمر اور ربڑ ہے، یعنی ان ہی دو چیزوں سے مصنوعی دانت بنے ہیں نہ ان میں بو ہے نہ مزہ، نہ ان دونوں چیزوں میں

سے کوئی چیز پانی میں حل ہونے والی ہے۔ اب وہ شخص روزہ رکھنا چاہتا ہے تو اب سوال یہ ہے کہ اگر روزہ کی حالت میں یہ مصنوعی دانت منہ میں رہیں تو روزہ مکروہ تو نہ ہوگا، جواب باصواب سے اطلاع دیجئے۔

الجواب۔ مکروہ نہ ہوگا۔ ۱۸؍شعبان ۳۸ھ (تتمۂ خامسہ ص:۱۵۲)

## حکم وجوب کفارہ برافطار کردن قبل الغروب بسبب رویت ہلال قبل ازغروب

سوال (۲۰۸) گزشتہ رمضان روز جمعرات سے شروع ہو کر تیس تاریخ جمعہ کو ختم ہونے کے بعد سنیچر کی رات کو چاند عیدالفطر کا نظر آیا، اور تمام ہندوستان میں شنبہ کو عید کی، مگر کہیں اتفاق سے ایسا ہو گیا کہ بوجہ جہل یا نادانی کے جمعہ کو دوپہر کے بعد یا اس سے پہلے ہی چاند نظر آنے پر دن ہی کو یعنی تیس تاریخ میں افطار کر دیا، تو اس صورت میں ان پر فقط قضاء آوے گی یا کفارہ بھی دینا پڑے گا، عبارت کتب معتبرہ جواب میں تحریر فرما کر مشرف فرماویں، اور دوپہر سے پہلے اور بعد دیکھنے سے دونوں کا ایک ہی حکم ہے یا کچھ فرق ہے، اگر فرق ہے تو کیا۔

الجواب۔ فی الدرالمختار ورؤیته بالنهار للیلة الأیته مطلقا علی المذهب ذکره الحدادی فی ردالمحتار مطلقا ای سواء رؤی قبل الزوال اوبعده وقوله علی المذهب ای الذی هو قول ابی حنیفة ومحمد قال فی البدائع فلا یکون ذلك الیوم من رمضان عندهما قال ابو یوسفؒ ان کان بعد الزوال فکذلك وان کان قبله فهو للیلة الماضیة ویکون الیوم من رمضان وعلی هذا الخلاف هلال شوال فعندهما یکون للمستقبلة مطلقا ویکون الیوم من رمضان وعنده لو قبل الزوال یکون للماضیة ویکون الیوم یوم الفطر الخ و بعد نحو نصف صفحة لان الخلاف علی ما صرح به فی البدائع والفتح انما هو فی رؤیته یوم الشك وهو یوم الثلاثین من شعبان او من رمضان فاذا کان یوم الجمعة المذکور یوم الثلاثین من الشهر ورؤی فیه الهلال نهاراً فعند ابی یوسف ذلك الیوم اول الشهر (ای بالقید المذکور) وعندهما لا عبرة لهذه الرؤیة ویکون اول الشهر یوم السبت سواء وجدت هذه الرؤیة اولا الخ ج۲ ص:۵۲ و۵۳، وفی الدرالمختار او احتجم فظن فطره به فاکل عمداً قضی وکفر لانه ظن فی غیر محله حتیٰ لو افتاه مفت یعتمد علی قوله او سمع حدیثا ولم یعلم تاویله لم یکفّر للشبهة وان اخطأ المفتی ولم یثبت الاثر الا فی الادهان وکذا الغیبة عند العامة زیلعی لکن جعلها فی الملتقی کالحجامة ورجحهٗ فی البحر للشبهة فی ردالمحتار قوله یعتمد علی قوله ویشترط ان یکون المفتی ممن یوخد منه الفقه ویعتمد علی فتواه فی

البلدة وح ويصير فتواه شبهة ولا معتبر بغيره آه وبه يظهر ان يعتمد مبنى للمجهول فلا يكفي اعتماد المستفتي وحده فافهم قولهم وكذا الغيبة لان الفطر بها يخالف القياس والحديث وهو قوله صلى الله عليه وسلم ثلاث تفطر الصائم مؤول بالإجماع بذهاب الثواب بخلاف حديث الحجامة فان بعض العلماء اخذ بظاهره مثل الاوزاعي واحمد امداد ولم يعتد بخلاف الظاهرية في الغيبة لانه حديث بعد ما مضى السلف على تاويله بما قلنا فتح وفي الخانية قال بعضهم هذا والحجامة سواء وعامة المشائخ قالوا عليه الكفارة على كل حال لان العلماء اجمعوا على ترك العمل بظاهر الحديث وقالوا اراد به ثواب الأخرة وليس في هذا قول معتبر فهذا ظن ما استند الٰى دليل فلا يورث شبهة اهـ ج:۲ ،ص:۱۷٤و۱۷۵۔

ان روایات سے مستفاد ہوا کہ زوال کے بعد جو ۳۰ تاریخ کو چاند نظر آیا وہ بالا جماع آئندہ شب کا ہے، اور کسی کے نزدیک وہ دن یکم شوال نہیں ہے، پس نہ تو کوئی کسی عالم کا مذہب ہے، اور نہ حدیث صوموالرؤیۃ وافطروالرؤیۃ کے کسی کے نزدیک یہ معنی ہیں، پس یہ فعل نہ کسی حدیث کی طرف مستند ہوا نہ کسی فتویٰ کی طرف، پس کوئی ایسی دلیل شرعی اس کے لئے نہیں پائی گئی جس سے شبہ معتبرہ پیدا ہوا س لئے ان لوگوں پر قضاء وکفارہ دونوں لازم ہیں، البتہ اگر قبل زوال چاند نظر آتا تو اس میں یہ تفصیل ہوتی کہ اگر افطار حدیث موصوف کی بناء پر ہوتا تو یہی حکم ہوتا، کیونکہ حدیث کے یہ معنی کسی کے نزدیک نہیں، اور اگر ابو یوسفؒ کے قول پر ہوتا تو اگر اس قول کی اطلاع مفطر کو ہوتی یا کوئی معتبر مفتی اس کا فتویٰ دیتا، تو صرف قضاء لازم آتی، اور اگر یہ دونوں امر بھی نہ ہوتے تب بھی قضاء وکفارہ دونوں لازم آتے، اگر چہ وہ فعل ابو یوسفؒ کے موافق ہوتا، کیونکہ اس شخص کے شبہ کی تو کوئی وجہ نہ تھی۔ ۸/ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ (تتمۂ خامسہ ص:۱۶۲)

## جو شخص تمام عمر سفر میں رہے وہ قضاء کرے یا نہیں

سوال (۲۰۹) ایک شخص اکثر سفر میں رہتا ہے، اور رمضان بھی سفر میں گزرتا ہے، رمضان کے بعد اس کو اقامت کا موقع نہیں ملتا ہے، اگر ساری عمر اس کو اقامت کا موقع نہ ملے تو قضاء رمضان اس پر لازم ہوگی یا نہیں، اور وصیت فدیہ بھی اس پر لازم ہے یا نہیں، بینوا ولکم عند اللہ الاجر الجزیل۔؟

الجواب۔ نص قرآنی میں قضائے مسافر ومریض کا سبب وجوب صیام عدة من ایام اخر کا ادراک بتلایا ہے، سو اگر ادراک ایام ہوا تو قضائے صوم بقدر ادراک واجب ہے، ورنہ واجب نہیں ہوتا خواہ مرض وسفر تمام عمر رہے، فلا تجب عليهم الوصية بالفدية لعدم ادراكهم عدة من ايام اخر ولو ما توا بعد زوال العذر وجبت الوصية بقدر ادراكهم عدة من ايام اخر

كذا في الدر المختار ۔(تتمۂ خامسہ ص ۱۴۹)

## حکم ادخال ربڑ اندرون فرج درصوم

سوال (۲۱۰) ایک ضروری مسئلہ اس وقت پیش آیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک عورت بوجۂ امراض رحمی کے سخت بیمار ہے، اور ضعت وناتوانی بھی زیادہ ہے، حکیمی علاج بوجہ نہ ملنے ہشیار دائی کے چھوڑ کر ڈاکٹری علاج شروع کیا گیا، ڈاکٹری علاج میں جو مس ہشیار ہے اس کا علاج ہورہا ہے، مس کہتی ہیں کہ بوجہ کجی رحم یہ شکایات ہیں، سو رحم میں داخلاً اگر ربڑ کا حلقہ ماہ دو ماہ تک بذریعۂ عمل بالید چڑھا رہے، تو آرام ہوجاوے گا، اس پر اپنا تجربہ بتلاتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ رمضان شریف آ گئے، اس حلقہ کے موجود ہوتے ہوئے جو کہ داخل اعضاء اندرونی ہے، روزہ میں تو کچھ خرابی واقع نہ ہوگی، اور اگر خرابی روزہ کی وجہ سے تا رمضان اس علاج کو موقوف رکھا جاتا ہے تو مرض کی اور زیادتی ہوئی جاتی ہے، آیا اس حالت میں روزہ ترک کر کے علاج مذکور کرنا جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔خود روزہ میں یہ چھلا چڑھانا مفسد صوم ہے، لیکن اگر غیر حالت صوم میں چڑھایا ہوا حالتِ صوم میں داخل بدن باقی رہے تو اس سے روزہ میں کوئی خلل نہیں آتا۔ ۲۷رشعبان المعظم ۱۳۳۶ھ (حوادث خامسہ ص:۱۶)

## انجکشن مفطر صوم ہے یا نہیں

سوال (۲۱۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ آج کل جو انجکشن کے ذریعہ دواء بدن میں پہونچائی جاتی ہے یہ مفسد صوم ہے یا نہیں، ادلۂ شرعیہ سے جواب عنایت فرمایا جائے۔؟

الجواب۔ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے سے نیز تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انجکشن کے ذریعہ دواء جوفِ عروق میں پہونچائی جاتی ہے، اور خون کے ساتھ شرائیین یا اَوردہ میں اس کا سریان ہوتا ہے، جوفِ دماغ یا جوفِ بطن میں دواء نہیں پہونچتی، اور فسادِ صوم کے لئے مفطر کا جوفِ دماغ یا جوفِ بطن میں پہونچنا ضروری ہے، مطلقاً کسی عضو کے جوف میں یا عروق (شرائین واوردہ) کے جوف میں پہونچنا مفسد صوم نہیں، لہٰذا انجکشن کے ذریعہ سے جو دواء بدن میں پہونچائی جاتی ہے مفسد صوم نہیں، فقہاء کی عبارتیں دو طرح پر تقریباً بلکہ حقیقتاً اس دعوے کی تصریح کرتی ہیں اول تو یہ کہ فقہاء نے زخم پر دواء ڈالنے کو مطلقاً مفسد نہیں فرمایا بلکہ جائفہ یا آمہ کی قید لگائی ہے، کیونکہ انہیں دو قسم کے زخموں سے دواء جوفِ دماغ یا جوفِ بطن کے اندر پہونچتی ہے، ورنہ جوفِ عروق کے اندر تو دوسری قسم کے زخموں سے بھی دواء پہونچ جاتی ہے۔

دوسرے بہت سی جزئیات فقہیہ مسلمات فقہاء میں سے ایسی ہیں جن میں دواء وغیرہ مطلقاً جوف

بدن میں تو پہونچ گئی، لیکن چونکہ جوف دماغ یا جوفِ بطن میں نہیں پہونچی، اس لئے اس کو مفطر و مفسد صوم نہیں قرار دیا، جیسے مرد کی پیشاب گاہ کے اندر دواء یا تیل وغیرہ چڑھانے سے باتفاق ائمۂ ثلاثہ روزہ فاسد نہیں ہوتا، کما صرح به الشامي حيث قال و افاد انه لو بقي في قصبة الذكر لايفسد اتفاقاً ولا شك في ذلك، شامی ص: ۱۰۳ ج:۲، ومثله في الخلاصة ص: ۲۵۳ ج:۱، نقلا عن ابي بكر البلخيؒ اگر دواء مثانہ تک پہونچ جائے تب بھی امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مفسد صوم نہیں، امام ابو یوسفؒ جو مثانہ میں پہونچ جائے اس کو مفسد قرار دیتے ہیں، وہ بھی اس بناء پر کہ ان کو یہ معلوم ہوا کہ مثانہ اور معدہ کے درمیان منفذ ہے، جس سے دواء معدہ میں پہونچ جاتی ہے، ورنہ نفس مثانہ میں پہونچنے کو وہ بھی مفسد نہیں فرماتے، اسی لئے صاحب ہدایہ نے اس اختلاف کے متعلق فرمایا ہے فكانه وقع عند ابي يوسفؒ ان بينه وبين الجوف منفذاً ولهذا يخرج منه البول ووقع عند ابي حنيفةؒ ان المثانة بينهما حائل والبول يترشح منه وهذا ليس من باب الفقه محقق ابن ہمام اس کی شرح میں فرماتے ہیں يفيد انه لاخلاف لو اتفقوا على تشريح هذا العضو فان قول ابي يوسفؒ بالإفساد انما هو على بناء قيام المنفذ بين المثانة والجوف (الىٰ قوله) قال في شرح الكنز وبعضهم جعل المثانةنفسها جوفاً عند ابي يوسفؒ وحكى بعضهم الخلاف ما دام في قصبة الذكر وليسا بشئي انتهى، الغرض اسی طرح اگر کان میں پانی ڈالے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ کما صرح به في الدر المختار والخلاصة، حالانکہ کان بھی ایک جوف ہے، اسی طرح اگر کوئی انگور وغیرہ کو ایک تاگے میں باندھ کر نگل جائے، اور پھر معدہ میں پہونچنے سے پہلے کھینچنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، کما قال في الخلاصة وعلى هذا لوابتلع عنباًمربوطا بخيط۔ ثم اخرجه لا تفسد صومه خلاصة ص:۲۶ ج:۱ ومثله في العالمگيرية مطبوعة الهند ص۲۰۲ ولفظه ومن ابتلع لحماًمربوطا على خيطٍ ثم انتزعه من ساعته لايفسد وان تركه فسد كذا في البدائع، اگر مطلق جوف بدن میں کسی شے کا پہونچنا مفسد ہوتا تو خود پیشاب گاہ بھی ایک جوف ہے، اور مثانہ تو بدرجۂ اولیٰ جوف ہے، کان اور حلق بھی جوف ہیں، ان میں پہونچنا بلا خلاف مفسد صوم ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً جوف بدن میں مفطر چیزوں کا پہونچنا مفطر صوم نہیں بلکہ خاص جوف دماغ اور جوف بطن میں مراد ہیں، بلکہ جوفِ دماغ بھی اس میں اصل نہیں وہ بھی اس وجہ سے لیا گیا ہے کہ جوف دماغ میں پہونچنے کے بعد بذریعۂ منفذ جوف معدہ میں پہونچ جانا عادتِ اکثریہ ہے، جیسا کہ صاحب بحر کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے قال في البحر والتحقيق ان بين ف الراس وجوف المعدة منفذاً اصلياً فما وصل الى جوف الراس وصل الى جوف

البطن من الشامی ص۱۰۶ ج۲، اس عبارت میں اس مقصد کی بالکل تصریح ہوگئی کہ جوف سے مراد صرف جوف بطن ہے اور جوف دماغ سے چونکہ جوف بطن میں پہونچنا لازمی ہے اس لئے اس میں پہونچنے کو بھی تبعاً لجوف المعدہ مفسد قرار دیا ہے، اسی طرح حقنہ وغیرہ کو تبعاً لجوف المعدہ مفسد کہا گیا ہے، فتاویٰ قاضی خاں میں ہے، اما الحقنة والوجور فلانه وصل الی الجوف مافیه صلاح البدن وفی القطور والسعوط لانه وصل الی الرأس مافیه صلاح البدن، اس عبارت سے بھی یہ ہی معلوم ہوا کہ جس جوف میں پہنچنا مفسد صوم ہے وہ جوف دماغ ہے، مطلقاً جوف مراد نہیں، اور خلاصۃ الفتاویٰ کی عبارت اس مضمون کے لئے بالکل نص صریح ہے۔ وهی هذا وما وصل الی جوف الراس والبطن من الاذن والانف والدبر فهو مفطر بالإجماع وفیه القضاء هی مسائل الاقطار فی الاذن والسعوط والوجور والحقنة وکذا من الجائفة والآمة عند ابی حنیفةؒ، اسی طرح عالمگیری کے الفاظ بھی اس کے قریب ہیں، وفی دواء الجائفة والآمة اکثر المشائخ علی ان العبرة للوصول الی الجوف والدماغ، عالمگیریہ مطبوعۃ الہند، ص۲۰۲ ج:۱، اور بدائع کی عبارت ان سب سے زیادہ اس مضمون کے لئے اصرح وواضح ہے۔

وهذا وما وصل الی الجوف اوالدماغ من المخارق الاصلیة کالانف والاذن والدبر بین استعط او احتقن او اقطر فی اذنه فوصل الی الجوف او الی الدماغ فسد صومه واما اذا وصل الی الجوف او الی الدماغ من غیر المخارق الاصلیة بان داویٰ الجائفة والآمة فان داواها بدواء یا بس لا یفسد لانه لم یصل الی الجوف ولا الی الدماغ ولو علم انه وصل یفسد فی قول ابی حنیفةؒ بدائع ص:۹۳، ج، هذا والله سبحانه وتعالیٰ اعلم بالصواب والیه المتاب فی کل باب۔

کتبہ الاحقر محمد شفیع غفرلہٗ خادم دارالافتاء دیوبند۔ ۱۱ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ

الجواب صحیح وهو رائی منذ برهة من الزمان، اشرف علی۔

۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ (النور، ص:۷، رمضان ۵۰ھ)

سوال (۲۱۲) میں نے آج اخی المکرم جناب ڈاکٹر صاحب سے انجکشن کے مفسد صوم ہونے کے بارہ میں گفتگو کی، ڈاکٹر صاحب نے یہ فرمایا کہ وہ تمام اشیاء جو جسم میں مالش سے جذب ہوتی ہیں وہ ضرور بتدریج جوف میں پہونچتی ہیں، چنانچہ ایک دواء فیلپا کے لئے ران میں باندھ دی جاتی ہے اور جب وہ بتدریج مسامات کے ذریعے سے جذب ہوکر جوف معدہ میں پہونچ جاتی ہے، تو اس سے بہت سے قے آتی ہے، اسی طرح انجکشن کا بھی حال ہے، کہ وہ بھی بالضرور جوف میں پہونچتا ہے، چنانچہ مارفیا (افیون) مقئ ہے تو اس کا انجکشن بھی مقئ ہے، معدہ میں ریاح بھر جاتے ہیں، اور

جب وہ خارج نہیں ہوتے، تو ان کے دفع کے لئے بازو میں انجکشن لگا کے انہیں دفع کردیا جاتا ہے۔؟

الجواب۔ مطلقاً پہونچنا مفسد صوم نہیں بلکہ جب منفذ سے پہونچے، اور مسام سے پہنچنا مفسد نہیں۔ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ (النور ص: ۸ شعبان ۵۱ھ)

## تحقیق منفذ و جوف

سوال (۲۱۳) نیز وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ کان میں تیل یا دواء ڈالی جائے تو اس کے معدہ میں کسی طرح پہونچنے کا امکان نہیں ہے، اس لئے کہ یہ ظاہری سوراخ ایک جلد پر جسے پردہ کہا جاتا ہے ختم ہو جاتا ہے، اور وہ جلد اس طرح کان میں لگی ہوئی ہے جس سے وہ مثل ایک بند صندوق کے ہے جس کا راستہ صرف بیرونی سوراخ ہے، سوائے اس کے کہ کسی شخص کے کسی خاص مرض کی وجہ سے پردہ میں سوراخ ہوں، البتہ سوراخوں سے اندر پہونچنے کا امکان ہے، اسی طرح زخمِ دماغ (آمہ) کے متعلق بھی وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس سے بھی کوئی منفذ معدہ تک نہیں ہے اور نہ دماغ کی دواء معدہ میں پہونچ سکتی ہے، سوائے اس کے کہ ناک کے سوراخ سے کوئی چیز ڈالی جائے تو وہ حلق میں اور حلق سے معدہ میں پہونچ سکتی ہے، یہ تمام امور جدید تشریح و مشاہدہ سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئے ہیں، وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ آمہ و جائفہ کے متعلق فقہاء کے مسائل غلط نہیں ہیں بلکہ انہی کی جو تشریح معلوم ہوئی وہ غلط ہے، اس لئے ان امور پر از سرِ نو نظر کر کے فتاویٰ مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔

الجواب۔ جوف معدہ کے ساتھ خاص نہیں، دماغ اور معدہ دونوں کو شامل ہے۔

۸؍ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ (النور ص: ۹ شعبان ۵۱ھ)

## رفع اشکال متعلق عقوبت بر ترک افطار نفل

سوال (۲۱۴) رسالہ قشیریہ باب حفظ قلوب المشائخ میں بسند ایک حکایت منقول ہے، ان شقیقا وابا تراب قد ما علی ابی یزید فقدمت السفرة وشاب یخدم ابا یزید فقالا له کل معنا یافتی فقال انا صائم فقال ابوتراب کل ولك اجر صوم شهر فابی فقال شقیق کل ولك اجر صوم سنة فابی فقال ابو یزید دعوا من سقط من عین الله فاخذ ذلك الشاب فی السرقة بعد سنة فقطعت یده آه، اس میں دو اشکال ہیں، ایک یہ کہ ایسی فضیلت کا وعدہ بدون نص کے کیسے جائز ہے دوسرا یہ کہ جو عمل شرعاً واجب نہ ہو بلکہ شاید جائز بھی نہ ہو، مثلاً افطار اس کے ترک پر عقوبت کیسے مرتب ہوئی؟

الجواب۔ ثبوت درجہ قطع یا ظن میں تو ضرور موقوف ہے نص پر وہ نص جس درجہ کی بھی ہو، لیکن ثبوت درجہ احتمال میں بفحوائے انا عند ظن عبدی بی، محض بشارت الہامی سے بھی ممکن ہے، ان

بزرگوں کو ایسی بشارت ہوئی ہوگی خواہ ابتداءً خواہ بطور اجابت دعاء یا ابرار المقسم (۱) کے، یہ پہلے اشکال کا جواب ہے، اور دوسرے کا جواب یہ ہے کہ غالباً روزہ نفل ہوگا، جس کا افطار مضیف کو ضیف کے لئے اور ضیف کو مضیف کے لئے بلکہ مدعو کو داعی کے لئے بلکہ ایک روایت میں جس کو بعض محققین نے اختیار کیا ہے بلا عذر بھی بشرط عزم قضاء جائز ہے، وہذا کلہ مذکور فی الدر المختار، اور مباح بعض عوارض سے مندوب اور مندوب بعض عوارض سے ایک درجہ میں مؤکد ہو جاتا ہے، اور ان عوارض میں سے ایک عارض وعدہ بھی ہے، اور وعدہ عام ہے قولی وفعلی سے، اور کسی کے ساتھ عقیدت کا معاملہ وعدۂ فعلی ہے عدم ایذاء کا، اس قصہ میں اس خادم کی طرف سے ایسا ہی وعدہ متحقق ہوا اور اس کے اباء سے ان بزرگوں کو اذیت ہوئی جس سے تحرز مؤکد ہو گیا تھا، اور گو وہ مؤکد اس درجہ کا نہ تھا کہ اس پر ایسی عقوبت مرتب ہو مگر عقوبت خفیفہ اس پر مرتب ہو سکتی ہے، اور وہ عقوبت خفیفہ ضعف تھا ہمت طاعت وترک معاصی کا اور یہی ضعف ہمت (جس کی دوسری تعبیر قلت توفیق ہے) محمل ہے ابو یزید کے اس قول کا سقط من عین اللہ اور اس ضعف کا تدارک اور اس کی مقاومت اس کے اختیار میں تھا، اگر اختیار سے کام لیتا عقوبت سے محفوظ رہتا مگر اس نے اپنے اختیار سے کام نہیں لیا، اور معصیت کا مرتکب ہوا پھر اس معصیت پر عقوبت مرتب ہو گئی، پس وہ اذیت ان وسائط سے اس عقوبت تک مفضی ہوگئی وھکذا سنة الله في اولياء ہ ومن اذاھم بغير عذر، سو اس میں کوئی محذور لازم نہیں آیا، واللہ اعلم۔ ۸ر محرم ۱۳۵۴ھ (النور ص:۹ ذی الحجہ ۵۴ھ)

## بواسیر کا مسّہ آبدست کرنے کے بعد چڑھانے سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں

سوال (۲۱۵) بواسیر کے مسّے اجابت کے وقت باہر نکل آتے ہیں اور آبدست کرنے کے بعد ان کو دبا کر اوپر چڑھا دیا جاتا ہے، اس صورت میں اگر پانی خشک نہ کر کے ان کو چڑھا لیا گیا تو روزہ رہے گا یا نہیں؟

الجواب۔ في ردالمحتار عن الفتح خرج سرمه فغسله فان قام قبل ان ينشفه فسد صومه والا فلا لان الماء اتصل بظاهره ثم زال قبل ان يصل الى الباطن بعود المقعدة آھ قبله في نظيره عن الطحاوی ومحله اذا كان ذاكراً للصوم والا فلا فساد كما في الهندية عن الزاهدی آھ، ج:۱ ص:۱۵۸، ان روایات سے جواب ظاہر ہو گیا، کہ روزہ فاسد ہو گیا، بشرطیکہ روزہ اس وقت یاد ہو، ۱۶ر رمضان ۴۳ھ (تتمہ خامسہ ص: ۳۶۸)

تتمہ۔ اس کے ایک ماہ بعد یہ سوال دوسرے مقام سے آیا جس میں یہ اشکال ظاہر کیا کہ خشک

---

(۱) اشارہ ہے حدیث لواقسم علی اللہ لابرہ یعنی اللہ کے بعض مقبول بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ کوئی قسم کھا بیٹھیں تو اللہ اس کو پورا کرتا ہے ۱۲ منہ

کرنے سے بیحد سوزش وقبض وآمد خون کی ہوتی ہے، اس وجہ سے تر ہی چڑھانے کی عادت پچیس برس سے ہے تو گزشتہ روزوں کا کیا کرے، اور آئندہ کس طرح روزے رکھے، اس کا جواب مولوی ظفر احمد نے لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ فساد صوم مقید ہے موضع حقنہ تک تری پہونچ جانے سے اور وہ موضع بہت بعید ہے، معمولاً وہاں تک تری نہیں پہنچتی اس لئے فساد کا حکم نہ کیا جائے گا، امداد الاحکام میں وہ جواب ۲ رذیقعدہ ۴۳ھ کی تاریخ کا لکھا ہوا ہے (۱)۔ ۳ رذیقعدہ ۴۳ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۳۶۹)

سوال (۲۱۶) زید بہ مرض بواسیر مبتلاء ہے اور بول و براز کے وقت و نیز دیگر اوقات میں مسّہ اندرونی باہر آجاتے ہیں، اکڑو بیٹھنے سے ورفتار سے یا زیادہ دیر کھڑے ہونے سے اور بغیر نم دیئے مسّہ اپنی جگہ نہیں جاتے اور نہ قائم رہتے ہیں۔ اگر کچھ دب کر اندر ہو بھی جاتے ہیں تو قائم نہیں رہتے ہیں۔ باہر رہنے سے سخت تکلیف ہوتی ہے اور نم دینے کی بابت یہ سنا گیا ہے کہ پانی کی تری دینے سے اور ان کو اندرونی حصہ میں پہونچانے سے روزہ جاتا رہتا ہے۔ پس ایسی حالت میں جب زید کو سخت مجبوری ہو تو کیا عمل کرے۔

الجواب۔ فی ردالمحتار فی الفتح خرج سرمه فغسله فان قام قبل ان ینشفه فسد صومه والا فلا لان الماء اتصل بظاهره ثم زال قبل ان یصل الی الباطن بعود المقعدة ج: ۲ ص: ۲۵۸، اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس صورت میں روزہ جاتا رہے گا۔ پس دن کے وقت ایسا کرنے سے احتراز کرے البتہ اگر ایسا کرے کہ تر کر کے کپڑے سے پوچھ ڈالے پھر اندر داخل کر دے تو روزہ نہ جاوے گا۔ ۶ رشوال ۱۳۳۴ھ

## متعدد مسائل فدیۂ صوم

سوال (۲۱۷) ایک شخص اتنا بوڑھا ہو گیا ہے کہ روزہ نہیں رکھ سکتا، تو رمضان گزر جانے کے بعد سب روزوں کا فدیہ ایک دن میں ایک ہی فقیر کو دینا درست ہے یا نہیں، اور رمضان ختم ہونے سے پہلے تمام رمضان کا فدیہ دے سکتا ہے یا نہیں، اور قسم کا کفارہ ایک دن میں ایک آدمی کو سب دے دیں تو درست ہے یا نہیں۔؟

---

(۱) علاوہ ازیں ردالمحتار کی عبارت میں جو جزئیہ بلفظ خرج سرمه مذکور ہے وہ مسّۂ بواسیر کے لئے صریح نہیں کیونکہ سرم اور چیز ہے مسّۂ بواسیر اور سرم حسب تصریح اہل لغت وکتب تشریح معی مستقیم کا نام ہے جس کو اردو میں کانچ بولتے ہیں وہ بعض اوقات باہر آجاتی ہے اور جب چڑھائی جاتی ہے تو موضع حقنہ تک پہونچتی ہے بخلاف مسّۂ بواسیر کے کہ مبرز کے اوپر پیدا ہو جاتے ہیں کبھی باہر اور کبھی اندر وہ موضع حقنہ تک عادۃً نہیں پہونچتے اس لئے جو تری ان تک رہی وہ موضع حقنہ تک نہیں جاتی ہے اسلئے مفسد صوم نہیں۔ واللہ اعلم، بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

الجواب۔ فی الدرالمختار وللشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ویفدی وجوبا ولو فی اول الشھر و بلا تعدد فقیر کالفطرۃ لوموسرا والا فیستغفر اللہ فی ردالمحتار قوله وبلا تعدد فقیر ای بخلاف نحو کفارۃ الیمین للنص فیھا علی التعدد فلواعطی منھا مسکینا صاعاً عن یومین جاز، لکن فی البحر عن القنیۃ ان عن ابی یوسفؒ فیه روایتین وعند ابی حنیفۃ لا یجزیه کما فی کفارۃ الیمین وعن ابی یوسفؒ لو اعطی نصف صاع من برعن یوم واحد لمساکین یجوز قال الحسن وبه ناخذ آھ۔ ومثله فی القھستانی (فصل فی العوارض) ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوئے:

اول: ایسے بوڑھے کو فدیہ دینا درست ہے۔

ثانی: رمضان شروع ہونے کے بعد تمام رمضان کا فدیہ دینا بھی درست ہے، خواہ رمضان ختم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

ثالث: کئی روزوں کا فدیہ ایک مسکین کو دینا بھی درست ہے لیکن خاص اس مسئلہ میں اختلاف بھی ہے اس لئے احتیاط تو یہی ہے کہ کئی روزوں کا ایک کو نہ دے، لیکن دے دینے میں گنجائش بھی ہے۔

رابع: ایک روزے کا فدیہ کئی مسکینوں کو دے دینا درست ہے۔

خامس: پورا کفارۂ یمین ایک کو دینا درست نہیں۔

۱۶ رجمادی الاخریٰ ۱۳۵۳ھ (النور ص:۹ جمادی الثانی ۵۴ھ)

## تعریف شیخ فانی

سوال (۲۱۸) شیخ فانی کی جس کو روزہ معاف ہے کیا تعریف ہے یعنی کس عمر اور حالت میں شیخ فانی سمجھا جاوے گا۔

الجواب۔ فی الدرالمختار وللشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ویفدی الخ وفی ردالمحتار ای الذی فنیت قوته او اشرف علی الفناء ولذا عرفوه بانه الذی کل یوم فی نقص الی ان یموت نھر ومثله ما فی قھستانی عن الکرمانی المریض اذا تحقق الیاس من الصحۃ فعلیه الفدیۃ لکل یوم من المرض اھ وکذا ما فی البحر لو نذر صوم الابد فضعف عن الصوم لاشتغاله بالمعیشۃ له ان یطعم ویفطر لانه استیقن انه لا یقدر علی القضاء ج:۲ ص:۱۹۱۔

ان روایات سے ملخص شیخ فانی کے مفہوم کا یہ نکلا کہ اس کی موجودہ حالت سے یہ معلوم ہو کہ اس کو نہ فی الحال روزہ پر قدرت ہے نہ آئندہ امید ہے اور اس عدم قدرت کی وجہ خواہ پیرانی سالی ہو خواہ مرض۔

۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ

# باب الاعتکاف

## خروج معتکف بسوئے صحن مسجد کہ بر سقف دکانہا باشد

سوال (۲۱۹) جن مساجد کو اندر کا درجہ تو بھراؤ پر بنا ہوا اور صحن دو کانوں پر ہو تو معلوم ہے کہ صحن میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب تو نہیں ملے گا، دریافت کرنا یہ ہے کہ جو شخص اندر کے درجہ میں اعتکاف کرے اس کو جماعت سے نماز ادا کرنے کو صحن مسجد میں آنا (کیونکہ جماعت اکثر اوقات آج کل باہر ہی ہوتی ہے) مفسد اعتکاف ہوگا یا نہیں، اور صاحبین اور امام صاحب سے جو اختلاف مفسد اعتکاف مسجد سے نکلنے میں ایک ساعت اور ایک وقت نماز کامل خارج مسجد سے رہے اس میں کون سا قول راجح تر ہے؟

**الجواب۔** اول تو اگر دو کانیں مسجد کے وقف ہوں تو بعض روایاتِ فقہیہ کی رو سے اس سطح کو مسجد کہنے کی گنجائش ہے ضرورت جماعت میں اس روایت پر عمل جائز ہے، اور دوسرے اگر قول راجح ہی لیا جاوے کہ اس کا حکم مسجد کا نہیں تاہم معتکف کو ضرورت کی وجہ سے خروج عن المسجد جائز ہے، خواہ وہ ضرورت طبعی ہو یا دینی، اور ادراک جماعت مثل ادراک جمعہ ضرورت دینیہ ہے اس لئے خروج جائز ہے، تیسرے جب پہلے سے معلوم ہے کہ مجھ کو یہاں تک آنا پڑے گا تو گویا نیت استثناء کی ہوگئی اور استثناء کے وقت خروج جائز ہے، چوتھے صاحبین کے قول کو بعض نے ترجیح دی ہے، کما فی الدر المختار فقط۔

۲۰ رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد ص: ۱۸۳ ج: ۱)

## حکم اخراج ریح معتکف را در مسجد

سوال (۲۲۰) اعتکاف کے بارہ میں اختلاف ہو رہا ہے کہ حدث اندر مسجد کے کیا جاوے یا باہر مسجد کے، بعض شاگرد استاذ مولانا خلیل احمد صاحب مدرس اول مدرسہ سہارن پور و دیگر مفتیین مولانا گنگوہی علیہ الرحمۃ حدث کو اندر مسجد کا رائے فرماتے ہیں و بعض شاگردان حضرت اس کو پیشاب پاخانہ پر قیاس کرتے ہیں اور اس کو عذر شرعی قرار دے کر باہر مسجد کے اجازت دیتے ہیں اور حضرت مولانا صاحب مذکور سے بھی اندر مسجد کے جواب پایا گیا، اور مولانا گنگوہی علیہ الرحمۃ کی طرف قول کو نسبت کرتے ہیں اور حدث کو عذر شرعی پر قیاس کرنا بوجہ عدم نقل تسلیم نہیں کرتے، اس واسطے امید قوی ہے کہ بندہ کو جواب شافی سے ممنون فرماویں اگر دلیل موجود ہو تو بحوالۂ کتب عنایت فرمانا ہو تو نورٌ علیٰ نور ہے کہ مخالفین ہمارے ساکت ہوویں، فقط۔

الجواب۔في ردالمحتار وكذا لايخرج فيه الريح من الدبر كما في الاشباه واختلف فيه السلف فقيل لا باس وقيل يخرج اذا احتاج اليه وهو الا صح حموى عن شرح الجامع الصغير للتمرتاشي ص ٦٨ ج ١، اس سے معلوم ہوا کہ گنجائش تو مسجد کے اندر بھی ہے مگر زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ مسجد سے باہر نکل جانا چاہئے، اور روایت اپنے اطلاق سے معتکف وغیر معتکف دونوں کو شامل ہے، ۱۴ر رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۶۹)

## عدم جواز خروج معتکف بعذر مرض یا دواء

سوال (۲۲۱) معتکف مسجد میں اکیلا ہے، اور رات کو بیمار ہو گیا ہے تو اس وقت اس کو دواء لا کر دینے والا شخص اس کے پاس موجود نہیں تو کیا وہ خود گھر جا کر دواء منگانے کا انتظام کرا سکتا ہے یا خود ہسپتال جا کر دواء لا سکتا ہے۔؟

الجواب۔ في الدرالمختار وحرم عليه الخروج الالحاجة الانسان طبيعة كبول وغائط وغسل لواحتلم ولا يمكنه الاغتسال في المسجد كذا في النهراوشرعية واذان لومؤذنا وباب المنارة خارج المسجد والجمعة الخ ثم فيه وان خرج بعذر ويغلب وقوعه وهو مامر لا غير لا يفسد وفي ردالمحتار قوله وهو مامراى من الحاجة الطبيعية والشرعية ثم فيه ولان الخروج لمرض وحيض ونسيان اذا كان مفسدا الخ، ج:۲ ص:۲۱۱ تا ص ۲۱۶، ان روایات سے ثابت ہوا کہ اس صورت میں خروج جائز نہیں۔ ۴ر محرم ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص:۵)

## حکم دیوار مسجد در حق معتکف

سوال (۲۲۲) معتکف کو مسجد کے کنارے پر جو دیوار ہے اس میں بیٹھنا جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ معلوم نہیں بانی نے اس کو اپنی نیت سے مسجد میں داخل کیا ہے یا نہیں۔ (تتمۂ خامسہ ص:۹۲)

## خارج بودن فصیل از مسجد

سوال (۲۲۳) مسجد کی فصیل یعنی منڈیر مسجد کے اندر داخل ہے یا خارج؟

الجواب۔ مسجد کے اندر کسی جزو کے داخل یا خارج ہونے کا مدار بانی و واقف کی نیت پر ہے اگر وہ موجود نہ ہو تو قرائن پر ہے تو میرے نزدیک قرائن عرفیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسجد سے خارج ہے اگر کسی کو اس کا خلاف قرائن سے محقق ہو جائے تو داخل سمجھنا چاہئے لیکن خارج ہونے کی صورت میں بھی وہاں بیٹھ کر کوئی ایسا فعل نہ کرے جس کا اثر مسجد میں پہونچ کر موجب تفویت اس کے احترام کا

ہو مثلاً حقہ وغیرہ وہاں بیٹھ کر پینا حدیث میں ہے **من اکل الثوم فلا یقربن مصلانا** اس میں لایقربن کا لفظ اس دعویٰ مذکور کا مؤید ہے۔ ۱۵؍شوال ۱۳۲۱ھ (امداد ثالث ص:۱۳۹)

## گرمی کی وجہ سے غسل خانہ میں جا کر غسل کرنے کا حکم

سوال (۲۲۴) گرمی کی وجہ سے غسل خانہ میں جا کر روزانہ نہانا جائز ہے۔؟

الجواب۔ نہیں۔

سوال (۲۲۵) اگر بوجہ ناواقفیت کے نہایا ہو تو اس کے اعتکاف ہوئے یا نہیں۔؟

الجواب۔ جتنے دن ایسا کیا اتنے دن کے اعتکاف کی قضاء کرے،

۱۵؍رمضان ۱۳۳۷ھ (تتمۂ خامسہ ص:۹۲)

## حکم سکوت در اعتکاف

سوال (۲۲۶) علم الفقہ و بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ چپ اعتکاف میں بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا کتنی دیر چپ رہنا مکروہ تحریمی ہوگا، خادم کی عادت ہے کہ بعد عشاء تراویح وغیرہ جب سوتا ہے تو پاس انفاس کا ذکر کرتا رہتا ہے، جو ابتداء میں حضور نے تعلیم فرمایا ہے، تو یہ چپ میں تو نہ شمار ہوگا، اور کتب دینیات کا دیکھنا یا وعظ وغیرہ کا یہ بھی تو چپ رہنے میں شمار نہ ہوگا اور معتکف بات چیت کچھ کر سکتا ہے یعنی ضروری بات ضرورت کے مطابق میں اس وقت قصداً اپنے نفع کے لئے بالکل خاموش ہوں اشارہ سے کام لے لیتا ہوں، یا تحریر سے تو یہ کوئی حرج تو نہیں ہے،

الجواب۔ **فی الدر المختار ویکرہ تحریما صمت ان اعتقدہ قربۃ والا لا لحدیث من صمت نجا ویجب ای الصمت کما فی غرر الاذکار عن شر وتکلم الابخیر** ص:۲۱۷ ج:۲، اس روایت سے معلوم ہوا کہ جیسا سکوت آپ کا ہے یہ مکروہ نہیں بلکہ خیر ہے، البتہ کوئی سکوت ہی کو عبادت مستقلہ سمجھے وہ مکروہ ہے۔ ۲۵؍رمضان ۱۳۳۷ھ (تتمۂ خامسہ ص:۹۴)

## بعض جزئیات متعلق اعتکاف

سوال (۲۲۷) (۱) اگر کوئی ضعف جسمانی کی وجہ سے عشرۂ اخیرہ کاملہ کا اعتکاف نہ کر سکے اور ۳ یا ۵ یوم کا ۲۱ و ۳۰ کے مابین اعتکاف کرے تو سنیت کا کچھ اجر ملے گا، یا دیگر ایام رمضان کے اعتکاف کی طرح محض نفل سمجھا جائے گا (۲)۔ عشرۂ اخیرہ رمضان کے اعتکاف مسنون میں جمعہ کے یا

تبرید کے لئے غسل کرنے کی غرض سے خروج عن المسجد مفسد اعتکاف ہے یا متمم یا جائز غیر مفسد، اور خروج عن المسجد سے مراد احاطۂ مسجد ہے یا وہ حصہ جو نماز کے لئے حکم مسجد میں ہے، اگر غسل خانہ صدر دروازہ کے اندر ہوتو اس میں غسل کرنا اور باہر غسل کرنا مساوی ہے یا کیا۔؟

الجواب۔ (۱) سنت بقید عشر ہے، جب قید نہیں مقید نہیں، اور وہی سنت تھا، پس سنت نہیں، اور جز وسنت بحال انفراد کے لئے جز وسنت بحالت اجتماع مع سائر الاجزاء کے حکم میں ہونا لازم نہیں اور نہ ثابت (۲) جس یوم کا اعتکاف شروع ہوگیا ہے اس کے لئے مفسد ہے، بقیہ ایام کے لئے منہی و متمم ہے، البتہ منذور کے لئے مجموعہ کا بھی مفسد اور مسجد وہی موضع ہے جہاں نماز پڑھی جاتی ہے نہ کہ کل احاطہ۔

۵رشوال ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص:۵۵)

☆☆☆

# کتابُ الحج

## اشتراط زادمناسب حال ہرکس برائے حج

سوال (۲۲۸) جوشخص رئیس ہے ہمیشہ ملازم خدمت کرتے ہیں، ریل میں فرسٹ کلاس میں سفر کرتا ہے تو اس شخص پر حج جب فرض ہوگا کہ روپیہ قابل کرایہ آگبوٹ فرسٹ کلاس کے ہو، اور ملازم کے لائق بھی کرایہ ہو، کیونکہ ظاہر ہے کہ رؤسا نہ بغیر ملازم گزر کر سکتے ہیں، اور طوطق میں تو کیا عجب ہے کہ مریض ہو جاویں، غرض اس تخمینہ میں ایسے لوگوں پر ایک ہزار روپیہ ضرور ہوگا یا ان پر بھی تین سو روپے سے ہی حج فرض ہو جائے گا؟

**الجواب**۔فی الدر المختار ذی زاد یصح به بدنه فالمعتاد للحم ونحره اذا قدر علی خبز وجبن لا یعد قادراً وفی ردالمحتار لیس من الحوائج الاصلیة ماجرت به العادة المحدثة برسم الهدیة للاقارب والاصحاب فلایعذر بترك الحج لعجزه عن ذلك۔

(ص:۲۳۱، ج:۲)

ان عبارات سے مستفاد ہوا کہ جو عادت ایسی ہو جن کے ترک سے بیمار ہو جاوے اس عادت کے موافق سامان ہونا شرط ہے وجوب حج کی اور یہ بھی مستفاد ہوا کہ ہدایا تحائف لانے پر قدرت شرط نہیں، اور اسی کے حکم میں ہے مدینہ طیبہ کا سفر، اور اس کی استطاعت بھی شرط حج نہیں، اور یہ معلوم ہی ہے کہ اگر حوائج اصلیہ سے زائد کچھ سامان ہو اور نقد روپیہ نہ ہو تو اس سامان کو فروخت کر دینا واجب ہے، اور اس کے ہونے سے بھی حج فرض ہو جاوے گا۔

۲۲/ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ (حوادث اول ص:۱۴۱)

## عورت کے ساتھ حج میں محرم کا ضروری ہونا اور نہ ہونے پر وصیت آخر عمر میں کرنا

سوال (۲۲۹) ایک عورت بیوہ ہے، اور مقدار حج اس کے پاس روپیہ ہے، لیکن اس کے ساتھ جانے والا محرم کوئی بیٹا ہے نہ باپ ہے نہ بھائی ہے، غرض کوئی شخص نہیں، ایسی صورت میں اس پر حج فرض ہے یا نہیں، اگر فرض ہے تو غیر شخص کے ساتھ جا سکتی ہے یا تنہا، اور جو حج اس پر فرض نہیں ہے اور یہ عورت کچھ روپیہ یا مقدار حج سارا روپیہ کسی نیک کام میں خرچ کرے تو اس کو حج کا ثواب مل سکتا ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ اگر روپے کی مقدار اتنی ہے کہ صرف اس عورت کے حج کو کافی ہو جاوے تب تو حج فرض ہی نہیں، في الدرالمختار ومع زوج اومحرم بالغ عاقل الى قوله مع وجوب نفقة لمحرمها عليها في ردالمحتار قوله مع وجوب النفقة الخ اى فيشترط ان تكون قادرة على نفقتها ونفقته اھ، ج:۲،ص: ۲۳۴۔ اور اگر دو شخصوں کے لائق خرچ ہے تو نفس وجوب تو اس پر ہوگیا ہے وجوب ادا نہیں ہوا بوجہ محرم نہ ہونے کے اس لیے اس کو اجنبی کے ساتھ سفر کرنا تو جائز نہیں، لیکن روپیہ محفوظ رکھے شاید کوئی محرم میسر ہو جاوے، اور اگر اخیر عمر تک میسر نہ ہو تو وصیت کر جاوے[1] کہ مرنے کے بعد اس کی طرف سے حج بدل کرادیا جاوے۔ فی ردالمحتار والذی اختاره في الفتح انه مع الصحة وامن الطريق شرط وجوب الاداء فيجب الايصاء الخ ج:۲ص:۲۳۵، فقط۔

۲۲؍رجب ۱۳۳۳ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۲۷)

## حکم تقدیم حج بر پرورش ونکاح اولاد

سوال (۲۳۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید فقیر ہے گذر توکل علی اللہ، چار اولاد بالغ، اور چار نابالغ رکھتا ہے صاحب جائداد نہیں، البتہ علاوہ مکان سکونتی کے اس کی دوسری حویلی تھی، اس نے اس کو بعوض پانصد کے فروخت کر کے سو روپے اپنے قرض دیدیئے، اب ان چار سو روپے میں وہ ان بالغ اولاد کے نکاح سے فارغ ہو جاوے یا ان بالغ کو نابالغ بچوں کی پرورش کا سرمایہ سمجھیں، یا اس قدر یک مشت روپے کی ملکیت سے اس پر حج فرض ہوگیا وہ حج کو چلا جاوے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ في الدرالمختار فضلا عما لابدمنه الى قوله وحرر في النهر انه يشترط بقاء راس المال لحرفة ان احتاجت لذلك والالا وفي الاشباه معه الف وخاف العزوبة ان كان قبل خروج اهل بلدة فله التزوج ولووقته لزمه الحج وفضلا عن نفقة عياله ممن تلزمه نفقته لتقدم حق العبدالى حين عوده وقيل بعده بيوم وقيل بشهرٍ مع امن الطريق بغلبة السلامة ولو بالرشوة على ما حققه الكمال اھ في ردالمحتار قوله الى حين عوده متعلق بقوله فضلاً اوبما لابدمنه لانه بمعنى مايحتاج او بنفقة اى فلايشترط بقاء نفقة لمابعدعوده وهذا ظاهر الرواية اھ۔ ج:۲ ص:۲۳۲۔

بنا بر اس روایت کے جب اس شخص کو کسی پیشہ کے لیے روپیہ کی ضرورت نہیں اور نہ خوف عزوبت ہے اور دوسرا مکان بھی رہنے کو ہے اور وقت عود تک کے لیے اہل وعیال کا نفقہ نکل کر بھی حج

(۱) یا قبل موت ایسی حالت ہو جائے کہ اگر محرم بھی مل جائے تب بھی سفر نہ کر سکے تب بھی حج بدل کرا سکتی ہے ۱۲ منہ۔

کے لئے کافی خرچ بچ سکتا ہے اس لیے اس شخص پر بشرط امن طریق حج فرض ہو جائے گا واللہ اعلم۔
۲۰ رذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۱۸۹)

## صحیح بودن حج درایام حکومت شریف مکہ

سوال (۲۳۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں جب کہ شریف مکہ پر فتویٰ ہو چکا ہے تو جو لوگ گزشتہ سال میں اور اب حج کو گئے ہیں ان کا حج ہوا اور ہو گا یا نہیں اور ایک عالم کہتے ہیں دارالحرب کے مسئلہ کی رو سے کہ جب کہ خطبۂ حج شریف یا اس کا قائم مقام پڑھے گا حج نہیں ہو گا، اور ہوا تو ناقص ہو گا اور خاکسار نے تردید پیش کی بحوالۂ رسالۂ مناسک حج تصنیف مولانا مولوی شاہ رشید احمد صاحب، جس میں آپ نے لکھا ہے اگر ۹ رتاریخ ذی الحجہ بعد ظہر یعنی حج کے دن محض میدان عرفات شریف میں سے گزر جائے تو بھی حج اس کا ہو چکا، اور میری یہ بھی عرض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ مکہ معظمہ کافروں کے قبضہ میں تھا حج کئے اور اب تو مکہ معظمہ دارالاسلام بلکہ دارالایمان ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص کا تو عمل بگڑے اور دوسرے شخصوں کا عمل عمل نہ سمجھا جائے اس لئے جواب مرحمت فرماویں۔

الجواب۔ آپ کی خوش فہمی سے دل خوش ہوا جو سمجھا بے شک یہی بات ہے حج کے جواز میں کچھ شبہ نہیں خصوصاً جن پر حج فرض ہے اگر محض اس وجہ سے نہ جاویں گے تو سخت گناہ گار رہوں گے اور نفل بھی درست ہو گا۔ ۱۲ رشوال ۱۳۳۸ھ (تتمۂ خامسہ ص:۱۵۶)

## حکم حج کردن مفلس از مال عطاء کردہ غیر برائے حج

سوال (۲۳۲) جس شخص بالغ عاقل آزاد پر بوجہ مال نہ ہونے کے حج فرض نہیں ہے، اس کو نفل حج کرنے کے لیے کسی نے پیسے دیئے، اور اس نے خود کی طرف سے نفل حج ادا کیا، بعد میں وہ نفل حج کردہ شخص مالدار ہو گیا اور وہ حج کرنے نہ جائے تو پہلا نفل حج جو اس نے کیا ہے اس سے حج کی اس پر سے فرضیت ساقط ہو جاوے گی یا نہیں۔؟

الجواب۔ پہلا حج جو اس شخص نے کیا ہے اگر خالص نفل حج کی نیت کی ہے تو وہ نفل ادا ہو گا اور فرض حج ساقط نہ ہو گا، او اگر پھر مالدار ہوا تو حج فرض پھر ادا کرنا ہو گا، اور اگر خاص نفل کی نیت نہ کی تھی، مگر فرض کی بھی نیت نہ کہ تھی، بلکہ مطلق حج کی نیت کر لی تھی تو اس سے فرض ساقط ہو گیا اب مالدار ہونے سے دوبارہ حج فرض نہ ہو گا۔ فی ردالمحتار **بان الحج یصح بمطلق النیة بلا تعیین الفرضیة بخلاف الصلوة الاتحت قول الدرالمختار حرمکلف عالم بفرضیته اما**

بالکون بدارنا وفی نور الانوار بحث الظرف والمعیار ویتأدی (الحج) باطلاق النیة لابنیة النفل ای ان ادی الحج بمطلق النیة بان یقول نویت الحج یقع من الفرض بخلاف ما اذا قال نویت حج النفل فانه یقع عن النفل اھ۔ ۸ رجب ۱۳۴۲ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۷۰)

## میلین اخضرین کی حقیقت

سوال (۲۳۳) حج خانۂ کعبہ میں میلین اخضرین پر سعی کرنے کا حکم ہے اس کی کیا بنیاد ہے، میلین کیا چیز ہیں، کیوں بنائے گئے ہیں، سنا جاتا ہے کہ یہ دونوں شیطان تھے پتھر ہو گئے ہیں جواب تسکین دہ تحریر فرمایئے۔؟

الجواب۔ حضرت ہاجرہ جب پانی کو تلاش کرنے کے لیے کوہ صفا پر چڑھیں پھر دوڑ کر مروہ پر پہونچیں، اور حضرت اسماعیلؑ بچہ تھے، ان کو دیکھتی جاتی تھیں اس مقام پر نشیب تھا، اس لیے اس مقام کو دوڑ کر قطع کرتی تھیں اب دو نشان اس پر بنا دیئے ہیں اور وہ عمل جاری ہے۔ (تتمۂ اولیٰ ص ۲۷)

## مرض تنفس سے فرضیت حج کی ساقط نہ ہوگی

سوال (۲۳۴) ایک شخص کے پاس دوسو روپے تھے، اس نے نیت کی تھی کہ میں ان روپیوں سے حج بیت اللہ کروں گا مگر اب تک وہ صورت خدا نے نہ دکھائی اور اس میں سے پچاس روپے صرف ہو گئے، اور شخص مذکور کو عارضہ تنفس کا ہو گیا اور یہ خوف ہے کہ سفر میں شاید اور زائد ہو جاوے اب یہ نیت کرتا ہے کہ ان روپیوں سے اپنے محلے کی مسجد جو بے مرمت ہے اس کی مرمت کرا دوں، شریعت کیا فرماتی ہے۔

الجواب۔ اس پر حج فرض ہو گیا تھا اور جو عارضہ تنفس کا لکھا ہے وہ عذر کافی نہیں، فی الدرالمختار صحیح البدن فی ردالمحتار ای سالم عن الأفات المانعة عن القیام بما لابدمنه فی السفر الخ۔ (تتمۂ اولیٰ ص:۷۱)

## حکم منع زوج از حج زنے را کہ بچۂ شیرخوار داشتہ باشد

سوال (۲۳۵) ایک شخص مستطیع حج فرض کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اس کی بی بی جو مستطیع ہے اس کے ساتھ حج کرنا چاہتی ہے۔ شوہر کہتا ہے چونکہ تمہاری رضاعت وحضانت میں میرا فرزند ششماہی ہے، ریل، جہاز، اونٹ کی سواری پر جاتا ہے، خوف ہے کہ لڑکے کو ضرر پہونچے، تم اپنا ارادہ ملتوی رکھو، ان شاء اللہ تعالیٰ ہم بڑے لڑکے کے ساتھ حج کروا دیں گے۔ دریافت طلب یہ امر

ہے کہ صورت مسئولہ میں ششماہی بچہ کے ضرر کا خوف تاخیر حج کے لیے عذر شرعی ہوسکتا ہے یا نہیں، اور شوہر اگر بی بی کو روک دے تو شرعاً ماخوذ ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب۔ جزئی تو تلاش کرنے سے نہیں ملی، مگر بمقتضائے قواعد شرعیہ جواب یہ ہے کہ چونکہ ارضاع اور تربیت زوج پر واجب ہے نہ عورت پر، رضاعت وحضانت حق لہا ہے حق علیہا نہیں الا فی بعض الصور لہٰذا زوج کو اس عذر سے جائز نہیں کہ زوجہ کو حج سے منع کرے، اور بچہ پر اوّل تو کوئی ضرر مظنون نہیں، اور علی سبیل التسلیم مرد کسی عورت کو ارضاع کے لیے نوکر رکھے، اور بچہ کو چھوڑ جائے اور تألم بمفارقت الولد عذر شرعی نہیں ہے، اور اگر بچہ کو ساتھ لے جانے میں اس بچہ کو کوئی ضرر مظنون نہیں تو یہ امر یعنی ماں سے جدا کر کے اس کا گھر چھوڑ جانا جائز نہیں، لان فیہ اتلاف الحق للمراۃ من الرضاعۃ والحضانۃ، واللہ اعلم۔　۲۰؍ رجب ۱۳۲۱ھ (تتمۂ خامسہ امداد ج:۱)

## تحقیق عدم وجوب حج بر کسے کہ منافع اراضی او ہمہ خرچ شود وہیچ رقم فاضل نمی ماند

سوال (۲۳۶) ایک زمیندار کے پاس چار پانچ سو روپے کے منافع کی جائداد ہے، مگر اہل وعیال کے خرچ ایسے ہیں کہ سال میں کچھ بھی بچت نہیں ہوتی تو آیا اس پر حج واجب ہے۔

الجواب۔ فی ردالمحتار ص:۱۰٤ جلد ثانی و فی التتارخانیة عن الصغریٰ له داریسکنها لکن تزید علی حاجته بان لایسکن الکل یحل له اخذ الصدقة فی الصحیح وفیها سئل محمّد عمن له ارض یزرعها اوحانوت یستغلها اودار غلتها ثلثة آلاف ولا تکفی لنفقته ونفقة عیاله سنة یحل له اخذ الزکوة وان کانت قیمتها تبلغ الوفاء وعلیه الفتویٰ وعندهما لایحل اھ۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس شخص پر حج واجب نہیں [(۱)] واللہ اعلم وعلمہ اتم۔　۱۴؍ ربیع الثانی ۲۴ھ (امداد ص:۱۸۴ ج:۱)

## حج برائے کسیکہ اگر حج کند برائے صرفہ ہیچ سرمایہ نماند

سوال (۲۳۷) کچھ قرض دام کر کے دکان کی تھی اس سے بحمد اللہ مصارف ضروریہ پورے ہوجاتے تھے لیکن پس انداز کچھ نہ تھا اور یہ خیال تھا کہ اس قدر کچھ ہوجاوے کہ سفر حج کے لئے کافی ہو،

(۱) اصل ص ۱۸۵ سطر ۱۱، اس شخص پر حج واجب نہیں، اصلاح سوال میں اجمال ہے کیونکہ نہ خرچ میں ضروری وغیر ضروری کی تفصیل ہے نہ اہل وعیال میں واجب النفقہ وغیر واجب النفقہ کی تفصیل ہے اور بہت سے لوگ اخراجات غیر ضروریہ کو ضروریہ سمجھ کر فضول خرچی کرتے ہیں اور بہت سے اپنی کریم النفسی یا عرف ورواج کی بناء پر غیر واجب النفقہ اشخاص کا بار اپنے ذمہ لے لیتے ہیں پس جواب کو اسی صورت کے ساتھ مخصوص سمجھنا چاہئے جبکہ مالی ضروریات واقعیہ وشرعیہ سے زائد نہ ہو اور حکم کو مطلق نہ سمجھنا چاہئے۔ (تصحیح الاغلاط ص ۳۲)

تمنا قلبی تھی کہ حق تعالیٰ اس مراد کو پہونچادیں، لیکن نہ ہوا، اب امسال پانچ سو روپیہ ترکہ ماموں صاحب سے ملے ہیں، اور یہی سرمایہ کلی ہے جس سے تجارت کرتا ہے، اور مصارف ضروریہ کو اس کی آمدنی غالبًا کافی ہوجائے گی اور اس وقت نقد روپیہ بالکل موجود نہیں ہے، البتہ اتنا مال تجارت ہے کہ اس کو فروخت کرکے سفر ہوسکتا ہے، اور خانہ داری کے لئے بھی کافی ہوگا، مگر بعد واپسی کوئی سامان ظاہری نظر نہیں آئے گا، ایسی حالت میں مشورۂ مناسب سے مطلع فرمایا جاوے۔؟

الجواب۔ حالت کذائیہ میں سفر حج مناسب نہیں ہے، **فی الدرالمختار وحرر فی النهر انه يشترط بقاء رأس المال بحرفته ان احتاجت لذلك والا لا فی ردالمحتار كتاجر ودهقان ومزارع كما فی الخلاصة ورأس المال يختلف باختلاف بحرقلت والمراد مايمكنه الاكتساب به قدر كفاية عياله لا اكثر لانه لانهاية له اهـ ج ۲ ص ۲۳۲** فقط واللہ اعلم۔

۱۰ر شوال ۱۳۲۴ھ (امداد ج:۱ ص:۱۸۵)

## حکم سفر حج زنے کہ شوہرش نفقہ ندہد و برادرانش بحج روند

سوال (۲۳۸) اگر شوہر عورت کو نان نفقہ کچھ نہیں دیتا اور اور نہ کسی طرح کی خبر گیری کرتا ہے، وہ اپنے میکہ میں رہتی ہے اور وہی اس کی خبر گیری کرتے ہیں، تو اگر اس کے بھائی وغیرہ جو اس کی خبر گیری کرتے ہیں، حج کو جاویں تو یہ عورت بلا اجازت شوہر حج کو جاسکتی ہے یا نہیں، اس عورت پر حج فرض نہیں ہے بلکہ وہی لوگ اس کا سفر خرچ بھی برداشت کریں گے، اگر یہاں اکیلی رہتی ہے تو کوئی اس کا خبر گیراں نہیں رہتا اور شوہر سے خوف ہے۔

الجواب۔ اس عورت کے حق میں سفر حج ایسا ہے جیسا دوسرا سفر کہ اس کے میکہ والوں کو پیش آوے، اور بہ ضرورت اس عورت کو ان کے ہمراہ رہنا پڑے اور یہ جائز ہے، پس وہ بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۷ر رجب ۱۳۲۵ھ (امداد ج:۱ ص:۱۸۷)

## مال حرام سے حج فرض ہوتا ہے یا نہیں؟

سوال (۲۳۹) جس شخص کے پاس مال حرام ہے تو اس پر حج فرض ہے یا نہیں اور جبکہ وہ روپیہ صرف ہوگیا اور مالک روپیہ سے اجازت لے لی، تو اب وہ مال حلال ہوگیا مگر اب صرف ہوچکا ہے تو اب اس پر حج فرض ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو سوال کرے یا قرض لیکر ضروری ہے۔؟

الجواب۔ مال حرام [1] جب اپنے مال میں مخلوط ہو جاوے ملک میں داخل ہو جاتا ہے اس لئے حج فرض ہو جاوے گا، اور بعد فرض ہونے کے مال کے صرف ہو جانے سے فرض بحالہ رہتا ہے لیکن سوال نہ کرے، البتہ اگر امید ادا ہو تو قرض لینا جائز ہے کذا فی ردالمحتار اول کتاب الحج۔

۱۶ محرم ۱۳۲۶ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۶۸)

## طریق حج قبل اشہر حج

سوال (۲۴۰) جو شخص اشہر حج سے پیشتر احرام باندھ کر برائے عمرہ یا حج جائے، یعنی مثلاً رمضان شریف یا اس سے پہلے جاوے تو کس طرح اور کس ترکیب و کس نیت سے احرام باندھے، اور وہ اشہر حج سے قبل حلال ہو کر مکہ شریف میں مقیم ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اور عمرہ قبل اشہر حج کے لاسکتا ہے یا نہیں، اور متمتع اشہر حج میں عمرہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب۔ اس شخص کے تمتع میں یہ دشواری ہے کہ اشہر حج تک محرم رہنا پڑے گا اور اس کے قبل عمرہ نہیں کر سکے گا، اور قران [2] و افراد میں فراغ حج تک محرم رہنا ہوگا، اس لئے سہل صورت اس کے لیے یہ ہے کہ عمرہ کا احرام باندھ کر رمضان میں مثلاً عمرہ کر کے حلال ہو جاوے اور رمضان میں جب چاہے عمرہ کر لے، پھر شوال کے داخل ہونے کے بعد چونکہ یہ شخص حکم مکی میں ہے عمرہ نہ کرے، پھر ایام حج میں افراد کا احرام باندھ کر منیٰ میں چلا جاوے۔

**فی ردالمحتار عن الفتح والنهر والحيلة لمن دخل مكة محرماً بعمرة قبل اشهر الحج يريد التمتع ان لايطوف بل يصبر الى ان تدخل اشهر الحج ثم يطوف فانه متى طاف وقع من العمرة ثم لم احرم باخرىٰ بعد دخول اشهر الحج وحج من عامه لم يكن متمتعاً فى قول الكل لانه صارفى حكم المكى بدليل ان ميقاته ميقاتهم اهـ** ج ۲ ص: ۳۱۷ واللہ اعلم۔ جمادی الاخری ۱۳۲۲ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۶۹)

---

(۱) خلط کرنے سے مال حرام ملک میں داخل تو ہو جاتا ہے مگر دین شمار ہوتا ہے۔ اس لیے مال حرام سے زائد اگر بقدر استطاعت مال ہو تو حج فرض ہوگا ورنہ نہیں اس کی تفصیل مسئلہ نمبر ۱۴ ص ۱۸ اور مسئلہ نمبر ۲۳ ص ۱۲ پر ملاحظہ ہو۔ ۱۲ رشید احمد عفی عنہ۔

(۲) اس میں یہ قباحت بھی ہے کہ اشہر حج سے قبل حج کا احرام باندھنا مکروہ تحریمی ہے ۱۲ رشید احمد عفی عنہ۔

# باب الاحرام وارکان الحج

## حکم استعمال پان دراحرام

سوال (۲۴۱) احرام کی حالت میں معتاد شخص کو پان کھانا کیسا ہے۔ پان سے لبوں کی زینت ہو جاتی ہے، اور پان میں ایک قسم کی خوشبو بھی ہے، اور اگر پان میں الائچی اور خوشبودار تمبا کو بھی ہو اس کا کھانا کیسا ہے اور غیر معتاد کو پان کھانا بلحاظ زینت یا بغیر لحاظ کیسا ہے۔؟

الجواب۔ فی العالمگیریة الطیب کل شیئی له رائحة مستلذة ویعده العقلاء طیبا کذا فی السراج الوهاج وفیها ولو کان الطیب فی طعام طبخ وتغیر فلاشیئی علی المحرم فی اکله سواء کان یوجد رائحة اولا کذا فی البدائع وان خلطه بما یوکل بلا طبخ فان کان مغلوباً فلاشیئی علیه غیر انه ان وجدت معه الرائحة کره وان کان غالبا وجب الجزاء وفی الدرالمختار وثوب صبغ بماله طیب کورس و عصفر الابعذر واله بحیث لایفوح فی الاصح۔

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ پان چونکہ داخل طیب نہیں گو موجب زینت ہے منافی احرام نہیں، الائچی اور مثل اس کے طیب ضرور ہیں مگر چونکہ پان وتمبا کو میں مغلوب ہیں لہٰذا وہ بھی جنایت نہیں، گو خالی از کراہت بھی نہیں، اور جنایات میں عادت وعدم عادت میں تفاوت نہیں حتیٰ کہ تداوی جو ضرورت میں عادت سے بڑھ کر ہے اگر طیب وغیرہ سے ہو جنایت ہے گو معصیت نہ ہو، فقط واللہ اعلم۔ ۱۴/ ذیقعدہ ۱۳۲۰ھ (امداد ص: ۱۸۴ ج: ۱)

## آفاقی کو بغیر احرام حرم میں داخل ہونے کا حکم

سوال (۲۴۲) اگر کوئی شخص غیر باشندہ مکہ بغیر احرام کے حرم شریف میں داخل ہو کر احرام باندھے اور اسی احرام سے حج کرے تو اس کا کیا حکم ہے۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار باب الجنایات افاقی یرید الحج اوالعمرة وجاوز وقته ثم احرم لزمه دم الخ۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس شخص کا حج ہو جاوے گا مگر دم لازم ہوگا۔ فقط۔
۲/ شوال ۱۳۲۶ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۶۸)

## قاصد مدینہ کو بغیر احرام حرم میں داخل ہونے کا حکم

سوال (۲۴۳) یمنی کو جدہ شریف سے ینبوع بندر سے مدینہ منورہ جانے کا قصد ہے بوقت گزرنے میقات یلملم کے احرام نہیں باندھا جب جدّہ شریف میں پہونچا پھر مکہ معظّمہ جانے کا ارادہ کیا اور جدّہ شریف سے ہی احرام باندھ لیا، اب اس پر بسبب گزرنے بغیر احرام باندھے یلملم کے سے دم لازم ہوگا یا نہ کیا حکم ہے، یا مکہ معظّمہ کا قصد بوقت گزرنے میقات کے شرط ہے۔

الجواب۔ فی الدرالمختار وحرم تاخیر الاحرام عنها کلها لمن قصد دخول مكة الی قوله اما لو قصد موضعا من الحل کخلیص وجدة حل له مجاوزته بلا احرام فاذا حل به التحق باهله فله دخول مكة بلا احرام فی ردالمحتار قوله فله دخول مكة بلا احرام ای مالم یرد نسکا جلد ۲ ص ۲۴۹۔ اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اس کا احرام جدہ سے صحیح ہوا اور اس پر کوئی جنایت لازم نہیں آئی۔ ۷؍شعبان ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۶۹)

## متمتع کے لئے طواف قدوم کا حکم

سوال (۲۴۴) متمتع پر طواف قدوم سنت ہے یا نہ چرا کہ طواف قدوم سنت ہے واسطے حج کے اور متمتع نے احرام باندھا ہے واسطے عمرہ کے ابھی اس پر طواف قدوم ساقط ہے یا نہ یا طواف عمرہ وقدوم ہر دو بجا کرے۔

الجواب۔ فی الدرالمختار وطاف بالبیت طواف القدوم ویسنّ هذا الطواف للأفاقی فی ردالمحتار ثم ان کان المحرم مفرداً بالحج وقع طوافه هذا لقدوم وان کان مفرداً بالعمرة اومتمتعاً او قارناوقع عن طواف العمرة نواه له او لغیره علی القارن ان یطوف طوافاً اخر للقدوم اهـ ای استحبابابعد فراغه عن سعی العمرة قاری ج۲ ص ۲۷۰ فی العالمگیریة ویفعل (ای المتمتع) مایفعله الحاج المفرد غیرانه لایطوف طواف التحیة ج۱ص:۱۵۴ اس سے معلوم ہوا کہ متمتع پر طواف قدوم نہیں ہے۔ (تتمۂ اولیٰ ص:۷۰)

## ذبح کرنا قربانی کے جانور یا شکریہ کے جانور کا محرم کے لیے کیسا ہے

سوال (۲۴۵) قربانی یا شکریہ کا جانور محرم ذبح کرے یا نہ۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار له ای للمحرم ذبح شاة وبقرة وبعیر الخ مع ردالمحتار ج ۲ ص ۳۵۸، اس سے جواز معلوم ہوا۔ (تتمۂ اولیٰ ص:۷۰)

## ذبح حلق کے بعد ہے یا قبل

سوال (۲۴۶) ذبح بعد حلق کے کرے یا پیش۔؟

الجواب۔في الدرالمختار ثم بعد الرمي ذبح ثم قصر في ردالمحتار اى او حلق ج ۲ ص ۲۹۴ اس سے یہ ترتیب معلوم ہوئی اوّل رمی پھر ذبح پھر حلق، ۷ رشعبان ۱۳۲۲ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۷۰)

## کیا طواف زیارت کے لئے مستقل احرام کی ضرورت ہے

سوال (۲۴۷) روز نحر کے جب جمار کو رمی کرلے اور ذبح کیا پھر احرام سے فارغ ہوا۔ پس واسطے طواف زیارت کے دیگر بار احرام باندھے یا نہ۔؟

الجواب۔وحل له كل شيئى الاالنساء الى قوله طاف للزيارة في ردالمحتار وشرائط صحته الإسلام وتقديم الإحرام ج:۲ ص:۲۹۶، ص:۲۹۷ اس سے معلوم ہوا کہ بار دیگر احرام نہیں ہوتا جس احرام سے حلال ہوا ہے وہی اس کے لئے کافی ہے۔ ۷ رشعبان ۱۳۲۲ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۷۰)

## ایام نحر میں سعی کرنا

سوال (۲۴۸) اور جو تین روز نحر کے میں سعی کرنا مکروہ لکھا ہے اگر کسی نے بوقت جائے عرفات کے طواف وسعی نہ کیا ہو ابھی وہ بوقت کرنے طواف زیارت کے ایام نحر میں سعی کرے یا نہ۔؟

الجواب۔ في الدرالمختار احكام المفرد ثم طاف للزيارة يومأمن ايام النحر الثلاثة سبعة بلا رمل ولا سعي ان كان سعي قبل هذا الطواف والا فعلهما لان تكرارهما لم يشرع في ردالمحتار تحت قوله والا فعلهما اى وان لم يكن سعي قبل رمي وسعي وان رمل قهستاني اى لانه رمله السابق بلا سعي غير مشروع ج:۲ ص:۲۹۷ وفي الدرالمختار احكام المتمتع ويحج كالمفرد لكنه يرمل في طواف الزيارة ويسعى بعد ان لم يكن قدمها بعد الاحرام في ردالمحتار قوله ان لم يكن قدمها اى عقب طواف تطوع بعد الاحرام بالحج فلا دلالة في هذا على مشروعية طواف القدوم وللتمتع ج:۲ ص:۳۱۹ اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں سعی کرے۔ (تتمۂ اولیٰ ص:۷۰)

## لبس رنگین ومخیط احرام

سوال (۲۴۹) احرام باندھنے میں سیاہ کپڑا یا گیرو سے رنگا ہوا یا کسی دوسری چیز سے رنگا ہوا

پہننا جس میں کوئی خوشبو نہ ہو جائز ہے یا نہیں دوسرے کوئی ازار یا چادر جو کہ کم عرض ہونے کی وجہ سے دو پاٹ کر کے پہن لی جاوے اسی حالت میں احرام میں تو اس کے واسطے کیا حکم ہے۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار باب الإحرام ولبس ازار ورداء جدیدین اور غسیلین طاهرین ابیضین ککفن الکفایة وهذا بیان السنة الخ فی ردالمحتار قوله وهذا ای لیس الازار والرداء علی هذه الصفة بیان للسنة والا فساترا لعورة کاف فیجوز فی ثوب واحد واکثر من ثوبین و فی السوادین او قطع خرقة مخیطة ای المسماة مرقعة والافضل ان لایکون فیها خیاطة لباب ج:۲ ص:۲۰٤ ۔اس سے معلوم ہوا کہ سفید ہونا جامۂ احرام کا مستحب ہے ورنہ سیاہ وغیرہ بھی جس میں خوشبو نہ ہو جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ گو افضل یہی ہے کہ اس میں بالکل سلائی نہ ہو، لیکن اگر دو پاٹوں کے جوڑنے کو سلائی کی جاوے تب بھی جائز ہے۔

۱۶ رشوال ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص:۸۹)

## حکم تبدیل احرام حج بعمرہ

سوال (۲۵۰) حجۃ الوداع میں آپ نے محرمین حج کو حکم دیا کہ جس نے سوق ہدی نہ کی ہو وہ عمرہ کر کے حلال ہو جائے چنانچہ ایسا کیا گیا، آیا اب بھی احرام حج مبدل بعمرہ ہو سکتا ہے اگر نہیں تو کیوں۔؟

الجواب۔مسئلہ مختلف فیہ ہے امام احمد اب بھی اس فسخ الحج بالعمرۃ کے جواز کے قائل ہیں اور جمہور مانع ہیں دلیل جمہور کی بلال بن حارث کی حدیث ہے۔ قال قلت یارسول الله فسخ الحج لنا خاصة ام للناس عامة قال بل لناخاصة رواه ابوداؤد والنسائی اور اس حدیث کو گو ضعیف کہا گیا ہے لیکن حضرت عمرؓ کا فتویٰ ان ناخذ بکتاب الله فان الله تعالیٰ امر بالإتمام قال الله تعالیٰ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ وان ناخذ بسنة النبی صلی الله علیه وسلم فانه لم یحل حتی نحر الهدی رواه الشیخان اور حضرت عثمانؓ کا فتویٰ لماسئل عن متعة الحج قال کان لنالیست لکم رواه ابوداؤد باسناد صحیح اور ظاہر ہے کہ مراد اس متعۃ الحج سے فسخ الحج بالعمرۃ ہے نہ کہ تمتع بالعمرۃ الی الحج کیونکہ اس کا عموم منصوص ومجمع علیہ ہے، اور اسی طرح ابوذر کا فتویٰ انه کان یقول فیمن حج ثم فسخها بعمرة لم یکن ذلك الاللرکب الذین کانوا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم رواه ابوداؤد اور ایک روایت میں ان کے یہ الفاظ انما کانت المتعة لناخاصةً اور گو یہ اثر ابوذر کا مرسل ہے لیکن مرسل ہمارے نزدیک حجت ہے غرض یہ تینوں فتویٰ اس حدیث کے ضعف کے رافع اور اس کی صحت معنویہ کے موجب ہیں اور اگر حضرت عمرؓ کے اس قول سے کہ متعتان کانتا علی عهد

رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا احرمھما شبہ ہو کہ یہ منع فسخ الحج بالعمرۃ حضرت عمرؓ کی رائے ہے اس لیے حدیث ضعیف مرفوع کی تقویت وصحت کی دلیل نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ احرمہما کے معنی ہیں اظہر حرمتھما التی ثبت عندی عن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا واضح قرینہ یہ ہے کہ دوسرے متعہ کی حرمت یقیناً حدیث مرفوع صحیح سے ثابت ہے بس جس طرح وہ حضرت عمرؓ کی رائے نہیں اسی طرح یہ بھی ان کی رائے نہیں والبسط فی التفسیر المظھری وفیما لخصنا کفایۃ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ۲۷ رجب ۱۳۵۱ھ (النور ص:۹ ربیع الاول ۵۲ھ)

## متمتع پر علاوہ دم شکر کے قربانی کا وجوب

سوال (۲۵۱) متمتع پر جو واسطے شکر نعمت کے ذبح لازم ہے بغیر اس کے مسافر غنی پر اضحیٰ کی قربانی لازم ہے یا نہ۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار علی حر مسلم مقیم بمصر او قریۃ او بادیۃ عین فلاتجب علی حاج مسافر فاما اھل مکۃ فلزمھم وان حجوا الخ فی ردالمحتار وذلک لانھم مقیمون ج ۵ ص ۳۰۸ اس سے معلوم ہوا کہ یہ شخص شرعاً اگر مقیم ہوگیا ہے تو بشرط غناء اس پر قربانی اضحیٰ کی مستقل واجب ہے اور اگر شرعاً مسافر قاصر الصلوٰۃ ہے تو واجب نہیں۔ (تتمہ اولیٰ ص:۱۳۵)

## حج کے بعد دم شکریہ کا حکم

سوال (۲۵۲) حج کے بعد دم شکریہ کیسا ہے اور اغنیاء اور مساکین پر کیا حکم رکھتا ہے۔؟

الجواب۔ دم شکر قارن و متمتع پر واجب ہے اور مفرد کے لیے مستحب کذا فی الدر المختار اور اس دم سے کھانا فقیر وغنی اور خود مہدی کو جائز ہے فی الدر المختار ویجوز اکلہ من ھدی التطوع اذا بلغ الحرم والمتعۃ والقران، فقط (تتمہ اولیٰ)

# بابُ الحج عن الغير

## تحقیق اشتراط حج خود برائے حج بدل

سوال(۲۵۳) من العبد المفتاق الى حضرة الشيخ الاكمل الاشرف الابجل مدّاللّٰه ظلاله امابعد فهذا العبد منذزمان قد قصر عن التحرير وليس هذا الامر من قصور الباع على انى قدكان عوض لى انحمى بناقص فحالت بينى وبين ماشتهى وبحمداللّٰه قدبرء السقم فشكراللّٰه على اسباغ النعم وتلك الايام لم استطع على حزبى فيا لهف نفسى ثم انى اكلف جنابكم لحل شبهات قد عرضت لى فى اثناء التدريس الصحيح للإمام محمدبن اسماعيل البخارى ولم اقدر على جواب شاف من عند فالتجأت الى سندى ووسيلة النجاح فى يومى وغدى انا معاشر الحنيفة نستدل على جواز الحج عن الغير وان لم يحج عن نفسه بحديث الخثعمية المروية فى البخارى المطبوع فى المطبع المصطفانى ص۲۰۵ و۲۲۶، ۲۵۰ ونقول الحديث مطلق وايضا لم يسئلها صلى اللّٰه عليه وسلم احججت ام لا فيدل على جواز الحج البدل وان لم يحج عن نفسه لكن فى هذا شيئى لان سوال الخثعمية كان غداة جمعٍ كما وقع فى الصحيح ص۲۲۶، و۲۵۰ استنباطاً وفى سنن النسائى صريحا بهذا اللفظ ان امراء من خثعم سألت النبى صلى اللّٰه عليه وسلم غداة جمع الحديث باب الحج عن الحى الذى لا يستمسك على الرحل فلايمكن ان يكون المعنى افاحج عنه العام لان الوقت قدمضى بل المعنى افاحج عنه عاما اٰخرولما كان الغالب من حالها انها قد قضت الحج ثم سألت فلهذا لم يتعرض النبى صلى الله عليه وسلم عن سؤالها بانها حجت ام لا وقال نعم اى يجوز ذلك اداء فريضة الحج عن ابيك ولما كان الملبى عن شبرمة لم يحج من قبل قطعاً اذكان ذلك عامة حجة الوداع فلما قال لبيك عن شبرمة سأله من شبرمة فلما قال هو اخى فلا جرم نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن ذلك وامره لقضاء الوطرعن نفسه ثم عن شبرمة فحديث الخثعمية ظنى انه مقيد لامطلق وعدم الكشف لما مرفلعل مبنى تلك المسئلة كون وقت الحج طرفا موسعاهو العمر لاهذا الحديث وامثاله فالمرجوان تفيدونى بجواب شافٍ من عندكم اذا الشراح لم يا توابشيئى يغنى ولم يفتح لى مايعنى۔

الجواب۔ نعم هذا الحديث محتمل فلا يصح للاستدلال لكن لنا فى اصل

المسئلة دليل آخرا يضاوهو سوال الجهنية وجوابه صلى الله عليه وسلم لها بقوله ارأيت لو كان على امك دين الحديث وهو مذكور فى صحيح البخارى ص ۲۵۰ من الجلد الاول فلما الحق صلى الله عليه وسلم الحج عن الغير لقضاء الدين ولم يشترط فى قضاء الدين تقديم دين نفسه على دين غيره فكذا الحج واما الاستدلال بحديث شبرمة فليس بقوى لاحتماله على الكراهة وقد قال فقهائنابه والله اعلم، وما وردفى بعض الروايات قوله عليه السلام هذه منك فيحمل على مافى بعض روايات اخرىٰ حج عن نفسك ثم هو موقوف عند بعضهم ورجحه كثير وهذا كله فى التلخيص الحبير۔ (تتمۂ رابعہ)

## حکم افساد حج بدل

سوال (۲۵۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مامور حج بدل نے قبل وقوف عرفات حج کو فاسد کر دیا، اب قابل دریافت یہ امر ہے کہ سال آئندہ جو حج وہ ادا کرے گا وہ آمر کی طرف سے ہوسکتا ہے یا نہیں اور اگر وہ اس طرح کرے کہ سال آئندہ اس حج فائت کی قضاء کرے پھر ایک سال مکہ میں اور قیام کر کے دوسرے سال آمر کا حج کرے اور احرام کسی میقات سے مواقیت خمسہ میں سے باندھے یا جدہ آ کر احرام باندھ لے یا مکہ ہی سے احرام باندھے، ان صورتوں میں حج بدل ہو جائے گا یا کہ مثل ابتداء کے اس وقت بھی وطن آمر سے حج کرنا لازم ہوگا۔؟

الجواب۔ جماع قبل الوقوف سے حج فاسد ہو جاتا ہے باطل نہیں ہوتا صرح فى اللباب بان مفسده الجماع قبل الوقوف ومبطله الروه، انتہی یہی وجہ ہے کہ اگر دوسرے حج کی نیت کرے گا تو حج فاسد بدستور قائم رہے گا دوسرے حج کی نیت لغو ہوگی فلو اهل الحجة اخرىٰ ينوى قضائها قبل ادائها فهى هى ونيته لغو لاتصح مالم يفرغ من الفاسدة ردالمحتار اور جب کہ جماع قبل الوقوف سے مخالفت آمر کی لازم آئی تو یہ حج آمر کا نہ ہوا بلکہ مامور کا ہو گیا اس حج فاسد کے افعال اول پورے کرے پھر اگلے سال حج قضاء اول حج کی کرے، اس کے بعد تیسرا حج آمر کی طرف سے کرنا ہوگا۔

لانه اذا افسده لم يقع ماموراً به فكان واقعاعن المامور فيضمن ماانفق فى حجة من مال غيره ثم اذا قضى الحج فى السنة القابلة على وجه الصحة لايسقط الحج عن الميت لانه لما خالف فى السنة الماضية بالإفساد صار الاحرام واقعا عنه فكذا الحج المؤدى به صار واقعاعنه ابن كمال وعليه حجة اخرىٰ للامراى سوى حج

القضاء وهو الاصح كما في المعراج ،ردالمحتار جلد:۲ص:۲۶۷۔

لیکن اس میں آمر کی مخالفت ہوئی دووجہ سے اس لیے کہ اس کا حج میقاتی نہ ہوگا کیونکہ مامور بہ مکی ہوگیا لیکن اس کا تدارک ممکن ہے اگر مواقیت خمسہ میں ذوالحلیفہ یا کسی اور میقات سے احرام باندھے گا تو میقاتی حج ہوجائے گا دوسری وجہ یہ ہے کہ سفر ہذا کو حج مامور بہ کے غیر میں مصروف کیا اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دوسرے کام سے سفر کا حکم نہیں بدل سکتا۔

ذكر العلامة القارى فى بعض رسائله مسئلة اضطرب فيها فقهاء عصره وهى ان الأفاقى الحاج عن الغير اذا جاوز الميقات بلا احرام الحج ثم عاد الى الميقات واحرم هل يصح عن الأمر قيل لاوقيل نعم ومال هوالى الثانى قال وافتى به الشيخ قطب الدين وشيخنا سنان الرومى فى منسكه والشيخ على المقدسى قلت وهذا يفيد جواز الحيلة المذكورة له اذا عاد الى الميقات واحرم والجواب عن قوله لان سفره حينئذ لم يقع للحج انه اذا قصد النبذر عند الجاوزة ليقيم به اياما لبيع او شراءٍ مثلاً يدخل مكة لم يخرج عن ان يكون سفره للحج كما لو قصد مكانا اخر فى طريقة ثم النقلة عنه ردالمحتار ج:۲ص:۶۸۔

## فائدہ از حافظ عبدالمجید صاحب تھانوی نزیل بمبئی لسفر الحج

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے عرض کیا کہ مدینہ کا راستہ بند ہونے کی صورت میں حج بدل کا احرام کہاں سے بندھے گا؟ تو اس کے جواب میں فرمایا کہ حج بدل کا احرام جدہ سے ہوگا، مناسک علی قاری میں عبارت موجود ہے ۔وان لم يعلم المحاذاة فعلى مرحلتين من مكة كجدة المحروسة من طرف البحر ،اور یہ ظاہر ہے کہ اہل ہند کے لیے یلملم کی محاذات کسی معتبر طریقہ سے نہیں ہوتی ۔لہٰذا جدہ بھی ان کے لئے میقات ہے۔ ۱۷رشعبان ۱۳۲۸ھ (تتمۂ خامسہ ص:۱۴۹)

# مَسَائِلِ مَنثورہ متعَلقہ بالحج

## حکم زیارت روضۂ منورہ درحج

سوال (۲۵۵) سفر زیارت روضۂ منورہ کے باب میں پہلا قول کتب فقہ میں مستحب و افضل مستحبات لکھا ہے، اور اس کے ساتھ بلحاظ قول بعض فقہاء علیہم الرحمۃ کے بل واجب لکھا ہے، اور حضرت مولانا مرشد قطب عالم حضرت مولانا مولوی رشید احمد صاحب محدّث گنگوہی قدس سرہٗ العزیز بھی اپنے فتویٰ میں مستحب ہی فرماتے ہیں لیکن جناب مولانا مولوی عبدالحیٔ صاحب مرحوم لکھنوی قائل وجوب کے رہے، اس میں قوت کس کو ہے اور محققین حنفیہ رحمہم اللہ کا مسلک اس باب میں کیا رہا ہے؟

الجواب۔ فی ردالمحتار عن اللباب والفتح و شرح المختار انها قريبة من الوجوب لمن له سعة اھ۔ [1] اس سے قول بالوجوب کے معنی واضح ہوگئے، یعنی ہے تو مندوب مگر اور مندوبات سے زیادہ مہتم بالشان جس کو قرب وجوب سے تعبیر کیا ہے پس دونوں قول متطابق ہوگئے۔ واللہ اعلم۔

۱۳۲۵ھ (امداد ج:۱ ص:۱۸۵)

## ایام نحر سے حلق کو مؤخر کرنے کا حکم

سوال (۲۵۶) اگر تاخیر حلق ایام نحر سے ہو تو کیا حکم ہے۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار باب الجنايات فی موجبات الدم اواخر الحاج الحلق اوطواف الفرض عن ايام النحر لتوقتها بها آھ، اس سے معلوم ہوا کہ اس صورت میں حاجی پر دم لازم ہوگا، فقط ۲ر شوال ۱۳۲۶ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۶۸)

## مغرب کی نماز عرفات میں اور عشاء کی مزدلفہ میں پڑھنے کا حکم

سوال (۲۵۷) عرفہ کے دن اگر کوئی تنہا مغرب کی نماز عرفات میں پڑھے اور عشاء کی نماز

---

(۱) اصل ص:۱۸۶ سطر:۶، اس سے قول بالوجوب کے معنی واضح ہوگئے۔ الخ اصلاح اقول ههنا ثلثة اقوال متخالفة الاول انها مندوبة والثانی انها قريبة من الواجب والثالث انها واجبة والی كل ذهب و رجح مرجح فرجح الفاضل الگنگوهی قدس سره الاول والثانی مولانا طال بقائهم والثالث المولوی عبدالحی رحمه الله كما ذكرفی السوال ولاحاجة الی التطبيق لما فيه تكلف بعيد نعم ان قال قائل ان الثانی والثالث متحدان فله وجه لكن التطبيق بين الاول والثانی فبعيد غايته البعد لان بين كون الشيئ مندوبا وكونه واجباً او قريباً منه منافات ظاهرة كما لايخفى الاان يؤول الواجب ويقال معناه انها واجبة من حيث الاخلاق لامن حيث الشرع فليتأمل۔ (تصحیح الاغلاط ص:۳۲)

مزدلفہ میں پڑھے تو کیسا اور کیا حکم ہے۔؟

**الجواب۔ فی الدرالمختار فصل کیفیة الحج ولوصلی المغرب فی الطریق اوفی عرفات اعادہ**۔اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس شخص پر مغرب کی نماز کا اعادہ کرنالازم ہے۔فقط۔
۲رشوال ۱۳۲۶ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۶۸)

## عرفات میں بعد جماعت عصر وظہر دونوں کو جمع کرنا کیسا ہے

سوال (۲۵۸) ہم نے حج کیا ہے عرفات جبل کے ایلوان ایک بڑی مسجد حضرت آدم علیہ السلام کی بولتے ہیں، اس میں امام خطبہ پڑھ کر ظہر وعصر بعد زوال کے یک مثل میں پڑھاتا ہے بعد اس امام کے اگر چند حاجی مل کر یا بیرون مسجد بغیر خطبہ کے ظہر وعصر اکٹھی کرکے پڑھیں تو جائز ہوگا یا نہ، چراکہ ہردو کو اکٹھا پڑھنا جماعت واحرام کے شرط سے ہے نہ خطبہ کا شرط، جو تصحیح ہو مرقوم فرماویں۔

**الجواب۔فی الدرالمختار وشرط لصحة ھذا الجمع الإمام الاعظم او نائبه والا صلوا وحداناً** ج:۲ ص:۲۸۲،اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں جمع جائز نہیں ہے۔
(تتمۂ اولیٰ ص:۷۱)

## مزدلفہ میں مغرب وعشاء کے جمع کرنے میں امام شرط نہیں

سوال (۲۵۹) مزدلفہ میں مغرب وعشاء بھی پہلے امام کے بعد چند حاجی مل کر ہردو کو اکٹھا پڑھیں یا نہ۔؟

**الجواب۔فی الدرالمختار کما لا احتیاج ھھنا للإمام فی ردالمحتار وشرائط ھذا الحج الإحرام بالحج وتقدیم الوقف علیه الزمان والمکان والوقف الیٰ اٰخرہ** ج۲ ص ۲۸۷،اس سے معلوم ہوا کہ اس میں جمع میں امام الحج شرط نہیں، پس اگر فرادیٰ پڑھیں یا چند آدمی جمع ہوکر جماعت سے پڑھیں ہر طرح صحیح ہے۔(تتمۂ اولیٰ ص:۷۱)

## مزدلفہ میں مغرب وعشاء میں ترتیب واجب ہے

سوال (۲۶۰) پہلے عشاء کی نماز پڑھیں یا مغرب، اور صاحب ترتیب بھی پہلے عشاء پڑھے یا مغرب۔؟

**الجواب۔فی الدرالمختار ولو صلی العشاء قبل المغرب بمزدلفة صلی المغرب ثم اعاد العشاء فان لم یعدھا حتی ظھر الفجر عاد العشاء الیٰ الجواز فی ردالمحتار لافرق**

**فی هذا بين ان يكون صاحب ترتيب اولا فتزاد هذه على مسقطات وجوب الترتيب** ج ۲ ص ۲۸۸ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے مغرب پڑھیں پھر عشاء اور اگر بالعکس کرلیا تو بترتیب اعادہ واجب ہے، لیکن اگر اعادہ نہ کیا طلوع فجر سے دونوں صحیح ہوگئیں فقط۔ ۷ رشعبان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۷۱)

## حج کرانے کی نذر سے صاحب نصاب کو حج کرانے سے نذر ادا نہ ہوگی

سوال (۲۶۱) ایک شخص نے حج کرانے کی نذر کی تھی ایک صاحب نصاب مولوی صاحب کو دیکر حج کرایا، بوجہ مسکین نہ ہونے کے اگر حج ادا نہ ہو نذر پوری نہ ہو اس کو دوسری دفعہ خرچ دے کر حج کرانا ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب۔ نذر ادا نہیں ہوئی بقدر زادِ حج کے مساکین کو دینا چاہیئے خواہ وہ حج کرے یا نہ کرے نذر ادا ہو جائے گی۔ یکم ربیع الاول ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص: ۷۲)

## اور اس صاحب نصاب پر روپیہ کی واپسی واجب نہیں

سوال (۲۶۲) اور مولوی صاحب کو وہ روپیہ واپس دینا ضرور ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب۔ نہیں...... (تتمہ اولیٰ ص: ۷۲)

## حج نذر سے حج فرض ادا ہوگا یا نہیں

سوال (۲۶۳) مولوی صاحب نے حج کیا ان کا حج فرض ادا ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب۔ نیت کیا کی۔ یکم ربیع الاول ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص: ۷۲)

## عرفات میں درخت لگانے کا حکم

سوال (۲۶۴) بعض ہمدرد مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ چوں کہ میدان عرفات میں یہ موسم گرما دھوپ اور لو کی شدت سے ہزار ہا غیر مستطیع حجاج جو خیمہ وغیرہ کا انتظام نہیں کر سکتے ہلاک ہوتے یا سخت تکلیف اٹھاتے ہیں اور اگر وہاں سایہ دار درخت کافی تعداد میں مثل برگد (بڑھ) یا پلکھن (پاکھر) وغیرہ نصب کر دیئے جائیں تو ان کے سایہ میں گرمی اور لُو سے امن متوقع ہے یہ لوگ نصب درختاں کے لئے ساعی ہیں، اور ان کا یہ خیال ہے کہ سلف سے اب تک اس عملدرآمد نہ ہونے کی وجہ یہ رہی ہوگی کہ زمانۂ قدیم میں برگد اور پلکھن کے وجود اور سرزمین حجاز میں ان کے سرسبز ہونے کا علم نہ تھا، اور نہ اس زمانہ کے سے ذرائع حمل ونقل موجود تھے، لوگ جفاکشی کے عادی بھی تھے لیکن کچھ مسلمان اس امر میں

متامل ہیں آخرالذکر طبقہ کا یہ خیال ہے کہ وادیٔ عرفات کے اس قدرتی منظر کو خیر القرون سے بھی ہزار ہا سال پہلے انسانی تصرفات سے پاک اور ہیئت اصلی پر ہی برقرار رکھا جاتا رہا ہے۔ اور باوصف اس کے کہ ضرورت رفع شدت وحدت قدیم ہے، اور اس کے اسباب ونصب درختاں سایہ دار بھی قدیم اور سہل ومعروف، تاہم سلف سے آج تک یہ صورت جو کسی وقت بھی دشوار نہ تھی اختیار نہیں کی گئی جیسا کہ آب رسانی کی قدیم ضرورت کو نہر زبیدہ کی تعمیر سے باوجود عسیر الحصول ہونے کے زمانہ سلف ہی میں جبکہ کم از کم تبع تابعین بھی موجود تھے پورا کر دیا، تو رفع شدت حر کی قدیم ضرورت کو سہل الحصول ذریعہ (نصب درختاں) سے پورا کرنے کی سعی جدید بدعت کی تعریف میں آجاتی ہے، اور اس کا قیاس قطع مسافت کی قدیم ضرورت کے جدید سامان یعنی تیز رفتار مثلاً سیارات (موٹر وریل) وطیارات (ہوائی جہاز) ودخانی جہازات وَخَلَقْنَا لَهُم مِن مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ پر قیاس مع الفارق ہے، نیز اگر نصب درختاں کا سلسلہ قائم رہا تو وادیٔ عرفات بجائے میدان کے باغ یا بن کی صورت میں تبدیل ہو جائے گا، لہٰذا استفتاء ہے کہ:۔

۱۔ میدان عرفات میں حجاج بموسم گرما دھوپ اور لُو سے بچنے کے خیال سے سایہ دار درختوں کا نصب اور اس میں سعی شرعاً جائز ہے یا ناجائز۔؟

۲۔ اگر نصب یا سعی جائز ہے تو مباح ہے یا مستحب یا سنت یا واجب یا فرض۔؟

۳۔ اگر ناجائز ہے تو مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی یا حرام۔؟

۴۔ بصورت عدم جواز ناصبین یا ساعین کو منع کرنا مسلمانوں پر حسب حیثیت لازم ہے یا نہیں۔؟

۵۔ حد عرفات کے خط کے باہر مسجد نمرہ کی پشت پر نصب درختاں کا حکم بھی مثل وادیٔ عرفات ہے یا اس کے غیر۔؟

۶۔ شہر مکہ اور حدود حرم کے اندر نصب درختاں کے جواز کو میدان عرفات پر قیاس کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ عرفات اور حد حرم کے اندر سایہ کے لئے درختوں کا لگانا بلاشبہ فی نفسہ جائز ہے۔ اور لغیرہ استحباب کا حکم بھی کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ افضل اس کا ترک ہے جواز کی دلیل یہی کافی ہے کہ عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ کلیات ظاہراً جواز ہی پر دال ہیں فقہاء نے باب جنایات الحج میں قطع حشیش حرم واشجار حرم نابتہ ومنبتہ مثمرہ غیر مثمرہ کے احکام کی اباحۃ ونہیاً ضمناً تفصیل فرمائی ہے، اگر غرس اشجار میں کسی درجہ کی بھی کراہت ہوتی اس موقع پر سکوت کے موہم ہونے کے سبب اس کا ضرور ذکر فرماتے، مگر اس سے اصلاً تعرض نہیں کیا، یہ واضح دلیل ہے جواز بلا کراہت کی، نیز فقہاء نے منیٰ میں جو کہ داخل حرم ہے ابنیہ کے وجود پر صحت جمعہ کو متفرع فرمایا ہے، اور ان کی کراہت سے تعرض نہیں کیا بطریق

مذکور یہ بھی دلیل ہے ابنیہ کے جواز بلا کراہت کی، اور ابنیہ اور اشجار کا اشتراک غرض ارتفاق میں ظاہر ہے پس قیاس سے بھی جواز کو قوت ہوگئی، اور جب حد حرم کے اندر ایسے تصرفات کی اجازت ہے تو حد حرم کے باہر مثلاً عرفات میں بدرجۂ اولیٰ اجازت ہوگی۔

یہ دلائل تھے جواز فی نفسہ کے، باقی استحباب لغیرہ کی یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ یہ حجاج کو راحت پہونچانا ہے، اور حجاج کو راحت پہونچانا اقل درجہ مستحب ضرور ہے، اور یہ شبہ کہ خیر القرون میں نہ تھا اس لیے مرتفع ہے کہ خیر القرون میں پایا جانا عام ہے وجود عین اور وجود دلیل کو اور دلیل مع نظیر اوپر مذکور ہوچکی ہے وہ نظیر ابنیہ ہے، ان میں اور اشجار میں کوئی معتد بہ تفاوت نہیں۔ اور اگر جواز میں ارتفاق مؤثر نہ ہوتا تو خود ابنیہ منیٰ کا عہد نبوی ﷺ نہ ہونا خیر القرون میں جواز سے مانع سمجھا جاتا اور بلا نکیر اس کو جائز نہ سمجھا جاتا۔ باقی ترک کا افضل ہونا وہ اس لئے ہے کہ اس میں سنت کی صورت و معنی کو جمع کرنا ہے۔ اور اس مجموعہ کا صرف رعایت معنی بلا صورت سے افضل ہونا ظاہر ہے۔ اور حجاج کے ہلاک غالب کے خوف کو اس افضلیت ترک میں قادح نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ اس کا انتظام اہل استطاعت ضعفاء، غیر اہل استطاعت کو اپنے خیمہ وغیرہ میں شریک کر لینے سے کر سکتے ہیں، البتہ اس غرض اظلال کے لئے کسی مسجد میں درخت لگانا بقول ارجح مکروہ ہے جس کی علت مشابہت بیعہ اور موضع موضوع للصلوٰۃ کو مشغول کرنا ہے۔ البتہ خود عمارت مسجد کی مصلحت کے لیے درخت لگانا جیسے نمی کا جذب کرنا یہ اس کراہت سے مستثنیٰ ہے۔

**ذکر هذا كله في الدر المختار ورد المحتار احكام المسجد قبيل باب الوتر والله اعلم۔**

بعشرین من شعبان ۵۳ھ (النور ص: ۷ شعبان ۵۴ھ)

☆☆☆

# کتاب النکاح

## ولی بلا اجازت منکوحہ کے نکاح کردے اس کا حکم

سوال (۲۶۵) بکر نے اپنی لڑکی کا نکاح جس کی عمر تیرہ برس کی ہو چکی تھی جبراً عمرو کے ساتھ کردیا باوجودیکہ لڑکی نے قبل نکاح صاف کہدیا کہ ہرگز ہرگز عمرو سے راضی نہیں ہوں مگر بکر نے بلا مرضی واطلاع بطور خود نکاح عمرو کے ساتھ کردیا اب بعد نکاح بھی لڑکی کا وہی کلام ہے جو قبل نکاح تھا اب یہ نکاح بطور خود بکر نے اپنی لڑکی کا عمرو کے ساتھ کردیا جائز ہوا یا نہیں اور مدت ولایت کی شرع شریف میں کہاں تک لی جاتی ہے جواب صاف ارقام ہو۔

الجواب۔ اگر وہ لڑکی بالغ ہے اور جس وقت اس کے باپ نے اس سے اذن طلب کیا یا نکاح ہو جانے کی خبر پہونچی اس نے انکار کردیا تو یہ نکاح جائز نہیں ہوا کیونکہ ولایت اجبار ولی بلوغ تک ہے اور اگر نابالغ ہے یا باوجود بالغ ہونے کے وقت طلب اذن یا بلوغ خبر ساکت ہوگئی تو نکاح [1] ہو گیا اور قبل نکاح یا بعد نکاح کے انکار کا اعتبار نہیں [2] البتہ اگر باپ کے ہوتے ہوئے کسی اور نے اذن چاہا تو محض سکوت دلیل رضا نہیں جب تک زبان سے اذن نہ دے اس صورت میں بھی نکاح نہ ہوگا۔

**ولایجوز للولی اجبار البکرالبالغة علی النکاح فاذا استاذنها الولی فسکت او ضحك فهو اذن وان فعل هذا غیر الولی لم یکن رضاحتی یتکلم به ولو زوجها فبلغها الخبر فسکتت فهو علی ما ذکرنا** (هدایه) اور بلوغ لڑکی کا احتلام اور حیض اور حاملہ ہونے سے ثابت ہوتا ہے اور اگر ان علامات میں سے کوئی علامت نہ پائی جاوے تو پندرہ سال کی عمر ہونے پر بلوغ کا فتویٰ دیا جائے گا البتہ اگر وہ لڑکی خود کہے میں بالغ ہوں اور ظاہر حال اس کا مکذب نہ ہو اس کی تصدیق [3] کی جاوے گی۔ **والجاریة بالاحتلام والحیض والحبل وان لم یوجد منها شیئی یتم لکل منهما خمس عشرة سنة به یفتی فان راهقا لا بلغنا صدقا ان لم یکذبهما الظاهر۔** درمختار واللہ اعلم ۲۴ رذیقعدہ پنجشنبہ ۱۳۰۳ھ (امداد الفتاویٰ ج:۲ ص:۵)

---

(۱) یعنی جب کہ نکاح کرنے والا اذن لینے والا ولی ہو۔ ۱۲ منہ

(۲) یعنی جب کہ استیذان ولی کے وقت سکوت کیا ہو ۱۲ منہ۔

(۳) بشرطیکہ نو سال سے کم نہ ہو ۱۲ منہ

## گونگے کے نکاح کا طریقہ

سوال (۲۶۶) گونگے کا نکاح کس طریق سے کیا جاوے۔

الجواب۔ اگر وہ لکھنا جانتا ہوتو لکھ کر ورنہ اشارہ سے جب منظور کرلے اور قبول کے لئے سر سے یا ہاتھ سے اشارہ کرے نکاح صحیح ہے۔ واذا کان الاخرس یکتب کتاباً او یومی ایماء یعرف به فانه یجوز نکاحه وطلاقه وعتاقه وبیعه وشراء ہ هدایه جلد ثانی، واللہ اعلم۔

(امداد جلد ثانی ص:۶)

## زوجہ کو سفر میں لے جانے کے متعلق احکام

سوال (۲۶۷) زید اپنی زوجہ زبیدہ کو اپنے پاس سفر میں لیجانا چاہتا ہے اور وہ انکار کرتی ہے کسی نے فتویٰ دیا ہے کہ زید کا حق کسی طرح زبیدہ پرنہیں اور زبیدہ کو اختیار ہے کہ اپنا جہیز واپس کرلے اور یہ دونوں لشکری ہیں سیر وسفر کرنا ان میں کچھ عیب نہیں یہ درست ہے یا نہیں۔

الجواب۔ اگر مہر پورا یا جس کا سر دست دینا یا کسی مدت پر دینا مشروط ٹھہرا تھا دے چکا ہے یا بعد طلاق وموت کے مہر مانگنے کا اور اس سے پہلے نہ مانگنے کا دستور ہو اور کچھ مہر نہ دیا ہو تب تو زید کو اختیار ہے جہاں چاہے لے جائے بشرطیکہ دق کرنے کے ارادہ سے نہ لے جائے اور اگر مہر باوجود شرط سر دست دینے کے کلاً یا بعضاً ادا نہیں کیا یا بقصد تنگ کرنے کے اس کو لے جاتا ہے تب سفر میں لے جانے کا اختیار نہیں۔

ولها منعه من الوطی والسفر بها ولو بعد الوطی وخلوة رضیتهما لاخذ مابین تعجیله من المهر کله اوبعضه او اخذ مایجعل لمثلها عرفا به یفتی لان المعروف کالمشروط ان لم یوجل او یعجل کله فکما شرطا الان الصریح لفوق الدلالة الااذا جهل الاجل جهالة فاحشة فیجب حالا۔غایة الاالتاجیل بطلاقه اوموت فیصح للعرف بزازیة ویسافربها بعد اداء کله مؤجلا او معجلا اذا کان مامونا علیها والا یؤد کله اولم یکن مامونا لا یسافر بها به یفتی درمختار اور جہیز کی واپسی مبنی عرف پر ہے اگر دختر کی ملک ہوا اختیار ہے اگر داماد کی ملک ہوا اختیار نہیں اگر دونوں کی ملک ہو بعد تقسیم اختیار ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۷ رشوال ۱۳۲۰ھ (امداد ص:۶۰ ج:۲)

## زوجہ کو اس کے رشتہ داروں سے ملنے کی ممانعت میں تفصیل احکام

سوال (۲۶۸) شوہر بی بی کو ولی بی بی سے مصلحۃً بوجہ شر یا فساد کے اپنے مکان پر نہ آنے دینے اور بکثرت نہ ملنے دینے کا اختیار رکھتا ہے یا نہیں۔ فقط۔

الجواب۔ والدین کے ملنے سے تو نہ روکیں ہر ہفتہ میں ایک بار ملنے دیں اور دیگر محارم سے اگر ایک سال میں ایک بار سے زیادہ نہ ملنے دیں جائز ہے اور جو آنے میں کچھ شر یا فتنہ وفساد ہوتا ہو روکنا جائز ہے۔ مرد کو اس کا اختیار ہے لیکن دور سے دیکھنے اور بولنے کو منع نہ کریں۔

وله ان يمنع والد يهاوولدها من غيره واهلها من الدخول عليها لان المنزل ملكه فله حق المنع من دخول ملكه ولا يمنعهم من النظر اليها وكلامها فى اى وقت اختاروالمافيه من قطيعة الرحم وليس فى ذلك ضرر وقيل لا يمنع من الدخول والكلام وانما يمنعهم من القرار لان الفتنة فى اللباث و تطويل الكلام و قيل لايمنعها من الخروج الى الوالدين ويمنعها عن الدخول عليها فى كل جمعة فى غيرهما من المحارم التقدير بسنة وهو الصحيح. ہدایہ ص:۴۲۱ واللہ اعلم۔ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ (امداد ص:۴ج:۲)

## منع ملاقات زوجہ باولیاء

سوال (۲۶۹) زید اپنی زوجہ کو اس کی ماں کے گھر جانے سے روکتا ہے اور نہیں جانے دیتا اس سبب سے کہ بظن غالب جانتا ہے کہ وہاں بے پردگی ہوگی اور پردہ شرعی غیر محارم سے نہیں ہوتا اور اس کی والدہ درپے تفریق زوجہ کے ہے اور اجازت دیتا ہے کہ اس کی ماں میرے گھر میں آ کر اپنی لڑکی کو دیکھ جایا کرے پس اس صورت میں زید کو اپنی زوجہ کو اس کی ماں کے گھر جانے سے روکنا شرعاً جائز ہے یا نہیں اور اس کی ماں وغیرہ کو جبر طلب کرنے پر جائز ہے یا نہیں۔ فقط۔

الجواب۔ اگر ماں باپ لڑکی کے پاس آ سکتے ہوں تو زوج کو بر مذہب مختار مطلقاً اختیار ہے کہ اس کو اُن کے گھر نہ جانے دے بلکہ وہ خود آ کر مل جایا کریں اور خصوصاً اگر خود فتنہ واحتمال پردہ دری کا ہو تو اس وقت تو اذن دینا جائز نہیں اگر دیگا عاصی ہوگا۔

ولا يمنعها من الخروج الى الوالدين فى كل جمعة ان لم يقدرا على اتيانها على مااختاره فى الاختيار فى هامشه هكذا نعم ماذكره الشارح اختاره فى فتح القدير حيث قال وعن ابى يوسف ؒ فى نوادر تقئيد خروجها بان لايقدر على اتيانها فان قدرا لاتذهب وهو حسن وقد اختار بعض المشائخ منعها من الخروج اليهما واشار الى نقله فى شرح المختار والحق الاخذ بقول ابى يوسف اذا كان الابوان بالصفة التى ذكرت والا ينبغى ان ياذن لها فى زيارتهما فى الحين بعد الحين على القدر المتعارف اما فى كل جمعة فهو بعيد فان فى كثرة الخروج فتح باب الفتنة خصوصاً ان كانت شابة والزوج من ذوى الهيئة بخلاف خروج الابوين فانه ايسر انتهى ۱۲

شامی ج:۲ ص:٦٦۴ وایضاً فی الدرالمختار فی باب النفقة ویمنعها من زیارة الاجانب وعیادتهم والولیمة وان اذن کانا عاصیین انتهی اقول انا الکاتب علة العصیان انما هی خوف الفساد فمتی خیف الفساد عصیٰ بالاذن پس صورت مسئولہ میں روکنا زید کا اپنی زوجہ کو جائز ہے اور اس کی ماں وغیرہ طلب پر جبر نہیں کر سکتی۔ واللہ اعلم۔

## حد حق زوجہ ومحارم اودر ملاقات باہمی

سوال (۲۷۰) درمختار مطبوعہ بمبئی ص:۲۱۰ سطر:۲۱ پر جو عبارت ہے کہ جو زوجہ کو خروج من البیت جائز ہے زیارت والدین کے لئے فی کل جمعة مرة الی ان قال لافیما عدا ذلک وان اذن کانا عاصیین اس کی توضیح مطلوب ہے مفہوم اچھی طرح سمجھ میں نہیں آیا برادری یا غیر ذی محارم میں کسی ضرورت کے لئے آ جانے کی اجازت عورت کو ہو سکتی ہے یا نہیں اور زیارت والدین کے لئے ہر جمعہ میں ایک دن سے زیادہ کو جانا کیا جائز نہیں یا حق نہیں اور خاوند کو ہر جمعہ میں جانے سے منع کرنے کا حق ہے یا نہیں بہر حال اس شبہ وخلجان میں طبیعت واقع ہے کہ عموماً عورتیں باجازت شوہر برادری غمی وخوشی کی تقریبات پر جاتی ہیں اور یوں بھی ملنے ملانے کے لئے دیور یا جیٹھ یا اور کی برادری میں جانا بھی ہوتا ہے اور راتیں بھی وہیں گزرتی ہیں اور اس میں ابتلاء عوام وخواص سب کو ہے پھر اس روایت کا مطلب کیا ہے۔

الجواب۔ فی الدرالمختار باب المهر ولها السفر والخروج من بیت زوجها الی قوله اوالزیارة ابویها جمعة ثم الی قوله لا فیما عدا ذلك وان اذن کانا عاصیین والمعتمد جواز الحمام بلاتزین اشباه وسیجیئی فی النفقة فی ردالمحتار وان لم یکونا کذلك (ای قادرین علی اتیانها) ینبغی ان یأذن لها فی زیارتهما فی الحین بعد الحین علی قدر متعارف اما فی کل جمعة فهو بعید فان فی کثرة الخروج فتح باب الفتنة خصوصاً ان کانت شابة والرجل من ذوی الهیئة و فی ردالمحتار تحت قوله والمعتمد وحیث ابحنالها الخروج فیشترط عدم الزینة فی الکل و تغییر الهیئة ای مالا یکون داعیة الی نظر الرجال واستمالتهم ثم قال فی الدرالمختار باب النفقة ویمنعها من زیارت الاجانب وعیادتهم والولیمة وان اذن کانا عاصیین فی ردالمحتار قوله والولیمة ظاهرة ولو کانت عند المحارم لانها تشتمل علی جمع فلا تخلوا من الفساد عادةً رحمتی ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

(۱) جمعہ تحدید شرعی نہیں مدار عرف وضرورت پر ہے اس سے زیادہ اگر فتنہ نہ ہو تو حق نہیں اور اگر

فتنہ ہو تو جائز بھی نہیں

(۲) ولائم وغیر محارم میں جانے سے نہی معلل بعلت احتمال فتنہ ہے اور فتنہ عام ہے ہر امر غیر مشروع کو جس کی تفصیل میرے نزدیک وہی ہے جو اصلاح الرسوم میں بندہ نے لکھا ہے باقی جس کے نزدیک جو فتنہ ہو مدار نہی کا وہ ہے اور علت کے ارتفاع سے معلول مرتفع ہو جاوے گا۔

(۳) جہاں جانے کی اجازت ہے مشروط ہے عدم تزین کے ساتھ اور اس کا مدار بھی وہی احتمال فتنہ ہے امید ہے کہ اب سب اشکالات اس کے متعلق رفع ہو گئے ہوں گے۔ جمادی الاخریٰ ۲۴ھ (تتمۂ رابعہ ص: ۴۰)

## حد زیارت ابوین منکوحہ شابہ را

سوال (۲۷۱) فلاں شخص یعنی خسر اپنی لڑکی کو لے گئے تو حضور میرا نقصان ہوا بلا میری مرضی کے لے گئے اور یوں کہتے ہیں کہ کیا ہمارا حق نہیں رکھنے کا اور اب خبر نہیں کہ وہ کب تک رکھیں اب حضور یہ کمترین یہ بات دریافت کرتا ہے کہ ماں باپ کو کتنا حکم ہے اپنے گھر رکھنے کا یا یہ کہ اگر چار مہینے خاوند کے یہاں تو آٹھ مہینے باپ کے گھر اور حضور وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی لڑکی کوئی بیع نہیں کر دی ہے۔

الجواب۔ فی الدرالمختار ولا یمنعها من الخروج الی الوالدین فی کل جمعة ان لم یقدر علی اتیانها علی مااختاره فی الاختیار الی قوله ولا یمنعهما من الدخول علیها فی کل جمعة وفی غیرهما من المحارم فی کل سنة لها الخروج ولهم الدخول زیلعی فی ردالمحتار فان قدرالاتذهب وهو حسن الی قوله و الاینبغی ان یاذن لها فی زیارتهما فی الحین علی قدرمتعارف اما فی کل جمعة فهو بعید فان فی کثرة الخروج فتح باب الفتنة خصوصاً اذا کانت شابة والزوج من ذوی الهیئة بخلاف خروج الابوین فانه ایسر آھ ج:۲ ص:۱۰۹۳

اس سے معلوم ہوا کہ جس جوان عورت کے ماں باپ اس کے پاس خود آ سکتے ہوں شوہر اگر اس کو بالکل نہ جانے دے تو ماں باپ کو کچھ اختیار نہیں بلکہ خود آ کر مل جایا کریں اور اگر نہ آ سکتے ہوں تو موافق عرف اور رواج کے کبھی کبھی اس عورت کو جائز ہے کہ ماں باپ کے گھر چلی جاوے اور بار بار جانا اور زیادہ رہنا جائز نہیں۔ ۳ / جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص: ۳۸)

## نابالغہ کا نکاح بلا ولی باطل ہے

سوال (۲۷۲) چہ فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ عرصہ چند برس کا ہوتا ہے کہ ایک عورت نے اپنی دختر نابالغہ کو باقرار خانہ دامادی ساتھ ایک لڑکے برادری کے بلا رضامندی اپنے شوہر کے نکاح

کر دیا اور کل خرچہ شادی طرفین کا اپنے پاس سے صرف کیا باندازدوصد روپیہ ہوگا باوجود یکہ خاوند اس عورت کا وقت شادی کے موجود تھا الا بوجہ بد طینتی وزبان درازی عورت کے دم نہیں مارسکتا سوائے خاموش رہنے کے بلکہ اس بارہ میں بارہا شوہر مانع ہوا کہ عبث دختر کو ساتھ ایسے لڑکے کے بیاہ کرتی ہو آخر ایک روز سوائے ہاتھ تغابن وافسوس ملنے کے کچھ ہاتھ نہ آوے گا باوصف ایں ہمہ فہمایش نشیب و فراز تاہم بذات اس بدذات کے اثر پذیر نہ ہوا علاوہ آں بترش روئی وغصّہ عورت مذکور کہتی ہے کہ تم چپ رہو تمہارا اس میں دخل نہیں وہ بے چارہ دم بخود اور بروقت نکاح ہونے کے نکاح پڑھانے والے نے مہر کے بارہ میں استفسار مرد سے نہیں کیا پس اندریں صورت نکاح بدون اجازت باپ کے درست و قائم رہا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ اس صورت میں نکاح صحیح نہیں ہوا کیونکہ نابالغہ کا نکاح بدون ولی نہیں ہوتا اور باپ کے ہونے ماں کو ولایت نہیں پہونچتی۔ **ویجوز نکاح الصغیرة اذا زوجهما الولی بکرا کانت الصغیرة اوثیبا والولی هو العصبة هدایه فان لم یکن عصبة فالولایة للام** درمختار۔

۲۷ ذی الحجہ روز جمعہ ۱۳۲۰ھ (امداد ص: ۷ ج: ۲)

## نابالغہ کا نکاح اجازت ولی پر موقوف ہے

سوال (۲۷۴۳) ایک لڑکی نابالغہ ۱۲ یا ۱۳ برس کی ہے اس کا بھائی ۱۵ یا ۱۶ برس کا مکان سے بہت دور کلکتہ میں نوکر ہے اس لڑکی کے باپ و دادا نہیں ہیں چچا وغیرہ دیگر اقرباء موجود ہیں لیکن پورے طور پر کوئی بھی اس کی خبر گیری و خیر اندیشی نہیں کرتا اس کی ماں جو ہنگام طفولیت سے پرورش کرتی آرہی ہے اس نے بوجہ غربت و تکلیف کے بلحاظ پرورش اپنی دانست میں ایک اچھی جگہ اس لڑکی کی نسبت ٹھہرائی لیکن چچا وغیرہ دیگر اقارب نے بسبب حسد یا رنجش یا اور کوئی سبب سے ناپسند کر کے کنارہ کشی اختیار کر لی ماں نے بدرجہ مجبوری خود ولی ہو کر اذن دیا اور نکاح کرادیا پس ایسی صورت میں یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں بصورت عدم جواز اب کیا کرنا چاہئے اور بصورت معلق رہنے کے اگر لڑکی بمجرد بلوغ اسی جلسہ میں رضا کو ظاہر کردیوے تو پھر یہ نکاح اس وقت درست ہوجائے گا یا نہیں۔

الجواب۔ فی ردالمحتار الجلد الاوّل ص: ۵۳۶ **واما اذا کان ای وجد سلطان اوقاض فی مکان عقد الفضولی علی المجنونة اوالیتیمة فیتوقف ای ینفذ باجازتها بعد عقلها اوبلوغها لان وجود المجیز حالة العقد لایلزم کونه من اولیاء النسب کما تقدم فی الباب السابق قبیل قوله وللولی الابعد التزویج بغیبة الاقرب** اھ۔

پس چونکہ صورت مسئولہ میں مجیز نکاح کا موجود ہے لہٰذا یہ نکاح اولاً موقوف رہا اور جب بعد

بلوغ لڑکی رضا کو ظاہر کردے تو اب صحیح و نافذ ہو جائے گا البتہ اگر ولی جائز اس کے بلوغ رضا سے پہلے اس نکاح کی خبر سن کر اس کو رد کر دے اب وہ معلق و موقوف نہ رہے گا بلکہ باطل ہو جائے گا۔

۱۱ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد ص: ۴۳ ج: ۲)

سوال (۲۷۴) اگر نابالغ کے ولی کو علم اس کے نکاح کا ہو اور وہ اس کے نکاح میں شمولیت نہ کرے تو یہ ولی اس لڑکی کے نکاح کو ایک سال یا دو سال کے بعد جائز رکھے تو کیا باوجود علم نکاح کے ایک سال یا دو سال تک ولی کی رضامندی پر موقوف رہ سکتا ہے۔

الجواب۔ رہ سکتا ہے۔ جب تک رد نہ کیا ہو۔ **في الدرالمختار باب الولی صغیرة زوجت نفسها ولا ولی ولاحاکم ثم توقف ونفذ باجازتها بعد بلوغها لان له مجیز اوهو السلطان اهـ۔** ۱۸ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ ص: ۲۴۹)

## نابالغہ کا نکاح غیر اب وجد کی طرف سے کر دینے کا حکم

سوال (۲۷۵) خدا بخش نامی ایک شریف شخص ہے اس کو ایک طوائف سے تعلق بلا نکاح پیدا ہو گیا اور بحالت تعلق اس طوائف کے شکم سے ایک لڑکا پیدا ہوا اب وہ لڑکا خواہ خدا بخش کے نطفہ سے ہو یا کسی اور کے نطفہ سے کیونکہ فعل طوائفان قابل اعتبار نہیں مگر خدا بخش نے اس لڑکے کو اپنے نطفہ سے سمجھ کر اپنا بیٹا قائم کیا اور اس کا نام عبداللہ رکھا بعد چند روز کے اس طوائف کا انتقال ہو گیا کہ جس سے خدا بخش کو تعلق تھا اس کے انتقال کے بعد جو اس لڑکے عبداللہ کو خدا بخش نے بغرض پرورش اپنے ساتھ لے لیا اس کے وارثوں کو نہیں دیا اور اس خیال سے اس کو اپنے ساتھ رکھا کہ میری ایک بھانجی ہے اس سے عقد کر دوں گا اور یہ لڑکا عبداللہ میرے قبضہ میں رہے گا چنانچہ خدا بخش مطابق اپنے خیال کے ویسا ہی عامل ہوئے اپنی بھانجی کے ساتھ اس کے بھائی و ماں سے اجازت ولایت (کیونکہ بھائی و ماں لڑکی کے یہاں موجود نہ تھے ایک شبانہ روز بذریعۂ ریل سواری ریل کے بعد پر تھے) اس شرط پر لیکر لڑکی ہم لوگ تم کو دیتے ہیں ایسا نہ ہو کہ بالغ ہونے پر عبداللہ اپنے گروہ میں جا ملے اور لڑکی کو رخصت کرا لیجاوے چنانچہ خدا بخش نے اس امر کا اقرار کیا کہ ایسا نہ ہونے پاویگا (اور وہ لڑکی یتیم تھی اس کے وارث ماں و بھائی تھے اور کوئی نہ تھا) اس شرط کے اوپر خدا بخش نے ولایۂ منجانب فرزند و بھانجی باختیار خود عقد کر دیا اور اس وقت میں عبداللہ کی عمر تخمیناً آٹھ برس کی تھی اور لڑکی کی عمر جو اس کی بھانجی ہے تخمیناً چودہ برس کی تھی بعد دو سال کے خدا بخش کا خیال غلط نکلا یعنی اس طوائف کے لڑکے کے وارثوں نے اس لڑکے یعنی عبداللہ کو اپنے ساتھ لے لیا اور لڑکی کی رخصت چاہی لیکن خدا بخش نے مطابق شرط اپنی ہمشیرہ و بھانجہ

کے رخصت نہیں کی اور بعد اس کے خدا بخش کو یہ فکر ہوئی کہ اس لڑکی کو طلاق دلایا جائے اور دوسرا نکاح اپنی بھانجی کا کر دیا جائے کیونکہ اگر طوائفوں کے زمرہ میں میری بھانجی رہنے لگی تو اس سے جو اولاد ہوگی وہ فعل طوائفانہ اختیار کرے گی اس خیال سے طلاق لینے کی کوشش کی گئی اور طلاق نامہ لکھا گیا اور اب اس وقت میں عبداللہ کی عمر گیارہ سال کی ہے جس کا شمار نابالغی میں ہے اور بہت چھوٹا ہے اور خدا بخش کی بھانجی کی عمر اس وقت سترہ برس کی ہے جو پورے طور سے بلوغت کو پہنچی ہوئی ہے پس مطابق وجوہ بالا یہ طلاق صحیح و درست ہوسکتا ہے یا نہیں اور اس عورت بالغہ کا نکاح ثانی بلا انتظار عدت بعد گزرنے مدت دو ماہ دس یوم اس لڑکی کا نکاح ثانی کر دیا گیا تو یہ نکاح درست ہے یا نہیں یا اور کوئی حکم ہے مشرح حکم کی ضرورت ہے رخصتی لڑکی و یک جائی میاں بی بی تا صدور جواب استفتاء ملتوی ہے۔ فقط۔

**الجواب۔** في الدر المختار باب الولي وللولي انكاح الصغير والصغيرة الیٰ قوله وان كان المزوّج غيرهما اى غير الاب وابيه ولو الام لايصح النكاح من غير كفو او بغبن فاحش اصلاوما فى صدر الشريعة صح ولهما فسخه وهم آه مختصراً۔قلت وقد قرره فى ردالمحتار وفى الدرالمختار باب الولي ايضًا وهو اى الولي شرط صحة نكاح صغير اھ

بنا بر روایات مذکورہ جواب یہ ہے کہ اگر وقت عقد اول کے یہ بھانجی نابالغ تھی تب تو اس عقد کے ناجائز ہونے کی دو وجہ ہیں ایک غیر اب وجد کا غیر کفو زوج سے نکاح کرنا کیونکہ عبداللہ بوجہ عدم ثبوت نسب کے کفو اس کا نہیں جیسا روایت اوّل سے معلوم ہوا اور دوسری بوجہ عدم ثبوت نسب کے عبداللہ کا کوئی ولی نہ ہونا اور اگر وہ بالغ تھی تو صرف وجہ دوم سے یہ عقد ناجائز ہے کہ عبداللہ کا کوئی ولی شرعی نہیں اور صغیر کا نکاح بلا ولی جائز نہیں جیسا روایت دوم سے معلوم ہوا بہر حال یہ عقد اوّل صحیح نہیں ہوا اور دوسرا نکاح درست ہو گیا۔ ۲۴ رذی الحجہ ۱۳۲۷ھ

## سوالات تنقیح طلب

(۱) عبداللہ کی ماں جو طوائف بلا نکاح تھی اس کے اقارب دور و نزدیک کے کون کون ہیں یعنی ماں بھائی بہن وغیرہ اور اگر اس طوائف کی ماں و نانی و دادی وغیرہ بھی بے نکاح تھیں تو صرف ان رشتہ داروں کو بتلایا جاوے جو بواسطۂ ماں و نانی وغیرہ کے اس سے رشتہ رکھتے ہیں کیونکہ حرام سے باپ کے رشتہ داروں کا تعلق شرعاً ثابت نہیں۔

(۲) اگر اس طوائف کے رشتہ دار موجود ہیں تو انہوں نے اس نکاح کے ہونے پر کچھ اپنی زبان سے کہا یا نہیں کہا اسی طرح اس دوسرے نکاح کے وقت کچھ کہا یا نہیں کہا۔

(۳) خدابخش کی بھانجی کا بھائی وقت اجازت دینے نکاح کے بالغ تھا یا نابالغ۔

(۴) اس کہنے کا کیا مطلب تھا کہ لڑکی ہم تم کو دیتے ہیں کیا عبداللہ کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دینا مقصود نہ تھا۔

(۵) جب عبداللہ سے اس بھانجی کا نکاح کیا گیا اس وقت یہ بھانجی بالغ تھی یا نابالغ یعنی اس کو معمولی ایام ہوتے تھے یا نہیں۔

## جوابات تنقیح

(۱) عبداللہ کی ماں کے اقارب دور و نزدیک کے بیان کئے جاتے ہیں مولا بخش متوفی عبداللہ کا پرنانا تھا اس کی زوجۂ منکوحہ عبداللہ کی پرنانی نکاح عبداللہ کے وقت حیات تھی ایک سال کا عرصہ ہوا کہ وہ قضا کرگئی۔ مولا بخش سے ایک لڑکی مسماۃ چوہا نام جو عبداللہ کی نانی ہے وہ پیشۂ طوائف میں رہی وہ ابھی تک حیات ہے یہ اپنے والدین سے اکیلی تھی اب مسماۃ چوہا کی طوائف سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں ایک کا نام مسماۃ رمضان بخش والدہ عبداللہ جس کو تعلق خدابخش سے تھا اور دوسری کا نام مسماۃ باندی ہے خالہ عبداللہ جس کو تعلق دوسرے سے ہے مگر اس نے اب چار سال سے نکاح کرلیا ہے جو خالہ عبداللہ کی ہوتی ہے اس کے کوئی اولاد نہیں ہے مسماۃ رمضان بخش کی دو لڑکی بالغہ اخت عبداللہ پیشۂ طوائف میں تھیں وہ ہیں اور ایک لڑکا جس کا نام عبداللہ ہے جو بروقت نکاح و طلاق نابالغ تھا وہ ہے۔ اب اس کے خاص رشتہ کا سلسلہ ختم ہوگیا اب رشتہ دور کا بیان کیا جاتا ہے عبداللہ کا پرنانا مولا بخش دو بھائی تھا ایک دوسرے بھائی کا غوث محمد متوفی تھا اس کی زوجۂ منکوحہ سے جو ابھی حیات ہے تین لڑکیاں جو پیشۂ طوائف میں ہیں موجود تھیں وہ ہیں اور ایک لڑکا جس کا نام اللہ بخش میر شکار ہے جو بروقت نکاح عبداللہ بالغ تھا اور اس وقت تک موجود ہے اور ان لوگوں کی نسل ابھی ترقی پر نہیں ہوئی یہیں تک محدود ہے اور کوئی رشتہ دار حلال و حرام کے بجز ان لوگوں کے بروقت نکاح عبداللہ نہیں تھے۔

(۲) دونوں نے نکاح کے وقت کچھ اپنی زبان سے نہیں کہا اوّل نکاح میں بوجۂ ولی ہونے خدابخش و دوسرے نکاح میں بسبب ہوجانے طلاق نامہ کچھ نہیں کہا۔

(۳) نابالغ تھا (۴) دل سے منظور نہ تھا مگر بوجۂ مروت خدابخش کو اختیار دیدیا تھا۔

(۵) نابالغ تھی معمولی ایام نہیں ہوئے تھے۔

جواب تتمہ۔ اصل جواب تشقیق کے طور پر اس لئے لکھا تھا کہ بعض واقعات معلوم نہ تھے پھر تنقیح کے بعد جب نکاح اوّل کے وقت اس بھانجی کا نابالغ ہونا ثابت ہوگیا پس اس نکاح اوّل کے ناجائز ہونے کے لئے یہی وجہ کافی ہے بہرحال یہ نکاح اوّل صحیح نہ ہوا تھا اب دوسرے نکاح سے اگر یہ بھانجی

راضی ہے تو درست ہوگیا۔ ۸ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۸۱)

## صغیرہ کا اپنی عبارت سے کیا ہوا نکاح ولی کی اجازت پر موقوف ہے

سوال (۲۷۶) شخصے دختر صغیرہ عاقلہ خود را بعد قبض مہر معجلش بخانہ خاطب فرستاد و نکاح بعبارۃ صغیرہ موصوفہ درآنجا منعقد شد آیا ایں نکاح صحیح باشد یا نہ بر تقدیر اوّل لازم باشد یا قابل الفسخ۔

الجواب۔ اگر ولی صغیرہ بصریح عبارت خود صغیرہ را اذن دادہ بود کہ بزبان خود قبول کنی یا بعد از ینکہ صغیرہ قبول کرد آں ولی ایں قبول را بعبارت صریح خود جائز داشتہ نکاح منعقد شد والا زیرا کہ تصرفات صغیرہ محتاج و موقوف بر اذن ولی می باشد اذن سابق باشد یا لاحق وھو ظاہر فقط۔

۱۶ رشعبان ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۹۳)

## حکم نکاح نابالغہ باجازت ام باوجود موجودگی عم در حضر و موجودگی اب در سفر

سوال (۲۷۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں زید مکان پر موجود نہیں تھا ملک برہما میں بذریعۂ نوکری گیا تھا زید کی بی بی نے زید کی لڑکی زبیدہ کا نکاح جو نابالغ تھی عمرو کے ساتھ جو بالغ تھا کر دیا جب زید مکان پر آیا تو اس نے کہا کہ ہم کو یہ نکاح منظور نہیں ہے بعد چند روز کے زید اپنی نوکری پر چلا گیا اور زبیدہ عمرو کے مکان پر گئی اور ایک سال رہ کر اپنے باپ کے مکان پر آئی زبیدہ جب عمرو کے مکان سے رخصت ہو کر اپنے باپ کے مکان پر آئی اس کے ایک سال بعد بالغ ہوئی اور کہتی ہے کہ ہم کو یہ نکاح منظور نہیں ہے اور زبیدہ کا باپ زید بھی مکان پر آیا ہے اس کو بھی یہ نکاح پہلے سے نامنظور تھا اب بھی نامنظور ہے اب زید و زبیدہ اور اس کی ماں سب کو منظور ہے کہ دوسرے شخص کے ساتھ زبیدہ کا نکاح کر دیا جاوے زبیدہ کا نکاح عمرو کے ساتھ جائز ہوا یا نہیں اور دوسرے شخص کے ساتھ زبیدہ کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں۔ فقط

**تنقیح**۔ دو امر تنقیح طلب اس سوال میں معلوم ہوئے جواب ان پر موقوف ہے ایک یہ کہ زبیدہ کا نکاح جو اس کی نابالغی میں عمرو سے کر دیا گیا تھا اس تعجیل کا سبب کیا یہ اندیشہ تھا کہ ایسا اچھا موقع پھر ہاتھ نہ آوے گا یا اور کوئی سبب تھا۔ دوسرا امر یہ کہ زبیدہ کا کوئی اور رشتہ دار ددھیالی بھی نکاح کے وقت موجود تھا جیسا اس کا کوئی چچا یا بالغ بھائی یا موجود نہ تھا صرف ماں ہی موجود تھی اور اگر کوئی موجود تھا تو اس نے اس نکاح کے متعلق کیا کہا تھا ان دونوں تنقیح کے جواب پر جواب موقوف ہے۔

جواب تنقیح۔ (۱) نکاح میں تعجیل کا یہ سبب ہے کہ زبیدہ کا نکاح عمرو سے ہوا اور عمرو کی ہمشیرہ کا نکاح زبیدہ کے بھائی بکر سے جو زبیدہ سے کم عمر ہے ایک ساتھ ہوا اسی وجہ سے زبیدہ کی ماں نے نکاح

میں جلدی کی زید کو خبر نہیں دی۔ (۲) وقت نکاح کے زبیدہ کا چچا موجود تھا اس نے منع کیا مگر زبیدہ کی ماں نے اس کی کہنے کو منظور نہیں کیا اسی وجہ سے زبیدہ کا چچا نکاح میں شریک نہیں ہوا دوسرا کوئی رشتہ دار موجود نہیں تھا۔

الجواب۔ باپ کے ہوتے ہوئے ماں ولی نہیں ہے پس اس کا کیا ہوا نکاح موقوف و معلق رہا تھا جب زید آیا اور اس نے کہدیا کہ ہم کو یہ نکاح منظور نہیں تو وہ نکاح باطل ہو گیا اس کے بعد زبیدہ جو عمرو کے مکان پر گئی اس جانے سے نکاح درست نہیں ہوسکتا پس اب زبیدہ چونکہ بالغ ہے اس کی اجازت سے دوسری جگہ اس کا نکاح جائز ہے۔

ولا يخالجك ان غيبة الاب كانت منقطعة فتنتقل الولاية الٰى الام لان الغيبة المنقطعة على مانقله الشامى عن الذخيرة اصح تفاسيره انه اذاكان فى موضع لوانتظر حضوره اواستطلاع رايه فات الكفؤالذى حضر و فى البحر عن المجتبىٰ والمبسوط انه الاصح وفى النهاية واختاره اكثرالمشائخ وصححه ابن الفصل وفى الهداية انه اقرب الٰى الفقه وفى الفتح انه الاشبه بالفقه واطال فى ترجيحه جلد۲ ص٥١٦ ولم يوجد هذا الشرط كما يعلم من جواب التنقيح وان فرض ان الغيبة منقطعة فالعم كان وليا ولم يرض ونهى عنه فلم يصح النكاح اصلا فارتفع الشبهة وصح الجواب بلاغبار۔ ۳۰؍شوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص: ۸۳)

## حقوق زوجین کی مجملاً تفصیل

سوال (۲۷۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زوج پر زوجہ کے حقوق دنیا و آخرت کے کس قدر ہیں اور زوجہ کے ذمہ کیا کیا حق ہیں بالعکس دنیا و آخرت کے کیا کیا حقوق ہیں۔

الجواب۔ زوج پر زوجہ کے یہ حقوق ہیں (۱) حُسن خلق (۲) برداشت کرنا ایذا کا مگر باعتدال (۳) اعتدال کرنا غیرت میں یعنی نہ بدگمانی کرے نہ بالکل غافل ہو جائے۔ (۴) اعتدال خرچ میں یعنی نہ تنگی کرے نہ فضول خرچی کی اجازت دے۔ (۵) احکام حیض وغیرہ کے سیکھ کر اس کو سکھلانا اور نماز اور دین کی تاکید رکھنا اور بدعات اور منہیات سے منع کرنا۔ (۶) اگر کئی عورتیں ہوں ان کو برابر رکھنا حقوق میں (۷) بقدر حاجت اس سے وطی کرنا (۸) بدون اجازت عزل نہ کرنا (۹) بدون ضرورت طلاق نہ دینا۔ (۱۰) بقدر کفایت رہنے کو گھر دینا۔ (۱۱) اس کے محارم اقارب سے اس کو ملنے دینا۔ (۱۲) راز ظاہر نہ کرنا جماع وغیرہ کا (۱۳) حد سے زیادہ نہ مارنا۔ اور مثل ان کے اور حقوق زوجہ کے یہ ہیں:۔

(۱) ہر امر میں اس کی اطاعت کرنا بشرطیکہ معصیت نہ ہو۔ (۲) اسکے مقدور سے زیادہ نان ونفقہ

طلب نہ کرنا۔(۳) بدون اجازت شوہر کے کسی کو گھر میں نہ آنے دینا۔(۴) بدون اس کی اجازت گھر سے نہ نکلنا۔(۵) بدون اجازت اس کے کسی کو کوئی چیز اس کے مال سے نہ دینا۔(۶) نفل نماز و نفل روزہ بدون اجازت اس کے نہ پڑھنا نہ رکھنا۔(۷) اگر صحبت کے لئے بلاوے بدون مانع شرعی کے اس سے انکار نہ کرنا۔(۸) اپنے خاوند کو بوجہ افلاس یا بدصورتی کے حقیر نہ سمجھنا (۹) اگر کوئی امر خلاف شرع خاوند میں دیکھے ادب سے منع کرنا۔(۱۰) اس کا نام لے کر نہ پکارنا (۱۱) کسی کے روبرو خاوند کی شکایت نہ کرنا (۱۲) اس کے روبرو زبان درازی نہ کرنا (۱۳) اس کے اقارب سے تکرار نہ کرنا اور مثل ان کے جانبین کے حقوق کثیرہ ہیں جو اس وقت ذہن میں مستحضر ہوئے لکھے گئے۔ ہذا ما اخذت من احیاء العلوم وغیرہ۔
واللہ اعلم۔ کتبہ محمد اشرف علی عفی عنہ (امداد الفتاویٰ جلد ثانی ص:۷)

## زوجہ کے مکان پر رہنے کی شرط بوقت نکاح

سوال (۲۷۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ہندہ وبکر نابالغ کا نکاح بولایت زید وعمرو ہوا تھا بروقت نکاح ولیین سے یہ شرط قرار پائی تھی کہ بکر آج سے زید کے مکان پر بطور متبنیٰ ہمیشہ بود و باش وسکونت اختیار کرے گا بصورت نہ بود و باش اختیار کرنے کے ولی ہندہ مختار فسخ نکاح کا ہے ہندہ وبکر اب تک نابالغ ہیں خلوت صحیحہ نہیں ہوئی اور اب ولی بکر یعنی عمرو تعمیل شرط سے انکار کرتا ہے پس زید ولی ہندہ کو اختیار [1] فسخ نکاح حاصل ہے یا نہیں۔

الجواب۔قال اللّٰہ تعالٰی یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ وقال تعالٰی وَاَوْفُوْا بِالْعَھْدِ اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْئُوْلاً وقال تعالٰی وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰہَ عُرْضَۃً لِّاَیْمَانِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَیْنَ النَّاسِ وقال تعالٰی وَلٰکِنْ لَّا تُوَاعِدُوْھُنَّ سِرًّا الآیات۔ آیتین اولین آمر ہیں ساتھ وفائے عہود کے مطلقاً اور آیتیں اخریین مخصص عہود کی ہیں ساتھ عہود مشروعہ کے وھذا ظاھر وروی ابن جوزی بسندہ عن عائشۃ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال المسلمون عند شروطھم ماوافق الحق من التفسیر المظھری وفی الصحیحین ما کان من شرط لیس فی کتاب

---

(۱) جواب میں اس شبہ کا دفع باقی رہ گیا کہ اس کو امر بالید میں داخل کیا جائے سو اس کا حل یہ ہے کہ اول تو اس میں اختیار طلاق کا ہوتا ہے نہ کہ فسخ کا دوسرا اس میں تقید بالمجلس ہے اور یہاں مجلس مخالفہ۔ شرط میں طلاق کو اختیار نہیں کیا گیا اور عموم پر کوئی لفظ دال نہیں تیسرے اس میں یہ شرط ہے کہ یا تو بعد نکاح ہو یا نکاح کے اندر ہو تو اس میں خاص قیود ہیں۔" مقید بما اذا ابتدأت بالمرأۃ فقالت زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما اریدا وعلی انی طالق فقال الزوج قبلت أمالو بدأ الزوج لاتطلق ولا یصیر الامر بیدھا کما فی البحر عن الخلاصۃ والبزازیۃ شامی آخر باب الامر بالید۔" سوال سے یہ صورت معلوم نہیں ہوتی ہے پھر احد الکلامین میں لفظ نفس مذکور ہو یہاں یہ بھی نہیں ۱۲ منہ۔

اللّٰہ فھو باطل وان کان مائۃ شرط فقضاء اللّٰہ حق وشرط اللّٰہ اوثق۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جو شرط خلاف شرع نہ ہو اس کا پورا کرنا واجب ہے اور جو خلاف شرع ہو اس کا پورا کرنا واجب نہیں یہ حکم تو مطلق عہود کا ہے اور یہی حکم خاص شروط میں ہے۔ یؤیدہ عموم قولہ تعالٰی اذا تراضوا بینھم بالمعروف وفی البخاری فی باب الشروط فی المھر عند عقدۃ النکاح وقال عمرؓ مقاطع الحقوق عند الشروط ولک مااشترطت وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم احق الشروط ان توفوا بہ مااستحللتم بہ الفروج وفی باب مالایجوز من الشروط فی عقدۃ النکاح ولاتسال المرأۃ اختھا لتستکفٰی انائھا الحدیث ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ غیر مشروع شرط ٹھہرانا جائز نہیں اور مشروع واجب الوفاء ہیں اب یہ دیکھنا چاہئے کہ صورت مسئولہ میں شرط مذکور جائز ہے یا نہیں اگر چہ نظر الی ظاہر العرف جائز معلوم ہوتی ہے مگر عند التحقیق درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ جبراً لڑکے کو خسرو کے پاس رہنے میں صبی اور اس کے محارم میں تفریق لازم آتی ہے۔ وقد اخرج الترمذی ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال من فرق بین والدۃ وولدھا فرق اللّٰہ بینہ وبین احبتہ یوم القیامۃ دوسری یہ شرط مقتضی عقد کے خلاف ہے اور ایسی شرط لازم نہیں ہوتی قال القسطلانی تحت حدیث احق الشروط الخ والمراد شروط لاتنافی مقتضی عقد النکاح بل تکون من مقاصدہ کشروط العشرۃ بالمعروف وان لایقصر شیئی من حقوقھا امّا شرط یخالف مقتضاہ کشرط ان لایتسری علیھاولایسافربھا فلایجب الوفاء بہ بل یلغوالشرط ویصح النکاح بمھر المثل فھو عام مخصوص لانہ یخرج منہ الشرط والفاسدۃ انتھٰی۔ تیسری یہ شرط لڑکے پر لازم نہیں کیونکہ اولاً اس کی رضا مندی محتمل ثانیاً غیر معتبر لتقدم الاٰیۃ ثالثاً وہ غیر مکلّف لقولہ علیہ السلام رفع القلم عن ثلاثۃ وعدمنھم الصبی حتٰی یحتلم اور ولی صبی پر بھی واجب نہیں کیونکہ وہ اس پر قادر نہیں لکونہ فعل غیرہ وقد قال اللّٰہ تعالٰی لاتکلف الانفسک الاٰیۃ ولاوجوب بدون الموجب علیہ پس اول تو اس شرط کی صحت ہی میں کلام ہے کما عرفت مگر باوجود فساد شرط کے نکاح میں کوئی نقصان نہیں فی الدرالمختار وما یصح ولا یبطل بالشرط الفاسد القرض والھبۃ والصدقۃ والنکاح الخ وفی ردالمحتار والمراد بقول الشارح مایصح فی نفسہ ویلغوالشرط وایضا فی الدرالمختار ولٰکن لایبطل النکاح بالشرط الفاسد وانما یبطل الشرط دونہ پس صورت مسئولہ میں ولی صبیہ کو اختیار فسخ کا نہیں یہ جب ہے کہ صلب عقد میں شرط ہوئی ہو مثلاً کہا ہو کہ میں اس شرط سے نکاح کرتا ہوں کہ یہ لڑکا میرے گھر رہے اور دوسرے نے کہا ہو کہ میں نے یہ نکاح اس شرط سے قبول کیا اور اگر قبل نکاح

یا بعد نکاح ٹھہری ہو وہ شرط نہیں ہے بلکہ وعدہ ہے اس وقت اس وعدہ کا موثر نہ ہونا نکاح میں زیادہ ظاہر ہے اور اس صورت میں بدرجۂ اولیٰ مختار نہ ہوگا البتہ جب لڑکی بالغ ہوا گر یہ ولی باپ یا دادا نہیں ہے تب لڑکی باعتبار خیار بلوغ کے بشرط قضاء قاضی مختار فسخ کی ہے اور اگر نکاح کرنے والا باپ یا دادا ہے تب یہ بھی اختیار نہیں۔

وکذا الغلام وھو معروف واللّٰہ اعلم وانما اطلنا الکلام فی ھذا المقام وان کان یکفٰی سطر واحد فی کشف الابھام لان المستفتی امرنا ھذا بالزام والعلم عنداللّٰہ العلام وھو ذوالجلال والإکرام وانا العبد المستھام الغریق فی بحار الاٰثار محمد المدعو باشرفعلی عفا عنہ القدوس السلام (امداد ص:۸ ج:۲)

## عدم بطلان نکاح بعدم ایفاء وعدہ

سوال (۲۸۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بمقابلہ عمرو وخالد کے ایک عورت سے اس شرط پر نکاح کیا تھا کہ بعد نکاح کرنے کے یہیں بود وباش اختیار کریں گے دوسرے گاؤں کلکتہ وغیرہ کبھی نہیں جائیں گے اب نکاح ہونے پر زید وعدہ خلافی کر کے کلکتہ یا بمبئی پھر چلا گیا اس صورت میں نکاح باطل ہو گیا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی الدرالمختار مع رُدالمحتار وما یصح ولا یبطل بالشرط الفاسد إلٰی قولہ والنکاح ۔ ج:۴ ص:۵۳ ۳ وص:۳۵۴ اس سے معلوم ہوا کہ نکاح میں کوئی فساد یا بطلان نہیں آیا البتہ وعدہ خلافی بلا عذر کا گناہ الگ چیز ہے لقولہ تعالٰی اوفوا بالعھد۔
۹ رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۷۴)

## عورت ثیبہ بالغہ کا نکاح بدون ولی

سوال (۲۸۱) بیوہ ثیبہ بلا اذن ولی کے نکاح کرے تو درست ہے یا نہیں۔

الجواب۔ اگر وہ بیوہ بالغہ حرہ ہے تو اس کا نکاح بلا اذن ولی جائز ہے لیکن اگر غیر کفو سے یا مہر مثل سے کم کر لیا تو ولی (۱) کو تعرض (۲) پہونچتا ہے۔فنفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا رضی ولی ولہ الاعتراض فی غیر الکفو۔ درمختار (امداد ج۲ ص۱۰)

## عدم صحت نکاح بالغہ با غیر کفو بدون اذن ولی

سوال (۲۸۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مساۃ ہندہ بیوہ ہو گئی ہے اور اسکے

---

(۱) لیکن خود کچھ نہیں کر سکتا بلکہ قضاء قاضی شرط ہے ۱۲ منہ

(۲) مفتیٰ بہ قول پر بدون اذن ولی غیر کفو میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

کئی بچے بھی ہیں قوم کی فاروقی ہے اوران کے شوہر عالم دین دار تھے اب وہ چاہتی ہے کہ کسی عالم دین دار سے عقد کرے ان کی برادری اورمیل کا کوئی شخص نہیں ملتا ہے ان کی مرضی کے موافق ایک صاحب ہیں جو کہ مدرسہ جامع العلوم کان پور اور مدرسہ اسلامیہ دیوبند کے تعلیم یافتہ ہیں ان کی جانب ان کا میلان طبع بھی ہے مگر اتنا نقص واقع ہے کہ وہ صاحب قوم کے نوز باف ہیں اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسماۃ ہندہ کو ایسے شخص سے عقد کرنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو اورلوگوں کا برا بھلا کہنا کیسا ہے اور مسماۃ ہندہ بغیر رضامندی والدین عقد کرسکتی ہے یا نہ۔

الجواب۔ فی الدرالمختار وله ای للولی اذا کان عصبة ولو غیر محرم کابن عم فی الاصح خانیة وخرج ذوالارحام والإمام والقاضی الاعتراض فی غیر الکفو الیٰ قوله ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وهو المختار للفتویٰ لفساد الزمان فی ردالمحتار تحت قوله بعدم جوازہ اصلاوقول البحرلم یرض یشمل ما اذالم یعلم اصلا فلا یلزم التصریح بعدم الرضی بل السکوت منه لایکون برضی کما ذکرنا فلا بد حینئذ بصحة العقد من رضاہ صریحاً وعلیه فلو سکت قبله ثم رضی بعدہ لا یفید فلیتأمل وفیه تحت قوله وهو المختار اختری وقال شمس الائمة وهذا اقرب الیٰ الاحتیاط کذا فی تصحیح العلامة قاسم لانه لیس کل ولی یحسن المرافعة والخصُومة ولا کل قاض یعدل ولو احسن الولی وعدل القاضی فقد یترك انفة للترددعلیٰ ابواب الاحکام استثقاله لانفس الخصومات فلیتقررالضرر فکان منعه دفعاً له فتح ص:٤٨٦و٤٨٧ ج:٢۔ اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ والد کی صریح اجازت لیکر عقد کرنے سے صحیح ہوگا ورنہ نہ ہوگا۔

۲۰ رشوال ۱۳۳۸ھ (تتمۂ خامسہ ص ۱۰۲)

## وقت زفاف کی دُعائیں

سوال (۲۸۳) کیا فرماتے ہیں علماء کہ جب دلہن کو اپنے گھر لاوے تو بوقت صحبت وخلوت صحیحہ کون کون امر زوج پر سنت ہے اور کون کون سی دعاء پڑھنا احادیث سے ثابت ہے اور کوئی نماز بھی پڑھنا چاہئے اور کیا کیا برکت ورحمت نازل ہوتی ہے ایسے حامل سنت پر۔

الجواب۔سنت یہ ہے کہ اوّل اس کے موئے پیشانی پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے برکت کی دُعاء کرے اور بسم اللہ کہہ کر یہ دعاء، پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ خَیْرَهَا وخَیْرماجُبِلَتْ عَلَیْهِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرها وَشَرِّمَا جُبِلَتْ عَلَیه اور جس وقت ارادہ صحبت کا کرے یہ کہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَارَزَقْتَنَا۔پہلی دعاء کی برکت یہ ہے کہ زوجہ ہمیشہ تابع رہے گی۔ دوسری دُعاء کی یہ برکت ہے کہ اگر اولاد ہوگی صالح ہوگی اور ضرر شیطان سے محفوظ رہے گی

زادالمعاد اور نماز پڑھنا کسی حدیث میں تو دیکھا نہیں مگر بعض علماء[۱] سے سنا ہے کہ اول دو رکعت شکریہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر کرے کہ تو نے مجھ کو حرام سے بچایا اور حلال عنایت فرمایا پھر بعد اس کے ادعیۂ مذکورہ پڑھے۔ (امداد ص ۱۰ ج ۲)

## کیا انعقاد نکاح کے لئے منکوحہ کی تعیین اس کے نام کی تصریح کے ساتھ ضروری ہے

سوال (۲۸۴) وقت نکاح قاضی کو نام زوجہ کا لیکر مجمع عام میں پکار کر ایجاب وقبول کرانا چاہئے یا کیا اور جو بدون نام لینے زوجہ کے ایجاب وقبول کرادے تو نکاح درست ہوگا یا نہیں۔

الجواب۔ شرط جواز نکاح یہ ہے کہ منکوحہ زوج اور شاہدین کے نزدیک مجہول نہ رہے بلکہ اپنے غیر سے متمیز ہو جائے خواہ کسی طرح سے امتیاز ہو پس اگر منکوحہ حاضر ہے تو اس کی طرف اشارہ کردینا کافی ہے اور اگر غائب ہے تو اگر بدون تصریح نام کے بعض قیود سے اس کی تعیین ممکن ہے تو نام لینے کی حاجت نہیں اور اگر اوصاف سے تمیز نہ ہو تو اس کا نام لینا ضرور ہے بلکہ اگر اس کے نام سے بھی تعیین نہ ہو تو باپ دادے کا بھی ضروری ہے حاصل یہ ہے کہ رفع ابہام ہو جاوے۔

فی الدرالمختار ولاالمنکوحۃ بمجھولۃ وفی ردالمحتار قلت وظاھرہ انھا لوجرت المقدمات علیٰ معینۃ وتمیزت عند الشھود ایضاً یصح العقد وھی واقعۃ الفتویٰ لان المقصود نفی الجھالۃ وذلک حاصل بتعینھا عند العاقدین والشھود وان لم یصرح باسمھا کما اذا کانت احد ھٰما متزوجۃ ویؤیدہ ماسیأتی من انھا لوکانت غائبۃ وزوجھا وکیلھا فان عرفھا الشھود وعلموا انہ ارادھا کفٰی ذکراسمھا والالابدمن ذکر الاب والجد ایضًا الیٰ اخر ماقال واطال واللّٰہ اعلم۔ (امداد ص ۱۱ ج ۲)

## حکم صحت نکاح بدون ذکر اسم زوجہ وقتیکہ نزد گواہان وعاقدین بمقدمات نکاح وغیرہ زن متمیز شود

سوال (۲۸۵) زید کی دو لڑکیاں ہیں بڑی لڑکی کا نام زینب اور چھوٹی لڑکی کا کلثوم ہے زینب کا نکاح بکر سے ہونے کا مقرر ہوا اس دن بکر کی طرف سے پانچ چھ آدمی کپڑا از یور وغیرہ لیکر زید کے مکان میں گئے تو زید نے ان لوگوں سے کپڑا ازیور وغیرہ لیکر زینب کو پہنایا بعد اس کے زید اور بکر کی طرف کے لوگ مل کر بکر کے مکان میں آئے اور زید کے مکان پر زینب مذکور رہی بعد اس کے حاضرین مجلس نے زید سے کہا کہ تمہاری لڑکی کا نکاح بکر سے کردیں زید نے کہا میں نے کردیا بکر نے کہا میں نے قبول

---

(۱) پس سنت سمجھ کر نہ پڑھے۔ محض شکر کے طور پر مضائقہ نہیں ۱۲ منہ

کیا اور زید نے لڑکی کا نام نہیں لیا نکاح خواں حاضرین مجلس اور زید نے بکر سے پوچھا کہ کس کا نکاح ہوا تم سمجھے معا جواب دیا کہ سنگھار کیا ہوا دلہن کا۔ آیا نام نہ لیکر فقط سنگھار کیا ہوا زینب کی طرف نسبت کر کے جو نکاح ہوا یہ صحیح ہے یا نہیں۔ اور زینب مذکور نابالغ ہے بکر اور گواہ اس وصف اور پتہ سے زینب کی تعیین سمجھے ہیں۔

الجواب۔ فی ردالمحتار لو جرت المقدمات علیٰ معینة وتمیزت عند الشهود ایضًا یصح العقد وهی واقعة الفتویٰ لان المقصود نفی الجهالة وذاک حاصل بتعیینها عندالعاقدین والشهود وان لم یصرح باسمها ج ۲ ص ۲۴۳۔ جب سب زینب کی تعیین سمجھ گئے نکاح صحیح ہو گیا۔ ۱۶؍رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۷۱)

## ضرورت عقد نکاح

سوال (۲۸۶) جب کہ زر خرید کنیز کے ساتھ مباشرت کرنا روا ہے تو پھر عقد کی کیا ضرورت ہے۔ (۲) مہر کیوں تعیین کیا جاتا ہے۔ (۳) زوجۂ منکوحہ اور کنیز زر خرید میں کیا فرق ہے۔

الجواب۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو محتاج بقاء نوع کا پیدا کیا ہے۔ اور بقاء نوع بدون مصاحبت مرد وزن کے غیر ممکن ہے۔ پس احتیاج بقاء نوع مقتضی ہوئی اصطحاب مرد و عورت کو اس اصطحاب کی کئی صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ نہ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ مختص ہو، نہ کوئی عورت کسی مرد کے ساتھ بلکہ ہر مرد کو ہر عورت سے صحبت حلال ہو، اور ہر عورت کو ہر مرد کا متمکن کر دینا مباح ہو۔

دوسری صورت یہ کہ مرد عورت کے ساتھ مختص ہو، اور عورت مرد کے ساتھ یعنی ایک عورت ایک مرد کے پاس رہے ۱۲۔

تیسری یہ کہ مرد تو عورت کے لئے مختص ہو، یعنی سوائے اس مرد کے دوسرے مرد کو صحبت حلال نہ ہو، لیکن عورت اس کے لئے منفرد مختص نہ ہو، بلکہ تعدادنسواں جائز ہو۔

چوتھی اس کا عکس یعنی عورت مرد کے لئے منفرد ہو۔ یعنی سوائے اس عورت کے دوسری سے صحبت حلال نہ ہو، اور مرد منفرد نہ ہو، بلکہ تعدد رجال جائز ہو۔

ان چاروں صورتوں میں پہلی اور چوتھی صورت بالکل خلاف عقل ہے کیونکہ مرد میں بالطبع شہوت وغیرہ رکھی ہے، اور درصورت تعدد رجال کے یقیناً ان میں تجادل وتقاتل کی نوبت پہونچے گی اور یہ امر مخل تمدن وعمارت عالم ہے، لہٰذا یہ دونوں صورتیں حرام ٹھہریں۔

دوسری صورت بالکل موافق عقل ہے کہ اس میں نہ عورتوں میں عناد وفساد کا احتمال نہ مردوں میں وہ جائز ٹھہری۔

تیسری صورت اگر چہ بظاہر خلاف عقل معلوم ہوتی ہے، کیونکہ وہ مفضی ہے طرف تنازع وتمانع عورتوں کے یہ بھی جائز نہ ہوتی لیکن چونکہ عورتوں کو بوجہ ضعف قوت علمیہ وعملیہ مردوں کے برابر تمدن میں دخل نہیں، اس لئے ان کے بغضاء وشحناء کو مضر نہیں سمجھا گیا، اور جتنا کچھ ضرر کا احتمال تھا اس کا تدارک وحدت قہریہ زوج کے ساتھ کیا گیا، اس کو قوام وحاکم بنایا ان دونوں کو سلک اتفاق صوری میں منسلک رکھے، لہٰذا یہ صورت بھی جائز ٹھہری پس مدار عدم جواز کا عدم اختصاص رجال اور مناط جواز کا اختصاص رجال ہوا۔ پس اختصاص رجال ایک امر مطلوب ومطمح نظر ٹھہرا، اس اختصاص کی صورتیں عقلاً متنوع ومتعدد ہیں، لیکن بشہادت فطرت سلیمہ عادلہ اس سے بہتر کوئی صورت معلوم نہیں ہوتی کہ مرد وزن سے بواسطہ یا بلاواسطہ اس اختصاص کا اقرار علیٰ رؤس الاشہاد لیا جائے تاکہ دوسرے مردوں کی طمع اس عورت سے قطع ہوجائے اور نوبت جدال وقتال کی نہ پہونچے، اس صورت کا نام شرعاً عقد نکاح ہے، اور چوں کہ یہ اختصاص بوجہ ترجیح اس مرد کے اور ابناء جنس پر ایک امر مہتم بالشان ہے اس کے اظہار اہتمام وایضاح اعتناء کے لئے قدرے مال مرد کے ذمہ واجب کیا گیا جس کا صرف وبذل عرفاً دلیل اہتمام مبذول علیہ کی ہے تاکہ اختصاص کی ایک وجہ وجیہہ متعین ہوجائے اور بباعث ارغبیۃ واحبیۃ مال وتعذر انفاق اس کے دیگر ابناء نوع اس اختصاص پر غبطہ نہ کریں اس کا نام مہر ہے۔ پس یہ متممات اختصاص میں سے ہوا، اسی وجہ سے یہ رسم قبل بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی عرب میں شائع تھی، اور شارع علیہ السلام نے بھی اس کو برقرار رکھا، ونیز فائدہ نکاح کا کہ معاشرت ومعاونت ہے تام نہیں ہوتا، جب تک کہ ہر ایک کو دوسرے کی طرف سے توطین نفس حاصل نہ ہو، اور یہ اطمینان نہ ہو کہ یہ مجھ سے جدا نہ ہوگا پس مرد کی دلجمعی تو اس طور سے کی گئی کہ عورت کے ہاتھ سے اختیار فراق کا سلب کرلیا گیا، اب عورت کی توطین کی یہ صورت تو نہیں ہوسکتی کہ مرد کو بھی مجاز ومختار فراق کا نہ بنایا جائے۔ کیونکہ اس صورت میں عورت کا اسیر ہوجائے گا اور یہ منافی اس کی قوامیت کے ہے پس مناسب ہوا کہ اس کے ذمہ کچھ مال واجب کیا جائے کہ عادۃً وقت فراق کے اس کا مطالبہ شدت سے ہوتا ہے پس ہر وقت مرد کو اندیشہ رہے گا کہ اگر میں اس کو چھوڑ دوں گا تو اپنے حق کا سخت تقاضا کرے گی اور اس خیال سے بدون کسی ضرورت شدیدہ کے فراق پر اقدام وجرأت نہ کرے گا، یہ صورت توطین عورت کی ہے پس یہ دوسری مصلحت ہوگی مشروعیت مہر کی ونیز منکوحہ جو لخت جگر وپارۂ دل اپنے اولیاء کی ہے اس کا مفت سفت مالک ہونا موجب زیادت حزن ان کے کا ہے، پس قدرے مال کہ بالطبع محبوب ومرغوب ہے اس کے عوض میں مرد کے ذمہ واجب ٹھہرایا گیا کہ موجب شکیبائی اولیاء کا ہو کہ ایک محبوب ہمارا گیا، ایک محبوب اس کا گیا، یہ تیسری مصلحت ہوئی مشروعیت مہر کی، ونیز مجاناً تملک میں ابتذال وارتذال بضع کا ہے جو منافی تکرم بنی آدم

ہے، لہٰذا اظہار الشرف المحل مال واجب کیا گیا کہ اس کی قدر وخطر ظاہر ہو یہ چوتھی مصلحت ہے مشروعیت مہر کی، ونیز توافق زوجین کے لئے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کی مراعات ومدارات کیا کرے اور طبعاً رعایت محسن کی بہت ملحوظ ہوتی ہے، سو محسنیت مرد کی تو بوجہ تحمل نفقہ وکسوت اس کی کے ممکن ہے، لیکن محسنیت عورت کی بسبب عاجز واسیر ہونے کے غیر متصور، لہٰذا مرد پر مال واجب کیا گیا کہ اگر عورت محسن بننا چاہے تو اپنا حق یا اس سے مؤخر کردے، یا کلاً یا بعضاً معاف کردے اور یہ احسان جالب رعایت مرد کا ہو یہ پانچویں مصلحت ہوئی مشروعیت مہر میں، جب معلوم ہوچکی وجہ ضرورت عقد نکاح ومہر کی، اب سننا چاہئے کہ اپنی مملوکہ سے عقد مہر کی ضرورت کیوں نہیں صرف مالک ہوجانا کافی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تو معلوم ہوچکا کہ ضرورت عقد اور اس کے متمم یعنی مہر کی بنا بر اختصاص مذکورہ کے ہے، پس جس جگہ یہ اختصاص مقصود ہوگا خواہ حرہ سے یا کسی کی کنیز سے وہاں عقد بھی ضروری ہوگا جہاں یہ اختصاص مقصود نہ ہوگا عقد کی بھی ضرورت نہ ہوگی اور کنیز کے مالک ہونے سے مثل دیگر اموال تجارت کے مقصود صرف ملک رقبہ ہے، یہ اختصاص جو موضوع الملک المتعہ ہے مقصود نہیں ورنہ چاہئے تھا کہ جس جگہ یہ مقصود حاصل نہ ہوتا تملک ہی جائز نہ ہو، جیسا کہ منکوحہ میں، چونکہ اختصاص ملک متعہ مقصود ہے اس لیے جو عورت محل حل وطی کا نہ ہو، جیسے محارم ومعتدۃ الغیر وذوات الزوج وغیرہ اس عورت سے نکاح ہی صحیح نہیں لان الشیئی اذا خلامن مقصودہ انتفی، حالانکہ باوجود عدم حل وطی کے بھی تملک جائز ہے۔ جیسے رضاعی بہن کو یا مشرکہ یا مجوسیہ کو یا غلام کو خریدنا کہ شرعاً محل حل وطی کے نہیں جب باوجود حرمت وطی بھی تملک جائز ہے تو معلوم ہوا کہ مقصود اس سے اختصاص مذکور نہیں۔

نیز اگر اختصاص مقصود ہوتا تو مملوکہ کا چند مالکوں میں مشترک ہونا جائز نہ ہوتا، جیسا کہ منکوحہ واحدہ کا ناکحین متعددین کے نکاح میں آنا بوجہ مذکورۂ بالا جائز نہیں، حالانکہ شرکت اسکی ملک میں جائز ہے، ونیز اگر اختصاص مقصود ہوتا تو چاہئے تھا کہ اپنی مملوکہ کا درصورت بقاء ملک کے کسی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہ ہو، جیسا کہ اپنی منکوحہ کا درصورت بقاء نکاح کے کسی سے نکاح جائز نہیں، کہ منافی اختصاص ہے، حالانکہ اپنی مملوکہ کا نکاح دوسرے شخص سے جائز ہے پس جب معلوم ہوا کہ اس سے وہ اختصاص مقصود نہیں، لہٰذا نہ عقد کی ضرورت نہ اس کے متمم یعنی مہر کی حاجت اگر کسی جگہ مملوکہ سے وطی حلال ہے تو تبعاً لملک الرقبہ حلال ہے، خواہ وہ ملک رقبہ بالمال ہو مثل بیع کے، یا بلا مال ہو مثل ارث وہبہ کے کیونکہ اضعف اقویٰ کے تابع ہوتا ہے، بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو، اور تفصیل اس کے موانع کی کتب فقہ میں مع الدلیل مذکور ہے، بعد سننے اس تقریر کے غالب ہے کہ ناظرین نے تینوں سوالوں کا جواب سمجھ لیا ہوگا۔ مگر بقدر ضرورت ہم بھی اس تقریر کو ان سوالوں پر مطابق کردیں، پس سمجھنا چاہئے کہ سوال اول سے

اگر یہ غرض ہے کہ جب اپنی کنیز کے ساتھ صرف زرخرید ہونے سے مباشرت جائز ہے پھر اس سے عقد نکاح کی کیا حاجت ہے تو ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ اپنی کنیز سے خواہ وہ زرخرید ہو یا مجاناً اس کی ملک میں آ گئی ہو بوجہ نہ مقصودیت ہونے اختصاص مذکور کے عقد کی کوئی ضرورت نہیں، البتہ اگر کہیں تملک میں شبہ ہو تو احتیاطاً بوجہ شبہ مقصودیت اختصاص کے نکاح کرنا اولیٰ ہے، في الدر المختار وحرم نكاح المولى امته والعبد سيدته لان المملوكية تنا في المالكية نعم لو فعله المولى احتياطاً كان حسنا اھ۔

اور اگر یہ غرض ہے کہ غیر کی کنیز کے ساتھ عقد کی کیا حاجت ہے، یا یہ غرض ہے کہ جیسے کنیز کا تملک حل وطی کے لئے کافی ہے، علیٰ ہذا القیاس منکوحہ کو مہر دیدینا کافی ہو حاجت نکاح کی نہ ہو، تو ان دونوں سے عقد ضروری ہونے کی وجہ وہی مقصودیت اختصاص ہے، یہ جواب ہوا پہلے سوال کا، دوسرا سوال تعیین مہر کا ہے، اس کی پانچ وجوہ اوپر مذکور ہو چکیں۔

تیسرا سوال بھی مثل اول کے مجمل ہے اگر اس سے غرض فرق پوچھنا ہے ان دونوں کے معنی میں تو وہ فرق ظاہر ہے کہ منکوحہ مملوکہ بملک متعہ ہوتی ہے اور امہ مملوکہ بملک رقبہ، اور اگر غرض دریافت کرنا اس فرق کا ہے کہ کنیز تو خریدنے سے حلال ہو جاتی ہے، اور منکوحہ سوق مہر سے بدون عقد کے حلال نہیں ہوتی، تو بناء اس فرق کی وہی مقصود ہونا ملک متعہ کا منکوحہ میں اور مقصود ہونا ملک رقبہ کا نہ ملک متعہ کا امۃ میں ہے جس کو ہم تین دلیلوں سے اوپر ثابت کر چکے ہیں، اور اگر ان سوالات سے کچھ اور مقصود ہے تو بیان لازم ہے، کہ اس کا جواب بھی ان شاء اللہ تعالیٰ دیا جائے، هذا ما القى فى القريحة والله اعلم بحقيقة اسرار الشريعة ۔ ۱۳۰۲ھ (امداد ص: ۱۳ ج: ۲)

## عورت بلوغ کا دعویٰ کرے تو اس کے مقبول ہونے کے شرائط

سوال (۲۸۷) زن ہژدہ سالہ منکوحہ بولایت غیر اب وجد فی الصغر منکر لزوم نکاح می گوید کہ مارا حالا حیض اوّل آمدہ اعتبار کردہ شود یا نہ، وعورت خانہ ومحلّہ گواہی دہند کہ حیض او را از چند سال می آید وسینہ وجسدش فی البدیہہ می نماید کہ از چند سال بالغہ است یا زنے صغیر برران زخم زدہ می گوید کہ مارا دم حیض است و پارچہ خون آلودہ مردم شاہد پارچہ دیدہ تحقیق نہ کردہ گواہی دادند یا خود آں زن گفت کہ مارا حیض می آید وخون و پارچہ کسے ندید گفتہ ایں زن بدفن قبول کردند۔

الجواب۔ في الدر المختار كتاب الحجر فان راهقا فقالا بلغنا صدقا ان لم يكذبهما الظاهر وفي الدر المختار باب العدة قالت مضت عدتي والمدة تحتمله وكذبها الزوج قبل قولها مع حلفها وفيه قبيل فصل الحد او كذبته في مدة تحتمله لم تسقط

نفقتها وله نكاح اختها عملا بخبريهما بقدر الامكان وفي ردالمحتار يعمل بخبريهما بقدر الامكان بخبره فيماهوحقه وحق الشرع وبخبرهافي حقها اهـ وفي الدرالمختار باب الشهادة للولادة الىٰ قوله وعيوب النساء فيما لايطلع عليه الرجال امرأة الخ وفيه باب الولي زوجها ابوها فقالت انا بالغة والنكاح لم يصح وقال الاب اوالزوج بل هي صغيرة فان القول لها ان ثبت ان سنها تسع وكذا لوادعى المراهق بلوغه ولو برهنا فبينة البلوغ اولىٰ وفي ردالمحتار و استشكل بعض المحشين تصور البرهان علىٰ البلوغ قلت وهو ممكن بالحبل اوالاحبال اوسن البلوغ اورؤية الدم والمنى كما في الشهادة علىٰ الزنا وفي ردالمحتار بعد قول الدر هذا قالت عند القاضي اوالشهود ادركت الأن و فسخت فانه يصح كما ياتي بيانه۔

از مجموعہ روایات بوضوح پیوست کہ در بلوغ قول زن معتبر است ہرگاہ صدقش محتمل باشد ووقت اختلاف اوراحلف دادہ شود البتہ اگر بینہ شرعیہ بر کذبش قائم شود قول بینہ معتبر باشد وبینہ دومرد یا یک مرد و دو زن باشد زیرا کہ اطلاع بردم حیض بر طریقے کہ زنان راممکن است مردان رانیز ممکن وقول امام صاحب دراکثر بلوغ ہجدہ سال است پس بناءً علیٰ ہذہ الروایات ایں ہجدہ سالہ وخرد سالہ تصدیق (۱) کردہ شود بشرطیکہ کم از نہ سال نباشد۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۹ رجمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ج:۲ص:۲۰)

## عورت کے بالغ ہونے کی علامات اوراس کے احکام میں تفصیل

سوال (۲۸۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ اللہ بندی ایک لڑکی بعمر نوسال ہے، والدین مسماۃ مذکور کے فوت ہوگئے، باپ کومرے ہوئے تین برس اور والدہ کومرے ہوئے آٹھ مہینے ہوئے، مسماۃ مذکورہ کے دو پھوپھی کے بیٹے غلام محمد والٰہی بخش صحیح وسالم اور نانا کے تایازاد بھائی کے چار بیٹے رحیم بخش،کلو،قدرا، روطا، اور تین بیٹیاں عیدو، سوندھی، شبو اور ماں کی ایک خالہ زاد بہن اللہ دی اور ایک خالہ زاد بھائی نانو موجود ہیں، اس وقت مسماۃ اللہ بندی زیر حفاظت وپرورش رشتہ داران مادری یعنی نانا کے تایازاد بھائی کے اولاد کے ہے، اب مسماۃ مذکورہ کا حق ولایت نکاح کس فریق کوحاصل ہے اوراگر ولایۃً نکاح کیا جاوے تو حق رخصت کرانے کا شوہر کوفوراً حاصل ہو جائے گا یا منکوحہ کے بالغ ہونے کا انتظار کیا جاوے گا، اوراگر منجانب شوہر مہر ادا کیا جاوے تو وہ مہر کسے دیا جاوے گا اور لڑکی کس کی حفاظت میں رہے گی، اور حد بلوغ عورت کیا ہے اور باپ یا ماں نابالغہ کے

---

(۱) لڑکی کے بلوغ سے متعلق امام صاحبؒ سے ایک روایت سترہ برس کی ہے اور دوسری پندرہ کی وہوقولہما وعلیہ الفتویٰ، لہٰذا اٹھارہ سالہ لڑکی کو اختیار بلوغ نہ ہوگا۔ ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

واسطے نکاح اپنی دختر کے کسی کو وصیۃً ولی کر سکتے ہیں یا نہیں اور وہ وصیت کہاں تک نافذ ہوگی اور میعاد حضانت کیا اور کس کو حق حضانت حاصل ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ صورت مذکورہ میں حق ولایت نکاح دونوں رشتہ داروں پھوپھی کی اولاد غلام محمد والٰہی بخش کو ہے، **ثم لذوی الارحام العمات ثم الاخوان ثم الخالات ثم بنات الاعمام وبھذا الترتیب اولادھم شمنی درمختارقوله وبھذا الترتیب اولادھم فیقدم اولاد العمات ثم اولاد الاخوال ثم اولاد الخالات ثم اولاد بنات الاعمام طحطاوی** جلد اول ص ۳۹ اور حق حضانت اس لڑکی کی ماں کی خالہ زاد بہن اللہ دی کو ہے، کیونکہ یہ ماں کی طرف کی رشتہ دار قریب ہے **والاصل فی ذلک ان ھذہ الولایة تستفاد من قبل الامھات فکانت جھة الام مقدمة علی جھة الاب کذا فی الاختیار شرح المختار عالمگیری** جلد ثانی ص ۵۷۷ اور مسمیٰ نانو اور نانا کے تایازاد بھائی کی اولاد رحیم بخش، کلو، قدرا، روڈھا، عیدو، سوندھی، شبو کو نہ حق ولایت نکاح ہے نہ حق حضانت ہے، اور اس صورت میں میعاد حضانت دختر کی اس کے قابل شہوت (یعنی ایسی عمر کہ اس کو دیکھ کر مرد کو اس کی طرف میلان قلب ہونے لگے) ہونے تک ہے۔ **ومن سوی الام والجدة احق بالجاریة حتٰی تبلغ حداتشتھی ھدایہ** جلد اول ص ۴۱۵، پھر جو اس کا ولی نکاح ہو اس کی حفاظت میں رہے، **واذا کانت البالغة بکراً فللاولیاء حق الضم وان کان لایخاف علیھا الفساد اذاکانت حدیثة السن عالمگیری** جلد ثانی ص ۵۸۸ اور اگر اس کا نکاح کیا جاوے تو وہ لڑکی اگر بسبب قوت وجسامت کے قابل شوہر کے پاس رہنے کو ہو شوہر کو فوراً رخصت کرانے کا اختیار ہوگا، اور اگر اس قابل نہیں تو انتظار بلوغ کا کیا جاوے گا، **المرأة ان کانت صغیرة مثلھا لا توطأ ولا تصلح للجماع فلا نفقة لھا عندنا حتٰی تصیر إلٰی الحالة التی تطیق الجماع سواء کانت فی بیت الزوج اوفی بیت الاب ھکذا فی المحیط عالمگیری** ج:۲ ص:۵۶۰ اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب صغر میں باوجود شوہر کے گھر میں آجانے کے اس پر نفقہ واجب نہیں ہوتا تو شوہر کو اس کے حبس کا اختیار بھی نہ ہوگا اور اگر منجانب شوہر مہر ادا کیا جاوے تو اگر لڑکی اس وقت بالغہ ہو تو خود قبضہ کرے اور جو نابالغ ہو تو جو ولی نکاح کا ہے وہی اس کا قبضہ کرے۔ **امرأة زوجت بنتھا وھی صغیرة وقبضت صداقھا ثم ادرکت فان کانت الام وصیتھا فلھا ان تطالب امھا الصداق دون زوجھا وان لم تکن الام وصیتھا لھا ان تطالب زوجھا والزوج یرجع إلی الام وکذا فی غیر الاب والجد من الاولیاء ۱۲ والوصی یملک ذلک علٰی الصغیرة وفی البنت البالغة حق القبض لھا دون غیرھا عالمگیری** ج ثانی ص ۳۳۱، پھر جب وہ

بالغ ہو جاوے ولی اس کا مہر اس کے حوالے کرے اور بلوغ دختر کی کوئی مدت معین نہیں مگر نو برس سے پہلے بالغ نہیں ہو سکتی، اور پندرہ برس سے پیچھے نابالغ نہیں رہ سکتی، اور علامت اس کے بلوغ کی حیض وغیرہ ہے، اگر کچھ علامت ظاہر نہ ہو تو بعد سترہ برس کے کہ وہ اپنے کاروبار میں ہوشیار ہو جائے حکم بلوغ کا دیا جائے گا اور اس کا مہر اس کے حوالہ کیا جاوے گا، وان حاضت الجارية او احتلم الغلام اوتأخر فاستكمل الغلام تسع عشرسنة والجارية سبع عشر سنة واونس منهما الرشد واختبروا بالحفظ لاموالهما والصلاح في دينهما دفعت اليهما اموالهما، عالمگیری جلد ثانی ص ۳۱۴، اور باپ یاماں نابالغہ کے واسطے نکاح اپنی دختر کے کسی کو وصی نہیں کر سکتے الوصی لاولاية له في نكاح الصغير والصغيرة سواء اوصى اليه الاب اولم يوص الااذاكان الوصي وليهما فحٍ يملك الانكاح بحكم الولاية لابحكم الوصاية كذا في المحيط عالمگیری جلد ثانی ص ۲۹۲ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم ۔ ۸ ذیقعدہ ۱۳۰۰ھ (امداد ص:۱، ج:۲)

سوال (۲۹۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ حد لڑکی کے بالغ ہونے کی کم سے کم کیا ہے اور زیادہ سے زیادہ کیا ہے، اور حنفیوں کا معمول بہ مفتیٰ بہ قول کیا ہے اور حساب عمر کا کس سن سے لگایا جاوے آیا شمسی سے یا قمری سے۔

الجواب۔ في الدرالمختار فان لم يوجد فيهما شيئي فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة به يفتى لقصراعمار اهل زماننا وادنى مدته له اثنتا عشرة سنة ولها تسع سنين هو المختار في ردالمحتار قوله لقصراعمار اهل زماننا ولابن ابن عمرؓ عرض على النبي صلى الله عليه وسلم يوم احد وسنه اربعة عشرة فرده ثم يوم الخندق وسنه خمس عشرة فقبله الخ جلد ۵، ص۱۴۸ وفي ردالمحتار باب العنين وجهه ان الثابت عن الصحابة كعمرؓ وغيره اسم السنة واهل الشرع انما يتعارفون الاشهر والسنين بالاهلة فإذا اطلقوا السنة (مثلا في الحديث السابق وسنه خمس عشرة فقبله۱۲ لكاتبه) انصرف الى ذلك مالم يصرحوا بخلافه فتح ج۲ ص۹۷۹۔

ان روایات سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

(۱) ادنیٰ مدّت بلوغ دختر کی ۹ سال ہے یعنی جبکہ علامات بلوغ کی پائی جاویں۔

(۲) زیادہ سے زیادہ مدّت بلوغ پندرہ سال ہے یعنی جب علامات بلوغ کی نہ پائی جاویں۔

(۳) فتویٰ اسی پندرہ سالہ کے قول پر ہے۔

(۴) اس میں سنہ قمری معتبر ہے۔ ۱۹ رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص:۱۶۶)

سوال (۲۹۱) خروج وصعود ثدیین علامت بلوغ ہے، یعنی اگر خروج ثدیین قبل حیض ہو جاوے اور غالب یوں ہی ہوتا ہے، تو وہ بالغہ قرار دی جاوے گی یا نہیں، اگر بالغہ نہ ہو گی تو بعد جماع اس پر غسل واجب ہوگا یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب۔ یہ علامت بلوغ کی نہیں ہاں مراہقہ کی دلیل ہے، جماع سے اس پر غسل فرض نہیں البتہ تعلیماً واحتیاداً وتادیباً اس پر تاکید غسل کی کی جاوے گی، في الدر المختار والجارية بالاحتلام والحيض والحبل فان لم يوجد فيهما شيئ منها فحتى يتم لكل منهم خمسة عشر سنة به يفتي وايضا فيه لوكانا مكلفين ولواحدهما مكلفا فعليه فقط دون المراهق لكن يمنع عن الصلٰوة حتٰى يغتسل ويومربه ابن عشر تاديباً۔ فقط

۳؍ذی الحجہ ۱۳۱۸ھ (امداد ص: ۲ ج: ۱)

سوال (۲۹۲) حد بلوغ عورت کیا ہے۔

الجواب۔ بلوغ دختر کی کوئی مدت معین نہیں۔ مگر نو برس سے پہلے بالغ نہیں ہو سکتی، اور علامات اس کے بلوغ کی حیض وغیرہ ہے، اگر کچھ علامت ظاہر نہ ہو تو بعد سترہ برس [1] کے کہ وہ اپنے کاروبار میں ہوشیار ہو جاوے حکم بلوغ کا دیا جاوے گا، اور اس کا مہر حوالہ کیا جاوے گا۔ وان حاضت الجارية واحتلم الغلام اوتاخر فاستكمل الغلام تسع عشر سنة والجارية سبع عشرسنة واونس منهما الرشد واختبروا بالحفظ لاموالهما والصلاح في دينهما دفعت اليهما عالمگيری جلد ثانی ص ۳۱۳ ۳۱۴ (امداد ص ۱۴۷ ج ۳)

سوال (۲۹۳) درمختار باب الرجعۃ میں ہے ولو خافت ان لايطلقها تقول زوجتك نفسي علٰى ان امري بيدي، اب اگر کوئی شخص اپنی لڑکی بکر بالغہ کا نکاح اس طور سے کرنا چاہے تو کس طور سے کرے، آیا باپ لڑکی سے یوں اجازت لے کہ میں تیرا نکاح اس شرط پر کرتا ہوں کہ امر طلاق میرے ہاتھ میں رہے۔ اور وہ لڑکی اس کو سن کر سکوت کرے، پھر یہ شخص اس شرط کے ساتھ اس کا عقد کردے، تو لڑکی کو اختیار رہے گا یا نہیں یا باپ کو اختیار رہے گا یا لڑکی باپ سے اپنی زبان سے کہے کہ میرا نکاح اس شرط سے کر دو اور پھر باپ اس شرط سے کردے یا کوئی اور صورت اس امر کے واسطے تحریر فرمائیں غرض جہاں تک ہو سکے لڑکی کے کلام کی کم ضرورت ہو۔

الجواب۔ في الدر المختار باب تفويض الطلاق مشافهة اواخباراً في ردالمحتار قوله مشافهةً اي في الحاضرة اواخبارا في الغائبة اهـ قلت دل علٰى ان التفويض يجوز

---

(۱) یہ امام صاحبؒ کا قول ہے اور صاحبین کے نزدیک ۱۵ سال اور اس پر بھی فتویٰ دیا گیا ہے ۱۲ منہ

للحاضرة والغائبة وفي ردالمحتار باب الامر باليد تحت قوله و ينبغي الخ لانه يصح ان يجعل الامر بيد اجنبي وان كانت بالغة الٰى قوله قلت علٰى انه اذا جعل امرها بيدها يكون في معنى التعليق علٰى اختيارها نفسها فلا يصح من ابيها ولو كانت صغيرة وكذا لوجعله بيدابيها لايصح منها ولوكانت كبيرة لعدم وجود المعلق عليه اهـ قلت دل علٰى امرين احدهما ان التفويض يجوزلغير الزوجة والثاني ان من فوض اليه يكون الامر بيد غيره ودل ايضاً علٰى ان صحة التفويض لايتوقف علٰى اذن الامرأة وفي الدرالمختار باب تفويض الطلاق لاتطلق بعده اى المجلس الا اذا زاد متى شئت الخ قلت دل علٰى ان بقاء الاختيار بعد المجلس لايكون الابدليل العموم وفي الدرالمختار قبيل فصل المشية نكحها علٰى ان امرها بيدها صح في ردالمحتار قوله صح مقيد بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك علٰى ان امري بيدى اطلق نفسي كلما اريد اوعلٰى اني طالق فقال الزوج قبلت اما لوبدأ الزوج لا تطلق ولا يصير الامر بيدها كما في البحر عن الخلاصة والبزازية وفي ردالمحتار تحت قول الدرالمختار المذكور في السوال هكذا قوله وتمامه في العمادية حيث قال ولوقال لها تزوجتك علٰى ان امرك بيدك فقبلت جاز النكاح ولغاالشرط لان الامر انما يصح في الملك اومضافا اليه ولم يوجد واحدمنها بخلاف مامر فان الامر صار بيدها مقارنة لصيرورتها منكوحة اهـ نهروقدمناه قبل فصل المشية والحاصل ان الشرط صحيح اذا ابتدأت المرأة لااذا ابتدأ الرجل ولكن الفرق خفي نعم يظهر علٰى القول بان الزوج هو الموجب تقدم اوتاخر والمرأة هي القابلة كذالك تأمل اهـ قلت دل صريحا علٰى ان صحة اشتراط التفويض في النكاح مقيد بما اذا ابتدئ من الزوجة۔

ان سب روایات کے مقتضا سے ثابت ہوا کہ صورت مسئولہ میں اگر لڑکی کا باپ پہلے کہے کہ میں اپنی لڑکی کا تیرے ساتھ اس شرط سے نکاح کرتا ہوں کہ امر اس کا میرے ہاتھ میں ہو یا اس لڑکی کے ہاتھ میں ہو کہ جب چاہوں یا جب چاہے طلاق دیدوں یا طلاق لے لے اور زوج کہے میں نے قبول کیا نکاح بھی ہو جائے گا اور امر بالید بھی ثابت ہو جائے گا اگر باپ کے ہاتھ میں اختیار دیا ہے وہ مختار ہوگا لڑکی نہ ہوگی اور اگر لڑکی کے ہاتھ میں اختیار دیا ہے وہ مختار ہوگی باپ نہ ہوگا اور اس اختیار کی شرط ٹھہرانے میں باپ کو لڑکی سے پوچھنے کی اجازت نہیں۔ فقط ۲۳ ر جمادی الاخریٰ ۲۲ھ (امداد ص ۲۱ ج ۲)

## نومسلمہ کنواری لڑکی کے نکاح کی شرائط صحت

سوال (۲۹۴) ایک عورت عاقلہ و بالغہ مسلمان ہوئی ہے اور نکاح کیا چاہتی ہے اور اس کا

زوج حاضر نہیں ہے اور نہ اس کا کچھ پتہ ونشان ہے کہ عرض اسلام کیا جائے اس صورت میں اس کا نکاح درست ہے یا نہیں لعرض اسلام اگر انتظار ضروری ہے تو کس قدر انتظار ہونا چاہئے بعد انتظار تو اس کا کچھ حق نہ رہے گا یعنی اس کے زوج کا۔

الجواب۔ اگر اس کو حیض آتا ہے تو بعد اسلام کے تین حیض آنے کا انتظار کرنا چاہئے اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل کا انتظار چاہئے اور اگر نہ ذات حیض ہے اور نہ حاملہ تو تین ماہ گزرنے دینا چاہئے اس کے بعد نکاح اس کا درست ہے[1]۔ في الدر المختار باب النكاح الكافر ولو اسلم احدهما ثمه اى في دار الحرب لم تبن حتى تحيض ثلاثا او تمضي ثلثة اشهر قبل اسلام الأخر وفي ردالمحتار قوله او تمضي ثلثة اشهر اى ان كانت لا تحيض لصغر او كبر كما في البحر وحاملا فمتي تضع حملها اھ عن القهستاني۔ لیکن اگر اس مدت کے گزرنے کے قبل اتفاقاً پہلا زوج مسلمان ہوجائے تو پھر دوسرا نکاح درست نہیں اسی سے نکاح باقی ہے لما مر من الدر المختار من قوله قبل اسلام الأخر في ردالمحتار قوله لم تبن حتیٰ تحيض الخ افاد بتوقف البينونة على الحيض ان الأخر لو اسلم قبل انقضائها فلا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۶ رجب ۱۳۲۲ھ (امداد ص:۲۲ ج:۲)

سوال (۲۹۵) اوّل ایک کافر عورت کو مسلمان کرتے ہی اس کا نکاح مسلمان سے کردیا ہے اور یہ عورت کنواری ہے اور اسی مسلمان سے مدت تک زنا کرتی رہی جس سے نکاح ہوا ہے اور یہ عورت مذکورہ اس کے نکاح کو بیس برس کا زمانہ ہو چکا ہے اور اولاد بھی ہوچکی ہے اب یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز ہے اس مسئلہ کو پوچھنے کی اس لئے ضرورت پڑی کی عدت سے یعنی تین حیض کے گزرنے سے پہلے نکاح کردیا گیا ہے۔

الجواب۔ حیض کی شرط کہیں اس لئے ہے کہ یہ قائم مقام اباء کے ہے جو سبب ہے تفریق قاضی کا اور کہیں عدت کے لئے ہے اور یہ دونوں امر منکوحہ میں متحقق ہوتے ہیں پس کنواری نومسلمہ میں اس کی شرط نہ ہوگی قبل حیض آنے کے مسلمان مرد سے اس کا نکاح درست ہے۔ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمۂ خامسہ ص:۲۳۸)

## از ترجیح خامسہ ص ۱۵۱ در فائدۂ متعلقہ نکاح نومسلمہ

دار الحرب میں کافر عورت کے مسلمان ہوجانے کے بعد اس کا نکاح کسی مسلمان سے کرنے کی جو شرط ہے کہ حائضہ کے تین حیض اور غیر حائضہ کے تین مہینے گزر جائیں یہ شرط اس صورت میں ہے جب وہ کسی کے نکاح میں ہو گو نابالغ ہی کے نکاح میں ہو در مختار میں ہے ولو كان الزوج صبيا الخ اور نیز دُرمختار میں ہے وليست بعدة لدخول غير المدخول بها اور اگر کسی کے نکاح میں نہ ہو یا تو نکاح

---

(۱) اس کی اور زیادہ تفصیل امداد مبوب ص ۱۴۴ نمبر ۱۵۵ پر ملاحظہ ہو ۱۲ منہ

ہی نہ ہوا ہو یا مطلقہ یا متوفی عنہا زوجہا ہو اور حاملہ نہ ہو اس کے نکاح کے لئے یہ شرط نہیں البتہ حاملہ میں وضع حمل کا انتظار واجب ہے، کذا فی الدر المختار باب العدۃ پس اگر کہیں میری تحریرات میں یہ مضمون مطلق آیا ہو اس کو اس قید کے ساتھ مقید سمجھنا چاہئے۔ ۹ر جمادی الاخریٰ ۱۳۴۳ھ

سوال (۲۹۶) ایک شخص نے ہندہ سے اول عقد کیا بعد عرصہ کے اس کی حقیقی بہن سے نکاح کیا تو یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں اور اگر درست ہو گیا تو فسخ نکاح کیونکر ہو یا دونوں کو طلاق دے یا صرف دوسری کو مہر وغیرہ ادا کر کے طلاق دیدے اور زوجہ سابقہ اس کی زوجہ بنی رہے گی یا اس کو بھی طلاق دینا واجب ہے تا عدت سکنیٰ نفقہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدرالمختار ویجب مهر المثل فی نکاح فاسد وهوالذی فقد شرط من شرائط الصحة کشهود بالوطی ولم یزد علی المسمّٰی لرضاها بالحط ولو کان دون المسمی لزم مهر المثل لفساد التسمیة بفساد العقد ولو لم یسم اوجهل لزم بالغا مابلغ ویثبت لکل واحد منهما فسخه وتجب العدة من وقت التفریق او متارکة الزوج فی ردالمحتار عن البزازیة المتارکة فی الفاسد بعد الدخول لا تکون الا بالقول کخلیت سبیلك او ترکتك (ج:۲ص:۵۷۴الی۵۷۶باب المہر) وفی ردالمحتار عن البحر انه قدم فی النکاح الفاسد من باب المهران المراد بهٰذا العدة عدة المتارکة فلا عدة علیها بموته الاالحیض بعد الدخول وانه لاحداد ولا نفقة فیها وانه تحرم علیه امرأته لو تزوج اختها فاسدا الٰی انقضاء العدة اھ (ص: ۱۰۰۷ ج ثانی باب العدة)

ان روایات سے یہ امور معلوم ہوئے (۱) یہ نکاح جائز نہیں ہوا (۲) طلاق دینے کی ضرورت نہیں بلکہ اگر دخول نہیں ہوا صرف جدا ہو جانا کافی ہے اور اگر دخول ہو گیا تو مرد زبان سے کہدے کہ میں نے اس کو علیحدہ کر دیا (۳) اگر صحبت ہوئی تو مہر مثل واجب ہو گا کہ مقدار میں مہر مقرر سے زائد نہ ہو اور اگر صحبت نہیں ہوئی تو مہر واجب نہ ہو گا۔ (۴) اگر دخول ہوا تو عدت واجب ہو گی ورنہ نہیں (۵) اس عدت میں نفقہ سکنیٰ واجب ہو گا (۶) جب تک یہ عدت نہ گزر جائے اپنی زوجہ سے صحبت درست نہیں۔ (۷) زوجہ نکاح سے خارج نہ ہو گی نہ اس کو دینا واجب ہے۔ واللہ اعلم۔ ۲۰ر رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد ص:۲۲ ج:۲)

## بطور نقل کے صیغہ نکاح پڑھنے سے نکاح نہیں ہوتا

سوال (۲۹۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مسماۃ ہندہ بالغہ ثیبہ سے دو شخصوں کے سامنے اولاً خطبۂ نکاح پڑھوالیا بعدہ ایک کاغذ ہندہ کے سامنے رکھدیا اور اس میں یہ لکھا تھا

کہ یازید زوجت نفسی منک علی مأتی درھم اورکہا کہ اس کو بلند آواز سے تین بار پڑھ چنانچہ ہندہ نے بلند آواز سے اس کو پڑھا اور زید نے قبلت کہا اور ان دونوں شخصوں نے سنا اور ہندہ اور وہ دونوں شخص اس کو نہیں جانتے ہیں کہ زوجت نفسی منک سے عقد نکاح منعقد ہوتا ہے پس اس صورت میں بموجب قول صاحب شرح وقایہ کے کہ کزوجتنی فقال زوجت وان لم یعلما معناہ وایضا سامعین معا لفظھما ۔ وبموجب حدیث شریف جد ھاجد وھزلھا جد کے عقد نکاح منعقد ہوگیا یا نہیں۔

الجواب۔ سوال مجمل ہے لیکن ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ عورت نے جو کاغذ لکھا ہوا پڑھ دیا نہ تو اس کو خطاب کرنا مقصود ہے اور نہ اس کو یہ معلوم ہے کہ اس سے نکاح ہو جاتا ہے اور گواہوں کا اس امر کو نہ جاننا خود سوال میں مصرح ہے پس خطاب نہ ہونے سے تو وہ انشا ہی نہیں صرف حکایت ہے ایک عبارت کی اس طور پر تو اگر ایسے الفاظ بھی کہیں جس کے معنی جانتے ہوتے تب بھی نکاح نہ ہوتا نہ قضاء نہ دیانۃً جیسا کہ ظاہر ہے اور اسی طرح اس لفظ کا مفید نکاح ہونا جب معلوم نہ ہو تو بھی بعض علماء کے نزدیک نکاح بالکل نہیں ہوتا اور شرح وقایہ وغیرہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے معنی مفصل ومفسر معلوم نہ ہوں نہ یہ کہ اس کا مفید نکاح ہونا بھی معلوم نہ ہو اور بعض نے جو نکاح اس صورت عدم علم افادہ نکاح میں جائز کہا ہے تو صرف قضاء نہ دیانۃً اور یہاں ضرورت ہے صحت دیانۃً کی ورنہ وہ اس شخص پر حرام رہے گی گو قاضی تفریق پر جبر نہ کرے اسی طرح شہود کا اتنا سمجھنا کہ یہ مفید نکاح ہے علی الراجح شرط ہے یہاں یہ بھی مفقود ہے بہر حال یہ نکاح اصلاً صحیح نہیں ہوا ہرگز ہرگز اس کو حلال سمجھنے کی جرأت نہ کی جائے اور جو شخص ایسے حیلے کرنا چاہے وہ شخص قابل تعزیر ہے اور قابل احتراز ترک ملاقات کیونکہ اس سے ڈر ہے کہ باب اضلال کسی وقت اس سے مفتوح ہو۔

نعوذ باللہ تعالی من شر کل غوی مغوی فی ردالمحتار تحت قول الدرالمختار ولا یشترط لکن قید فی الدر عدم الاشتراط بما اذاعلما ان ھذا اللفظ ینعقد به النکاح ای وان لم یعلما حقیقة معناہ قال الفتح لو لقنت المرأة زوجت نفسی بالعربیة ولا تعلم معناہ و قیل الیٰ قوله وقیل لا کالبیع کذا فی الخلاصة وبعدہ بسطرین واقعة فی الحکم الیٰ قوله ینبغی ان یکون النکاح کذلك وفی الدرالمختار شاھدین الیٰ قوله فاھمین انه نکاح علی المذھب بحر ونقل تصحیحه صاحب ردالمحتار عن التبیین والجوھرة والظھیریة والخانیة الیٰ قوله ویحمل القول بالاشتراط علیٰ اشتراط فھم انه عقد نکاح والقول بعدمه علیٰ عدم اشتراط فھم معانی الالفاظ بعد فھم ان المراد عقد النکاح۔ اور ہزل سے مراد یہ نہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ علم معنی وقصد تکلم تو ہے لیکن ترتب

اثر کا قصد نہیں اس کو ہزل کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ۱۵؍ رمضان ۱۳۲۳ھ

## تفصیل سوال سابق

ہندہ بیوہ بالغہ ہے اس کی کوئی اولاد نہیں ہے بلکہ خلوت تک شوہر اول سے نہیں ہوئی خود نمازی ہے اور قرآن بھی پڑھی ہے اس کا باپ بے نمازی ہے بلکہ تاڑی پیا کرتا ہے اور گفتگو کرتا ہے اس سے آمادہ جنگ ہو جاتا ہے ہندہ زید کے گھر آیا جایا کرتی ہے زید نے ایک روز دو شخصوں کے سامنے اس سے خطبہ نکاح پڑھوایا بعد اس کے ایک کاغذ سامنے رکھدیا جس میں لکھا کہ **یازید زوجت نفسی منک علی مائتی درھم** اور ہندہ سے کہا تو اس کو بلند آواز سے تین بار پڑھ چنانچہ ہندہ نے ویسا ہی کیا اور خود قبلت کہا اور بعد کچھ دن کے ہندہ کے سامنے زید نے وہی خطبہ مذکور جو پڑھوایا تھا رکھدیا اور کہا کہ اس کو تم نے فلاں روز پڑھا تھا تو اس نے کہا کہ ہاں پھر وہی کاغذ مذکور رکھ دیا اور کہا کہ اس کو بھی تم نے پڑھا تھا اس نے کہا ہاں پھر زید نے اس سے یہ کہا کہ **یازید زوجت منک نفسی** کے معنی یہ ہیں کہ اے زید میں نے تجھ سے نکاح کرلیا پس تو میری عورت ہوگئی اور میں تیرا شوہر ہوگیا ہندہ اس پر ساکت ہوگئی اور کچھ جواب زید کو نہ دیا اور جس طرح اول زید کے گھر آیا جایا کرتی تھی اسی طرح اب بھی آتی جاتی ہے زید آدمی محتاط ہے فاسق اور فاجر نہیں ہے پس نکاح منعقد ہوا یا نہیں اور زید اس کا اعلان کرسکتا ہے یا نہیں کہ ہمارا نکاح ہندہ کے ساتھ ہوا ہے۔ بینوا توجروا۔

**الجواب۔** ساکت ہونے سے صحت نکاح لازم نہیں آتی اور اگر زید اس کو رضا سمجھتا ہے تو گویا وہ عورت نکاح پر راضی ہے تو پھر اس حیلہ سے کیا فائدہ جس کا موجب نکاح نہ ہونا ثابت کر دیا گیا ہے جب وہ راضی ہے تو اس سے صاف طور پر گفتگو کر کے اب نکاح کرلیا جائے جہالت کی رسم خوب موقوف ہو جائے گی اور حیلہ مخترعہ میں اول تو نکاح نہ ہونا ثابت ہے پھر اس سے رسم جہالت کی کیا موقوف ہوگی اس جہالت سے بڑھ کر دوسری جہالت یعنی مکر و فریب کا رواج ہوگا پھر جب اس عورت کا باپ ایسا ہے تو لامحالہ وہ فساد ہر طرح کرے گا خواہ حیلہ سے نکاح ہو یا صاف طور پر پھر حیلہ کرنے میں کیا نفع ہے جب زید ایسا محتاط ہے تو افسوس ہے اتنی بڑی بے احتیاطی کے حیلہ سے منتفع ہونا چاہتا ہے لہٰذا میری وہی تحقیق ہے جو پہلے لکھ چکا ہوں کہ یہ نکاح درست نہیں ہوا، زید کو واجب ہے کہ ہندہ کو آمد و رفت سے روک دے ورنہ اندیشہ معصیت کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۸؍ رمضان ۱۳۲۳ھ (امداد ص: ۲۵ ج: ۲)

## شرط بودن در انعقاد نکاح بلفظ زوجنی للّٰہ یا مولانا فہمیدن آنکہ ازیں لفظ نکاح منعقد شود

سوال (۲۹۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید پڑھا لکھا

اور درویش آدمی بکر کے مکان پر جایا کرتا تھا اتفاق سے اس کا قصد حج بیت اللہ کا ہوا اور اس کی معیت میں خالد اور ولید تھے وہ بکر کے مکان پر گیا دروازہ میں سے بکر کی زوجہ کو بلایا اور کہا کہ میرا قصور معاف کردو میں حج کو جاتا ہوں بکر کی زوجہ نے کہا تم نے ہمارا کیا قصور کیا ہے اس میں زید نے بہت اصرار کیا کہ ہمارا قصور معاف کردو زیادہ اصرار کی وجہ سے زوجہ بکر نے کہا کہ معاف کیا اس کے بعد دختر بیوہ بکر کو آواز دی اور کہا کہ تم کچھ وظیفہ پڑھتی ہو اس نے کہا کہ نماز پڑھتی ہوں اور جو دعاء آپ نے بتائی تھی وہ پڑھتی ہوں وہ کیا دعاء ہے اس نے کہا وہ یہ ہے ۔ نحمده ونصلى على رسوله الكريم اس کے بعد زید نے کہا اور یہ پڑھا کر و مقولہ عورت یعنی دختر مذکور رب زوجني مولانا يارب زوجني جس وقت یہ الفاظ تعلیم کردیئے تب بیرون دروازہ سے علاوہ خالد اور ولید کے ایک عربی خواں کو بھی بلایا اس کا بیان ہے کہ یہ الفاظ تھے زوجني لله يا مولانا اس دختر سے یہی لفظ صحیح نہ ادا ہوئے تو زید نے پھر بتلائے تب اس دختر نے زوجني لله يا مولانا کہا اور زید نے قبلت کہا ایسی حالت میں کہ دختر مذکور اور موجودین میں سوائے عربی خواں کے یہ جانتے ہیں کہ یہ درویش دعاء تعلیم کررہے ہیں ان کو ہرگز یہ خیال نہیں کہ ایجاب قبول ہورہا ہے اور نہ ہم لوگ گواہ ہیں بلکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ دعاء تعلیم ہورہی ہے اور وہ دختر بھی یہی جان کر یہ کلمات کہہ رہی کہ میں دعاء سیکھ رہی ہوں اس صورت میں کہ نہ عورت جانتی ہے کہ میں نکاح کرتی ہوں اور نہ گواہ جانتے ہیں کہ اس عورت کا نکاح ہورہا ہے سوائے عربی خواں کے ایسی حالت میں زوجني لله يا مولانا کہنے سے ایجاب ہوجائے گا یا نہیں اور نکاح زید کا دختر مذکور سے صحیح ہوگا یا نہیں ۔ بینوا توجروا۔ اور مکرر یہ ہے کہ نہ اس وقت مہر کا ذکر ہوا نہ اس کے بعد۔

الجواب ۔ درمختار میں جہاں جہاں عدم اشتراط العلم بمعنى الايجاب والقبول کا ذکر کیا ہے وہاں ردالمحتار میں درر سے یہ قید بھی لگائی ہے ۔ اذا علما ان هذا اللفظ ينعقد به النكاح اى وان لم يعلما حقيقة معناه ج ۲ ص ۲۳۷ اسی طرح درمختار میں جہاں الفاظ مصحفہ سے انعقاد وعدم انعقاد کی بحث کی ہے اور ردالمحتار میں اس میں تفصیل کی ہے وہاں یہ عبارت ہے ۔ بل قصد حل الاستمتاع باللفظ الوارد شرعاً اور یہ بھی ہے قاصدابه معنى النكاح الى قوله ولاشك ان لفظ جوزت اوزوزت لايفهم منه العاقدان والشهود الا انه عبارة عن التزويج ولا يقصد منه العاقدان والشهود الاانه عبارة عن التزويج ولا يقصد منه الاذلك المعنى بحسب العرف ج ۲ ص ۴۰۴ تا ص ۴۴۴ اور درمختار میں شاہدین نکاح کے لئے بحر سے یہ شرط لگائی ہے فاهمين انه نكاح على المذهب۔ اور ردالمحتار میں بعد نقل اقوال یہ کہا ہے ۔ ووفق الرحمتى بحمل القول بالاشتراط على فهم انه عقد نكاح والقول بعدمه على عدم اشتراط فهم

معانی الالفاظ بعد فهم ان المراد عقد النکاح ج ۲ ص ۷۴۴ ان سب روایات سے متفقاً ومشترکاً محقق ومنقح ہوگیا کہ متناکحین وشاہدین کیلئے گو خاص معانی موضوع لہا کا جاننا شرط نہ ہو لیکن یہ سمجھنا یقیناً شرط ہے کہ ان الفاظ سے نکاح ہوجاتا ہے اس لئے صورت مذکور میں بالیقین نکاح منعقد نہیں ہوا بلکہ زوجنی تو اگر معنی سمجھ کر بھی کہا جاتا تب بھی اس پہ نکاح نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کے یہ معنی نہیں کہ تو مجھ سے نکاح کرے اس کے لئے تو تزوجنی یا زوجنی من نفسک موضوع ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ میرا کسی دوسرے سے نکاح کردے تو یہ توکیل بالنکاح من نفسہ نہیں بلکہ توکیل بالنکاح من غیرہ ہے اور یہاں تو ایک دوسرا مانع یعنی عدم فہم کونہ نکاحاً بھی موجود ہے کما ذکر تیسرے صیغہ نکاح انشاء ہونا ضرور ہے اور یہاں یاد کرنے کے لئے نقل ہے نہ کہ انشاء ایک مانع یہ بھی ہے اور نیز جب وہ لڑکی اس کو دعاء سمجھ رہی ہے تو مولانا میں خطاب حق تعالیٰ کو ہے اور للّٰہ میں وضع مظہر موضوع مضمر ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ اپنی ذات جامع الکمالات کے واسطے اے میرے مالک میرا نکاح کسی سے کردیجئے تو یہ خدا تعالیٰ سے دعاء مانگ رہی ہے تو اس سے نکاح منعقد ہونے کو کوئی تعلق ہی نہیں اور یہ امر بھی واجب التنبیہ ہے کہ جس شخص نے مقتداء کی وضع بنا کر یہ حرکت تلبیسیہ ابلیسیہ کی ہے مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس شخص کے ساتھ وہ معاملہ نہ رکھیں جو مقتداؤں سے رکھا جاتا ہے۔ ۱۹ رشوال ۱۳۳۷ھ (تتمۂ خامسہ ص:۱۰۰)

سوال (۲۹۹) کوئی شخص کسی بالغہ عاقلہ باکرہ یا بیوہ عورت سے عربی میں زوجتک نفسی دو گواہوں کے روبرو کہلوائے اور جب عورت یہ الفاظ کہے خود قبلت کہتا جاوے اور دونوں گواہ ان لفظوں کے مطلب سے بے خبر ہیں کیا یہ نکاح درست ہوگا یا نہیں۔ اگر نہیں درست ہوگا تو عورت اگر الفاظ کے معنی سے خبردار ہو لیکن گواہ بے خبر ہوں اس صورت میں بھی نکاح جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ **في ردالمحتار في اشتراط فهم الزوجين معنى الايجاب والقبول اوعدم اشتراطه لصحة النكاح مانصه لكن قيد في الدر عدم الاشتراط بما اذا علما (الزوجان) ان هذا اللفظ ينعقد به النكاح اى وان لم يعلما حقيقة معناه الخ وفيه في اشتراط علٰى اشتراط فهم ان عقد نكاح والقبول بعد مه علٰى عدم اشتراط فهم معانى الالفاظ بعد فهم ان المراد عقد النكاح۔**

بنابر روایات مذکورہ اگر عورت یا گواہ یہ بھی نہ جانتے ہوں کہ ان الفاظ سے نکاح ہوجاوے گا تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔ ۲۳ رشعبان ۱۳۲۹ھ (النور ص:۳ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ)

## لڑکی کے نکاح پر معاوضہ لینا جائز نہیں

سوال (۳۰۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس امر میں کہ اس ملک میں چند برس سے یہ رواج

ہوگیا کہ مثلاً زید غریب ہے اپنی دختر کے نکاح میں کچھ خرچ نہیں کرسکتا جو رواج ہے ملک کے موافق اپنے محلہ داروں کو کچھ پان وشربت وغیرہ خورد ونوش میں جو خرچ پڑتا ہے اور وہ بے چارہ اپنی دختر کو اس خرچہ کی وجہ سے شادی نہیں دے سکتا تو کیا کرتا ہے کہ مثلاً دسویں شعبان کو اپنے چند رشتہ دار اور نوشہ کے چند اقرباء ورشتہ کے بھی باہم جمع ہوکر نکاح کی تاریخ بیسویں شعبان کو مقرر کرتے ہیں اور زیورات چاندی وسونے کے اور کپڑا ومہر معجّل وغیرہا سب کے سب فیصلہ توثیق کے ساتھ کرلیتے ہیں اور جو روپیہ مہر کی عوض ہوگا نصف معجّل ونصف غیر معجّل سب بات کا اس دسویں تاریخ مذکورہ بندوبست عہد وپیمان سے ہوجاتا ہے تو آخری وقت اس دسویں تاریخ جلسہ والے لڑکی کے باپ کے نوشہ کی طرف کے آدمیوں سے کہتے ہیں کہ جو نصف مہر معجّل نقد بیسویں تاریخ بوقت عقد نکاح آپ لوگ دیں گے وہ روپیہ اگر آج ساتھ ہو تو دیدیجئے یا کہ چار پانچ روز کے اندر دیدیجئے تاکہ میں اسی روپیہ سے کچھ رواج کے موافق حسب حیثیت خود تیار کروں غرض کچھ عہد وتوثیق کرواکے جس سے شادی ہونے کا اطمینان وتسکین ہو جائے کرکے تاریخ عقد مقررہ کے قبل وہ روپیہ دیدیتے ہیں اس شرط پر اگر خدانخواستہ کچھ فتنہ وفساد کی وجہ سے نکاح نہیں بھی ہوا تو روپیہ واپس دیا جائے گا اور بعض لوگ عقد کے روز بھی اپنی لڑکی کا مہر معجّل وصول کرلیتے ہیں تو ان صورتوں میں اول یہ کہ دختر باکرہ بالغہ ہو یا نابالغہ اگر اپنے والد ماجد یا قاضی کو منع نہ کرے تو باپ دادا قاضی کو لے کر لڑکی کی شادی میں یا اپنے تصرف میں کریں تو یہ جائز ہے یا نہ برتقدیر اوّل بعد تصرف کے پھر واجب الاداء ہے یا نہ، دوم اگر دختر بالغہ مانع ہو تو اگر باپ تصرف کرے تو کیا حکم ہے اور لڑکی کسی صورت میں وصول کرسکتی ہے یا نہ، سوم پہلے عقد کے جیسا بیان ہوا لینا جائز ہے یا نہ اور بعد عقد کے مہر لینا کیسا ہے اور اسی روپیہ سے اگر آدمیوں کو کھلاوے تو کھانا کیسا ہے اور اگر قرض حسنہ کے طور پر اپنی لڑکی سے لیکر کھلاوے تو کیسا ہے اور ولی مثل برادر عم وغیرہما یہ لوگ کیا لے سکتے ہیں اگر اپنے تصرف میں کرے تو جائز ہے یا نہ اور اسی طور پر محلہ داروں کو قرض اس سے لے کر کھلانا جائز ہے یا نہ بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی الدر المختار خطب بنت رجل وبعث الیها اشیاء ولم یزوجها ابوها فما بعث للمهر یسترد عینه اوقیمته هالکاوفیه اخذ اهل المرأة شیئا عند التسلیم فللزوج ان یسترد عینه لانه رشوة فی ردالمحتار الحظر والإباحة وامادعوة تقصد بها التطاول اوانشاء الحمد وما اشبه فلا ینبغی اجابتها الخ

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ جو کچھ ہوا کہ جو لیا جاتا ہے اگر وہ مہر میں سے نہیں تب تو رشوت اور حرام ہے اس کا کھانا کھلانا سب ناجائز ہے اور زوج کو اس کے استرداد کا حق اگر وہ مہر میں لیا گیا تو اگر وہ دختر صغیرہ ہے تو اس کی ملک میں تصرف کرنا گو اس کے اذن سے ہو حرام ہے اس کا کھانا کھلانا بھی ناجائز

ہے اگر وہ بالغہ ہے سو اگر اس کے بلا اذن ہے تب بھی یہی حکم ہے مگر نابالغہ تو اس کا مطالبہ باپ سے کرے گی اور بالغہ اس کا مطالبہ زوج سے کرے گی اور اس کے اذن سے ہے تو اگر وہ اذن محض ظاہری ہے طیب خاطر سے نہیں ہے تب قضاء مطالبہ تو کسی سے نہیں کرسکتی لیکن یہ تصرف حرام ہے اور کھانا کھلانا سب ناجائز اور اگر بطور فرض محال عادی طیب خاطر سے ہے تو بوجہ اس کے کہ ایسے مواقع پر اکثر قصد تفاخر و ناموری کا ہوتا ہے پھر بھی کھانا کھلانا سب ممنوع ہے البتہ اگر یہ خرابی بھی نہ ہوتی تو اس اخیر صورت میں جائز ہو جاتا۔ واللہ اعلم۔ ۱۶ر رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد ص: ۷۲ ج: ۲)

سوال (۳۰۱) اس دیار میں یہ رواج روز بروز ترقی پذیر ہو رہا ہے کہ لڑکی یعنی منکوحہ کا باپ یا والی لڑکی کو مثل کنیز قیمت ٹھیرا کر لڑکے یعنی ناکح کے باپ یا والی سے بمعاوضہ عقد زر کثیر اخذ کرتا ہے اس رسم قبیحہ کی وجہ سے بہت نتائج قبیحہ عقلیہ و شرعیہ ظہور پذیر ہوتے ہیں، علاوہ بریں اکثر انفراد جن کو زر کثیرہ دینے کی استطاعت نہیں ہوتی ان کو حالت تجرد میں بمجبوری رہنا پڑتا ہے جس کے نتائج نہایت تباہ کن پیدا ہوتے ہیں آج کل طمع دنیا کا مرض عالمگیر ہو رہا ہے ایسے زمانے میں بعض دین فروش علماء نے بھی یہاں لڑکی کے نکاح کے معاوضہ میں اجرت لینے کا فتویٰ دیدیا اور اپنے فتویٰ کی تائید میں حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آٹھ سال بکریاں چرانے کی شرائط پر اپنی لڑکی کے نکاح کا وعدہ کیا تھا ان آیات کو بطور سند پیش کر کے بیان فرماتے ہیں کہ نص قرآنی سے لڑکی کی اجرت بمعاوضہ نکاح جائز ہے اور یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی سنت ہے اس فتویٰ کا اثر یہاں بہت برا پڑ رہا ہے اور بعض اشخاص جن کو خوف خدا تھا وہ بھی لڑکی کی قیمت لینے پر آمادہ ہو گئے ہیں لہذا استفتاء مرسلہ مع خط ہذا کا جواب کافی وشافی مفصل و مدلل بہ ادلۂ شرعیہ وضاحت سے تحریر فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہو جئے گا۔

الجواب۔ فی تفسیر بیان القرآن رعی مواشی مدت معینہ تک کا مہر مقرر ہونا ہماری شریعت میں بھی جائز ہے کذا فی ردالمحتار اور اگر یہ بکریاں ان صاحبزادی کی تھیں تب تو مہر کا ان کو ادا کیا جانا ظاہر ہے اور اگر باپ کی تھیں تو بالغہ کی رضا سے ایسا معاملہ اس شریعت میں بھی جائز ہے اھ۔ یہ حقیقت ہے اس قصہ کی پس اس سے استدلال کرنا اس رسم پر موقوف ہے چند امور کے اثبات پر۔ اول یہ کہ رعی مواشی مہر کے علاوہ کوئی نفع باپ کا تھا جیسا کہ رسم قبیح میں وہ رقم مشروط علاوہ مہر کے ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ بدون اذن منکوحہ کے ساتھ تھا جیسا رسم قبیح میں منکوحہ کا اذن جو شرعی قواعد سے معتبر ہو حاصل نہیں کیا جاتا، بہر حال رسم مذکور میں جو رقم لی جاتی ہے اگر وہ مہر کے علاوہ ہے تب تو رشوت ہے اور قصہ میں اس کا غیر مہر ہونا ثابت نہیں اور اگر مہر ہے تو نہ وہ لڑکی کو دی جاتی ہے نہ اس کی اجازت لی جاتی ہے اور قصہ میں اس کا

بدون اذن منکوحہ کے ہونا ثابت نہیں پس یہ استدلال سراسر باطل اور یہ رسم سراسر حرام ہے۔
۲۶ر صفر ۱۳۳۹ھ (تتمۂ خامسہ ص:۱۸۱)

## نکاح سے پہلے جو رقم منکوحہ کے باپ کو دی ہے اس کو مہر میں محسوب کرنے کا حکم

سوال (۳۰۲) مہر بتیس روپیہ آٹھ آنہ کا مقرر ہے اور زوجہ کے والدین نے سترہ نقد بری کے نام سے لئے یعنی اس شرط پر کہ مہر کے ان ہی روپیوں سے لڑکی کی لاگ لپیٹ کر دیویں گے مثلاً کپڑا وغیرہ مگر انہوں نے کسی کو یا اپنی لڑکی کو ایک کپڑا تک نہیں دیا دیگر زیور جو کچھ چڑھایا تھا اس کا مالک زوجہ کو یا اس کے والدین کو نہیں بنایا تھا چونکہ زوجہ نابالغ ہے اور اس کا والد شریر آدمی ہے اور خود طلاق کا خواہاں ہے سو اب مہر میں وہ سترہ روپیہ اور زیور جو زوجہ کے پاس ہے ادا ہو سکتے ہیں یا نہیں۔

الجواب۔ اگر خلوت صحیحہ اس منکوحہ سے نہیں ہوئی اور تفسیر خلوت صحیحہ کی اگر نہ معلوم ہو دریافت کر لی جائے تو اس صورت میں طلاق دینے سے نصف مہر لازم ہے یعنی سولہ روپیہ چار آنہ اور یہ حق اس زوجہ کا ہے لیکن جب تک وہ نابالغہ ہے اس کے باپ ہی کو اس پر قبضہ کرنے کا حق ہے اور باپ نے جو کچھ لیا ہے نقد یا زیور اس لڑکی کو نصف مہر میں دیدو اگر وہ دیدے تب تو مہر ادا ہو جاوے گا اور اگر وہ اس لڑکی کو نہ دے تو مہر ادا نہ ہوگا بلکہ جب وہ لڑکی بالغ ہوگی بذمۂ شوہر واجب ہوگا کہ اس کو مہر ادا کرے اور جو کچھ اس کے باپ کو دیا تھا اس کا مطالبہ اس کے باپ سے کرے البتہ وہ لڑکی بعد بلوغ کے اور وہ باپ اب اس پر رضامند ہو جاویں کہ وہ باپ اس لڑکی کو اس کا مہر اس رقم میں سے ادا کر دیگا جو باپ نے شوہر سے لی ہے تو حوالہ کے طور پر شوہر سبکدوش ہو جاویگا۔ ۱۲ر ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۳۴)

## بعض جگہ لڑکی والا جو روپیہ لیتا ہے وہ مہر ہوگا یا نہیں

سوال (۳۰۳) بعض دیار میں عرف ہے کہ دلہن والے دولہا سے قبل از عقد یا بعد از عقد کچھ روپیہ لیکر براتیوں اور دیگر خویش و اقرباء کو کھلاتے ہیں بعض اسکو دین مہر میں محسوب کرتے ہیں سو اس میں جو لوگ مہر سے علیحدہ محسوب کرتے ہیں اس کو رشوت کہنا حسب روایت درمختار ممکن ہے۔ فی الدرالمختار اخذ اھل المرأۃ شیئًا عند التسلیم فللزوج ان یستردہ لانہ رشوۃ اھ۔ مگر جو لوگ مہر میں محسوب کرتے ہیں ان کے لئے گنجائش معلوم ہوتی ہے اگر وہ باپ یا دادا ہے۔ فی الشامیۃ ص۵۷۱ قبض الاب مھرھا وھی بالغۃ اولاوجھزھا اوقبض مکان المھر عینالیس لھا ان لا تجیز لان ولایۃ قبض المھر الی الآباء وکذا التصرف فیہ آھ۔ وفیھا ص۵۷۱ للاب والجد والقاضی قبض صداق البکر صغیرۃ کانت او کبیرۃ الا اذا

نهته وهي بالغة صح النهي وليس لغيرهم ذلك والوصي يملك ذلك على الصغيرة والثيب البالغة حق القبض لها دون غيرها اھ ۔ اس میں حضور والا کی کیا رائے ہے امداد الفتاویٰ جلد دوم ص ۲۸ میں علی الاطلاق منع تحریر فرمایا گیا ہے کہ جو کچھ ارشاد حضور کا ہوگا وہی بالراس والعین ہے امید کہ حضور اگر تکلیف نہ ہو مختصر تحریر فرمادیں کافی ہے۔

الجواب۔ مہر ظاہر ہے کہ باپ کا حق نہیں پھر اس رقم کا مہر میں محسوب کرنا اس میں ضرور تفصیل ہوگی وہ یہ کہ اگر منکوحہ بالغ ہے تو باپ کے قبض اور تصرف دونوں میں اذن اس کا شرط ہوگا خواہ صراحۃً یا دلالۃً چنانچہ روایت مذکورہ سوال میں الا اذا نهته اس کی صریح دلیل ہے باقی دوسری روایت میں جو ہے ليس لها ان لا تجيز مراد اس سے عدم اجازت بعد القبض ہے یعنی بعد قبض اب کے اگر منکوحہ شوہر سے مطالبہ کرنے لگے اور کہے کہ میں اس قبض کو جائز نہیں رکھتی تو اس کو یہ حق نہیں مگر اس میں شرط یہ ہے کہ اذن متعارف ہو اور اس کی جو دلیل ہے لان ولاية قبض المهر الى آخره وہ بھی مقید ہے اذن متعارف کے ساتھ چنانچہ نہی صریح کے بعد ولایت قبض نہ ہونا اس کی صریح دلیل ہے یہ تو بلوغ کی صورت میں ہے اور اگر وہ نابالغہ ہے تو پھر باپ کے قبض وتصرف میں وہی شرائط ہیں جو اس نابالغہ کے دوسرے اموال میں ہیں اور ظاہر ہے کہ اس میں سے براتیوں کو کھلانا جائز نہیں۔ فكذا من المهر۔

۸ رج:۱ ۱۳۵۱ھ (النور ص:۸ محرم ۱۳۵۲ھ)

## حکم لفظ نکاح پڑھو وحکم انکار زن از اذن نکاح

سوال (۳۰۴) فدوی نے ایک نکاح مسمی زید کا ساتھ صالحہ بی بی کے بدیں صورت پڑھا پہلے تقریباً ستر آدمی مردانہ وزنانہ مسمی مصاحب موچی بہنوئی صالحہ بی بی کے گھر میں جمع ہوئے اور مسماۃ صالحہ بی بی جس کی عمر چھبیس برس کی ہوگی کوٹھے غربی کی چھت پر جو تقریباً چار فٹ اونچا ہوگا بیٹھی تھی اور اس کے پاس ایک وکیل اور دو گواہ اس لیئے بھیجے گئے کہ تیرا نکاح ساتھ فلاں ولد فلاں قوم موچی کے کیا جاتا ہے تو اس نے تین بار کلمہ شہادت پڑھ کر آواز بلند کہا کہ میرا نکاح پڑھو جس کو نیچے والی مجلس کے لوگوں نے بھی سنا پھر وکیل اور گواہ کوٹھے سے اتر کر مجلس میں آئے اور مجھ نکاح خواں کو اجازت نکاح کرنے کی دی اور میں نے ایجاب مسماۃ صالحہ بی بی کا سن کر حسب طریقہ شرعی ایک سو روپیہ ڈبل رائج الوقت مقرر کرکے فلاں ولد فلان کو قبول کرایا اور نوشہ نے قبول کرلیا اس پر شرینی تل وشکر تقسیم ہوئی پھر اس کے بعد صالحہ بی بی کی بہن اور بہنوئی نے نوشہ کو کہا کہ اب ہم سامان چند روز میں کرکے تمہاری بیوی تمہارے ساتھ کردیں گے تم اپنے گاؤں کے چند آدمی ہمراہ لانا اور اپنی منکوحہ کو لے جانا پھر وہ نوشہ اپنے گاؤں کی طرف چلا گیا عرصہ دو ماہ کے بعد صالحہ بی بی کو کوئی بدراہ کرکے لے گیا اور اس کو یعنی صالحہ بی بی

کوسکھلادیا کہ تم کہدو کہ میں نے اجازت نکاح کی نہیں دی اس نے انکار کردیا اور کہا کہ خود بخود نکاح کرلیا اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ نکاح ہوا یا نہیں۔

الجواب۔ عورت کا یہ کہنا کہ میرا نکاح پڑھو ترجمہ ہے زوجنی کا اس کے ایجاب ہونے میں اختلاف ہے لیکن توکیل ہونا یقینی ہے پھر جب وکیل نے نکاح پڑھا یہ ایجاب قائم مقام ایجاب اصل کے ہوا اور نوشہ نے قبول کیا ایجاب وقبول دونوں متحقق ہوگئے پس نکاح یقیناً صحیح ہوگیا یہ اس وقت ہے جبکہ عورت اس اجازت دینے کا اقرار کرے اور اگر نکار کرتی ہو تو حکم یہ ہے کہ اگر کسی ایسے مسلمان شخص کے پاس مقدمہ آوے جو سلطنت کی جانب سے حاکم ہو یا مرد وعورت دونوں رضامند ہوکر اس کے پاس مقدمہ لے آئیں اور وہ گواہوں سے حکم کردے تو اس کا انکار موثر نہ ہوگا اور اگر دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں صرف علماء کا فتویٰ ہی ہے تو شوہر کو ان گواہوں کے بیان پر عورت کو لے جانا درست نہیں۔ **فی الدرالمختار کزوجنی الٰی قوله فانه لیس بایجاب بل هو توکیل وفیه وقیل هو ایجاب**۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ص:۱۳۱ ج:۲)

## اس زمانہ کی عیسائی عورتوں سے نکاح پر اشکال اور جواب

سوال (۳۰۵) نصاریٰ جو تثلیث کے علی العموم قائل ہیں مشرک ہیں کہ نہیں اگر مشرک ہیں تو ان کی عورتوں سے نکاح کیوں کر جائز ہوا **قوله تعالٰی ولا تنکحوا المشرکات الخ**۔ اور اگر یہ مشرک نہیں ہیں۔ تو تثلیث کا قائل ہوکر ان کا موحد ہونا سمجھ میں نہیں آتا جواب شافی سے تسکین فرمائیے۔

الجواب۔ مشرک کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کا مذہب سماوی نہ ہو، دوسرا وہ جو سماوی مذہب کا معتقد ہو گو اس میں تحریف کرکے شرک کا قائل ہوگیا پس آیت **لا تنکحوا المشرکات** میں ممانعت قسم اول سے نکاح کرنے کی ہے اور آیت **والمحصنت من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم**۔ میں دوسری قسم سے نکاح کی اجازت ہے پس نہ نصاریٰ کا موحد ہونا لازم آیا اور نہ آیت **لاتنکحوا** کے خلاف مشرکات سے نکاح حلال ہونا لازم آیا لیکن اس زمانہ میں جو نصاریٰ کہلاتے ہیں وہ اکثر قومی حیثیت سے نصاریٰ ہیں مذہبی حیثیت سے محض دہری وسائنس پرست ہیں ایسوں کے لئے یہ حکم جواز نکاح کا نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ص:۳۲ ج:۲)

سوال (۳۰۶) قرآن شریف میں جو خداوندکریم نے فرمایا **والمحصنت من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم** یعنی اس آیت شریف سے اہل کتاب کی عورتوں محصنہ سے نکاح جائز ہے حالانکہ اہل کتاب کا شرک جیسے ابن اللہ کہنا وغیرہ اور غلوفی البدعات شرکیہ ثابت ہوچکی تھی باوجود اہل

کتاب کے ان خرابیوں کے پھر بھی ان عورتوں سے نکاح رکھا گیا تو اب بھی ان کتابیہ عورتوں سے نکاح جائز ہوگا یا نہیں اس وقت تو اور بھی یہ لوگ خراب ہوگئے ہیں۔ جب ان سے نکاح جائز ہوا مرزائی عورتوں اور رافضی اور بدعتی جو شرک کے درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں ان کی عورتوں سے بدرجہ اولیٰ ہونا چاہئے حالانکہ فقہاء ان سے نکاح کو منع کرتے ہیں بوجہ خارج الاسلام ہونے کے۔ امید ہے کہ جناب والا لوجہ اللہ جواب شافی عنایت فرماویں گے میں کئی روز سے اس شبہ میں مبتلاء ہوں شفاء العی السوال فقط۔

الجواب۔ شریعت میں مقرر ہے کہ کافر اصلی اور کافر مرتد کے احکام اور پھر کافر اصلی میں اہل کتاب یعنی معتقدین کتاب سماوی (نہ کہ عامل بکتاب سماوی) اور غیر اہل کتاب کے احکام مختلف ہیں اس مقدمہ سے سب شبہات رفع ہوگئے یعنی اہل کتاب کا جو شرک منقول ہے وہ مانع نکاح کتابیہ نہیں ہوا اور مرزائیوں وغیرھم پر جب کفر کا فتویٰ ہوگا اس سے وہ مرتد قرار پائیں گے فحصل الفرق بینھما اور اس شرک سے اہل کتاب گو عامل بکتاب نہ رہیں گے مگر معتقدین کتاب تو ہیں البتہ جو باوجود اس قوم میں سے ہونے کے کسی کتاب سماوی کے اعتقاد کا التزام نہ رکھیں جیسے آج کل بعض کی حالت ہوگئی ہے اس کا حکم اہل کتاب کا سا نہ ہوگا۔ ۱۰ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ ص:۷۹)

سوال (۳۰۷) (۱) زید مرزا غلام احمد قادیانی کا مرید ہوگیا ہے اور اس کی بی بی اہل سنت کے عقیدے پر قائم ہے اس صورت میں نکاح شرعاً قائم رہا یا نہیں (۲) اور اہل سنت کے عقیدہ والی صبیہ کا نکاح مرزا غلام احمد قادیانی عقیدہ والے کے ساتھ شرعاً جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ (۱) اس مرید سے پوچھنا چاہئے کہ وہ مرزا کے تمام اقوال کا معتقد ہے یا نہیں اگر وہ اقرار کرے کہ وہ تمام اقوال کا معتقد ہے تو یہ شخص مسلمان نہیں رہا اور نکاح اس کا اہل سنت و جماعت بی بی سے باقی نہیں رہا اور اگر وہ کہے کہ میں سب اقوال کا معتقد نہیں ہوں تو اس سے پوچھنا چاہئے کہ کس کس قول کے معتقد نہیں ہو اس کی تفصیل کے بعد استفتاء کرنا چاہئے۔ (۲) اگر اس شخص کے اقرار سے اس کا تمام اقوال مرزائیہ کا معتقد ہونا ثابت ہو تب تو نکاح ہو ہی نہیں سکتا اور اگر بعض کا معتقد ہو بعض کا نہ ہو تو اس سے تفصیل پوچھ کر سوال کرنا چاہئے اور بالفرض اگر اس کا مسلم ہونا بھی ثابت ہو جائے تب بھی مبتدع اور ضال ہونے میں شبہ ہی نہیں اس لئے ہر حال میں ولی گنہ گار ہوگا اگر اس شخص کے ساتھ نکاح کرے گا لہٰذا اس ولی پر واجب ہے کہ قطعاً انکار کردے (نکاح سے پہلے) فقط ۱۴ صفر ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص:۹۰)

## چار بیویوں کے ہوتے ہوئے پانچویں سے نکاح

سوال (۳۰۸) کسی کی چار بیبیاں موجود ہوں اور وہ خلاف حکم شرعی پانچواں عقد کرے تو یہ

فعل اس کا لغو اور ایک بیہودہ فضول حرکت ہوگی اور نکاح نہ ہوگا یا نکاح ہو جائے گا مگر بی بی سے صحبت حرام ہوگی اس بناء پر اس کی چار بیبیوں میں سے اگر کوئی مرگئی یا کسی کو طلاق دیدیا تو بدون تجدید عقد کے صحبت جائز ہو جائے گی یا اس کو تجدید عقد کرنا چاہیے۔

الجواب۔ یہ پانچواں عقد باطل محض ہے منعقد ہی نہ ہوگا لہٰذا بعد وفات یا طلاق ایک زوجہ کے اس سے تجدید عقد کی ضرورت ہوگی نکاح سابق کافی نہ ہوگا۔ ۱۵؍شوال ۱۳۲۱ھ (امداد ص:۹۴ ج:۲)

## چار سے زائد نکاح کرنے کا حیلہ باطل

سوال (۳۰۹) زید کی چار عورتیں منکوحہ موجود ہیں اپنے مکان دہلی سے بمبئی کو جا کر ایک یا دو عورتیں اور کرنا چاہتا ہے اس صورت سے کہ اپنے آپ اکیلے خفیہ اپنی دو عورتوں کو جو مکان میں ہیں طلاق بائنہ غیر ثلاثہ کے دیتا ہے اور عورتوں کو خبر نہیں کرتا بعد گزرنے عدت سے جو اپنے قیاس سے تخمیناً جان لیتا ہے کہ اب میری عورتوں کی عدت ہوگئی ہے ان دوسری دو عورتوں سے بمبئی میں نکاح کرتا ہے جب برس روز کے بعد مکان کو آتا ہے تو بمبئی کی دونوں عورتوں کو خفیہ طلاق دیتا ہے اور مکان میں آکر مطلقات سے تجدید نکاح کر لیتا ہے کیونکہ حلالہ تو مطلقہ مغلظہ میں ہوتا ہے نہ غیر میں بعد کو جب بمبئی والیوں سے نکاح کر لیتا ہے اور ہر دونوں جانب کی عورت کو خبر طلاق کی نہیں ہوتی بلکہ وہ جانتی ہیں کہ احتیاطاً تجدید ہوئی ہے ایسی صورت سے چار عورتوں سے زیادہ اپنے تصرف میں رکھتا ہے تو زید کا یہ حیلہ فتویٰ میں کیسا ہے۔

الجواب۔ یہ حیلہ محض لغو و مہمل و باطل ہے نکاحاً بھی طلاقاً بھی اول تو اس لیے کہ نکاح میں حلت واقعیہ کے لئے رضا واقعی کی ضرورت ہے اور جب اس مطلقہ کو معلوم ہی نہیں کہ میں انکار پر بھی قادر ہوں اور میرا انکار بھی مؤثر ہے وہ رضا معتبر نہیں اور ثانی اس لئے کہ وہی طلاق مادون ثلثہ جب کئی بار میں تین تک پہونچ جاویں گی پھر بدون حلالہ نکاح جدید کیسے کافی ہوگا اور ثالث اسلئے کہ عورتوں کی عدت اختلاف احوال کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے مثلاً حمل میں وضع حمل اور رضاع میں بوجہ حیض نہ آنے کے مہینوں کی جگہ سال صرف ہوتے ہیں پھر تخمین کیسے جائز ہے علاوہ اس کے خلوت بالاجنبیہ کے محذور سے بھی بچنا ممکن نہیں ہے، غرض یہ عمل محض اتباع خطوات شیطان ہے۔ فقط ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۴۲ ج ۲)

سوال (۳۱۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور ایک دختر زینب ساتھ لائی آیا زید کو جائز ہے کہ زینب سے نکاح کرلے یا جائز نہیں جو کچھ حق ہو بحوالہ قرآن مجید و حدیث شریف فقہ متین تحریر فرمائیں بینوا توجروا۔

الجواب۔ وبہ نستعین اصطلاح شریعت میں ایسی دختر کو ربیبہ کہتے ہیں اور ربیبہ کا نکاح دو شرطوں سے جائز ہوتا ہے ایک شرط تو یہ ہے کہ اس کی ماں سے جماع نہ کیا ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ اس کی ماں نکاح سے نکل گئی ہو خواہ ساتھ طلاق کے یا ساتھ موت کے یا ساتھ خلع کے اور اگر ان دونوں شرطوں میں سے ایک بھی مفقود ہو تو نکاح جائز نہیں یعنی اگر اس کی ماں سے جماع کر لیا ہو تو دختر سے نکاح جائز نہیں۔

قال الله تعالٰی فی الجزء الرابع وربائبکم اللاتی فی حجورکم من نسائکم اللاتی دخلتم بهن فان لم تکونوا دخلتم بهن فلاجناح علیکم فی سنن الترمذی عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ایما رجل نکح امرأة فدخل بها فلایحل له نکاح ابنتها وان لم یدخل بها فلینکح ابنتها۱۲ فی صحیح البخاری فی تفسیر قوله تعالٰی وربائبکم اللاتی فی حجورکم الخ عن ام حبیبة قالت قلت یارسول الله هل لك فی بنت ابی سفیان قال فافعل ماذا قلت تنکح قال اتحبین قلت لست لك بمخلیة واحب من شرکنی فیك اختی قال انها لا تحل قلت بلغنی انك تخطب دره بنت ابی سلمة قال بنت ام سلمة قلت نعم قل لم تکن ربیبتی ماحلت لی ارضعتنی وایاها ثویبة فلا تعرضن علیّ بناتکن واخواتکن فی الدرالمختار وحرم بالمصاهرة بنت زوجته الموطوئة۔

اور اسی طرح اگر اس کی ماں سے نکاح باقی رہا جب بھی دختر سے نکاح جائز نہیں کیونکہ لازم آتا ہے جمع کرنا ماں اور بیٹی کا نکاح شخص واحد میں اور یہ حرام ہے بالا جماع پس اس بناء پر زید نے اگر ہندہ سے جماع نہ کیا ہو اور جماع کرنے سے پہلے زید کے نکاح سے نکل گئی ہو یا تو مر گئی ہو یا طلاق دیدی ہو یا خلع کر لیا ہو تو زینب سے نکاح جائز ہے اور اگر ہندہ سے جماع کر لیا ہو تو زینب سے نکاح جائز نہیں خواہ نکاح ہندہ کا باقی رہا ہو یا نہیں اور اسی طرح اگر ہندہ سے نکاح قائم رہا ہو جب بھی زینب سے نکاح جائز نہیں خواہ ہندہ سے جماع کیا ہو یا نہیں واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ (امداد ص ۴۳ ج ۲)

## نکاح درحالت مرض شدید

سوال (۳۱۱) زید درد پسلی و پھیپھڑے میں جس کو نمونیا یعنی مرض ذات الجنب کہتے ہیں مبتلاء تھا اور اٹھ بیٹھ چل پھر نہیں سکتا تھا بلکہ معطل الحواس تھا اس کے مختار و سربراہ کار نے ایسی حالت میں اپنی لڑکی ہندہ کے ساتھ اس کا نکاح پڑھوا دیا اور بعوض مہر تمام جائداد زید کی زبانی طور پر دیدیا جانا مشہور کیا اس نکاح میں زید کے خاص قرابت دار نزدیکی کوئی موجود نہ تھے یہاں تک کہ ماں و چچا زاد بھائی وغیرہ بھی شریک نہ تھے نہ کسی کو اطلاع دی گئی تھی اور جائداد پدری بھی زید کی ہے بعد نکاح کے زید اس بیماری سے

اچھا ہوکر ایک سال زندہ رہ کرفوت ہوگیا مگر اپنی حیات میں اس نے نہ تو رخصت کرایا اور نہ ہندہ کو اپنے گھر بلایا نہ جائداد کا انتقال باضابطہ کیا نہ سرکاری دفتر میں نام لکھوایا نہ خلوت صحیحہ ہوئی نہ زفاف ہوا۔ بعد مرنے زید کے ہندہ کل جائداد کے دلا پانے کی نالش کرتی ہے جو دائر عدالت ہے اب امر دریافت طلب یہ ہے (۱) ایسا نکاح بحالت مرض مہلک جائز ہے؟ (۲) اور بالعوض مہر کے کل جائداد اس طرح پر بلا مرضی دیگر ورثاء منتقل ہوسکتی ہے جبکہ (۳) زفاف اور خلوت صحیحہ میں کلام ہے تو ایسی حالت میں ہندہ ترکہ پاسکتی ہے؟ (۴) یہ کہ اگر مہر بخش دیا گیا میراث کی حقدار ہندہ ہوسکتی ہے۔

**الجواب۔ فی الدرالمختاروالمختارانه(ای مرض الموت) ماکان الغالب منه الموت وان لم یکن صاحب فراش (وفیه) لابد ان یکون المرض الذی طلقها فیه مرض الموت فاذاصح تبین انه لم یکن مرض الموت (وفیه)وما لزمه (ای المریض مرض الموت) فی مرضه بسبب معروف (الٰی قوله) والسبب المعروف کنکاح مشاهد ان بمهر المثل اما الزیادة فباطلة وان جاز النکاح عنایة (وفیه) صدرت (ای صیغة النکاح) عن قصد (الٰی قوله) فیصح به (وفیه) ویجب الاکثرمنها (ای العشرة ) ان سمی الاکثرویتأکد عند وطی اوخلوة صحت اوموت احدهما ویجب نصفه بطلاق قبل الوطی اوخلوة (وفیه) فیفرض للزوجة فصاعدا الثمن مع ولداوولدالابن والربع لها عند عدمها وفی ردالمحتار ولیس منه مالوتزوجها علٰی عبدالغیر لوجوب قیمته اذالم یجز مالکه الٰی قوله لامهر المثل ج:۲ ص:۵۴۸۔**

روایات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اگر مرض مذکور میں زید کے اتنے حواس بھی باقی نہ تھے کہ جس سے وہ یہ سمجھ سکتا کہ میں منہ سے کیا کہہ رہا ہوں یعنی ایسا بدحواس تھا کہ اس کو یہ بھی خبر نہیں کہ میں منہ سے کیا کہہ رہا ہوں تب تو نکاح ہی نہیں ہوا اس لئے نہ مہر واجب ہوگا نہ میراث اور اگر اس قدر حواس باقی ہیں کہ جب اس سے قبول نکاح کے لئے کہا گیا تو اس نے اپنے ارادے وقصد سے قبول کیا گو تأمل اور فکر کی اس کو مہلت وفرصت نہیں ہوئی تو اس صورت میں نکاح درست ہوگیا اور چونکہ وہ اس مرض سے اچھا ہوکر ایک سال تک زندہ بھی رہا لہٰذا وہ مرض الموت نہیں رہا اس لئے تمام اپنی جائداد مملوکہ مہر میں ٹھہرانا صحیح ہوگیا پس اگر وہ جائداد کل اسی کی مملوک ہے تو پوری جائداد مہر میں ہوجائے گی گو وہ جائداد پدری ہو اور اگر جائداد میں اور بھی کوئی شریک ہے مثلاً زید کے باپ کا کوئی اور وارث بھی ہے اور اس جائداد میں وہ شریک ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ جس قدر جائداد مملوکہ زید کی ہے وہ مہر میں ہوجاوے گی اور جس قدر اس میں دوسرے کی ہے وہ بھی مہر میں لگادی گئی ہے اس کی مالیت وقیمت کی مقدار زید کی دوسری اشیاء ترکہ

سے تکمیل کی جائے گی اور چونکہ زید مرگیا اس لئے کل مہر ثابت ہوگیا اگرچہ خلوت صحیحہ نہیں ہوئی کیونکہ موت سے کل مہر مؤکد ہو جاتا ہے پس خلاصہ جواب یہ ہوا کہ اگر اتنا ہوش تھا کہ اپنے قصد سے نکاح قبول کیا ہے تو وہ نکاح درست ہوگیا اور کل جائداد مہر میں آگئی اور اس صورت میں خلوت صحیحہ کی کوئی ضرورت نہیں لیکن یہ سب اس وقت ہے جب نکاح اور مہر عادل گواہوں سے ثابت ہو گو زید کے اعزہ موجود نہ ہوں اور گو وہ رضامند نہ ہوں اور گو عدالت میں باضابطہ اس کی تحریر و تکمیل نہ ہوئی ہو اور گو زید نے کبھی رخصت کرانے کی استدعا نہ کی ہو کیونکہ شریعت میں یہ امور شرط نہیں ہیں وہذا ظاہر اور مہر ایک دین ہے جو مستقل حق ہے اور میراث جداگانہ مستقل حق ہے ایک حق کے معاف کر دینے سے دوسرا حق ساقط نہیں ہوتا لہٰذا مہر بخش دینے پر بھی میراث ملے گی۔ فقط ۲۸ رجب ۱۳۲۱ھ (امداد الفتاویٰ ج:۲ ص:۴۶)

## محض الفاظ ہبہ سے بلا نیت نکاح منعقد نہ ہوگا

**سوال (۳۱۲)** علاقہ پنجاب میں یہ دستور ہے کہ لڑکے اور لڑکی کے اقارب والدین وغیرہ جب ان کی منگنی کرتے ہیں تو اس خوف سے کہ شاید پھر لڑکی والا شادی کرنے سے انکار کر دے لڑکے والا لڑکی والوں سے یہ فرمائش کرتا ہے کہ تم کہدو کہ ہم نے اپنی لڑکی تم کو یا تمہارے لڑکے کو بخش دی یا ہبہ کر دی اور یہ الفاظ چند لوگوں کے سامنے بولے جاتے ہیں یہ دستور عام ہے مگر بعد اس کے پھر نکاح کرتے ہیں ان الفاظ سے صرف منگنی ہونا تصور کرتے ہیں تو آیا وقت منگنی کے لڑکی والوں کے یہ الفاظ کہہ دینے سے عقد ہو جاتا ہے یا نہیں پنجاب کے بعض مولویوں میں اختلاف ہوگیا اس لئے اس کا جواب محقق مطلوب ہے فقط اور اگر لڑکی والا لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کرنا چاہتا ہے تو لڑکے سے طلاق دلواتے ہیں تو طلاق دلانے کی ضرورت ہے یا بغیر طلاق دلائے ہوئے لڑکی کا دوسری جگہ نکاح ہوسکتا ہے۔ فقط۔

**الجواب۔** في الدر المختار وانما يصح بلفظ التزويج والنكاح لانهما صريح وما عداهما كناية وهو كل لفظ وضع لتمليك عين كهبة وتمليك الٰى قوله لشرط نيته او قرينة وفهم الشهود المقصود وفي ردالمحتار قوله لشرط نيته الخ هذا ماحققه في الفتح رداً علٰى ماقدمناه الٰى قولہ وملخصه انه لابد في كنايات النكاح من النية مع قرينة او تصديق القابل للموجب وفهم الشهود المراد واعلامهم به اھ۔

اس روایت سے جو شرط مفہوم ہوتی ہے سوال کی اس عبارت سے کہ ان الفاظ سے محض منگنی ہونا تصور کرتے ہیں اس شرط کا ارتفاع معلوم ہوتا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں نکاح منعقد نہ ہوگا جب نکاح نہ

ہوا تو طلاق دلوانے کی ضرورت نہیں۔ فقط ۳ر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۷۴)

## اگر غیر ولی نابالغہ کا نکاح کردے تو اس کا کیا حکم ہے

سوال (۳۱۳) ہندہ نابالغہ کا نکاح باوجود ہونے ولی کے غیر ولی نے پڑھا دیا یعنی چچا کے ہوتے ہوئے نانی کا پڑھا دینا مقبول ہے یا مردود و مطرود۔

الجواب۔ یہ نکاح موقوف و معلق رہے گا اگر ولی کو خبر پہونچے اور اس نے اجازت دیدی تو جائز و نافذ ہو جاوے گا ورنہ جائز و نافذ نہ ہوگا۔ **فی الدرالمختار ونکاح عبدوامة بغیر اذن السید موقوف علی الاجازة کنکاح الفضولی الخ۔** یکم جمادی الاخریٰ ۱۳۲۶ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۷۶)

## اجازت نکاح فضولی بتمکین من الوطی

سوال (۳۱۴) ایک بیوہ عورت سے نکاح کی اجازت کے واسطے اس کے پاس آدمی بھیجا گیا وہ آدمی اس کے پاس نہیں گیا صبح کو بیوہ نے شہرت سنی کہ نکاح ہو گیا اور اس خبر سے وہ اسی شخص کے گھر میں چلی گئی اولاد بھی پیدا ہوئی یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں بعد چندروز کے اسی عورت کی حقیقی بہن اس کے خاوند کے یہاں ناجائز تعلق کے ساتھ بلا نکاح آ گئی اور اس سے بھی اولاد ہوئی اب اس پہلی عورت کا نکاح باقی رہا یا نہیں پھر اس پہلی عورت کو اس کے شوہر نے مار نکال دیا اور یہ کہا کہ جہاں تیرا جی چاہے چلی جا چنانچہ وہ دوسری بستی میں چلی گئی اب چاہتی ہے کہ کہیں نکاح ہو جاوے اس کے لئے عدت کی کیا صورت ہونی چاہئے اس کی دوسری بہن بلا نکاح اب تک اس کے شوہر کے پاس موجود ہے۔

الجواب۔ **فی العالمگیریة کتاب النکاح الباب السادس وتثبت الإجازة لنکاح الفضولی بالقول والفعل اھ وعد فی الدرالمختار وغیرہ تمکینها من الوطی من الافعال الدالة علی الرضاء۔**

اس سوال میں سائل نے یہ نہیں لکھا کہ واقع میں نکاح پڑھا بھی گیا تھا یا صرف شہرت ہی ہو گئی تھی اگر محض شہرت ہوئی ہے تب تو نکاح نہیں ہوا اور نکاح نہیں ہوا تو عدت بھی نہیں اور اگر نکاح ہوا تھا تو یہ نکاح فضولی ہے عورت کی تمکین من الوطی اجازت نکاح ہے اس لیے یہ نکاح نافذ ہو گیا اور حقیقی بہن کے آنے سے اور صحبت سے اس نکاح میں کوئی خلل نہیں ہوا البتہ یہ جو کہا کہ جہاں تیرا جی چاہے چلی جا اس سے تحقیق کرنا چاہئے کہ بہ نیت طلاق کہا ہے یا کیا اور حالت مذاکرہ طلاق یا غضب میں کہا یا کیا، اس کے بعد جواب دیا جا سکتا ہے۔ فقط ۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۷۷)

## توقف نکاح فضولی

سوال (۳۱۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ایک عوت بیوہ اور اس کی لڑکی نابالغہ ہے اور لڑکی کے تائے چچا غیر حقیقی ہیں اس لڑکی کے نکاح کے وقت غیر حقیقی تائے چچا سے نکاح کی اجازت چاہی تو انہوں نے کہا کہ ہمیں اس نکاح سے کچھ غرض نہیں ہے نہ انکار ہے نہ اقرار ہے عورت بیوہ نے باذن خود نکاح کرادیا عرصہ دوسال گزر گیا اب یہی عورت بیوہ اس لڑکی نابالغہ کا نکاح ثانی دوسری جگہ کرنا چاہتی ہے اس لڑکی کے تائے چچا غیر حقیقی کو نکاح ثانی کرنے میں اب بھی کچھ غرض مطلب نہیں ہے نہ انکار کرتے ہیں نہ اقرار کرتے ہیں اس حالت میں نکاح ثانی جائز ہے یا ناجائز۔

الجواب۔ فی الدرالمختار نکاح الفضولی سیجیئی فی البیوع توقف عقوده کلها ان لها مجیز حالة العقد والا تبطل فی ردالمحتار لو باع الصبی ماله اواشتری الیٰ قوله توقف علیٰ اجازة الولی فلو بلغ هو فاجاز نفذ آهـ ج:۲ ص:۵۳۵ وفی الدرالمختار الفضولی قبل الإجازة لا یملك نقض النکاح بخلاف البیع فی ردالمحتار قوله لایملك نقض النکاح ای لاقولاً ولاً فعلاً قال فی الخانیة العاقدون فی الفسخ اربعة عاقد لا یملك الفسخ قولاً وفعلاً وهو الفضولی حتی لوزوج رجلا امرأة بلا اذنه ثم قال قبل اجازته فسخت لا ینفسخ وکذا لوزوجه اختها یتوقف الثانی ولایکون فسخا للاوّل اهـ ج:۲ ص:۵۳۸۔



بناء برروایات مذکورہ جواب اس مسئلہ کا یہ ہے کہ اگر یہ تایا چچا عصبات میں سے ہوں تو ان کے ہوتے ہوئے ماں کا نکاح کر دینا موقوف یعنی معلق ہے جب تک یہ تایا چچا زبان سے نہ کہیں کہ ہم اس کو قبول نہیں کرتے اس وقت تک یہ ایسا ہی رہے گا اور دوسری جگہ بھی نکاح صحیح نہیں ہوسکتا اور اگر دوسری جگہ بھی ماں کردے گی تو وہ بھی معلق ہو جاوے گا پھر چچا تایا اگر اس ثانی کو جائز رکھیں گے تو وہ جائز ہو جاوے گا اور اگر اس میں بھی سکوت کیا تو دونوں معلق رہیں گے پھر لڑکی جب بالغ ہوگی اس وقت جس نکاح کو وہ زبان سے منظور کرے گی نافذ ہو جاوے گا اور دوسرا فسخ ہو جاوے گا اور اگر وہ زبان سے کچھ نہ کہے گی تو دونوں معلق ہی رہیں گے {والتمکین من الوطی یقوم مقام الاجازة باللسان} اور اگر وہ چچا تایا عصبہ نہ ہوں تو سوال مکرر کیا جاوے۔ ۱۵ ر جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص:۴۴)

## مرزائی اور سُنّی میں مناکحت کا حکم

سوال (۳۱۶) مناکحت باہم ایسے مرد وعورت کی کہ ایک ان میں سے سنی حنفی اور دوسرا مرزا

غلام احمد قادیانی کا معتقد اور متبع ہو اور ان کے جملہ دعاوی اور الہامات کی تصدیق کرتا ہو جائز ہے یا نہیں اور اگر یہ دونوں یا ایک ان میں سے نابالغ ہو تو بولایت والدین جو ایسے ہی مختلف العقیدہ ہوں کیا حکم ہے امید ہے کہ تشریح وبسط سے جواب مدلل مرحمت ہو بینوا توجروا۔

الجواب۔ مرزا کے بعض اقوال حد کفر تک پہونچے ہوئے ہیں مگر یہ ممکن ہے کہ اس کا کوئی معتقد خاص اس قول کی خبر نہ رکھتا ہو اس لیے مرزا کا معتقد ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ خاص اس کفر کا بھی معتقد ہے پس اگر یہ مرزائی خواہ مرد ہو یا عورت بالخصوص اس قول کفری کا بھی معتقد ہو تو اس کا نکاح مسلمان مرد یا عورت سے نہیں ہو سکتا لیکن اگر یہ مرزائی بالغ ہے تو خود اس کا عقیدہ دیکھا جاوے گا اور اگر نابالغ ہے تو اس کے ماں باپ کا عقیدہ دیکھا جاوے گا یعنی اگر ماں باپ دونوں مرزائی ہوں گے تو اس نابالغ کو مرزائی قرار دیں گے اور اگر ایک بھی غیر مرزائی ہے تو اس کو غیر مرزائی قرار دے کر یہ حکم مذکور ثابت نہ کریں گے اور اگر یہ مرزائی خاص کسی ایسے امر موجب کفر کا معتقد نہیں تو مبتدع ہے اور سنی حنفی کا دیانت میں کفو نہیں پس اگر یہ عورت ہے تو مرد سنی حنفی کا نکاح اس سے درست نہیں ہے اور اگر یہ مرد ہے اور عورت سنیہ حنفیہ ہے تو اگر یہ عورت بالغ ہے اور اس کی اجازت سے نکاح ہوا ہے تو نکاح ہو گیا اور اسی طرح اگر نابالغ ہے اور باپ دادا نے کر دیا تب بھی ہو گیا اور اگر باپ دادا کے سوا کسی اور نے کیا یا باپ دادا کچھ شفیق وخیر خواہ نہیں ہیں تو سوال میں اس کی تصریح ہونے سے جواب دیا جائے گا فقط۔

۱۰ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ (تتمہ اولیٰ ص: ۷۸)

## عدم جواز نکاح زن مسلمہ با قادیانی

سوال (۳۱۷) بخدمت شریف علمائے اسلام سلمکم اللہ الیٰ یوم القیام کیا فرماتے ہیں اساطین دین متین ومفتیان شرع مبین اس امر میں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں:۔

| قول | حوالہ کتاب |
|---|---|
| (۱) آیت مبشراً برسول یأتی من بعدی اسمه احمد کا مصداق میں ہوں۔ | ازالۃ الاوہام طبع اول ص: ۶۷۳ |
| (۲) مسیح موعود جن کے آنے کی خبر حدیث میں آئی ہے میں ہوں۔ | رر ص: ۶۶۵ |
| (۳) میں مہدی مسعود اور بعض نبیوں سے افضل ہوں۔ | معیار الاخیار ص: ۱۱ |
| (۴) ان قدمی علیٰ منارة ختم علیه کل رفعة | خطبہ الہامیہ ص: ۳۵ |
| (۵) لا تقیسونی باحد ولا احداً بی۔ | رر ص: ۱۹ |

| قول | حوالہ کتاب |
|---|---|
| (۶) میں مسلمانوں کے لیے مسیح مہدی اور ہندوؤں کے لئے کرشن ہوں۔ | لیکچر سیالکوٹ ص: ۳۳ |
| (۷) میں امام حسینؓ سے افضل ہوں۔ | دافع البلاء ص: ۱۳ |
| (۸) وانی قتیل الحب لکن حسینکم قتیل العدا فالفرق اجلی واظهر | اعجاز احمدی ص: ۸۱ |
| (۹) یسوع مسیح کی تین دادیاں اور تین نانیاں زنا کار تھیں (معاذ اللہ) | ضمیمہ انجام آتھم ص: ۵ |
| (۱۰) یسوع مسیح کو جھوٹ بولنے کی عادت تھی۔ | 〃 〃 |
| (۱۱) یسوع مسیح کے معجزات مسمریزم تھے اس کے پاس بجز دھوکہ کے اور کچھ نہ تھا | ازالہ ص ۳۰۳ و ص ۳۲۲ ضمیمہ انجام آتھم ص: ۷ |
| (۱۲) میں نبی ہوں اس امت میں نبی کا نام میرے لیے مخصوص ہے۔ | حقیقت الوحی ص ۳۹۱ |
| (۱۳) مجھے الہام ہوا۔ یاایھاالناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔ | معیار الاخیار ص: ۱۱ |
| (۱۴) میرا منکر کافر ہے۔ | حقیقت الوحی ص: ۱۶۳ |
| (۱۵) میرے منکروں بلکہ مقابلوں کے پیچھے بھی نماز جائز نہیں | فتاویٰ احمدیہ جلد اول |
| (۱۶) مجھے خدا نے کہا ہے اسمع ولدی (اے میرے بیٹے سن) | البشریٰ ص: ۴۹ |
| (۱۷) لولاک لما خلقت الافلاک | حقیقت الوحی ص: ۹۹ |
| (۱۸) میرا الہام ہے وما ینطق عن الھویٰ | اربعین ص: ۳ |
| (۱۹) وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین | حقیقت الوحی ص: ۸۲ |
| (۲۰) انک لمن المرسلین | 〃 ص: ۱۰۷ |
| (۲۱) اتانی مالم یؤت احداً من العالمین | 〃 〃 |
| (۲۲) مجھے حوض کوثر ملا ہے۔ انا اعطیناک الکوثر | ضمیمہ انجام آتھم ص: ۸۵ |
| (۲۳) اللہ معک یقوم اینما قمت | 〃 ص: ۱۷ |
| (۲۴) میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں ہو بہو اللہ ہوں (اتنی فی المنام عین اللہ ویتقنت اننی ھو فخلقت السموات والارض | آئینہ کمالات ص: ۵۶۴ و ص: ۵۶۵ |
| (۲۵) میرے مرید کسی غیر مرید سے لڑکی نہ بیاہا کریں | فتاویٰ احمدیہ ص: ۷ |

جو شخص مرزا قادیانی کا ان اقوال میں مصدق ہو اس کے ساتھ مسلمہ غیر مصدقہ کا رشتہ زوجیت کرنا جائز ہے یا نہیں اور تصدیق بعد نکاح موجب افتراق ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب۔ جو مسلمان ایسے عقائد بالا اختیار کرے جن میں بعض یقینی کفر ہیں وہ بحکم مرتد ہے اور

مرتد کا نکاح مسلمان عورت سے اور اسی طرح مرتدہ کا نکاح مسلمان مرد سے صحیح نہیں اور نکاح ہو جانے کے بعد اگر عقائد کفریہ اختیار کرے تو نکاح فسخ ہو جاوے گا۔ (تتمۂ خامسہ ص ۵۵)

سوال (۳۱۸) زید جو کہ حنفی مذہب رکھتا ہے ایک قادیانی المذہب عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے ایک حنفی مفتی سے سوال کیا گیا تو جواز کا فتویٰ دیا جو درج ذیل ہے ان کا جواب بعینہ حضور کی خدمت میں پیش کر کے استصواب چاہتا ہوں۔

## نقل فتویٰ جواز

مکرم برادرم السلام علیکم۔ قادیانی مذہب کی عورت سے نکاح جائز ہے جو قادیانی مرزا غلام احمد کے قائل ہیں وہ اگرچہ کافر ہیں مگر اہل کتاب ضرور ہیں تو اہل کتاب عورت سے مسلم کا نکاح جائز ہے لاہوری مرزا غلام احمد کو نبی نہیں مانتے صرف مجدد مانتے ہیں اس لئے ان کی تکفیر نہیں ہوسکتی بہر حال قادیانی عورت سے جب نکاح جائز ہوا تو اس کی لڑکی سے بھی خواہ متزلزل عقیدہ رکھتی ہو ایک حقیقی مسلمان کا نکاح بالکل درست و جائز ہے ہرگز شک نہ کیجئے۔

## جواب جو یہاں سے گیا

میرے نزدیک قادیانی عورت سے نکاح باطل ہے جب ان کا کفر مسلم ہے اور مرتد بحکم کتابی نہیں ہوتا اس لئے اہل کتاب میں ان کو داخل نہیں کر سکتے اور لاہوری گو مرزا کو نبی نہ کہیں لیکن اس کے عقائد کفریہ کو کفر نہیں کہتے کفر کو کفر نہ سمجھنا یہ بھی کفر ہے کیا اگر کوئی شخص مسیلمہ کذاب کو نبی نہ مانتا ہو مگر اس کے عقائد کو کفر بھی نہ کہتا ہو تو کیا اس شخص کو مسلمان کہا جائے گا۔ ۳۰ ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ (النور رجب ۱۳۵۲ھ ص: ۸)

### نکاح سنّیہ با شیعی

سوال (۳۱۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ سنی المذہب عورت بالغہ کا نکاح زید شیعی مذہب کے ساتھ برضائے شرعی باپ کی تولیت میں ہو گیا اس نکاح کو عرصہ گزر گیا یہاں تک کہ ہندہ کے بطن سے زید کی اولاد بھی ہوئی اب ہندہ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ شیعہ سبّیہ کافر ہیں اس لئے نکاح کا انعقاد نہیں ہوتا اور جماع بہ حکم زنا ہوتا ہے پس ہندہ اسی علم کے وقت سے مباشرت سے محترزہ ہے اور چاہتی ہے کہ نکاح فیما بین الزوجین فسخ ہو جائے علمائے شریعت غراء سے دریافت طلب یہ امر ہے کہ سنی و شیعہ کا بہ تفریق مذہب نکاح جیسا کہ ہندوستان میں شائع ہے عند الشرع صحیح ہوتا ہے یا نہیں اور عورت بوجہ جہالت مسئلہ یا شیعی مرد کے تقیہ اپنے آپ کو سنی ظاہر کرنے کی بناء پر اگر شیعہ کے نکاح

میں چلی جائے تو مسئلہ سے واقف ہونے یا خاوند شیعہ کے خیالات تشنیع اور تبرا اور سب الشیخین علی الاعلان ظاہر ہونے پر اپنے نفس کو اس کی زوجیت سے نکالنے کی مجاز ہے یا نہیں نیز اسی حالت میں پیدا ہونے والی اولاد پر کیا حکم لگایا جائے گا۔

الجواب۔ في الدرالمختار وتعتبر الكفائة ديانة اى تقوىٰ فليس فاسق كفو الصالحة الخ وفيه لوزوجوها برضاها ولم يعلموا بعدم الكفائة ثم علموا الاخيار لاحد الا اذاشرطوا الكفاءة اواخبرهم بها وقت العقد فزوجوها علىٰ ذلك ثم ظهرانه غير كفو كان لهم الخيار ولوالجية فليحفظ۔ روایت اولیٰ کی بناء پر یہ نکاح غیر کفو سے ہوا ولم يثبت كون النسب كفواً اور روایت ثانیہ کی بناء پر جب زوجہ اور اولیاء دونوں نکاح غیر کفو پر رضامند ہوں نکاح لازم ہو جاتا ہے اور غیر کفو ہونے کا علم نہ ہو جب بھی نکاح ہو جاتا ہے البتہ تصریحاً کفاءۃ شرط ٹھہری تھی یا زوج نے زبان سے تصریحاً خبر دی تھی میں سنی ہوں اس صورت میں یہ نکاح باوجود انعقاد کے لازم نہیں ہوا لكن لا بدللفسخ من وجود قاض شرعي اور باقی سب صورتوں میں حق فسخ نہیں ہے اور چونکہ نکاح منعقد ہو گیا لہٰذا اولاد سب ثابت النسب اور صحبت حلال ہے۔ واللہ اعلم۔ ۲۹ رصفر ۱۳۲۳ھ

سوال (۳۲۰) ایک نابالغہ لڑکی کا نکاح غیر کفو میں ماں نے کر دیا کیونکہ باپ بھائی چچا وغیرہ کوئی رشتہ دار نہیں ہے ابھی لڑکی بالغ نہیں ہوئی مگر معلوم ہوا کہ لڑکا جس کے ساتھ نکاح کیا گیا ہے نہایت آوارہ بدچلن، اور شیعہ مذہب ہے اس نکاح کو لڑکی کے جوان ہونے کی وجہ پر اجازت دینے موقوف کہیں گے یا ولی نہ ہونے کی وجہ سے غیر کفو و آوارہ ہونے کی وجہ سے باطل وکالعدم یا سنی شیعہ کے تفرقہ کی وجہ سے نکاح کا انعقاد ہی نہ ہوگا اگر شق ثالث ہے تو کیا مطلق شیعہ کا سنی سے نکاح نہیں ہوسکتا خواہ تفضیلیہ ہو سبیہ یا غالیہ۔ حالانکہ تفضیلیہ پر کفر کا فتویٰ نہیں اور سبیہ کی تکفیر بھی مختلف فیہ ہے اور نیز ممکن ہے کہ مرد اپنا نکاح قائم رکھنے کی وجہ سے تقیۃً اپنے آپ کو سنی یا کم سے کم شیعہ تفضیلیہ بتائے (یہ صورت واقع ہوئی ہے خاوند نہایت ظالم اور ان یتیم بچیوں کو مارتا پیٹتا ہے جن کی ماں نے دھوکا کھا کر اس کے نکاح میں دیدیا ماں مفارقت چاہتی ہے اور خاوند ضد پر کمربستہ)

الجواب۔ في الدرالمختار وان كان المزوج غير هما اى غير الاب وابيه ولو الام او القاضي الىٰ قوله لا يصح النكاح من غير كفوا وبغبن فاحش اصلا وان كان من كفو وبمهر المثل صح لكن لهما خيار الفسخ الىٰ قوله يشترط القضاء للفسخ وفيه ايضاً في باب الكفاءة وتعتبر في العرب والعجم ديانة اى تقوى فليس فاسق كفوا لصالحة او فاسقة بنت صالح معلنا كان اولاعلى الظاهر نهر روایت اولیٰ سے معلوم ہوا کہ ماں اگر

غیر کفو سے نکاح کردے نکاح منعقد نہیں ہوتا اور روایت ثانیہ سے معلوم ہوا کہ شیعی بوجہ فسق اعتقادی کے کفو سنیہ کا نہیں لہٰذا یہ نکاح منعقد نہیں ہوا وفی ماانعقد یحتاج الی القاضی وھو من له ولایة ولا ولایة للعلماء فھم لیسوا بقضاة وکذا لاولایة للاجنبی الذی لیس من الاقسام المدونة للعصبة کما ھو مبسوط فی کتب الفقه فافھم۔ ۲۷ محرم ۱۳۲۳ھ

## تفصیل نکاح زن سنیہ با شیعہ الخ

سوال (۳۲۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رافضی جو کہ سب صحابہ پر تبرا کرتے ہیں اور اہل اسلام سے مذہبی تعصب رکھتے ہیں مسلمان ہیں یا کافر ہیں۔ ان سے تعلقات نکاح وغیرہ کے رکھ سکتے ہیں یا نہیں قوم بوہری جو بمبئی اور اس کے اطراف میں کثرت سے پائی جاتی ہے ایک متعصب رافضی قوم ہے ان کا قاعدہ یہ ہے کہ اہلسنت جماعت کی لڑکی اس کے والدین کو لالچ زر دے کر اپنے نکاح میں لاتے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر کوئی سنت جماعت لالچ زر میں جان کر لڑکی دیوے اور وہ رافضی اپنے آپ کو مصلحت جان کر اسلام لانے کو ظاہر کرے لیکن تمام لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ اس کا اسلام لانا نکاح کی غرض سے ہے تو ایسی حالت میں اس کے اسلام کا اعتبار کیا جاوے گا یا نہیں اور اس کا نکاح درست ہے یا نہیں۔؟ بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی الدر المختار و تعتبر (الکفاءة) فی العرب والعجم دیانة ای تقویٰ فلیس فاسق کفو الصالحة بنت صالح معلنا کان اولا علی الظاھر نھر وفیه وللولی انکاح الصغیر والصغیرة ولزم النکاح ولو بغبن فاحش او بغیر کفو ان کان الولی ابا اوجدا لم یعرف منھما سوء الاختیار مجانة وفسقا وان عرف لاوان کان المزوج غیرھما لا یصح النکاح من غیر کفو اوبغبن فاحش اصلا وفیه وله ای للولی اذا کان عصبة الاعتراض فی غیر الکفو مالم تلد منه ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازه اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان وفی ردالمحتار وھذا اذا کان لھا ولی لم یرض قبل العقد فلا یفید الرضی بعده بحر واما اذا لم یکن لھا ولی فھو صحیح نافذ مطلقاً اتفاقا کما یأتی۔

بناء بر روایات مذکورہ ودیگر قواعد معروفہ مسلمہ جواب میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ رافضی عقائد کفر کے رکھتا ہے جیسے قرآن مجید میں کمی بیشی کا قائل ہونا یا حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگانا یا حضرت علیؓ کو خدا ماننا یا یہ اعتقاد رکھنا کہ جبرئیل علیہ السلام غلطی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لے آئے تب تو کافر ہیں اور اس کا نکاح سنیہ سے صحیح نہیں اور محض تبرائی کے کفر میں اختلاف ہے علامہ شامی نے عدم کفر کو ترجیح دی ہے جلد ۳ ص ۴۵۳ مگر اس کے بدعتی ہونے میں کچھ شک نہیں تو اس صورت میں گو وہ کافر نہ ہوگا

مگر بوجہ فسق اعتقادی کے سنیہ کا کفو نہ ہوگا اور غیر کفو مرد سے نکاح کرنے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر لڑکی نابالغ ہے اور نکاح کیا ہے باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے تب تو نکاح صحیح ہی نہ ہوگا اور اگر باپ یا دادا نے کیا ہے اور واقعات سے معلوم ہوا کہ طمع زر سے کیا ہے اور لڑکی کی مصلحت پر نہیں نظر کی جیسا سوال میں مذکور ہے تب بھی نکاح صحیح نہ ہوگا اور اگر منکوحہ بالغ ہے تو اگر اس نے خود اپنا نکاح کر لیا ہے اور ولی عصبہ راضی نہ تھا تب بھی نکاح صحیح نہیں ہوا اسی طرح اگر ایسے ولی نے کر دیا اور وہ منکوحہ راضی نہیں یعنی زبان سے انکار کر دیا تب بھی نکاح صحیح نہیں ہوا یہ صورتیں تو عدم جواز نکاح کی ہیں اور اگر لڑکی نابالغ ہے اور نکاح کیا ہے باپ یا دادا نے اور لڑکی کی مصلحت سمجھ کر کیا ہے کسی طمع وغیرہ کے سبب نہیں کیا یا لڑکی بالغ ہے اور نکاح خود کیا اور ولی عصبہ کی رضا سے کیا ہے یا اس کا کوئی ولی عصبہ ہے ہی نہیں یا لڑکی بالغ ہے اور ولی نے اس کی اجازت سے کر دیا تو ان صورتوں میں ان علماء کے نزدیک نکاح صحیح ہو جاوے گا جو تبرائی کو کافر نہیں کہتے اور یہ سب تفصیل اس وقت ہے کہ نکاح کے وقت اس کا رفض معلوم ہوا اور اگر اس وقت اپنے کو سنی ظاہر کیا اور بعد نکاح کے رفض ثابت ہوا تو جس صورت میں وہ محض بدعتی ہے۔ تو اگر منکوحہ بالغہ ہے اور وہ اور اس کا ولی عصبہ دونوں راضی ہیں تو نکاح کے فسخ کا حق حاصل ہوگا اور اگر ولی سے اجازت نہیں لی گئی تو ولی کو حق فسخ ہے جس کی ایک شرط قضاء قاضی مسلم ہے۔ اور اگر منکوحہ صغیرہ ہے تو بعد بالغ ہونے کے اگر راضی ہے تب بھی نکاح صحیح رہے گا اور اگر راضی نہ ہوئی تو اس کو حق فسخ حاصل ہوگا جس طرح شرط اوپر مذکور ہوئی۔

کما فی ردالمحتار فلو نکحت رجلا ولم تعلم حاله فاذا هو عبد لاخیار لها بل للاولیاء ولو زوجوها برضاها ولم یعلموا بعدم الکفائة ثم علموا لاخیار لاحد الا اذا شرطوا الکفائة او اخبرهم بهاوقت العقد فزوجوها علیٰ ذلك ثم ظهر انه غیر کفو کان لهم الخیار وفی ردالمحتار قوله لاخیار لاحد هذا فی الکبیرة کما هو فرض المسئلة بدلیل قوله نکحت رجلا فقوله برضا ها فلا یخالف ماقد مناه فی باب المهر عن النوازل لوزوج بنته الصغیرة ممن ینکرانه یشرب المسکر فاذا هو ممن له وقالت بعد ماکبرت لاارضی بالنکاح ان لم یکن یعرفه الاب بشربه وکان غلبة اهل بیته صالحین فالنکاح باطل لانه انما تزوج علیٰ ظن انه کفو آه ثم بعد اسطر لکن کان الظاهر ان یقال لایصح العقد اصلا کما فی الاب الماجن والسکران مع ان المصرح به ان لها ابطاله البلوغ وهو فرع صحته فلیتأمل۔

۲۰ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ

## نکاح سنیہ با شیعہ

سوال (۳۲۲) زید نو وارد شیعی المذہب نے خالد سنی المذہب کو یہ باور کرا کر کہ میں سنی المذہب ہوں اور حلفاً اس کی تصدیق کر کے خالد کی دختر نابالغہ ہندہ سے عقد کیا خالد نے باعتبار اس کے بیان وتصدیق حلفی کے زید کو سنی المذہب سمجھ کر اپنی لڑکی کا عقد زید سے کر دیا بعد عقد کے زید کے افعال مثل تعزیہ وشدہ پرستی بہ یوم عاشورہ ماتم سینہ زنی وغیرہ وقوع میں آئے جس کے لحاظ سے زید کے وطن کے قاضی صاحب وغیرہ سے مذہبی حالت دریافت ہوئی تو معلوم ہوا کہ زید واقعی شیعی المذہب گروہ شیعان وطن سے ہے پس بلحاظ احکام فقہ حنفی جو نکاح دختر خالد کا زید شیعی المذہب کے ساتھ ہوا ہے شرعاً وقوع پذیر ہوگا یا نہیں بصورت واقع ہونے کے خالد پدر وولی ہندہ نابالغہ اس عقد کو فسخ وکالعدم کرانے کا مجاز ہے یا نہیں ایسا عقد بحکم قاضی یا حاکم کالعدم کرانا ضروری ہوگا یا خود بخود کالعدم وباطل قرار پائے گا بحوالہ عبارات کتب فقہ معتبرہ ومستند جواب عطاء فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

**الجواب۔** في ردالمحتار عن فتح القديرعن النوازل لوزوج بنته الصغيرة ممن ينكر انه يشرب المسكر فاذا هو ممن له وقالت لاارضى بالنكاح اى بعد ما كبرت ان لم يكن يعرفه الأب يشربه وكان غلبة أهل بيتها صالحين فالنكاح باطل وفيه ثم اعلم ان مامر من النوازل من النكاح باطل معناه انه سيبطل ج۲ ص۴۹۹ وفي الدرالمختار ولو زوجها (اى الكبيرة ) برضاها ولم يعلموا بعدم الكفائة ثم علموا لاخيارلاحد الااذا شرطوا الكفائة اواخبرهم بها وقت العقد فزوجو ها علٰى ذلك ثم ظهر انه غير كفو كان لهم الخيار ولوالجية فليحفظ ج:۲ ص:۵۲۱۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں ولی منکوحہ کو بھی اور اسی طرح بعد بلوغ کے خود منکوحہ کو بھی اس نکاح کے فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہے اور یہ فسخ بحکم حاکم ہوگا جو کہ علاقہ حیدرآباد میں آسان ہے۔

وقوله قالت لاارضى ليس للاحتراز في صورة الاشتراط او الاخبار ليتوقف الفسخ علٰى بلوغها لان المسئلة الثانية التى رضيت الكبيرة فيها يتحقق الاختيار فيها للاولياء والله اعلم۔ ۹ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

## نکاح مرتدہ الخ

(سوال (۳۲۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے شادی کی اور بی بی کو گھر میں اپنے لایا اور خلوت کے چندہ ماہ کے بعد اس کے اولیاء رخصتی کے لئے آئے زید نے

بی بی کو رخصت کر دیا۔ چندروز کے بعد زید نے جو رخصتی چاہی تو اس عورت کے اولیاء حیلے حوالے کرنے لگے چندروز کے بعد رخصتی سے صاف انکار کیا اور خلع چاہنے لگے تو زید نے مجبور ہو کر گورنمنٹ میں رخصتی کے لیے درخواست کی جب اولیاء کو یہ معلوم ہوا تو ان لوگوں نے جھٹ سے اس عورت کو کلمات کفر سکھلا دیئے اس عورت نے کلمات کفر زبان سے کہے اب اولیاء عدالت میں آکر یہ کہتے ہیں کہ لڑکی عاقلہ بالغہ ہو کر اس قسم کی کلمات کفر زبان پر لائی ہے اب زید سے اس کا نکاح ہی کب باقی رہا کہ وہ رخصتی چاہتا ہے نکاح ٹوٹ گیا اس وجہ سے ہم لوگ رخصتی نہیں کر سکتے اس اظہار پر حاکم نے زید سے فتویٰ طلب کیا اور اپنے فیصلہ کو فتویٰ پر موقوف رکھا ہے اب سوال یہ ہے کہ اس عورت نے اولیاء کے سکھلانے سے یا خود اپنی طبیعت سے بغرض فسخ نکاح اگر کلمات کفر کہے ہوں تو عند اللہ نکاح فسخ ہوگا یا نہیں۔

الجواب۔ فسخ ہو گیا عمداً سمجھ کر تلفظ بکلمات کفر خواہ اعتقاد سے ہو یا بلا اعتقاد خواہ اپنی رائے سے یا کسی کی تعلیم سے سب موجب کفر ہے اور کفر موجب فسخ نکاح اس لئے نکاح ٹوٹ گیا اور ساتھ ہی ساتھ تعلیم کرنے والوں کا نکاح بھی ٹوٹ گیا اور جو شخص اس کاروائی سے راضی ہیں سب کا نکاح ٹوٹ گیا لیکن اتنا فرق ہے کہ زید کی بی بی کو تو شرعاً مجبور کیا جاوے گا وہ اسلام لاوے اور اسی شوہر اوّل سے نکاح کرے دوسرے شخص سے اس کو نکاح جائز نہ ہوگا۔ اور تعلیم کرنے والوں اور راضی ہونے والوں کی بیبیوں کو اختیار ہوگا بعد عدت جس سے چاہیں نکاح کرلیں۔ فی الدرالمختار اخبرت بارتداد زوجها فلها التزوج باٰخر بعد العدة الخ وفيه ليس للمرتدة التزوج بغير زوجها به يفتی وفی ردالمحتار حكموا بجبرها علی تجديد النكاح مع الزوج وتضرب خمسة وسبعين سوطا واختارها قاضی خان للفتویٰ اھ ج ۳ ص ۶۹۴ و ۴۰۷، اور جب ان سب کا نکاح ٹوٹ گیا تو اس لئے آئندہ کے سوالات ان سب سے متعلق ہوں گے۔ ۴ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

## منکوحہ کی لڑکی کا نکاح زوج کے نواسہ سے جائز ہے

سوال (۳۲۴) زید کی منکوحہ کی ایک لڑکی جو اس کے پہلے خاوند کی طرف سے اور زید کا حقیقی نواسا جو زید کی دوسری منکوحہ کی لڑکی کا لڑکا ہے آیا اس منکوحہ کی لڑکی مذکورہ کے ساتھ نواسے مذکور کا نکاح جائز ہے یا نہیں۔

## والدہ کی خالہ کی لڑکی سے نکاح کا حکم

سوال (۳۲۵) ہندہ کی حقیقی خالہ کی لڑکی کے ساتھ ہندہ کے لڑکے کا نکاح جائز ہے یا

نہیں جواب بحوالۂ کتب ارشاد فرمائیں۔

الجواب عن السوالین۔ یہ دونوں نکاح جائز ہیں کیونکہ یہ دونوں قرابتیں محرمات سے نہیں۔

کتبہ اشرف علی عفی عنہ ۱۹ رشعبان ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۷۹)

## چچازاد بھائی کی دختر سے نکاح کا حکم

سوال (۳۲۶) چچازاد بھائی کی لڑکی سے شادی جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ جائز ہے لقوله تعالىٰ واحل لكم ماوراء ذلكم۔ (تتمۂ اولیٰ ص۷۹)

## محض تحریری ایجاب وقبول سے نکاح نہ ہونا اور جواز کی شرط

سوال (۳۲۷) زبیدہ جو بالغ ہے (پڑھ لکھ سکتی ہے) کیا بکر کے ساتھ (جو پڑھ لکھ سکتا ہے) بذریعہ تحریر ایجاب وقبول کرسکتی ہے اور کیا یہ نکاح شرعاً درست ہوگا اور اگر دو عاقل اور بالغ مسلمان اپنے قلم سے اسی تحریر پر جن کو یقین ہو کہ وہ تحریر جس کے ذریعہ سے نکاح ہوا ہے زبیدہ اور بکر ہی کے قلم سے ہے تو کیا یہ گواہی شرعاً جائز اور قابل تسلیم ہوگی حالانکہ زبیدہ اور بکر ایک شہر میں موجود نہیں ہیں۔

الجواب۔ اگر دونوں طرف سے تحریر ہی ہوئی ہے تو نکاح درست نہ ہوگا اسی طرح اگر ایک طرف سے تحریر ہوئی اور دوسری طرف سے گواہوں کے روبرو زبانی قبول ہوا لیکن ان گواہوں کو تحریری ایجاب کی زبانی خبر نہیں دی گئی تب بھی نکاح نہ ہوگا اسی طرح گواہوں نے صرف زبیدہ یا بکر یا دونوں کا قلم پہچان کر گواہی کردی تب بھی نہ یہ گواہی درست ہوگی نہ اس گواہی سے نکاح درست ہوگا صرف نکاح درست ہونے کی خاص صورت یہ ہے کہ مثلاً بکر زبیدہ کے نام بدرخواست نکاح خط لکھے اور زبیدہ دو گواہوں کو یا زیادہ کو جو شرعاً گواہی کے قابل ہوں یعنی دو مرد یا ایک مرد دو عورت عاقل بالغ مسلمان جو ان کی زبان سمجھتے ہوں ایک جلسہ میں جمع کرکے ان کے سامنے پورا مضمون خط کا بیان کرے کہ فلاں شخص نے میرے پاس بدرخواست نکاح خط لکھا ہے اور میں اس درخواست کو منظور کرتی ہوں اس کو نکاح میں قبول کرتی ہوں بس اب نکاح درست ہوگیا۔

في ردالمحتار الكتابة من الطرفين بلاقول لا تكفي ولو في الغيبة وفيه من الفتح ينعقد النكاح بالكتاب كما ينعقد بالخطاب وصورته ان يكتب اليها يخطبها فاذا بلغها الكتاب احضرت الشهود وقرأته عليهم وقالت زوجت نفسي منه او تقول ان فلانا كتب الي يخطبني فاشهدو اني زوجت نفسي منه امالولم تقل بحضرتهم سوى زوجت نفسي من فلان لا ينعقد لان سماع الشطرين شرط صحة النكاح

وباسماعهم الكتاب او التعبير عنه منها قد سمعوا الشطرين بخلاف ما اذا انتنيا ج: ۲ ص: ۲۳۴۔ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ تتمہ اولیٰ ص: ۸۸)

سوال (۳۲۸) ماقولکم ایها العلماء الکرام ہندہ عاقلہ بالغہ بست سالہ نے زید کے نام حسب ذیل تحریر بھیجی جناب......صاحب آپ نے بذریعہ تحریر جو پیام نکاح بھیجا وہ میں نے بجان ودل منظور کیا اور میں صاف الفاظ میں کہتی نیز لکھتی ہوں کہ میں نے بعوض دس ہزار روپیہ مہر موجل اپنی ذات کو آپ کے عقد نکاح میں دیا راقمہ (دستخط) زید نے یہ تحریر وصول کر کے چند مستور الحال اہل اسلام کو مطلع کیا نیز قبولیت نکاح ومنظوری مقدار مہر سے آگاہی بخشی اور ہندہ کو بھی اطلاع کر دی کہ میں نے قبول کیا اور چند مسلمان آدمیوں کو میں نے گواہ کر لیا ہے از روئے شرع متین وفقہ عالیہ مذہب امام اعظم اس صورت میں نکاح مابین زید وہندہ منعقد ہو جائے گا یا نہیں۔

الجواب۔ اس طرح نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ لان الشرط سماع الشاهدين الفاظ الزوجين في مجلس واحد ولم يوجد والذى وجد هو الخبر لا الإنشاء وهو الشرط وهذا كله فى الدر المختار ورد المحتار۔ ۱۱ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص: ۷)

سوال (۳۲۹) زید اپنے ربیب کی مطلقہ سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب۔ کر سکتا ہے بلکہ اپنی بی بی کے ساتھ جمع بھی کر سکتا ہے کیونکہ زید کی بی بی اور اس کے ربیب کی بی بی میں ایسا علاقہ نہیں کہ جس کو مرد فرض کریں دوسرے سے نکاح حرام ہو۔ (تتمہ اولیٰ ص: ۹)

## مرتدہ کا بعد توبہ کے غیر زوج اوّل سے نکاح نہ ہونا چاہئے

سوال (۳۳۰) بہشتی زیور حصہ سوم۔ دین سے پھر جانے کے بیان میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ جب کسی نے کفر کا کلمہ زبان سے نکالا تو ایمان جاتا رہا اور جتنی نیکیاں اور عبادتیں اس نے کی تھیں سب اکارت گئیں اور نکاح ٹوٹ گیا پس اگر کسی عورت نے کفر کا کلمہ زبان سے نکالا اور توبہ کر کے پھر مسلمان ہوئی اب وہ کہتی ہے کہ میں کسی دوسرے مرد سے نکاح کروں گی تو اس عورت کے پہلے خاوند کو جس کے نکاح میں یہ تھی اس کو طلاق دینے کی ضرورت ہے یا نہیں شرعاً جو حکم ہو تحریر فرمایئے۔

الجواب۔ اوّل تو جو کلمات کفر فقہاء نے لکھے ہیں ان میں تاویل ممکن ہے اس لیے ان پر کفر کا فتویٰ نہ دینا چاہئے مقصود فقہاء کا زجر ہے اور اگر غیر محتمل تاویل کلمہ بھی کہدیا تب بھی گو وہ کافر ہو جاوے گی مگر اس کو دوسرے مرد سے نکاح نہ کرنے دیں گے فی الدر المختار وليس للمرتدة التزوج بغير زوجها به يفتى وايده فى رد المحتار ج ۳ ص ۴۶۹ فقط۔ ۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص: ۹۲)

## لفظ قبول کے بجائے الحمدللہ کہنے سے نکاح نہ ہوگا

سوال (۳۳۱) زید نے لفظ قبول کی جگہ الحمدللہ کہا نکاح صحیح ہوا یا نہ۔

الجواب۔ فی الدرالمختار و ینعقد بایجاب وقبول وضعا للمضی وبما وضع احدھما لہ ای للمضی والاٰخر للاستقبال اوللحال فالاوّل الامر الخ وفی ردالمحتار تحت قول الدرالمختار لو قال لھا یا عرسی فقالت لبیك الخ مانصه صوابه لم ینعقد فقد صرح فی البحرعن الصیرفیة بان الانعقاد خلاف ظاھرالروایة ومثله فی النھر وکذا فی شرح المقدسی عن فوائد تاج الشریعة الخ ج۲ ص۴۳۳ مصری۔

اس نظیر سے معلوم ہوتا ہے کہ الحمدللہ کہنا موجب انعقاد نکاح نہیں لیکن کوئی جزیہ نہیں ملا بہتر یہ ہے کہ کسی اور جگہ بھی تحقیق کرلیا جاوے۔ فقط ۴ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ

## لڑکی کا سکوت اس وقت اذن ہوگا جبکہ ولی پوچھے ورنہ زبانی جواب ضروری ہے

سوال (۳۳۲) اس طرف یہ دستور ہے کہ جس بالغہ لڑکی کا عقد ہوتا ہے تو اس طریقہ سے ہوتا ہے کہ لڑکی جہاں پردہ میں بیٹھی ہوتی ہے وہاں تین آدمی ایسے جاتے ہیں کہ جو قریب کے رشتہ دار ہوتے ہیں اور اس میں سے ایک تو وکیل ہوتا ہے اور دو گواہ ہوتے ہیں لڑکی کی ماں بہن لڑکی سے کہلواتی ہیں کہ میں نے اپنے نکاح باندھنے کے لئے (وکیل کا نام لیکر) فلاں کو اختیار دیا تو لڑکی یا تو بالکل خاموش رہتی ہے یا رو دیتی ہے یا سر ہلا دیتی ہے پس وہ تینوں آدمی باہر آتے ہیں جس جگہ دولھا اور قاضی وغیرہ موجود ہوتے ہیں اور وہ جو دو گواہ ہیں قاضی کے روبرو یہ بیان کرتے ہیں کہ فلاں بنت فلاں نے اپنا نکاح کردینے کے لیے فلاں شخص کو (جس سے وکیل مراد ہوتا ہے) اختیار دیا ہے ہمارے روبرو پس قاضی وکیل سے مہر کی تعداد معلوم کرتا ہے اور نکاح پڑھانے کی اجازت چاہتا ہے جب وکیل نے اجازت دیدی تو قاضی نے خطبہ وغیرہ پڑھا اور دولہا سے کہا کہ مسماۃ فلاں بنت فلاں نے اپنے نفس کا اختیار بالعوض اپنے مہر (جتنی تعداد مقرر ہوئی) نصف معجّل اور نصف موٴجل کے تجھ کو دیا وہ کہتا ہے کہ میں نے قبول کیا اور ان دو گواہ اور وکیل کے نام معہ نام قاضی و دولہا دلہن درج رجسٹر سرکاری ہو جاتے ہیں تو دریافت طلب یہ ہے کہ قاعدہ مذکورہ بالا درست ہے یا نہیں اگر نہ ہو تو اصلاح فرمادی جاوے۔

الجواب۔ یہ سکوت لڑکی کا جبکہ پوچھنے والا ولی نہیں ہے معتبر نہیں پس یہ وکالت درست نہیں گواہوں کا یہ کہنا کہ لڑکی نے اختیار دیا ہے جھوٹی گواہی ہے پس یہ نکاح درست نہیں ہوا اور البتہ اس کے بعد جب رخصت ہو کر دولھا کے گھر آئی اور صحبت کے وقت انکار نہ کیا اس وقت وہ نکاح جواب تک معلق

وموقوف تھا صحیح ہوا لیکن چونکہ بروقت نکاح پڑھنے کے صحیح نہ ہوا تھا اس لئے یہ خلوت اور اس کو ہاتھ لگانا اور برہنہ کرنا اور برہنہ دیکھنا اور بے پردگی یہ کس طرح جائز ہوگی اسلئے اس کی اصلاح یہ ہے کہ اگر لڑکی نابالغ ہو تب تو ولی سے اجازت لی جاوے اور اگر بالغ ہو تو اس لڑکی سے ولی کو دریافت کرنا چاہئے اس کے دریافت کرنے پر جو سکوت کرے گی وہ اذن ہے پھر ولی کا اجازت دینا صحیح ہوگا اور اگر خواہ مخواہ وکیل ہی بننا ضروری ہے تو پھر ضرور ہوگا وہ لڑکی اپنی زبان سے اس وکیل کو اجازت نکاح کی دے اگر زبان سے نہ کہے گی تو وہی خرابی ہوگی جو اوپر مذکور ہوئی اس مسئلہ کو اچھی طرح لوگوں میں شائع کر دینا چاہئے۔

(تتمۂ اولیٰ ص: ۹۴)

## جواز نکاح بایجاب وقبول وکیل روبروئے شاھدین

سوال (۳۳۳) ایک مسئلہ دریافت طلب آں حضرت قبلہ کے حضور میں پیش ہے۔ زینب و زید میں آپس میں مناکحت کا اقرار ہوا زینب نے زید سے کہا کہ مجھے تمہارے ساتھ نکاح کرنا منظور ہے میں تم کو اپنا وکیل مقرر کرتی ہوں اپنے ساتھ میرا نکاح دو گواہوں کے روبرو کرلو۔ زید نے دو گواہوں کے روبرو اس طرح پیش کر کے کہا کہ بحیثیت وکیل مسماۃ زینب میں مسماۃ زینب کے اقبال و منظوری نکاح کو ہمراہ زید کے (میرے) ظاہر کرتا ہوں اور بحیثیت خود اقبال و منظوری نکاح کا اقرار کرتا ہوں آپ لوگ اس امر کے شاہد رہئے۔ گواہوں نے سن کر شہادت مناکحت زید و زینب منظور کر لی۔ آیا اس قسم کا نکاح جائز ہے۔

الجواب۔ جائز ہے۔ ۲۲؍رجب ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص: ۵۷)

## حکم نکاح فرزند خود بادختر مزنیہ خود کہ زوج آں مزنیہ زندہ است وشبہ است کہ دختر از نطفہ زانی باشد از شوہر مزنیہ

سوال (۳۳۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کی موجودگی میں بکر کی زوجہ سے ناجائز تعلق پیدا کیا بکر کی زوجہ کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی یہاں پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ دختر معلوم نہیں زید کے نطفہ سے یا بکر کے نطفہ سے کس کے نطفہ سے پیدا ہوئی ہے اور زید کی اصلی بی بی سے زید کے نطفہ سے ایک لڑکا ہوا ہے اب اس لڑکی اور لڑکے میں نکاح جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ فتویٰ سے جائز ہے مگر احتیاط کے خلاف ہے۔ ۱۵؍رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۷۰)

## حکم نکاح مرد و زن کہ ہر دو مدعی زوجیت اند، وقبل ازاں نکاح نہ شدہ باشد

سوال (۳۳۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ قوم طوائف سے تھی اور پیشہ ناچ گانے وغیرہ کا کرتی تھی جب زید سے اس کا تعلق ہوا تو زید نے اس کو سمجھا کر پیشہ ناچ گانے وغیرہ سے توبہ کرادی اور ہندہ اس کو قطعی چھوڑ کر زید کے پردہ کے مکان کے اندر رہنے لگی زید کے آدمی کے سوا کوئی غیر شخص آجا نہ سکتا تھا اور زید اور ہندہ دونوں مثل میاں بیوی کے رہنے لگے اور ہر دو اشخاص نے دو شخصوں کے روبرو کہا کہ ہم دونوں میاں بیوی ہیں اب فرمائیے کہ ہندہ زید کی بیوی ہوئی یا نہیں۔

الجواب۔ **في ردالمحتار عن الفتح قال قاضي خان وينبغي ان يكون الجواب علی التفصيل ان اقرا بعقد ماض ولم يكن بينهما عقد لايكون نكاحا وان اقرا لرجل انه زوجها وهي انها زوجته يكون نكاحا و يتضمن اقرارهما الإنشاء الخ ج۲ ص۴۳۵۔** اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب دونوں نے دو گواہوں کے روبرو اقرار کرلیا (بشرطیکہ وہ دونوں مرد ہوں اور دونوں اقرار ایک ہی مجلس میں ہوں) تو نکاح ہو گیا۔ ۱۶رشوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانی ص:۷۹)

سوال (۳۳۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عرصہ بارہ سال کا ہوتا ہے کہ ایک مرد اور عورت سے تعلق بلا عقد نکاح ہو کر لڑکا تولد ہوا اور چند روز بعد عورت لڑکے کو لیکر دوسرے ملک میں جا کر رہنے لگی کئی برس بعد مرد بھی اس ملک میں گیا عورت مرد کے پاس خود آئی اور مرد کو اپنے مکان پر لے گئی اور آدمیوں سے کہا کہ ہمارا خصم آیا ہے اور مرد نے بھی آدمیوں سے کہا ہماری جورو ہے دوسرے ملک میں تین سال گزرے دونوں کو رہتے ہوئے اور جبکہ مرد عورت کو جورو تسلیم کرتا ہے ہر آدمی کے سامنے اور عورت خصم قبول کرتی ہے ہر آدمی کے سامنے اہل محلہ مرد کو خصم اور عورت کو بی بی کہتے ہیں اور جانتے ہیں اور مرد وعورت اہل محلہ کے اس کہنے کو قبول کرتے ہیں تو ایسی حالت میں دونوں کا کیا حکم ہے بموجب دستور زمانہ نکاح کی ضرورت ہے یا نہیں عورت کا وارث ابتداء سے نہیں ہے از روئے شرع محمدی کیا حکم ہے۔

الجواب۔ اس میں کئی قول ہیں اور قاضی خان نے اس تفصیل کو پسند کیا ہے۔

**ان اقرا بعقد ماض ولم يكن بينهما عقد لايكون نكاحا وان اقرالرجل انه زوجها وهي انها زوجته يكون نكاحا ويتضمن اقرارهماالإنشاء الخ كذا في ردالمحتار عن الفتح ج۲ ص۴۳۵۔**

اس بناء پر اس مرد وعورت کے ان قولوں سے نکاح نہیں ہوا۔ **لان قول المرأة یتضمن الاقرار بعقد ماض لان معناه ان الرجل الذی هو زوجی قبل المجیئی قدجاء۔** ان کو اب نکاح باقاعدہ کرلینا چاہئے۔ ۴؍رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۱۶۰)

## جواز نکاح زن با پدر نسبی برادر رضاعی خود

سوال (۳۳۷) عبدالقدوس نامی ایک شخص ہیں ان کی زوجہ کے ایک لڑکا تولد ہوا اور ان ایام میں زوجہ عبدالقدوس کے دودھ نہ اترتا تھا تو زوجہ عبدالقدوس کی خالہ نے آکر اپنا دودھ اس لڑکے کو پلایا اور جنھوں نے دودھ پلایا ہے وہ رشتہ میں اس طرح کی خالہ ہیں کہ زوجہ عبدالقدوس کی والدہ کے انتقال کے بعد زوجہ عبدالقدوس کے والد صاحب نے عقد ثانیہ کیا ہے اسی زوجہ عقد ثانیہ کی یہ عورت جس نے دودھ پلایا ہے ہمشیرہ تھی اور اسی طرح سے اس عورت کی ایک لڑکی تھی بعد وفات زوجہ عبدالقدوس کے اپنی لڑکی کا عقد عبدالقدوس سے کردیا آیا یہ عقد جائز ہوا یا نہیں۔

الجواب۔ اس صورت میں یہ لڑکی جو کہ زوجہ عبدالقدوس کی سوتیلی والدہ کی بھانجی ہے ابن عبدالقدوس کی ہمشیرہ رضاعی ہے تو اس کا نکاح جو عبدالقدوس سے ہوا تو اپنے رضاعی بھائی کے نسبی باپ سے ہوا تو یہ جائز ہے۔ **فی الدر المختار یجوز تزوجه بام اخیه وتزوجها بابی اخیها الخ مع ردالمحتار ج ۲ ص ٦٦٩۔** ۲۵؍ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۰۰)



## غلطی نکاح خواں در عقد بمرد دیگر وعدم صحت ایں نکاح

سوال (۳۳۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ لڑکی صغیرہ نابالغہ مسماۃ رقیہ کے باپ نے اپنے لڑکے مسمی داؤد کو جو کہ لڑکی مذکورہ کا سوتیلا بھائی ہے اجازت دی کہ رقیہ کا نکاح زید سے جاکر پڑھا دو بعدہ داؤد ایک ایسے جلسہ میں نکاح پڑھانے کے واسطے گیا جہاں دو تین لڑکوں کا نکاح تھا از اں بعد قاضی نے بذریعہ ولایت داؤد کی غلطی سے عمرو سے قبول کرادیا پھر اسی جلسہ میں داؤد نے انکار کیا کہ عمرو سے نکاح کرنے نہیں آیا ہوں پھر قاضی نے اسی جلسہ میں زید سے قبول کرایا، اب صورت مذکورہ بالا میں رقیہ کا عقد عمرو سے صحیح ہوا یا زید سے۔

الجواب۔ داؤد وکیل ہے اور قاضی عمرو کے ساتھ نکاح پڑھ دینے میں فضولی ہے اس کا یہ تصرف لڑکی کے باپ کی اجازت پر موقوف تھا مگر جب داؤد کی اجازت سے قاضی نے زید سے نکاح پڑھا تو بوجہ وکالت کے یہ ایسا ہوا جیسے خود لڑکی کے باپ نے یہ دوسرا نکاح پڑھا اور فضولی کے تصرف موقوف

کے بعد اگر اصیل یا اس کا وکیل کہ بمنزلہ اصیل کے ہے خلاف تصرف فضولی کے تصرف کرتا ہے تو اس سے وہ تصرف موقوف فضولی کا باطل ہو جاتا ہے اس لئے عمرو سے جو نکاح پڑھا گیا وہ باطل ہو گیا اور زید کے ساتھ جو نکاح پڑھا گیا وہ صحیح ہوا مگر یہ جواب اس صورت میں ہے کہ لڑکی کے باپ نے داؤد کو اس کا بھی اختیار دیا ہو کہ قاضی سے نکاح پڑھوائے ورنہ وکیل کو توکیل درست نہیں اور زید سے جو نکاح پڑھا گیا ہے اس میں ایجاب مستقل بھی ہوا ہو یہ نہ کیا ہو کہ عمرو کے ساتھ جو ایجاب ہوا تھا اس پر کفایت کی ہو اگر ان دونوں امر میں سے کوئی امر بھی کم ہو یعنی یا تو داؤد کو اس کی اجازت نہ دی گئی ہو کہ قاضی کو نکاح پڑھانے کی اجازت دے یا عمرو کے ایجاب پر کفایت کی ہو تو یہ جواب نہیں ہے مکرر سوال کیا جاوے۔

(تتمۂ ثانیہ ص:۱۴۸)

## عدم استحباب ایجاب وقبول بسہ مرتبہ

سوال (۳۳۹) نکاح میں ایجاب وقبول جو تین مرتبہ کہلایا جاتا ہے آیا واجب ہے یا سنت مؤکدہ یا مستحب۔ بینوا توجروا بحوالہ کتب معتبرہ حنفیہ۔

الجواب۔ کچھ بھی نہیں۔ ۲۰ رجمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۱۴۸)

## ابن الزنا کے ساتھ صحیح النسب عورت کے نکاح کا حکم

سوال (۳۴۰) ایک شخص ہے ولد الزنا جس کی عمر ۲۰ سال کی ہے اب تک اس کی شادی نہیں ہوئی جب کہیں پیغام دیا جاتا ہے تو لوگ یہ عذر کرتے ہیں کہ ایسے آدمی کے پیچھے نماز درست نہیں ہے تو نکاح کیونکر درست ہوگا یہ کہہ کر نسبت قائم نہیں کرتے پس اس صورت میں شخص مذکور کا نکاح صحیح النسب عورت سے درست ہے کہ نہیں اگر کیا جائے خواہ کوئی عورت بالغہ خود کرے خواہ کسی نابالغہ کا کوئی ولی کرے ہر دو صورت میں نکاح درست ہوگا کہ نہیں شخص مذکور یقینی ولد الزنا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ جس عورت بالغہ کا کوئی ولی نہ ہو یا جس عورت بالغہ کا کوئی ولی ہو اور وہ عورت اور وہ ولی دونوں اس کے ساتھ نکاح کرنے پر رضامند ہوں اس کا نکاح درست ہے باقی صورتوں میں اختلاف ہے اس لیے نابالغہ کا اس سے نکاح کرنا یا بالغہ کا بدون رضائے ولی کے اس سے نکاح نہ کرنا چاہئے۔

۱۰ ررمضان ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۱۶۲)

## ولدیت میں غلطی سے نکاح منعقد نہ ہونا

سوال (۳۴۱) وقت نکاح اگر زوجین نابالغین کی ولدیت بیان کرنے میں فرق پڑ جائے تو نکاح ہوگا یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدرالمختار غلط وکیلها بالنکاح فی اسم ابیها بغیر حضورها لم یصح للجهالة وکذا لو غلط فی اسم ابنته الا اذا کانت حاضرة واشار الیها فیصح فی ردالمحتار قوله الا اذا کانت راجع الی المسألتین الخ اس سے ثابت ہوا کہ ولدیت کی غلطی سے نکاح نہ ہوگا البتہ اگر وہ سامنے ہو اور اس کی طرف نام لینے کیوقت اشارہ بھی کیا ہو تو نکاح ہو جاوے گا۔ ۱۰ محرم ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص:۷)

## جمع درمیان زنے وزوجۂ پدر او

سوال (۳۴۲) زید نے اپنی زوجہ کے حین حیات ہی میں اپنے خسر کی منکوحہ بیوہ سے یعنی اپنی زوجہ کی مادر سے اپنا نکاح کرلیا تو شرعاً یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدرالمختار فجاز الجمع بین امرأة وبنتِ زوجها اس روایت سے ثابت ہوا کہ یہ نکاح جائز ہے۔ ۱۰ رشوال ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص:۸۷)

## جواز زیادت علی الاربعہ در اماء

سوال (۳۴۳) جس زید کے ایک یا دو یا تین چار زوجۂ حُر موجود ہیں تو یہ زید اپنی زرخرید کنیز سے بھی وطی بے نکاح کرسکتا ہے یا کنیز سے وطی کو بھی بحضور شاہدین نکاح شرط ہے۔

الجواب۔ فی الدرالمختار وصح نکاح اربع من الحرائر والاماء فقط للحر اکثرولہ التسری بما شاء من الاماء فلوله اربع والف سریة واراد شراء اخریٰ فلامه رجل خیف علیه الکفراھ۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ چار منکوحہ کے بعد بھی کنیز صحبت کے لیے خریدنا درست ہے اور اس سے نکاح کی ضرورت نہیں لیکن یہ یاد رہے کہ ہندوستان میں جو کنیزیں کہلاتی ہیں وہ شرعاً کنیز نہیں ہیں ان سے صحبت درست نہیں وہ حکم حرائر میں ہیں۔ ۱۰ رشوال ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص:۸۷)

## تحقیق نکاح زن مکررۃ الاعضاء

سوال (۳۴۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے دو لڑکی جڑی ہوئی پیدا ہوئیں کہ جن کے دو دو پیر اور دو دو ہاتھ اور جدا جدا سر اور جدے جدے پیشاب کے راستے مگر مقام براز دونوں کا ایک ہی ہے چونکہ کمر سے اوپر کا حصہ جدا جدا ہے اور کمر سے مع سرین کے ایک ہے اب اس کو ایک سمجھا جاوے گا یا دو اگر زید نکاح کا ارادہ کرے تو کیا اجازت ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ جو اعضاء مکرر ہیں اگر ان دونوں سے ان کے افعال مختصہ صادر ہوتے ہیں تب تو

وہ دولڑکیاں ہیں ورنہ ایک لڑکی پس ایک ہونے کی صورت میں تو اس کا نکاح مرد سے جائز ہے بقیہ اعضاء کو زائد سمجھا جاوے گا اور دو ہونے کی صورت میں دیکھنا چاہئے کہ وہ اسی طرح سے رکھی جائیں گی یا حکماء کے مشورہ سے ان کو جدا جدا کر دیا جائے گا، اگر جدا جدا کر دیا جائے تب بھی دونوں کا نکاح دو مردوں سے درست ہے اور اگر ملی ہوئی رہیں تو ان کا نکاح کسی سے نہیں ہوسکتا کیونکہ اگر دونوں کا ایک مرد سے کیا جاوے تب تو دو بہنیں ایک شخص سے نکاح نہیں کرسکتیں اور اگر ایک مرد سے ایک ہی کا کیا جاوے تو اسلئے جائز نہیں کہ اس سے تمتع بدون دوسری سے تمتع ہوئے ممکن نہیں اور غیر منکوحہ سے تمتع حرام ہے پس موقوف علی الحرام بھی حرام ہے خصوص جبکہ عضو مشترک میں احتمال ہے کہ یہ شاید غیر منکوحہ کا ہو یا منکوحہ وغیر منکوحہ میں مشترک ہو جیسے کہ خنثیٰ سے نکاح ایسے ہی اشتباہ کے سبب باطل ہے۔ وقد صرحوا بہ۔ ۱۰ رشعبان ۲۵ھ (تتمۂ خامسہ ص:۲۰)

## عدم جواز نکاح با دو زنان کہ باہم توام و متفق اند

سوال (۳۴۵) آج کل نمایش ہو رہی ہے اس میں ریاست میسور کے برہمنی کی دولڑکیاں توام بھی آئی ہیں ایک کا داہنا کولھا دوسری کے بائیں کولھے سے خلقۃً جڑا ہوا ہے۔ اس طرح کہ نہ ایک تنہا بیٹھ سکتی ہے نہ لیٹ سکتی ہے نہ چل سکتی ہے نہ پاخانہ پیشاب کو جاسکتی ہے نہ دونوں الگ الگ پاجامہ پہن سکتی ہیں دونوں کا ایک ہی لہنگا ہے، چار پاؤں چار ہاتھ غرض سب اعضاء الگ الگ ہیں یہ سب امور میں نے اور حافظ یعقوب صاحب گنگوہی اور حاجی احمد مرزا صاحب نے اپنی آنکھ سے دیکھے ہیں اور سینکڑوں آدمی مرد و عورت ہر روز ان کو دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ یہ دوسروں سے معلوم ہوا کہ بھوک پیاس نیند پاخانہ پیشاب کی حاجت تندرستی بیماری اور طمث طہر سب دونوں کو ساتھ ساتھ ہوتے ہیں چودہ پندرہ برس کی عمر سے صرف اتنا فرق ہے کہ مجرائے بول ایک کے ہے دوسری کے نہیں جب صاحب مجرے پیشاب سے فارغ ہو جاتی ہے تو دوسری بھی فارغ ہو جاتی ہے۔ مجرائے طمث الگ الگ ہیں یہ حال عرض کرنے سے مقصود یہ پوچھنا ہے کہ اگر دونوں مسلمان ہوتیں یا ہو جائیں تو شرعاً ان کے نکاح کی کیا صورت ہوگی۔

الجواب۔ **فی الدر المختار المفضاۃ مانصہ وانہ لایحل وطؤھا الا ان امکن الاتیان فی القبل بلا تعدج ص ۱۴۱** اس سے ایک کلیہ ثابت ہوا جس عورت سے وطی کرنا بدون ارتکاب معصیت کے عادۃً ممکن نہ ہو اس سے وطی کرنا حرام ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں اگر ایک سے وطی کی جائے تو وطی کرنے والے کو دوسری سے نہ تو انتفاع حلال ہے کیونکہ دونوں اخت ہیں اور نہ اس دوسری کے لمس و نظر و تعری سے عادۃً بچ سکتا ہے اس لیے کلیہ مذکورہ کی بناء پر منکوحہ سے بھی وطی حرام ہوگی یہ حکم تو وطی کا

ہے باقی نکاح کی صحت میں کوئی امر مانع نہیں ہوتا لیکن یہ نکاح فائدہ سے خالی ہونے کے سبب لغیرہ منہی عنہ سے ہوگا جیسے منکوحہ کا اگر کوئی شخص حق ادا نہ کر سکے جس کو خوف جور سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کے لیے حسب تصریح فقہاء نکاح کرنا مکروہ ہے اور جیسے منکوحہ اگر مصاہرۃً حرام ہو جاوے نکاح تو باقی ہے مگر اس کا امساک بالمعروف چونکہ ممکن نہیں اس لئے تسریح باحسان واجب ہوگا یہاں پہلے ہی سے نہی عن النکاح کا حکم کیا جاوے گا ولو لغیرہ مع حکم الصحۃ ۔ ۲ رجمادی الاخریٰ ۱۳۴۳ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۳۶۳)

مشورہ۔ اگر ڈاکٹر دونوں کو جلد قطع کر کے علیحدہ کر سکیں تو پھر سب اشکال رفع ہو جاویں۔

## خلوت صحیحہ بودن از فرار زوجہ از مکان خلوت

سوال (۳۴۶) ایک مرد اپنی عورت کے پاس گیا اور کواڑ بند کیا فوراً عورت نکل کر دروازہ کھول کر باہر نکل گئی دو ایک منٹ کا عرصہ گھر میں ہوا ہوگا کیا یہ خلوت صحیحہ ہوگی مہر پورا دینا ہوگا یا نصف فقہاء عدم مانع کے قیود لکھتے ہیں مگر وقت کی مقدار نہیں بتلاتے اور یہاں ایک قصہ ایسا ہی ایک جگہ ہوا ہے سائل کو کیا جواب دیا جاوے۔

الجواب۔ جزئیہ کی تحقیق تو دیوبند سے کر لیجئے باقی قواعد سے جو مجھ کو شرح صدر ہوا وہ یہ ہے کہ خلوت کو قائم مقام وطی کے اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں تمکن من الوطی ہے اور جتنے موانع خلوت کے ذکر کئے ہیں سب میں امر مشترک عدم تمکن من الوطی ہے پس معلوم ہوا کہ اصل مانع یہی عدم تمکن ہے اور صورت مسئولہ میں یہ متحقق ہے پس اس کا مقتضی یہ ہے کہ اس صورت میں خلوت صحیحہ نہ ہو۔ واللہ اعلم۔
۲۵ رصفر ۱۳۳۸ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۱۳۹)

## صحیح بودن نکاح بقبول وکیل ولی دختر

سوال (۳۴۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین صورت مسئولہ میں کہ یہاں نکاح کا طریقہ یہ ہے پہلے نسبت ہوتی ہے جس میں تمام امور طے ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ وقت نکاح سے چند گھنٹے پہلے قاضی صاحب کو ولی کی طرف سے اس کی اطلاع دی جاتی ہے کہ فلاں کا نکاح فلانے کے ساتھ اتنے مہر میں ہوگا فلاں فلاں وکیل وگواہ ہوں گے اور آپ نکاح پڑھائیں گے قاضی صاحب اپنے رجسٹر میں حسب قاعدہ تمام باتیں درج کر لیتے ہیں پھر خود ولی یا اس کی اجازت حاصل کر لیں لڑکی سکوت وغیرہ سے اجازت دے دیتی ہے اب وکیل وہر دو گواہ قاضی صاحب کے پاس مجلس نکاح میں حاضر ہوتے ہیں مجلس میں بہت سے لوگ ہوتے ہیں قاضی صاحب وکیل سے نکاح کی اجازت لیکر خطبہ پڑھتے ہیں اور خطبہ کے بعد وکیل کی طرف مخاطب ہو کر قاضی صاحب بآواز بلند کہتے ہیں (کیونکہ وکیل

عموماً اپنے مطلب کو بخوبی ظاہر نہیں کر سکتے ہیں) آپ نے اپنی وکالت سے ان دوشاہدوں (شاہدین کی طرف اشارہ کرکے) کی شہادت سے اور حاضرین مجلس کی شہادت سے پچاس ٹکل زر خالص مہر موجل کی عوض میں فلانہ بنت فلاں کو فلاں بن فلاں کی ذات کے تئیں آپ نے نکاح کر کے دیا وکیل جواب دیتا ہے کہ ہاں دیا اسی وقت قاضی صاحب نوشہ کی جانب متوجہ ہو کر خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ نے سنا پھر سے سنئے فلاں نے اپنی وکالت سے فلانہ بنت فلاں کو پچاس ٹکل زر خالص مہر کے عوض میں آپ کی ذات کے تئیں نکاح کر کے دیا آپ نے قبول کیا نوشہ جواب دیتا ہے قبول کیا پھر قاضی صاحب کہتے ہیں کہ جو الفاظ میں کہتا ہوں وہی الفاظ آپ بھی کہیں کہو **نکحتها و قبلتها وزوجتها** نوشہ انہیں الفاظ کو دہراتا ہے حاضرین مجلس میں سے بہت سے لوگ ان تمام کاروائیوں کو دیکھتے اور سنتے ہیں عام طور سے یہاں نکاح اسی طریق پر ہوتا ہے لیکن اس وقت بعض علماء نے اعتراض کیا اور فرمایا کہ یہ ایجاب وقبول قابل اعتماد نہیں اور نکاح نہیں ہوا کیونکہ وکیل کی موجودگی میں قاضی صاحب کے واسطہ ہونے کی ضرورت نہیں ان الفاظ کو خود وکیل کہے اور نوشہ جواب دے قاضی کی ترجمانی نکاح کے لئے مفسد ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا فی الواقع نکاح صورت مذکورہ میں نہیں ہوتا ہے اور کیا یہ مسئلہ مختلف فیہ فیما بین علماء ہے یا ائمہ احناف وشوافع کا مختلف فیہ ہے کیا ہے ہم میں سے بعض اصحاب شافعی بھی ہیں مہربانی فرما کر جواب میں نقل مذہب کے ساتھ حوالہ کتب بھی دیں بلکہ نقل عبارت بہت مناسب ہوگا اگر لڑکا یا لڑکی دو میں سے کوئی ایک شافعی اور دوسرا حنفی ہو تو کیا حکم میں بھی فرق ہو جاوے گا یہ بھی اسلئے سوال ہے کہ یہاں کبھی کبھی زوج تو حنفی ہوتا ہے اور زوجہ شافعی ایسی حالت میں طرفین میں اختلاف ہو جاتا ہے بہر حال جواب میں تمام شقوں کو صاف کر دیا جاوے تا کہ آئندہ یہ مسئلہ طے شدہ سمجھا جاوے اور نزاع سے پرہیز کی تدابیر اختیار کی جاوے۔ فقط والسلام۔

**الجواب۔ فی الدر المختار والاصل عندنا ان کل من ملک قبول النکاح بولایة نفسه انعقد بحضرته الٰی قوله والا صل ان الآمرمتی حضر جعل مباشرا له فی ردالمحتار لانه اذ کان فی المجلس تنتقل العبارة الیه کما قدمناه** (فی الصفحة السابقة) ج:۲ ص:۴۴۸ و ۴۴۹۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ مامور من الولی اگر مجلس میں رہ کر کچھ بھی نہ بولتا تب بھی قاضی کے عقد کرنے کے وقت اس کا موجود رہنا ہی صحت نکاح کے لئے کافی تھا اور یہاں تو قاضی کے سوال کیوقت یہ خود بولا ہے تو حقیقۃً عقد اس نے کیا ہے عدم جواز نکاح کی کوئی وجہ نہیں اور شافعی کے مذہب کی مجھ کو تحقیق نہیں نہ میرے پاس کتاب ہے اور نہ مہارت مگر ظاہر اس میں کوئی اختلاف کی بات نہیں بہتر یہ ہے کہ کسی شافعی عالم سے پوچھ لیا جاوے۔ ۸ محرم ۱۳۴۰ھ (تتمۂ خامسہ ص:۲۱۲)

## حکم شادی صغرسنی

سوال (۳۴۸) قولہ اس میں شک نہیں کہ ایک مسلمان کے لئے کسی امر الٰہی کی نوعیت کا بدلنا حرام ہی نہیں بلکہ نافرمان اور مجرم بنانا ہے لیکن نابالغ لڑکیوں کے جواز نکاح کا کوئی حکم اسلام میں نہیں ملتا اسلام میں اس کی کوئی پوزیشن نہیں پائی جاتی بخلاف اس کے قرآن مجید کے پارۂ چہارم رکوع ۱۲ میں نکاح کی عمر بتائی گئی ہے۔ وابتلوا الیتٰمٰی حتی اذا بلغوا النکاح

اقول۔ آدمی جس فن کو نہ جانے اس میں کیوں دخل دے آیت کا مفہوم تفاسیر میں تو دیکھ لیا ہوتا یہاں قابلیت نکاح سے مراد پوری قابلیت ہے اور پوری قابلیت بلوغ سے ہوتی ہے کیونکہ اس سے قبل وہ توالد وتناسل کی صلاحیت نہیں رکھتا اور نکاح سے اصل مقصود یہی ہے پس پوری قابلیت نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے قبل نکاح جائز نہ ہو ورنہ لازم آوے گا کہ آج تک قرآن کو نہ کسی عالم نے سمجھا نہ کسی مجتہد نے کیوں کہ مجتہدین کے اجتماعی فتویٰ کتب مذہب میں نابالغ کے نکاح کے جواز میں مدون ہیں۔

قولہ۔ نابالغہ کے نکاح کے جواز میں اکثر حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نکاح پیش کیا جاتا ہے لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ صدیقہؓ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی حالت میں ہوا جب آپ نابالغہ تھیں ہم فروری ۱۹۲۶ء کے بلاغ میں اس غلطی کا ازالہ کر چکے ہیں کتاب اکمال فی اسماء الرجال کے ترجمہ کے ص ۱۲ پر حضرت اسماء کے حال میں لکھا ہے کہ حضرت اسماءؓ کا بیٹا حضرت عبداللہ بن زبیر ۷۳ھ میں سولی دیا گیا اور آپ اس واقعہ فاجعہ کے دس یا بیس دن بعد فوت ہوئیں اس سے معلوم ہوا کہ آپ (یعنی حضرت اسماء) کی وفات بھی ۷۳ھ میں ہوئی وفات کے وقت آپ کی عمر سو (۱۰۰) برس کی لکھی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت ہجرت کے ستائیس سال پہلے ہوئی ہے اور چونکہ حضرت عائشہؓ حضرت اسماءؓ سے دس سال چھوٹی تھیں اس لئے حضرت عائشہؓ بالضرور ہجرت سے سترہ سال پہلے پیدا ہو چکی تھیں یا یوں کہو کہ ہجرت کے وقت آپ کی عمر سترہ سال کی تھی اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ آپ کو زفاف ہجرت سے دو یا تین سال بعد ہوا پس اظہر من الشمس ہے کہ جناب حضرت عائشہ صدیقہؓ زفاف کے وقت انیس یا تیکیس سال کی تھی اس سے ثابت ہے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح ان کی بلوغت میں ہوا اب تو اس کی سند صحیح موجود ہے۔

اقول۔ کیا اچھی سند موجود ہے جس اکمال میں یہ لکھا ہے اسی اکمال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں یہ بھی تو دیکھا ہوتا کہ زفاف کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر نو برس کی تھی اور زفاف ہجرت کے اٹھارہ مہینے یا سات مہینے بعد ہوا اور نکاح ان سے تین برس قبل ہجرت ہوا تو نکاح کے وقت

چھ یا سات برس کی ہوئیں اور حضور کی خدمت میں نو سال رہیں اور حضور کی وفات کے وقت اٹھارہ سال کی تھیں آہ یہ کیا بات ہے کہ اکمال کے ایک جزو کو مانتے ہو دوسرے کو نہیں مانتے ہو اب اکمال کو چھوڑ کر کہیں اور جگہ سے ثابت کرو جیسا ہم اکمال سے زیادہ قوی دلیل سے ثابت کرتے ہیں سنو صحیح مسلم میں خود حضرت عائشہؓ اپنا قصہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا جب یہ سات برس کی تھیں اور زفاف ہوا جب نو برس کی تھیں اور آپ کی وفات ہوئی جب یہ اٹھارہ سال کی تھیں اور حدیث صحیح کے مقابل کوئی تاریخ نہیں ہو سکتی مورخین کے پاس محدثین کی سی سند نہیں ہوتی۔

## فائدہ متعلقہ بمبحث نکاح صغر سن کہ در قانون ساختن یا نہ ساختن او در میان قوم اختلاف افتاد

نمبر ۱...... حضرت عائشہؓ کی حدیث فعلی ہے جس میں جاہل کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید خصوصیت حضور کی ہو میں ایک قولی حدیث لکھتا ہوں جو قانون عام ہے جس میں یہ شبہ نہیں ہو سکتا وہ حدیث یہ ہے۔

عن عمر بن الخطاب وانس بن مالك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال في التوارة مكتوب من بلغت ابنته اثنتي عشرة سنة ولم يزوجها فاصابت اثما فاثم ذلك عليه رواه البيهقي في شعب الايمان (مشكوة باب الولي في النكاح)

نمبر ۲...... ساری خرابی اس سے ہوئی کہ مضمون لکھنے والوں نے اصل دلائل یعنی قرآن وحدیث سے استدلال کرنا شروع کر دیا جاہلوں نے اس میں شبہات نکالنا شروع کر دیئے یہ کام علماء ومجتہدین کا ہے ہم کو اتنا کافی ہے کہ جو کتابیں مذہبی تسلیم کر لی گئی ہیں یعنی فقہ کی کتابیں جن کو گورنمنٹ نے بھی مذہبی کتابیں مان لیا ہے اس میں جواز موجود ہے پس جواز کا حکم مذہبی ہوا۔

نمبر ۳...... بڑا شبہ ان جاہلوں کا یہ ہے کہ شرعی جائز کو قانوناً ممنوع کرنا مداخلت مذہبی نہیں ہے ورنہ ٹیکہ سے انکار جائز ہے اور قانوناً یہ انکار جرم ہے پس یہ بھی مداخلت ہونا چاہئے حالانکہ اس کو کوئی مداخلت نہیں کہتا اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی ایک تحقیقی، الزامی تو یہ گاؤ کشی بھی واجب نہیں جائز ہے تو کیا کوئی مسلمان گوارہ کر سکتا ہے کہ یہ قانوناً جرم ہو جائے اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ جائز کے دو درجے ہیں ایک محض مباح جس میں کوئی حیثیت دین اور طاعت کی نہیں جیسے معالجہ امراض کا اور اس کا ترک اور دوسرا درجہ جس میں کوئی حیثیت دین اور طاعت کی بھی ہے اور معیار اس کا یہ ہے کہ اس کی فضیلت اور ترغیب شریعت میں آئی ہو جیسے نکاح کہ اس کی تاکید وارد ہے اور اس کے ترک بلا عذر پر وعید بھی یہ صاف دلیل ہے اس کے دین ہونے کی اسی لئے فقہاء نے جو نکاح کے اقسام اور ان کے احکام

لکھے ہیں ان میں کوئی درجہ مباح کا نہیں ہاں عارض کے سبب مکروہ تو ہو جاتا ہے مگر فی نفسہ طاعت ہی ہے اور فقہاء نے اس کو اس درجہ کی طاعت فرمایا ہے کہ اس کو اشتغال بالتعلیم والتعلم والتخلی للنوافل سے افضل کہا ہے، کذا فی الشامی۔

پس نکاح کا کوئی نیا قانون بنانا مداخلت فی الدین ہے اور معالجہ کا قانون بنانا مداخلت فی الدین نہیں ہے یہ فرق ہے دونوں میں اس پر اگر کوئی شبہ کرے کہ مطلق نکاح دین ہے بقید صغرسن تو دین نہیں ہے جواب اس کا کوئی کسی قدر مہارت علم دین پر موقوف ہے وہ یہ کہ شرعی فقہی قاعدہ ہے کہ جو عمل اطلاق کے درجہ میں جس شان کے ساتھ موصوف ہوتا ہے وہ جس قید جائز کے ساتھ بھی صادر ہوگا اسی شان کے ساتھ موصوف رہے گا، مثلاً نماز ظہر کی فرض ہے اور خاص اس کی یہ قید کہ دو ہی بجے کے وقت ہو فرض نہیں لیکن اگر دو ہی بجے پڑھی گئی تو اس کو بھی فرض کہیں گے اگر کوئی ایسا قانون بنایا جاوے کہ دو بجے پڑھنا جائز نہیں تو وہ مداخلت فی الدین یقیناً ہے اسی طرح جب مطلق نکاح دین ہے تو اگر صغرسن کی حالت سے پایا جاوے اس فرد کو بھی دین ہی کہیں گے تو اس کی ممانعت کا قانون بنانا مداخلت فی الدین ہوگی اور اسی طرح قربانی میں کہیں گے کہ قربانی عبادت ہے اگر بقید بقرہ ہو تب بھی عبادت ہے تو اس کی ممانعت مداخلت فی الدین ہوگی خوب سمجھ لیا جاوے۔ آخر محرم ۱۳۴۷ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۶۳۴)

# رسالہ ضَمّ شاردالابلُ فی ذم شَارُدَابِلُ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال (۳۴۹) بعد حمد وصلوٰۃ یہ ایک مختصر تحریر ہے ملقب بہ ضم شاردالابل فی ذم شاردابل جس کا معنون عنوان ہذا کے دوسرے جزو سے ظاہر ہے اور جز اول غایت ہے جزو ثانی کی یعنی جو لوگ جہل یا تجاہل کے سبب مستقر حقیقی سے متوحش ومنتشر ہیں ان کو اس مستقر پر جمع کرنا مقصود ہے اور اب تک اس موضوع پر خاص طور پر لکھنے کی احتیاج دو وجہ سے نہ سمجھی تھی ایک اس لئے کہ مسئلہ اس قدر بدیہی جلی ہے کہ اس کو امارت کی بھی حاجت نہیں اس کی تقویت کے لئے کچھ لکھنا موہم ہے اس کے خفی یا نظری ہونے کا جو خلاف واقع ہے دوسرے اس لئے کہ دوسرے مستند علماء اس پر ضرورت سے زیادہ لکھ بھی چکے ہیں جو ہر پہلو سے کافی ہے یعنی شرعی طور پر بھی اور سیاسی طور پر بھی بعض ذی علم مخلص احباب نے محض اس امید پر کہ شاید کوئی خاص عنوان مشککین کے سکون کے لئے زیادہ نافع ہو جاوے لکھنے پر اصرار کیا نیز اکثر مختلف اوقات میں اس کے متعلق استفتاء بھی آتے رہتے ہیں جن کا جواب اب تک

ضابطہ ہی کا جاتا رہا ہے۔ جس کو عجب نہیں سائلین نے دفع الوقتی سمجھا ہو اس تحریر سے ان کا حسب مرضی جواب بھی ہو جاوے گا اور یہ دونوں دائی گو ضعیف ہیں مگر محرکین کی دعاء کی برکت سے امید منفعت کی قوت پر نظر ہو کر یہ چند سطریں لکھنے کی رائے ہوگئی بقول عارف رومیؒ۔

کوئے نومیدی مرو کامید ہاست　　سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست

وَاللّٰہُ المُستعَانُ و علیہ التکلان

اطلاع۔ زیادہ تر مطمح نظر اس تحریر میں شرعی تحقیق ہے اور وہ بھی علمی اصطلاحات میں کیونکہ اس کے مخاطب اول وہی اہل علم ہیں جو اس تحریر کے محرک ہیں پھر وہ اپنی رائے سے غیر اہل علم کو مخاطب ثانی بنا سکتے ہیں اور سیاسی پہلو پر اس لئے کلام مقصود نہیں کہ میں نہ علماً اس پر قادر ہوں کہ اس قانون میں تمدن و معاشرتی خرابیاں دکھلا سکوں اور نہ عملاً اس پر قادر ہوں کہ اس سے نجات حاصل کرنے کی تدبیریں بتلا سکوں باقی کسی موقع پر غیر سیاسی طرز پر اس کا تبعاً واستطراداً ذکر آ جانا اور بات ہے اور نظر بعنوان بالا اس تحریر کے اجزاء کو عطن سے ملقب کرتا ہوں اور نظر بمقاصد اس کو چند عطن پر منقسم کرتا ہوں فقط۔

عطن اوّل۔ اس کی تحقیق کہ مطلق نکاح قطع نظر متناکحین کے بالغ و نابالغ ہونے سے آیا دنیا کا کام ہے یا دین کا تا کہ اس سے یہ سمجھنا آسان ہو کہ دین میں تصرف کرنا یہ تصرف فی الدنیا ہے یا فی الدین سو اس کا ایک معیار ہے وہ یہ کہ جس کام کا شریعت میں تاکیدی یعنی وجوبی یا ترغیبی یعنی استحبابی حکم کیا گیا ہو یا اس پر ثواب کا وعدہ کیا گیا ہو وہ دین کا کام ہے پھر اگر اس کے ترک پر کوئی وعید یا ناراضی بھی وارد ہو وہ فرض یا واجب ہے اور جس کے ترک پر وعید یا ناراضی وارد نہ ہو وہ مستحب ہے اور جس میں یہ بات نہ ہو وہ دنیا کا کام ہے گو اس کے متعلق جو احکام وارد ہوں وہ احکام ہر حال میں دین ہی ہیں اور جس اعتقاد یا عمل سے ان احکام میں تغیر ہوتا ہو وہ بھی تغیر فی الدین ہے اب نکاح کو اس معیار پر منطبق کر کے دیکھا جاوے تو صاف معلوم ہوگا کہ وہ دین کا کام ہے کیونکہ بعض حالات میں اس کا تاکیدی اور بعض میں ترغیبی حکم بھی ہے اور اس پر ثواب کا وعدہ بھی ہے اور اس کے ترک کی مذمت اور شناعت بھی فرمائی گئی ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔

﴿وانکحوا الایامی[1] منکم﴾ (سورۂ نور)

تم میں جو بے نکاحی ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو۔

---

(۱) فی القاموس الایم ککیس من لازوج لھا بکرًا وثیبا ومن لاامراۃ لہ آھ۔ واما اطلاق الایم فی بعض الاحادیث علی غیر البکر فمجاز بقرینۃ المقابلۃ ویحتمل الروایۃ بالمعنی حیث ورد فی بعضھا الثیب مکان الایم ۱۲

یہ امر کا صیغہ ہے جس کا اصل مدلول تو وجوب ہے اور اگر کسی وجہ سے وجوب مراد نہ لیا جاوے تو پھر اگر کسی قرینہ سے فعل کو ترک پر ترجیح ہو تو استحباب مراد ہوگا ورنہ اباحت اور یہاں قرینہ نکاح کی مطلوبیت کا موجود ہے کما سیذ کر عنقریب اور یہی معیار تھا مامور بہ کے دین ہونے کا پس نکاح کا امر دینی ہونا ثابت ہوا اور وہ قرینہ اسی آیت میں یہ ارشاد ہے۔

﴿ان یکونوا فقراء یغنهم الله من فضله﴾

یعنی ان بے نکاحوں کے نکاح میں اپنے عزیز ناکح کے فقر کو یا اپنی عزیزہ منکوحہ کے شوہر کے فقر کو مانع مت سمجھا کرو (جبکہ بالقوۃ اس میں مادہ اکتساب وخدمت عیال کا ہو کیونکہ) اگر وہ مفلس ہوں گے تو خدا تعالیٰ) (اگر چاہے گا) ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا آھ۔ اور اس کا قرینہ ہونا اس طرح ہے کہ زکوٰۃ و حج تک میں جو کہ شعائر اسلام سے ہیں باختلاف احوال وجوب یا استحباب کے لئے فقر مانع ہے مگر نکاح میں یہ بھی مانع نہیں خواہ مستقل دلیل سے اور کوئی مانع ہو اس سے صاف طور پر نکاح کی مطلوبیت کی ترجیح ثابت ہوگئی اور اس سے اس کا دین ہونا ثابت ہو گیا اور راز اس تفاوت کا یہ ہے کہ حالت فقر میں زکوٰۃ اور حج ادا نہ کرنے سے کسی گناہ میں ابتلاء کا احتمال نہیں اور نکاح نہ کرنے سے زنا میں ابتلاء کا اندیشہ ہے اگر اس پر سوال ہو کہ اس مقام پر اگلی آیت میں ارشاد ہے۔

﴿ولیستعفف الذین لایجدون نکاحاً حتی یغنیهم الله من فضله﴾

ایسے لوگوں کو جن کا نکاح کا مقدور نہیں ان کو چاہئے کہ ضبط کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے آھ۔

یہاں فقر کو مانع نکاح قرار دیا گیا۔ جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کے مضامین میں خاص کر ایک ہی مقام میں تعارض کا تو احتمال ہو ہی نہیں سکتا جب تک کوئی دلیل نسخ کی نہ ہو پس حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں فقر کو مانع نہیں فرمایا گیا بلکہ بیوی کے نہ ملنے کو مانع فرمایا ہے چنانچہ عنوان لایجدون بھی بتلا رہا ہے یعنی کسی پر جبر تو ہے ہی نہیں اگر ملے تو کر لو نہ ملے تو صبر سے بیٹھے رہو اور اسی معنی کو دوسری آیت میں عدم استطاعت سے تعبیر فرمایا ہے۔

﴿ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنت المؤمنات فمماملکت ایمانکم﴾ (سورۂ نساء)

اور جو شخص تم میں پوری مقدرت نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو لونڈیوں سے نکاح کر لے۔

یہاں بھی بالا جماع نہ ملنا مراد ہے باوجود ملنے کے فقر کے سبب نہ کرنا مراد نہیں باقی حنفی شافعی کا اختلاف کسی قید کے احترازی وغیر احترازی ہونے میں یہ دوسری بات ہے اور یہی مراد ہے عدم استطاعت سے حدیث آئندہ[1] میں ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم یہ تو نکاح کے امر دینی ہونے کا قرآن سے اثبات تھا اب حدیث لیجئے۔

**عن عبداللّٰہ بن مسعودؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یامعشرالشباب من استطاع منکم الباء ۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء متفق علیہ** (مشکوٰۃ)

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے جماعت جوانوں کی جو شخص تم میں خانہ داری (کے بار[2] اٹھانے) کا مقدور رکھے (بالقوۃ یا بالفعل)۔کماذکر فی تفسیر الآیۃ اس کو نکاح کر لینا چاہئے کیونکہ نکاح کو نگاہ کے پست ہونے میں اور شرمگاہ کے محفوظ رہنے میں خاص دخل ہے اور جو شخص مقدور نہ رکھے (اور اس لئے[3] نکاح نہ کر سکے) وہ روزے رکھنا اختیار کرے اور وہ روزہ اس کے لئے (گویا) رگیں مل دینا ہے۔

**وعن انس قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا تزوج العبد فقد استکمل نصف الدین فلیتق اللّٰہ فی النصف الباقی رواہ البیھقی** (ترغیب)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ نکاح کر لیتا ہے وہ آدھا دین کامل کر لیتا ہے اب اس کو چاہئے کہ بقیہ نصف دین میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔

**وعن ابی نجیحؓ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قا ل من کان موسّرا لان ینکح ثم لم ینکح فلیس منی رواہ الطبرانی باسناد حسن** (ترغیب)

---

(۱) دلیلہ الحاشیۃ الآتیۃ من المرقاۃ ۱۲

(۲) کذا فی المرقاۃ و نصھا وفیہ حذف مضاف ای مؤنثۃ الباءۃ من المھر والنفقۃ لان قولہ ومن لم یستطع عطف علی من استطاع ولو حمل الباءۃ علی الجماع لم یستقم قولہ فان الصوم لہ وجاء لانہ لایقال للعاجز ھذا آھ۔

(۳) دلیلہ الحاشیۃ السابقۃ من المرقاۃ ۱۲

ابو نجیح سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تم میں نکاح کرنے کی وسعت رکھتا ہو پھر نکاح نہ کرے وہ مجھ سے بے تعلق ہے۔

**وعن ابی ذرؓ فی حدیث طویل قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لعکاف یا عکاف ھل لك من زوجة قال لا قال ولاجاریة قال ولا جاریة قال وانت موسربخیر قال انا موسر بخیر قال انت اذا من اخوان الشیاطین لوکنت من النصاری کنت من رھبانھم ان سنتنا النکاح شرارکم عزابکم واراذل موتاکم عزابکم ابا لشیطان تمرسون ماللشیطان سلاح ابلغ فی الصالحین من النساء الا المتزوجون اولئك المطھرون المبرؤن من الخنا الیٰ قولہ ویحك یا عکاف تزوج والا فانت من المدبرین رواہ احمد**
(جمع الفوائد)

ابوذرؓ سے ایک حدیث طویل میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاف سے فرمایا اے عکاف کیا تیری بیوی ہے انہوں نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا اور نہ لونڈی عرض کیا اور نہ لونڈی آپ نے فرمایا اور تو خیر سے وسعت والا ہے عرض کیا اور میں خیر سے وسعت والا ہوں آپ نے فرمایا تو اس حالت میں تو شیطان کے بھائیوں میں سے ہے اگر تو نصاریٰ میں سے ہوتا تو ان کا راہب ہوتا بلاشبہ ہمارا طریقہ نکاح ہے تم میں سب سے بدتر بے نکاحی ہیں اور مرنے والوں میں بھی سب سے بدتر بے نکاحی ہیں کیا تم شیطان سے لگاؤ رکھتے ہو شیطان کے پاس عورتوں سے زیادہ کوئی ہتھیار نہیں جو صالحین میں کارگر ہو مگر جو نکاح کئے ہوئے ہیں یہ لوگ بالکل مطہر اور فحش سے مبرا ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ کمبختی مارے عکاف نکاح کر لے ورنہ تو ادبار والوں میں سے ہوگا۔

یہ چار حدیثیں ہیں جو نمونہ کے طور پر ذکر کی گئیں اور اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں ان میں سے پہلی حدیث میں امر کا صیغہ وارد ہے جس سے بانضمام قرآن مقامیہ یعنی سببیت نکاح غض البصر واحصان الفرج جو کہ دونوں دین ہیں ونصب بدل یعنی صوم وقت العجز نکاح کی مطلوبیت صاف مفہوم ہے خواہ واجب ہو خواہ مستحب باختلاف احوال دوسری حدیث میں اس کی فضیلت فرمائی ہے کہ مکمل ایمان ہے۔ تیسری حدیث میں وسعت ہوتے ہوئے نکاح نہ کرنے پر ناراضی اور بے تعلقی کا اظہار فرمایا جو علامات وجوب سے ہے اور چوتھی حدیث میں تو کئی طرح سے نکاح نہ کرنے والوں کی مذمت و شناعت فرمائی کہ یہ بھی امارت وجوب سے ہے گو بعض ہی احوال کے اعتبار سے سہی اور یہ سب معیار

ہیں نکاح کے امر ونہی ہونے کے البتہ جہاں شرعی لونڈی میسر ہو وہاں لونڈی رکھنا بھی نکاح کا بدل قرار دے دیا گیا ہے گو اکثر احوال میں خلاف اولیٰ ہے لیکن جہاں لونڈی بھی نہیں وہاں تو نکاح ہی متعین ہے جیسے ہندوستان میں۔

**فائدہ**......جن حدیثوں میں استطاعت ووسعت کی قید ہے یہ قید اشتراط امر بالنکاح کے لئے نہیں کہ اس کے فوت سے مشروط یعنی امر بالنکاح فوت ہو جاوے بلکہ اقتضاء کیلئے ہے یعنی استطاعت مقتضی ہے امر بالنکاح کو اور مقتضی خاص کی نفی کو مقتضا کی نفی مقتضی نہیں جیسے آیت **فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحاً ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا** میں رجاء مقتضی ہے عمل صالح وترک شرک کو یہ نہیں کہ اگر یہ رجاء نہ ہو تو عمل صالح وترک شرک مطلوب نہ رہے یہ دوسری بات ہے کہ مقبول نہ ہو اور راز اس کا یہ ہے کہ شرط لازم ہوتی ہے اور مقتضی ملزوم اور انتفاء لازم مستلزم ہے انتفاء ملزوم کو نہ بالعکس۔ پس یہ حدیثیں معارض نہ ہوئیں آیت **ان یکونوا فقراء یغنھم اللہ من فضلہ** کی پس ان حدیثوں سے فقر کے مانع نکاح ہونے کا وہم نہ کیا جاوے۔

یہاں تک نکاح کے امر دینی ہونے کا اثبات قرآن وحدیث سے ہو چکا اب علماء امت وائمہ کے اقوال لیجئے درمختار میں ہے۔

**لیس لنا عبادۃ شرعت من عہد ادم الیٰ الان ثم تستمر فی الجنۃ الاالنکاح والایمان۔**

ہمارے لئے بجز نکاح اور ایمان کے اور کوئی ایسی عبادت نہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے اب تک مشروع رہی ہو پھر جنت میں بھی مستمر رہے۔

اس میں نکاح کے عبادت ہونے کی تصریح ہے اور عبادت بھی ایسی کہ تمام شرائع میں مشترک اور عبادت کے دینی کام ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے اور گو اس کے استمرار فی الجنت پر بعض نے کلام کیا ہے لیکن باقی دوسرے اجزاء سب کے نزدیک مسلم ہیں اور ردالمحتار میں ہے۔

**وقد مہ علیٰ الجہاد الیٰ قولہ وکذا علیٰ العتق والوقف والاضحیۃ وان کانت عبادات ایضا لانہ اقرب الیٰ الارکان الاربع حتیٰ قالوا ان الاشتغال بہ افضل من التخلی لنوافل العبادات ای الاشتغال بہ وما یشتمل علیہ من القیام بمصالحہ واعفاف النفس عن الحرام و تربیۃ الولد ونحو ذلک۔**

اور نکاح (کے باب) کو (ترتیب ابواب میں باب) جہاد پر مقدم کیا پھر آگے چل کر کہا ہے کہ اسی طرح اعتاق اور وقف اور قربانی کے ابواب پر مقدم کیا) اگر چہ وہ بھی عبادات ہیں

(بھی کا یہ مطلب کہ جیسے نکاح عبادت ہے ایسے ہی وہ بھی عبادت ہیں مگر پھر بھی نکاح کو ان پر مقدم کیا) اس لیے کہ نکاح (عبادت ہونے کے وصف میں) ارکان اربعہ (نماز و روزہ زکوٰۃ و حج) کے ساتھ (بہ نسبت اعتاق اور وقف اور قربانی کے) زیادہ قرب رکھتا ہے۔

اس لئے ان ارکان کے ابواب کے بعد نکاح کا باب ترتیب میں رکھا گیا یہاں تک کہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ نکاح میں مشغول ہونا نفل عبادات کے لئے بالکل فارغ ہو جانے سے بھی افضل ہے یعنی خود نکاح کرنے میں مشغول ہونا اور نکاح جن چیزوں پر مشتمل ہے ان میں مشغول ہونا جیسے مصالح نکاح کا اہتمام کرنا اور نفس کو حرام سے بچانا اور اولاد کی تربیت کرنا اور اسی طرح کی جو چیزیں ہیں آھ۔

دیکھئے اس عبارت میں کیسے شدومد سے نکاح کی فضیلت دینیہ کو بیان کیا ہے۔

(۱) اعتاق اور وقف و اضحیہ پر جن کے ثواب سے نصوص بھری پڑی ہیں ذکر میں اس کا مستحق تقدیم ہونا۔

(۲) ارکان اسلام کے ساتھ بہ نسبت ان عبادات کے اس کو زیادہ مناسبت ہونا۔ ولعل السرفيه ان اركان الاسلام فيها اكبار الإسلام باظهار الاحكام والنكاح فيه اكبار الإسلام باكثار اهل الإسلام واشير اليه فى قوله عليه السلام فانى اباهى بكم الامم فى تعليل التزوج فاشبه الاركان لاسيما الصلوٰة فان فى النكاح اعلانا ادناه نصاب الشهادة كما ان فى الصلوٰة اذاناوان فى اوله ثناء وتوحيد او قرانا وفى اٰخره دعاء كما ان فى اولها ثناء و توحيد او قرانا وفى اٰخرها دعاء بالسلام على الملائكة والمصلين ويسن كونهما فى المسجد فهو بالصلوٰة اشبه۔

(۳) نکاح اور متعلقات نکاح کے اشتغال کا نفل عبادات کے اشتغال سے افضل ہونا۔ ان تصریحات کے بعد اس کے امر دینی ہونے میں کیا خفا رہ سکتا ہے۔

عطن ثانی...... اوپر کے دلائل سے مطلق نکاح کا عبادت ہونا ثابت ہوتا ہے پس وہ اپنے اطلاق سے عام ہیں ہر نکاح خالی عن الموانع کو خواہ متناکحین بالغ ہوں خواہ نابالغ ہوں خواہ ایک بالغ ہو ایک نابالغ ہو اور عام کی دلالت اپنے افراد کے لئے حکم ثابت کرنے میں قطعی ہوتی ہے جب تک دلیل خصوص کی نہ ہو خواہ عام ثبوتاً ظنی ہی ہو مگر یہاں ثبوت بھی قطعی ہے کتاب اللہ کا قطعی ہونا ظاہر ہے احادیث بھی معنیً متواتر ہیں اور اگر احاد بھی ہوں تو انضمام اجماع کے بعد قطعی ہو گئیں اس حالت میں خصوصیت کے ساتھ نابالغوں کے نکاح کی مشروعیت کے ثابت کرنے کی حاجت نہیں لیکن تبرعاً اس

خصوص کے ساتھ بھی ثابت کیا جاتا ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

**ویستفتونك فی النساء قل اللّٰہ یفتیکم فیھن وما یتلٰی علیکم فی الکتب فی یتمٰی النساء اللاتی لاتؤتونھن ما کتب لھن وترغبون ان تنکحوھن الأیۃ۔**

اور لوگ آپ سے عورتوں کے باب میں حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارہ میں تم کو حکم دیتے ہیں اور وہ آیات بھی (حکم دیتی ہیں) جو کہ (اس کے قبل) قرآن کے اندر تم کو پڑھ کر سنائی جایا کرتی ہیں جو کہ ان یتیم عورتوں کے باب میں جن کو تم جو ان کا حق مقرر ہے نہیں دیتے اور ان کے ساتھ نکاح کرنے سے نفرت کرتے ہو۔

**ف**...... یہ مضمون مختصر ہے احادیث میں اس کی شرح آئی ہے کہ یتیم بچیاں جو اقارب کی پرورش میں تھیں ان کے ساتھ بعض لوگوں کا یہ برتاؤ تھا کہ اگر وہ صاحب جمال ہوئیں تو ان سے خود نکاح کر لیا مگر ان کا پورا مہر نہیں دیا اور اگر صاحب جمال نہ ہوئیں تو بے رغبتی کے سبب نہ خود اپنے ساتھ نکاح کرتے تھے اور نہ مال قبضہ سے نکل جانے کی خوف سے دوسروں کے ساتھ نکاح کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس آیت میں یتیمہ کے محل نکاح ہونے کی تصریح ہے اور لفظ یتیم لغۃً وشرعاً مخصوص ہے نابالغ کے ساتھ چنانچہ قاموس میں ہے۔

**ویتیم ویتمان مالم یبلغ الحلم لایتم بعد احتلام۔ (رواہ ابوداؤد) عن علیؓ الی قولہ وحسنہ النووی متمسکا بسکوت ابی داؤد علیہ لاسیما وھو عند الطبرانی فی الصغیر من وجہ اٰخر عن علی بل لہ شواھد عن جابر وانس وغیرھما کذا فی المقاصد۔**

یتیم اور یتمان کا اطلاق اس وقت تک ہوتا ہے جب تک بلوغ کو نہ پہونچ جاوے۔ اور حدیث میں ہے۔ بلوغ کے بعد یتیمی نہیں رہتی روایت کیا اس کو ابوداؤد نے حضرت علیؓ سے آگے کہا ہے کہ نووی نے اس حدیث کو ابوداؤد کے سکوت سے تمسک کر کے حسن کو کہا ہے خصوص اس حالت میں کہ یہ حدیث طبرانی کی صغیر میں ایک دوسرے طریق سے بھی حضرت علیؓ سے مراد ہے بلکہ اس کے شواہد دوسرے بھی ہیں حضرت جابر اور حضرت انس اور ان کے علاوہ اوروں سے بھی اسی طرح ہے مقاصد حسنہ میں۔

رہا احتمال مجاز کا بلا دلیل ہے اور اگر لفظ نساء کو اس کی دلیل کہا جاوے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ نساء کا احکام عامہ للبالغات وغیر البالغات کی نصوص میں بکثرت آنا جیسا عطن رابع میں بعض موارد

نمونہ کے طور پر مذکور بھی ہوں گے اور لفظ یتامیٰ کا ایسے احکام میں شذوذ و قلت کے ساتھ آنا اس کی دلیل ہے کہ آیت میں نساء میں تجوز کا قائل ہونا راجح ہے بہ نسبت یتیم میں تجوز کے قائل ہونے کے اور اگر اس پر بھی کسی کو شبہ رہے تو وہ شبہ اس لئے مضر نہیں کہ دوسرے دلائل سے اصل مدعا ثابت ہے چنانچہ حدیث میں حضرت عائشہؓ کا نکاح نابالغی کی حالت میں ہونا متواتر ہے پھر متأید بالا جماع ہے جس کے بعد شبہ کی گنجائش ہی نہیں اجماع تو ظاہر ہے اور حدیث یہ ہے:۔

عن عائشةؓ ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم تزوجها وهی بنت سبع سنین وزفت الیه وهی بنت تسع سنین ولعبها معها ومات عنها وهی بنت ثمانی عشرة رواه مسلم (مشکوة)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اور وہ اس وقت سات برس کی تھیں اور وہ آپ کی پاس رخصت کی گئیں اور وہ اس وقت نو برس کی تھیں اور ان کی گڑیاں (جو تصویر دار نہ تھیں) ان کے ساتھ تھیں اور آپ ان کے سر پر سے اس وقت اٹھ گئے جب وہ اٹھارہ برس کی تھیں روایت کیا اس کو مسلم نے۔

ظاہر ہے کہ سات برس کی عمر یقیناً عدم بلوغ کی عمر ہوتی اس سے مدعا صاف صاف ثابت ہے۔ اور اگر کسی کو خصوصیت کا شبہ ہو تو وہ غیر ناشی عن دلیل ہونے کے سبب محض لغو ہے۔

عطن ثالث...... اوپر جب شرعی نابالغوں کے نکاح کی مشروعیت ثابت ہو چکی تو جو قانونی نابالغ ہوں ان کے نکاح کی مشروعیت بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگئی کیونکہ قانونی نابالغ شرعاً یا بالغ ہوں گے یا نابالغ ہوں گے اور دونوں کے نکاح کی مشروعیت ثابت ہو چکی کسی دلیل مستقل کے قائم کرنے کی حاجت نہیں جس میں قانونی عمر سے کم عمر کی تصریح کے ساتھ نکاح کا حکم ہو مگر تبرعاً ایسی مستقل دلیل کا بھی ذکر کرتے ہیں اور وہ ذیل کی حدیثیں ہیں جن میں سے ایک میں بعنوان عدد عمر کی تصریح ہے جس میں بعض اوقات شرعی بلوغ بھی نہیں ہوتا اور ایک میں بعنوان بلوغ کے جس کا منتہیٰ پندرہ سال ہے عمر کا ذکر ہے۔

عن ابی سعید وابن عباسؓ قالا قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم من ولد له فلیحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فلیزوجه فان بلغ ولم یزوجه فاصاب اثما فانما اثمه علٰی ابیه و عن عمرؓ بن الخطاب وانس بن مالك عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی التوراة مکتوب من بلغت ابنته اثنتٰی عشرة سنة ولم یزوجها فاصابت اثما فاثم ذلك علیه رواهما البیهقی فی شعب الإیمان (مشکٰوة)

حضرت ابوسعید اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے دونوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی کچھ اولاد پیدا ہو اس کو چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اچھی تعلیم دے پھر جب وہ بالغ ہو جائے (جس کا منتہی پندرہ سال ہے جو لڑکے کی قانونی عمر سے کم ہے) اس کا نکاح کر دے اگر وہ بالغ ہو جاوے اور یہ اس کا نکاح نہ کرے پھر وہ کسی گناہ میں مبتلاء ہو جائے تو اس کا گناہ (تسبب کے درجہ میں) صرف باپ ہی پر ہوگا (گو مباشرت کے درجہ میں خود اس پر ہوگا) اور حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ توراۃ میں لکھا ہے جس کی لڑکی بارہ سال کی پہونچ جاوے (جو لڑکی کی قانونی عمر سے کم ہے اور قرائن سے نکاح کی حاجت معلوم ہو، اور یہ شخص اس کا نکاح نہ کرے پھر وہ کسی گناہ میں مبتلاء ہو جاوے تو اس کا گناہ اس باپ پر ہوگا ان دونوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے (مشکوٰۃ)

حدیثوں کی دلالت مدعا پر صاف ظاہر ہے۔

عطن رابع..... مسئلہ کے متعلق بعض شبہات کے جواب میں شبہ اول قرآن مجید میں محل نکاح نساء کو فرمایا ہے مثلاً فانکحوا ماطاب لکم من النساء اور یہ نساء مخصوص ہے بالغات کے ساتھ۔

جواب۔ اگر اس کا حقیقت لغویہ ہونا بھی ثابت ہو جاوے مگر حقیقت شرعیہ ہونے میں کلام ہے اور حقیقت ومجاز میں وہی اصطلاح معتبر ہے جس میں تخاطب ہو سو قرآن مجید میں احکام عام ہیں صغیرات وکبیرات کو ان میں جا بجا لفظ نساء ہی وارد ہے مثلاً ارشاد ہے۔

لا یسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیرا منھم ولا نساء من نساء عسٰی یکن خیرا منھن (حجرات)

مردوں کو مردوں سے تمسخر کرنا نہ چاہئے شاید وہ ان سے اچھے ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں سے تمسخر کرنا چاہئے شاید وہ ان سے اچھی ہوں۔

اور مثلاً ارشاد ہے:۔

فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ماترک۔

پھر اگر (وارث اولاد میں) عورتوں کا موجود ہونا (دویا) دو سے زیادہ ہو تو ان کو میت کے ترکہ سے دو ثلث ملے گا۔

ظاہر ہے کہ ان دونوں حکموں میں بالغات وغیر بالغات میں کوئی فرق نہیں اور جہاں مستضعفین کی تفصیل میں استعمال لغوی کی بناء پر نساء کے بعد ولدان بھی بڑھایا گیا ہے وہاں عذر کے سبب ضعف یا

عفو کی تقویت کا عارض اس اصل سے عدول کا سبب ہوگا اور ماقبی اپنی اصل پر رہے گا اسی طرح اور آیات میں بھی نساء عام معنی میں آیا ہے اور اگر ان میں شرعی مجاز بھی تسلیم کرلیا جاوے تب بھی دوسرے دلائل قطعیہ مذکورہ بالا سے تعارض سے بچنے کے لئے نساء کو مجاز پر محمول کرنا واجب ہے۔

شبہ دوم وسوم......از جانب بعض ایڈیٹران اخبار ان میں ایک آیت کے متعلق ہے دوسرا حدیث کے متعلق چونکہ ان دونوں شبہوں کا جواب اس کے قبل لکھا جاچکا ہے (یعنی اس رسالہ کے لکھنے کے قبل) اس لئے اس وقت ان کو مع اس جواب کے بعینہ نقل کئے دیتا ہوں۔ **قولہ** سے شبہ کی تقریر اور **اقول** سے جواب کی تقریر لکھی جاوے گی۔

**قولہ**۔ اس میں شک نہیں کہ ایک مسلمان کے لئے کسی امر الٰہی کی نوعیت کا بدلنا حرام نہیں بلکہ نافرمان اور مجرم بنانا ہے لیکن نابالغ لڑکیوں کے جواز نکاح کا کوئی حکم اسلام میں نہیں ملتا اسلام میں اس کی کوئی پوزیشن نہیں پائی جاتی بخلاف اس کے قرآن مجید کے پارۂ چہارم میں رکوع ۱۲ میں نکاح کی عمر بتائی گئی ہے۔ وابتلوا الیتٰمی حتٰی اذا بلغوا النکاح۔

**اقول**۔ آدمی جس فن کو نہ جانے اس میں کیوں دخل دے آیت کا مفہوم تفاسیر میں تو دیکھ لیا ہوتا یہاں قابلیت نکاح سے مراد پوری قابلیت ہے اور پوری قابلیت بلوغ سے ہوتی ہے کیونکہ اس سے قبل وہ توالد وتناسل کی صلاحیت نہیں رکھتا اور نکاح سے اصل مقصود یہی ہے پس پوری قابلیت نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے قبل نکاح جائز نہ ہو ورنہ لازم آوے گا کہ آج تک قرآن کو نہ کسی عالم نے سمجھا نہ کسی مجتہد نے کیونکہ مجتہدین کے اجتماعی فتویٰ کتب مذہب میں نابالغ کے نکاح کے جواز میں مدون ہیں۔

**قولہ**۔ نابالغہ کے نکاح کے جواز میں اکثر حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نکاح پیش کیا جاتا ہے لیکن بالکل غلط ہے کہ صدیقہؓ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی حالت میں ہوا جب آپ نابالغہ تھیں ہم فروری ۲۶ء کے بلاغ میں اس غلطی کا ازالہ کرچکے ہیں کتاب اکمال فی اسماء الرجال کے ترجمہ کے ص ۱۲ پر حضرت اسماء کے حال میں لکھا ہے کہ حضرت اسماء کا بیٹا حضرت عبداللہ بن زبیر کو ۷۳ھ میں سولی دیا گیا اور آپ اس واقعہ فاجعہ کے دس یا بیس دن بعد فوت ہوئیں اس سے معلوم ہوا کہ آپ (یعنی حضرت اسماء) کی وفات بھی ۷۳ھ میں ہوئی وفات کے وقت آپ کی عمر سو برس کی لکھی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت ہجرت کے ۲۷ سال پہلے ہوئی ہے اور چونکہ حضرت عائشہؓ حضرت اسماء سے دس سال چھوٹی تھیں اس لئے حضرت عائشہؓ بالضرور ہجرت سے سترہ سال پہلے پیدا ہوچکی تھیں یا یوں کہو کہ ہجرت کے وقت آپ کی عمر سترہ سال تھی اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ آپ کا زفاف ہجرت سے دو یا تین سال بعد ہوا پس اظہر من الشمس ہے کہ جنابہ حضرت عائشہؓ زفاف کے وقت

انیس یا بیس سال کی تھیں اس سے ثابت ہے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح ان کی بلوغت میں ہوا۔ اب تو اس کی سند صحیح موجود ہے۔

**اقول**۔ کیا اچھی سند موجود ہے جس اکمال میں یہ لکھا ہے اسی اکمال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں یہ بھی تو دیکھا ہوتا کہ زفاف کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر نو برس کی تھی اور زفاف ہجرت کے اٹھارہ مہینہ بعد ہوا اور نکاح ان سے تین برس قبل ہجرت ہوا۔ تو نکاح کے وقت چھ یا سات برس کی ہوئیں اور حضور ﷺ کی خدمت میں نو سال رہیں اور حضور ﷺ کی وفات کے وقت اٹھارہ سال کی تھیں۔ آہ یہ کیا بات کہ اکمال کے ایک جزو کو مانتے ہو اور دوسرے کو نہیں مانتے ہو اب اکمال کو چھوڑ کر کہیں اور جگہ سے ثابت کرو جیسا ہم اکمال سے زیادہ قوی دلیل سے ثابت کرتے ہیں سنو صحیح مسلم میں خود حضرت عائشہؓ اپنا قصہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا جب یہ سات برس کی تھیں اور زفاف ہوا جب نو برس کی تھیں اور آپ کی وفات ہوئی جب یہ اٹھارہ سال کی تھیں اور حدیث صحیح کے مقابل کوئی تاریخ نہیں ہو سکتی مورخین کے پاس محدثین کی سی سند نہیں ہوتی۔

شبہ چہارم۔ متعلق حدیث عائشہؓ یہ حدیث فعلی ہے ممکن ہے کہ اس میں حضور اقدس ﷺ کی خصوصیت ہو۔ جواب کوئی خصوصیت احتمال غیر ناشی عن دلیل سے ثابت نہیں ہوتی پھر دلائل عامہ و خاصہ مذکورہ بالا کی خصوصیت کی نفی کرتے ہیں۔

شبہ پنجم۔ حسب تصریح علماء نکاح عبادت محضہ نہیں ہے چنانچہ رد المحتار میں ہے۔

ذکرہ عقیب العبادات الاربع ارکان الدین لانہ بالنسبۃ الیہا کالبسیط الی المرکب لانہ عبادۃ من وجہ معاملۃ من وجہ۔

مصنف نے کتاب النکاح کو عبادات اربعہ (نماز و روزہ و حج زکوٰۃ) کے بعد ذکر کیا جو کہ ارکان دین ہیں اس لئے کہ یہ نکاح بہ نسبت ان عبادات اربعہ کے ایسا ہے جیسے بسیط ہوتا ہے بہ نسبت مرکب کے کیونکہ یہ من وجہ عبادت ہے اور من وجہ معاملہ ہے (تو اس میں دو وصف ہوئے اور عبادات اربعہ میں صرف ایک ہی وصف ہے عبادت کا اور ظاہر ہے کہ ایک اور دو میں بسیط اور مرکب کی سی نسبت ہے۔

الجواب۔ عبادات محضہ تو بعضے حالات میں وہ امور بھی نہیں رہتے جن کا جزو دین ہونا بلا اختلاف مسلم ہے جیسے روزہ کہ بعض حالات میں اس میں وصف عقوبت کا بھی آجاتا ہے جیسے اصولیین نے صوم کفارہ میں اس کی تصریح کی ہے مگر باوجود اس کے اس کو کوئی امر دنیوی نہیں کہتا اسی طرح اگر نکاح میں دوسرا وصف معاملہ ہونے کا بھی ہو تو اس سے اس کا امر دنیوی ہونا کیسے ثابت ہو گیا بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وصف عقوبت کو بہ نسبت وصف معاملہ کے عبادت سے زیادہ بعد ہے کیونکہ عقوبت

معصیت سے مسبب ہے جو کہ ضد ہے عبادات کی اور معاملہ معصیت سے مسبب نہیں بلکہ اکثر اوقات عبادت سے مسبب ہوتا ہے مثلاً ادائے حقوق واجبہ سے پس جب عبادت کے ساتھ وصف عقوبت ملکر بھی اس عبادت کو امر دنیوی نہ بنا سکا تو عبادت کیساتھ وصف معاملہ ملکر تو اس عبادت کو امر دنیوی کیسے بنا سکتا ہے دوسرے ایسے مرکبات میں اعتبار غالب کا ہوتا ہے اور نکاح ان ہی علماء کے قول سے جنہوں نے اس میں وصف معاملہ مانا ہے غالب وصف عبادت ہی ہے چنانچہ عطن اول میں جو عبارت ردالمحتار کی نقل کی گئی ہے (اور سائل کی عبارت منقولہ اسی عبارت کا جزو ہے) اس میں تصریح ہے کہ نکاح کو زیادہ قرب ارکان اربعہ ہی سے ہے اور جہاد واعتاق ووقف واضحیہ پر اس کی تقدیم کو اسی پر مبنی کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جہاد اور اس کے اخوات میں جہت عبادت کی غالب ہے اور جو چیز ان سے بھی زیادہ ارکان اربعہ سے مناسبت رکھتی ہو اس میں وصف عبادت کے غالب ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اور قطع نظر اقوال علماء سے اس مناسبت کی تائید حدیث مرفوع سے بھی ہوتی ہے۔ عن علیؓ ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال یا علی ثلث لا تؤخرها الصلوٰة اذا اٰنت والجنازة اذا حضرت والأیم اذا وجدت لها کفوا رواه الترمذی (مشکوٰۃ) اس میں نکاح کو وجوب تعجیل میں نماز کا قرین قرار دیا جس سے اس مناسبت کی صریح تقویت ہوتی ہے۔

وذکرسره فی العطن الاول ویتأید ایضا کون وصف العبادة فیه غالباً علٰی وصف المعاملة بان المعاملات التی یتوقف انعقادها علٰی تراضی الجانبین یتوقف فسخها ایضا علٰی تراضیهما والعبادات المحضة یتفرد العامل بفسخها وکذلک النکاح یستقل الزوج بابطاله فکان مشابهته بالعبادات اقوی وبالمعاملات اضعف۔

عطن خامس بلقب بحق وطن۔ اس میں اس قانون کے مطالبہ فسخ کے متعلق ایک استطرادی اور مختصر کلام ہے اور اسی لئے اس کا عنوان گو تغلیباً عطن رکھدیا گیا لیکن اصل لقب حق وطن ہے کیونکہ اس کا تعلق خاص اپنے ملک ووطن کے مصالح سے ہے خطبہ میں بزیر عنوان اطلاع اس مادہ میں سیاسی پہلو پر کلام کرنے سے علمی وعملی عذر ظاہر کر چکا ہوں اور وہاں ہی یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ شاید غیر سیاسی طور پر کسی موقع پر اس کا ذکر استطراداً آجاوے سو وہ موقع یہی ہے جس میں بجائے سیاسی کلام کے اپنے بھائیوں کے لئے ایک مفید مشورہ معروض ہے اور وہ یہ کہ حکومت سے اس قانون کے تنسیخ کی درخواست دو بناؤں پر ہو سکتی ہے ایک تو اس بناء پر کہ یہ قانون خلاف معاہدہ عدم مداخلت فی المذاہب ہے سو اگر اس بناء کو اختیار کیا جاوے تو اس کی بھی ضرورت ہے کہ اس معاہدہ میں جو لفظ مذہب یا اس کا مرادف آیا ہے اس کے مفہوم کی تحقیق کی جاوے جس میں استقراء سے کئی احتمال ہیں ایک یہ کہ مراد اس سے وہ امور ہیں

جن کواحقر نے عطف اول میں امر دینی کہا ہے جس میں نکاح بھی داخل ہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے بھی عام معنی مراد ہوں یعنی وہ جمیع امور جن کو شریعت نے قانون بتلادیا ہے اس میں تمام دیانات و معاملات آ گئے۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ مراد وہ امور ہیں جن کو عام خیالات سے دین کا کام سمجھا جاتا ہے خواہ دین میں اس کی کچھ اصل ہو یا نہ ہو اس میں جس طرح امور دین یعنی نماز واذان وروزہ وحج وزکوٰۃ ونکاح وغیرہ داخل ہیں اسی طرح رسوم محرم وشب برات اوراعراس قبور بھی داخل ہیں۔

چوتھا احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد مجموعہ معنی ثالث مع شفعہ ومیراث ووقف وقربانی وامثالہا ہوں اور احتمالات عقلیہ گواور بھی ہوسکتے ہیں مگر تتبع سے وہی احتمالات لکھے گئے جن کا تذکرہ زبانوں پر آتا ہے اور ممکن کہ ان کے علاوہ کوئی پانچواں مفہوم ہواور ہر حالت میں جب لفظ مذہب کا مفہوم متعین ہو جائے گا تو آسانی سے معاہدہ کے خلاف ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ بھی ہو جائے گا اور بہت سے اختلافات رفع ہو جائیں گے اور بہت سے سوالات حل ہو جائیں گے چنانچہ بعض سوالات دائرہ علی الالسنہ مع جوابات نمونہ کے طور پر ذکر کیے جاتے ہیں۔

سوال اوّل۔ اگر نکاح کا یہ قانون مداخلت فی الدین ہے تو بیع وشراء وحفظ صحت کے قوانین بھی مداخلت فی الدین ہیں حالانکہ ان کے متعلق کوئی مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

جواب۔ مذہب کے معانی مذکورہ میں سے جس معنی کے اعتبار سے دونوں میں فرق نہ ہو اس پر تو یہ جواب ہے کہ عدم التفات کے وقت سکوت کر لینے سے التفات کے وقت بھی سکوت کر لینا لازم نہیں اور جس معنی کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہو تو جواب ظاہر ہے اور اسی جواب مبنی علی الفرق کو میں نے اپنی ایک تقریر میں ذکر کیا ہے۔

وہو ہذا۔ بڑا شبہ ان لوگوں کا یہ ہے کہ شرعی جائز کو قانوناً ممنوع کرنا مداخلت ہونا چاہئے حالانکہ اس کو کوئی مداخلت نہیں کہتا اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی ایک تحقیقی۔ الزامی تو یہ کہ گاؤکشی بھی واجب نہیں جائز ہے تو کیا کوئی مسلمان گوارا کرسکتا ہے کہ یہ قانوناً جرم ہو جاوے اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ جائز کے دو درجے ہیں ایک محض مباح جس میں کوئی حیثیت دین اور طاعت کی بھی ہے اور معیار اس کا یہ ہے کہ اس کی فضیلت اور ترغیب شریعت میں آئی ہو جیسے نکاح کہ اس کی تاکید وارد ہے اور اس کے ترک بلا عذر پر وعید بھی یہ صاف دلیل ہے اس کے دین ہونے کی اسی لیے فقہاء نے جو نکاح کے اقسام اور ان کے احکام لکھے ہیں ان میں کوئی درجہ مباح کا نہیں ہاں عارض کے سبب مکروہ تو ہو جاتا ہے مگر فی نفسہ طاعت ہی ہے اور فقہاء نے اس کو اس درجہ کی طاعت فرمایا ہے کہ اس کو اشتغال بالتعلم والتعلیم

والتخلی للنوافل سے افضل کہا ہے کہ کذا فی الشامی۔ پس نکاح کا کوئی نیا قانون بنانا مداخلت فی الدین ہے اور معالجہ کا قانون بنانا مداخلت فی الدین نہیں ہے۔

سوال دوم۔ مطلق نکاح دین ہے بقید صغرسن تو دین نہیں۔

جواب۔ معانی مذکورہ میں سے جس معنی کر یہ دین ہے اس میں کوئی قید نہیں لہٰذا ہر عمر میں دین ہے۔ یہ تو اس جواب کی قانونی حقیقت ہے اور شرعی حقیقت اس جواب کی کسی قدر مہارت علم دین پر موقوف ہے وہ یہ کہ شرعی فقہی قاعدہ ہے کہ جو عمل اطلاق کے درجہ میں جس شان کے ساتھ موصوف ہوتا ہے وہ جس قید جائز کے ساتھ بھی صادر ہوگا اسی شان کے ساتھ موصوف رہے گا۔ مثلاً نماز ظہر کی فرض ہے اور خاص اس کی یہ قید کہ دو ہی بجے کے وقت ہو فرض نہیں لیکن اگر دو ہی بجے پڑھی گئی تو اس کو بھی فرض کہیں گے اگر کوئی ایسا قانون بنایا جاوے کہ دو بجے پڑھنا جائز نہیں تو وہ مداخلت فی الدین یقیناً ہے اسی طرح جب مطلق نکاح دین ہے تو اگر صغرسن کی حالت سے پایا جاوے اس فرد کو بھی دین ہی کہیں گے تو اس کی ممانعت کا قانون بنانا مداخلت فی الدین ہوگی اور اسی طرح قربانی میں کہیں گے کہ قربانی عبادت ہے اگر بقید بقرہ ہو تب بھی عبادت ہے تو اس کی ممانعت مداخلت فی الدین ہوگی خوب سمجھ لیا جاوے۔

سوال سوم۔ قانونی بلوغ کے قبل کسی خاص عمر میں فرض وواجب نہیں۔

جواب۔ بعض حالات میں فرض وواجب بھی ہو جاتا ہے مثلاً صحت بدنیہ وقوت مزاجیہ کے سبب تقاضا شدید ہو اس حالت میں فرض وواجب ہو جاتا ہے دوسرے جس معنی کر یہ دین ہے اس میں فرض غیر فرض میں کوئی فرق نہیں جیسا فرض نماز اور نفل نماز سے روکنا برابر ہے اور اس دوسرے جواب کا مرجع وہی ہے جو سوال دوم کے جواب میں مذکور ہوا۔

یہ سب کلام اس وقت تھا جب بناء درخواست نسخ کی معاہدہ عدم مداخلت فی المذہب ہو اور ایک دوسری بناء درخواست نسخ کی اور ہے اور یہ دوسری بناء اسلم ہے بالخصوص جو لوگ سیاسیات میں علماً وعملاً قاصر ہیں ان کے لئے تو بالتعیین اسی بناء کے اختیار کرنے کا مشورہ دیتا ہوں یعنی اگر کریں اور تحریک کے عام کرنے کے لئے کر ہی لینا اصلح ہے اور وہ یہ ہے کہ حکومت سے یہ درخواست کی جاوے کہ اگر اس قانون کو خلاف معاہدہ ہونے کی بناء پر آپ منسوخ نہیں کرتے تو ترحم وراحت رسانی ہی کی بناء پر منسوخ کر دیجئے۔ کیا رعایا کے صرف وہی حقوق ہیں جن کی فہرست منضبط کر دی جاوے کیا ان کا یہ حق نہیں ہے کہ ان کو تکلیف و پریشانی سے بچایا جاوے۔ کیا وقتاً فوقتاً حکومت کی طرف سے مصالح کی رعایتیں ہوتی نہیں رہتیں اور اس قانون سے جو کلفتیں اور زحمتیں ہوں گی کیا وہ متیقن و متبین نہیں پھر اس دونوں مقدموں کے بعد ترتیب نتیجہ یعنی نسخ قانون میں کا ہے کا انتظار ہے۔

یہ تو خطاب تھا حکام سے مگر اسی پر اکتفا نہ کریں بلکہ حق تعالیٰ سے بھی التجاء و دعاء کرتے رہیں کہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما کر یہی گناہ اصل ہے نزول دواہی کی اور حکام کے قلوب کو قلت رعایت سے صاف فرما جو فرع ہے عفو منا ہی کی واللہ الموفق تمت الرسالۃ لنصف.

رجب ۱۳۴۸ھ (النور ص: ۳ تا ۱۹۲۳ بابت ماہ شعبان ۱۳۴۸ھ)

## آیت وابتلوا الیتامیٰ سے صغیر کے نکاح کے عدم جواز پر استدلال کا حکم

سوال (۳۵۰) زید آیت وابتلوا الیتامیٰ حتیٰ اذا بلغوا النکاح سے استدلال کرتا ہے کہ نکاح قبل بلوغ صغیر وصغیرہ کا جائز ہی نہیں ولی کی اجازت سے ہو یا نہ ہو کیونکہ بلغوا النکاح سے وقت بلوغ مراد ہے تفسیر بیضاوی میں ہے حتیٰ اذا بلغوا حد البلوغ بان یحتلم وبلوغ النکاح کنایۃ عن البلوغ لانہ یصلح للنکاح عندہ اور حاشیہ بیضاوی میں ہے لان المقصود من النکاح التوالدو لاتوالد الا عند البلوغ۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شریعت میں نکاح کا کوئی وقت معین ہے کہ اس وقت انسان کو اس کی صلاحیت ہوتی ہے اور نکاح قبل کوئی چیز صحیح نہیں ہوتی جیسے نماز قبل از وقت۔ اب مطلوب یہ ہے کہ اس آیت میں نکاح سے کیا مراد ہے عقد یا وطی اور اس آیت سے یہ مسئلہ مستنبط ہو سکتا ہے اس کا قائل ایک غیر مقلد شخص ہے جو جمہور کے خلاف کہہ رہا ہے اس کے جواب کی ضرورت ہے پس اس کو استدلال کے جواب میں کیا کہنا چاہئے مختصر وخلاصہ تحریر فرمائیے۔ کہ اپنے کو بھی تسکین ہو دوسرے کو بھی فائدہ ہو۔

الجواب۔ قولہ لانہ یصلح عندہ اقول صلاحیت سے مراد صلاحیت تامہ ہے قولہ المقصود من النکاح الخ اقول صلاحیت تامہ سے یہی صلاحیت توالد مراد ہے قولہ اس عبارت سے اقول اول تو عبارت کے معنی معلوم ہو گئے دوسرے بیضاوی کی تقلید کب درست ہو گی قولہ اور قبل از وقت اقول وقت سے مراد وقت جواز ہے یا وقت وجوب اگر اول ہے تو مسلم مگر مذکور کا وقت جواز ہونا ثابت نہیں اور اگر وقت وجوب مراد ہے تو خود یہ مقدمہ غیر مسلم چنانچہ وضو قبل از وقت درست ہے۔ قولہ عقد یا وطی اقول دونوں صحیح ہو سکتے ہیں قولہ ہو سکتا ہے اقول نہیں قولہ خلاصہ تحریر فرمایا جاوے اقوال استدلال مذکور کا جواب تو ہو گیا جس کے بعد اس کا دعویٰ بلا دلیل رہ گیا اب اس سے دوبارہ دلیل کا مطالبہ کافی ہے اور جب تک وہ دلیل نہ لاوے اس کا دعویٰ غیر مسموع اور قول جمہور کا غیر مقدوح ہے اب تبرعاً نفس مسئلہ پر دلیل پیش کی جاتی ہے کہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا ہے وہ اس وقت نابالغ تھیں چنانچہ احادیث صحیحہ میں مصرح ہے۔ ۱۸ رمضان ۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص: ۲۶۰)

## حکم خنثیٰ

سوال (۳۵۱) میرے ایک بھائی ہے اس میں چند علامات پیدا ہوگئی ہیں جن کے سبب سے اس کے مرد اور عورت ہونے کا پہچاننا مشکل ہوگیا ہے۔

(۱) پہلی علامت یہ ہے کہ ذکر نہیں ہے اور ذکر کی جگہ میں چھنگلیا انگلی کے سر کے برابر ایک ٹکڑا گوشت کا ہے وہ گوشت عورتوں کے شرمگاہ کی طرح بھی نہیں ہے اور اس سے پیشاب نکلتا ہے۔

(۲) دوسری علامت یہ ہے کہ بے خصیتین بھی نہیں ہیں۔

(۳) تیسری علامت یہ ہے کہ ہر مہینے میں عورتوں کے مانند حیض آتا ہے۔

(۴) چوتھی علامت یہ ہے کہ دو پستان بھی عورتوں کے پستان کے مانند ابھرآ ئے ہیں۔

(۵) پانچویں شہوت بھی ہے اگر مرد کے ساتھ لیٹے تو اس کی طرف خیال جاتا ہے اور اگر عورت کے پاس لیٹے تو عورت کی طرف بھی خیال جاتا ہے۔

(۶) یہ کہ کبھی منی نہیں نکلتی ہے گویا کہ بند ہے۔

آپ مہربانی فرما کر اس مسئلہ کا جواب دیجئے کہ وہ شخص حکم عورت میں ہے یا حکم مرد میں اور نماز روزہ پڑھتے وقت کیسا پڑھنے کا حکم ہوگا۔

الجواب۔ چونکہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بالغ ہوگیا ہے اس لئے بول کے احتمالات کو تو علامت نہ بنایا جاوے گا۔

**کمافی العالمگیریه بعد ذکرهذه الاحتمالات قالوا وانما يتحقق هذا الاشكال قبل البلوغ فاما بعد البلوغ والإدراك يزول الاشكال فان بلغ وجامع بذكره فهو رجل وكذا اذالم يجامع بذكره ولكن خرجت لحية فهو رجل كذا فى الذخيرة وكذا اذا احتلم كما يحتلم الرجل اوكان له ثدى مستورلو ظهرله ثدى كثدى المرأة او نزل له لبن فى ثدييه او حاض اوحبل اوا مكن الوصول اليه من الفرج فهو امرأة وان لم تظهراحدى هذه العلامات فهو خنثى مشكل وكذا اذا تعارضت هذه المعالم كذا فى الهداية واما خروج المنى فلا اعتبار له لانه قد يخرج من المرأة كما يخرج من الرجل كذا فى الجواهر النيرة قال وليس الخنثى يكون مشكلا بعد الإدراك علىٰ حال من الحالات لانه اما ان يحبل او يحيض او يخرج له لحية او يكون له ثديان كثدى المرأة وبهذا يتبين حاله وان لم يكن له شيئى من ذلك فهو رجل لان عدم نبات الثديين كما يكون للنساء دليل شرعى علىٰ انه رجل كذا فى المبسوط شمس الائمه**

السرخسیؒ (ج: ۷ ص: ۲۸۵)

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ذکر سے جماع کرنا اور ڈاڑھی نکلنا اور مردوں کی طرح احتلام ہونا اور پستان کا نہ ابھرنا علامات ذکورت کی ہیں اور پستان ابھر آنا یا پستان میں دودھ اتر آنا یا حیض آنا یا مرد کا اس سے فرج میں صحبت کرسکنا علامات انوثت کی ہیں اور سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو حیض آتا ہے اور پستان بھی ابھر آئی ہیں اور یہ علامتیں عورت ہونے کی ہیں اب دیکھنا چاہیے کہ ذکورت کی مذکورہ علامات میں سے بھی اس میں کوئی علامت ہے یا نہیں اگر ہے تو یہ خنثیٰ مشکل ہے ورنہ عورت ہے عورت کے احکام مشہور ہیں اور خنثیٰ کے احکام بھی کتب میں مذکور ہیں اگر پھر بھی ضرورت استفسار کی ہو پوچھ لیا جاوے۔ ۱۶/ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۲۵۳)

## حکم منع ثیبات از نکاح ثانی

سوال (۳۵۲) بیوہ عورتوں کو نکاح ثانی سے روکنا۔

الجواب۔ فلما قال اللہ تعالیٰ فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضوا بینھم بالمعروف ذٰلك یوعظ به من کان منکم یؤمن باللہ والیوم الأخر ذلکم ازکی لکم واطھر الأیة وقال اللہ تعالیٰ وانکحوا الایامیٰ منکم الأیة وقال رسول للہ صلی اللہ علیه وسلم یا علی لا تؤخر ثلثا وعدمنھا الأیم اذا وجدت لھا کفوا الحدیث اور اگر اس کو عار وعیب وننگ سمجھتا ہے تو خوف کفر ہے لقوله تعالیٰ فلاوربك لایومنون حتیٰ یحکموك فیما شجر بینھم ثم لایجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما الأیة ولقوله علیه السلام لایؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعالما جئت به الحدیث۔

(امداد ص ۱۲۶ ج ۲)

## چند بیویاں ہوں تو شوہر کو ہر ایک بیوی کے گھر شب باشی کرنا ضروری ہے یا ایک بیوی کے گھر میں سب کو بلا کر شب باشی کرنا کافی ہے

سوال (۳۵۳) ایک مرد مشائخ کے پاس تین یا چار عورتیں ہیں وہ فقط اپنی ایک عورت کے گھر میں سکونت پذیر ہے اور وہیں کھاتا پیتا سوتا ہے پھر وہ اسی گھر میں ہر نوبت والی عورت کے ساتھ بلا رضامندی اس کے بلوا کر شب گزاری کرتا ہے۔ عورتیں اپنی سوکن کے گھر میں جانا پسند نہیں کرتیں بلکہ موت کو اس پر ترجیح دیتی ہیں اور وہ مرد کہتا ہے کہ میرے اوپر صرف یہ لازم ہے کہ شب گزاری میں مساوات کروں باقی ہر نوبت والی کے گھر اس کے دن یعنی باری میں جانا اور اس کے گھر میں شب گزار

ہونا واجب نہیں اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم برابر ہر نوبت والی کے گھر میں جایا کرتے تھے اور کسی بیوی کو آپ سوکن کے گھر میں نہیں بلاتے تھے لیکن ان کا یہ عمل اختیاری تھا آپ کے فعل سے امت مرحومہ پر ایسا کرنا واجب نہیں اور یبیت عندھا اور اقام عندھا کے معنی اس طرح کرتا ہے کہ اس سے فقط شب گزار ہونا مقصود ہے نہ کہ اس کے گھر میں بیتوتت اور اقامت کرنا مطلوب و ثابت ہے کیا اس مرد کے لئے ایسا کرنا جائز ہے اور ایسے معنی کرنا اس کا صحیح ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ في الدرالمختار ولومرض هو في بيته دعا كلا في نوبتها الخ في ردالمحتار هذا اذاكان له بيت ليس فيه واحدة منهن والا فان لم يقدر علىٰ التحول الىٰ بيت الاخرى يقيم بعد الصحة عند الاخرىٰ بقدرما اقام عندالاخرىٰ ثم يقسم بينهما (قبيل الرضاع) في العالمگيرية لايجوز ان يجمع بين الضرتين اوالضرائر في مسكن واحدٍ الا برضاء لهن للزوم الوحشة ولو اجتمعت الضرائر في مسكن واحدٍ بالرضا يكره ان يطاء احدهما بحضرة الاخرىٰ حتى لو طلب وطيها لم يلزمها الإجابة لاتصير في الامتناع ناشزة ولا خلاف في هذه المسائل۔(قبيل الرضاع فيما يتصل بذلک من المسائل)

یہ روایات اس مرد کے قول کے ہر جزو کے بطلان میں صریح ہیں اور اس مرد کا یہ فعل بالکل ناجائز ہے۔ واللہ اعلم۔ ۲۷؍رجب ۱۳۵۶ھ (النور ص: ۷ رمضان ۱۳۵۷ھ) کتبہ اشرف علی عفی عنہ

# الصراح فی اجرة النکاح

بعد الحمد والصلوٰۃ والسلام للہ تعالیٰ وعلیٰ رسولہ وآلہ واصحابہ الکرام۔ بہت روز سے میرے دل میں خیال تھا کہ اس نکاح خوانی کی اجرت متعارفہ کے متعلق کچھ تحقیق کیا جاوے لیکن اتفاق سے آج کل خاص طور پر اس کا ایک استفتاء آ گیا چونکہ اس کا جواب قدرے مفصل لکھا گیا جس سے وہ ایک چھوٹے رسالہ کی برابر ہو گیا اس لئے بمناسبت مضمون الحق الصراح فی اجرة النکاح اس کا نام رکھدینا مناسب معلوم ہوا وجہ استفتاء کی یہ ہوئی تھی کی احقر نے ایک جگہ ایک حافظ صاحب کو نیابت سے منع کر دیا تھا اس لئے منیب کے صاحبزادے نے بغرض اپنے والد ماجد کو کہ ان کا قیام دوسری جگہ ہے حکم شرعی سے اطلاع دینے کے اس کی تحقیق کی فبارک اللّٰہ تعالیٰ فیہم۔ العبد محمد اشرف علی عفی عنہ

سوال (۳۵۴) حضرت اقدس جناب مولانا صاحب مدظلہ العالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حافظ صاحب نے رجسٹر نکاح یہ فرما کر واپس کر دیا ہے کہ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ اوّل تو یہ آمدنی ناجائز ہے اور اگر طوعاً و کرہاً جائز بھی ہوئی ہے تو اس طرح ناجائز ہو جاتی ہے کہ تم اس میں سے کچھ جز و قاضی صاحب کو دیتے ہو جو مقدمہ رشوت ہے رشوت جبریہ تو جائز ہے بھی مگر یہ رشوت طبعی ہے بلا کسی دباؤ کے محض بغرض انتفاع اس لئے ناجائز ہے۔ جناب والد صاحب یہاں تشریف نہیں رکھتے جو اس کام کو خود انجام دیتے یا کوئی انتظام فرماتے لہٰذا میری غرض یہ ہے کہ ان کی خدمت میں بذریعہ عریضہ کل احکام متعلقہ جواز وعدم جواز عرض کر دوں تا کہ انتظام میں سہولت ہو ورنہ خدا جانے کیا انتظام ہو اور ناحق بھی مبتلاء گناہ ہونا پڑے پس گزراش ہے کہ جناب ضروری احکام متعلقہ سے مطلع فرما کر سرفراز فرما دیں گے اور نیز اس سے بھی مطلع فرما دیں گے کہ آیا بطور تنخواہ دار کے کسی شخص سے یہ کام لیا جاوے تو جائز بھی ہے یا نہیں اطلاعاً یہ بھی گزارش ہے کہ لوگ نکاح خواہ کا حق صرف چار ہی آنہ خیال کرتے ہیں باقی ایک روپیہ قاضی صاحب کے نام کا ہوتا ہے جس کو عطیہ یا نذرانہ جو کچھ بھی ہو کہنا چاہئے اور اکثر ایسا ہوا بھی ہے کہ قاضی صاحب کے نام کا روپیہ انہوں نے نکاح خواہ کو نہیں دیا خود اپنے آپ آ کر دیگئے ہیں کہ مکرر یہ ہے کہ اگر حافظ صاحب نے یہ کام نہ کیا تو اور لوگوں سے یہ امید نہیں کہ وہ مسائل کی تحقیق کریں گے پس بہت سے نکاح خلاف شرع ہوا کریں گے۔

جواب۔ اس کا مجمل جواب تو یہ ہے کہ مولانا محمد اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسائل اربعین میں ایک ایسے سوال کے جواب میں خزانۃ الروایات سے استدلال کر کے اس کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے چنانچہ وہ سوال و جواب مع روایات نقل ہوتا ہے۔

مسئلہ۔ بعد نکاح بقاضی و وکیل و شاہداں کہ از طرف عروس می آیند بخوشی خود بدون مطالبۂ شان چیزے دادن جائز است یا نہ۔

جواب۔ دادن ایں مرداں بدوں مطالبہ و جبر از طرف ایشاں مباح است و اگر جبر کنندہ خواہ مخواہ بلکہ داصرار طلب نمایند و بگیرند پس مباح نیست چنانچہ در کتاب خزانۃ الروایات مرقوم است ومماسنة القضاء فی دار الإسلام ظلم صریح وهوان یاخذوا من الانکحة شیئا ثم یجیرون اولیاء الزوج والزوجة بالمناكحة فانهم مالم یرضوا بشیئی من اولیاء هما لم یجیزوا بذلک فانه حرام للقاضی والمناكح انتهی الجواب المذكور قلت فكما ان الاجازة غیر متقومة لایحل العوض عنها كذلک الجاه والعقود الفاسدة التی هی المنشاء فی الاكثر لهذا الاخذ كما سیأتی غیر متقومة لایحل العوض عنها۔ اور مفصل جواب یہ ہے کہ جو چیز کسی کو دی جاتی ہے اس کی دو حالتیں ہیں یا تو بعوض دیا جاتا ہے یا بلاعوض اور جو بعوض دیا جاتا ہے

دو حال سے خالی نہیں یا تو ایسی شئے کا عوض ہے جو شرعاً متقوم و قابل عوض ہے اور یا ایسی شئے کا عوض ہے جو شرعاً متقوم و قابل عوض نہیں خواہ حقیقۃ جیسا عقود باطلہ میں ہوتا ہے یا حکماً جیسا عقود فاسدہ میں ہوتا ہے اور جو بلا عوض دیا جاتا ہے وہ بھی دو حال سے خالی نہیں یا تو محض طیب خاطر اور آزادی سے دیا جاتا ہے یا تنگی خاطر و کراہت قلب سے دیا جاتا ہے خواہ تنگی اور کراہت زیادہ ہو یا کم یہ کل چار قسمیں ہوئیں۔

قسم اوّل۔ جو متقوم شئے کے عوض میں حاصل ہو۔

قسم دوم۔ جو چیز غیر متقوم شئے کے عوض میں حاصل ہو۔

قسم سوم۔ جو بلا عوض بطیب خاطر حاصل ہو۔

قسم چہارم۔ جو بلا عوض بکراہت حاصل ہو۔

قسم اول بوجہ اجرت یا ثمن ہونے کے اور قسم سوم بوجہ ہدیہ وعطیہ ہونے کے حلال ہے اور قسم دوم بوجہ رشوت یا ربوا حقیقی یا حکمی ہونے کے اور قسم چہارم بوجہ ظلم یا جبر فی التبرع ہونے کے حرام ہے اب دیکھنا چاہئے کہ نکاح خوانی کی آمدنی کون قسم میں داخل ہے تاکہ اس کا ویسا ہی حکم ہو اگر قسم اول میں داخل کہا جاوے جیسا خود نکاح پڑھنے والے کی نسبت اس کا ظاہراً احتمال ہوسکتا ہے کیونکہ جو خود نکاح پڑھنے نہ جاوے وہاں تو نکاح کا احتمال ہی نہیں البتہ نکاح خوان کے اعتبار سے ظاہراً اس کا شبہ ہوسکتا ہے کہ یہ نکاح خوان کے اس عمل کی اجرت ہے مگر غور کرنے کے بعد یہ احتمال صحیح نہیں رہتا کیونکہ صحت اجارہ کے لئے شرعاً چند امور لازم ہیں وہ یہ کہ کام لینے والے کو پورا اختیار ہو جس سے چاہے کام لے اور کام کرنے والے کو پورا اختیار ہو کہ کام کرے یا نہ کرے اور اسی طرح مقدار اجرت ٹھیرانے میں کام لینے والے کو پورا اختیار ہو کہ جس قدر چاہے کم کہہ سکے اور زیادہ پر راضی نہ ہو اور کام کرنے والے کو بھی پورا اختیار چاہے زیادہ مانگے ان امور میں اپنی آزادی واختیار سے منتفع ہونے میں ایک پر دوسرے کی طرف سے کوئی طعن یا ملامت مانع نہ ہو اور یہ سب امور مسئلہ مجوث عنہا میں مفقود ہیں کیونکہ گو کام لینے والے کو اس میں تو آزادی حاصل ہے کہ کسی سے مفت نکاح پڑھوا لے لیکن اگر وہ اجرت پر کسی نئے شخص سے نکاح پڑھوالے مثلاً مجمع حاضرین میں سے کیفما اتفق کسی کو کہدے کہ تم پڑھ دو اور وہ اجرت تم کو دیں گے یا اسی مقرر نکاح خواں سے کہے کہ تم دوسری جگہ اتنا لیتے ہو ہم تو اس سے نصف دیں گے اگر نہیں پڑھتے تو ہم کسی دوسرے کو بلالیں گے یا اسی طرح اگر کام دینے والا نہ تو خود جاوے اور نہ اپنی طرف سے کسی کے بھیجنے کا اہتمام کرے بلکہ صاف جواب دیدے کہ کچھ ہمارے ذمہ نہیں یا یوں کہے کہ گو اور جگہ سے ایک روپیہ لیتا ہوں مگر تم سے دس لوں گا چاہے لے چلو چاہے نہ لے چلو تو ضرور ان چار صورتوں میں ایک دوسرے کی طرف سے بھی اور عام سننے دیکھنے والوں کی طرف سے سخت ملامت ہوگی کہ لو صاحب ہمیشہ

سے تو اس طرح چلا آ رہا ہے انہوں نے یہ نئی بات نکالی اور سب قائل معقول کر کے اسی رسم قدیم پر اس کو مجبور کریں گے پس جب صحت اجارہ کے شرائط مفقود ہیں تو اجارہ مشروعہ نہ رہا پھر اجرت کہنے کی گنجائش کہاں رہی پھر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نکاح خواں بلانے والے کا اجیر نہیں سمجھا جاتا بلکہ خود اصل قاضی کے خیال میں بھی اور دوسرے عوام کے خیال میں بھی اصل قاضی کا نوکر سمجھا جاتا ہے چنانچہ وہ قاضی اس کو جب چاہے معزول کر دیتا ہے اور اس صورت میں اس کا غیر مشروع ہونا اور زیادہ ظاہر ہے کیونکہ نوکر کسی کا اور اجرت کسی کے ذمہ یہ خود باطل ہے اور شرع میں اس کی کوئی نظیر نہیں اور اگر قسم سوم میں داخل کیا جاوے جیسا خود نکاح نہ پڑھنے والے کی نسبت اس کا ظاہراً احتمال ہوسکتا ہے کیونکہ جو شخص نکاح پڑھانے گیا ہے وہاں تو مفت ملنے کا احتمال ہی نہیں البتہ غیر نکاح خواں کے اعتبار سے ظاہراً علی عکس القسم الاول اس کا شبہ ہوسکتا ہے کہ یہ اس کو عطیہ و ہدیہ کے طور پر دیا گیا ہے جیسا سوال میں اس سے تعرض بھی ہے مگر غور کرنے کے بعد یہ احتمال بھی صحیح نہیں رہتا کیونکہ مشروعیت ہدیہ کے لئے بھی چند امور لازم ہیں وہ یہ کہ نہ تو دینے والا اس کو لینے والے کا اور نہ خود لینے والا اس کو اپنا حق سمجھے اور دینا بھی ضروری نہ سمجھا جاوے اور اسی طرح مقدار ہدیہ میں دینے والے کو اختیار ہو کہ خواہ کم دے یا زیادہ دے غرض کہ نہ دینے میں بھی ملامت نہ ہو اور کم دینے پر بھی ملامت نہ ہو اور مسئلہ مبحوث عنہا میں یہ امور بھی مفقود ہیں کیونکہ گو بعضے لوگوں کو اس میں آزادی حاصل ہے بالکل نہ دیں چنانچہ جو لوگ اس سے پورے واقف ہیں کہ ان کا کوئی حق نہیں وہ بالکل نہیں دیتے اور ان پر ملامت بھی نہیں کی جاتی لیکن عوام میں سے جو لوگ دیتے ہیں وہ بے شک یہی سمجھ کر دیتے ہیں کہ ان کا حق ہے خواہ بوجہ قدامت کے کہ ان کے بڑوں سے یہ بات چلی آ رہی ہے خواہ اس خیال سے مختلف مقامات پر مختلف عادات وخیالات ہیں غرض دینے والے بھی حق سمجھتے اور لینے والے بھی بعضے تو ویسے بھی حق سمجھتے ہیں چنانچہ بعض ان میں قرض خواہ کی طرح مانگ مانگ بھیجتے ہیں اور بعضے تدبیرات وتقریرات سے اس کی کوشش کرتے ہیں کہ عوام میں یہ خیالات جاگزیں رہیں کہ یہ ان کا حق ہے حتیٰ کہ اگر دوسرا ان ہی طرح اس کام کو کرنا شروع کر دے تو اس سے آزردہ اور اس کے درپے ہوتے ہیں کہ یہ ہمارے حق میں خلل ڈالتا ہے اسی طرح اگر کوئی بجائے روپیہ کے آنہ دو آنہ دینا چاہے تو خود لینے والا بھی اور دوسرے لوگ بھی اس کو طریقہ مقررہ کے خلاف سمجھ کر موجب ملامت قرار دیں گے جب مشروعیت ہدیہ کے شرائط مفقود ہوئے پھر ہدیہ کہنے کی گنجائش کہاں رہی جب اس آمدنی کا قسم اول وسوم میں داخل نہ ہونا ثابت ہو گیا پس لامحالہ قسم دوم یا چہارم میں داخل ہوگی جس کی وجہ قسمیں منفیین کی تقریر نفی سے خود ظاہر ہو چکی ہے اور تنبہ مکرر کے لئے اس کا خلاصہ پھر عرض کئے دیتا ہوں کہ بدون نکاح پڑھے دینا جیسا اکثر منیب کو ملتا ہے یا تو ان کے جاہ و

قدامت و زمینداری کے عوض میں ہے اور یہ سب امور غیر متقوم ہیں تب تو یہ دینا رشوت ہوگا اور یا پابندی رسم کے سبب حق سمجھنے کی وجہ سے ہے تو یہ جبر فی التبرع ہوگا اور نکاح پڑھوا کر دینا جیسا کہ اکثر نائب کو اور کہیں منیب کو ملتا ہے یہ اجارہ فاسدہ پر مبنی ہے اور خصوصاً جبکہ نائب نوکر قاضی کا سمجھا جاوے تو یہ آمدنی اجارہ غیر مشروع کی حکماً ربوا ہوگی جب اس کا قسم دوم یا چہارم میں داخل ہونا ثابت ہوگیا تو ان دونوں قسموں کا جو حکم تھا یعنی عدم جواز وہ بھی ثابت ہوگیا اور یہ تقریر تو اس عمل کی نفس حقیقت کے اعتبار سے تھی اور اگر اس کے ساتھ ایک امر خارجی کو بھی ملاحظہ فرمایا جاوے جو کہ وقوع میں اس کا مقترن ہے وہ یہ کہ اکثر جگہ عادت ہے کہ نکاح خوانی کیلئے بلانے والا تو دولہن والا ہوتا ہے اور نکاح خوانی دلواتے ہیں دولہا والے سے اور وہ بوجہ پابندی رسم کے خواہ مخواہ دیتا ہے جو کہ شرعاً محض ناجائز ہے کہ بلا وجوب شرعی کسی سے کوئی رقم اس کو ضروری و لازم قرار دیکر وصول کی جاوے تو اس عارض کی وجہ سے اس کا عدم جواز اور زیادہ مؤکد ہو جاوے گا غرض باعتبار نفس عمل کے بھی اور باعتبار اس عارض کے بھی یہ رقم ناجائز ٹھیری اور یہ تمام کلام خود لینے والے کے اعتبار سے ہے اور دوسرے کو دینا جیسا نائب کے ذمہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ایک بڑا حصہ اس رقم کا اپنے منیب کو دے سو یہ دینا محض اس بناء پر ہوتا کہ اس نے مجھ کو اس کام کیلئے اجازت دی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اجازت دینا شریعت میں امر غیر متقوم ہے اور غیر متقوم کے عوض میں دینا رشوت ہے اور رشوت بلا ضرورت دفع ظلم دینا حرام ہے پس اس دینے والے کو ایک گناہ رشوت دینے کا اور زائد ہوا غرض جو صورتیں اس کی متعارف ہیں اس میں کسی کو نہ لینا جائز ہے اور نہ دینا جائز ہے اور اس میں نائب و منیب اور شادی والے سب آ گئے جیسا بوجہ اکمل و ابسط اس کی تفصیل گزر چکی اب ان متعارف صورتوں کے علاوہ دو صورتیں اور رہ گئیں جن میں ظاہراً جواز کا احتمال معلوم ہوتا ہے ایک یہ کہ بطور اجارہ کے قاضی کسی کو نوکر رکھ کر اس کی تنخواہ مقرر کر دیں اور اس سے کام لیں جس سے سوال میں بھی تعرض ہے دوسرے یہ کہ بطور شرکت تقبل کے قاضی میں اور دوسرے کسی شخص میں باہم قرارداد ہو جاوے کہ دونوں نکاح پڑھا کریں اور جو کچھ دونوں کو آمدنی ہو وہ فلاں نسبت سے باہم تقسیم کرلیا کریں سو تأمل کرنے کے بعد ان میں بھی جواز نہیں معلوم ہوتا مثلاً اوّل صورت میں اگر اس کو اجیر خاص کہا جاوے تو اس میں دوسری نوکری نہیں کرسکتا حالانکہ اس میں نائب کو اس میں ممانعت نہیں ہوتی اور اگر اجیر مشترک کہا جاوے تو اجیر مشترک ہر شخص کا جو کام چاہے کرسکتا ہے حالانکہ یقینی بات ہے کہ اگر قاضی کو معلوم ہو جاوے کہ یہ نائب کچھ نکاح میری طرف سے پڑھتا ہے اور کچھ دوسرے شخص کی طرف سے جو اتفاقاً مثل قاضی کے وہ بھی یہی کام کرتا ہو تو یقیناً اس نائب کو معزول کر دے گا پھر دونوں شقوں میں محذور مشترک یہ ہے کہ خود قاضی میں اور اہل تقریب میں باہم کوئی عقد اجارہ نہیں ٹھیرتا پھر اس قاضی

کو اجرت لینا کس طرح جائز ہوگا اور اگر کہا جاوے یہی نائب وکالۃً اہل تقریب سے عقد اجارہ ٹھیرا لے جو مثل قبول قاضی کے ہوگا اس کا جواب ایک تو ان پر دونوں شقوں کے جدا جدا محذور سے معلوم ہو گیا کیونکہ جواز اور عدم جواز کے مقتضیات جمع ہونے سے عدم جواز کا مقتضی موثر ہوگا، دوسرا جواب آگے شرکت تقبل کے محذور سوم میں آتا ہے یہ تحقیق تو اول صورت کی ہوئی اور دوسری صورت یعنی شرکت تقبل اولاً تو ایسا واقع نہیں کیونکہ قاضی کو جو ملتا ہے اس میں سے نائب کو کچھ نہیں دیا جاتا دوسرے ہدایہ کتاب القسمۃ میں مصرح ہے کہ جو لوگ تقسیم کا کام اجرت پر کرتے ہوں حاکم اسلام کو چاہئے کہ ان کو باہم شریک نہ ہونے دے کہ عمل تقسیم کی اجرت گراں نہ ہو جاوے یہی حال ہے نکاح خوانی کا کہ ضرورت کی دنیا اور دین دونوں اعتبار سے ہر شخص کو پڑتی ہے اور اکثر نکاح خواں لوگ باوجاہت ہوتے ہیں اگر سب جدا جدا رہیں گے ہر شخص ارزاں ملے گا اور اگر سب شریک ہوگئے تو گراں ہو جاویں گے۔ تیسری خرابی وہی ہے جو قسم سوم کی نفی میں مذکور ہوئی کہ عرفاً یہ قاضی کا حق مختص سمجھا جاتا ہے ظاہر ہے کہ اختصاص کا کوئی استحقاق نہیں اور جو شخص قاضی یا نائب قاضی کو بلاتا ہے اسی استحقاق واختصاص کی بناء پر بلاتا ہے پس قاضی کا اجیر بنانا واجب اس بناء فاسد پر مبنی ہے تو خواہ وہ بالانفراد اجیر ہو جیسا ابھی صورت اولیٰ میں مذکور ہوا جس میں حوالہ اسی محذور سوم کو دیا گیا ہے اور خواہ بالاشتراک اجیر ہو جیسا اس صورت دوم میں فرض کیا گیا ہے ہر حالت میں بناء الفاسد علی الفاسد کے سبب کے ناجائز ہوگا، پس سابقہ متعارف صورتیں اور اخیر کی غیر متعارف صورتیں سب ناجائز قرار پاتیں البتہ اگر مثل دیگر معمولی اجارات تعلیم اطفال و فرائض نویسی اور دوسری صنعتوں اور حرفتوں کے اس کی بھی حالت رکھی جاوے کہ جس کا دل چاہے جس کو چاہے بلا اے اور کسی کی خصوصیت نہ سمجھی جاوے اور جس اجرت پر چاہیں جانبین رضا مند ہو جاویں نہ کوئی اپنے کو اصل مستحق قرار دے نہ دوسروں کے ذہن میں اس کو پیدا کیا جاوے اور اگر اتفاق سے کوئی دوسرا یہ کام کرنے لگے نہ اس سے رنج و آرزدگی ہو اگر نائب نیابت سے دستبردار ہو کر خود مستقل طور پر یہ کام شروع کر دے نہ اس کی شکایت ہو اور شہر میں جتنے چاہیں اس کام کو کریں ان سب کو آزاد سمجھا جاوے ہاں جو اس کا اہل نہ ہو اس کو خود ہی جائز نہ ہوگا وہ ایک عارض کی وجہ سے روکا جاوے گا جیسا کوئی امام اگر قرآن صحیح نہ پڑھتا ہو امامت سے روکا جاوے لیکن جو بہت سے آدمی اس کے اہل ہوں تو ان میں مختلف و متعدد آدمی اس کام کو کرنے کے مختار سمجھے جاتے ہیں اسی طرح اس نکاح کے ساتھ معاملہ کیا جاوے اور نیز بلانے والا اپنے پاس سے اجرت دے دولہا والوں کی تخصیص نہ ہو اس طرح البتہ جائز اور درست ہے غرض دوسرے اجرت کے کاموں میں اور اس میں کوئی فرق نہ کیا جاوے یہ تحقیق ہے اس اجرت نکاح خوانی کے متعلق اور جو مضمون اخیر میں مکرر کے عنوان سے لکھا اس کا جواب بہت واضح ہے کہ دوسرے

شخص کے دین سنورنے کے لئے اپنا دین بگاڑنا کسی طرح درست نہیں ہوسکتا خصوصاً جبکہ اس کا دوسرا طریقہ بھی ممکن ہو جیسا کہ احقر نے ابھی عرض کیا تھا کہ اس پیشہ کو عام رکھا جاوے مگر نااہل کو نہ بلایا جاوے اس کا تو کام لینے والے خود یا کسی ذی علم سے دریافت کرکے انتظام کرسکتے ہیں دوسرے یہ کہ اس انتظام متعارف میں بھی مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ بہت جگہ نااہل اس کام کو کررہے ہیں پھر اس انتظام کی پابندی سے شرعاً کون نفع خاص ہوا اور پابندی نہ کرنے سے کون ضرر خاص ہوا پھر یہ کہ قاعدہ شرعی ہے کہ جب کسی امر میں مفسدہ و مصلحت جمع ہو جاویں مفسدہ مؤثر ہوتا ہے مصلحت مؤثر نہیں ہوتی پس اگر اس مصلحت کو تسلیم بھی کیا جاوے تو اس قاعدہ کی بناء پر اس عمل کی اجازت نہ دی جاوے گی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ ۲۱ رمحرم ۱۳۲۴ھ (امداد ص: ۶۳ ج: ۳)

## در تحقیق اجرۃ النکاح

سوال (۳۵۵) بحضور فیض گنجور مولانا صاحب مدظلہ تسلیم۔ تحقیق حضور در بارہ اجرت نکاح خوانی در فتاویٰ امدادیہ و علیحدہ رسالہ دیدہ شد۔ چونکہ حضور حکیم الامت اند تمام مخلوق سیما طائفہ علماء وملایان دریں امر مبتلاء اند از اول وقت حکام اسلام در دیار ہند تا حال لہذا تاویل صحت آں ضروری است علامہ شامی در بارۂ مسئلہ شرب دخان در تنقیح فتاویٰ حامدیہ فرمودہ مع ان فی الافتاء بحلہ دفع الحرج عن المسلمین فان اکثرھم مبتلون بتناولہ۔ اور نیز حضور والا درحوادث الفتاویٰ ۱۳۳۱ھ ص ۱۱۳ در مسئلہ تحقیق عدم تعیین عمل و اجرت در استیجار عمال مزارعین فرمودند۔ بوجہ ابتلاء عام کے اس عقد کو اس تاویل سے جائز کہا جاوے ۱۲ الغرض خاص عوام نہایت بعید تاویل اختیار فرمودند در مانحن فیہ ضرور بالضرور نظر ثانی فرمایند۔ وخلوق راز ورطہ ضلالت واکل حرام خلاص دہند۔ ورنہ امر نہایت صعب است وجود حضور رحمت است برائے امت مرحومہ برکت حاجی حرمین الشریفین علیہ الرحمۃ والغفران ضرور دریں مسئلہ خوض اتم و نظر ثانی بغور فرمایند برائے دفع تکالیف حضور تمام دلائل و ماعیہ وروایات جواز و فتاویٰ علماء کرام بندہ درگاہ حاضر خدمت می کند جناب تعمق نظر فرمودہ بواپسی اطلاع فرمایند ٹکٹ ابلاغ است ملایان وافسراوشان مسمّی بہ قاضی گرد اوراایں اجرت بدلہ عمل خود میگیرند و صورت مسئلہ در سوال و جواب علماء مستشار العلماء مفصل است ملاحظہ مایند بدلہ اجازت ووجاہت نمی باشد و نہ در مانحن فیہ متصور است تا کہ روایت مولوی محمد اسحاق دہلوی کہ در امداد الفتاویٰ استدلال فرمودہ اند سند ایں امر شود بلکہ حکام وقت ایں رقم کہ موجب دستور قدیم وصول می شد سہ حصہ ازاں ملا را بدلہ کار را مقرر کردند و چہارم حصہ افسر پرتال کنندہ مسمی قاضی را بدلہ کار او مقرر کردہ اند تفصیل کار ہر دو در سوال

جواب مستشار العلماء موجود است خلاصہ والمعرض آنکہ ضرور از تمام امور رہائی غریق مقدم است زیادہ حد ادب ۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ۔

نقل جواب مسئلہ اجرۃ نکاح از دفتر انجمن مستشار العلماء لاہور مورخہ ۱۹؍ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

سوال..... چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ دریں دیار از قدیم قبل از حکومت ہذا عرف بلانکیر جاری است کہ در ہر قریہ ومحلہ یک ملا نکاح خواں مقرر است مرد ماں بر تقرر او راضی اند واو را عوض ذہاب وایاب جلسہ نکاح وتلقین تجدید شرائط ایمان وطرائق ایجاب وقبول واندراج رجسٹر مبلغ یکروپیہ چار آنہ یا کم وبیش رقم نکاح خوانی میدہند در حکومت ہذا از جانب سرکار عالی بر سر تمام ملایان تحصیل یک افسر باسم قاضی مقرر است آں قاضی تمام ملایاں را طرائق اندراج رجسٹر ونقشہ و ہدایات شرعی در بارۂ نکاح وطلاق تحریراً وتقریراً تلقین می کند واصلاح رجسٹر اوشاں میکند ونزد ہر ملا دورہ برائے اصلاح اوشاں می کند تا کہ کدام غیر شرعی امر ارتکاب نہ کند عوض ایں خدمت برائے قاضی از ہر ملا از ہر نکاح خوانی چہارم حصہ یانی نکاح ۴؍ مقرر است قاضی مذکور از ہر ملا می گیرد۔ ایں تمام انتظام سرکار عالی برائے فوائد مسلمانان مقرر کردہ اند کہ بوقت خصومت مقدمہ نکاح اصلیت ظاہر گردد و نکاح بموجب شرع صحیح منعقد گردد و بیان فرمایند ملا را رقم نکاح خوانی وقاضی را چہارم یا ۴؍ فی نکاح از ہر ملا گرفتن بموجب حکم شرعی شریف عوض عمل مذکور جائز است یا نہ اگر جائز است بہتر ورنہ دیگر مصیبت عظیم است کہ تمام اہل علم ایں دیار بایں مبتلاء اند۔ رہائی کافہ مسلمانان را از حرام خوری ضروری است۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ مندرجہ بالا صورت ایک قسم کا اجارہ ہے اور جس طرح تعلیم قرآن تعلیم فقہ امامت اور اذان پر بلحاظ ضرورت کے اجرت مقررہ واجر مثل کا دینا یا لے لینا درست ہے اسی طرح ملائے نکاح خواہ کو حرمت وحلت نکاح کے مواقع اور مشروع صورت میں نکاح کے ایجاب وقبول اور تقرر مہر وغیرہ کے شرعی طریقے بتلا دینے کی اجرت مقررہ یا اجر مثل لینا اور عقد کرنے یا کرانے والوں کو دینا شرعاً درست ہے جس طرح مثلاً تعلیم فقہ پر اجرت کے لینے اور دینے کے بند ہو جانے میں علم فقہ کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے اسی طرح ملائے نکاح خواں کی مذکورہ بالا اجرت بند ہو جانے میں نکاحوں کے شرعاً فاسد اور باطل ہو جانے اور دیگر مفاسد پیدا ہو جانے کا سخت خطرہ ہے اسی طرح قاضی کو جو ان ملاؤں کو رجسٹروں کے نقشے اور ان کے اندراج کے طریقے اور نکاح وطلاق کے احکام اور ہدایات کی تعلیم دیتا ہے اجرت مقررہ یا اجر مثل جیسی کہ صورت ہو لے لینا درست ہے اور تعلیم فقہ کے جواز میں اس کا جواز بھی شامل ہو سکتا ہے علاوہ بریں جب عام مسلمانوں میں مدت مدید سے اس کا تعامل اور تعارف چلا آتا ہے اور کسی نص شرعی اور صریح حکم مذہبی کے برخلاف بھی نہیں ہے تو اب اس کے جواز میں کسی شک وشبہ کی

گنجائش نہیں رہتی شیخ الاسلام علاء الدین حصکفی کتاب درمختار میں فرماتے ہیں۔

ویفتی الیوم بصحتها لتعلیم القران والفقه والإمامة والاذان ویجبر المستاجر علیٰ دفع ماقیل فیجب المسمی بعقد واجر المثل اذالم تذکرمدة شرح وهبانیه من الشرکة ویحبس به وبه یفتی ج۵ ص۳۷ نیز ایک اور موقع پر فرماتے ہیں وجاز اجرة الحمام لانه علیه الصلوٰة والسلام دخل حمام الحجفة وللعرف وقال علیه الصلوٰة والسلام ماراٰه المسلمون حسنا فهو عندالله حسن قلت والمعروف و فقه علیٰ ابن مسعود کما ذکره ابن حجر ج۵ ص ۳۵۔

علامہ سید محمد امین کتاب ردالمحتار میں فرماتے ہیں قوله وللعرف لان الناس فی سائر الامصاریدفعون اجرةالحمام وان لم یعلم مقدارما یستعمل من الماء ولا مقدار القعود فدل اجماعهم علیٰ جوازذلک وان کان القیاس یاباه لوروده علیٰ اتلاف العین مع الجهالة اتقانی ج۵ ص۳۵ هذا والله اعلم بالصواب۔

کتبه العبد المذنب المفتی محمد عبدالله عفی عنه

دستخط علمائے مستشار العلماء لاہور

| الجواب صحیح | المجیب مصیب |
|---|---|
| اصغر علی مدرس عربیہ مدرسہ لاہور | احمد علی عفی عنہ |
| قد اصاب من اجاب | المجیب مصیب فی هذا الجواب |
| محمد عالم امام مسجد گمٹی بازار | محمد یار عفی عنہ امام مسجد طلائی لاہور |

## نقل تحریر مولوی علی گوہر صاحب تونسوی شریف

درباره اجرت نکاح حسب الارشاد در جواب مسئلہ مسئولہ عرض میرود کہ ملایاں حسب دستور ورواج جماعت مسلمین از قبیل اجیر مشترک اند کہ بر عمل خود کہ مشتمل است بر حرکات ونقل وتر ددو حضور جماعت وجلسۂ نکاح واقوال تعلیم تجدید ایمان وطریق ایجاب وقبول کہ ہمہ آں از قبیل مباحات اند نہ واجب لعینہ ونہ معصیت اند واستیجار بر وشرعاً جائز است وتعریف اجارہ کہ بیع المنفعت مع عوض است بروصادق است واجر میگیرند۔ بناء بریں کہ المتعارف کالمشروط تعیین اجرت نا کردن مفضی بنزاع جانبین یا فسادنمی گردد۔ غایت امر اگر ملا زیادت کہ از قدر متعارف طمع کند بعد محادرہ جانبین وتراضی طرفین فساد مرتفع خواہد بود وملا را اخذ اجرت کہ نا کحین یا اولیاء ایشاں بطیب خاطر یا برضاء دون الاکراہ حوالہ اش

کردہ اند درست خواہد بود البتہ اخذ اجرت اضعافا مضاعفہ بالجاء اولیاء بناء بر تعین خود کہ از احکام وقوع یافتہ از قبیل رشوت وسحت خواہد بود ملا مقرر را چارہ جوئی کردن دریں باب کہ دیگر نہ خواند ہم ازیں قسم می تواں شد کہ یک اجیر مستاجر را براجیر ساختن خود تحریض کند لیکن درصورت تراضی طرفین ایں کراہت مرتفع است ودرعوض خبث پیدانمی کند وقاضی کہ برائے ملاحظہ رجسٹر ودرستگی عمل ملایاں مقرر است ایں ہم منجملہ مشروعات ومباحات است ملا را ازیں تصحیح وتنبیہات وہدایات ناچاری است وتعین اجر بروجائز است۔
درباب قسمت دیدہ باشند کہ فقہاء فرمودہ اند کہ اولیٰ ایں ست کہ وظیفہ قاسمین از بیت المال باشد واگر بر متقاسمین مقرر کردہ شود واجرت از ایشاں گرفتہ شود ہم جائز است کہ نفع عمل او بمتقاسمین راجع است وعمل او برائے ایشاں اگر ملا عذر کند کہ مارا برائے تصحیح کاروائی احتیاج بتعین قاضی معین نیست من خود درست کردن می توانم یا از کسے عالم مجاز اُدرستگی حاصل کردن می توانم ایں عذر او نامسموع است چرا کہ حکام وقت برائے مصلحت عامہ باتفاق رائے جماعت مسلمین ودفع فساد انکحہ وتشاجرات درباب نکاح ایں مد مقرر کردہ اند وچونکہ عمل ملا بدون پڑتال وملاحظہ عالم ناتمام است پس تقوم فعل ملا بریں موقوف خواہد بود واو را ضروری است کہ ادائیں اجر را بطیب خاطر قبول کند ودرصورت عدم رضاء مکابر خواہد بودن ومستحق بر عمل غیر تام خود نخواہد بود وحکام می توانند کہ دیگر ملا را کہ بطیب خاطر ایں قدر را جر دادن بر تصحیح عمل قاضی از قسم نقل ودورہ وملاحظہ رجسٹرات متقوم است کہ گرفتن عوض بروصحیح است قضاۃ وعلماء را اگرچہ وظیفہ ایشاں مقرر باشد بر کتابت فتویٰ وتلاش مسئلہ وتفتیش کتب اجر مثل گرفتن جائز داشتہ اند چنانچہ درباب القضاء درفقہ مقرر است۔ بالجملہ عمل ملایاں از رفتن بجلسہ نکاح وتعلیم تجدید ایمان وطریقہ ایجاب وقبول ونیز عمل قضاۃ از دورہ ملاحظہ رجسٹرات وغیرہ از قبیل عمل متقوم است کہ اخذ اجرت بروجائز است۔ البتہ از امور یکہ از مفسدات اجارہ باشند از اکراہ بر زیادت اجر وگرفتن زیادت از اجر مثل متعارف یا کارنا کردہ محض بر بناء تعین خود اجر وصول کردن ازیں احترازی می باید کرد۔ فقط۔
درمسئلہ اُجرت نکاح حضور فرمودند درص ۶۶ سطر ۱۶۔ اور شرع میں اس کی نظیر نہیں)

# نظائر شرعی

(۱) واما كاتب القاضى واجرة مثله فان راى القاضى ان يجعل ذلک علٰى الخصوم فله ذلک وان راى ان يجعل ذلک فى بيت المال و فيه سعته فلاباس به فتاویٰ عالمگيرية جلد ثالث ص ۲۳۰ كتاب الادب)

(۲) وفى النوازل قال ابراهيم سمعت ابايوسفؒ سئل عن القاضى اذا اجرى له

ثلثون درهم فی ارزاق کاتبه و ثمن صحیفته وقراطیسه واعطی الکاتب عشرین درهماً وجعل عشرة لرجل یقوم معه وکلف الخصوم الصحف یسعه ذلک قال وانا احب ان یصرف شیئًا من ذٰلک عن موضعة الذی سمی له کذا فی التاترخانیة و عالمگیریة۔

(۳) واجر هذه الصحیفة التی یکتب فیها دعوی المدعی وشهادة الشهود ان رای القاضی ان یطلب ذلک من المدعی فله ذلک (فتاوی عالمگیریة ج۳ ص۲۳۵)

## روایات کتب معتبرہ فقہ در جواز اُجرۃ نکاح خوانی

(۱)وکل نکاح باشره القاضی وقدوجبت مباشرة علیه کنکاح الصغار والصغائر فلایحل له اخذ الاجرة علیه ومالم تجب مباشرته علیه حل له اخذ الاجرة علیه کذا فی المحیط واختلفوا فی تقدیره والمختار للفتوی انه اذا عقد بکرا یاخذ دینارا او فی الثیب نصف دینار و یحل له ذلک وهکذا قالوا کذا فی البرجندی فتاوی عالمگیریة جلد ثالث الباب الخامس عشر فی اقوال القاضی وما ینبغی للقاضی ان یفعل ومالا یفعل مطبوعه مصر ص:۴۱۵

(۲) وفی شرح اداب القاضی للخصاف ان للقاضی ان یاخذ فی عقود الانکحة شیئًا زائدا علٰی مایاخذه الاکابر فی ذلک الموضع ان کان لولی غیره وان کان هو الولی لایحل له الاخذ واختلفوا فی تقدیره والمختار للفتوی انه اذا عقد بکرایاخذ دینارا وفی الثیب نصف دینار یحل له ذلک وهکذا قالوا برجندی جلد رابع کتاب القضاء ص۵)

(۳)وذکر عن السبقالی فی القاضی یقول اذا عقدت عقد البکر فلی دینار ولو ثیبا فلی نصفه انه لایحل له ان لم یکن لهما ولی ولوکان لهما غیره یحل بناءً علٰی ماذکرنا ۔فتاویٰ بزازیة۔

(۴)ولا یحل اخذ شیئی علی نکاح الصغار وفی غیره یحل خلاصة الفتاویٰ (لاولی لهم)

(۵) ولایحل له (ای للقاضی ) اخذ شیئ علی النکاح ان کان یجب مباشرة علیه کنکاح الصغائر وفی غیرها یحل۔

**معدن۔ ھکذا** اور باقی کتب بخوف تطویل بریں قدر اکتفاء کردہ شد۔

الجواب۔ روایات ودلائل دیدہ شد نزد من مفید مدعا نیست یعنی از جملہ ایں با جواز نفس اجرت النکاح ثابت میشود ولا کلام فیہ لیکن جواز صورت متعارفہ بخصوصیات مروجہ ثابت نمی شود از جملہ ایں خصوصیات اینست کہ عقد اجارہ باولیاء دختر منعقد می شود واجرت براولیاء پسر لازم می شود وھذا باطل بالضرورۃ وکذا اخذ الاجرۃ لمن لم یباشر الانکاح۔ مگر تحریر سامی جز ءرسالہ خود کردہ ام۔ علماء خود فیصلہ خواہند فرمودہ۔

## بازبریں جواب مکتوب ذیل آمد

جناب والا مدظلکم۔ تسلیم۔ فدوی غریق رادستگیری نفرمودند۔ سرفراز نامہ درباره مسئلہ اجرت نکاح رسید۔ حضور درطلب سائل امعان نفرمودند۔ بارثانی بطور خلاصہ معروض آنکہ۔ واقعی فرمان حضور مسلم است کہ اجرۃ لمن لم یباشر الانکاح را گرفتن جائز نیست ونہ ایں امر کہ عقد اجارہ باولیاء دختر منعقد می شود واجرت براولیاء پسر لازم می شود جائز است دردیار ما ایں خصوصیت واقع نیست علیٰ ہذا القیاس باقی خصوصیات کہ دررسالہ جناب مصرح اند مگر ما نحن فیہ مسئلہ دیگر است حضور جواب آں بحکم ادائے امر واجب کہ از آیہ فاسئلوا اھل الذکر الآیۃ مفہوم میشود عنایت فرمایند۔

سوال (۳۵۶) دریں دیار برسر تمام ملایاں تحصیل از سرکار عالی منظوری گورنمنٹ یک افسر مسمی باسم قاضی مقرر است عمل او ملاحظہ رجسٹر ملایاں ست کہ اوشاں را نقشہا رجسٹر تحریر کردہ مید ہد وہدایات شرعی ومسائل شرعی متعلقہ نکاح وطلاق بر ہر رجسٹر نوشتہ دادہ وسال بسال دورہ می کند ملاحظہ ہر نکاح مندرجہ میکند کہ کدام طریقہ غیر شرعی سرزدہ شدہ۔ وطرائق نکاح خوانی وطریقہ اجازت از عورت از طرف ولی تاکہ سکوت علامت رضا گردد۔ ہر ملا را بر رجسٹر نوشتہ مید ہد ہر وقت درخدمت امور شرعی نگراں است اگر کسے در عدت نکاح میکند آنجا قاضی مذکور رفتہ با سامیاں را طلب کردہ اصلاح می کند وتفریق زوجین میکند مرتکباں را سرزنش می کند بعد عدت جدید عقد می کنانند۔ بر اغلاط رجسٹر اوشاں را تحریراً متنبہ می کند تا کہ آئندہ سرزد نکنند خلاصہ تمام ملایاں را بر جادۂ شریعت بموجب کتب فقہ داشتہ است روز وشب نگراں حال است از سرکار عوض ایں خدمت حق افسر مذکور در ہر نکاح خوانی از ہر ملا چہارم حصہ مقرر کردہ اند بوقت دورہ قاضی افسر از ہر ملا حساب کردہ چہارم وصول می کند دیگر رقم زاید وکدام ہدیہ ودعوت از ملایاں نمی گیرد بلکہ حرام دانستہ است۔ نیز واضح باد کہ اگر ایں انتظام نہ باشد تمام ملایاں مرتکب امور غیر شرعی میشوند وانتظام شرعی برہم درہم می شود۔ جناب جواب ایں اجرت قاضی وافسر مذکور را گرفتن جائز ست یانہ کہ از ہر ملا میگیرد مفصل تحریر فرمایند۔ تمام امور تحریرات فرستادہ سابقہ مستشار العلماء لاہور وغیرہ

نقول فتاویٰ عالمگیری۔ نظر دارند عجلت نفرمایند بعد تأمل صادق غریق را رہائی عطاء فرمایند۔

الجواب۔ تحریر ہذا را مع تحریرات سابقہ مکرر دیدہ شد حاصل ہمہ ایں قدر ست کہ ملایاں وافسر ایشاں را بر عمل اجرت ستدن دادن جائز ست ولاکلام فیہ انچہ در و کلام است دو امر ست یکے آنکہ اکثر قضاۃ ہیچ عمل نمی کنند واز ملایاں چہارم یا پنجم میگیرند و در دیار ماہمیں زیادہ است پس ایں از کجا جائز باشد دیگر آنکہ وجوب اجرت بر من یطلب العمل می باشد وایناں از غیر من یطلب العمل ہم میگیرند وایں محذور در ہمہ دیار ست کہ اگر کسے بطور خود نکاح منعقد کناند بجبر از وہم وصول میکنند واگر نہ دہد آں نکاح را کالعدم شمارند حتیٰ کہ در بعض جاہا بعد ایں نکاح خود ایں قضاۃ نکاح دیگر می کنند آیا کسے از فقہاء ایں چنیں مفاسد را جائز داشتہ است باوجود عدم احتیاج ایں مدعا بدلیلے نظیرے بتائیدش نقل می کنم فی النہایۃ وینبغی للقاضی ان ینصب قاسما یرزقہ من بیت المال لیقسم بین الناس بغیر اجرفان لم یفعل نصب قاسما یقسم بالاجر معناہ باجر علی المتقاسمین (غور فرمایند دریں جا متقاسمین طالب العمل ہستند) ویقدر اجرمثلا کیلا یتحکم بالزیادۃ (غور فرمایند کہ تقدیر برائے نفی زیادت ست واکنوں قضاۃ آں را در نفی نقصان استعمال می کنند یعنی بزور اجرت مقدرہ وصول می کنند) ولا یجبر القاضی الناس علی قاسم واحدمعناہ لایجبرھم علی ان یستاجروہ (غور فرمایند دریں جا ایں قضاۃ جبر می کنند) ولواصطلحوا رای الشرکاء نہایۃ فاقتسموا جاز (غور فرمایند ایں جا تراضی اولیاء نکاح را ایں قضاۃ جائز نمی دارند ولا یترک القسام یشترکون (غور فرمایند ایں جا ایں ہمہ سازش میدارند کہ عامہ ناس آزادی را بکاری نمی توانند برد) ببیں تفاوت را از کجاست تا بکجا۔ فھذا قیاس المحظور علی غیر المحظور و بایں ہمہ جواز امرے موقوف بر موافقت بمن نیست مرا از خطاب معاف دارند۔ ۱۳ رجمادی الثانی ۱۳۳۵ھ

## اس کے بعد ان صاحب کا خط ذیل آیا

جواب الجواب مسئلہ اجرۃ نکاح وعمل قاضی وملایاں رسید اطمینان شد جزاک اللہ خیر الجزاء (ترجیح الراجح ج:۵ ص:۱۱)

سوال (۳۵۷) (۱) بعض مقامات میں لوگ نکاح پڑھانے کا حق ۴ آنہ نہ قاضی کو دیتے ہیں اور نہ نائب کا حق چار آنے دیتے ہیں جبر یہ ہمارے قاضی کا روپیہ مسجد میں لگاتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں قاضی کی موجودگی ہی میں جبراً دوسرے سے نکاح پڑھواتے ہیں اور روپیہ قاضی کو نہیں دیتے۔

(۲) اور بعض مقامات میں نکاح چاہے جو پڑھادے لیکن نکاح خواندہ کو صرف ۴ آنہ لوگ دیتے

ہیں اور ایک روپیہ جبریہ نکاح خواندہ سے لیکر قاضی کے گھر بھیجد یتے ہیں یہ بات جائز ہے یانہیں۔

(۳) کانپور میں بعض ملا نکاح پڑھاتے ہیں کل حق ۴؍ آنہ خود لیجاتے ہیں روپیہ قاضی کونہیں دیتے یہ جائز ہے یانہیں۔حاصل کلام نکاح خواندہ کوروپیہ قاضی کا دینا چاہئے یانہیں فی زمانناشرعاً خواہ قاضی موجود ہو یانہ ہوقاضی کاحق ہے یانہیں۔

الجواب۔ دینے والا اگر دولہا والا ہواور قاضی یا ملا کو بلا کر لے گیا ہو دلہن والا جبکہ اکثر ایسا ہی دستور ہے تب تو یہ لینا بالکل جائز نہیں کیونکہ اجرت بذمہ بلانے والے کی تھی دوسرے پر بارڈالنا جائز نہیں اور اگر بلانے والا بھی دولہا والا ہے خواہ اپنے آدمی کے ہاتھ بلایا ہو یا دولہن والے سے کہہ کر بلایا ہوتو نکاح خواہ کواس کا دیا ہوا لینا جائز ہے مگر اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر دینے والے نے پوری رقم اسی کی ملک کردی ہے توسب رکھنا جائز ہے اور اگر یہ کہدیا کہ اتنا تم رکھ لینا اور اتنا قاضی کو دیدینا تو اپنا حصہ تو رکھ لینا درست ہے اور قاضی کا حصہ رشوت ہے وہ واپس کردینا واجب ہے قاضی کو دینا اوراسی طرح قاضی کواس کو لینا جائز نہیں اور اگر صاف نہ کہا ہوتو مگر دستور ایسا ہو کہ کچھ نکاح خواہ کا سمجھا جاتا ہے کچھ قاضی کا تب بھی اسی طرح حکم ہے اور اگر اور کسی نے نکاح پڑھا ہوتب تو قاضی یا نائب قاضی کو لینا بالکل جائز نہیں اور قاضی سے نکاح پڑھوانا واجب نہیں اور مسجد میں بھی جبراً لینے کا کوئی حق نہیں۔۲۹؍محرم ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۱۲۶)

## نکاح میں تاشہ بجانے کا حکم

سوال (۳۵۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ شادی کی تقریب پر تاشوں کو بجوانا کیسا ہے تحفۃ المشتاق میں جواز لکھا ہے اور تحفۃ الزوجین میں عدم جواز کے متعلق درج ہے ایک مرتبہ یہاں پر حضرت مولانا مولوی شیخ حسین صاحب عرب انصاری بھوپال سے تشریف فرما ہوئے تھے اس موقعہ پر تاشے پیش کر کے دریافت کیا گیا تھا تو جواز ہی کا حکم فرمایا تھا آپ اس کے متعلق کیا فتویٰ دیتے ہیں چونکہ میرے نزدیک خصوصاً اور یہاں کے لوگوں کے نزدیک عموماً آپ کا فتویٰ معتبر ہے۔ فلہذا اس کے متعلق جواب شافی تحریر فرمادیں۔

الجواب۔ چونکہ مجھ کو کبھی اہتمام کے ساتھ اس مسئلہ کی تحقیق کا اتفاق نہ ہوا تھا اس لئے بناء برقول مشہور مذکور علی لسان الجمہور یہ سمجھتا تھا کہ شادی میں دف بجانا جائز ہے دوسرے باجے ناجائز مگر تھوڑا زمانہ ہوا کہ ایک مضمون جوضمیمہ اخبار الفقیہہ امرتسر ۵؍نومبر ۱۹۱۹ء میں بعنوان باجوں پر تحقیق کی ایک زبردست چوٹ شائع ہوا ہے نظر سے گزرا تب سے متعارف ضرب دف کے جواز میں بھی شبہ ہوگیا اور احتیاطاً ترک اور منع کا عزم کرلیا افادۂ عامہ کیلئے اس کی نقل کی جاتی ہے۔ وہو ہذا۔

# باجوں پر تحقیق کی ایک زبردست چوٹ

کس قدر افسوس اور حسرت کا مقام ہے کہ حضور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام تو فرمائیں کہ خدا نے مجھے ہدایت کے واسطے رسول بنایا اور حکم دیا کہ تمام جہاں سے راگ راجہ باجہ مٹادوں ( رواہ ابو دائود الطیالسی واللفظ له واحمد بن منیع واحمد بن حنبل والحرث )اور یہ بھی فرمایا کہ میری امت سے ایک قوم آخر زمانہ میں مسخ ہو کر سور بندر ہو جائیں گے اصحاب نے پوچھا کہ یہ لوگ مسلمان ہوں گے یا کون حضور ﷺ نے فرمایا ہاں یہ سب مسلمان ہوں گے خدا کی وحدانیت اور میری رسالت کے شاہد ہوں گے اور روزہ بھی رکھتے ہوں گے مگر آلات لہو یعنی باجہ اور دف بجاویں گے اور گانا سنیں گے اور شراب پئیں گے تو مسخ کر دیئے جاویں گے (رواہ مسند ردابن حبان عن ابی ہریرۃ)

ان احادیث کی رو سے تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ حضرات علماء جو شریعت کے حامل اور نائب رسول تھے یہ لوگ پوری کوشش کر کے کل راگ و باجہ اٹھا دیتے مگر بجائے اس کے الٹی کوشش کی کسی نے ڈھولک وسارنگی کو قوالی کیساتھ جائز کیا اور کسی نے دف کو مطلقاً جائز سمجھا اور تحریراً تقریراً اس کا جواز شائع کیا اور مولوی وحید الزماں سرگروہ غیر مقلدین نے تو اور غضب ڈھایا اپنی کتاب نزل الابرار جو باہتمام مولوی ابوالقاسم بنارس میں چھپی ہے اس کی صفحہ تین میں صاف لکھدیا ہے کہ شادیوں میں ہر طرح کا باجہ و گانا بہتر ہی نہیں بلکہ واجب اور ضروری ہے اور جو حرام کہتا ہے وہ گمراہ ہے انّا للّٰہِ وانّا الیہِ راجعون۔ اہل حدیث کا دعویٰ اور حدیث کی یہ قدر کی اور کھلم کھلا مخالفت رسول پر کمر باندھی ہے چونکہ ہمارے علماء احناف کل باجے و گانے کو حرام کہتے ہیں اور اس میں کسی کا خلاف نہیں ہے البتہ سماع کے ساتھ ڈھولک اور شادیوں میں دف بجانے میں اختلاف ہے لہٰذا ضرورت معلوم ہوئی کہ اس مسئلہ پر تحقیق کی پوری روشنی ڈالی جائے تاکہ حق اور باطل میں فیصلہ ہو جاوے اور برادران سنی حنفی کو اپنا مذہب معلوم ہو جائے۔

**پہلی روشنی**۔ مذہب حنفی میں کل باجے حرام ہیں ہدایہ شریف میں ہے ان الملاهي كلها حرام حتٰی التغني بضرب القصب ونیز بزازیہ و درمختار میں ہے استماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام۔ بخلاف مذہب شافعی کے کہ ان کے یہاں مباح اور ترک اولیٰ ہے چنانچہ آگے معلوم ہوتا ہے۔

**دوسری روشنی**۔ دف چونکہ باجہ ہے لہٰذا حنفیہ نے تصریح وتشریح کردی کہ دف بھی حرام ہے شامی میں ہے۔ استماع ضرب الدف والمزمار وغير ذلك حرام شرح نقایہ میں ہے۔ اما الاستماع فكاستماع ضرب الدف والمزمار والغناء وغير ذالك حرام ابوالمکارم میں

ہے کرہ تحریما لهو کضرب الدف والمزمار۔ (مجموعہ فتاویٰ عزیزی رسالہ غناء میں کئی عبارتیں منقول ہیں) غناء وضرب بربط ودف ودوتار وطنبور است وآں ہم بایں نص حرام اند من استحله فقد کفر وفی فتاویٰ البیهقی التغنی واستماعه وضرب الدف وجمیع انواع الملاهی حرام ومستحلها کافر وفی النهایة التغنی والطنبور والبربط والدف وما یشبه ذلك حرام مالابدمنہ میں ہے ملاہی ومزامیر وطنبور دہل ونقارہ ودف وغیرہ باتفاق حرام اند۔

**تیسری روشنی**۔ مذہب شافعی بموقعہ شادی وختنہ دف بجانا مباح ہے اور سوائے شادی و ختنہ میں حرام کہا چنانچہ علامہ ابن حجر مکی اپنی کتاب کف الرعاء عن محرمات اللهو والسماع مطبوعہ مصر صفحہ ۳۷ علی ہامش الزواجر میں لکھتے ہیں۔ القسم الرابع فی الدف المعتمد من مذهبنا انه حلال بلاکراهة فی عرس وختان وترکه افضل وهکذا حکمه فی غیرهما فیکون مباحا ایضاً علی الاصح وفی المنهاج وغیره وقال جمع من اصحابنا انه فی غیر هما حرام اور پیشوائے طریقہ سہروردیہ حضرت عارف باللہ شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردی شافعی علیہ الرحمۃ عوارف المعارف میں فرماتے ہیں فاما الدف والشبابة وانکان فیهما فی مذهب الشافعی فسحة، الاولیٰ ترکها والاخذ بالاحوط والخروج من الخلاف۔ یعنی باوجودیکہ ہمارے مذہب شافعی میں دف کو جھانجھ کے ساتھ بھی بجانا مباح ہے اور ہمارے مذہب میں اس میں بڑی وسعت ہے مگر اس کا ترک کردینا بہتر ہے اور بہتری واحتیاط اسی میں ہے کہ دف بالکل ترک کردیا جائے دیکھو شیخ سہروردی کا یہ کتنا نفیس خیال ہے کہ جب ہمارے مذہب میں مباح ہے نہ مستحب کہ بجانے سے ثواب ملے اور نہ واجب کہ ترک کردینے سے گناہ ہو۔ پس خیریت اس کے ترک کردینے میں ہے کیونکہ اور مذاہب جیسے حنفیہ وغیرہ میں حرام ہے اور حرام سے گناہ ہوتا ہے تو خطر اور شبہ سے خالی نہیں اور شبہ کی چیزوں کا ترک کردینا تاکیدی حکم ہے۔ قال علیه الصلوٰة والسلام فمن اتقی الشبهات فقد استبرء لدینه وعرضه وقال دع مایر یبك الی ما لایریبك پر شیخ سہروردی نے فرمایا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دف بجانا مسلمانوں کا طریقہ نہیں۔ عن الحسن انه قال لیس الدف من سنة المسلمین۔

**چوتھی روشنی**۔ مذہب شافعی میں جو بتقریب نکاح وختنہ دف کا مباح ہونا لکھا ہے وہ مطلقاً مباح نہیں ہے بلکہ چند قیود وشرائط کے ساتھ مقید ومشروط ہے ان شرائط کا لحاظ ضروری ہے ورنہ اباحت نہ رہے گی اور صاف حرمت آجائے گی علامہ ابن حجر مکی شافعی نے ان شرائط کو اپنے رسالہ کف الرعاء عن محرمات اللهو والسماع میں مفصلاً تحریر فرمایا ہے اس کا ضروری خلاصہ درج کیا جاتا

ہے اور آگے چل کر معلوم ہوگا کہ احناف کے لئے بھی یہ شرائط قابل لحاظ ہیں۔

اوّل شرط یہ ہے کہ خاص عورتیں اور لڑکیاں دف کے بجانے والی ہوں اور حکم اباحت خاص انہیں کے بجانے میں ہے نہ مردوں کے پس اگر تقریب نکاح یا ختنہ میں مرد بجائے گا تو جائز نہ ہوگا اور وہ مرد بوجہ تشبہ بالنساء کے ملعون ہوگا کیونکہ سلف میں کسی مرد کا بجانا ثابت نہیں ہوا دف کے بجانے میں جس قدر احادیث و آثار ثابت ہیں سب میں عورتوں یا لڑکیوں کا ذکر ہے چنانچہ عبارت یہ ہے۔ انا اذا ابحنا الدف فانما نبیحه للنساء خاصة وعبارت منهاجه وضرب الدف لایحل الاللنساء لانه فی الاصل من اعمالهن وقد لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم المتشبهین بالنساء (الٰی قوله لم یحفظ عن احد من رجال السلف انه ضرب به وبان الاحادیث و الأثار انما واردت فی ضرب النساء والجواری به انتهی ملخصا ۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جھانجھ نہ ہو اور بجانے میں کوئی تکلف اور تصنع نہ کیا جاوے کہ طرب یعنی خوش آوازی معلوم نہ ہو کہ بالکل سادگی کے ساتھ ہاتھوں سے پیٹا جاوے چنانچہ فرماتے ہیں وخلا عن الضنج ونحوه وعن التانق والتصنع فی الضرب بان یکون الضرب بالکف پھر لکھتے ہیں کہ دف اسی طریقہ سے مباح ہے جیسا عرب لوگ بجاتے ہیں کہ اس میں رقص وسرود نہ پایا جاوے اور نہ انگلی کے سرے سے بجایا جاوے کہ اس میں بھی ایک طرح کی صنعت طرب ہے عبارت یہ ہے۔ وانما یباح الدف الذی یدفن به و ینقرای بروس الانامل و نحوها علی نوع من الانعام فلایحل الضرب به۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وقت نکاح یا وقت زفاف یا اس کے بعد تھوڑی دیر تک عورتیں دف بشرائط مذکورہ بجاویں چنانچہ لکھتے ہیں۔ والمعهود عرفاانه یضرب به وقت العقد ووقت الزفاف او بعده بقلیل۔

**پانچویں روشنی**۔ علامہ ابن حجر نے ماوردی کا قول لکھا ہے کہ اب ہمارے زمانہ میں استعمال دف مکروہ ہے کیونکہ بےوقوفی اور سفاہت پائی جاتی ہے عبارت یہ ہے۔ و اما فی زماننا قال فیکره فیه لانه ادی الٰی السحف والسفاهة اس پر علامہ نے لکھا ہے کہ ہمارے اور ماوردی کے زمانہ میں پانچ سو برس کا فاصلہ ہے اب تو اس سے زیادہ خرابی آ گئی ہے میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن حجر کو بھی گزرے ہوئے قریب چار سو برس ہوئے شر وفساد کے سوائے خیر وصلاح کا نام نہیں ہے اب تو باجود لحاظ شرائط مذکورہ ترک کر دینا چاہئے۔

**چھٹی روشنی**۔ اصل مذہب حنفیوں کا تو پہلی اور دوسری روشنی کے ذیل میں جو عبارات لکھی گئی ہیں ان میں سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ عموماً باجہ اور خصوصاً دف بھی حرام ہے اب بعض علماء حنفیہ جو اپنی کتابوں میں اعلان نکاح کے واسطے دف بجانا لکھتے ہیں تو اصل میں یہ قول ظاہر روایت کے خلاف

ہے اور کچھ تعجب نہیں جو علماء حنفیہ کو روایات شافعیہ سے دھوکا ہو گیا ہو اور اس کے نظائر و امثال کتب حنفیہ میں کثرت سے ملتے ہیں کہ کسی ایک کتاب میں کوئی قول دوسرے مذہب کا کسی مصنف نے لکھا اور دوسروں نے اس کی دیکھا دیکھی اعتماد کر کے اپنی تصنیف میں درج کر دیا اور وہ یوں ہی نقل ہوتا چلا آیا حتی کہ دس بیس کتب میں منقول ہوا اب کسی عالم کو شبہ ہو سکتا ہے کہ مذہب حنفی کا یہ مسئلہ نہیں ہے مگر بوقت تحقیق معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ قول خلاف مذہب نقل در نقل ہوتا آیا ہے۔ دیکھو علامہ ابن ہمام فتح القدیر باب نکاح الرقیق میں فرماتے ہیں۔ **فهذا هو الوجه و كثيرا مايقلد الساهون الساهين** یعنی ایسا بہت ہوتا ہے کہ بھولنے والے بھولنے والوں کی پیروی کر لیتے ہیں۔

بحر الرائق کتاب البیوع باب المتفرقات میں لکھتے ہیں۔ **وقد يقع كثيرا ان مؤلفا يذكر شيئًا خطاء في كتابه فياتي من بعده من المشايخ فينقلون تلك العبارة من غير تغير ولا تنبيه فيكثر الناقلون لها واصلها الواحد مخطي**۔ یعنی ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک مؤلف کسی مسئلہ کے لکھنے میں خطاء کر جاتا ہے اس کے بعد علماء و مشائخ اس کی دیکھا دیکھی لکھتے چلے جاتے ہیں حالانکہ خطاء کرنے والا ایک ہی تھا۔ دیکھو صاحب درمختار نے بہ تبعیت صاحب نہر الفائق و بحر الرائق لکھدیا کہ اقیموا الصلوٰة و اٰتوا الزکوٰة قرآن میں ۸۲ جگہ ہے حالانکہ یہ شمار غلط ہے صرف اعتماداً یہ غلط شمار منقول ہوتا گیا قرآن عظیم موجود ہے دیکھ لیجئے صرف ۳۲ جگہ یہ جملہ ملے گا پس ہماری کتب فقہیہ حنفیہ میں جو دف کا جواز اعلان نکاح کے واسطے لکھا ہوا ہے وہ اصل مذہب اور ظاہر الروایت کے خلاف ہے پس منشاء تقلید ہرگز یہ نہیں ہے کہ دف جائز سمجھا جاوے پس کسی عالم حنفی کی تصنیف یا فتاویٰ میں جواز لکھنے سے حقیقت میں جائز نہ ہوگا بلکہ ان حضرات علماء احناف محققین کا اپنی تصانیف و فتاویٰ میں لکھنا اسی پر محمول ہوگا کہ یہ ایک غلطی ہے جو نقل در نقل ہوتی گئی جس کا اصل مذہب میں پتہ نہیں اسی وجہ سے علامہ توریشتی نے فرمایا کہ دف اکثر مشائخ کے نزدیک حرام ہے اور اس حدیث کا جس میں اعلان نکاح کے واسطے دف بجانے کا ذکر آیا ہے ہمارے مشائخ حنفیہ جواب دیتے ہیں کہ دف بجانے سے مراد اعلان ہے نہ حقیقت میں باجہ دف بجانا چنانچہ شرح نقایہ اور انقلاب الاحتساب و بستان العارفین میں یہ جواب مذکور ہے عبارت شرح نقایہ یہ ہے۔ **قال التورپشتي انه حرام على قول اكثر المشايخ وما ورد من ضرب الدف في العرس كناية عن الاعلان** ۔ جب حدیث میں ضرب دف سے مراد اعلان اور تشہیر ہے تو پھر متاخرین علماء حنفیہ کا جائز کہنا اور اس حدیث کو استدلال میں پیش کرنا صحیح نہیں بلکہ بے محل ہے اور ضرب دف سے اعلان اور تشہیر کے مراد ہونے پر بڑا زبردست قرینہ یہ ہے کہ اب تک کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہ ہوا کہ زمانہ رسالت میں کسی صحابی

نے اعلان نکاح کے لئے دف بجا کر اس حدیث کی تکمیل کی ہو حالانکہ صحابہ ﷺ کرام کو اتباع سنت میں جو شغف تھا وہ علماء پر مخفی نہیں اور اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ خود حضور ﷺ نے متعدد نکاح اپنا اور اپنی صاحبزادیوں کا فرمایا کبھی کسی نکاح میں آپ نے دف بجانے کا حکم نہیں دیا۔ **من ادعی فعلیه البیان** زیادہ سے زیادہ بخاری شریف کی حدیث ربیع بنت معوذ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چند نابالغ لڑکیوں نے بعد زفاف کے دف بجایا تھا اس حدیث سے بالغ عورتوں کا بجانا ثابت کر کے جواز سمجھنا ثابت اور صحیح کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ لڑکیاں غیر مکلف تھیں اگر کسی روایت سے بالغ عورتوں کا بجانا ثابت بھی ہو جائے تو اس کے جواب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث کافی ہے۔ **ان رسول لله صلی الله علیه وسلم نهی عن ضرب الدف ولعب الصنج وضرب الزمارة**۔ یعنی اس حدیث کی رو سے یہ کہا جائے گا کہ اگر آپ نے اجازت دی ہوگی تو پھر منع فرمادیا جس کو حضرت علیؓ نے ظاہر فرمایا۔ علاوہ اس کے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دف کو مزمور الشیطان کہا اور حضور ﷺ نے سکوت فرمایا۔

خیال فرمایا جائے کہ اگر حضرت صدیق اکبرؓ کا دف کو مزمور الشیطان فرمانا بجا اور صحیح نہ ہوتا تو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ضرور منع فرماتے پس بموجب اس روایت کے جب دف مزمور الشیطان ٹھیرا تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ صحابہؓ کرام اس سے اعلان نکاح کرتے پس اکثر مشائخ حنفیہ کا حدیث ضرب دف سے اعلان اور تشہیر مراد لینا بہت بجا ہے کیونکہ زبان عربی اور فارسی کے محاورہ میں ضرب دف بول کر اعلان اور تشہیر مراد ہوا کرتی ہے۔ زبان عربی کا حال تو ابھی علامہ تورپشتی اور علامہ فقیہ امام الہدیٰ ابواللیث سمرقندی اور علامہ عمر بن محمد بن عوض سلامی رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال سے معلوم ہو چکا فارسی میں بھی دف زدن کے معنی اعلان کردن وشہرت دادن کے ہیں نظیر کے طور پر حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا شعر جو بوستان میں ہے ملاحظہ فرمایئے ؎

یکے راچو من دل بدست کسے — گرد بود دے برد خواری بسے

پس از ہوشمندی و فرزانگی — بدف برزدندش بدیوانگی

مصرعہ اخیر کا ترجمہ یہ ہے کہ اس کی دیوانگی کا دف بجایا یعنی اس کو دیوانہ مشہور کیا پس جس طرح یہاں دف بجانے سے مشہور کرنا مراد ہے اسی طرح حدیث کا مطلب ہے کہ نکاح کو علانیہ کرو اور خوب مشہور کرو۔

**ساتویں روشنی**۔ تنزل کے درجہ پر اگر بعض علماء احناف متاخرین کا استدلال صحیح مان لیا

جاوے کہ اعلان نکاح کے واسطے دف بجانا کچھ مضائقہ نہیں بلکہ مباح ہے تو ان شرائط وقیود کا لحاظ ضروری ہے جن کو مباح سمجھنے والوں نے بیان کیا ہے (شرط اول) جھانجھ نہ ہو (شرط دوسری) تطریب نہ ہو چنانچہ شامی اور فتاویٰ سراجیہ اور شرح ابوالمکارم اور شرح نقایہ چاروں میں ہے۔ ھذا اذالم یکن له جلاجل ولم یضرب علٰی ھیئة التضریب۔

(تیسری شرط) یہ ہے کہ بہت تھوڑی دیر تک بجایا جاوے۔ لمعات میں ہے۔ دل الحدیث علٰی اباحة مقدار الیسیر۔ مجمع البحار میں ہے۔ اقرعلی القدر الیسیر فی نحوالعرس والعید الخ پس آج کل جو جائز سمجھا جاتا ہے کہ متعدد دف برات کے ساتھ لیکر چلتے ہیں اور بجانے والے بھی کاریگر ہوتے ہیں جو کچھ دنوں تک بجانا سیکھتے ہیں جس میں صاف تطریب ہوتی ہے یہ کیونکر جائز ہوگا جائز ہونے کی صورت حسب تصریحات ان علماء کے صرف یہ ہوسکتی ہے کہ بعد نکاح چند مرتبہ ہاتھ سے دف یا اور کوئی باجہ پیٹ دیا جاوے تاکہ معلوم ہو جاوے کہ نکاح ہوگیا پس قبل نکاح کے برات کے ساتھ دف لیجانا اور اس کو شرعی برات قرار دینا نہایت قبیح اور مذموم ہے اور اس میں شرعاً چند قباحتیں ہیں۔ اول لہو کیونکہ نکاح ابھی ہوا نہیں یہ اعلان کیسا۔ دوسرے نمائش کیونکہ برات کے ساتھ دف لیجانے میں سوائے نمائش کے دوسری غرض شرعی نہیں ہوسکتی اور نمائش خود حرام ہے تیسری اسراف کیونکہ بے محل بجایا محل اس کا بعد نکاح ہے لہٰذا ناجائز پس جس صورت کے ساتھ علماء متاخرین نے خلاف مذہب دف کے جواز کی صورت لکھی ہے وہ طریقہ مروج نہیں اور جو مروج ہے وہ خود ان کے نزدیک جائز نہیں علاوہ اس کے سب سے زیادہ تعجب خیز یہ امر ہے کہ اعلان نکاح کے واسطے صرف دف کو لوگ جائز سمجھتے ہیں اور دوسرے باجوں کو ناجائز جانتے ہیں یہ ایک نہایت نامعقول بات ہے جن علماء متاخرین نے اعلان نکاح کے واسطے اپنے مذہب کے خلاف دف کی اجازت دی ہے وہی علماء لکھتے ہیں کہ اعلان نکاح کے واسطے دف کی تخصیص نہیں جس باجہ سے ممکن ہو اعلان کرسکتے ہیں مگر جو باجہ ہو تینوں شرائط مذکورہ جو ابھی لکھی گئی ہیں ان کا لحاظ کرنا بہرحال لازم ہے۔

اب ان عبارتوں کو ملاحظہ فرمایئے جن سے دف کی خصوصیت نہیں ثابت ہوتی۔ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رسالہ سماع میں فرماتے ہیں۔

''چوں ضرب دف برائے اعلان نکاح حلال یا مستحب باشد دہل وطنبورہ ونقارہ راازدف چہ تفاوت است برائے شہرت ہمہ حرام است وبرائے غرض صحیح ہمہ حلال باشد اعلان از ہریک میشود فرق کردن در دف وغیرہ آں امریست غیر معقول۔'' اور اسی عدم خصوصیت کی وجہ سے علامہ طحطاوی نے طبلہ کو اعلان نکاح کے واسطے جائز لکھا ہے عبارت یہ ہے وطبل العروس فیجوز حضرت شاہ احمد سعید

صاحب نقشبندی مجددی تحقیق الحق المبین میں فرماتے ہیں۔ ’’پس برقول مجیب حکم دہل وتاشہ وغیرہ نیز موافق طبل قیاس کن‘‘۔ علامہ شامی نے ردالمحتار میں ایک قاعدہ کلیہ تحریر فرمایا ہے جس سے کل باجوں کا اعلان نکاح کے واسطے بجانا ثابت ہے عبارت یہ ہے۔ ان الة اللهو ليست محرمة بعينها بل لقصد اللهو دیکھوآلہ لہوکوعموماً لکھا ہے کہ بقصد لہو حرام اور بغرض صحیح جائز کیونکہ دف اور غیر دف باجہ ہونے میں برابر ہے۔

## پس خلاصہ تحریر یہ ہے کہ اصل مذہب حنفی

یہ ہے کہ دف وغیرہ کل باجے حرام ہیں شادی اور غیر شادی میں کسی وقت جائز نہیں ہاں مذہب شافعی میں صرف ختنہ ونکاح وغیرہ بعض مواقع سرور میں بپابندی شرائط مذکورۂ ذیل چوتھی روشنی مباح ہے اور ترک اولیٰ اور جو علماء احناف متاخرین خلاف مذہب جائز لکھتے ہیں وہ دف کی [illegible] صیت نہیں کرتے بلکہ کل باجوں کو بقصد لہو حرام اور [illegible] صحیح مباح کہتے ہیں اور جن صورتوں سے مباح ہے وہ مروج نہیں پس مقلدین امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کیلئے خیریت اسی میں ہے کہ ہرگز اس کو اختیار نہ کریں۔ ورنہ سخت خطرہ میں مبتلاء ہوں گے۔ (احقر ابوالاسحاق انصاری محمد آبادی) تتمۂ خامسہ ص: ۱۴۱)

## عدم قدرت مہر کے وقت نکاح کا حکم

سوال (۳۵۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص کی آمدنی قلیل ہے اور عام رواج ہے کہ مہر کثیر ہوتا ہے کہ جس کو وہ شخص ادا نہیں کرسکتا ایسی صورت میں اس شخص کو نکاح کرنا چاہئے یا نہیں۔

الجواب۔ اگر اس شخص کی حالت ایسی ہو کہ اس کے لئے نکاح کرنا فرض یا واجب یا سنت مؤکدہ ہو یعنی نفس میں ایسا تقاضا ہو کہ اگر نکاح نہ کرے گا تو بظن غالب یا علی الیقین کسی معصیت میں مبتلاء ہو جاوے اور معصیت عام ہے زنا اور نظر حرام اور استمناء بالید کو اور یہ صورت فرضیت اور وجوب کی ہے یا اس درجہ کا تقاضا نہ ہو مگر اعتدال کے ساتھ تقاضا ہو اور یہ صورت سنیت کی ہے اور تینوں حال میں نفقہ واجبہ پر قدرت ہو اسی طرح مہر معجل پر قدرت ہو یا مہر مؤجل ہو گو فی الحال اس پر قدرت نہ ہو تو ایسے شخص کا نکاح کرنا فرض یا واجب یا سنت ہے اور مہر کثیر پر قدرت نہ ہونا جبکہ وہ مؤجل ہو ترک نکاح میں عذر نہیں۔

ودليل الجميع مافي الدرالمختار ويكون واجباً عند التوقان فان تيقن الزنا الابه فرض نهاية وهذا ان ملك المهر والنفقة والا فلا اثم بتركه بدائع ويكون سنة مؤكدة في الاصح فيا ثم بتركه ويثاب ان نوىٰ تحصينا وولداحال الاعتدال اى القدرة علىٰ وطأومهر ونفقة اهـ فى ردالمحتار تحت قوله عند التوقان قلت وكذا فيما يظهر

لو كان لا يمكنه منع نفسه عن النظر المحرم اوعن الاستمناء بالكف فيجب التزوج وان لم يخف الوقوع فى الزنا وفيه تحت قوله وهذا ان ملك المهر والنفقة قلت ومقتضاه الكراهة ايضاً عند عدم ملك المهر والنفقة لانهما حق عبد ايضاً وان خاف الزنا لكن يأتى (اى فى الدرالمختار بعد سطر) انه يندب الاستدانة له وهذا مناف للاشتراط المذكورالا ان يقال الشرط ملك كل من المهر والنفقة ولو بالاستدانة او يقال هذا فى العاجز من الكسب ومن ليس له جهة وفاء الخ۔

دلالت روایات کی جواب کے اجزاء پر ظاہر ہے صرف دوامر غالباً محتاج تنبیہ ہوں ایک یہ کہ روایات میں متبادر قدرت علی المہر سے قدرت فی الحال معلوم ہوتی ہے اور جواب میں قدرت کو عام لیا ہے فی الحال وفی المآل کو اس کا جواب یہ ہے کہ جب مہر کی دو قسمیں ہیں تو قدرت بھی عام ہوگی۔ ہر قسم پر اس کے مناسب قدرت ہوگی پس عموم ثابت ہوگیا نیز بالاستدانۃ اور لیس لہ جہۃ وفاء سے بھی مہر مؤجل کو شمول معلوم ہوتا ہے کیونکہ غیر کے مدیان بننے سے منکوحہ کا مدیون بالرضاء بننا اقرب الی الجواز ہے کیونکہ اس دین میں خود منکوحہ کے مصالح بھی ہیں اسی طرح زوجین میں باہم محبت ومودت رجاء ابراء کے لئے مقوی ہے خصوص نساء ہند میں اور براءت ذمہ وفاء اور ابراء مشترک ہے اور صورت وفاء میں بھی تدریج پر تاجیل بالفراق استدانت غیر سے بھی سہل ہے پھر جواز استدانت کے بعد عسرت کی صورت میں وجوب امہال معلوم ہے پس قدرت علی الاستدانۃ میں قدرت علی المہر المؤجل بھی داخل ہوگئی۔ دوسرا امر محتاج تنبیہ یہ ہے کہ عبارت مقتضاہ الکراہت الخ سے متوہم ہوتا ہے کہ عدم قدرت علی المہر کی صورت میں باوجود خوف زنا کے مکروہ ہے اور اس کا جو جواب دیا گیا ہے وہ محض ایک توجیہ ہے جس کا حجت ہونا محتاج دلیل ہے اس کا جواب یہ کہ یہ توجیہ محض بحث نہیں بلکہ روایت استدانۃ اس میں صریح ہے اور صریح مقدم ہوگیا مقتضاء پر پس ان دونوں امر کی تحقیق کے بعد کوئی جز و روایات مذکورہ کی دلالت سے خارج نہ رہا وللہ الحمد پس صورت مسئولہ میں قیود مذکورہ جواب کے ساتھ نکاح کا تاکد ثابت ہوگیا اور یہی مقصود تھا اب صرف ایک شبہ کا رفع کرنا باقی رہ گیا وہ کہ بعض روایات میں (جو کہ عنقریب مذکور ہوں گی) نکاح میں ادائے مہر کی نیت نہ ہونے پر وعید آئی ہے اور ظاہر ہے کہ مہر کثیر نا قابل تحمل کے ادا کی نیت نہایت مستبعد ہے تو ایسی حالت میں نکاح کرنا ممنوع ہوگا اور اس سے جواب بالا مخدوش ہو جاوے گا اس کا جواب یہ ہے کہ ان روایات میں یہ الفاظ ہیں:۔

(۱) ينوى ان لايعطيها من صداقها شيئا الخ

(۲) وهو ينوى ان لايؤديه اليها

(۳) وھو لیس فی نفسه ان یو دی الیها حقها خد عها الخ۔

ان الفاظ میں ادنیٰ تأمل کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی عذر کے سبب عدم نیت اداء پر وعید نہیں ہے بلکہ نیت عدم اداء پر وعید ہے۔حیث قال ینوی ان لایعطیها وھو ینوی ان لایؤدیه ولم یقل لاینوی ان یعطیها ولا ینوی ان یؤدیه۔

اور دونوں عنوانوں کا تفاوت ظاہر ہے اور تیسری روایت جو لاینوی کا مرادف وارد ہے یعنی لیس فی نفسه ان یؤدی الخ سو مراد اس سے بھی ینوی ان لایؤدی ہے جس کا قرینہ اسی روایت میں خدعها کے ساتھ تفسیر فرمانا ہے کیونکہ خداع میں نیت عدم ادا ہوتی ہے جیسا ظاہر ہے پس سب روایات کا حاصل مشترک نیت عدم اداء ہے نہ کہ عدم نیت اداء۔ البتہ عدم نیت اداء اگر بلا عذر ہو تو احکام میں وہ بھی بجائے نیت عدم اداء کے ہوتی ہے جیسے پورا وقت نماز کا گزر جائے اور کوئی مکلف اداء کی نیت نہ کرے تو یہ عدم نیت اداء بجائے نیت عدم اداء کے ہوگی۔لیکن عذر کی حالت میں اس کا حکم جدا ہوگا اسی لئے میں نے عذر کی قید لگائی ہے اور راز اس کا یہ ہے حالت عذر میں محض صورۃً عدم نیت ہوتی ہے ورنہ واقع میں اداء ہی کی نیت ہوتی ہے اس طرح کہ جب عذر مرتفع ہو جاوے گا ادا کردوں گا پس وہ شبہ بھی رفع ہوگیا اور جواب مذکورہ خدشہ سے سالم رہ گیا اب وہ روایات نقل کرتا ہوں جن کے کچھ کچھ ٹکڑے جواب شبہ بھی نقل کئے گئے ہیں وہ روایات یہ ہیں۔

روی الطبرانی فی الکبیر عن صهیب الخیر رضی الله تعالیٰ عنه قال سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیٰ وسلم یقول ایما رجل تزوج امرأة ینوی ان لا یعطیها من صداقها شیئًا مات یوم یموت وھو زان الحدیث وفی اسناده عمرو بن دینار متروك وروی البزار وغیره عن ابی ھریرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال قال رسول اللّٰه صلی للّٰه علیه وسلم من تزوج امرأة علیٰ صداق وھو ینوی ان لایودیه الیها فھو زان الحدیث و روی الطبرانی فی الصغیر والاوسط ورواته ثقات عن میمون الکردی عن ابیه رضی الله تعالیٰ عنه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ایما رجل تزوج امرأة علیٰ ماقل من المھر وکثر ولیس فی نفسه ان یؤدی الیها حقها خدعها فمات ولم یؤد الیها حقها لقی اللّٰه تعالیٰ یوم القیٰمة وھو زان الحدیث الروایات کلها فی الترغیب والترھیب فی ذکر الترھیب من الدین۔

نیز یہ امر قابل غور ہے کہ ان روایات میں جو عدم اداء پر وعید ہے اس کی علت اضرار ہے صاحب حق یعنی منکوحہ کا تو اصل وعید کا مدار اضرار واتلاف حق ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ صاحب حق مطالبہ کرتا ہوں اور یہ بلا عذر ٹال مٹول کرے جس کو حدیث مطل الغنی ظلم میں ظلم فرمایا ہے اور عذر میں تو

آیت وان کان ذو عسرة فنظرة الیٰ میسرة میں خود امہال کو واجب فرمایا ہے یا اس صورت میں ہے کہ صاحب حق سے وعدہ تعجیل کا کیا تھا اور نیت میں تاجیل تھی جس کو اوپر ایک روایت میں خداع فرمایا ہے اور جس صورت میں نہ اضرار و اتلاف ہو نہ خداع ہو بلکہ صاحب حق کو پہلے ہی سے معلوم ہے کہ یہ حق مؤجل ہے اور وہ اس پر راضی ہو یا من علیہ الحق کو توقع قوی ہو کہ صاحب حق معاف کردے گا خواہ وہ بعد میں معاف کرے یا نہ کرے تو ان دونوں صورتوں میں علت معدوم ہوگی پس حکم وعید بھی معدوم ہوگا اور ہندوستان میں عام عادت سے تاجیل پر رضا معلوم ہے یا توقع ابراء مظنون ہے اس لئے اس حالت میں اداء میں توقف محل وعید نہ ہوگا اور اتلاف حق دین پر وعید کچھ نکاح کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مطلق دین کے اتلاف پر وعید آئی ہے چنانچہ احادیث بالا کے ساتھ ہی کتاب الترغیب والترہیب میں وہ وعید بھی مذکور ہے۔

عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اخذ اموال الناس یرید اداء ھا ادی اللہ عنه (فی الدنیا او فی الآخرة کما ورد کلاھما فی ھذا المقام ایضاً) ومن اخذ اموال الناس یرید اتلافھا اتلفه اللہ الحدیث اور بھی اس مقام پر اس قسم کی چند حدیثیں وارد ہیں جن میں اشتراء کے بعد ثمن نہ دینے والے کو خائن اور دین ادا نہ کرنے والے کو سارق فرمایا ہے جیسے مہر نہ دینے والے کو زانی فرمایا ہے شاید نکتہ اس میں یہ ہو کہ مہر بضع کے متعلق ہے جیسا زنا اور ثمن اور دین مال کے متعلق ہے جیسا خیانت و سرقہ سو اس نکتہ کے سبب وعید کے عنوان میں اختلاف ہے ورنہ نفس معنون میں سب برابر ہیں یعنی اصل مقصود اتلاف حق واجب پر معصیت کا حکم فرمانا ہے گو تشبیہ اس معصیت کی ہر مقام پر جدا معصیت سے ہے للتناسب بین طرفی التشبیہ واللہ اعلم۔ ولقبت ھذہ العجالة بتحقیق التشبیه باھل السفاح لمن لایرید اداء المھر فی النکاح۔

۲۰؍رجب ۱۳۵۲ھ (النور رجب ۱۳۵۳ھ ص ۷)

## بعد خلوت صحیحہ کے جماع میں زوجین کا اختلاف غیر معتبر ہے

سوال (۳۶۰) اور ایک مسئلہ ضرور یہ یہ ہے اذا اختلف الزوجان فی الدخول تو بعض فتاویٰ میں لکھا ہے القول قوله وفی بعض القول قولھا۔ تو کس پر فتویٰ ہوگا تو جس صورت میں زوج محلل بعد خلوت صحیحہ و دخول بوجہ خبث باطنی و لالچ دنیاوی دخول سے انکاری ہے اور زوجہ اقراری ہے اور شاہدین ان کی خلوت صحیحہ و تنہائی کی شہادت دیتے ہیں تو قطع نظر از دخول یہ خلوت صحیحہ دخول مجازاً تو ہے گو حقیقت نہیں اور غالب ظن اس امر کا ہے کہ مرد و عورت جب چار پانچ روز ایک ہی مکان میں بدون ثالث شب باشی کریں تو کیونکر سالم رہیں گے اگرچہ محلل انکار کرے۔

الجواب۔ (۱) فی الدرالمختار اول باب المهر ويجب نصفه بطلاق قبل وطی او خلوة وفيه فی احكام الخلوة ولو افترقا فقالت بعد الدخول وقال الزوج قبل الدخول فالقول لها فی ردالمحتار قوله فقالت بعد الدخول يطلق الدخول على الوطی وعلى الخلوة المجردة والمتبادر منه الاول والمراد هنا الاختلاف فی الخلوة مع الوطی او فی الخلوة المجردة لا فی الوطی مع الاتفاق على الخلوة لان الخلوة مؤكدة لتمام المهر وفيه يظهر لی ارجحية القول الاوّل (ای ان القول لها لاله) ولذا جزم به المصنف الخ۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب خلوت صحیحہ ہو چکی ہے جیسا سوال سے ظاہر ہے تو یہ اختلاف مضر نہیں کیونکہ خلوت بدون وطی کے بھی مؤکد ہے تمام مہر کی البتہ اگر خلوت میں بھی اختلاف ہوتا تو اس وقت عورت کا قول مع الیمین معتبر ہوتا البتہ اگر نکاح فاسد ہوتو اس میں خلوت مثل وطی کے نہیں۔ فی الدرالمختار ويجب مهر المثل فی نكاح فاسد بالوطی فی القبل لابغيره كالخلوة لحرمة وطيها۔ اور اگر اس میں اختلاف ہوتو بھی عورت کا قول مع الیمین معتبر ہے۔

۱۵ ر جمادی الاولی ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۸۹)

## شرائط صحت نکاح باذن غیر ولی

سوال (۳۶۱) فی زماننا اکثر بیوہ عورتیں اپنے جیٹھ اور دیور اور سسر سے لڑ کر علیحدہ ہو جاتی ہیں اور پھر وہ اپنی نابالغہ لڑکیوں کا نکاح بلا حصول اذن جیٹھ و سسر و دیور وغیرہ ورثاء کے اپنی مرضی کے موافق جہاں چاہیں کر دیتی ہیں شرعاً ایسے نکاح درست ہیں یا حرام۔ پھر ایسے نکاحوں سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ اپنے باپ دادا چچا تائے کے متروکہ میں سے حصہ لینے کی مستحق ہیں یا نہیں؟

الجواب۔ اگر یہ لڑکی جس کا نکاح ہوا ہے بالغ ہے اور تصریحاً اس نے اجازت دیدی ہے یا سن کر سکوت کیا لیکن صحبت کے وقت رضامند ہے تو نکاح ہو گیا ورنہ نکاح نہیں ہوا۔

فی الدرالمختار وهو ای الولی شرط صحته نكاح صغير الخ وفيه فان استاذنها غير الاقرب كاجنبی اوولی بعيد فلا عبرة لسكوتها بل لابد من القول كالثيب البالغة الى قوله او هو فی معناه كطلب مهرها وتمكينها من الوطی اور جس صورت میں نکاح صحیح ہے میراث بھی ملے گی اور جس صورت میں صحیح نہیں میراث نہ ملے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

یکم جمادی الاولی ۱۳۳۲ھ (امداد ج:۲ ص:۱۹)

(۱) یہ جواب باعتبار وجوب مہر وعدم وجوب مہر کے ہے اور ایک سوال ایسا ہی کتاب الطلاق میں آتا ہے وہ باعتبار حلالہ وعدم حلالہ کے ہے۔ ۱۲ منہ

## زوجہ سے یہ شرط کرنا الخ

سوال (۳۶۲) زید نے کہا کہ اگر نکاح کروں میں کسی عورت سے بعد نکاح کے ان پر طلاق ہے اس صورت میں نزدیک حنفی کے طلاق واقع ہوگا یا نہیں باوجود ایسے کہنے کے وہ بغیر نکاح کے زنا میں مبتلاء ہونے کا نہایت اندیشہ ہے اس حالت میں نزدیک حنفی کے کوئی صورت ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو دوسرے امام کی تقلید جائز ہے یا نہیں۔

سوال (۳۶۳) زید نے کسی عورت سے نکاح کرنے کے بعد اس سے اس طرح وعدہ کیا کہ تمہاری وفات کے بعد اگر کسی سے میں نکاح کروں تو اس پر طلاق ہوگا۔ اس صورت میں اس کی منکوحہ کا انتقال ہوگیا اور زید کو بغیر نکاح کے زنا میں مبتلاء ہونے کا نہایت اندیشہ ہے اس حالت میں اس کو کسی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں نزدیک حنفی کے اور اگر نہیں تو کسی دوسرے امام کی تقلید جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ دونوں سوالوں کا جواب ایک ہی ہے وہ یہ کہ ان تینوں صورتوں میں حنیفہ کے نزدیک نکاح کرتے ہی طلاق واقع ہوجاوے گی لیکن اگر کسی شخص کو اس قدر غلبہ شہوت کا ہو کہ بدون نکاح زنا کا اندیشہ ہو تو اس کو جائز ہے کہ شافعیؒ کے مذہب پر عمل کرلے۔ بعد تحریر جواب ہذا یہ سمجھ میں آیا کہ بلا ضرورت شدیدہ دوسرے امام کے مذہب پر عمل نہ کرنا چاہئے اور یہاں یہ صورت ہوسکتی ہے کہ فضولی اس شخص کا نکاح کردے اور یہ شخص اس کو اجازت بالقول سے نافذ نہ کرے بلکہ اس عورت سے جاکر صحبت کرلے اس سے وہ نکاح نافذ ہوگا۔ ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ

# بابُ الجہاز والمہر

## تحقیق استحقاق مہر درحالت نشوز زن وواپسی جہیز از شوہر

سوال (۳۶۴) کیا بلا حصول طلاق منجانب خاوند بی بی یا اس کا ولی ایسی صورت یا کسی حالت میں بی بی خود یا ولی اس کا عدم موجوگی وبلا اجازت شوہر وعدم رضامندی ان اشخاص کے کہ جن کی حفاظت میں ہے بجبر چلی جاوے یا اپنے مکان پر لے جاوے مستحق پانے دین مہر وواپسی اسباب جہیز کے شوہر سے ہوسکتے ہیں۔

الجواب۔ مہر مثل دیگر دیون کے شوہر پر دین لازم ہے اور دین نشوز سے ساقط نہیں ہوتا تو اگر عورت بلا اجازت شوہر اپنے والدین کے گھر چلی گئی بوجہ نافرمانی کے گنہ گار ہوئی لیکن مہر کا استحقاق باطل

نہیں ہوا اور اسباب جہیز کا واپس کرنا یہ بات عرف کے متعلق ہے اگر عرفاً جہیز کو دختر کے ملک کرتے ہوں تو وہ اسباب اس کا مملوک ہے اپنی چیز کی واپسی کا اختیار ہے اور اگر عرفاً شوہر کی ملک کرتے ہوں تو واپس کرنا عورت کو تو جائز نہیں اور ولی کا واپس کرنا رجوع فی الہبہ ہے جو اس کا حکم ہے وہی اس کا جو شرائط وموانع اس کے ہیں وہی اس کے اور واپس کرنا مکروہ ہوگا جو عرفاً دونوں کا مملوک کرتے ہوں تو شئے مشترک ہے بغیر تقسیم (۱) واپسی درست نہیں۔ فقط ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ (امداد ج:۲ ص:۳)

## حکم اختلاف زوجین درقدر مہر وقت قیام نکاح

سوال (۳۶۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بحالت قیام نکاح زوج اور زوجہ میں تعداد مہر میں اختلاف ہوا زوج کم بیان کرتا ہے او زوجہ زیادہ بیان کرتی ہے اور دونوں نے اپنے اپنے تائید قول میں گواہ پیش کئے اور زوجہ نے اپنے مہر مثل کی تعداد اپنی ظاہر کی ہوئی تعداد سے زیادہ ثابت کرائی تو اس حالت میں کس کا قول صحیح سمجھا جائے۔

الجواب۔ شوہر کا قول معتبر ہوگا۔ فی الدر المختار وان کان اختلفا فی قدره حال قیام النکاح الی قوله ان اقاما البینة فبینتها مقدمة ان شهد له مهر المثل وبینه مقدمة ان شهد مهر المثل لها لان البینات لاثبات خلاف الظاهر۔ واللہ اعلم۔

۴ رمضان المبارک (امداد ج:۲ ص:۳۳)

## اگر مہر مؤجل کی میعاد ایسی مجہول ہو کہ اس کی تعیین نہ ہو سکے تو یہ مہر معجّل سمجھا جائے گا۔

سوال (۳۶۶) زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ تین برس گزرے جب ہوا اور اولاد بھی پیدا ہوئی اب باہم رنجش ہوئی تو ہندہ کہتی ہے میرا نصف مہر مؤجل تھا اور نصف غیر مؤجل تھا اور کوئی مدت اور وقت مؤجل کا نہیں بیان کرتی کہتی ہے کہ مجھ کو نصف مؤجل ادا کر دو تو تمہارے پاس رہوں گی ورنہ نہیں رہوں گی اب زید نے نالش رخصت کی دائر کی اس حالت میں قاضی کو کیا حکم دینا چاہئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ عورت کے موافق حکم دینا چاہئے۔ فی الدر المختار ولها منعه من الوطی الی قوله فکما شرطا لان الصریح یفرق الدلالة اذا جهل الاجل جهالة فاحشة فیجب حالا غایة۔ البتہ اگر شوہر ثابت کر دے کہ اجل معلوم ہے اور وہ اجل اب تک نہیں آئی تو عورت کے موافق حکم نہ ہوگا گو اس صورت میں بھی اگر کچھ مہر مؤجل ہو اس کے لینے تک عورت تسلیم نفس سے عذر کر سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (تاریخ بالا)

---

(۱) البتہ تقسیم یا تہایو یعنی باری باری سے منتفع ہونے کا مطالبہ جائز ہے ۱۲ منہ

## ضرورت نیت در ادائے مہر

سوال (۳۶۷) زکوٰۃ میں تصریح ہے کہ اداء زکوٰۃ کے وقت اگر نیت نہ کی ہوتو جب تک مال قبضہ فقیر میں باقی رہے زکوٰۃ کی نیت کر لینا جائز ہے کسی نے زوجہ کو مہر دیا لیکن دیتے وقت نیت نہ کی تو کیا اسی پر قیاس کر کے قیام مال فی ید ہا تک نیت جائز ہے اور نیت لاحقہ سے بھی مہر ادا ہو جائے گا یا پھر دینا پڑے گا۔

الجواب۔ جب دینے کے وقت کچھ نیت نہیں کی تو ظاہر ہے کہ یہ تملیک ہبہ ہوئی ادائے دین نہیں ہوئی اور درمختار کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدیہ ہونے کے بعد مہر نہیں بنتا۔ **فی باب المهر منه ولو بعث الی امرأته شيئًا ولم يذكر جهة عندالدفع غير جهة المهر كقوله لشمع اوحناء ثم قال انه المهر لم يقبل قينة لوقوعه هدية فلاينقلب مهرا الخ قلت علله بوقوعه هدية ووقوعه هدية يكون بالذكر قضاء وبلاذكره ديانة فلما لم ينو كونه من المهر وكان كونه مهرا متوقفا علٰى هذه النية ديانة وقع هدية فلا ينقلب مهراً۔**

بخلاف زکوٰۃ کے کہ خود زکوٰۃ بھی تبرع ہے اور ہدیہ بھی تبرع یہاں کا انقلاب غیر تبرع کی طرف لازم نہیں آتا اس لئے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور مہر ادا نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۸ ربیع الاوّل (امداد ج ص ۴۴)

## کیا مہر باقساط ادا کرنا اور نان ونفقہ ساقط کرنا جائز ہے

سوال (۳۶۸) مبلغ دو ہزار روپیہ تعداد مہر اگر اس شرط پر مقرر کی جاوے کہ اخراجات خور ونوش و پوشاک ماہوار بھر پانچ روپیہ ادا ہوتے جاویں گے گویا کہ ہر سال میں ساٹھ روپیہ ادا ہوتے رہیں گے تو یہ تعیین مہر جائز ہے یا کس طرح سے جائز ہو سکتا ہے۔

الجواب۔ عبارت سوال کی واضح نہیں تأمل سے یہ معلوم ہوا ہے کہ سوال کے دو جزو مقصود ہیں اول یہ کہ مہر کا ادا کرنا باقساط متعدد بحساب ۵ صد ماہور قرار پایا ہے دوسرے یہ کہ علاوہ مہر کے جو نان ونفقہ واجب ہوتا ہے اس کو ساقط کر دیا ہے سو اگر یہی مقصود ہے تو جزو اول کا جواب یہ ہے کہ شرط جائز ہے کیونکہ حاصل اس کا مہر کا مؤجل ہونا ہے اور اجل کی یہ صورت ٹھہری ہے سو اس میں کوئی امر مانع جواز نہیں دوسرے جزو کا جواب یہ ہیکہ اس سے نفقہ جو کہ واجب مستقل ہے ساقط نہیں ہوتا کیونکہ وجوب اس کا شیئاً فشیئاً ہے سو جو جزو ابھی واجب نہیں ہوا اس کا اسقاط لغو ہے البتہ ایام گزر چکے ہیں ان میں معاف کر دینے سے گزشتہ معاف ہو گیا اور آئندہ کیلئے جب عورت مطالبہ کرے گی دینا واجب ہوگا اور اگر منشاء سوال کا یہ شبہ ہے کہ اسقاط نفقہ ایک شرط فاسد ہے اور تعیین مہر کی بمقدار مذکور مشروط ہے اس شرط فاسد کے ساتھ تو شاید یہ تعیین بھی فاسد ہو تو جواب اس کا یہ ہے کہ تعیین مہر مبادلہ مال بمال نہیں اور ایسے عقود

شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتے بلکہ خود شرط ہی فاسد ہو جاتی ہے اور وہ عقود صحیح رہتے ہیں۔ کما فی الدر المختار باب الصرف۔ ۱۲ رمضان ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۷۹)

## پچیس روپیہ نقد مہر کے عوض پچیس روپیہ بھر چاندی دینے کا حکم

سوال (۳۶۹) زید کا مہر مبلغ پچیس روپیہ ہے اور اس نے ایک یا دو زیور پچیس بھر کا مہر میں دیدیا عورت اور اس کے گھر کے لوگ کہتے ہیں کہ چاندی کا نرخ آج کل بہت ارزاں ہے ہم کو پچیس روپیہ کی جتنی چاندی ملتی ہے اسی قدر روزنی زیور ملنا چاہئے اور شوہر کہتا ہے چاندی چاندی کے مقابل برابر سرابر کا حکم رکھتی ہے ہمارا مہر ادا ہو گیا اگر اس سے زیادہ دیں تو سود لازم آئے گا اس صورت میں زید کے ذمہ سے مہر ساقط ہوا یا مطابق کہنے زوجہ کے اور دینا پڑے گا۔

الجواب۔ زید کے ذمہ نقد ہے غیر نقد اس کے عوض دینا تراضی طرفین پر ہے اور جس شق پر شوہر راضی ہے اور اس پر عورت راضی نہیں اور جس پر عورت راضی ہے وہ جائز بھی نہیں ہے اور اس لئے یہ حکم ہے کہ زیور واپس کر لے اور نقد دے۔ واللہ اعلم۔ شعبان ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۹۲)

## تحقیق مہر فاطمہؓ

سوال (۳۷۰) ساڑھے بتیس روپے کو عوام مہر شرعی کہتے ہیں اس کا اصل کیا ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر سکہ انگریزی سے کس قدر تھا اور اوقیہ کی مقدار کیا ہے۔

الجواب۔ معلوم نہیں اس اصطلاح کی کیا اصل ہے اور مہر حضرت فاطمہؓ کا مثل دیگر صاحبزادیوں کے ساڑھے بارہ اوقیہ تھا اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے تو پانچ سو درہم ہوئے اور درہم کا حساب ایک بار میں نے لگایا تھا چار آنہ چار پائی کا انگریزی سکہ سے ہوتا ہے تو پانچ سو درہم کے ۱۳۵ روپے اور کچھ پیسے ہوئے [1]۔ (تتمۂ ثانیہ ص: ۳۳)

## تحقیق مہر مؤجل بالموت

سوال (۳۷۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں بابت کہ مسمی زید کا نکاح پانچ چھ سال ہوئے مسماۃ ہندہ کے ساتھ بعوض دو ہزار دین مہر مؤجل ہوا تھا مہر کا کوئی جزو پیشگی ادا ہونا بروقت نکاح نہیں قرار پایا تھا بعد نکاح زوجہ ہمیشہ اپنے شوہر کے پاس رہی اور اس کے دو تین بچے

(۱) یہ اس زمانہ میں چاندی کے حساب سے رقم بنی تھی۔ موجودہ دور میں یہ رقم کتنی ہوگی؟ اس کے لئے دار الافتاء سے مراجعت مناسب ہے۔ ۱۲ ناشر

پیدا ہوئے جوفوت ہو گئے۔اب زوجہ بوجہ رنجش باہمی اپنے والدین کے یہاں بلا رضامندی اپنے شوہر کے چلی گئی ہے اور اپنے عزیزوں کے اغواء سے اپنا کل زرمہر طلب کرتی ہے اور شوہر کے یہاں آنے سے انکار ہے درآنحالیکہ شوہر اس کے بلانے پر رضامند اور اصراری ہے اب تک کسی قسم کی طلاق وغیرہ بھی نہیں ہوئی ہے۔ایسی صورت میں زوجہ کا زرمہر طلب کرنا شرعاً جائز اور درست ہے یا نہیں اور مسماۃ کو استحقاق وصولی زرمہر کا موجودہ صورت میں حاصل ہے یا نہیں۔زید کی برادری کا رواج مہر مؤجل ہی کا ہے اور آج تک کسی مسماۃ کو قبل طلاق شوہر کی حیات میں مہر نہیں ادا کیا گیا اور نہ کسی نے طلب کیا اور نہ ایسا رواج ہے البتہ بعد طلاق بالموت وفات شوہر مہر کے لین دین کا رواج ہے۔

**الجواب**۔مؤجل وہ ہے جس میں تاجیل شرط ہو اور جس میں کوئی شرط نہ ہو وہ معجّل ہے گو تعجیل شرط نہ ہو پس اگر یہ شرط ٹھہر جاوے کہ طلاق اور موت تک کی مہلت ہے تب مؤجل ہوگا اور اگر یہ شرط نہیں ٹھیری گو یہ بھی نہیں کہ پہلے ہی لیں گے تو وہ معجّل ہی ہوگا غالباً سائل نے جیسا کہ طرز عبارت سے معلوم ہوتا ہے تعجیل کی شرط نہ ٹھیرانے سے مہر کو مؤجل سمجھ لیا ہے سو یہ صحیح نہیں ہے اور فقہاء نے جو تاجیل بالطلاق والموت کو جائز کہا ہے معنی اس کے یہی ہیں کہ اس طرح تاجیل کی شرط ٹھیر جاوے اور اگر شبہ ہو کہ واقعی تاجیل شرط ہی سے ہوتی ہے مگر عرف بمنزلۂ شرط ہی کے ہے اور سوال میں تصریح ہے کہ ہندہ کا فعل خلاف رواج ہے پس عرف سے مؤجل بالطلاق والموت ہو جانا چاہئے جیسا شرط سے ہوتا جواب یہ ہے کہ اس کا عرف علی الاطلاق ہونا غیر مسلم ہے یہ عرف اسی وقت تک ہے جب تک ہم موافقت رہے ورنہ رنجش میں مطالبہ کا بھی عرف ہے پس میرے نزدیک شرعاً ہندہ کو استحقاق مطالبہ مہر کا حاصل ہے۔

۱۹ رجب ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۵۶)

## جوعورت مرض کی وجہ سے قابل جماع نہ ہو اس کے مہر کا حکم

سوال (۳۰۷۲) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کر کے رخصتی کرا کر اپنے مکان میں لایا جب شب خلوت کو ارادہ مجامعت ومصاجعت کا کیا تو مقام دخول کو بالکل ضیق وتنگ ولا معلوم پایا فی زمانناطبیبہ ظائل میم پاس کردہ شدہ سے تجویز وملاحظہ کرایا گیا۔میم مذکورہ نے بعد ملاحظہ کے صاف طور سے کہدیا کہ یہ عورت فی الحقیقت عورت ہی نہیں ہے بلکہ مخنثہ ہے اور یہ حرج ہرگز وہرآئینہ اصلاح پذیر نہیں ہوسکتا ہے اور کبھی ہرگز مرد کے لائق ہی نہیں ہوسکتی ہے پس ایسی صورت میں ہندہ اپنا مہر زید سے پاسکتی ہے یا نہیں اور برتقدیر اول کس قدر مہر پاسکتی ہے اور برتقدیر دغا وفریب دیدہ ودانستہ ولی ہندہ نے جو شادی کردی زید اپنی شادی کا خرچ پاسکتا ہے یا نہیں۔بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی الدرالمختار باب المهر وخلوة مبتدأ خبره قوله الآتی كالوطی بلا مانع حسی وطبعی وشرعی ومن الحسی رتق بفتحتين التلاحم و قرن بالسكون عظم وعفل بفتحتين غدة الخ فی ردالمحتار قوله عظم فی البحر عن المغرب القرن فی الفرج مانع يمنع من سلوک الذكر فيه اما غدة غليظة اولحم او عظم قوله عفل بالعين المهملة والفاء وقوله غدة بالغين المعجمة ای فی خارج الفرج ففی القاموس انه شيئی يخرج من قبل المرءة شبيهة بالادرة للرجال ج: ۲ ص: ۵۵۵۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ محض ایسے امراض کے ہونے سے یہ نہیں کہ عورت عورت نہ رہے البتہ خلوت ایسی عورت کے ساتھ حکم جماع میں نہیں اسلئے اس خلوت سے پورا مہر لازم نہ آوے گا البتہ اگر اس کو طلاق دے گا تو نصف مہر لازم آوے گا اور اگر زوجین میں سے کوئی مر گیا تو پورا مہر لازم ہوگا۔

۱۶/ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص: ۹۴)

# رسالہ تعديل اهل الدهر فی درجة تقليل المهر (۱)

## (تحقیق تقلیل مہر) تمہید

سوال (۴۷۳) منجانب ریاست جاورہ ایک خط مع مضمون متعلق تجویز انسداد زیادت مہر بغرض مشاورت آیا جس کا جواب یہاں سے لکھا گیا اول خط کی نقل کیجاتی ہے پھر جواب جس میں سے اس مضمون کا خلاصہ لے لیا گیا ہے نقل کیا جاتا ہے۔

## مضمون خط ریاست جاورہ

بخدمت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دام فیضہ السلام علیکم

جاورہ ایک اسلامی ریاست ہے یہاں کے مسلمان حیثیت سے بہت زیادہ مہر باندھتے ہیں جس کو وہ کسی طرح ادا نہیں کر سکتے یہ بے اعتدالی مذہبی نقطۂ نظر سے بھی قابل تدارک ہے۔ میری ہدایت کے موافق یہاں کے مفتی صاحب شہر نے منسلکہ تجویز پیش کی ہے اس میں بھی حسب حیثیت صاف حد بندی نہیں اسلئے مکلف خدمت ہوں کہ اگر تجویز میں ترمیم کی گنجائش ہو تو از راہ کرم اصلاح فرمادی جاوے یا

(۱) اس رسالہ کو رسالہ بالا التشبیہ لاہل السفاح سے خاص تناسب ہے کیونکہ اولیٰ میں بعض صورتوں میں تکثیر مہر کی مانعیت عن النکاح کی نفی مقصود ہے اور ثانیہ میں بعض صورتوں میں تکثیر مہر کی ممنوعیت فی النکاح کا اثبات مقصود ہے ۱۲ منہ

شرعی احکام کے تحت میں ایسی تجویز تحریر فرمائی جائے جس سے مذکورہ بے اعتدالیوں کا سدباب ہو جاوے۔فقط۔

الجواب۔ اس مفصل تجویز کا مجمل حاصل یہ سمجھ میں آتا ہے کہ احادیث سے تقلیل مہر کی مطلوبیت معلوم ہوتی ہے مگر اس تقلیل کی کوئی خاص حد نہیں بلکہ معیار اس کا سہولت اداء واستطاعت ہے لیکن اگر باوجود اس کے کوئی شخص بہت زیادہ مہر کا التزام کرے تو وہ سب واجب ہو جاوے گا اور حضرت عمرؓ سے جو بعض روایات میں چالیس اوقیہ سے زائد ٹھیرانے پر زائد کو بیت المال میں داخل کرنے کی رائے منقول ہے جس سے تحدید معلوم ہوتی ہے سو ایک عورت کے محاجہ پر آپ نے اس سے رجوع فرمالیا۔(ہٰذا کلہ فی الدرالمنثور) غرض تحدید مشروع نہیں پھر سہولت اداء واستطاعت ہر ایک کے اعتبار سے جدا ہے نیز ہر ایک کی استطاعت کا علم بھی نہیں ہوسکتا ان موانع شرعیہ وحسیہ کے سبب کسی مقدار کا مقرر کرنا قضاء جائز نہیں لیکن چونکہ مہر کے ایک معتد بہ حصہ کی تقدیم یعنی قبل دخول ادا کرنا بھی واجب یا مستحب ہے۔علیٰ اختلاف العلماء (کمافی ردالمحتار باب المهر تحت قول الدرالمختار وروایة الاقل تحمل علی المعجل) اور بعض جگہ مقدم ومؤخر کی تنصیف کا عرف بھی ہے اس لئے اگر قضاء یہ تجویز کردیا جاوے کہ نصف مہر معجل بمعنی مقدم اور نصف مؤجل بمعنی مؤخر الی الاجل المشروط والمعروف ہونا چاہئے تو اس صورت میں تحدید بھی نہ ہوگی اور اصل مقصود یعنی تقلیل مہر بقدر استطاعت بھی حاصل ہوجاوے گا کیونکہ استطاعت سے زائد کا نصف دینا بھی عادۃً متعذر ہے آھ۔

اگر تجویز کا یہی حاصل ہے تو جواباً عرض ہے کہ مقدمات سب صحیح ہیں مگر اس میں ایک جزو اور قابل اضافہ ہے وہ یہ کہ اگر مہر کثیر کی کسی مقدار کا کسی جماعت میں عام رواج ہو جائے تو تاوقتیکہ رواج نہ بدلے اس وقت تک وہی مقدار کثیر شرعاً مہر مثل قرار دی جاوے گی۔اور بہت سے احکام (جیسے اس سے کم پر بعض صورتوں میں نکاح کا صحیح نہ ہونا اور بعض میں قابل فسخ ہونا وغیرہ ذلک) اس مقدار کے ساتھ متعلق رہیں گے البتہ خود اس رواج کا بدلنا ایک درجہ میں پھر بھی مامور بہ رہے گا۔اب اس اضافہ کے بعد تجویز مذکور کے متعلق عرض ہے اول کچھ روایات لکھتا ہوں جن سے مسئلہ کا تعلق ہے پھر ان کا نتیجہ عرض کروں گا۔

**الروایات هٰذه الروایة الاولیٰ:** فی الهدایة کتاب الکراهیة ولا ینبغی للسلطان ان یسعر علی الناس لقوله علیه السلام لا تسعروا الحدیث ولان الثمن حق العاقد فالیه التقدیر فلا ینبغی للإمام انْ یتعرض لحقه الااذا تعلق به دفع ضرر العامة علی ما تبین الی قوله فان کان ارباب الطعوم یتحکمون و یتعدون عن القیمة تعدیا فاحشا وعجز القاضی عن صیانة حقوق المسلمین الا بالتسعیر فحینئذ لاباس به

بمشورة من اهل الرأى والبصيرة فاذا فعل ذلك وتعدى رجل من ذلك وباع باكثر منه اجازه القاضى وهذا ظاهر عندابى حنيفةؒ لانه لايرى الحجر علىٰ الحر وكذا عندهما الا ان يكون الحجر علىٰ قوم باعيانهم آهـ فى البناية اى كذا ظاهر عندهما لانهما وان رأيا الحجر لكن علىٰ حرمعين اوقوم باعيانهم اما علىٰ قوم مجهولين فلا وههنا كذلك فلا يصح آهـ۔

الرواية الثانية۔ فى روح المعانى تحت قوله تعالىٰ اطيعوا اللّٰه واطيعوا الرسول واولى الامر منكم وهل يشمل (المعروف) المباح ام لافيه خلاف فقيل انه لايجب طاعتهم فيه لانه لايجوز لاحدان يحرم ما حلله الله ولا ان يحلل ماحرمه الله و قيل تجب ايضاً كمانص عليه الحصكفى وغيره وقال بعض محققى الشافعية تحت طاعة الإمام فى امره ونهيه مالم يأمر بمحرم وقال بعضهم الذى يظهران ما امر به مماليس فيه مصلحة عامة لايجب امتثاله الا ظاهراً فقط بخلاف ما فيه ذلك فانه يجب باطنًا وكذا يقال فى المباح الذى فيه ضرر للمأمور به اهـ (قلت ولهذا الظاهر يجمع بين جميع الاقوال فالوجوب يحمل علىٰ الظاهر وعدم الوجوب علىٰ الباطن وفيما يضر العامة علىٰ الوجوب ظاهراً و باطنًا و القواعد تقتضى ترجيح هذا الظاهر والله اعلم۔

الرواية الثالثة ۔ فى الهداية كتاب احياء الموات فصل كرى الانهار فالاول (اى النهرالذى هو غير مملوك لاحد) كريه علىٰ السلطان من بيت مال المسلمين فان لم يكن فى بيت المال شيئى فالإمام يجبر الناس علىٰ كريه إحياء لمصلحة العامة اذهم لايقيمونها بانفسهم وفى مثله قال عمرؓ لو تركتم لبعتم اولادكم الا انه يخرج له من كان يطيقه و يجعل مؤنته علىٰ المياسير الذين لا يطيقونه بانفسهم اهـ۔

الرواية الرابعة۔ وفى الدرالمختار تكبيرات العيدين عن المعراج طاعته الإمام فيما ليس بمعصية واجبة وفيه بعد اسطران امر الخليفة لايبقى بعد موته اوعزله كما صرح به فى الفتاوىٰ الخيرية وبنى عليه انه لونهى عن سماع الدعوىٰ بعد خمس عشرة سنة لا يبقى نهيه بعد موته والله اعلم اهـ۔

الرواية الخامسة ۔ فى ردالمحتار كتاب الحجر تحت قول الدرالمختار بل يمنع مفت ماجن وطبيب جاهل ومكارٍ مفلس مانصه اشاربه الىٰ انه ليس المراد حقيقة الحجر وهو المنع الشرعى الذى يمنع نفوذ التصرف لان المفتى لو افتى بعد

الحجر واصاب جاز وکذا الطبیب لوباع الادویۃ نفذ فدل علیٰ ان المراد المنع الحسی کما فی الدرر عن البدائع اھ۔

اب روایات پر نتیجہ کو متفرع کرتا ہوں کہ تجویز مذکور بوجہ جامعیت ورعایت تمام جوانب شرعیہ و عادیہ کے نہایت مستحسن ومناسب ہے اس وقت اس سے اچھی تجویز میرے ذہن میں حاضر نہیں اور زیادہ سوچنے کی فرصت نہیں مگر اس میں قابل غور یہ امر ہے کہ اس تجویز کی تنفید کا درجہ کیا ہوگا اگر قانون لازمی بنانا ہے اس طرح سے کہ اگر متناکحین اس کے خلاف معاملہ کریں یعنی نصف مہر پیشگی نہ دیا جاوے تو اس معاملہ کو باطل اور کالعدم کہا جاوے اور جبراً نصف مہر کی تقدیم پر مجبور کیا جاوے تب شرعاً ایسا قانون بنانا جائز نہیں۔

**دلیلہ الروایۃ الاولیٰ۔** اگر اس پر شبہ کیا جاوے کہ حاکم مسلم کو گو ایسا عام قانون بنانے کا اختیار نہ ہو جس سے حکم شرعی کے تغیر کا ایہام ہو مگر وقتی طور پر بعض تصرفات مالیہ میں حکم امتناعی دینے کا تو اختیار ہے جس کا مکمل قانون کتب فقہیہ کے کتاب الحجر میں مذکور ہے اور حجر کی حقیقت یا لازم بطلان تصرف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہاں اسباب حجر نہیں جیسا ظاہر ہے اور اسباب حجر کی صورت میں بعد منع امام بھی تصرف کو باطل نہیں کیا جاتا۔

**دلیلہ الروایۃ الخامسۃ۔** حیث لم یبطل بیع الادویۃ وغیرھا بعد المنع ایضًا۔

دوسرے اس میں شرط یہ ہے کہ محجور علیہ معین ہو خواہ منفرد ہو یا جماعت چنانچہ روایت اولیٰ میں اس کی بھی تصریح ہے فی قولہ فاذا فعل ذلک الی قولہ فلا یصح اور ظاہر ہے کہ محل متکلم فیہ میں کوئی جماعت بھی معین نہیں محجور علیہ ہمیشہ بدلتے رہیں گے اسلئے حجر کا قاعدہ بھی یہاں جاری نہیں ہو سکتا اور اگر یہ شبہ ہو کہ اگر زیادت مہر مباح ہے لیکن اگر حاکم مسلم کسی مباح کو منع کر دے محکومین پر اطاعت واجب ہو جاتی ہے اور واجب کے ترک پر تعزیر جائز ہے پس تنفید بطور حجر کے نہ ہو حتیٰ کہ زیادت مہر یا تاجیل مہر کے التزام کو باطل نہ کیا جاوے لیکن خلاف کرنے پر تعزیر مقرر ہو اور وجوب اطاعت امراء مسلمین آیات واحادیث میں مصرح ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا محل وہی امر ہے جو فی نفسہ مباح ہے ورنہ واجب یا حرام میں خود امر و نہی شرعی کافی ہے اس میں اولی الامر کا کیا دخل اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو خود یہ مسئلہ ذات خلاف ہے جس میں تحقیق یہ ہے کہ اگر وہ امر ایسا ہو کہ اس میں مصلحت عامہ ہے اور خلاف میں ضرر عام اس میں تو اطاعت ظاہراً و باطناً واجب ہے اور اگر ایسا نہیں تو صرف ظاہراً واجب ہے تاکہ فتنہ نہ ہو باطناً واجب نہیں کیونکہ اپنے ضرر کے التزام کا ہر شخص کو اختیار ہے اور اگر اس سے قطع نظر کر کے اطاعت مطلقہ کو بھی واجب کہا جاوے تب بھی حاکم کو تو ایسا جبری حکم دینا جائز نہ ہوگا گو بعد حکم اطاعت واجب ہو یہ سب تفصیل روایت ثانیہ میں اور اسی طرح ضرر عام کی قید روایت ثالثہ میں مذکور ہے اور حاکم کے لئے ایسے حکم کے عام

جواز کی تائید حدیث مسلم فضائل فاطمہؓ میں صریح ہے ۔عن المسور بن مخزمة فی قصة خطبة علیؓ لبنت ابی جهل قال صلی الله علیه وسلم انی لست احرم حلالاً و لااحل حراماً الحدیث۔

دیکھئے آپ نے باوجود ناخوشی کے حضرت علیؓ کو نہی نہیں فرمائی بلکہ اس نہی کو تحریم حلال میں داخل فرمایا اسی طرح حضرت بریرہؓ کو مغیثؓ سے نکاح کرنے کا باوجود رجحان کے امر نہیں فرمایا بلکہ ان کے اس پوچھنے پر کہ یا رسول الله تأمرنی آپ نے جواب دیا انما اشفع جس پر انہوں نے عذر کیا لا حاجة لی فیه اور آپ نے مجبور نہیں فرمایا کذا فی المشکوٰۃ باب بعد باب المباشرة عن البخاری واما امره صلی الله علیه وسلم عبداللهؓ وزینبؓ بالنکاح فکان للمصلحة العامة التشریعیة فی مثل هذا المقام اوهو من خصوصیاته صلی الله علیه وسلم فی خصوص الواقعة او کان لمعالجة النخوة وهو من باب ازالة المنکر۔

پھر اس سب سے قطع نظر کر کے ایسا حکم دائمی نہیں ہوسکتا حاکم کی حیات تک باقی رہے گا پھر باطل ہو جائے گا اس کے بعد کے حاکم کو خصوصیت کے ساتھ تجدید کی حاجت ہوگی ۔کمافی الروایۃ الرابعۃ اور اگر یہ شبہ کیا جاوے کہ جب زیادت مہر ایک درجہ میں منکر ہے تو حاکم کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے تحت میں مخالفت کرنے والے کو سزا دینا جائز ہے جیسے عام منکرات میں اجازت ہے جواب یہ ہے کہ یہ منکر درجہ معصیت میں نہیں جس پر سزا دینا جائز ہو یہ ایسا ہی منکر ہے جیسا طلاق بلا وجہ کہ حدیث میں اس کو ابغض فرمایا ہے اور مہر میں تو کوئی ایسا لفظ بھی وارد نہیں پھر بھی طلاق پر کوئی سزا نہیں اگر کہا جاوے کہ بعض احادیث میں ادائے مہر کی نیت نہ ہونے پر تشبیہ بالزانی کی وعید آئی ہے جس سے اس کا معصیت ہونا معلوم ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ مقدار زائد از تحمل کے لئے عدم نیت اداء عادۃً لازم ہے جواب یہ ہے کہ وہ وعید تکثیر مہر پر نہیں بلکہ نیت عدم اداء یا عدم نیت اداء پر ہے اور اس کے لیے نہ تکثیر مستلزم ہے نہ تقلیل مانع دونوں کے ساتھ اس کا تحقق وعدم تحقق مجتمع ہوسکتا ہے دوسری علت اس وعید کی خداع ہے جیسا اس حدیث کے بعض طرق میں مصرح ہے اور جب منکوحہ کو معلوم ہوا اور وہ اس پر راضی ہو تو علت نہیں پائی گئی اس کی پوری بحث احقر کے رسالہ (۱) تحقیق التشبیه باهل السفاح لمن لایرید اداء المهر فی النکاح میں ہے پس اس کا معصیت موجبہ لاستحقاق التعزیر ہونا ثابت نہ ہوا۔ یہ سب کلام اس صورت میں ہے جب اصل تجویز کی تنفید درجۂ جبر میں ہو اور اگر محض درجۂ ترغیب ومشورہ میں ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ہر طرح مستحسن ہے جیسا کہ ظاہر ہے اگر شبہ کیا جاوے کہ دیکھئے روایت اولیٰ میں تسعیر جبری کو فی نفسہ ناجائز کہا گیا ہے مگر تعدی فاحش کے وقت جبر کی بھی اجازت دی گئی اسی طرح اگر

(۱) یہ رسالہ وضع ترتیبی میں رسالہ ہذا کے متصل ہے ۱۲۔

تقلیل مہر پر جبر کوفی نفسہ ناجائز کہا جاوے مگر جب تکثیر سے تعدی فاحش ہونے لگے تو اس میں جبر کی اجازت دی جاوے بلکہ درمختار کتاب الکراہیہ میں عام غلاء میں امام مالکؒ کا قول وجوب تسعیر کا منقول ہے۔ جواب یہ ہے کہ وہاں عدم تسعیر میں ضرر عام ہے اور یہاں تکثیر مہر یا عدم تعجیل میں ضرر خاص ہے جس پر زوج وزوجہ راضی ہیں فافترقا اس سے ایک دوسرے شبہ کا بھی جواب ہوگیا کہ احتکار اقوات میں مخالفت پر تعزیر مشروع ہے کما فی الدرالمختار کتاب الکراھیة فان لم یرجع بل خالف امر القاضی عزرہ بما یراہ ردعاً لہ اھ۔

جواب ظاہر ہے کہ اس میں ضرر عام ہے اور اگر شبہ کیا جاوے اور غالباً یہ آخری شبہ ہے کہ امر مجتہد فیہ میں حاکم مسلم اگر ایک شق متعین کردے تو وہ واجب ہوجاتی ہے اور تقدیم بعض مہر کا وجوب مجتہد فیہ ہے جیسا خلاصۂ سوال میں مذکور ہوا اور ترک واجب پر تعزیر جائز ہے جواب یہ ہے کہ یہ بعض متعین نہیں خاتم حدید دینے سے بھی بشرط رضائے زوجہ یہ واجب ادا ہوجاتا ہے پس اس سے نصف مہر کے ادا کی تقدیم کا وجوب کیسے ثابت ہوا۔

ولکن ھذا اٰخر الکلام فی ھذا المقام واللہ ولی الاحکام فی کل حلال وحرام واریٰ تسمیة ھذہ العجالة بتعدیل اھل الدھر فی درجة تقلیل المھر و تلقیبھا بحسن المشاورة فی استفسار ریاستہ جاورہ والحمدللہ المفضال المنعام علیٰ اتمام المرام۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ نبیہ سید الانام الف الف صلوٰة وسلام الیٰ یوم القیام۔

۲۷ رجب یوم الجمعہ ۱۳۵۲ھ (النور شعبان ۱۳۵۳ھ ص:۷)

## قبض بودن تخلیہ صاحب حق

سوال (۳۷۴) ایک عورت اپنا مہر نہ لیتی ہے اور نہ خاوند کو معاف کرتی ہے ایسی حالت میں مرد کیونکر سبکدوش ہوسکتا ہے۔

**الجواب**۔ اس کے سامنے کہہ کر ایسی طرح رکھدے کہ اگر وہ اٹھانا چاہے تو اٹھا سکے اور وہاں سے ہٹ جاوے سبکدوش ہوجاوے گا پھر اگر وہ عورت نہ اٹھاوے گی اور کوئی اور اٹھاوے گا تو وہ روپیہ اس عورت کا ضائع ہوجاوے گا شوہر سبکدوش ہوجاوے گا اور اگر پھر شوہر نے اٹھالیا تو شوہر کے پاس امانت رہے گا اس میں تصرف شوہر کو جائز نہ ہوگا۔ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۳۵)

## حکم معاف کردن منکوحہ حقوق خود بذمۂ شوہر

سوال (۳۷۵) اگر عورت بلا جبر واکراہ محض اپنی خوشی واپنی کسی مصلحت سے اپنے تمام حقوق

متعلقہ شوہر ایک خاص مدت کیلئے یا ہمیشہ کیلئے معاف کردے یا کوئی خاص حق معاف کردے تو شوہر اس سے ان حقوق کے متعلق کیا بری ہے۔

الجواب۔ جی ہاں مگر اس عورت کو اس وقت کے بعد بھی ہر وقت حق رجوع ہے اور شوہر پر واجب ہے کہ اس کی اطلاع اس کو کردے کہ تم کو ہر وقت حق رجوع ہے۔ ۲۵ / جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ (تتمہ خامسہ ص ۸۸)

## ترجیح عدم عفو مہر در صورت کثیر بودن مال متروکہ میت

سوال (۳۷۶) زید کا انتقال ہوا۔ دو بھائی ایک بہن والدہ زوجہ وارث چھوڑے اور مال بھی اتنا چھوڑا کہ زوجہ کا مہر ادا ہونے کے بعد بھی بہت مال باقی رہے گا مگر زید کے بھائی بہن والدہ۔ مہر وحصہ ترکہ کی زوجہ سے معافی چاہتے ہیں کچھ دینا نہیں چاہتے اس صورت میں معاف کر دینا بہتر ہے یا لے لینا۔

الجواب۔ ظاہراً تو معاف کر دینا بہتر ہے لیکن نظر غائر سے لینا افضل ہے کیونکہ اس معافی چاہنے کا مبنیٰ حرص ہے جو کہ مذموم ہے اور معاف کرنا اعانت ہے اس مذموم کی۔ رمضان ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ ص: ۲۹۵)

## ایک ہندو عورت کے سوالات در بارۂ اسلام وجہیز وزیور دخترِ خود وغیرہ

سوال (۳۷۷) میں اہل ہنود ہوں اور عرصہ آٹھ سال سے بیوہ ہوگئی ہوں اور میں نے اپنی مذہبی رسوم کے موافق اپنی دختر بہ عمر دس سال کی شادی کردی ہے لیکن ابھی رخصتی (گونا) حسب رواج نہیں ہوا اب ہم دونوں کیا مسلمان ہو سکتے ہیں۔

الجواب۔ ہو سکتے ہیں۔

س۔ اور مسلمان ہو جانے کی صورت میں میری دختر کی خسرال والے کسی قسم کا عدالت میں دعویٰ کر سکتے ہیں۔

ج۔ عدالت کا قانون تو وکلاء سے پوچھیں باقی شریعت کا حکم یہ ہے کہ مسلمان ہوتے ہی نکاح ٹوٹ جاوے گا اور خسرال والوں کو کوئی حق دعویٰ کا نہ رہے گا بلکہ اگر لڑکی نابالغ ہو تو ماں ہی کے مسلمان ہونے سے لڑکی کا نکاح ٹوٹ جاوے گا۔

س۔ اس لڑکی کی شادی میں نے مذہبی رسوم کے موافق مبلغ سات سو روپے نقد اور تخمینی پانسو روپے کا جہیز دیا ہے جس پر لڑکی کے سسرال والے اور لڑکی کا شوہر قابض ہیں اور لڑکی کے سسرال سے دو سو روپے کا زیور لڑکی کو پہنایا گیا ہے جو میرے پاس ہے مسلمان ہونے کی صورت میں میں اور میری لڑکی اس سامان سے جو نقد جہیز میں دیا گیا ہے دستبردار ہو سکتے ہیں۔

ج۔ اگر لڑکی بالغ ہے تو اس کی دستبرداری جائز ہے اور اگر نابالغ ہے تو نہ اس کی دستبرداری جائز ہے اور نہ ماں کی جب تک کہ لڑکی بالغ نہ ہو۔ ۱۲؍صفر ۱۳۳۸ھ (تتمۂ خامسہ ص:۱۳۸)

## حکم معافی مہر صغیرہ بعوض طلاق

سوال (۳۷۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی جس کی عمر چودہ برس کی ہے اور شوہر اس کا بالغ ہے لڑکی کے بلوغ کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہے اور اس کا چچا دوسری جگہ موجود ہے اور والدہ والد اس کے کوئی نہیں ہیں وارث چچا ہی ہے وہ لڑکی اپنے ماموں کے یہاں رہتی ہے اگر لڑکی اپنا مہر بخشا چاہے تو کس طرح بخشے اگر اس کا چچا نہ منظور کرے تو وہ کس طرح بخشے شوہر اس کا اسی مہر بخشنے کی شرط پر طلاق دینا چاہتا ہے۔ بینواتوجروا۔

الجواب۔ چونکہ وہ نابالغ ہے اس لئے اگر چچا بھی منظور کرے تب بھی مہر معاف نہیں ہوسکتا اگر شوہر طلاق دے گا تو ہو جاوے گا مگر مہر ساقط نہ ہوگا۔

فی الدرالمختار خلع الاب صغیرته بمالها او مهرها طلقت فی الاصح کمالو قبلت هی وهی ممیزة ولم یلزم المال لانه تبرع الیٰ قوله وان شرط ای الزوج الضمان علیها ای الصغیرة فان قبلت وهی من اهله بان تعقل ان النکاح جالب والخلع سالب طلقت بلاشیئی بعدم اهلیة الغرامة وان لم تقبل اولم تعقل لم تطلق وان قبل الاب فی الاصح زیلعی ولو بلغت واجازت جاز فتح فی ردالمحتار قوله وان قبل الاب لان قبولها شرط وهو لایحتمل النیابة فتح قوله فی الاصح وفی روایة یصح لانه نفع محض اذا تتخلص من عهدته بلا مال فتح ج۲ ص ۹۳۵ الیٰ ۹۳۸۔

۳؍رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۶۷)

# بابُ المحرّمات وغیرہا

## حکم نکاح با دختر مزنیہ خود

سوال (۳۷۹) ہندہ زید کی مزنیہ فرع ہے جس کا باپ عمرو ہے زید کا نکاح اس سے جائز ہے یا نہیں بعض علماء نے فتویٰ دیا ہے کہ جائز نہیں کیونکہ حنفیہ کے نزدیک زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے لیکن زید کہتا ہے کہ اگر ہندہ سے میرا نکاح ہو جائے تو میں تمام کبائر سے جس میں اب مبتلاء

ہوں تائب ہو جاؤں گا ایسی صورت میں اگر اور کسی امام کے مذہب پر جن کے نزدیک زنا موجب حرمت مصاہرت نہ ہو عملدرآمد کیا جائے تو درست ہے یا نہیں۔

الجواب۔ چونکہ ترک تقلید شخصی بلا ضرورت شدیدہ بدلائل صحیحہ ناجائز ثابت ہو چکی ہے اور زید کا یہ عذر حد ضرورت شدیدہ میں داخل نہیں لہٰذا حنفی کو اس باب میں دوسرے مذہب پر عمل کرنا جائز نہیں اور یہ عجیب بات ہے کہ اگر اس کی اجازت ہو جائے تو سب کبائر سے توبہ کرلوں اول تو یہ خود کبیرہ ہے پس یہ کہنا ایسا ہے کہ اگر رشوت کی اجازت ہو جائے تو سود سے توبہ کرلوں دوسرے توبہ کرلے گا تو کس پر احسان ہے اور نہیں کرے گا تو کس کا نقصان ہے معاذ اللہ یہ تو گویا شریعت پر دباؤ ڈالنا ہوا سو عمل بالشرع اپنی فلاح کیلئے ہے شرع مستغنی محض ہے۔ فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر یمنون علیك ان اسلموا۔

تیسرے اگر اس وقت بھی توبہ نہ کرے تو کوئی کیا کرے گا نفع موہوم کے لئے یقینی ضرر کی اجازت دیکر کون وبال میں گرفتار ہو۔ فقط ۱۸ رشعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۴۸ ج ۲)

## حکم زنے کہ باوجود شوہر با دیگر نکاح کند

سوال (۳۸۰) ایک عورت اپنے مرد سے چھپ کر دوسرے مرد کو لے کر دوسری جگہ چلی گئی اور اس کے ساتھ نکاح کرلیا چندروز کے بعد اس عورت کو اس کے مرد نے تلاش کرنے سے پایا اپنے مکان پر لایا وہ عورت اس برے فعل سے توبہ کرتی ہے اب وہ مرد کس طرح رکھ سکتا ہے نکاح پھر کرنا چاہئے یا بغیر نکاح رکھنا چاہئے اور اس کے واسطے کفارہ ہے جیسا شرع شریف سے حکم ہو عمل میں لایا جائے۔

الجواب۔ چونکہ بدفعلی سے نکاح نہیں ٹوٹا اور غیر شوہر سے جو نکاح کرلیا تھا وہ نکاح بھی صحیح نہیں ہوا اس لیے شوہر اول کا نکاح باقی ہے پس اب اس کو پھر نکاح کرنے کی ضرورت نہیں بغیر تجدید نکاح بی بی کو رکھ سکتا ہے اور اس کا کفارہ صرف توبہ خالصہ ہے کہ جو حق تعالیٰ کے روبرو خوب عاجزی اور پشیمانی سے عذر کرے اور آئندہ پختہ عہد کرے کہ ایسی حرکت نہ کرے البتہ اسی شوہر کے لئے مستحب ہے جب سے وہ عورت اس غیر مرد کے پاس سے علیحدہ ہوئی ہے اس وقت سے جب اس کو حیض آچکے تب اس سے صحبت کرے لیکن اگر حیض آنے کا انتظار نہ کرے تب بھی گناہ نہیں صرف بہتر ہے۔

فی الدر المختار وکذا لاعدة لو تزوج امرأة الغیر ووطئها عاملابذلك وفی نسخ المتن ودخل بها ولا بدمنه وبه یفتی ولهذا یحدمع العلم بالحرمة لانه زنا والمزنی بهالا تحرم علی زوجها وفی شرح الوهبانیة لوزنت المرأة لایقربهازوجها

حتٰی تحیض لاحتمال علوقه من الزنا فلا یسقی ماء ہ زرع غیرہ فلیحفظ لغرابته اھ و فی ردالمحتار قوله والمزنی بھالا تحرم علٰی زوجھا فله وطیھا بلا استبراء عندھما وقال محمد لا احب له ان یطأ ھا مالم یستبرء ھا کما مرفی فصل المحرمات قوله فلیحفظ لغرابة امر بحفظهٖ لا لیعتمد بل لیجتنب بقرینة قوله لغرابتهٖ ای قوله فقدظھر بما قررناہ الفرق بین جواز وطئی الزوجة اذا رأھا تزنی وبین عدم جواز التی تزوجھا وھی حبلی من زنا فاغتنمه اھ۔

البتہ اگراس دوسرے غیر مرد کوخبر نہ ہوتی کہ یہ عورت کسی کی منکوحہ ہے اور پھر اس سے نکاح کر لیتا تو اس صورت میں گو اس شوہر اول کے پاس آتی تو اس کو تین حیض آنے کے بعد صحبت درست ہوتی ۔

فی الدرالمختار عقیب القول المذکور بخلاف ما اذالم یعلم حیث تحرم علی الاول الا ان تنقضی العدة وفیه ایضاً الموطوءة بشبھة ومنه تزوج امرأة الغیر غیر عالم بحالھا الٰی قوله ولم یکتف بحیضة احتیاطاً اھ ھذہ العبارات کلھا فی باب العدة ۔

۱۴ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ (امداد ج:۲ ص:۵۰)

## ثبوت حرمت مصاہرت کے لئے شہادت کا ضروری ہونا

سوال (۳۸۱) ہندہ نے ایک یا دو مردوں اور ایک یا دو عورت سے کہا کہ سسر نے میرے ساتھ برافعل کیا ہے وہ لوگ ہندہ کی زبان کے شاہد ہیں اور اب ہندہ خود منکر ہے اور ایسا ہی ہندہ کی ساس نے بھی کہا میرا خاوند اپنی بہوئے سے بدفعلی کرتا ہے جن سے کہا وہ لوگ مقر ہیں مگر ہندہ کی ساس منکر ہے ایک شخص عادل طالب علم شہادت دیتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ شہوت کے ساتھ ہندہ کے سسر نے ہندہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور ایک دوسرا شخص کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ دن میں دروازہ بند کر کے ہندہ اور سسر اس کا ایک لحاف میں غلطاں ہیں اور قرائن خارجیہ سے بھی اس شخص کا حال ایسا ہی معلوم ہوتا ہے موضع کے لوگ اکثر جو ثقات ہیں وہ ان امور کے وقوع کے قائل ہیں تو ایسی صورت میں کہ چند عورت اور چند مرد تنہا تنہا متفرق اوقات اور متفرق ایام کی شہادت دیں اور لامس اور ملموسہ دونوں منکر ہیں تو کیا حرمت مصاہرت ثابت ہو کر تفرقہ ہوگا یا نہیں دواعی زنا کے لئے کیا زنا کا ثبوت جس پر ہوتا ہے ایسا ہی ہوگا یا کم اور تفریق قاضی کے حکم سے ہوگی یا کیا یہ تفریق فسخ ہے یا طلاق اگرچہ یہ مسئلہ درمختار کے اشعار

فرق النکاح جمعا نافعا　　فسخ الطلاق وھذا الدریحکیھا

سے بخوبی منکشف ہوتا ہے مگر بعض عبارات قوم موہمہ خلاف کی بھی ہیں ۔ فقط ۔

الجواب ۔ فی الدرالمختار قبل ام امرأته حرمت امرأته مالم یظھر عدم الشھوة

وفی المس لاتحرم مالم تعلم الشہوۃ لان الاصل فی التقبیل الشہوۃ بخلاف المس والمعانقۃ کالتقبیل وفیہ بحرمۃ المصاھرۃ لا یرتفع النکاح حتی لایحل التزوج بآخر الابعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ وفی ردالمحتار لا بعد تفریق القاضی اوبعد المتارکۃ وفی الدرالمختار ان ادعت الشہوۃ فی تقبیلہ او تقبیلھا ابنہ وانکرھا الرجل فھو مصدق لاھی الا ان یقوم الیھا منتشراً آلتہ فیعانقھا لقرینۃ کذبہ اویاخذ ثدیھا او یرکب معھا الخ وفیہ تقبل الشھادۃ علی الاقرار باللمس والتقبیل عن شہوۃ وکذا تقبل علی نفس اللمس والتقبیل والنظر الی ذکرہ اوفرجھا عن شہوۃ فی المختار تجنیس لان الشہوۃ ممایوقف علیھا فی الجملۃ بانتشار او آثار۔

ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوئے۔

(۱) اگر ہندہ منکر بھی ہوتی تب بھی صرف عورت کا دعویٰ مقبول نہ ہوتا۔

(۲) ہندہ کی ساس صرف شاہد ہے اور قبول شہادت کے شرائط مفقود ہیں۔

(۳) طالب علم مس کا شاہد اور وجود شہوت پر اس کے پاس کوئی دلیل کافی نہیں اور مس بدون علم شہوت کے موجب حرمت نہیں۔

(۴) محض دروازہ بند کرنے سے استدلال کافی نہیں واگر ایک لحاف میں دونوں کو دیکھا تو یہ البتہ مثل رکوب معہا کے کافی قرینہ شہوت کا ہے لیکن نصاب شہادت کافی نہیں اور دوسرے ثقات کی شہادت کی کیفیت مذکور نہیں ورنہ اس میں نظر کی جاتی لہذا حرمت مصاہرت قضاءً ثابت نہیں ہوسکتی البتہ اگر صاحب واقعہ کو اس کا علم ہے تو دیانۃً حرمت ثابت ہوجاوے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۹ محرم ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۷۳)

## حرمت مصاہرت میں مراہق مثل بالغ کے ہے

سوال (۳۸۲) کیا حکم ہے اس صورت میں کہ زید و ہندہ حالت مراہقت میں مرتکب دواعی شہوت مثل تقبیل ومباشرت فاحشہ وغیرہ ہوئے صحبت نہیں ہوئی بعد بلوغ زید کا نکاح زاہدہ سے اور ہندہ کا نکاح عزیز الدین سے ہوا زید کے بطن زاہدہ سے ساجدہ متولد ہوئی اور ہندہ کے صلب عزیز الدین سے محمد حسن زید کی اولاد کے ہمراہ زاہدہ کا شیر میمونہ نے حالت طفولیت میں پیا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ محمد حسن کا نکاح جو کہ ہندہ کے بطن سے ہے ساجدہ دختر زید سے یا میمونہ رضیعہ زید سے ہوسکتا ہے یا نہیں حالت مراہقت میں دواعی شہوت سے مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا زنا شرط ہے۔ امید کہ سند کتاب درج فرمائی جائے ضرورت ہے۔

الجواب۔ (۱) چونکہ حرمت مصاہرت میں مراہق کا حکم مثل بالغ کے ہے کما فی ردالمحتار عن فتح القدیر مس المراهق كالبالغ وفى البزازية المراهق كالبالغ حتى لو جامع امرأة اولمس بشهوة تثبت حرمة المصاهرة اهـ ج۲ ص ٤٦١
اس لئے محمد حسن اور ساجدہ نسب ومصاہرت سے اور محمد حسن اور میمونہ رضاع ومصاہرت سے باہم بھائی بہن ہیں اور تناکح ان میں درست نہیں (۲) ۲۵ رذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص: ۱۰۱)

## اشتراط شہوت عند المس برائے حرمت مصاہرت وشرط مشتہات بودن

سوال (۳۸۳) زید کا رشتہ ایک جگہ ہوا ہے زید ایک روز چاولوں کا نمونہ باہر سے گھر لے گیا اور اپنے خسر صاحب کو چاول اپنے ہی ہاتھ میں لئے دکھارہا تھا اتنے میں زید کی خوشدامن بھی آ گئی اس نے بھی چاول زید ہی کے ہاتھ میں سے اٹھا کر دیکھے بس تو زید کے دل میں کچھ ذرا وسوسہ سا پیدا ہوا تھا اور شہوت وغیرہ کچھ نہیں تھی تو یہ لمس میں داخل ہو کر کچھ شرعی حد تو قایم نہیں ہوئی یعنی زید کا نکاح جو اس خوشدامن کی دختر سے ہوگا اس میں کچھ فرق نہیں ہے۔

الجواب۔ فی الدر المختار والعبرة للشهوة عندالمس والنظر لابعد هما وحدها فيهما تحرك الة او زيادته به يفتى وفى امرأة وشيخ كبير تحرك قلبه اوزيادة فى ردالمحتار قال فى الفتح ثم هذا الحد فى حق الشباب اما الشيخ والعنين فحدهما تحرك قلبه او زيادة لوكان متحركا لامجرد ميلان النفس فانه يوجد فيمن لاشهوة له اصلا كالشيخ الفانى ثم قال ولم يحد والحد المحرم منها اى من المرأة واقله تحرك القلب على وجه يشوش الخاطر اهـ وفى الدرالمختار واصل الممسوسة بشهوة واصل ماسته وفروعهن فى ردالمحتار قوله واصل ماسته اى بشهوة قال فى الفتح و ثبوت الحرمة بلمسها مشروط وبان يصدقها ويقع اكبر رائه صدقها۔
اس روایت سے معلوم ہوا کہ زید کی تندرستی اگر ایسی ہے کہ شہوت کے وقت اس کا آلہ منتشر ہوتا ہے تو وقت مس کے انتشار آلہ اگر ہوا ہے تو اس کو شہوت کہا جائے گا اور اگر انتشار نہیں ہوا تو شہوت نہ کہا

---

(۱) یہ جواب بعض روایات کے موافق ہے جس میں احتیاط کی جانب لی گئی ہے بعض روایات دیگر کے موافق جواب یہ ہے محمد حسن اور ساجدہ کا نکاح درست ہے کیونکہ مزنیہ کا رضاع حکم نسب میں نہیں ص ۲۱۵۔ ملاحظہ ہو ۱۲ منہ۔
(۲) جب ابن زوجہ کا نکاح بنت زوج سے بالاتفاق بلاشبہ درست ہے تو ابن مزنیہ کا نکاح بنت زانی اور رضیعۂ زانی سے بطریق اولیٰ صحیح ہوگا۔ ۱۲ منہ رشید احمد عفی عنہ

جائے گا اور اگر اس کی تندرستی ایسی نہیں ہے تو اگر قلب کو ایسی حرکت ہوئی کہ طبیعت مشوش ہوگئی تو شہوت کہیں گے ورنہ نہیں کہیں گے یہ تو زید میں حد شہوت ہے اسی طرح اگر اس خوشدامن کو مس کے وقت قلب میں حرکت ہوگی تو اس کی شہوت ظاہر ہوگی غرض زید یا خوشدامن کا حال اس کے بیان سے کسی کے اندر بھی شہوت پائی گئی تو لڑکی حرام ہوگی ورنہ حلال ہوگی اور خوشدامن کا حال اس کے بیان سے معلوم ہوسکتا ہے اگر کسی قرینہ سے اس کا شبہ ہو تو دریافت کرنا ضرور ہے ورنہ کچھ حاجت نہیں۔ واللہ اعلم۔

۲۰ رذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد ج:۲ ص:۲۳)

سوال (۳۸۴) زید کو ہندہ کے ساتھ ایک عورت نے متہم کیا زید رات میں روشنی گل کر کے جس جگہ ہندہ سوتی ہے آتا ہے مگر عورت مذکورہ نے زید کو ہندہ کے ساتھ کسی فعل ناجائز کا مرتکب نہیں پایا محض شبہ بیان کیا جب زید کی لڑکی نے یہ بات سنی عورت مذکورہ کو شوروغل سے باز رکھا اور خود لڑکی مذکورہ کو تشویش پیدا ہوئی کہ آیا زید واقعی ہندہ کے ساتھ کسی امر ناجائز کا مرتکب ہے یا عورت نے محض شک سے متہم کیا ہے اور لڑکی مذکورہ نے شک کی وجہ سے ہندہ کو لعنت وملامت کیا اور تاکید کیا کہ اب جب زید تیرے پاس شب کو آئے تو شور کر چنانچہ ہندہ نے ویسا ہی کیا کہ ایک روز بآواز بلند کہا کہ دیکھو زید میرا پیر پکڑتا ہے اس آواز بے وجہ سے بنت زید کی آنکھ کھل گئی اور کیا دیکھا کہ زید ہندہ کے سونے کی جگہ سے ایک دو گز کے فاصلے سے جارہا ہے جو کچھ ظاہری حالت تھی عرض کیا باقی باطنی حالت اللہ خوب جانتا ہے آیا ان واقعات معروضہ سے حرمت مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں (واضح رہے کہ زید نابینا ہے) اور ابن زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ درست ہوگا یا نہیں خود زید نے ہی ہندہ کے ساتھ اپنے لڑکے عمرو کی منگنی بھیجا ہے واضح رائے عالی ہو کہ عمرو بن زید اور اب ہندہ کو ان واقعات کی خبر نہیں اور نہ کوئی شخص خبر دینا چاہتا ہے کیونکہ اس میں بڑی بدنامی کا خوف ہے اور نہ کوئی گواہ معتبر موجود ہے سوائے بنت زید کے کیونکہ جس عورت نے اولاً متہم کیا تھا اس کا انتقال ہوگیا باقی رہی بنت زید فقط حرمت مصاہرت زنا سے امام شافعی کے یہاں ثابت نہیں یہ قول امام شافعی صاحبؒ کا کیسا ہے۔

الجواب۔ اگر ہندہ اس وقت نو سال سے کم تھی تب تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی فی الدرالمختار وبنت سنها دون تسع ليست بمشتهاة به يفتي۔ اور اگر نو سال سے زائد تھی تو زید سے اور ہندہ سے دریافت کیا جائے اگر ایک بھی کہے کہ اس وقت مجھ کو شہوت تھی تو حرمت مصاہرت ثابت ہوگی۔ فی الدرالمختار وتكفي الشهوة من احدهما اور اگر دونوں شہوت کے منکر ہوں اور بجز مس قدم کے اور اگر کوئی اور بات نہ ہوئی ہو تو حرمت مصاہرت نہ ہوگی فی الدرالمختار وفي المس لاتحرم مالم تعلم الشهوة اور اگر کوئی اور بات بھی مرد کے

یا عورت کے بیان سے معلوم ہو تو اس کے متعلق دوبارہ استفسار کرنا چاہئے اور امام شافعیؒ کے مذہب کی تحقیق کا یہ موقع نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ ۵ رجمادی الاخریٰ ۱۳۳۵ھ (امداد ج:۲ ص:۴۱)

سوال (۳۸۵) شخصے بشب بعد نماز عشاء بر بستر خود خوابیدہ بعد ازان بجہت تنگی جائے گا دختر ش مراہقہ منکوحہ باجازت زنش کہ مادر دختر مذکورہ شدہ بر بور یہ کہ برآں بستر شخص مذکور شدہ خفتہ و شخص مزکور در خواب رفتہ و اورا ایں امر بالکلیہ ہیچ معلوم نشد ناگاہ در شب چناں گردیدہ ہر دو پایش بر ہر دو ساق دختر شدہ و آلہ تناسلش انتشار یافت یعنی ہرگاہ بیدار شدہ آلہ اش از پیش منتشر بود یعنی درحالت منتشر شدہ و درحالت بیداری منتشر یافتہ و بعد بیدار شدن در انتشار زیادتی پیدا نہ گشت۔ لیکن ہیچ خطرہ از شہوت ولذت در دلش بجانب دختر نیافت و فی الفور پا کشیدہ و اورا از دست خود مس نمودہ بنام او پرسید کہ تو فلاں ہستی دختر ش جواب داد جی ہاں بعد ازاں از دختر رو تافتہ پشت داد۔ آیا در نکاحش نقصانے افتاد یا نہ چونکہ ایں امر بوقوع آمدہ وبس کہ در گرداب حیرانی وغم لہٰذا در رمضان خصوصاً ایام اعتکاف تصدیع میدہم از عبارت درمختار فلو ایقظہ الخ وکذا لو فزعت فدخلت الخ۔ در دل اضطراروبیقراری بہم رسید واز عبارت شامی وقال الفتح وفرع علیہ مالوانتشر وطلب امرأتہ فاولج بین فخذی بنتہا خطاء لاتحرم الخ۔ و در دل قدرے تسلی می آید مکرر ایں مس مذکور برائے پرسیدن شدہ نہ امرے دیگر فی قولہ مس نمودہ بنام او پرسید الخ ۱۲ منہ۔

الجواب۔ دریں صورت حرمت مصاہرۃ ثابت نشدہ فی الدر المختار وحدھا (ای الشہوۃ) فیہما (ای المس والنظر) تحرک الۃ او زیادتہ وبہ یفتی و فی ردالمحتار وفرع علیہ مالوانتشروطلب امرأتہ الٰی قولہ لاتحرم امہا مالم یزدد الانتشار ج ۲ ص ۴۵۹، ۲۵ رشوال ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۹۵)

## خسر کا بہو کو صرف ہاتھ لگانا الخ

سوال (۳۸۶) بکر پسر زید جس کی عمر ۱۷ سال کی ہے بظاہر نابالغ معلوم ہوتا ہے اس کی زوجہ ہندہ دعویٰ کرتی ہے اور حلفاً بیان کرتی ہے کہ میرا خسر زید بوقت نصف شب میری چارپائی پر اپنے مکان سے جو متصل میرے مکان سے ہے روشن راستہ سے جو دونوں مکان کے درمیان میں آمد برآمد کے لئے کھلا ہوا ہے آیا اور بارادۂ زنا مجھ کو ہاتھ لگایا جب میں یکایک چیخ اٹھی تو کہا چپ رہ میں ہوں پھر میں نے چیخ ماری تب ہمسایوں کو خبر ہوئی زید اپنے مکان میں چلا گیا ہمسایوں سے کسی نے کہدیا کہ چور تھا دروازہ کو ذرا ہلا کر بھاگ گیا زید سے معلوم کیا کہ تو نے یہ فعل کیا زید نے حلف اٹھا کر بیان کیا میں نے نہیں کیا

اور نہ میں اس مکان میں گیا یہ میرے اوپر بہتان دیا ہے تو صرف ہندہ کے حلفی دعویٰ پر باوجود حلفاً انکار کرنے زید کے ہندہ اپنے شوہر پر حرام ہوگئی یا نہیں۔ فقط بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی الدرالمختار فصل المحرمات وفی اللمس لاتحرم مالم تعلم الشهوة لان الاصل فی التقبیل الشهوة بخلاف اللمس اھ۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ صرف ہاتھ لگانے سے دعویٰ شہوت کا کرنا صحیح نہیں جب شہوت ثابت نہیں تو حرمت نہیں ہوئی البتہ اگر زید شہوت سے ہاتھ لگانے کا اقرار کرے تو حرمت ہو جائے گی۔

## عدم حرمت مصاہرت بمس صغیر وصغیرہ

سوال (۳۸۷) زید کی عمر گیارہ سال تین مہینے یا کچھ کم وبیش غرض بارہ سال سے کم تھی ایک مکان میں دو پلنگ بچھے ہوئے تھے ایک پلنگ پر زید کی چچی لیٹی ہوئی تھی اور دوسرے پلنگ پر زید کا چچا لیٹا ہوا تھا اور زید اپنے چچا کے پاس لیٹا ہوا تھا پچھلی رات جو زید بیدار ہوا تو چچا کو چچی کی چارپائی پر دیکھا زید نے یہ کہہ کر کہ کیا کر رہے ہو اپنا ہاتھ ان کی چارپائی پر ڈالا تو وہ ہاتھ شاید چچا کے بدن پر لگا یا شاید چچی کے بدن پر لگا اور دوسری بات یہ ہے کہ ان ہی ایام میں ایک روز دن کو ایک مکان میں زید کا چچا اور چچی دونوں موجود تھے زید جو اچانک گھر میں گیا تو دیکھا کہ چچا اور چچی دونوں ایک چارپائی پر ہیں اور چچی کا بدن بالکل ننگا نظر آیا تو زید یہ حالت دیکھ کر باہر گیا تھوڑی دیر کے بعد دیوار کے اوپر کو زید نے جھانکا تو اس وقت بدن وغیرہ چچی کا کچھ نظر نہیں پڑا کیونکہ اس وقت زید کا چچا ہم بستری میں مصروف تھا پس نہیں دیکھا اب زید جوان ہو گیا اور زید کا رشتہ اسی چچی کی لڑکی سے ہوا ہے تو اب شریعت سے کوئی حد زید پر قائم نہیں ہوئی جس سے نکاح جائز نہ ہو مفصل جواب مع دلائل شرعیہ بیان فرمائیے۔

الجواب۔ فی الشامیة عن الفتح مس المراهق كالبالغ وعن البزازية المراهق كالبالغ حتى لوجامع امرأته اولمس بشهوة تثبت حرمة المصاهرة وبعد سطر لابد فی كل منهما من سن المراهقة واقله للانثى تسع وللذكر اثنا عشر الخ جلد ثانی ص ٤٦١۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ بارہ برس سے کم والے لڑکے کا لمس وغیرہ قابل اعتبار نہیں علاوہ اس کے صورت مسئولہ میں خود بھی شک ہے کہ چچی کو ہاتھ لگا یا نہیں اور برہنہ بدن دیکھنا جب تک کہ فرج داخل کو نہ دیکھے موجب حرمت نہیں غرض کسی طرح یہ لمس موجب حرمت مصاہرت نہیں اس لئے زید کا نکاح اس چچی کی دختر سے جائز اور درست ہے۔ فقط ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (امداد ص: ۱۶ ج: ۲)

سوال (۳۸۸) ایک شخص نے اپنی چار پانچ برس کی عمر کی لڑکی کو ساتھ لے کر سویا نیند میں اپنی

بیوی سمجھ کر اس لڑکی کا بوسہ لیا اور اس کو لپٹایا لیکن ایک بڑا تکیہ بیچ میں رکھ کر سویا تھا اب اس کی بیوی اس پر حلال ہے یا نہیں۔

الجواب۔ اس سے حرمت مصاہرت نہیں ہوئی بیوی حلال ہے لانہا صغیرۃ جداً۔

۳۰ رمضان ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۹۳)

## عدم ثبوت حرمت مصاہرت بالمس وقتیکہ انزال شود

سوال (۳۸۹) بہشتی زیور میں ایک مسئلہ ہے کہ جو شخص کسی عورت کو جوش جوانی کے ساتھ بدنیتی سے ہاتھ لگائے تو اس کی ماں اور لڑکی اس مرد پر حرام ہو جاتی ہیں تو اب زید علماء دین سے استفتاء عرض کرتا ہے کہ اپنی خوشدامن سے ران اور کمر کی مالش تیل سے کرائی خوشدامن اس کی نے بہ نیت پاک بغرض علاج مالش کی اور زید کو بحالت مالش ران و کمر حظ نفس ہوتا رہا اور بار ہا اس کی خوشدامن کا ہاتھ اس کے اعضاء تناسل سے مالش کرنے میں لگتا رہا جس سے زید کو زیادہ حظ نفس ہوا یہاں تک کہ جوش ہو کر انزال ہو گیا لیکن زید نے اس جوش کے ساتھ اپنی خوشدامن کو ہاتھ نہیں لگایا اور نہ اپنی خوشدامن سے عضو تناسل کی مالش کرائی اور نہ اس کی خوشدامن کی نیت میں کچھ فتور پیدا ہوا اور نہ زید نے برے فعل کے ارادے سے اپنی خوشدامن کو ہاتھ لگایا تو اب ایسی صورت میں زید کی زوجہ جو اس کی خوشدامن کی بیٹی ہے زید کے واسطے حلال ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار وتکفی الشھوۃ من احدھما فی ردالمحتار ھذا انما یظھر فی المس وفی الدر المختار فلو انزل مع مس او نظر فلاحرمۃ بہ یفتی پس صورت مسئولہ میں جبکہ انزل ہو گیا اب زید پر اس کی زوجہ حرام نہیں ہوئی البتہ اگر کبھی اور بھی مالش کرانے کا اسی طرح اتفاق ہوا اور اس میں انزال نہیں ہوا اس سے زوجہ زید پر حرام ہو جائیگی۔ واللہ اعلم۔

۱۹ رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ (امداد ص: ۳۴ ج: ۲)

ثانی۔ امداد الفتاویٰ جلد ۲ ص ۳۴ میں مسئلہ عدم ثبوت مصاہرۃ الخ کا ہے اس میں اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ اگر مس سے انزال ہو گیا تو حرمت مصاہرۃ ثابت نہ ہوگی۔ (تتمۂ ثالثہ ص: ۲۳۳)

## رضاعی بھتیجی سے نکاح کی حرمت

سوال (۳۹۰) دو عورتیں ہیں ایک کا نام عظیمن ہے دوسری کا نام رحیمن۔ عظیمن کا لڑکا پانچ چھ ماہ کا ہے رحیمن کا لڑکا چار پانچ یوم کا ہے اور کچھ بیمار بھی ہے وہ اپنی ماں کا دودھ بوجہ اس کے کہ پستان میں دودھ بہت ہے اس کے منہ میں آسانی سے پستان نہیں آسکتا دودھ نہیں پی سکتا رحیمن نے اس غرض

سے کہ پستان کچھ ہلکی ہو جائیں عظیمن کے لڑکے کو دودھ پلا دیا اب اس وقت میں عظیمن کا لڑکا جوان ہو گیا اور اس کی شادی بھی ہو گئی اور اس کے گھر میں ایک لڑکی بھی پیدا ہو گئی اور رحیمن کے بھی آٹھ سات اولادیں ہوئیں اب رحیمن اپنے اس آٹھویں لڑکے کی شادی عظیمن کے اس لڑکے کی لڑکی کے ساتھ کرنا چاہتی ہے جس کو دودھ پلایا تھا کیا یہ از روئے شرع شریف ہو سکتا ہے۔

الجواب۔ عظیمن کی یہ پوتی ہے رحیمن کے اس فرزند کی رضاعی بھتیجی ہے لہٰذا یہ نکاح شرعاً حرام اور باطل ہے لقوله علیه السلام یحرم من الرضاع مایحرم من النسب۔ فقط

۲۰ ر جمادی الاخریٰ ۱۳۲۶ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۷۶)

## حرمت نکاح باعم رضاعی وخال رضاعی

سوال (۳۹۱) زید نے اپنی بہن حقیقی ہندہ کا دودھ مدت رضاعت میں پیا ہے اب زید چاہتا ہے کہ اپنی لڑکی کا عقد ہندہ کے لڑکے کے ساتھ کرے اور یہ لڑکا ہندہ کا جس کے ساتھ اپنی لڑکی کا زید عقد کرنا چاہتا ہے ہندہ کا وہ لڑکا نہیں ہے جس کے ساتھ زید نے مل کر ہندہ کا دودھ پیا ہے بلکہ ہندہ کا یہ دوسرا لڑکا ہے تو یہ نکاح شرعاً کیسا ہے۔

الجواب۔ ہندہ کا یہ لڑکا اس زید کی لڑکی کا رضاعی چچا ہے مثل حقیقی چچا کے حرام ہے لہٰذا یہ نکاح حرام ہے اور زید کے ساتھ دودھ پینے نہ پینے کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ ۱۵ ر شوال ۱۳۲۱ھ (امداد ص:۱۵ ج:۲)

سوال (۳۹۲) (۱) میرے چچا کی لڑکی ہے اس لڑکی نے دو چار روز بحالت مجبوری میری بیوی کا دودھ پیا ہے تو وہ لڑکی میرے چھوٹے بھائی کے عقد میں آسکتی ہے یا نہیں یعنی شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

(۲) اور وہ لڑکی میرے حقیقی سالے کو ہو سکتی ہے یا نہیں۔

(۳) میرے ماموں صاحب نے میری والدہ کا یعنی اپنی ہمشیرہ کا دودھ پیا ہے تو اس میں ماموں کی لڑکی سے ہمارا نکاح جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ (۱) نہیں کیونکہ وہ چھوٹا بھائی اس لڑکی کا عم رضاعی ہے۔

(۲) نہیں کیونکہ وہ سالا اس لڑکی کا خال رضاعی ہے۔

(۳) نہیں کیونکہ آپ اس لڑکی کے عم رضاعی ہیں۔ ۹ ر ربیع الاول ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۹۶)

## عدم جواز نکاح با دختر مرضعہ کہ از شوہر ثانی پیدا شود

سوال (۳۹۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید و حارث حقیقی بھائی ہیں دونوں کی شادی ہوئی اور ایک ہی وقت میں بفضل خدا صاحب اولاد ہوئے زید کا لڑکا زندہ رہا

اور حارث کا لڑکا بعد کئی مہینے فوت ہوا زوجہ حارث کے جس وقت دودھ اترا جوڑی بخار اعضاء شکنی پیدا ہوئی قیامت کا سامنا ہوا سبھوں نے رائے دی کہ دودھ زید کے لڑکے کو برائے دفع گرانی پلا دیا جاوے لہٰذا بچہ مذکور کو دودھ پلایا گیا مگر تھوڑا کسی قدر تکان دفع ہوا دو چار بار ایسا کیا گیا اتفاق سے حارث کا انتقال ہوگیا زوجہ حارث نے بعد عدت دوسرا نکاح کرلیا شوہر دیگر سے ایک لڑکی پیدا ہوئی زید کے لڑکے کا اس لڑکی سے نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں۔ یہ خیال رہے کہ یہ کام جو کیا گیا ہے بطور دواء جس طرح سے کسی کو تین فاقہ ہوں کچھ کھانے کو میسر نہ ہو تو کتا بلی بندر جو ملے کھالیوے مگر شکم پر نہ کرے ایسی حالت میں وہ اسلام سے خارج نہیں ہوسکتا یا مسلمان اس سے تعرض وتحرز کریں گے مثال اسی کی ہے جواب باصواب جلد عنایت کیجئے گا تکلیف اترنے دودھ تحقیقات کرلیجئے گا اس وقت مستورات کو کیسا معلوم ہوتا ہے اور نہ اس ارادہ سے کیا گیا محض دفع تکلیف۔ بینوا توجروا۔

**الجواب**۔ یہ نکاح جائز نہیں رضاعت کے احکام ہر حالت میں دودھ پینے سے ثابت ہوجاتے ہیں گو وہ دودھ پینا کسی طور پر ہو فی الدر المختار ومخلوط بماء اودواء الخ

۴/رجب ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص:۶۱)

## پھوپھی بھتیجی کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت

**سوال** (۳۹۴) زید صاحب اولاد ہے اور متقی ہے اور چالیس برس کا ہے اور زوجۂ اولیٰ زندہ ہے من بعدہ یعنی زید اپنی زندہ زوجہ کی سوتیلی پھوپھی (یعنی عمہ) سے نکاح کرتا ہے آیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں اور جب اس کو ٹوکا گیا تو اپنے فعل پر اصرار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے کسی کتاب میں ایسا نکاح ناجائز نہیں دیکھا کیا ایسا شخص متقی ہے کیا اس کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے کیا یہ کفر کی حد تک پہنچتا ہے آپ فتویٰ دیں۔

**الجواب**۔ فی الدر المختار باب المحرمات وعمته وخالته الٰی قوله ویدخل عمة جده وجدته وخالتهما الاشقاء وغیرهن فی ردالمحتار قوله الاشقاء وغیرهن لایختص هذا التعلیم بالعمة والخالة فان جمیع ماتقدم سوی الاصل و الفرع کذلك کما افاده الإطلاق الخ ج ۲ ص ۴۵۵ وفی الدر المختار وحرم الجمع الٰی قوله بین امرأتین ایهما فرضت ذکرا لم تحل الاخری ابداً لحدیث مسلم لاتنکح المراة علٰی عمتها وهو مشهور یصلح مخصصا للکتاب فی ردالمحتار قوله وهو مشهور فانه ثابت من صحیح مسلم وابن حبان رواه ابوداؤد والترمذی والنسائی وتلقاه الصدر الاول بالقبول من الصحابة والتابعین ورواه الجم الغفیر منهم ابوهریرة وجابر وابن عباس

وابن عمر وابن مسعود وابو سعید الخدری الی اٰخر ما قال واطال ج ۲ ص ۴۶۶۔

روایت اولیٰ سے معلوم ہوا کہ پھوپھی خواہ سگی ہو یا سوتیلی یعنی باپ کی علاتی بہن یا اخیافی سب حرام ہیں اور دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ جن عورتوں میں ایک کو مرد فرض کرنے سے دوسری سے نکاح حرام ہو ان کو جمع کرنا حرام ہے اور صورۃ مسئولہ میں جن عورتوں کو جمع کیا ہے یہ پھوپھی بھتیجی ہیں جن میں ایک کو مرد فرض کرنے سے اس کا نکاح دوسرے سے حرام ہے۔ للروایۃ الاولیٰ پس دونوں کو جمع کرنا لامحالہ حرام ہوگا للروایۃ الثانیہ ایسا شخص ہرگز متقی نہیں اگر وہ اس فعل سے توبہ کر کے پھوپھی کو چھوڑ نہ دے تو فاسق ہے اور یہ فسق قریب بکفر ہے امامت اس کی جائز نہیں فقط ۲۵ رشوال ۱۳۲۶ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۷۶)

## نکاح کے بعد ساس کا اپنے حمل کو داماد کا بتانا

سوال (۳۹۵) ایک لڑکی کا نکاح ایک شخص کے ساتھ کیا گیا اس کی ماں بیوہ تھی اس کو حمل ظاہر ہوا پوچھنے پر اس نے یہ کہا کہ حمل فلاں شخص سے ہے جس سے اس لڑکی کا نکاح کر دیا گیا تھا نکاح کئے ہوئے مہینہ دو مہینہ ہوئے اور حمل چھ ماہ کا ہے اب لڑکی کے نانا نے رخصتی سے انکار کر دیا ہے پس آیا نکاح سابق صحیح ہوا یا کہ نانا کو اختیار ہے کسی دوسرے سے اس کا نکاح پڑھوا دے۔

## استفتاء مولوی محمد رشید صاحب نسبت سوال مذکور

ایک مسئلہ ارسال خدمت خدام والا ہے اس کی نسبت بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نکاح صحیح نہیں ہوا اس لئے کہ فقہاء نے جو یہ لکھا ہے کہ نکاح حرمت مصاہرت سے مرتفع نہیں ہوتا اس سے بظاہر یہ مراد ہے کہ نکاح کے بعد جو حرمت پیش آوے وبحرمة المصاهرة لايرتفع النكاح الخ درمختار نکاح فاسد و باطل کی تحقیق درمختار و شامی بھی قابل غور ہے اس میں نکاح اختین میں لکھا ہے کہ ایک کے بعد اگر دوسرے سے عقد ہو تو متاخر باطل ہے تو جب زنا کی وجہ سے لڑکی حرام ہوگئی ہے تو نکاح باطل ہو جانا چاہئے لیکن فقہاء نے نکاح محارم کے فاسد یا باطل ہونے میں اختلاف کیا ہے جیسے کہ شامی نے نکاح فاسد و باطل میں لکھا ہے آیا اس میں کون قول صحیح ہے اور فاسد میں غالباً طلاق کی یا جدائی کی ضرورت ہوگی اور باطل میں ضرورت نہ ہوگی اور بحر نے جو لکھا ہے کہ نکاح فاسد وہ ہے جس میں فقہاء کا اختلاف ہو اور باطل وہ ہے جس میں اتفاق ہو اس سے یہ شبہ پڑتا ہے کہ یہ نکاح فاسد ہو اس لئے کہ اس میں شافعیؒ کا خلاف ہے ان کے نزدیک حرمت مصاہرت زنا سے ثابت نہیں ہوتی۔ غرض کہ شبہات پڑتے ہیں اس میں اعلیٰ حضرت کی کیا رائے ہے۔

**الجواب**۔ میرے خیال میں یہ آتا ہے کہ باطل وہ ہے جہاں محل ہی صالح نہ ہو اور فاسد وہ ہے جہاں محل صالح ہو لیکن کوئی شرط جواز کی مفقود ہو سو باطل تو منعقد ہی نہ ہوگی اور فاسد منعقد ہو کر ثبت بعض احکام ہوگا مگر تفریق واجب ہوگی اور ما اختلف العلماء فی جوازہ میرے نزدیک صحیح نہیں اسی طرح فاسد و باطل میں فرق نہ کرنا بھی مأول ہے اس کے ساتھ کہ بعض کے کلام میں باطل کو فاسد سے تعبیر کر دیا ہے سو مطلب یہ ہے کہ اس بعض کے کلام واصلاح میں کچھ فرق نہیں نہ یہ کہ دونوں کے معنوں میں بھی فرق نہیں پس اس بناء پر چونکہ یہ نکاح محرم سے ہوا جس میں محل ہونے کی صلاحیت ہی نہیں اس لئے یہ نکاح باطل بمعنے غیر منعقد ہوگا اور بلا طلاق یہ لڑکی دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے مگر اس شرط سے کہ زید اس کا مقر بھی ہو کہ ہندہ سے میں نے زنا یا مس بالشہوۃ کیا ہے اور اگر وہ انکار کرتا ہو تو لڑکی کو اپنے ظن پر ایک حق ثابت ظاہراً کا رفع جائز نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔ ۵ رمضان ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص:۸۶)

## استفتاء مکرر مولوی محمد رشید صاحب نسبت سوال مذکور

جو کچھ اعلیٰ حضرت نے ترقیم فرمایا ہے سب بجا و درست ہے لیکن مسئلہ اول کی نسبت پھر یہ تردد ہوتا ہے کہ محرمات سے نکاح کرنے کے متعلق شامی نے اختلاف نقل کیا ہے اور کسی کو ترجیح نہیں دی حدود میں درمختار میں لکھا ہے کہ نسب ثابت ہو جاتا ہے اس لئے ظاہر ہے کہ باطل نہیں ورنہ وجود و عدم برابر ہوتا پس اعلیٰ حضرت نے باطل ہونے کو کس روایت کی وجہ سے ترجیح دی ہے۔

**الجواب**۔ شامی نے اس پر بھی کلام نقل کیا ہے اور ایسے ہی نکاح فاسد کی بحث میں لکھا ہے **لایثبت النسب ولا العدۃ فی نکاح المحارم** الخ اور اگر یہ فاسد بھی ہو تب بھی زوجین میں سے ہر ایک کو بدون رضاء آخر فسخ و تفریق کا اختیار ہے جیسا کہ شامی نے چلپی سے نقل کیا ہے تحت قول درمختار کی **من وقت التفریق ای تفریق القاضی و مثله التفرق وهو فسخهما او فسخ احدهما** ج ۲ ص ۵۷۶ پس ثبوت نسب بھی متفق علیہ نہ رہا اور میں نے جو باطل ہونے کو ترجیح دی ہے وہ درایت سے ہے اور پھر [1] باطل و فاسد اس امر مسئول عنہ میں مساوی بھی ہیں کما مر۔

## خسر کا اپنی بہو کو بعد نکاح کر دینے پسر کے بیٹی کہہ دینے کا حکم!

**سوال (۳۹۶)** میرے والد نے میری والدہ کے مرنے کے بعد دوسرا نکاح کیا اس عورت کے ساتھ ایک لڑکی جوان تھی جس وقت وہ لڑکی جوان ہوگئی تو میرے ساتھ اس کا نکاح کرایا بروقت نکاح

(۱) قابل اظہار یہ امر ہے کہ مجھ کو باوجود اس بسط کے اس بحث میں شرح صدر نہیں ہوا ناظرین اپنے طور پر تحقیق فرمالیں۔ ۱۲ منہ

کے قاضی وکیل گواہان کے سامنے میرے والد نے بیان کیا کہ یہ لڑکی دوسرے خاوند سے ہے اس کا نکاح میں اپنے لڑکے سے کرتا ہوں قاضی جی نے جائز کر دیا تو میرا نکاح پڑھایا گیا چند مدت کے بعد مجھ سے ایک لڑکی پیدا ہوگئی اور میرے نکاح کو ایک سال کا عرصہ ہوگیا ہے اور بعد ایک سال کے میرے ماں باپ مجھ سے برخلاف ہو گئے اور تجویز کرتے ہیں کہ کوئی صورت ایسی ہو کہ لڑکی کو علیحدہ کر لیں یہ کہتے ہیں کہ یہ لڑکی مجھ سے پیدا ہوئی ہے جب یہ جانتے تھے تو مجھ سے نکاح کیوں کیا ہے مجھ کو فتویٰ عنایت کرو۔

الجواب۔ آپ کے والد کی یہ دوسری بات کہ یہ لڑکی میرے نطفہ سے ہے آپ کے حق میں معتبر و قابل التفات نہ ہوگی آپ کا نکاح بدستور باقی ہے بے فکر رہیں۔

فی الدرالمختار و شرط العدالة فی الدیانات فی ردالمحتار ای المحصنة درر احتراز عما اذا تضمنت زوال ملك كما اذا اخبرعدل ان الزوجين ارتضعا من امرأة واحدة لاتثبت الحرمة لانه يتضمن زوال ملك المتعة فيشترط العدد والعدالة جميعًا اتقانی آھ اقول فاذا كان هذا حال خبرالعدل فی ذلك فكيف بخبر غير العدل۔

۲ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۸۹)

## بیوی کو نیند میں بیٹا بیٹی کہنے کا حکم

سوال (۳۹۷) ایک شخص نے نیند میں اپنی بیوی کو بیٹا یا بیٹی کہا اور اس کو بیٹوں کی طرح پیار کیا اس کا نکاح بھی رہا یا نہیں۔

الجواب۔ نکاح باقی ہے۔ ۳۰ رمضان (تتمۂ اولیٰ ص:۹۳)

## اگر بہن سے زنا کیا تو اس بہن مزنیہ کی اولاد کا اپنی اولاد سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں

سوال (۳۹۸) زید نے اپنی بہن ہندہ کے ساتھ اپنی زوجہ کے دھوکہ سے یا بالقصد جبراً یا برضامندی زنا کیا ہندہ زید سے حاملہ نہیں ہوئی زمانہ زنا سے چار پانچ سال کے بعد ہندہ کے شوہر سے ہندہ کے اولاد پیدا ہوئی تو دریافت طلب یہ ہے کہ زید اپنی اولاد کا عقد ہندہ کی اولاد سے کر سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب۔ کر سکتا ہے کیونکہ ان دونوں کی اولاد کو اس صحبت کے اعتبار سے ایسی نسبت ہے جیسے مرد کی اولاد کو اس کی منکوحہ کی پہلے شوہر سے اولاد کے ساتھ نسبت ہے۔ (تتمۂ اولیٰ ص ۹۵)

## عدم حرمت مصاہرت بنکاح فاسد

سوال (۳۹۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے عورت سے

معاذ اللہ پوشیدہ زنا کچھ مدت تک کیا اس کے بعد اسی کی دختر نابالغ سے نکاح کرلیا زن منکوحہ سے وطی نہیں کی اب ان دونوں عورتوں میں اس شخص پر کون سی حلال حرام ہے اور کس شرط اور قاعدہ پر۔

الجواب۔ جب اس عورت سے زنا کیا اس کی دختر اس پر حرام ہوگئی اب جو اس دختر سے نکاح کیا وہ نکاح صحیح نہیں ہوا اور نکاح غیر صحیح سے حرمت مصاہرت نہیں ہوتی جب تک لمس بالشہوۃ وغیرہ نہ ہو۔

لما فی الدرالمختار وحرم بالمصاهرة بنت زوجته الموطوءة وام زوجته وجداتها مطلقا بمجرد العقد الصحيح وان لم توطاء الزوجة الخ فی ردالمحتار قوله الصحيح احتراز عن النكاح الفاسد فانه لايوجب بمجرده حرمة المصاهرة بل بالوطی اومايقوم مقامه من المس بشهوة والنظر بشهوة لان الاضافة لا تثبت الا بالعقد الصحيح بحر۔

پس اگر اس شخص نے اس دختر کو شہوت[1] سے ہاتھ لگایا ہو ماں بھی حرام ہوگئی اور اگر صرف نکاح ہی ہوا تھا تو اس کو طلاق دے کر اس کی ماں سے نکاح کرسکتا ہے جیسا اوپر مذکور ہوا کہ نکاح فاسد سے دختر کی ماں اس شخص کی ساس نہیں ہوئی۔ ۱۵ ر ج ۲ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۴۴)

## عدم ثبوت حرمت مصاہرت بزنا کردن داماد بازوجہ پدر زوجہ خود

سوال (۴۰۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ زید کے دو بیبیاں اور دونوں سے اولاد تھی اور باہمی دونوں میں یہ اتفاق تھا کہ اگر ایک ان میں سے اپنا لڑکا چھوڑ کر کسی کام کو جاتی تو دوسری اس کے لڑکے کو دودھ پلاتی محل ثانی کی لڑکی کی شادی ہوئی چونکہ زید کا انتقال ہوگیا تھا داماد کو اپنے ہی مکان پر دیکھ بھال کے لئے رکھا بعد چند روز کے محل اول سے ربط ضبط ہوکر بذریعہ زنا لڑکا پیدا ہوا۔ اب ایسی صورت میں محل ثانی کی لڑکی کا نکاح باقی رہا کہ نہیں۔ بینوا توجروا۔ فقط۔

الجواب۔ نکاح باقی ہے۔ لانہ لما جاز الجمع فی النكاح بين المرأة وامرأة ابيها لم تثبت حرمة المصاهرة بوطی احدهما للاخریٰ۔ ۱۸ ر شعبان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۶۵)

## خسر کا بہو کو صرف ہاتھ لگانا بلا علم شہوت اور خسر سے زنا کا اقرار بدون تصدیق شوہر موجب مصاہرت نہیں اور زانی ومزنیہ کے اقرار سے بھی حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی

سوال (۴۰۱) (۱) زید نے بکر کی بیوی ہندہ سے زنا یا لوازمات زنا کیا ہندہ مقر ہے اور زید منکر ہے اور گواہ ہندہ کا کوئی نہیں ہے اس صورت میں کس کا قول معتبر ہے آیا ہندہ مقر یا زید منکر کا۔

(۲) ہندہ زید کے لڑکے کے نکاح سے بدون لفظ طلاق نکاح سے باہر ہوسکتی ہے یا یہ فعل باعث

---

(۱) بشرطیکہ نہ مشتہاۃ ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

طلاق ہوگیا اور بدون حاصل کئے طلاق نکاح ثانی کرسکتی ہے یا نہیں۔

الجواب۔(۱) ہندہ مدعی حرمت ہے جس سے حق بکر کا زائل ہوتا ہے اس لئے صرف دعوی کافی نہیں اور ہندہ کا قول معتبر نہ ہوگا۔

نظیرہ مافی الدرالمختار وان ادعت الشهوة فی تقبیله او تقبیلها ابنه وانکرها الرجل فهو مصدق الخ وفی ردالمحتار ای ادعت الزوجة انه قبل احد اصولها اوفروعها بشهوة اوان احد اصولها او فروعها قبله بشهوة الخ فهو مصدق لانه ینکر ثبوت الحرمة والقول المنکر۔

البتہ اگر شوہر بھی ہندہ کی تصدیق کرے تو حکم حرمت کا کیا جائے گا۔ نظیرہ ما فی الدرالمختار عن الخلاصة قیل له مافعلت بام امرأتک فقال جامعتها تثبت الحرمة ولا یصدق انه کذب ولوهاذلاً ۔اور جس صورت میں ہندہ کی تصدیق نہ کی جاوے لیکن ہندہ واقع میں سچی ہوتو ہندہ کو چاہئے کہ جہاں تک قدرت ہو شوہر کو جماع سے باز رکھے اور جب مجبور ہو جاوے تو خیر یہ تفصیل زنا کے دعویٰ میں ہے اور لوازم زنا میں اور بھی تفصیل ہے اس لازم کی تعین کرکے سوال کرنا چاہئے۔

(۲) فی الدرالمختار وبحرمة المصاهرة لایرتفع النکاح حتی لایحل لها التزوج باٰخر الا بعد المتارکة وانقضاء العدة۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس فعل سے نکاح نہیں ٹوٹا اور طلاق نہیں ہوئی بدون طلاق کے نکاح ثانی جائز نہیں۔ (تتمۂ اولیٰ ص: ۱۱۳ و ۱۱۴)

سوال (۴۰۲) (۱) زید نے اپنے بیٹے بکر کی بیوی سے زنا یا لوازمات زنا کیا اور زانی ومزنیہ ہر دو مقر ہیں اب ہندہ بیوی بکر کے نکاح میں رہی یا نہیں۔

(۲) اور جو اس کے نکاح سے باہر ہوگئی یا بدون حاصل کئے طلاق نکاح ثانی کرسکتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔(۱) نکاح نہ ٹوٹنے کی تحقیق تو سوال بالا کے جواب میں گزری ہے۔ پوچھنا یہ چاہئے کہ ہندہ بکر پر حرام ہوگئی یا نہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ لوازم زنا کے متعلق اگر سوال کرنا ہو تو اس لازم کی تعیین کرکے پوچھنا چاہئے اور اگر زنا کا اقرار ہے تو دیکھنا چاہئے کہ بکر ان دونوں کے اس اقرار کی تصدیق کرتا ہے یا نہیں اگر تصدیق کرتا ہے تو ہندہ بکر پر حرام ہوگئی اور اگر تصدیق نہیں کرتا تو ہندہ حرام نہیں ہوئی۔

ماخذه الاصل الذی ذکرفی ردالمحتار تحت قول الدرالمختار وشرط العدالة فی الدیانات مانصه ای المحضه درراحتراز عما اذا تضمنت زوال ملک کما

اذا اخبر عدل ان الزوجین ارتضعا من امرأة واحدة لا تثبت الحرمة لانه یتضمن زوال ملك المتعة فیشترط العدد والعدالة جمیعاً وهذا بخلاف الاخبار بان ما اشتراه ذبیحة مجوسی لان ثبوت الحرمة لایتضمن زوال الملك کما قدمناه فتثبت لجواز اجتماعها مع الملك ج: ۵ ص: ۳۳۹۔

(۲) اس کا جواب اوپر ہو چکا۔ ۲/ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ

## عدم زوال نکاح بحرمت مصاہرت وعدم جواز نکاح آں زن قبل طلاق شوہر

سوال (۴۰۳) میری نو جوان لڑکی خوش وخرم ایک دو بچہ اور خاوند کے ہاتھ گزارا کر رہی تھی کہ ایک شب وہ نیند سے بیدار ہوئی تو شوہر کو اپنے ہمراہ بستر پر نہ پایا چراغ جلا کر ڈھونڈا تو شوہر کو اپنی ماں سے عین مباشرت جماع میں دیکھا اور پکڑا اور ہم کو خبر کری اور ہم شرم کے مارے کچھ نہ کہہ سکے شوہر کے پاس رہنے دیا وہاں سسرال میں رہی اس شوہر نے جو صحبتدار علماء ہے پوچھ کر اس سے برکنار ہو گیا مگر گھر سے نہ نکالا اور اس جوان کو کالمعلقہ سے بدتر بند کر رکھا باپ نے جو دریافت کیا تم زوجہ سے کیوں صحبت نہیں رکھتے صاف کہدیا کہ مجھ سے اپنی ساس یعنی والدہ زوجہ سے جماع ہوا یہ مجھ پر حرام ہے باپ نے کہا کسی سے یہ ذکر نہ کرنا کہ ہماری بے عزتی ہے لڑکی جوان تقاضاء جوانی سے آٹھ برس تاب لائی اور یہ بات کنبہ میں اور مجھ کو یقینی طور پر حرمت معلوم ہوگئی مولوی صاحب کے پاس گیا اور یہ قصہ بیان کیا اس نے کہا کہ یہ خاوند پر حرام ہے چونکہ وقت نازک ہے اور بہت عورتیں مفرور ہوگئی ہیں اپنی عزت سے شرع کے موافق خود ایک قابل ہم کفو کو بلا کر نکاح کر کے ہم بستر کر دیا سسرال والوں نے دعویٰ کیا کہ یہ لڑکی ہمارے اختیار میں ہے ہم مالک ہیں ہم خود کسی اور کو بیاہ دیں گے ایک طمع دار عالم کے پاس گئے اس نے کہا اب طلاق کراؤ اور پھر دوسرے شخص سے نکاح کر دو زوج اول نے مطلقہ کر دیا اور بعد دو تین ماہ شاید عدت گزاری یا گیا کیا اس لڑکی کو بہانے سے ملاقات برادرانہ پر لے گئے اور نکاح جبراً کر کے دوسرے شخص کے حوالہ کر دیا اور وہ لڑکی میرے خراب درعذاب ہے اور سفید پوش امام قصبہ ہوں اور جس نے جبراً نکاح کیا شیطان آدمی ہے اور جس سے میں نے نکاح کیا تھا برضامندی لڑکی خود کیا تھا وہ رئیس عزت دار ہے ضرور مقدمات سرکاری ہوں گے لہٰذا میں بنام خدا ورسول پوچھتا ہوں کہ جس طرح حکم شرعی ہو لکھیں کہ اسی طرح فیصلہ کروں فقط خلاصہ طول طویل عبارت خام سے اگر نہ سمجھیں یہ ہے حرمت مصاہرت ثابت کر کے میں نے اپنی لڑکی جوان کی رضاء سے نکاح کر کے ہم بستر کر دیا بعد وقوع حرمت گزرنے آٹھ سال کے جو خوف فرار ہونے کا بھی تھا۔

الجواب۔ السلام علیکم۔ فی الدر المختار وبحرمة المصاهرة لایرتفع النکاح حتیٰ لایحل لها التزوج بآخر الابعد المتارکة وانقضاء المدة فی ردالمحتار قوله الا بعد المتارکة ای وان مضی علیها سنون کمافی البزازیة وعبارة الحاوی الا بعد تفریق القاضی اوبعد المتارکة اھ وقد علمت ان النکاح لایرتفع بل یفسد وقد صرحوا فی النکاح الفاسد بان المتارکة لا یتحقق الا بالقول ان کانت مدخولا بها کترکتك او خلیت سبیلك واما غیر المدخول بها الیٰ قوله وقیل لاتکون الا بالقول فیهما الخ ج ۲ ص ۴٦۳۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب تک زوج [۱] قولاً متارکت نہ کرے اور اس کے بعد عدت بھی گزرنا شرط ہے اس وقت تک دوسرا نکاح درست نہیں لہٰذا جو نکاح آپ نے کیا تھا وہ بھی ناجائز رہا اور جو سسرال والوں نے کیا وہ اس وجہ سے بھی اور دوسرے بلا اذن منکوحہ ہونے سے باطل رہا اب جس طور سے ممکن ہو زوج سے طلاق دلوایا جاوے یا کوئی دال علی الترک لفظ کہلوایا جاوے اور اس کے بعد عدت بھی گزر جاوے پھر اس کے اذن سے کہیں نکاح ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔ ۸ صفر المظفر ۱۳۳۶ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۲۴)

## فساد نکاح از زنا کردن بہ خوشدامن رضاعی بہ بطلان او

سوال (۴۰۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کے کہ نظیر کا نکاح خاتون سے ہوا خاتون کی دو ماں حقیقی شافیہ سوتیلی کافیہ خاتون کی سوتیلی ماں نے خاتون کو اپنا دودھ پلایا تو خاتون کی کافیہ رضاعی ماں بھی ہوئی اور نظیر کی رضاعی ساس نظیر نے اپنی اس رضاعی ساس یعنی کافیہ سے زنا کیا اور لڑکا بھی پیدا ہوا اب نظیر کا نکاح خاتون سے باقی رہا یا خاتون نظیر پر حرام ہوئی اور خاتون بمقابلہ علماء کے یا کہ اپنی برادری کے پنچ کے اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے یا کہ نہیں۔ فقط بینوا توجروا۔

الجواب۔[۲] فی ردالمحتار عن الذخیرة ذکر محمدؒ فی نکاح الاصل ان

---

(۱) زوجہ کی طرف سے فسخ نکاح فاسد بالاتفاق صحیح ہے۔ متارکت میں اختلاف ہے۔ ابن عابدین نے اس کو ترجیح دی ہے کہ فسخ اور متارکت میں کوئی فرق نہیں دونوں زوجہ کی طرف سے صحیح ہیں وہذا اخلص ماہو مشروح فی شرح التنویر وحاشیۃ ابن عابدین فی فصل المحرمات ص: ۳۸۹ وفی بیان النکاح الفاسد فی باب المہر ص: ۴۸۳ و ۴۸۴ وفی باب العدۃ ص ۸۴۱ و ۸۴۲۔ حضرت قدس سرہ نے حیلہ ناجزہ میں یوں تطبیق دی ہے کہ حرمت اصلیہ یعنی موجودہ قبل العقد میں متارکت من الزوجہ صحیح ہے اور حرمت طاریہ بعارض بعد العقد میں متارکت من الزوجہ صحیح نہیں۔ مگر شامیہ کی عبارت اس تطبیق سے اباء کرتی ہے فلیتأمل ۱۲ رشید احمد عفی عنہ۔

(۲) امداد الفتاویٰ کے سابق ایڈیشنوں میں اس جگہ حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہم کا ایک حاشیہ شائع ہوا ہے جس میں رضیعۂ مزنیہ اور ربیبہ رضاعیہ کو حلال قرار دیا ہے۔ بعد میں حضرت مفتی صاحب موصوف نے احقر کے نام اپنے گرامی نامے مورخہ ۱۱ رشعبان ۱۴۱۰ھ میں مطلع فرمایا کہ انہوں نے اس تحریر سے رجوع کر لیا، جس کی تفصیل احسن الفتاویٰ جلد: ۵ ص: ۸۷ تا ۸۲ میں موجود ہے۔ اس لئے اب یہ حاشیہ یہاں سے حذف کر دیا گیا۔ محمد تقی عثمانی عفی عنہ

النکاح لا یرتفع بحرمة المصاھرة والرضاع بل یفسد اھ ج۲ ص ۴۶۳ وفیه قد صرحوا فی النکاح الفاسد بان المتارکة لا تتحقق الابالقول ان کانت مدخولا بھا کترکتك اوخلیت سبیلك واما غیر المدخول بھا فقیل تکون بالقول وبالترك علی قصد عدم العود الیھا وقیل لاتکون الابالقول فیھما حتٰی لو ترکھا ومضی علٰی عدتھا سنون لم یکن لھا ان تتزوج بآخر فافھم اھ ج۲ ص ۴۶۳۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں خاتون نظیر پر حرام تو ہوگئی اور نکاح فاسد ہوگیا لیکن نکاح مرتفع نہیں ہوا جب تک نظیر متارکت نہ کرلے یعنی زبان سے کہدے کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا اس سے تو بالاتفاق نکاح مرتفع ہوجاوے گا اور ایک قول پر بوجہ غیر مدخول بہا ہونے خاتون کے متارکت کا یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ نظیر عزم کرلے کہ کبھی اس کو اپنے پاس نہ رکھوں گا اور اس سے منتفع نہ ہوں گا اور اس عزم کی اطلاع دوسروں کو اس کے کہنے سے ہوگی غرض جب تک متارکت نہ پائی جاوے خاتون کا نکاح کسی دوسرے سے نہیں ہوسکتا اور یہ سب جب ہے خاتون کی عمر دودھ پینے کے قابل ہو ورنہ کچھ بھی نہ ہوگا۔ ۱۵ رصفر ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۱۲۶)

## حکم نکاح عمہ وابن الاخ رضاعاً از زنا

سوال (۴۰۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے مسماۃ ہندہ کے ساتھ زنا کیا اور اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کی بنت الزید ہونے کا خود مسماۃ ہندہ کو اعتراف ہے اور اسی بار کا دودھ مسماۃ عائشہ بکر کی لڑکی نے پیا تو آیا زید کے پوتے خالد کا عقد مسماۃ عائشہ کے ساتھ ہوگیا ہے یا نہیں اور یہ رضاعت جو زید کے زنا کرنے کی بار کی عائشہ کے ساتھ واقع ہوئی مانع نکاح زید کے بیٹے یا پوتے کی ہوگی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ یہ دونوں لڑکا لڑکی رضاعی پھوپھی بھتیجا ہیں مگر رضاع لبن زنا سے ہوا ہے جس کے موجب حرمت ہونے میں اختلاف ہے۔

فی الدرالمختار وبنت اخیه واخته وبنتھا ولو من زنا وفیه وحرم الکل مما مر تحریمه نسباً ومصاھرة رضاعاً و فی ردالمحتار مقتضی قوله والکل رضاعاً مع قوله سابقاً ولو من زنا حرمة فرع المزنیة واصلھا رضاعاً وفیه ومقتضی تقییده بالفرع والاصل انه لاخلاف فی عدم الحرمة علٰی غیرھما من الحواشی کالاخ والعم الٰی قوله قلت وھذا مخالف لما مرمن التعمیم فی قول الشارح ولو من زنا اھ۔ اور چونکہ معاملہ فروج کا

احتیاط کا ہے لہذا حرمت پر عمل کرنا بہتر ہے۔ یکم ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص: ۱۲۸)

## حرمت نکاح ورسوم شادی الخ

سوال (۴۰۶) امردان راشل دختران باہم دیگر نکاح و برسوم شادی تمام رسومات ادامی کنند دریں باب حکم شرع چیست۔

الجواب۔ قال الله تعالٰی انکم لتاتون الرجال شهوة من دون النساء وقال تعالٰی وجعل منها زوجها ليسكن اليها وخلق لكم من انفسكم ازواجا لتسكنوا اليها وقال رسول لله صلى الله عليه وسلم لعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء رواه البخاری مشكوة باب الترجل نصوص مذکورہ صریح است درحرمت ایں فعل وموجب لعنت بودن او۔

## نکاح باولاد بہنوئی کہ ازبطن ہمشیرہ ناکح نباشد

سوال (۴۰۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر کی شادی بعقد نکاح عمرو کے ساتھ کردی کچھ عرصہ کے بعد عمرو کی عورت یعنی دختر زید اولاد چھوڑ کر مرگئی عمرو نے اپنا نکاح ایک اور عورت سے کرلیا اس سے بھی اولاد ہوگئی اس طرف زید نے بھی اپنی بی بی کے مرجانے پر اپنا نکاح اور عورت سے کرلیا اس کے بھی اولاد ہوگئی اور یہ دونوں عورتیں جو اس وقت زید وعمرو کے نکاح میں ہیں باہم کسی طرح کا بھی رشتہ نہیں رکھتی اب ان دونوں کی اولاد کا رشتہ مناکحت آپس میں ہوسکتا ہے یا نہیں۔

الجواب۔ زید کی اولاد کا عمرو کی اس اولاد سے جو کہ دختر زید سے نہیں ہے کوئی علاقہ حرمت کا نہیں ہے اس لئے ان میں باہم مناکحت جائز ہے۔ ۳ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص: ۲۶)

## حرمت زوجہ بمس مادرش وجواب شبہ بے قصور بودن زوجہ

سوال (۴۰۸) بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کا ہاتھ زوجہ کی ماں یا بہن پر بخیال اپنی عورت کے رات کو شبہ میں پڑ جائے تو اس کی عورت تمام عمر کے لئے اس مرد پر حرام ہوگئی اگر ہاتھ پڑ گیا ہو اور ہاتھ یا پیر کو ہاتھ لگنے پر معلوم ہوجاوے اور مرد ناکام واپس ہو جاوے تو کس گناہ کا مرتکب سمجھا جاوے اور اس گناہ سے کیونکر سبکدوش ہوسکتا ہے اور حرکت کرنے سے یہ گناہ لازم آتا ہے یا صرف ہاتھ پاؤں ایسے خیال میں لگنے سے بھی مفصل مطلع فرماویں چونکہ اکثر لوگ ایسی حالت میں اصلی عورت کو بے قصور کہتے ہیں کیا اس عورت سے پھر کسی طرح نکاح دوبارہ کچھ کفارہ وغیرہ

دے کر حلالہ وغیرہ سے جائز ہے یا نہ۔

الجواب۔ جائز نہیں اور گناہ صرف قلت تحقیق کا ہوا زیادہ نہیں ہوا لیکن زوجہ حرام ہوگئی اس کا حرام ہونا کسی قصور کی وجہ سے نہیں بلکہ جب مسبب پایا جاتا ہے سبب پایا جاتا ہے کوئی شخص بھولے سے زہر کھالے گناہ تو نہیں مگر مرتو جاوے گا اور یہ حکم ساس کے ہاتھ لگانے میں ہے اور اگر زوجہ کی بہن کو اس طرح ہاتھ لگ گیا زوجہ حرام نہ ہوگی۔ (تتمۂ ثالثہ ص:۳۴)

## حرمت نکاح عمۂ رضاعیہ

سوال (۴۰۹) زید کی زوجہ اولیٰ کا دودھ بکر نے پیا اور بکر کی حقیقی بہن کی لڑکی ہندہ نے زید کی زوجۂ ثانیہ کا دودھ پیا تو آیا بکر کے لڑکے عمرو کے ساتھ ہندہ کا عقد شرعاً جائز ہے یا نہیں اور رضاعت کا تعلق ایسی صورت میں مانع عقد ہوتا ہے یا نہ۔

الجواب۔ اس صورت میں عمرو اور ہندہ رضاع کے علاقہ سے باہم پھوپھی بھتیجے ہوئے اور یہ رشتہ جس طرح نسب سے حرام ہے اسی طرح رضاع سے بھی حرام ہے پس ان دونوں میں نکاح حرام ہے۔ ۲۴ ربیع الاول ۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص:۲۰)

## تعدیہ حرمت مصاہرت مزنیہ بجانب اصول وفروع رضاعیہ

سوال (۴۱۰) زید کو ایک عورت سے ناجائز تعلق ہوگیا جس نے زید کی زوجہ کو دودھ پلایا تھا یعنی زید نے اپنی زوجہ کی رضاعی ماں سے زنا کیا آیا زید کی زوجہ زید پر حلال رہی یا حرام ہوگئی خلاصہ سوال یہ کہ حرمت مصاہرت مزنیہ کے اصول وفروع رضاعیہ کی طرف متعدی ہوگی یا نہیں۔

الجواب۔[1] في الدر المختار بيان المحرمات وحرم الكل مما مر تحريمه نسبًا ومصاهرة رضاعاً الخ في ردالمحتار **تنبيه** مقتضى قوله والكل رضاعاً مع قوله سابقاً ولو من زنا حرمة فرع المزنية واصلها رضاعاً وفي القهستاني عن شرح الطحاوی عدم الحرمة ثم قال لكن في النظم وغيرها انه يحرم كل من الزاني والمزنية على اصل الأخر وفرعه رضاعاً اهـ ج:۲ ص:۴۵۶ و۴۵۷ اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں زید کی بی بی زید پر حرام ہوگی۔ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (تتمۂ خامسہ ص:۹)

---

(۱) ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس صورت کی حلت تحریر فرمائی ہے اور حدیث یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب کی عجیب تقریر فرمائی ہے جو قابل دید ہے۔ اس کی تفصیل بندہ کے فتاویٰ کے مجموعہ ''احسن الفتاویٰ'' میں ملاحظہ ہو ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

سوال (۴۱۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے محمودہ سے جوزاہدہ کی دودھ پلائی ہے مباشرت بیجا کی اور اب زید زاہدہ سے عقد کرنا چاہتا ہے تو عقد جائز ہوگا یا نہیں اور اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا کیا قول ہے۔

الجواب۔ فی ردالمحتار مقتضیٰ قوله والكل رضاعا مع قوله سابقا ولو من زنا حرمة فرع المزنية واصلها رضاعاً آهـ تحت قول الدرالمختار و حرم الكل مما مر تحريمه نسباً ومصاهرة رضاعا آهـ ج ۲ ص ٤٥٦ و ٤٥٧۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ زید کا زاہدہ سے عقد جائز نہیں۔ یکم ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۲۰۰)

## جواز نکاح زانی از زوجہ پسر مزنیہ

سوال (۴۱۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں ایک مرد (الف) جس کا ایک ناجائز تعلق ایک عورت (ب) سے تھا یعنی وہ مرد (الف) اس عورت (ب) سے زنا کرتا تھا اور عورت (ب) کا شوہر (ج) اچھا خاصہ مرد تھا یعنی وہ سست نہیں تھا تو اس عورت سے لڑکا (د) پیدا ہوا اور وہ (د) جوان ہوگیا اور اس لڑکے (د) کی شادی کی اس کی ماں (ب) باپ (ج) نے اب اس لڑکے نے طلاق دیدی یا وہ لڑکا مرگیا اب ان صورتوں میں اس لڑکے (د) کی بی بی (ھ) سے اس مرد (الف) کا جو اس لڑکے کی ماں سے برا فعل کرتا تھا نکاح جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدرالمختار بنت اخيه واخته وبنتها ولو من زنا الٰی قوله وزوجة اصله وفرعه مطلقا فی ردالمحتار قوله ولو من زنا ای بان يزنى الزانى ببكر ويمسكها حتٰى تلد بنتا بحرعن الفتح قال الحانوتى ولا يتصور كونها ابنته من الزنا الا بذٰلك اذلايعلم كون الولدمنه الابه اهـ اى لانه لو لم يمسكها يحتمل ان غيره زنى بها بعدم الفراش النافى لذلك الاحتمال اهـ قوله وزوجة اصله وفرعه الٰى قوله وذكر الاصلاب (اى فى الأية) لاسقاط حليلة الابن المتبنى لالاحلال حليلة الابن رضاعاً فانها تحرم كالنسب بحر وغيره اهـ وكذا حليلة الابن من زنا كما مر فى بنت اخيه واخته وبنتها۔ بناء بر روایت مذکورہ جواب یہ ہے کہ چونکہ اس لڑکے کا اس زانی کے نطفہ سے ہونا یقینی نہیں اس لئے اس کی بیوہ بیوی سے بعد انقضائے عدت نکاح کرنا جائز ہے۔ ۲۰/صفر ۱۳۴۴ھ

# ایک خط مشتمل بر سوال وجواب آیا

## حرام شدن زوجہ بسبب زنا کردن پدر شوہر باو

سوال (۴۱۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں۔

سوال اوّل:۔ زید کے باپ سے بدفعلی صادر ہوئی زید کی زوجہ کے ساتھ اور اس کے معاملہ کو زید نے بچشم خود دیکھا اب آیا زید پر وہ زوجہ حرام ہے یا نہیں اور اگر حرام ہوگئی تو پھر بعد نکاح کے رکھ سکتا ہے یا نہیں بحوالہ کتب بینوا توجروا۔

سوال دوم:۔ ایک مفتی سے یہ سوال بالا کیا انہوں نے یوں فتویٰ دیا۔

الجواب۔ حرام نہیں لقوله تعالٰى احل لكم ماوراء ذلكم. كتبه احمد على عفى عنه ۲۵ رجمادی الاولی ۳۵ھ

الجواب صحیح۔ کتبہ عبداللہ عفی عنہ۔ ۲۵ رجمادی الاولی ۳۵ھ

اس کے متعلق سوال یہ ہے کہ آیا جواب صحیح ہے یا غلط بينوا بالكتاب توجروا من الله الوهاب

# یہاں سے اس کا یہ جواب دیا گیا

الجواب۔ حنفیہ کے مذہب پر غلط جواب ہے اور یہ ماوراء ذلكم میں نہیں ہے بلکہ مانكح ابائكم میں داخل ہے اور اگر ماوراء ذلكم میں داخل بھی مان لیا جاوے تب بھی ما عام مخصوص منہ البعض ہے چنانچہ جمع بين المرأة وخالتها يا بينها وبين عمتها ما وراء ذلكم میں داخل ہیں اور حرام ہیں۔ ۸ رجمادی الاخریٰ ۳۷ھ (تتمۂ خامسہ ص:۸۵)

## حکم نکاح درصورت شبہ رضاعت

سوال (۴۱۴) ایک لڑکی کا صغرسنی میں بولایت اپنے چچا کے کیونکہ اس کے والدین کا انتقال ہوگیا تھا اس کے حقیقی ماموں زاد لڑکے سے نکاح کردیا نکاح کے وقت بھی خود لڑکے کے والدین یعنی دختر کے ماموں نے یہ کہا کہ اس لڑکی نے اپنی ممانی کا دودھ پیا ہے نکاح میں تعویق کی گئی لیکن پھر مشکوک ہو کر پختہ طریقہ پر یہ کہا کہ اگر لڑکے کی ماں زندہ ہوتی تو تحقیق ہوجاتی ہے شاید نہ پیا ہو خیر نکاح اس کے ایمان پر چھوڑ کر کردیا گیا از اں بعد کنبہ کی ایک عورت نے یہ کہا کہ واقعی میں نے بچشم خود لڑکی کو دودھ پیتے ہوئے اپنی ممانی کا دیکھا ہے کیونکہ لڑکی اور لڑکا دونوں صغیر سن تھے لڑکی کو اس کے چچا نے اس وجہ سے کہ

دودھ کا قصہ ہے رخصت نہیں کیا لڑکی اب جوان ہے اور لڑکا بھی۔ لڑکے کا باپ متقاضی ہے کہ رخصت کردو اور اپنے پہلے قول سے منکر ہے کہ دودھ نہیں پیا جنھوں نے بچشم خود دیکھا تھا ان عورتوں کا انتقال ہوگیا سائل مشکوک کہنے والے موجود ہیں ایسی صورت میں نکاح جائز ہے یا نہیں رخصت لڑکی کو کردیا جاوے یا نہیں جلد جواب باصواب مرحمت فرماکر مطمئن فرمائیے کہ کیا کیا جاوے۔

الجواب۔ ماموں کا جب اپنے قول پر اصرار نہ رہا وہ قول تو کالعدم ہوگیا۔

فی الخانیة اذا اقر رجل ان امرأته اخته من الرضاع ولم یصر علی اقراره کان له ان یتزوجها کذا فی البحر الرائق ج۳ ص ۲۳۳۔قلت اذا کان الحکم فی عدم اصرار الزوج هذا ففی عدم اصرار غیر الزوج بالاولیٰ۔ باقی اس کے بعد جو کنبہ کی ایک عورت نے اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے تو صرف اس کا قول تو حجت نہیں فی البحر الرائق والحاصل ان الروایة قد اختلف فی اخبار الواحدة قبل النکاح فظاهر المتون انه لایعمل به و کذا اخبار برضاع طار فلیکن هو المعتمد فی المذهب ج ۲ ص ۲۳۳ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ زوجین یعنی یہ لڑکا اور لڑکی اس عورت کی تصدیق کرتے ہیں یا دونوں تکذیب کرتے ہیں یا لڑکا تکذیب کرتا ہے اور لڑکی تصدیق یا اس کا عکس یہ چار صورتیں ہیں صورت اولیٰ میں نکاح مرتفع ہو جائے گا اور صورت ثانیہ میں نکاح رہے گا لیکن اگر زیادہ دل کو اس کا صدق لگتا ہو تو احتیاطاً اس کو چھوڑ دے اور تیسری صورت میں نکاح باقی ہے لیکن عورت مرد سے قسم لے سکتی ہے کہ بخدا مجھے خبر نہیں کہ تو میری رضاعی بہن ہے اور چوتھی صورت میں بھی نکاح مرتفع ہو جائے گا کذا فی البحر الرائق عن خزانة الفقه ج ۲ ص ۲۳۳۔

خلاصہ یہ کہ خود اس عورت کے قول سے تو کچھ ثابت نہ ہوگا اسی طرح منکوحہ کی تصدیق سے بھی کچھ نہ ہوگا ہاں مرد سے قسم لے سکتی ہے باقی اگر مرد نے تصدیق کرلی یا مرد کے جی کو لگ گیا تو طلاق دیدینا چاہئے۔وهو الاحتیاط فی العمل بقوله یرتفع النکاح ۱۱؍ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۱۶۴)

## جواب سوالات دربارۂ زنا بار بیبۂ خود

سوال (۴۱۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمی عمرو نے اپنی بیوی کی بیٹی ربیبہ سے جو دوسرے شخص کے نطفہ سے تھی زنا کیا آیا مذہب شافعیہ اور مالکیہ کی رو سے یہ شخص مسلمانان تنفران کے ساتھ جو حنفی مذہب ہیں پاک ہوسکتا ہے یا نہیں گو اس نے اس حرکت سے سخت توبہ کی اور نادم ہوا لیکن حنفی لوگ اب اس کو بلا قطع تعلق بیوی کے مسلمان نہیں سمجھتے ہیں اگر اس مسئلہ میں مالکیہ وشافعیہ کی تقلید کی جاوے تو اس کی بیوی جس کو وہ چھوڑنا نہیں چاہتا ہے اس پر حلال ہوگی یا

حرام ہی مطابق مذہب حنفیہ کے رہے گی قطع تعلق جو سخت مشکل ہے بیوی سے اور غیر ممکن ہے کیونکر درست ہوگی اور کوئی صورت اس کی بیوی کے حلال ہونے کی شریعت میں ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ قولہ پاک ہوسکتا ہے۔ جواب توبہ گناہ سے پاک کردیتی ہے قولہ مسلمان نہیں سمجھتے۔ جواب۔ حرام کو حرام سمجھتے تب تک کافر نہیں ہوا کافر سمجھنا گناہ ہے قولہ تقلید کی جاوے۔ جواب۔ ضرورت تقلید کی کیا ہے بجز نفس پرستی کے۔ سو شرعاً یہ ضرورت نہیں۔ قولہ چھوڑ نا نہیں چاہتا۔ جواب۔ وجہ

ربیع الاول ۹ ۱۳۳ھ (تتمہ خامسہ ص: ۱۸۵)

## حلت نکاح با زنیکہ زنا با ولد مزنیہ او کنانید

سوال (۴۱۶) ایک مرد (زید نے) نے ایک عورت (ہندہ) سے زنا کیا تھا پھر وہ عورت (یعنی ہندہ) اس مرد (یعنی زید) سے جدا ہوگئی اور چند سال اور ایک عرصہ کے بعد اس عورت (ہندہ) نے کسی اور مرد (بکر) سے زنا کیا اس مرد سے لڑکا (خالد) پیدا ہوا اس لڑکے (خالد) نے عورت (نادرہ) سے زنا کیا اور اس عورت (نادرہ) کو جدا کردیا اب یہ عورت (نادرہ) اس اول الذکر مرد (زید) سے نکاح کرنا چاہتی ہے جائز ہے یا ناجائز۔

الجواب۔ فی ردالمحتار عن الخیر الرملی ولا تحرم زوجة الربیب ولا زوجة الراب اھ قلت وظاھران ان ابن المزنیة لایفوق الربیب ومزنیة الربیب لا تفوق زوجة الربیب فلما حلت زوجة الربیب فمزنیة ابن المزنیة بالاولٰی۔ حاصل یہ کہ زید کا نکاح نادرہ سے حلال ہے۔ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ

## دلیل ثبوت حرمت مصاہرت بالزنا

سوال (۴۱۷) کیا حنفیہ کے پاس حرمت بالزنا کے مسئلہ میں کوئی وجہ استنباط کی قرآن مجید سے بھی ہے۔

الجواب۔ قال اللہ تعالٰی وربائبکم اللاتی فی حجورکم من نسائکم اللاتی دخلتم بھن فان لم تکونوا دخلتم بھن فلاجناح علیکم الأیة آیت اس بات میں تو نص ہے کہ حرمت مصاہرت بنت المنکوحہ کی موقوف ہے اس منکوحہ سے دخول پر اور اس حرمت میں کیا چیز ہے آیا نکاح محض یا نکاح بشرط دخول یا دخول محض یا دخول بشرط نکاح یا دونوں کا مجموعہ سو یہ سب احتمالات ہیں کیونکہ تتبع احکام سے سب میں صلاحیت علت مؤثرہ ہونے کی معلوم ہوتی ہے چنانچہ بعض احکام میں صرف نکاح کو بلا دخول مؤثر پایا جاتا ہے جیسے امہات نساء کی حرمت اور جیسے حلائل ابناء یا نساء آباء کی حرمت اور

بعض احکام میں صرف دخول کو بلا نکاح مؤثر پایا جاتا ہے جیسے موطوءہ بالشبہ کا عقر اور بعض احکام میں احد ہما بشرط الآخر مؤثر دیکھا جاتا ہے جیسے نکاح کے بعد خلوت صحیحہ سے وجوب مہر کامل اور بعض احکام میں مجموعہ مؤثر پایا جاتا ہے جیسے رجم کہ اس کے لئے نہ صرف نکاح موجب ہے نہ صرف دخول اور اس میں یہ احتمال غیر ناشی عن دلیل ہے کہ مؤثر نکاح ہو مگر بشرط دخول کیونکہ نکاح مجرد کا کوئی اثر اس عقوبت کی جنس میں کہیں پایا نہیں گیا بخلاف وجوب مہر کامل بعد النکاح والدخول کے وہاں یہ احتمال موجود ہے کیونکہ صرف نکاح بھی نصف مہر کے وجوب میں مؤثر پایا گیا ہے تو مہر میں اس احتمال کی دلیل موجود ہے اور یہاں نہیں اور احتمال غیر ناشی عن دلیل غیر معتبر ہے لہٰذا رجم میں صرف نکاح بشرط دخول کو مؤثر نہ کہیں گے اور اسی طرح دخول کے مؤثر کہنے کا بھی کوئی قرینہ نہیں لہٰذا اس کو بھی مؤثر نہ کہیں گے پس مجموعہ ہی مؤثر ہوا اس سے ثابت ہو گیا کہ علیت کی صلاحیت ان سب میں ہے نکاح میں بھی دخول میں بھی بالا اشتراط بھی بلا اشتراط بھی مجموعہ میں بھی اس لئے بنت منکوحہ کی حرمت کی علت میں سب مذکورہ احتمالات ہوئے اور نص سے احتمال اول تو باطل ہے پس چار احتمال باقی رہے اور نص ہی سے یہ بھی یقینی ہے کہ مجموعہ کے وجود کے بعد ترتیب حرمت کا دخول ہی کے متصل ہوا ہے اور اصل نسبت حکم کی ہے جزو قریب کی طرف جب تک کہ اس کے خلاف کوئی دلیل نہ ہو اور یہاں اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہے جیسے عنقریب واضح ہوگا لہٰذا حرمت کو دخول ہی پر مرتب کیا جاوے گا پس احتمال اخیر بھی ساقط ہوا پس ترجیح اسی کو ہوئی کہ اصل علت حرمت کی دخول ہے خواہ بشرط نکاح یا بلا شرط نکاح اور اصل علت کی مؤثریت میں عدم اشتراط ہے **الا ان یدل علیه دلیل** اور یہاں کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس اشتراط کی دلیل بھی وہی ہو سکتی تھی جو صرف دخول کی طرف حکم حرمت کے منسوب نہ ہونے کی دلیل ہو سکتی تھی سو اس کے متعلق اوپر اس قول میں تحقیق کا وعدہ کیا گیا ہے کہ عنقریب واضح ہوگا پس ایک یہی احتمال متعین ہو گیا کہ ربائب کی حرمت مصاہرت کی علت صرف دخول ہے اور جب دخول کا علت مؤثر ہونا مورد نص میں ثابت ہو گیا تو غیر ربائب میں یعنی بنات الموطوءہ میں بھی قیاس سے حکم متعدی ہو گیا اور چونکہ موطوءہ کے تمام اصول وفروع میں اسی طرح تمام اصول وفروع کے موطوءات میں کوئی فصل کا قائل نہیں اس لئے بنات الموطوءہ میں حرمت مصاہرت کا حکم کرنے سے سب میں حکم کر دیا جاوے گا مگر چونکہ اس دلیل کے بعض مقدمات ظنیہ ہیں اس لئے اس حکم کو ظنی کہا جاوے گا اب صرف وعدہ مذکورہ قول واضح ہوگا۔ کا ایفاء باقی رہا سو مراد اس سے وہ روایات ہیں جن سے جمہور نے اس میں تمسک کیا ہے کہ صرف وطی سے حرمت مصاہرت نہیں ہوتی اگر یہ تمسک متکلم فیہ نہ ہوتا تو اس سے یہ بھی ثابت ہو جاتا کہ دخول میں علت ہونے کی صلاحیت نہیں اسی طرح یہ بھی ثابت ہو جاتا کہ دخول کیساتھ نکاح شرط ہے لیکن وہ روایات متکلم فیہ ہیں جیسا اعلاء السنن میں اس کی

تحقیق کی گئی ہے اس لئے ان کی دلالت حنفیہ پر حجت نہیں اور یہ وجہ مسئلہ کی من حیث المعقول ہے اور اس کی تائید منقول سے بھی ہوتی ہے جو اعلاء السنن میں مذکور ہے۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۲۵۵)

## حرمت نکاح بافروع اخت رضاعیہ

سوال (۴۱۸) ایک عجوزہ نے بعد سن ایاس وانقطاع حیض ونفاس وغیرہ کے یعنی بعد ساٹھ برس کے اپنی ایک بیٹی کے فرزند شیر خوار کو گود میں لیا اور اس کی پرورش کرنے لگی قدرت خدا سے اتفاقاً اس کے پستان میں دودھ پیدا ہوگیا اور اس فرزند شیر خوار نے پیا اور اسی عجوزہ کی دوسری بیٹی کی ایک دختر یعنی نواسی ہے سوال یہ ہے کہ اس دوسری بیٹی کی دختر کا نکاح اس فرزند رضیع کے ساتھ (جو کہ اس نواسی کی نانی کا اخ رضاعی ہوا) ہوسکتا ہے یا نہیں۔

الجواب۔ یہ دوسری بیٹی کی دختر اس فرزند رضیع کی اخت رضاعی کی فروع میں سے ہے اور اخت کے فروع اور فروع الفروع اخ پر سب حرام ہیں اور اس قرابت کی حرمت میں نسب ورضاع کا ایک حکم ہے لہٰذا ان میں نکاح نہیں ہوسکتا اور ارضاع میں آئسہ وغیر آئسہ برابر ہیں۔ في الدر المختار باب الرضاع هو مص من ثدي آدمية ولو بكرا و ميتة او آئسة في ردالمحتار قوله او آئسة ذكره في النهر اخذا من اطلاقهم قال و هو حادثة الفتوىٰ۔ واللہ اعلم۔

۷ شعبان ۱۳۲۲ھ (امداد ج: ۲ ص: ۵۱)

## ماموں کی بیوی اور بیٹے کی بیوی سے الخ

سوال (۴۱۹) ماموں کی بیوی اور بیٹے کی بیوی سے بعد طلاق یا وفات کے نکاح درست ہے یا نہیں اور نیز بھانجہ کی بیوی اور بھتیجے کی بیوی سے بعد طلاق یا وفات کے نکاح درست ہے یا نہیں۔

الجواب۔ ماموں کی بیوی سے بعد طلاق یا وفات نکاح درست ہے۔ اور بیٹے کی بیوی سے نکاح باطل وحرام ہے اور بھانجہ کی بیوی اور بھتیجے کی بیوی سے بھی نکاح حلال ہے۔

في الدر المختار وزوجة اصله وفرعه مطلقا اهـ قلت فالخال وابن الاخ و ابن الاخت ليسوا باصول ولا فروع۔ فقط والله اعلم۔ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ

## عدم اعتبار قول مرضعہ وشہادت زنان در رضاع

سوال (۴۲۰) ایک عورت نے اپنے داماد سے بچپن کی شیر خواری کا دعویٰ کیا اور اس کی صرف دو عورتیں شاہد ہیں اور کوئی نہ مرد گواہ ہے نہ کوئی عورت بلکہ اکثر مرد وعورت یہ کہتے ہیں کہ ہم ضامن ہیں کہ اس نے شیر خواری نہیں کی۔

الجواب۔ فی الدر المختار وشرط العدالة فی الدیانات کالخبر عن نجاسیة الماء فیتیمم ان اخبربھا مسلم عدل فی ردالمحتار فی الدیانات ای المحصنة درراحتراز عمااذا تضمنت زوال الملك کمااذا اخبرعدل ان الزوجین ارتضعامن امرأة واحدة لایثبت الحرمة لانه یتضمن زوال ملك المتعة فیشترط العدد والعدالة جمیعًا اھ ج:۵ ص:۳۲۹۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ صورت مسئولہ میں اس عورت کا بیان کافی نہیں بلکہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں معتبر شاہد ہوں تب معتبر ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ یکم صفر ۱۳۲۵ھ (امداد ص:۵۲ ج:۲)

## جواز نکاح با اخت نسبیہ اخت رضاعی و برادر رضاعی

سوال (۴۲۱) مسماۃ ہندہ کی دو لڑکیاں مسماۃ کلثوم و مسماۃ زینب ہوں اور مسماۃ راویہ کے ایک لڑکا مسمی زید ہے اور مسماۃ کلثوم اور زید برادر رضاعی اس طرح پر ہوں کہ مسماۃ کلثوم نے مسماۃ راویہ کا دودھ پیا ہو تو زید کا عقد ساتھ زینب کے جائز ہوگا یا نہیں۔

الجواب۔ صورت مسئولہ میں زینب زید کی رضاعی بہن یعنی کلثوم کی نسبی بہن ہے اس لئے نکاح جائز ہے۔ فی الدر المختار وتحل اخت اخیه رضاعایصح اتصاله بالمضاف کان یکون له اخ نسبی وله اخت رضاعیة وبالمضاف الیه کان یکون لاخیه رضاعا اخت نسبا وبهما وهو ظاهر آھ۔ ۲ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد ص:۵۲ ج:۲)

سوال (۴۲۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے مدت رضاعت میں ہندہ کی والدہ کا دودھ پیا اور ہندہ نے مدت رضاعت کے اندر زید کی والدہ کا دودھ پیا پس زید کا ایک بھائی حقیقی عینی مسمی بہ عمرو ہے اور عمر میں زید سے چھوٹا ہے اور ہندہ کی ایک بہن مسماۃ بہ زینب حقیقی عینی ہے پس آیا درمیان عمرو زینب کے نکاح درست ہے یا نہیں۔ بموجب حکم شرع شریف کے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی الدر المختار وتحل اخت اخیه رضاعا یصح اتصاله بالمضاف کان یکون له اخ نسبی له اخت رضاعیة وبالمضاف الیه کان تکون لاخیة رضاعا اخت نسبا او بهما وهو ظاهر اھ۔

پس چونکہ صورت مسئولہ میں عمرو اور زینب میں علاقہ یہ ہے کہ زینب اخت نسبی ہے ہندہ کی جو کہ اخت رضاعی ہے عمرو کی اور عمرو اخ نسبی ہے زید کا جو کہ اخ رضاعی ہے زینب کا اس لئے بناء بر روایت بالا عمرو اور زینب میں باہم نکاح درست ہے ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۹۷)

## جواز نکاح پدر بایک زن ونکاح پسر باخواہر آں زن

سوال (۴۲۳) ہندہ و زینب دونوں حقیقی بہن ہیں اور زید وعمرو دونوں باپ اور بیٹے حقیقی دونوں کا نکاح زینب اور ہندہ سے جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ ۵ ۱۳۲۵ھ (امداد ج:۲ ص:۵۳)

## حرمت نکاح اولاد ایں دو نکاح مذکورۂ بالا در سوال

سوال متعلق سوال بالا (۴۲۴) اور ان دونوں سے لڑکا اور لڑکی پیدا ہوئے ان دونوں کی شادی ہوسکتی ہے یا نہیں۔

الجواب۔ حرام ہے۔[1] ۵ ۱۳۲۵ھ (امداد ج:۲ ص:۵۳)

## زید کی مرضعہ کی سب لڑکیاں زید پر حرام ہیں

سوال (۴۲۵) زید نے ہندہ کے ہمراہ ہندہ کی حقیقی والدہ کا دودھ پیا اب صرف ہندہ ہی کا زید سے نکاح ازروئے شرع شریف ناجائز اور حرام ہے یا اس کی کل بہنوں کا بھی۔ فقط

الجواب۔ فی الدرالمختار ولا حل بین رضیعی امرأة لکونهما اخوین و ان اختلف الزمن والاب ولاحل بین الرضیعة وولد مرضعتها الخ مع مایتعلق به من ردالمحتار ج ۲ ص ۶۷۰۔ بناء برروایت مذکورہ جواب یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں ہندہ کی والدہ کی تمام لڑکیاں زید پر حرام ہیں۔ فقط ۹ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۹۶)

## عدم اعتبار رضاعت باستعمال شیر زن در مغزیا گوش یا بینی

سوال (۴۲۶) ایک لڑکا جس کی عمر پورے ڈھائی برس کی ہے وہ بیمار ہوا اور محلہ میں سے کسی عورت کا دودھ اس کے ناک کان میں ڈالا گیا یا مغز میں لگایا گیا تو اس کے استعمال سے شرعاً وہ عورت اس کی رضاعی ماں قرار دی جاوے گی یا نہیں۔

---

(۱) کیونکہ اگر باپ کے لڑکا اور بیٹے کی لڑکی پیدا ہوں تب تو وہ آپس میں چچا اور بھتیجی ہوئے اور اگر بالعکس ہوں تو وہ باہم پھوپھی بھتیجے ہوئے اور حرمت نکاح ان کی ظاہر ہے ۱۲ منہ۔

الجواب۔(۱) فی الدر المختار ولاالاحتقان والاقطار فی اذن واحلیل وجائفة وآمّة۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں وہ عورت اس بچہ کی رضاعی ماں نہ ہوگی۔

۵/ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص: ۹۳)

سوال (۴۲۷) ایک عورت نے اپنے شوہر کی اجازت سے اپنا دودھ اپنے چچازاد بھائی کو بطور دواء ناک میں ڈالنے کو دیا اس بھائی نے اس دودھ کی خالصاً یا دوسری اودیات میں شامل کر کے ناک میں سعوط کیا اس وقت ایک لڑکی حالت رضاعت میں تھی جو کچھ عرصہ بعد فوت ہوگئی استعمال دودھ کے کچھ عرصہ بعد اس عورت کے اولاد ہوئی اور اس کے چچازاد بھائی مذکور کے بھی اولاد ہوئی۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ آیا اس عورت کے لڑکوں کا عقد نکاح اس کے چچازاد بھائی مذکور کی لڑکیوں کے ساتھ جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔(۲) چونکہ یہ شخص رضیع نہیں اس لئے حرمت نہ ہوئی۔ (تتمۂ خامسہ ص ۱۵۱)

سوال (۴۲۸) الامداد بابت ماہ جمادی الاولیٰ ص ۳ میں رضاعت کے متعلق سوال ہے سوال سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بعد مدت رضاعت خود اس کے بھائی نے سعوط کیا ہے تو کیا بعد مدت رضاعت بھی سعوط سے حرمت ثابت ہوگی جیسا کہ جواب سے معلوم ہوتا ہے یا کیا۔

الجواب۔ واقعی سوال ہی کے سمجھنے میں مجھ سے غلطی ہوئی سائل کی عبارت میں میری نظر سعوط پر رہی اور ذہن میں یہ رہا کہ سعوط میں سائل کو شبہ ہے یہ حکم رضاع میں ہے یا نہیں بس اس بناء پر جواب دیدیا اس طرف مطلق التفات نہ ہوا کہ سعوط کرنے والا رضیع نہیں اب سوال کا مفہوم معلوم ہوا اس لئے اب رجوع کرتا ہوں اور جواب کی تصحیح اس طرح کرتا ہوں گو سعوط بحکم رضاع ہے مگر اس صورت میں خود رضاع ہی موجب حرمت نہ ہوتا کہ مدت رضاع کے بعد ہے اس لئے نکاح مسئول عنہ جائز ہے فقط۔

(ترجیح خامس ص: ۱۱۵)

## تحریم لبن فحل

سوال (۴۲۹) ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ۔ زید کے اس کی منکوحہ زینب کے بطن سے ایک پوتا خالد اور ایک نواسی صالحہ ہے خالد نے ایام رضاعت میں زید کی دوسری منکوحہ خدیجہ کا دودھ پیا

---

(۱) ناک میں دودھ ڈالنا موجب حرمت ہے مگر صورت مسئولہ میں دودھ مدت رضاعت کے بعد ڈالا گیا اس لئے حرمت ثابت نہ ہوگی ۱۲ رشید احمد عفی عنہ۔

(۲) رسالہ الامداد ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ میں جو جواب درج ہے اس میں یہ غلطی ہوگئی تھی کہ ذہن میں اس شخص کے رضیع ہونے کا خیال رہا لہٰذا یہاں صحیح جواب درج کیا گیا ہے۔ ۱۲ شبیر علی عفی عنہ۔

تو اب خالد کا نکاح صالحہ سے درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ صالحہ رضاعی بھانجی ہے خالد کی پس حسب قاعدہ یحرم من الرضاع مایحرم من النسب ان میں باہم نکاح جائز نہیں۔ شرح اس کی یہ ہے کہ ہر چند کہ خالد کا اور صالحہ کی ماں کا اشتراک ایک مرضعہ میں نہیں ہے لیکن چونکہ دونوں عورتوں کا دودھ زید ہی سے ہے لہٰذا یہ دونوں مرضعہ بحکم مرضعہ واحد ہیں۔

کما فی الهداية لبن الفحل يتعلق به التحريم الٰی قوله ويصير الزوج الذی نزل لبنها منه ابا للمرضعة ثم قال لانه سبب لنزول اللبن منها فيضاف اليه فی موضع الحرمة۔ فقط ۲۹ ررمضان ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۱۷۲)

## عدم ثبوت رضاع از محض گرفتن بچہ شدی را در دہن

سوال (۴۳۰) اگر محض چھاتی سے بچہ کا منہ کسی طرح پر لگایا گیا ہو ارادۃً یا سہواً خواہ کسی طور پر ہو جس کا اثر بھی مطلق نہ ہوا ہو دودھ پلانا مان لیا جاوے گا اگر شرعاً عقد ممنوع ہو یا بصورت ادائے کفارہ وغیرہ جائز ہو سکتا ہو تو کس طریقہ پر ادا کرنا چاہئے۔

الجواب۔ اگر دودھ منہ میں دینے والی یقین کے ساتھ کہتی ہو کہ بچہ نے بالکل دودھ نہیں لیا اور ایک قطرہ دودھ بھی اس نے نہیں پیا تو محض چھاتی منہ میں لینے سے حکم رضاعی ثابت نہیں ہوتا۔

فی الدرالمختار ان علم وصوله بجوفه من فمه او انفه لاغير فلو التقم الحلمة ولم يدر ادخل اللبن فی حلقه ام لالم يحرم لان فی المانع شكا ولوالجية فی ردالمحتار فی الفتح لو ادخلت الحلمة فی الصبی وسكت فی الارتضاع لاتثبت الحرمة بالشك ص: ٦٦٤ ۱۲ ررمضان ۱۳۳۷ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۹۳)

سوال (۴۳۱) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام وفقہائے عظام اس بارہ میں کہ ایک عورت کے دس بچے ہیں اور سب میں سے جو آخر کا بچہ ہے اس کے چھ بچے پیدا ہوئے ان چھ بچوں میں سے بھی جو آخری لڑکا پیدا ہوا اس کی ماں فوت ہوگئی اور اس کی بڑھیا دادی نے یعنی وہ پہلی عورت جس کی یہ سب اولاد ہوئی اس لڑکے کو اپنے پستانوں پر لگایا مندرجہ بالا تفصیل اولاد اور نیز مزید معلومات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس بڑھیا کی عمر اس وقت قریباً (۱۰۰) سو برس کو پہونچ چکی ہوگی ورنہ ۸۰ برس سے کم ہرگز نہیں اور یہ بھی ثابت نہیں کہ اس کے پستانوں میں کوئی دودھ پیدا ہوا ہو اور نہ ایسا امکان ہی ہے تاہم لوگ اس لڑکے کو رضاعی بچہ تصور کرکے اس بڑھیا کی ساری اولاد سے شادی کرنا شرعاً جائز نہیں سمجھتے ہم نے جن

بعض چھوٹے چھوٹے ملاؤں سے استفسار کیا ہے تو وہ سب نفی میں جواب دیتے ہیں حالانکہ ازروئے قانون طبیہ جب یہ عمر دودھ پیدا ہونے سے خارج معلوم ہوتی ہے اور معلومات سے بھی یوں ہی ثابت ہوتا ہے کہ دودھ پیدا نہ ہوا تھا تو پھر رضاعی بچہ شمار کرنا کیسا ہے۔ للہ مصرح جواب سے آگاہ فرما کر مشکور فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی الدر المختار فلو التقم الحلمة ولم يدر ادخل اللبن فی حلقه ام لالم يحرم لان فی المانع شكا ولوالجية فی ردالمحتار قوله فلو التقم الخ تفريع علىٰ التقييد بقوله وان علم وفی القنية امرأة كانت تعطی ثديها صبية واشتهر ذلك بينهم ثم تقول لم يكن فی ثديی لبن حين القمتها فی ثدی ولم يعلم ذلك الامن جهتها جاز لابنها ان يتزوج بهذه الصبية اهـ ط وفی الفتح لو ادخلت الحلمة فی فی الصبی وشكت فی الارتضاع لاتثبت الحرمة بالشك اهـ ج:۲ ص:٦٦٤۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ اگر دودھ اترنا اور حلق میں جانا اس دودھ پلانیوالی کے قول سے یا دوسری کسی دلیل سے ثابت ہو تو رضاع معہ اپنے احکام کے ثابت ہوگا اور جو کوئی ثبوت نہ ہو تو صرف پستان منہ میں دینے سے رضاع ثابت نہ ہوگا خلاصہ یہ کہ دودھ پینے کے لئے ثبوت کی ضرورت ہے دودھ نہ پینے کے لئے ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔ ۱۶رذیقعدہ ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ ص:۱۲۸)

## عدم حکم رضاع الخ

سوال (۴۳۲) بچہ پیدا ہونے کے بعد اگر کسی عورت کا دوتین قطرے دودھ لے کر اس کے منہ و حلق میں لگا دیا جاوے تو اس سے رضاعت کے بارہ میں کیا حکم ہے۔

الجواب۔ فی الدر المختار فلو التقم الحملة ولم يدر أدخل اللبن فی حلقه ام لا لم يحرم لان فی المانع شكا فی ردالمحتار عن الفتح لوادخلت الحملة فی فی الصبی وشكت فی الارتضاع لا تثبت الحرمة بالشك آه ج:۲ ص:٦٦٤۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ ثبوت حرمت کیلئے شرط یہ ہے کہ جوف تک پہنچنا متیقن ہو پس اگر صورت مسئولہ میں یہ وصول یقینی ہوا گرچہ قلیل ہی کا ہو تو حرمت ثابت ہوگی ورنہ شک میں حرمت نہ ہوگی۔ یکم جمادی الثانی ۱۳۲۱ھ

## جواز نکاح با دختر رضاعی منکوحۂ پدر

سوال (۴۳۳) کیا حکم صادر فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بعد وفات زوجہ اولیٰ کے اپنا دوسرا عقد ہندہ کے ہمراہ کیا اور زید کی زوجۂ اولیٰ سے ایک لڑکا ہے اور

ہندہ کی ایک چھوٹی بہن ہے جس کو اس نے زید کے نکاح میں آنے کے قبل دودھ پلایا پس اس صورت میں اگر پسر زید کا عقد ہندہ کی بہن کے ہمراہ کردیا جاوے تو جائز ہوگا یا نہیں نیز اس وقت عرصہ اس رضاعت کو قریب تیرہ سال کے گزرا ہے پس صورت مذکورہ میں عقد مذکور جائز ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ وہ دودھ چونکہ زید کا نہیں لہٰذا ہندہ کی اس بہن کا کوئی رشتہ رضاعت کا پسر زید کے ساتھ نہیں اس لئے ان دونوں میں مناکحت حلال ہے۔ ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۱۷۱)

## حکم اخراج منی بساق یا دست حائضہ

سوال (۴۳۴) زید کو جماع کی سخت ضرورت ہے اور اس کی زوجہ حائضہ ہے اس صورت میں وہ کیا کرے گا۔

الجواب۔ بی بی کی ساق وغیرہ سے رگڑ کر نکالدے یا اس کی ہاتھ سے خارج کرادے لیکن اس کی ران وغیرہ کو مس نہ کرے **فی الدرالمختار ویمنع (ای الحیض) حل دخول المسجد الی قوله وقربان ماتحت الازاریعنی مابین سرة ورکبة ولو بلا شهوة وحل ماعداه مطلقا. فقط والله اعلم۔** ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ (امداد ج: ۲ ص: ۱۶۳)



# رساله جَلائِل الانباء فی حُرمة حَلائِل الابناء

سوال (۴۳۵) بعد الحمد والصلوٰۃ ایک صاحب نے الہ آباد سے ایک اشتہار بشکل استفسار بھیجا جس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص نے اپنی صلبی فرزند کی بیوی سے جو بیوہ تھی نکاح کرلیا لوگوں نے اعتراض کیا اور آیت **وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم** کو پیش کیا اس شخص نے جواب میں غایت بددینی سے احکام میں انتہا درجہ کی تحریفات کیں اور کچھ تحریفات ان کی تائید میں مشتہر نے کیں گو ان تحریفات کا بطلان اس قدر ظاہر ہے کہ اس کے اظہار سے شرم آتی ہے پھر تحریف بھی واضح اور قطعی امر میں پھر بناء بھی اس کی جہل بین جس میں کوئی درجہ شبہ تک کا بھی نہیں لیکن زمانہ کا رنگ دیکھ کر کہ شاید کسی ہوا پرست کو آڑ نہ مل جاوے ضروری تنبیہ کے لئے سادہ الفاظ میں کچھ مختصراً لکھدینا مناسب معلوم ہوا اول اشتہار نقل کیا جاتا ہے جس کی نقل کے وقت تمام قلب ظلمت اور وحشت سے بھرا جاتا ہے پھر اس کا جواب نقل کیا جائے گا۔

# استفسار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی صلبی فرزند کی جورو سے جو بیوہ تھی نکاح کرلیا جب یہ بات ہر خاص وعام میں مشہور ہوئی تو اکثر معترض ہوئے کہ یہ نکاح ناجائز ہے بیٹوں کی ازواج کو باپ کے اوپر پاک پروردگار نے حرام کیا ہے۔ سورۂ نساء کی آیت پیش کی گئی (حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم الی اخر البیان) وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم۔ ترجمہ۔ اردو قرآن شریف مطبوعہ۔ حرام کی گئیں تم لوگوں پر جورویں تمہارے فرزندوں کی جو تمہاری نسل سے ہیں اس آیت کے ترجمہ سے ظاہر ہے کہ اپنے صلبی فرزندوں کی جورویں مطلقاً حرام ہیں۔

اس کا جواب وہ شخص (جس نے اپنے فرزند کی زوجہ بیوہ سے نکاح کرلیا ہے) یہ دیتا ہے کہ اللہ پاک نے اس آیت میں یعنی (حرمت علیکم حلائل ابنائکم الذین من اصلابکم) میں بیٹوں کی جوروں کو من حیث الزوجیت حکم حرمت کا نہیں فرمایا ہے اس آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ حرام کی گئیں اوپر تمہارے حلال ہونے والی عورتیں تمہارے فرزندوں کی وہ کہ تمہارے اصلاب سے ہیں۔ دیکھئے حلائل ابناء دو طرح پر ہیں ایک عورتیں جو تمہارے اصلاب سے ہیں جیسے بھتیجیاں و بھانجیاں وہ صرف تمہارے بیٹوں کے لئے حلال ہیں اور تمہارے لئے حرام اور دوسرے حلائل ابناء جو تمہارے غیر اصلاب کی ہیں وہ تمہارے بیٹوں کے لئے حلال ہیں اور تمہارے لئے بھی حلال ہیں جس کی تفسیر اللہ پاک خود فرماتے ہیں کہ (الذین من اصلابکم) یعنی کی گئیں تم لوگوں پر حلائل تمہارے بیٹوں کی وہ کہ تمہارے اصلاب سے ہیں جبکہ اللہ پاک نے حکم حرمت کا تمہارے بیٹوں کے ان حلائل پر جو تمہارے اصلاب سے ہیں خاص کردیا تو وہ حلائل تمہارے بیٹوں کی جو تمہارے غیر اصلاب سے ہیں حلال تمہارے لئے ہیں تحقق خاص بے عام محال ہوتا ہے حرام ہونا حلال ہونا۔ نکاح کرنا۔ علیحدہ علیحدہ معنی رکھتے ہیں جو شئے حرام ہے ہمیشہ حرام ہے اور جو شے حلال ہے ہمیشہ حلال ہے حائل کے معنی ازواج کے نہیں ہیں جن اشخاص نے (حلائل ابنائکم) کے معنی تمہارے بیٹوں کی ازواج سمجھا غلط سمجھا ہے (حلائل ابنائکم) اور (ازواج ابنائکم) میں کس قدر تفاوت ہے جو ادنیٰ تامل سے ظاہر ہوسکتا ہے اگر تمہارے صلبی فرزندوں کی ازواج حرام ہیں تو یہ بھی ضرور مدنظر کرنا پڑے گا اور کہنا ہوگا کہ کون کون شخصوں کی ازواج حلال ہیں یہ امر مخفی نہ رہے کہ جورویں کسی شخص کی حلال نہیں ہیں چاہے بھائی ہو چاہے چچا ہو چاہے بیٹا ہو چاہے بھتیجا ہو چاہے متبنیٰ ہو کسی شخص کی جورو پر حکم حلال ہونے کا نہیں ہوسکتا

تاوقتیکہ وہ کسی کی جورو ہے ہاں بعد فوت شوہر یا بعد طلاق نسبت زوجیت کو قطع نظر کر کے دیکھنا چاہئے کہ اب ہمارے ساتھ کیا رشتہ وتعلق ہے اگر ان حرام شدہ عورتوں میں سے ہے جن کو ہمارے اوپر اللہ پاک نے بالتفصیل بیان فرمادیا ہے وہ بے شک حرام ہیں اور اگر علاوہ ہیں بحکم (واحل لکم ماوراء ذلکم) بے شک حلال ہیں دیکھئے اور منصف ہو کر ملاحظہ فرمایئے آباء کے منکوحہ سے نکاح کرنے کی ممانعت اللہ پاک ان الفاظوں سے کرتا ہے۔(لاتنکحوا مانکح آبائکم من النساء) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج کے ساتھ نکاح کرنے کی ممانعت ان الفاظوں سے فرماتا ہے کہ (وما کان لکم ان توذوارسول الله ولاان تنکحوا ازواجه من بعده ابدا) دونوں آیتوں میں لفظ (لاتنکحوا) اور لفظ (ازواج) اور (مانکح آبائکم من النساء) قابل توجہ ہے۔

اگر بیٹوں کی جوروں سے باپ کو نکاح کرنے کی ممانعت اللہ پاک کو کرنا ہوتا تو یہ فرماتا (لاتنکحوا ازواج ابنائکم) یا یہ فرماتا کہ (لاتنکحوا مانکح ابنائکم من النساء) نہ یہ کہ (حرمت علیکم حلائل ابنائکم الذین من اصلابکم) لہٰذا اس آیت شریفہ سے یہ مفہوم لینا کہ تمہارے بیٹوں کی ازواج تمہارے اوپر حرام کی گئیں اللہ پاک کے حکم میں تحریف لازم آتی ہے۔ اور اگر کوئی صاحب اس امر میں مدعی ہوں کہ حلائل کے معنی ازواج ہی کے ہیں تو کوئی آیت قرآنی یا حدیث نبوی اس معنی کے ثبوت میں بطور مثال کے تحریر فرماویں جس سے یہ امر واضح اور روشن ہو جاوے کہ لفظ حلائل اور لفظ ازواج میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں لفظ ایک ہی معنی پر دلالت کرتے ہیں جیسے لفظ ازواج کے ثبوت میں یہ آیتیں ہیں پہلی مثال (اسکن انت وزوجک الجنة) دوسری مثال (هم وازواجهم فی ظلال علی الارائک متکؤن) تیسری مثال (ولا ان تنکحوا ازواجه من بعده ابدا)۔

اسی طرح چاہئے کہ لفظ حلائل کے ثبوت میں آیت قرآنی یا حدیث نبوی بطور مثال کے تحریر کریں اور ذیل کے دو فقرے جو زبان اردو میں لکھے جاتے ہیں عربی فصیح میں لکھیں۔ فقرۂ اول تمہارے بیٹے جو تمہارے اصلاب سے ہیں ان کی جوروئیں تمہارے اوپر حرام کی گئیں۔ فقرۂ دوم تمہارے بیٹوں کی حلال ہونے والی عورتیں جو تمہارے اصلاب سے ہیں تمہارے اوپر حرام کی گئیں۔

ختم ہوا بیان اس شخص کا جس نے لفظ حلائل ابناء اور لفظ ازواج ابناء میں فرق بیان کیا اور اپنے خاص صلبی پسر متوفی کی زوجہ سے جو اس شخص کے اصلاب سے نہیں ہے عقد کر لیا۔ لہٰذا علمائے محققین کے حضور میں عرض ہے کہ شخص مذکور کے بیان کو ملاحظ فرما کر اللہ ورسول کا جو حکم اس مسئلہ کے متعلق ہو تحریر فرماویں کیا شخص مذکور کا بیان صحیح سمجھا جائے کیا بعد فوت شوہر یا بعد طلاق نسبت زوجیت از روئے قانون

شرع شریف عورت کے اوپر سے حادث وساقط ہوجاتی ہے جیسا کہ شخص مذکور کا بیان ہے کہ بعد فوت شوہر یا بعد طلاق نسبت زوجیت قطع نظر کر کے دیکھنا چاہئے کہ ہمارے ساتھ کیا رشتہ وتعلق ہے اگر ان عورتوں میں سے جن کو بالتفصیل آیت حرمت علیکم میں اللہ پاک نے حرام کردیا ہے وہ حرام ہیں اوراس کے علاوہ حلال ہیں چاہے بیٹے کی زوجہ ہو چاہے متبنیٰ وغیرہ کی نہ بالکل ازواج ابناء حرام ہیں اور نہ بالکل ازواج متبنیٰ وبھتیجاوبھانجاوغیرہ کی حلال جس کا فرق اللہ پاک کے اس حکم سے ظاہر ہے کہ (حرمت علیکم حلائل ابنائکم الذین من اصلابکم )

اگر حکم شرع شریف سے نسبت زوجیت بعد فوت شوہر یا بعد طلاق ساقط ہوجاتی ہے تو حکم حرمت کا ازواج ابناء پر کس طرح باقی رہ سکے گا۔ آج دن ازواج ابناء ہے اس پر حکم حرمت کا اس کے آباء پر ہوا بعد فوت شوہر یا بعد طلاق متبنیٰ کے ساتھ نکاح کر کے متبنیٰ کی زوجہ بن گئی اور اسی طرح بھتیجا یا بھانجا کی یا اور کسی کی زوجہ ہوگئی اوروں کے ازواج کو اردو ترجمہ قرآن شریف سے حلال ہونا سمجھا یا جاتا ہے اور صرف ابناء جو ہمارے اصلاب سے ہیں ان کے ازواج پر حکم حرمت کا لگایا جاتا ہے اور اگر نسبت زوجیت بعد فوت شوہر یا بعد طلاق ساقط نہیں ہوتی تو غیروں کے ساتھ اس کا نکاح کیسے جائز سمجھا گیا۔ کیا ہندوؤں کے مذہبی قانون کی طرح مذہب اسلام میں بھی ہے کہ جب عورت کا عقد کسی شخص سے ہوگیا تو شوہر مر بھی جائے تا بزیست عورت نسبت زوجیت اس کے اوپر سے ساقط نہیں ہوسکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جوان کے یہاں دوسرا عقد عورت کا نہیں ہوسکتا۔ اصل حکم شرع شریف کا اس مسئلہ میں کیا ہے۔

## جواب اشتہار بالا

تحریف اوّل۔ حلائل ابناء دو طرح پر ہیں ایک وہ عورتیں جو تمہارے اصلاب سے ہیں جیسے بھتیجیاں اور بھانجیاں وہ صرف تمہارے بیٹوں کے لئے حلال ہیں اور تمہارے لئے حرام اور دوسرے حلائل ابناء جو تمہارے غیر اصلاب کی ہیں وہ تمہارے بیٹوں کے لئے حلال ہیں اور تمہارے لئے بھی حلال ہیں (نعوذ باللہ ) الیٰ قولہ اللہ پاک نے حکم حرمت کا تمہارے بیٹوں کے ان حلائل پر جو تمہارے اصلاب سے ہیں خاص کردیا۔

اصلاح۔ اللہ بچائے جہل سے اس شخص نے صریح الفاظ میں الذین من اصلابکم کو حلائل کی صفت قرار دیا ہے جس کا جہل ہونا نحو میر والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر یہ حلائل کی صفت ہوتی تو بجائے الذین کے الاتی ہوتا لغت میں بھی ایجاد ہونے لگا انا للہ اور اگر ایجاد نہیں ہے تو کسی اردو ترجمہ میں

دیکھ کر بے سمجھے گمراہ ہوا ہے جیسا اشتہار بالا میں دوجگہ شروع کے قریب اور ختم کے قریب اردو ترجمہ کا حوالہ اس کا قرینہ بھی ہے اگر اس شخص کا اور کوئی جہل بھی نہ ہوتا یہ ایک جہل ہی اس کے جاہل ہونے اور کسی فتوے یا استدلال کے اہل نہ ہونے پر کافی شاہد تھا مگر مزید اظہار جہل کے لئے بقیہ جہالات آئندہ کا بھی اظہار مناسب مقام معلوم ہوا یہ تو لغت کے خلاف ہوا اور جس کے خلاف اس لئے ہے کہ بھتیجی بھانجی چچا یا ماموں کے صلب سے کہاں ہے اگر بھتیجی بھانجی کا صلب سے ہونا حقیقت ہے تو نعوذ باللہ قرآن میں کذب کا وقوع لازم آتا ہے اور اگر آیت میں مجاز ہے تو تعذر حقیقت کی دلیل اور مجاز کا قرینہ کہاں ہے اور عقل کے خلاف اس لئے ہے کہ بھتیجی بھانجی کی حرمت اوپر تصریحات بنات الاخ وبنات الاخت میں مذکور ہو چکی ہے گو وہ حلائل ابناء بھی نہ ہوں پھر اس عنوان سے ذکر کرنا جس کو حکم میں کوئی دخل نہیں محض عبث ہوا حاشا **کلامہ تعالیٰ من ذلک** اس سے صاف معلوم ہوا کہ ان کی حرمت صرف حلائل ابناء ہونے کی وجہ سے ہے گو ان سے اور کوئی رشتہ بھی نہ ہو۔

تحریف دوم۔ جو شئے حرام ہے ہمیشہ حرام ہے جو شئے حلال ہے ہمیشہ حلال ہے۔

اصلاح۔ اس کے خلاف کا تو خود یہ شخص اپنی تحریر میں قائل ہوگیا کیونکہ منکوحات الآباء کو حرام مانا تھا حالانکہ وہ قبل نکاح آباء حلال تھیں نکاح کے بعد حرام ہوگئیں اور ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئیں پھر یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ قبل نکاح ابناء حلال تھیں اور بعد نکاح ابناء ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئیں۔

تحریف سوم۔ بعد فوت شوہر یا بعد طلاق نسبت زوجیت کو قطع نظر کر کے دیکھنا چاہئے کہ ہمارے ساتھ کیا رشتہ وتعلق ہے الخ۔

اصلاح۔ یہ تقریر تو منکوحات الآباء میں بھی جاری ہے پھر ان کو محرمات مؤبدہ میں کیوں مانا جاتا۔

تحریف چہارم۔ اگر بیٹوں کی جوروؤں سے باپ کو نکاح کی ممانعت اللہ پاک کو کرنا ہوتا تو فرماتا (**لاتنکحوا ازواج ابنائکم**) یا فرماتا (**لاتنکحوا ما نکح ابنائکم من النساء۔**)

اصلاح۔ جب ازواج اور حلائل کا ہم معنی ہونا لغت سے ثابت ہے تو دونوں عنوان برابر ہیں جس کو چاہیں اختیار کرلیں **فی القاموس حلیلك امراتك وانت حلیلھا** رہا نکتہ ترجیح کا سو اول تو ہر جگہ ضروری نہیں پھر یہاں ایک لطیف نکتہ بھی ہوسکتا ہے (چونکہ وہ علمی نکتہ ہے اس لئے عربی حاشیہ میں ملاحظہ کرلیجئے (۱)

---

(۱) السر فی التعبیر بھا ھھنادون الازواج اوالنساء ان الرجل ربما یظن ان مملوکۃ الابن رقبۃً ملك الاب بناء علٰی العرف اوبناء علٰی حدیث انت ومالك لابیك ان مملوکتہ متعۃ کمملوکۃ رقبۃ فلایبالی بالاستمتاع بھا فاشار بمادۃ الحلائل ویکون الاضافۃ للتخصیص الٰی کونھن مخصوصۃ بالابناء فی انھا تحل مع زوجھا فی فراش واحد اوتحل معہ حیث کان او ان زوجھا یحل ازارھا اوانھا حلال لزوجھا علٰی اقوال محتملۃ فی مادۃ الحل علٰی مانقلت فی روح المعانی ولم تکن نقطۃ الازواج اوالنساء مفیدۃ لھذہ الاشارۃ۔ واللہ اعلم ۱۲ منہ۔

تحریف پنجم ۔اگر کوئی صاحب مدعی ہوں کہ حلائل کے معنی ازواج ہی کے ہیں تو کوئی آیت قرآنی یاحدیث نبوی اس معنی کے ثبوت میں بطور مثال تحریر فرماویں۔

اصلاح ۔اول تو آیات واحادیث کی دلالت میں خودلغت کی نقل شرط ہے نہ کہ لغت کی دلالت میں قرآن وحدیث کی نقل شرط ہو۔دوسرے حدیث میں یہ معنی وارد بھی ہیں (ان تزنی حلیلة جارک، مشکٰوة باب الکبائر)

تحریف ششم ۔اگرحکم شرع شریف سے نسبت زوجیت بعدفوت شوہر یابعدطلاق ساقط ہوجاتی ہے توحکم حرمت کاازواج ابناء پر کس طرح باقی رہ سکے گا۔

اصلاح ۔تحریف سوم کی اصلاح میں اس کاالزامی جواب گزر چکا ہے اورحقیقی جواب یہ ہے کہ نکاح ابناء اگر حرمت موقتہ کی علت ہوتی جیسے غیراصول وغیرفروع کا نکاح تو یہ تقریر صحیح تھی لیکن نکاح مذکور حرمت مؤبدہ کی علت ہے اس لئے نفس حدوث نکاح سے حرمت مؤبدہ متحقق ہوجائیگی اس نکاح کا بقاء شرط نہیں جیسے نکاح آباء میں نفس حدوث نکاح کا بھی اثرخوداس مدعی کوبھی مسلم ہے جیسااوپرگزرااوراسی سے ایک تحریف ہفتم کا بھی جواب ہوگیا جس کوآخر میں بصورت الزام ظاہرکیا گیا ہے کہ ہندوؤں کے مذہبی قانون کی طرح مذہب اسلام میں بھی ہے کہ جب عورت کاعقدکسی شخص سے ہوگیا توشوہرمربھی جاوے تابزیست عورت نسبت زوجیت اس کے اوپر سے ساقط نہیں ہوسکتی۔

اصلاح ۔کی وجہ حقیقت مذکورہ سے ظاہر ہے کیونکہ بقاءحرمت سے بقاءزوجیت کالازم نہیں آتا یہ تو جواب ہوگیاان تحریفات کاجن میں دوآخر کی مشتہر کی ہیں مگرشاید اس جواب کے سمجھنے سے بعض لوگ بےعلمی کاعذر کریں جس کااس زمانہ میں احتمال کچھ بعیدنہیں اس لئے ایسےلوگوں کے لئے دو باتیں جو نہایت ہی عام فہم ہیں معروض ہیں۔

پہلی بات :۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبنیٰ حضرت زیدؓ کی منکوحہ مطلقہ حضرت زینبؓ سے نکاح کیااورکفار نے اس بناء پرطعن کیا کہ وہ فرزند صلبی اور متبنیٰ کا یکساں حکم سمجھتے تھے توحق تعالیٰ نے اس طعن کاجواب اس طرح دیا کہ زید آپ کے فرزندصلبی نہیں ہیں چنانچہ سورۂ احزاب کی آیات (۱) میں یہ مضمون مذکور ہے نیز آیت زیر بحث کا سبب نزول بھی بعض روایات میں یہی (۲)

---

(۱) قال تعالٰی وما جعل ادعیائکم ابنائکم الآیة وقال تعالٰی زوجنا کھا لکیلا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیاھم اذا قضوا منھن وطرا الآیة۔ وقال تعالٰی ماکان محمد ابا احد من رجالکم الآیة ۱۲منہ۔

(۲) فی الدرالمنثور اخرج عبدالرزاق فی المصنف وابن جریروابن المنذر وابن ابی حاتم عن عطاء فی قوله تعالٰی وحلائل ابنائکم قال کنا نتحدث ان محمدا صلی اللہ علیه وسلم لما نکح امرأة زید قال المشرکون بمکة فی ذلک فانزل اللہ تعالٰی وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم ونزلت وما جعل ادعیائکم ابناءکم ونزلت ماکان محمد ابا احد من رجالکم واخرج ابن المنذرمن وجه آخر عن ابن جریج قال لما نکح النبی صلی اللہ علیه وسلم امرأة زید قالت قریش نکح امرأة ابنه فنزلت و حلائل ابنائکم الذین من اصلابکم ۱۲منہ۔

واقعہ کہا گیا ہے اس جواب سے صاف معلوم ہوا کہ اگر زید فرزند صلبی ہوتے تو یہ طعن صحیح ہوتا اور معلوم ہوا کہ فرزند صلبی متبنی کا ایک حکم نہیں ہے سو اگر اس محرف کا دعویٰ صحیح ہوتا تو حضرت زید کے فرزند صلبی نہ ہونے کو جواب میں کچھ بھی دخل نہ ہوتا کیونکہ فرزند صلبی ہونے کی حالت میں بھی یہی حکم ہوتا تو معاذ اللہ اس جواب کا لغو ہونا لازم آتا ہے تعالیٰ کلامہ عن ذلک۔

دوسری بات۔ جو اس سے بھی سہل ہے (اور آج کل خصوصیت کے ساتھ عوام کے لئے دین کی حفاظت میں دستور العمل بنانے کی قابل ہے) یہ ہے کہ نزول قرآن مجید کے وقت سے اس وقت تک امت محمدیہ میں بے شمار علماء مفسرین محدثین اصولیین متکلمین فقہاء و مجتہدین جن میں حضرات صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین بھی ہیں گزر گئے مگر آیت سے کسی نے یہ حکم نہ سمجھا حتی کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی باوجود وعدۂ الٰہیہ ثم ان علینا بیانہ نہ سمجھے اور اگر سمجھے تو باوجود امر الٰہی بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔ آپ نے اس کو کبھی ظاہر نہیں فرمایا اس صورت میں عقل اور شرع آیا اس نئی بات نکالنے والے کو گمراہ کہیں گی یا نعوذ باللہ ان تمام مقبولین کو جن میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں اور یہ بات بھی قابل تنبیہ کے ہے کہ یہ گمراہی محض حد بدعت تک نہیں بلکہ صریح کفر ہے کیونکہ اس میں انکار ہے قطعی ضروری کا۔ اللھم لا تزغ قلوبنا بعد اذھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب۔ واھدنا الی طریق الصواب۔ فی کل باب۔ یامن الیہ المرجع والمآب۔

کتبہ اشرف علی عفی عنہ غرۂ ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ (النور جمادی الاخریٰ ۱۳۵۰ھ)



## استدلال برحرمت مادر مخطوبہ

سوال (۴۳۶) جمیع کتب فقہ میں لکھا ہے کہ خطبہ نکاح نہیں بلکہ استنکاح ہے مگر ہدایہ مولانا عبدالحی چھاپ کی کتاب العدۃ میں قولہ ولا تخطب المعتدۃ کے نیچے بحوالہ عینی لکھا ہے (الخطبۃ التزوج ونکاح المعتدات لایجوز) اس کا جواب کیا ہوسکتا ہے یہاں کے بعض بعض مولوی اسی عبارت سے خطبہ کو نکاح سمجھ کر طرح بطرح کے مباحث اور جدال برپا کررہے ہیں اور بنت کے خطبہ کو نکاح جان کر اس کی والدہ کو حرام کہہ رہے ہیں جناب اس میں کوئی کافی تحریر بحوالہ کتب عنایت فرمائیں۔ یہ عبارت ساری کتب معتبرہ سے مخالف ہے۔

الجواب۔ آپ اس عبارت کو خود دیکھ کر پوری لکھئے میرے پاس کتاب نہیں ہے اس لئے عبارت معلوم نہیں کرسکا لیکن مطلب یہ ہے کہ خطبہ حکم تزوج ہے اور تزوج معتدہ کا جائز نہیں لہٰذا خطبہ اس کا جائز

نہیں اور جو من کل الوجوہ اس کو نکاح کہتے ہیں ان سے پوچھئے کہ نکاح کی تعریف کیا ہے اور آیا وہ خطبہ پر صادق ہے یا نہیں۔ ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ (تتمۂ خامسہ ص:۱۷)

# بَابُ الاولیَاء والاکفَاء

## در تحقیق بعض تخالف در عبارات دو رسالہ

سوال (۴۳۷) بہشتی زیور حصہ چہارم ص ۹: در بیان ولی۔ ماں پھر دادی پھر نانی پھر نانا پھر حقیقی بہن وغیرہ تحریر ہے اور اصلاح الرسوم ص ۳۷ میں ماں پھر دادی پھر نانی پھر حقیقی بہن وغیرہ تحریر غرض کہ اس میں یہ تفاوت ہے کہ بہشتی زیور مذکور میں دادی کے بعد نانی کو ولی قرار دیا ہے اور اصلاح الرسوم میں نانی کو ولی قرار نہیں دیا لہٰذا تحریر فرمایا جاوے کہ عبارت بہشتی زیور پر فتویٰ ہے یا اصلاح الرسوم پر۔

الجواب۔ اصلاح الرسوم کی عبارت ناکافی ہے بہشتی زیور کا مضمون کامل ہے۔

## ترتیب اولیاء نکاح و معنی مدار بودن بر شفقت

سوال (۴۳۸) ولی اقرب نکاح میں کون ہوسکتا ہے اور ولی ابعد کون کون ہے اور کس کو ولایت عامہ مذکورہ بالا حاصل ہے۔

الجواب۔ ولی نکاح عصبہ بنفسہ ہوتا ہے۔ بہ ترتیب ارث وحجب یعنی اولا جزء ثانیا اصل ثالثا جزء اصل قریب رابعاً جزء اصل بعید در صورت عصبہ نہ ہونے کے ولایت ماں کو ہے پھر دادی کو بعض [1] نے بالعکس کہا ہے پھر بیٹی پھر پوتی پھر نواسی پھر پوتے کی بیٹی پھر نواسی کی بیٹی اسی طرح آخر فرع تک پھر حقیقی بہن پھر علاتی پھر اخیافی بہن بھائی پھر ذوی الارحام اول پھوپھی پھر ماموں پھر خالہ پھر چچازاد بیٹی پھر اسی ترتیب سے ان کی اولاد پھر مولی الموالاۃ درمختار میں یہ تفصیل موجود ہے فلیراجع الیہ واللہ اعلم۔

(امداد ج ۳ ص ۱۸)

سوال (۴۳۹) نابالغہ عورتوں کی شادی میں جو اولیاء بموجب شرع شریف کے علی الترتیب ہوا کرتے ہیں تو یہ ولایت باعتبار وراثت کے ہے یا خیر اندیش ہونے کے اگر باعتبار وراثت ہونے کے ہے تو وراثت کے لئے کما ینبغی خیر اندیشی وصلہ رحمی مشروط ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدرالمختار علی ترتیب الارث والحجب اس سے معلوم ہوا کہ عصبات میں ولایت بترتیب ارث وحجب ہوتی ہے۔

---

(۱) اور امام الاب کے بعد ام الام ہے کذا فی الشامیۃ ۱۲ منہ

وفی ردالمحتار الجلد الاول ص ٤٨٤ وبه ظهر ان الفاسق المتهتك وهو بمعنی سیئی الاختیار لاتسقط ولایته مطلقا لانه لوزوج من کفو بمهر المثل صح کما سیاتی بیانه وما فی البزازیة من ان الاب والجد اذا کان فاسقا فللقاضی ان یزوج من الکفو قال فی الفتح انه غیر معروف فی المذهب ۔ان روایات سے معلوم ہوا کہ ولی کے خیر اندیش نہ ہونے کا یہ اثر تو ہے کہ بعض مواقع میں اس کے کیے ہوئے نکاح میں علماء کو کلام ہے لیکن یہ اثر کہیں نہیں کہ اس کی موجودگی میں ولی ابعد کا نکاح نافذ ہو جائے۔۱۱ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد ج:۲ ص:۳۵)

## تحقیق ولایت ام بوقت فقدان یا غیبت منقطعہ عصبات

سوال (۴۴۰) اگر باپ دادا مر گئے ہوں اور چچا وغیرہ جو از روئے شرع شریف کے علی الترتیب اولیاء ہونے کا استحقاق رکھتے ہوں وہ سب کے سب لڑکی نابالغہ کے نکاح میں بسبب حسد یا رنجش یا اور کوئی سبب سے کنارہ کش ہو جائیں یا بروقت موجود نہ ہوں خواہ کہیں چلے گئے ہوں خواہ مر گئے تو ماں ولی ہو سکتی ہے یا نہیں۔

الجواب ۔فی الدرالمختار فان لم یکن عصبة فالولایة للام وفیه للولی الا بعد التزویج بغیبة الاقرب وفی ردالمحتار عن الذخیرة الاصح انه اذا کان فی موضع لو انتظر حضوره اواستطلاع رأیه فات الکفو الذی حضرنا الغیبة منقطعة اھ ونقل ترجیحه عن کثیر من الکتب ۔

اس سے یہ امور ثابت ہوئے اول جب اولیاء میں عصبہ نہ ہوں تو ماں کو ولایت ملتی ہے دوم جب پاس ہوں ولایت نہیں ہوتی گو رنج وحسد رکھتے ہوں۔سوم جب اس قدر دور ہوں کہ ان سے رائے لینے تک موقع ہاتھ سے جاتا رہے گا تب بھی ولایت ثابت ہوتی ہے۔فقط ۱۱ ربیع الاول ۲۵ھ (امداد ج:۲ ص:۳۵)

## زانیہ کو حق حضانت نہیں

سوال (۴۴۱) ایک عورت زانیہ نے انتقال کیا اور اس نے ایک لڑکی صغیرہ اولاد حرام سے چھوڑی اور اس عورت کی ایک خالہ اور دو خالہ زاد بھائی بہن اور ایک حقیقی بہن ہے حق حضانت اس صغیرہ کا کس کو ہے اور خالہ اس کی مغنیہ اور زانیہ اور بہن وغیرہ بھی ایسی ہی ہیں اور ولی اس کا کون ہو سکتا ہے۔

الجواب ۔حق حضانت ان مذکورہ لوگوں میں سے کسی کو نہیں فسق وفجور وغیرہ سے خود ماں کا بھی حق حضانت ساقط ہو جاتا ہے ان کا تو بدرجہ اولیٰ ساقط ہوگا۔

احق الناس بحضانة الصغیر حال قیام النکاح اوبعد الفرقة الام الا ان تکون

مرتدة اوفاجرة غیر مامونة کذا فی الکافی و کذا لو کانت سارقة او نائحة او مغنیة فلا حق لها هکذا فی النهر الفائق عالمگیری جلد ثانی میں ۵۵۶ اور ولایت اس کی عامۂ مسلمین کو ہے وہی اس کو پرورش کریں واللہ اعلم۔ ۲۹ر شوال۔

## بھائی چچازاد کے ہوتے ہوئے اخیافی بھائی کو ولایت نکاح نہیں

سوال (۴۴۲) چچازاد بھائی کے ہوتے ہوئے اخیافی بھائی کو ولایت نکاح پہونچتی ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار باب الولی فان لم یکن عصبة فالولایة الیٰ قوله ثم لولد الام الذکر والانثی۔ سواس روایت سے معلوم ہوا کہ چچازاد بھائی کے ہوتے ہوئے اخیافی بھائی کو ولایت نکاح نہیں پہونچتی۔ (تتمۂ اولیٰ ص:۷۹)

## چچا کے ہوتے ہوئے ماموں کو ولایت نکاح نہیں

سوال (۴۴۳) ایک نابالغ لڑکی ہے اس کے والدین زندہ نہیں ہیں مگر اس کے چچا اور ماموں زندہ ہیں جائداد متروکہ والدین یتیمہ بقبضہ وانتظام چچا ہے لڑکی کی تقریر کسی جگہ سے آئی تو چنانچہ وہ تقرر سب برادری کے لوگوں کی رائے سے ونیز چچا کی رائے سے پختہ ہوگئی جس دن بارات آئی تو چچا بخیال اس کے کہ اگر نکاح ہو جائے گا گو بعد شادی جائداد میرے قبضہ سے نکل جائے گی اجازت نکاح دینے سے انکار کیا ہر چند برادری نے سمجھایا کہ لڑکی کا واسطہ ہے آپ اجازت دیدیں مگر چچا مذکور نے بعد فہمایش بسیار بھی اجازت نہ دی آخر کار لوگوں نے اس کو ماموں سے اجازت لیکر نکاح لڑکی کا پڑھا دیا اب استفسار یہ ہے کہ آیا اس صورت میں نکاح اس لڑکی کا جائز ہوا یا نہیں۔

الجواب۔ نہیں ہوا لیکن اگر ہنوز چچا نے اس نکاح کو رد نہ کیا ہو اور صریح لفظوں سے اپنی ناراضی ظاہر نہ کی ہو بلکہ ساکت رہا ہو اور اس اثناء میں لڑکی بالغ ہو جاوے اور اس نکاح کی اجازت دیدے تو جائز ہو جاوے گا فقط۔ ۲۹ر رجب ۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۹۲)

## ترتیب در ولی مجنون

سوال (۴۴۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ نے انتقال کیا اور کچھ جائداد وغیرہ منقولہ ترکہ میں چھوڑی ہے لیکن کوئی اولاد نہیں چھوڑی صرف ایک بھائی حقیقی چھوڑا ہے جو مجنون ہے اور ایک بھائی متوفی کی (جن کا انتقال ہندہ کی موجودگی میں ہو چکا ہے) اولاد از قسم ذکور واناث ہے اور ایک پوتی حقیقی ہے اور چند باپ شریک بھائی اور بہن چھوڑے ہیں اور ایک سوتیلی ماں

ہے اس مجنون حقیقی بھائی کی اولاد میں از قسم اناث صرف ایک لڑکی مسلمہ ہے اور از قسم ذکور کوئی دیگر اولاد نہیں ہے از روئے شرع شریف مسماۃ ہندہ مرحومہ کے وارث کون کون قرار دیئے جا سکتے ہیں اور کس قدر حصص ہر ایک کو پہونچتے ہیں اس بھائی مجنون کا حق ولایت کس کو پہونچتا ہے مسماۃ مسلمہ کے خاوند اپنے مجنون خسر کی جائداد کے ولی ہونا چاہتے ہیں از روئے شرع شریف ان کو ولایت پہونچتی ہے یا باپ شریک بھائی سے کسی کو پہونچتی ہے یا بھائی متوفی کی اولاد ذکور میں سے کسی کو پہونچتی ہے مع حوالہ کتب جواب تحریر فرمایا جاوے۔

الجوب۔ بعد تقدیم ما یتقدیم علی المیراث کل ترکہ ہندہ کا دو حصے پر منقسم ہو کر ایک حصہ حقیقی پوتی کو اور ایک حصہ حقیقی بھائی کو ملے گا اور باقی سب محروم ہیں اور ولایت مال مجنون کی دو قسم ہے ایک ولایت تصرف دوسری ولایت حفظ۔ قسم اول میں یہ ترتیب ہے **وولیہ ابوہ ثم وصیہ ثم جدہ الصحیح ثم وصیہ ثم القاضی او وصیہ کذا فی الدرالمختار** اور یہ اس وقت ہے جبکہ وہ بلوغ کے قبل سے مجنون ہو ورنہ یہ ولایت صرف قاضی کو یا جس کو قاضی تجویز کر دے حاصل ہوگی **کما فی ردالمحتار ثم ھذا اذا بلغ معتوھا اما اذا بلغ عاقلا ثم عتہ لاتعود الولایۃ الی الاب بل الی قاضی او السلطان** الخ ج۵ ص۱۶۹۔

اور بعض کے نزدیک پھر بھی ان کی طرف عود کرے گی اور قسم دوم اس شخص کے لئے ہے جو اس مجنون کی نگرانی و خدمت کرے اور اگر اس میں نزاع ہو تو حاکم یا عامۂ اہل اصلاح و خیر خواہ اقارب یا اجانب سے جس کو متدین و معتمد قرار دیکر تجویز کر دیں وہ ولی ہو جائے گا اس ولی کو اس مجنون کے مال میں تصرف تجارت کا حق حاصل نہ ہوگا صرف ضروریات کا اس کے لئے خرید کرنا اور چیز منقول زائد ہو یا بگڑنے لگے اس کا فروخت کرنا یہ جائز ہے۔

**فی ردالمحتار فی السابع والعشرین من جامع الفصولین ولو لم یکن احدمنھم فلوصی الام الحفظ وبیع المنقول من الحفظ ولیس لہ بیع عقارہ ولا ولایۃ الشراء للتجارۃ الاشراء مالا بدمنہ من نفقۃ وکسوۃ الخ ج۵ ص ۱۷۴ وفی الدرالمختار وعند عدمھم تتم بقبض من یعولہ کعمہ وامہ واجنبی ولو ملتقطا لوفی حجرھما والا لا جلد ٤ ص: ۷۸٤**۔ واللہ اعلم۔ ۲۰ رجمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص: ۱۴۱)

## دفع شبہات از مسئلہ کفاءت

سوال (۴۴۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں۔

(۱) قرآن شریف میں کہیں ایسا بھی حکم ہے کہ عجم کے نو مسلموں سے آبائی مسلمان زیادہ شریف

ہیں اور اگر ہے تو کون سے پارہ میں اور کون سے رکوع میں ہے یا صحاح ستہ کی کتابوں میں سے اس مضمون کی حدیث بھی ہے کہ عجم کے نومسلم سے آبائی مسلمان زیادہ شریف ہیں اور اگر ہے تو کون سی کتاب اور کون سے صفحہ میں یہ حکم ہے۔

(۲) آبائی مسلمان شریف ہیں ان نومسلوں سے جو خود مسلمان ہوا ہو یا اس کا باپ مسلمان ہوا ہو یہ قول معصوم کا ہے یا علماء کا ہے کیونکہ یہ قول کافر مشرکوں کو ایمان لانے سے روک رہا ہے یہ قول قابل عمل کرنے کے ہے یا نہیں۔

(۳) عجم کے آبائی مسلمانوں کے مقابلہ میں عرب شریف کے نومسلم زیادہ شریف ہیں۔

الجواب۔ ان سوالات کے ضمن میں سائل نے چند دعوے بھی کئے ہیں ان میں سے بعض بطور نمونہ کے مع مناشی کے ذکر کئے جاتے ہیں۔

قولہ۔ قرآن شریف میں کہیں ایسا بھی حکم ہے الخ۔ وقولہ صحاح ستہ میں اس مضمون کی حدیث بھی ہے الخ اس میں دعویٰ ہے کہ صرف قرآن وحدیث خصوص صحاح ستہ کی حدیث حجت ہے کتب ستہ کے علاوہ دوسری احادیث اور اجماع وقیاس حجت نہیں۔ قولہ یہ قول معصوم کا ہے یا علماء کا ہے الخ ظاہراً معصوم سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تب تو اس میں بھی وہی دعویٰ ہے جو اوپر گزرا لیکن اگر معصوم میں اہل اجماع کو بھی داخل کیا ہے اس بناء پر کہ ان میں گو ہر ہر واحد معصوم نہیں لیکن مجموعہ معصوم ہے لحدیث ان اللہ لا یجمع امتی علی الضلالۃ تو قیاس کی حجیت کی نفی کا دعویٰ اب بھی باقی ہے۔ قولہ کیونکہ یہ قول کافر مشرکوں کو ایمان لانے سے روک رہا ہے الخ اگر یہ محذور دونوں تقدیروں پر لازم کیا ہے خواہ وہ معصوم کا قول ہو یا علماء کا تب تو بڑا شنیع دعویٰ ہے کہ معصوم کے قول کا محض ایک رائے سے رد ہے اگر خصوص معصوم سے مراد پیغمبر ہوں تو اس کی شناعت کی کوئی حد نہیں کہ نص کا انکار ہے اور اگر صرف علماء ہی کے قول پر یہ محذور لازم کیا ہے تو اول تو نفس مسئلہ تفاضل بالاسلام وبالعربیۃ میں کسی متبوع کا خلاف منقول نہیں گو بعض جزئیات میں اختلاف ہو تو مسئلہ اجماعی ہوا تو اجماع کا رد ہے اور اگر اجماعی بھی نہ ہوتا تو تب بھی اس میں علماء کے عدد کثیر کی تحمیق وتجہیل ہے کہ انہوں نے اتنی بڑی مضرت کا احساس نہیں کیا اور یہ سب لوازم دعاوی ہیں علاوہ اس کے اس میں جو مانعیت کا دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ قول کافر مشرکوں کو ایمان لانے سے روک رہا ہے الخ سو یہ مانعیت کل کفار کے اعتبار سے ہے یا بعض کے اعتبار سے شق اول تو مشاہدۃً باطل ہے کیونکہ باوجود اس مسئلہ کے مشہور ہونے کے ہر زمانہ میں ہزاروں کفار برابر اسلام قبول کرتے رہے اور جن کو بعد میں معلوم ہوتا ہے وہ بھی سب مرتد نہیں ہوتے اور شق ثانی پر اس مسئلہ کی کیا تخصیص ہے بعض کفار کے لئے تو دوسرے ایسے مسائل مانع عن الاسلام ہو رہے ہیں

جو قطعی الثبوت قطعی الدلالت نصوص سے ثابت ہیں مثلاً جہاد۔ واسترقاق۔ وتعدد نکاح ومشروعیت طلاق وذبح حیوانات وغیرہا من الاحکام التی لاتتناہی تو کیا سائل صاحب ان سب مسائل کے ابطال کا التزام کر سکتے ہیں بلکہ خود اس مسئلہ کا مقابل مساواۃ مطلقہ بعض کفار کے لئے مانع عن الاسلام ہوسکتا ہے مثلاً کسی ہندو رئیس معزز راجپوت کو یہ معلوم ہو جاوے کہ میں مسلمان ہو کر شرافت میں ایک نومسلم بھنگی یا چمار کی برابر سمجھا جاؤں گا اور اگر وہ میری لڑکی کے لئے پیام دے تو خاندانی تفاضل یعنی عدم کفائت کا عذر کرنا میرے لئے موجب معصیت وموجب عقوبت آخرت ہوگا تو کیا ممکن نہیں کہ یہ معلوم کر کے وہ اسلام سے رک جاوے تو یہ محذور دونوں جانب برابر رہا پھر اس مانعیت کے کیا معنی۔

بہر حال یہ سوالات اس عنوان سے اتنے دعووں کو مستلزم ہیں اگر اب بھی اس عنوان کو باقی رکھا جاتا ہے تو ان دعووں کو ثابت کیا جاوے ورنہ عنوان بدلا جاوے جس میں غیر مسلم مقدمہ کا دعویٰ نہ ہو۔ فقط

۱۷ رجمادی الثانی ۱۳۵۱ھ (النور صفر ص: ۷ ۱۳۵۲ھ)

## حصول کفاءت در مال باقدرت الخ

سوال (۴۴۶) بہشتی زیور حصہ چہارم صفحہ ۱۷ سطر ۱ میں لکھا ہے کہ جو مہر معجّل دے سکے وہ بڑے بڑے دولت مند کا کفو ہے کیا صرف مہر معجّل پر قدرت کافی ہے یا اس کے ساتھ نان ونفقہ کی قدرت بھی ضرور ہے کتب درسیہ میں نفقہ کی قدرت کو بھی شرط لکھا ہے۔

الجواب۔ مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ کل مہر پر قدرت شرط نہیں پس مقصود نفی کرنا ہے اشتراط قدرت مہر مؤجل کی نہ کہ نفقہ کی اس لئے تعارض نہیں البتہ اگر صحت نامہ میں بعد لفظ مہر معجّل کے لفظ (اور نفقہ) بڑھا دیا جائے تو زیادہ توضیح ہو جائے۔ ۷ رجمادی الاولی ۱۳۲۲ھ

## نکاح ولی با غیر کفو بوقت عدم تلبیس وغیرہ

سوال (۴۴۷) زید نے اپنی لڑکی مسماۃ فاطمہ بی بی کا نکاح عمرو کے ساتھ کیا اور لڑکی کو دستور کے موافق رخصت بھی کر دیا پھر برسم چوتھی دوسرے دن لڑکی اپنے باپ کے گھر رخصت ہو کر آئی بعض لوگوں نے اس بات کی شہرت دی کہ عمرو رنڈی کے پیٹ سے اور حرامی ہے اور بے عقد ہے یعنی عمرو کی ماں کا عقد نہیں ہوا اور حقیقت میں بعد تحقیق کے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور لڑکا عمرو کہتا ہے کہ میں تو یہی جانتا ہوں کہ قاضی صاحب میرے باپ ہیں اور لوگوں کی تحقیق ہے کہ اس لڑکے کو سہ سالہ لیکر قاضی صاحب کے گھر عمرو کو لے کر آئی تھیں اب یہ نہیں معلوم کہ عمرو کی والدہ کا عقد کسی کے ساتھ ہوا یا نہیں اب لڑکی والے جھگڑا کرتے ہیں اور لڑکی کو رخصت نہیں کرتے ہیں اس میں دو فرقے ہو گئے ہیں ایک فرقہ کہتا

ہے کہ رخصت ہوجانا چاہئے کیونکہ نکاح ہوگیا اور لڑکی ایک دورات خاوند کے پاس رہ چکی جوداغ ودھبہ لگنا تھا لگ گیا اور بدنامی جو کچھ ہونا تھی ہوگئی یہ نہیں مٹ سکتی پھر نکاح ثانی ہونا غیر ممکن ہے اور مشکل ہے۔

اور دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ لڑکی رخصت نہ ہونا چاہئے کیونکہ عقد ہی نہیں ہوا لہٰذا فیصلہ کن جواب موافق شرع شریف ہونا چاہئے لڑکے کی عمر اندازاً ۲۵۔۳۰ سال کے درمیان ہے اور لڑکی کی عمر ۱۶۔۱۷ سال کے درمیان ہے اب کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ نکاح ہوا یا نہیں اگر نہیں ہوا تب کیا کرنا چاہئے اور اگر ہوگیا تب از روئے شرع شریف کے کیا کرنا چاہئے آیا فارغ خطی لینا چاہئے یا نہیں کیا حکم ہے اور لڑکی وقت عقد اور وقت رخصت وزفاف کے قبل بالغ تھی کچھ شک نہیں اس کی ماں بہن کی زبانی معلوم ہوا۔

الجواب۔فی الدرالمختار ولو زوجوها برضاها ولم يعلموا بعدم الكفائة ثم علموا لاخيار لاحد الااذا شرطوا الكفائة اواخبرهم بها وقت العقد فزوجوها علٰى ذلك ثم ظهرانه غير كفو كان لهم الخيار ولوالجية فليحفظ وانظرمافي ردالمحتار علٰى قوله لاخيار لاحد وعلٰى قوله كان لهم الخيار تجد فيه نفائس ص:۵۲۱ ج:۲۔

روایت ہذا سے ثابت ہوا کہ صورت مسئولہ میں یہ نکاح صحیح ولازم ہوگیا جب تک کہ شوہر طلاق نہ دے نہ کوئی فسخ کرسکتا ہے اور نہ عورت کا نکاح ثانی ہوسکتا ہے۔ ۱۸ر شعبان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص:۶۴)

سوال (۴۴۸) زید صدیقی شیخ ہے اس نے ایک شخص کے بیان پر اپنی لڑکی نابالغہ کا نکاح عمرو ایسے شخص سے کردیا جو رنڈی زادہ ہے اور اس نے اب اپنے پیشہ سے توبہ کرلی ہے اور اپنی بہنوں کا نکاح کردیا ہے دریافت کے بعد نکاح ہوجانے پر یہ حالات معلوم ہوئے جس شخص نے شریف بیان کیا تھا وہ بھی اقرار کرتا ہے کہ واقعی ہم سے غلطی ہوئی اور غلط بیان کیا گیا علاوہ بریں نسلاً عمرو عجمی بھی ہے بینوا بسند الكتاب توجروا يوم الحساب۔

الجواب۔سوال میں یہ تصریح نہیں کہ اس شخص کی ماں جو رنڈی تھی اس نے کسی سے نکاح کرلیا تھا جس سے یہ شخص پیدا ہوا یا بے نکاح ہوا ہے اور اگر نکاح بھی ہوا تو وہ شخص کیسا تھا اس کا کیا کسب تھا دوسرے یہ تصریح نہیں کہ نکاح کی گفتگو میں آیا اس شخص نے اپنے نسب کے باب میں کچھ غلط بیان کیا تھا یا یہ کہ سکوت کیا تھا بہر حال اگر اس شخص یعنی رنڈی زادہ نے کوئی بیان غلط نہیں کیا صرف سکوت کیا تھا اور اولیاء منکوحہ کو ناواقفی سے دھوکہ ہوا ہے جیسا ظاہر سوال کی عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے تو اس صورت میں وہ نکاح صحیح ولازم ہوگیا اب فسخ نہیں ہوسکتا البتہ اگر شوہر طلاق دیدے اور بات ہے۔

فی العالمگیریة وان كان الاولياء هم الذين باشرواعقد النكاح برضاها ولم

یعلموا انہ کفوا وغیر کفو فلا خیار لواحد منهما واما اذا شرط الکفائة او اخبر لهم بالکفائة ثم ظهر انه غیر کفو کان لهم الخیار ۔ جلد ۲ ص ۷ واللہ اعلم سلخ ربیع الثانی ۱۳۲۱ھ (امداد ج ۲ ص ۴۶)

## والدہ کا دختر نابالغہ کا نکاح غیر کفو میں کردینے کا حکم

سوال (۴۴۹) ایک لڑکی نابالغہ جس کی عمر دس سال کی تھی لڑکی کی والدہ بیوہ نے غیر کفو میں ایک لڑکے نابالغ سے اس کے باپ کی استدعا سے نکاح کردیا تھا اور اس لڑکے نابالغ کی والدہ انتقال کرچکی تھی لہٰذا لڑکی کے خسر نے بدنیتی سے خواہش زنا لڑکی سے یعنی اپنی بہو سے کرنا چاہی جب لڑکی سے اس کی خواہش بدظاہر ہوئی تو متنفر ہوئی تو گھر میں ہر وقت تکرار فساد اور مار پیٹ شروع ہوگئی اور لڑکی کے سر میں زخم زیادہ ہوگیا تب ہمسایوں نے لڑکی کے مائکہ میں جو وہاں سے ایک منزل کے بعد سے ہے خبر پہونچائی اور یہ خبر پاکر لڑکی کی والدہ جاکر لے آئی اب لڑکی کہتی ہے کہ میں وہاں ہرگز نہ جاؤں گی دوسری جگہ کسی شریف سے نکاح کردیا جاوے اور اب اس وقت لڑکی کی عمر تیرہ سال کی ہے اور بالغ ابھی تک نہیں ہے لہٰذا گزارش ہے کہ اس مقدمہ میں بموجب حکم شرع شریف نفاذ حکم فرمایا جاوے کہ کیا جاوے۔ فقط

الجواب۔ فی الدر المختار نکاح الصغیر وان کان المزوج غیرهما ای غیر الاب وابیه الی قوله لایصح النکاح من غیر کفو او بغبن فاحش اصلا جلد ۲ ص ۵۰۰۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ نکاح جو ماں نے اس لڑکی کا غیر کفو میں کردیا تھا وہ منعقد ہی نہیں ہوا لہٰذا اس کا نکاح دوسری جگہ جائز ہے۔ ۸؍ ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۸۷)

## کفاءت میں حرفت اور چال وچلن کا معتبر ہونا

سوال (۴۵۰) مسلمانوں میں جو تفریق ذاتوں کی ہے مثلاً :۔ شیخ۔ سید۔ مغل۔ پٹھان۔ جولاہہ تیلی۔ گوجر۔ جاٹ وغیرہ معاملہ اخروی میں اگرچہ کچھ تفریق معتبر نہیں عمل کی ضرورت ہے مگر امور دنیوی میں مثلاً نکاح وغیرہ یہ سب ایک سمجھے جاویں گے یا کچھ تفاخر کو اس میں دخل ہے زید کہتا ہے کہ شیخ سید کے سوا سب ایک ذات ہے کچھ تمیز نہ کرنی چاہئے عمرو کہتا ہے کہ علاوہ شیخ سید دیگر اقوام جو شریف ہیں مثلاً پٹھان مغل وہ ہم پلہ ہرگز ذلیل قوم مثل جولاہہ تیلی کے نہیں ہیں نکاح وغیرہ میں سب کا معاملہ ایک سا نہ ہونا چاہئے اور کفو غیر کفو ہونا علاوہ شیخ سید دوسری قوموں میں باعتبار پیشہ اور چال چلن دنائت وغیرہ کے دیکھا جاوے گا اور ایسا تفاخر اور چھوٹی قوم سے نکاح وغیرہ میں عار کرنا شرعاً جائز ہے اب علمائے شرع

سے سوال ہے کہ ان دونوں میں کون حق پر ہے اور نسب اور حسب میں کیا فرق ہے جیسا فخر نسب پر ہوسکتا ہے کیا شرعاً حسب پر بھی جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ اخرج الدارقطني ثم البيهقي في سننهما عن جابر بن عبدالله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاتنكحوا النساء الا من الاكفاء الحديث كذا في تخريج الزيلعي فى فتح القدير لكنه حجة بالنظائر والشواهد ثم قال بعد ذكر الشواهد فوجب ارتفاعه الى الحجة بالحسن لحصول الظن بصحة المعنى وثبوته عنه صلى الله عليه وسلم اهـ وفي فتح القدير عن الدارقطني عن ابن عمرؓ مرفوعاً الناس اكفاء قبيلة بقبيلة وعربي بعربي ومولى بمولى الاحائكاً او حجاما وفيه وبعض طرقه كحديث بقيته (هوالذى روى انفاً) ليس من الضعف بذلك فقد كان شعبة معظما لبقيه وناهيك باحتياط شعبة وايضًا تعدد طرق الحديث الضعيف يرفعه الى الحسن اهـ في الدرالمختار وحرفة الخ في ردالمحتار ذكر الكرخي ان الكفاءة فيها معتبرة عند ابى يوسفؒ وان ابا حنيفةؒ بنى الامر فيها على عادة العرب ان مواليهم يعملون هذه الاعمال لايقصدون بها الحرف فلا يعيرون بها واجاب ابويوسفؒ على عادة اهل البلاد وانهم يتخذون ذلك حرفة فيعيرون بالدنى منها فلايكون بينهما خلاف فى الحقيقة بدائع فعلى هذه لوكان من العرب من اهل البلاد من يحترف بنفسه تعتبر فيهم الكفاءة فيها وحينئذٍ فتكون معتبرة بين العرب والعجم ج۲ ص ۵۲۶ و ۵۲۷ و فى ردالمحتار بعد الكلام فى التكافؤ حرفة عن الفتح ان الموجب هو استنقاص اهل العرف فيدورمعه ج۲ ص ۵۲۷ وفى ردالمحتار ان المعتبر فى كل موضع مااقتضاه الدليل من البناء على احكام الآخرة وعدم الى قوله قلت ولعل ماتقدم عن المحيط من ان تابع الظالم اخس من الكل كان فى زمنهم الذى الغالب فيه التفاخر بالدين والتقوىٰ دون زماننا الغالب فيه التفاخر بالدنيا فافهم ج۲ ص ۵۲۸۔

ان روایات حدیثیہ وفقہیہ سے ثابت ہوا کہ قول عمرو کا صحیح ہے اور یہ کہ مبنیٰ اس کا عرف پر ہے جس کا حدیث میں بھی اعتبار کیا گیا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ باہم عجم میں جو نسباً کفائت معتبر نہ ہونا فقہاء نے لکھا ہے یہ بھی مقید ہے اس کے ساتھ کہ جب عرف میں اس تفاوت کا اعتبار نہ ہو ورنہ ان میں بھی باعتبار نسب وقومیت کے معتبر ہوگا۔ كما مر من الاستثناء فى الحديث من مولى بمولى (اى عجمى بعجمى) بقوله الاحائكاً او حجاماً ومر من قول الفتح ان الموجب هو استنقاص اهل العرف الخ چنانچہ خود عرب میں باہم باوجود تشارک فی شرف النسب کے ان ہی عوارض عرفیہ کے سبب

بنو باہلہ کو تکافوء سے مستثنیٰ کیا گیا ہے کما فی الهداية والعرب بعضهم اكفاء لبعض الى قوله وبنو اباهله ليسوا باكفاء لعامة العرب لانهم معروفون بالحساسة۔ اور اسی عوارض عرفیہ کے مدار ہونے سے صاحب فتح نے اس اطلاق استثناء میں نظر کی حیث قال وقد اطلق وليس كل باهلى كذلك بل فيهم الاجود وكون فصيلة منهم اوبطن صعاليك فعلوا ذلك (اى اخذ عظام الميتة وطبخها واخذ رسوماتها) لايسرى فى الكل اور اسی اعتبار عرف کی بناء پر اس قول متون والعرب اكفاء فلايكافيهم غيرهم کے اطلاق کو اہل فتاویٰ نے مقید کیا چنانچہ ردالمحتار میں ہے ولكن قيده المشائخ الى قوله وكيف يصح لاحد ان يقول ان مثل ابى حنيفة اوالحسن البصرى وغيرهما من ليس بعربى انه لايكون كفوا لبنت قرشى جاهل اولبنت عربى بوال على عقبيه ج ۲ ص ۵۳۰۔ اور نسب نسبت الی الآباء ہے اور حسب لغۃً عام ہے کما فی القاموس لیکن عرفاً خاص ہے شرف نسب کے ساتھ خواہ دنیوی ہو یا دینی اور کفائت میں یہ بھی معتبر ہے مثل نسب کے چنانچہ فقہاء کا دیانۃً ومالاً وحرفۃً کہنا اس کی تصریح دلیل ہے اور مدار اس کا بھی عرف ہی پر ہے کما يظهر من التصريحات الفقهية۔ واللہ اعلم ۲۵ رمضان ۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۸۰)

## اشتراط قضاء قاضی در فسخ نکاح بغیر کفو

سوال (۴۵۱) اگر لڑکی نابالغہ کا نکاح فی الحقیقت اس کے کفو میں ہوا لیکن اس کے اولیاء شرعی اپنے خیال میں اپنا کفو نہیں سمجھتے ہیں اور اس وجہ سے ایسے نکاح پر نارضامندی ظاہر کرتے ہیں تو یہ نکاح برخلاف رضامندی ان کے جائز ہوا یا نہیں۔

الجواب۔[1] فى الدرالمختار وله اى للولى اذاكان عصبة الاعتراض فى غير الكفو فيفسخه القاضى فى ردالمحتار فلا تثبت هذه الفرقة الابالقضاء لانه مجتهد فيه۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ نکاح تو جائز ہو گیا البتہ اگر ولی اس کو غیر کفو سمجھتا ہے تو قاضی یعنی حاکم مسلم کے اجلاس میں رجوع کرے اس کی تحقیق میں اگر وہ غیر کفو ہوگا اور وہ فسخ کردے گا تو فسخ ہو جاوے گا ورنہ بدون حکم حاکم مسلم کے فسخ نہ ہوگا۔ فقط ۱۱ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد ج:۲ ص:۳۵)

## اعتبار کفاءت در بعض اقوام عجم وعدم اعتبار نسب مادر در کفاءت

سوال (۴۵۲) ہندوستان میں جو اقوام پٹھان راجپوت وغیرہ ہیں ان کے یہاں سخت عار ہے کہ ایک قوم دوسرے کے یہاں نکاح کرے مثلاً قوم افغان اگر تیلی کتنا ہی امیر ہو کبھی نکاح نہیں کرتا ہے

(۱) رفع اختلاف کیلئے قضاء کی ضرورت ہے ورنہ مفتی بہ قول پر غیر کفو میں بدون رضائے ولی نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا ۱۲ رشید احمد عفی عنہ۔

اگر ایسا واقعہ کہیں ہوجاتا ہے تو اسے خاندان سے گرا ہوا سمجھتے ہیں ہاں شہروں میں جہاں آبادی پنج میل سے مثل دہلی وغیرہ کے وہاں کے لوگ جتھ اور برادری کا کچھ خیال نہیں کرتے ہیں اور فقہ کی کتب میں لکھا ہے کہ نسب کا اعتبار سوائے عرب کے اور قوم میں نہیں ہے کیونکہ عجمی ضائع النسب ہیں اب سوال یہ ہے کہ جو قوم عجمی ہیں اپنے نسب پر فخر بمقابلہ دوسری قوم کرتے ہیں اور دوسرے کو اپنا برابر نہیں سمجھتے ہیں بموجب رواج اور عرف ان میں کفاءۃ کا مسئلہ جاری ہوگا اور جو شخص ماں باپ کی جانب سے اشرف ہو اور ایک شخص باپ تو اس کا اچھا ہے اور ماں ادنیٰ خاندان کی ہو اگر چہ نسب میں باعتبار باپ کے وہ اچھا شمار ہوگا مگر نجیب الطرفین کا غیر کفو شمار ہوگا یا نہیں۔

الجواب۔في الدرالمختار باب الكفاءة واما في العجم فتعتبر حرية واسلاما الخ وفي ردالمحتار افادان الإسلام لايكون معتبرا في حق العرب لانهم لايتفاخرون به وانما يتفاخرون بالنسب الخ وفي ردالمحتار ويوخذ من هذا ان من كانت امها علوية مثلاً وابوها عجمي يكون العجمي كفوا لها وان كان لها شرف ما لان النسب للأباء ولهذا جاز دفع الزكوة اليها فلا يعتبر التفاوت بينهما من جهة شرف الام ولم ارمن صرح بهذا والله اعلم ج۲ ص۵۲۳ وفي ردالمحتار عن الفتح تحت قول الدرالمختار فمثل حائك الخ مانصه ان الموجب هوا ستنقاص اهل العرف فيد ورمعه وعلٰى هذا ينبغي ان يكون الحائك كفوا للعطار بالاسكندرية لما هناك من حسن اعتبارها وعدم عدها نقصاً البتة الخ ج۲ ص۵۲۷ وفي ردالمحتار تحت قول الدرالمختار واما اتباع الظلمة فاخس من الكل مانصه لاشك ان المرأة لا تتعيربه في العرف الٰى قوله لان المدار ههنا علٰى النقص والرفعة في الدنيا ج۲ ص۵۲۸۔

پس جب مدار عار وعدم عار پر ہے اور اقوام مذکور میں ایک کو دوسرے سے تعلق عقد کرتے ہوئے عار ہے پس مسئلہ کفائت کا جاری ہوگا اور روایت ثالثہ سے معلوم ہوا کہ ماں کا فی نفسہ اعتبار نہیں اور نیز ہمارے عرف میں ایسا زیادہ اعتبار نہیں کیا جاتا چنانچہ مشاہد ہے۔ واللہ اعلم۔ ۵ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ج ۲ ص ۳۰)

## کفاءت درمیان قریش وانصار

سوال (۴۵۳) بہشتی زیور حصہ چہارم میں ص ۱۵ میں انصاری کو کفو شیخ وسید وعلوی لکھا ہے فقہاء نے قریش کے بعض قبائل کو آپس میں ایک دوسرے کے لئے کفو لکھا ہے اور قریش کے علاوہ دیگر قبائل کو آپس میں شیخ، سید، علوی، قریشی ہیں کیا انصاری بھی قبیلہ قریش سے تھے اگر قریش ہیں تو خیر ورنہ مشکل ہے۔

الجواب۔ انصار قریش میں سے تو نہیں ہیں چنانچہ عالمگیری کی عبارت سے بھی تائید ہوتی ہے۔

غیر القرشی من العرب لایکون کفوا للقریشی والعرب بعضهم اکفاء لبعض الانصاری والمهاجری فیه سواء کذا فی فتاویٰ قاضی خان لیکن باوجود قریشی نہ ہونے کے چونکہ عالمگیری میں قول صحیح اسی کو کہا ہے کہ عرب سب باہم کفو ہیں اس لئے قریشی وانصاری کفو سمجھے جائیں گے عبارتہ کذا والصحیح ان العرب کلهم اکفاء کذا ذکر ابو اللیث فی مبسوطه کذا فی الکافی اس کے تھوڑی دور آگے یہ جزئیہ ہے قالوا الحسیب کفو للنسیب اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اعتبار کفاءۃ کا دفع عار کے لئے ہے اور مدار عار کا عرف پر ہے اور عرفاً انصاری برابر قریشی کے سمجھا جاتا ہے اور متقدمین کے زمانہ میں مساواۃ نہ ہوگی اس لئے اختلاف زماں سے یہ حکم بدل گیا بہرحال مسئلہ بہشتی زیور کا صحیح ہے۔ ۷ رجمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۲ ص ۱۹)

## حقیقی باپ کے ہوتے ہوئے سوتیلے باپ کی طرف سے نابالغہ کا نکاح کرنے کا حکم

سوال (۴۵۴) حقیقی باپ کے ہوتے ہوئے سوتیلے باپ نے ہندہ نابالغہ کا نکاح زید کے ساتھ کردیا اور جس وقت کہ ہندہ بالغہ ہوئی اسی مجلس میں چند آدمیوں کے سامنے ہندہ نے کہا کہ میں اپنے نکاح کو جو زید کے ساتھ بولایت میرے سوتیلے باپ کے ہوا تھا فسخ کرتی ہوں بعد اس کے شہر بمبئی میں قاضی محمد علی صاحب مدظلہ کے پاس عرضی داخل کی کہ میں نے ایسا ایسا کیا ہے قاضی صاحب نے بعد ثبوت دعویٰ ہندہ کے یہ فیصلہ تحریر فرمایا کہ ہندہ کے فسخ کو ہم نے بھی قائم رکھا آیا قاضی صاحب کا اس طور سے فیصلہ کرنا موافق شرع شریف کے ہے یا نہیں۔

الجواب۔ وہ نکاح موقوف تھا جب حقیقی باپ نے بھی اجازت نہ دی اور اس منکوحہ نے بعد بلوغ رد کردیا تو وہ نکاح باطل ہوگیا قاضی صاحب کا فیصلہ شرع کے موافق ہے البتہ اگر کسی وقت حقیقی باپ نے زبان سے اس نکاح کو جائز رکھا ہو تو اس کی کیفیت ظاہر کر کے مکرر سوال کیا جاوے۔

۷ رشعبان ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۷۸)

## شرائط خیار فسخ نکاح الخ

سوال (۴۵۵) میرا عقد مسماۃ سمی بانو دختر لاڈلی جان طوائف عمر تخمیناً ۱۷ یا ۱۸ سال کی بموجودگی والدہ وماموں وغیرہ خود مسماۃ مذکور کے بالعوض مبلغ پینتیس روپیہ دس آنے مہر کے ہوا اور بروقت ہونے خلوت صحیحہ کے پیشتر ہی مہر ادا کردیا گیا اور ان کے خاندان کا علم مجھ کو اب معلوم ہوا ہے خیر اب مسماۃ مذکورہ میرے مکان پر نہیں آئی ہے صرف تین ماہ میرے ساتھ رہی اور حمل بھی قرار پایا چونکہ مسماۃ خاندان طوائف سے ہے اس لئے اس کے باپ کا کوئی ٹھیک نہیں ہے اس کی والدہ کل بات کی مالک ہوتی ہے اب مسماۃ مذکورہ نے میرے نام نوٹس دیا ہے کہ اب آج میں بالغہ ہوئی اور میری والدہ

کی ولایت میں میرا عقد ہوگیا لہٰذا میں نے اپنا عقد فسخ کیا اور اب آج سے نہ آپ میرے شوہر رہے اور نہ میں آپ کی زوجہ رہی مگر بوجہ ہونے خلوت صحیحہ کے آپ پر میرا مہر واجب الاداء ہوگیا لہٰذا حضور انور جملہ عبارت کو خوب غور سے ملاحظہ فرما کر فتویٰ دیجئے کہ علمائے کرام وشرع اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں اب ایسی حالت میں عقد فسخ ہوسکتا ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدرالمختار والجارية بالاحتلام والحيض والحبل فان لم يوجد فيهما شيئى فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى فى ردالمحتار به يفتىٰ هذا عندهما وهو رواية عن الإمام وبه قالت الائمة الثلثة وعند الامام حتىٰ يتم له ثمانى عشرة سنة ولها سبع عشرة سنة ج۵ ص ۱۴۸۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ منکوحہ یعنی مسماۃ سمی بانو وقت نکاح کے بالغہ تھی اگر پورے سترہ برس کی تھی تب تو بالاتفاق اور اگر سترہ سے کچھ کم تھی تو بقول مفتیٰ بہ کہ پندرہ سال میں بلوغ کا حکم کردیا جاتا ہے اور بالغہ کا نکاح جب اس کا ولی کردے اور وہ بالغہ سن کر خاموش رہے تو وہ نکاح لازم ہوجاتا ہے اور جب غیر ولی کرے تو جب وہ صحبت کرنے دے تو اس وقت وہ نکاح لازم ہوجاتا ہے۔

فى الدرالمختار ولا تجبر البالغة البكر علىٰ النكاح فان استاذنها هو او وكيله او رسوله اوزوجها فسكتت فهو اذن وكذا اذا زوجها الولى عندها اى بحضرتها فسكتت صح فى الاصح فان استاذنها غير الاقرب فلا بل لابد من القول كالثيب البالغة اوما هو فى معناه كطلب مهرها ونفقتها وتمكينها من الوطى ودخوله بها برضاها فى ردالمحتار عن البحرعن الظهيرية ولو خلابها برضاها يكون اجازة لا رواية بهذه المسئلة وعندى انها اجازة اهـ وفى البزازية الظاهرانه اجازة ج۲ ص ۴۹۴۔

سو اگر ماں کے سوا اس کا کوئی ولی نہ تھا تب تو نکاح کرتے ہی اگر وہ منکوحہ بالغہ ساکت رہی یہ نکاح لازم ہوگیا اور اگر بالفرض ماں سے زیادہ اور کوئی ولی تھا اور وہ نکاح میں شریک یا راضی نہ تھا تب بھی اگر وہ منکوحہ ساکت رہی پھر صحبت کے وقت انکار اور مخالفت اور مزاحمت نہ کی تو وہ نکاح اب لازم ہوگیا غرض بالغہ وقت النکاح کو خیار فسخ شرعاً حاصل نہیں اور اگر فرضاً یہ نابالغہ بھی ہوتی تب خیار فسخ کے لئے صرف منکوحہ کا یہ کہہ دینا کہ میں نے فسخ کردیا کافی نہیں بلکہ قضاء قاضی یعنی حاکم مسلم کا حکم اس کے لئے شرط ہے جس کا ہمارے دیار میں کوئی انتظام نہیں ہے۔

فى الدرالمختار وشرط للكل القضاء الا ثمانيةً فى ردالمحتار تحت قوله الاثمانية وخيار البلوغ مبنى علىٰ قصور الشفقة وهو امر باطنى والإباء ربما يوجد وربما لايوجد (اى بهذا السبب يشترط له القضاء) كذافى البحر ج۲ ص ۵۰۴

ص ۵۰۵ اور واقعہ مسئول عنہا میں تو منکوحہ بالغ ہی ہے خیار فسخ کا احتمال ہی نہیں۔ ۲۲ رشوال ۱۳۳۰ھ

# مسائل منثورہ متعلقہ بالنکاح

## تنبیہ ضروری

مسئلہ مفقود کے متعلق امداد الفتاویٰ میں درج شدہ فتاویٰ ۱۳۰۰ھ سے ۱۳۴۶ھ تک مختلف اوقات میں لکھے گئے ہیں ۱۳۴۶ھ میں اتفاقاً ایسے واقعات کی کثرت ہوئی جن میں عورتوں کے تنگ آکر مرتد ہوجانے کے واقعات پیش آنے لگے تو حضرت سیدی حکیم الامت نے ان مسائل میں سہولت ورخصت کے پہلو شرعی وفقہی اصول کے ماتحت تلاش کرنے کے لئے مذاہب اربعہ کے علماء سے خط وکتابت کی اور پانچسالہ غور وبحث کے بعد ایک مستقل کتاب ''الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ'' کے نام سے تصنیف فرما کر شائع کرائی جس میں سب سے پہلے مسئلہ مفقود ہی پر بحث ہے اور اس مسئلہ کے متعلق حضرتؒ کا آخری فیصلہ وہی ہے جو اس کتاب میں درج ہے اس کو ضرور دیکھ لیا جائے۔ فتاویٰ میں اس کے خلاف کوئی بات نظر آئے تو اس کو مرجوع عنہ سمجھا جائے۔

سوال (۴۵۶) مسمی زید حنفی المذہب زوجہ خود را بوطن گزاشتہ بسفر رفت عرصہ بست سال گزشت کہ مفقود الخبر ست زوجہ از نان وپارچہ وغیرہ تنگ وعاجز آمدہ نکاح از دیگرے میخواہد پس ایں امر شرعاً جائز ونافذمی تواند شد یا چہ وبعد[1] آمدن شوہر او چہ صورت خواہد شد۔

الجواب۔ دریں مسئلہ مذہب امام اعظمؒ آں ست کہ تا عمر نود سال انتظار زوج کردہ شود پیش ازیں نکاح بمردے جائز نیست ومذہب امام مالکؒ وامام شافعیؒ آں ست کہ بعد چہار سال از گم شدنش عدت وفات یعنی چہار ماہ ودہ روز تمام کردہ اگر بمردے دیگر نکاح کند جائز ست لیکن اگر ضرورت شدید وخوف فتنہ باشد عمل بمذہب امام مالک وشافعی رحمہما اللہ جائز ست بایں طور کہ از کدامی عالم شافعی المذہب یا مالکی المذہب فتویٰ[2] گرفتہ نکاح کند باز زوج اول را ہیچ دعوی نہ رسد خلافاً لمالك فان عنده تعتدزوجة المفقودعدة الوفاة بعد مضی اربع سنين وهومذهب الشافعی القديم (وقال بعد سطور) وقد قال فی البزازية الفتویٰ فی زماننا علیٰ قول مالك وقال الزاهدی كان بعض اصحابنا يفتون به للضرورة واعترضه فی النهر وغيره بانه لاداعی الی الافتاء بمذهب الغير لامكان الترافع الی مالكی يحكم بمذهبه وعلیٰ ذلك مشی ابن وهبان فی منظومة هناك شامی جلد ثالث ص ۳۳۰ واللہ اعلم۔

۲۳ رجمادی الثانی ۱۳۰۰ھ (امداد ج: ۲ ص: ۳)

---

(۱) وقت تحریر جواب ذہن ازیں جزو سوال ذہول نمود وجوابش آنست کہ ایں نکاح ثانی باطل گفتہ خواہد شد وزن بسوئے زوج اول واپس خواہد گشت ۱۲ منہ۔

(۲) مگر شرط آنست کہ قضاء قاضی مسلم نیز بایں فتویٰ منضم شود فتویٰ محض کافی نیست ۱۲ منہ

سوال (۴۵۷) ایک شخص پانچ برس یا اس سے زیادہ دس بارہ برس مفقود الخبر ہے اور دوسرا شخص حیات میں ہے معروف الخبر ہے یعنی معلوم ہوا ہے کہ زندہ ہے مگر اپنے ملک سے تھوڑے فاصلہ پر ہے اور ہمیشہ خبر خیریت آتی ہے اور اس کی عورت جوان ہے اور خواہش مرد کی اس کو ہے اور نان ونفقہ سے محتاج اور اندیشہ اس کا ہے کہ زنا میں مبتلاء ہوجاوے اور مرد یعنی شوہر اس عورت کا جو معروف الخبر ہے اور نان ونفقہ کی خبر بوجہ دوسری عورت جو کہ پردیس میں جاکر اپنے نکاح میں لایا ہے نہیں لیتا ہے اور اس عورت سابقہ کے ساتھ دو بچے یعنی لڑکی اور ایک لڑکا بھی ہیں تو ایسی صورت میں اس کے واسطے کیا حکم ہے اور وہ عورت ایسے موقع پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسئلہ پر عمل کرلے جو مروی ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو کہ فرمایا حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مروی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بلکہ یہ بھی مرقوم ہے کہ رجوع کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طرف قول حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور مذہب اکثر صحابہؓ کا بھی یہی ہے جیسا کہ نورالہدایہ ترجمہ شرح وقایہ کتاب المفقود میں ہے مفصل بعبارت کتب تحریر فرمائیے مجھ سے یہ سوال ایک جماعت نے آکر کیا اور کہا کہ اس کا فیصلہ موافق شرع شریف کے کردیجئے میں نے اس کے جواب میں یہ عبارت جو کہ کتاب مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ لکھنوی میں ہے اس سے اخذ کرکے لکھا ہے اور آپ کی خدمت شریف میں ارسال کیا کہ آپ خود اور دوسرے علماء سے اس کی تصحیح کرکے از راہ بزرگانہ اس طرف کو ارسال فرمائیں اور اس کا اجر خداوند کریم سے لیں وہو ہذا۔

الجواب۔ (۱) اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وتابعین مختلف ہیں حضرت عمرؓ و یک جمغفیر صحابہؓ اس طرف گئے ہیں کہ زوجہ مفقود کی چار برس انتظار کرے بعد از اں نکاح کرے اور بعضوں نے اس پر اجماع صحابہ نقل کیا امام مالک مؤطا میں روایت کرتے ہیں۔ ان عمر بن الخطاب قال ایماامرأة فقدت زوجها فلم تدراین هوفانها تنتظر اربع سنین ثم تعتد اربعة اشهر وعشر ثم تحل للازواج اور محمد بن عبدالباقی زرقانی شرح مؤطا میں لکھتے ہیں روی نحوه عن عثمان وعلی قيل واجمع الصحابة عليه ولم يعلم لهم مخالف فی عصرهم وعليه جماعة من التابعين انتهی اور بعض صحابہ مثل ابن مسعودؓ وعلیؓ بناء برایک روایت کے اس طرف گئے ہیں کہ زوجہ مفقود الخبر شوہر کا تادم ظہور موت شوہر کا انتظار کرے اور یہ ہی مذہب شعبی ونخعی کا ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔ الحاصل ان المسئلة مختلفة فی مابين الصحابةؓ فذهب عمرؓ الی ماتقدم و ذهب علیؓ الی انها امرأة له حتی ياتيها البيان وروی عبدالرزاق عن ابن جريج قال بلغنا ان ابن مسعودؓ وافق علياًؓ ان امرأة المفقود تنتظر ابداو اخرج ابن ابی

(۱) یہ جواب خود سائل نے مولانا عبدالحی صاحب کے فتاویٰ سے اخذ کرکے لکھا ہے اور احقر کا جواب اس کے بعد آئے گا ۱۲ منہ

شيبة عن ابی قلابة و جابر بن سعيد و الشعبی و النخعی لكنهم قالواليس لها ان يتزوج حتٰی يستبين موته انتهٰی۔

اور ایک حدیث مرفوع آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات میں موافق رائے علی مرتضیٰ کے وارد ہے لیکن اس کی سند میں ضعف ہے چنانچہ زیلعی تخریج احادیث ہدایہ میں لکھتے ہیں۔

اخرج الدارقطنی فی سننه عن سور ابن مصعب حدثنا محمدبن شرجيل عن المغيرة بن شعبة قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم امرأة المفقود امرأة له حتٰی ياتيها البيان ووجدته فی نسخةٍ مصری حتٰی ياتيها الخبر وهو حديث ضعيف قال بن ابی حاتم فی كتاب العلل سألت ابی عن حديث رواه سوربن مصعب عن محمد عن المغيرة فی امرأة المفقود فقال ابی هذا حديث منكر محمد متروك الحديث ويروی عن المغيرة مناكيرا باطيل وذكره عبدالحق فی احكامه من جهة الدارقطنی وعليه محمد بن شرجيل وقال انه متروك وقال ابن القطان فی كتاب سور ابن مصعب شهر فی الميركين انتهٰی۔

اور اسی طرح بدرالدین عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں تحریر کیا ہے اب جاننا چاہئے چونکہ حدیث اس مسئلہ میں بطریق ضعیف وارد ہے اور صحابہ خود مختلف ہیں لہٰذا ائمہ مجتہدین فی ما بینہم اس مسئلہ میں مختلف ہوگئے ہیں ائمہ حنفیہ نے رائے حضرت علیؓ کو بضم حدیث مرفوع مرجح کیا اور ائمہ مالکیہ نے رائے حضرت عمرؓ وحضرت عثمانؓ وغیرہ کو مختار کیا لیکن وقت ضرورت ائمہ حنفیہ تصریح کرتے ہیں کہ فتویٰ قول مالک پر جو موافق ایک جماعت صحابہؓ کے ہے درست اور جب خوف وقوع کا ہو تو عمل کرنا مسلک مالکی پر جائز ہے۔ جامع الرموز میں ہے۔

قال مالك والاوزاعی الٰی اربع سنين فتنكح عروسه بعده كما فی النظم فلوافتی لها فی موضع الضرورة ينبغی ان لابٰاس به علی ماظن اور ردالمحتار حاشیہ درمختار میں ہے ذكر ابن وهبان فی منظومة انه لوافتی بقول مالكؒ فی موضع الضرورة يجوزواعترضه شارحها ابن الشحنة بانه لاضرورة للحنفی الٰی ذلك وقال الشارح فی الدرالمنتقی هذا ليس باولٰی لقول القهستانی لوافتی به فی موضع الضرورة لاباس به علٰی ماظن۔

اور نفقہ کے بارہ میں اللہ رب العالمین اپنے قرآن عظیم وکلام قدیم میں ارشاد فرماتا ہے وهوهذا وعلٰی المولودله رزقهن وكسوتهن بالمعروف رزق ولباس ومسکن عورت کے لئے مسلمہ ہو یا کافر کبیرہ ہو یا صغیرہ ایسی کہ وطی کی جاتی ہو واجب ہے مرد پر اگرچہ صغیرہ ہو کہ وطی پر قادر نہ ہو

جیسا کہ قرآن میں ہے اوپر کی آیت اور اگر شوہر نفقہ دینے سے عاجز ہو تو درمیان ان کے تفریق نہ کرائی جائے بلکہ مرد کے اوپر قرض لیکر کھائے جب شوہر مال دار ہو جائے تب ادا کر دیوے لیکن نزدیک امام شافعیؒ کے تفریق کرادی جاوے مگر یہ شخص تو نفقہ دینے سے عاجز ہی نہیں اور کچھ غریب بھی نہیں کیونکہ دوسری عورت جو اس کے نکاح میں ہے خوب آرام میں ہے کھانے اور کپڑے کی طرف سے خوب فراغت ہے فقط اسے عورت سابقہ کو تکلیف دینا منظور ہے اس مرد کی اور نفقہ کی طرف سے صاف انکار بلکہ ایک طرح کا ظلم ہے کہ نہ تو نفقہ دیوے اور نہ طلاق اس وقت اس عورت کو کیا کرنا چاہئے آیا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق درمیان دونوں کے تفریق کرادی جائے کیا حکم ہے شرع شریف سے تحقیق فرما کر تحریر فرمائیں یہ کہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے کہ نہیں اور دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ اور لڑکی کو از روئے ظلم کے کبھی شفقت شوہرانہ اوپر اس عورت کے اور محبت پدرانہ اوپر ان بچوں کے نہیں دیکھا اور نہ بچوں کی پرورش کی اسی وجہ سے وہ عورت اور بچے اس مرد سے الگ ہو گئے اور کسی طرح سے اس عورت نے بچوں کو مزدوری کر کے پرورش کیا اور اب ہوشیار ہوئے۔

اور چونکہ شوہر اور والد واجب الاطاعت ہیں اور یہ عورت اور بچے سب بھر اہی اس کی اطاعت سے محروم رہے پس اس حالت میں گنہ گار کون ہے اور کون کس واسطے پوچھا جائے گا باوجودیکہ زوجہ اور لڑکے اپنی خواہش سے اطاعت سے محروم نہیں تو ایسی صورت میں کہ نافرمانی کی ابتداء اور زیادتی زوجہ اور لڑکوں کی جانب سے نہ ہو تو ماخوذ ہوں گے یا نہیں پس قصہ اس عورت کا جس کا تذکرہ اوپر چلا آتا ہے ایسا ہی ہے کہ جس وقت یہ لڑکا چار سال کا یا زیادہ کا اور لڑکی یعنی دختر فقط تین ماہ کی تھی اسی وقت شوہر اس عورت کا پردیس میں چلا گیا قریب بارہ برس کے ہوئے کہ ابھی تک نفقہ وغیرہ سے خبر کما حقہ نہ لی فقط محنت مزدوری سے اپنی اور بچوں کی پرورش کرتی رہی پس جس وقت قحط ہوا اس ملک میں جہاں یہ عورت تھی اس وقت اس کو اپنے ملک میں رہنا ساتھ دو بچوں کے بہت مشکل ہوا اس وقت اس کا شوہر جو پردیس میں تھا اس کی خیریت آئی تو اس کے مرد نے دوسری عورت کے ساتھ جو غیر قوم تھی نکاح کیا ہوا تھا اب جب سابقہ عورت اپنے ملک چھوڑ کر اس مرد کے قریب آئی کہ شوہر کے قریب پہونچکر اپنی تکلیف اور شوہر کی جدائی کے صدمہ کو رفع کرے گی مگر یہاں دوسری عورت کے ہونے سے اور بھی زیادہ اس پر صدمہ ہوا اور دوسرے شوہر کی نامہربانی خیر تھوڑے روز تک جیوں تیوں کر کے گزر ہوئی عورت سابقہ علیحدہ رہ کر اور محنت مزدوری سے اپنی اور بچوں کی پرورش کرتی رہی بعد اس کے اس عورت کا شوہر دوسری جگہ چلا گیا بعد اس کے چلے جانے کے ایک لڑکا اور پیدا ہوا مگر اس کے مرد نے نان ونفقہ کی کچھ خبر نہیں لی مجبور ہو کر اس عورت نے سرکار میں ایک عرضی بایں مضمون دی کہ میرا شوہر میرے نان ونفقہ کی خبر زمانہ تیرہ

چودہ برس کا ہوتا ہے کہ بالکل نہیں لیتا سرکار مجھ کو طلاق دلوادے جس وقت کمشنر صاحب بہادر کی طرف سے کاغذ گیا اس عورت کے شوہر کے پاس اس وقت اس کا مرد اس عورت کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ تو نے نالش کیونکر کی اب چل میرے ساتھ جہاں میں چاہوں تم کو لے جاؤں اور جہاں میں اس وقت رہتا ہوں اور عورت دوسری میری رہتی ہے وہاں تجھ کو چلنا ہوگا اور بہت کچھ دھمکایا اس عورت سابقہ کو اپنی جان کا خوف دوسرے اس عورت سوکن کا ڈر جو کہ بیشتر اس کے صدمہ اٹھا چکی تھی نہ گئی اور اس کا مرد چلا گیا پھر دوبارہ آیا اور اس کو پھر سابق کے موافق بلایا کہ چل میرے ہمراہ اس عورت نے جو انکار قبل کیا تھا ویسا دوبارہ بھی کیا اور کہا کہ مجھ کو تیرے ساتھ رہنا منظور نہیں طلاق دیدے اس کے مرد نے کچھ جواب نہ دیا بلکہ جو کچھ برتن وغیرہ اور کپڑا تھا وہ اپنے ہمراہ لے گیا اور وہ لڑکا جو صغر سنی میں چار پانچ سال کا چھوڑا پردیس میں آیا تھا اس کو اپنے ہمراہ لیا اور لڑکا بہت انکار کرتا رہا میں نہیں جاؤں گا بلکہ میں نہیں جانتا کہ تو کون ہے خیر لوگوں کے سمجھانے اور اصرار کرنے سے لڑکا اس کے ہمراہ گیا اور اس مرد نے عورت سے کہا کہ اگر تو نہیں جاتی تو مجھ کو ضرورت بھی نہیں مگر لڑکے اور لڑکی کو لے جاؤں گا جس وقت لڑکے کو ہمراہ لیا اسی وقت لڑکی کو بھی بلایا کہ میرے ہمراہ چل لڑکی تو اس کو خوب اچھی طرح سے جانتی تھی اور والد کی نامہربانی سے خوب واقف تھی اور لڑکا جو کہ اس عورت نے محنت اور مشقت کر کے پرورش کیا تھا اور اب سولہ سترہ برس کی عمر ہوئی تھی اور اس وقت کوئی کام یعنی مزدوری وغیرہ کر سکتا تھا اور ماں کو اس کی خوب امید تھی کہ اب لڑکا ہوشیار ہوا مزدوری کر کے میری پرورش کرے گا اس کو اپنے ہمراہ لے گیا اور اس وقت لڑکی اور ایک لڑکا صغیر جو قریب چار ماہ کے ہوا وہ ہے اور اس کی والدہ اس وقت آنکھوں سے معذور ہوگئی اور عمر بھی قریب چالیس برس سے اوپر ہوگئی وقت ضعیفی کا ہے اور والد یعنی باپ لڑکے کا چاہتا ہے کہ لڑکی کو بھی لے جاؤں اور عورت کو تنہا چھوڑ دوں اور اس لڑکی سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ بالکل والد کی ہمراہ جانے سے انکار کرتی ہے کہ میں اپنی ماں کو چھوڑ کر نہ جاؤں گی اور اگر مجھ کو جبراً لے گیا میرا والد تو ضرور اپنی جان کو ہلاک کر دوں گی اور اس وقت اس لڑکی کی عمر بارہ برس کچھ کم زیادہ ہے تو جس حالت میں اس لڑکی کی والدہ آنکھوں سے معذور اور ضعیفہ بھی ہو اور اپنی محنت اور مشقت سے لڑکی کو پرورش بھی کیا ہو اور ایسے وقت میں یہ لڑکی اس کی ماں کی زندگی کا سہارا ہوئی اس حالت میں اس کا باپ لڑکی کو چاہے جبراً لیجانا تو شریعت کے موافق کیا حکم ہے اور والدہ کا حق ان بچوں پر خصوص کر کے اس لڑکی پر کچھ ہوتا ہے یا نہیں اور لڑکی کو اپنے ہمراہ جو کہ محرم راز کی ہوئی لے سکتی ہے یا نہیں اسکو بہ سند صحیح مرقوم فرمائیں اور بہت جلدی اس طرف کو ارسال فرمائیں فقط۔

جواب سوال اول۔ اس سوال کے دو جزو ہیں ایک مفقود کے متعلق دوسرا نان ونفقہ نہ دینے

والے کے متعلق دونوں کا جواب بترتیب لکھا جاتا ہے۔

(جواب جزواوّل)۔ فی الدرالمختار کتاب المفقود قلت وفی واقعات المفتین لقد رای افندی معزیا القنیة انه انما یحکم بموته بقضاء لانه امر محتمل فمالم ینضم الیه القضاء لایکون حجة پس امراءۃ مفقود میں خود مذہب حنفیہ کا راجح ہے نہ مالکیہ کا یہ بحث آخر متعلق خلافیات کے ہے لیکن ضرورت میں جو حنفیہ نے اس پر عمل جائز رکھا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ محض فتویٰ عمل کے لئے کافی ہے بلکہ اس میں حسب روایت بالا انضمام قضاء قاضی مسلم کی ضرورت ہے پس عمل کی یہی صورت ہوسکتی ہے کہ کسی مسلمان حاکم کے اجلاس میں یہ واقعہ پیش کیا جائے اور کہدے کہ میں اس مفقود کی موت کا حکم کرتا ہوں اس حکم کے بعد وہ عورت عدت وفات کی پوری کرے اس وقت دوسرے شخص سے نکاح جائز ہوگا۔ واللہ اعلم۔

(جواب جزوثانی)۔ فی الدرالمختار باب النفقة ولا یفرق بینهما لعجزه فیها ولا بعدم ایفائه لو غائبا حقها ولو موسرا وجوزه الشافعیؒ باعسار الزوج و بضررها بغیبته ولو قضٰی به حنفی لم ینفذ نعم لو امر شافعیا فقضٰی به نفذ فی ردالمحتار تحت قوله وبضررها والحاصل ان عند الشافعی اذا اعسر الزوج بالنفقة فلها الفسخ وکذا اذا غالب وتعذر تحصیلها علٰی مااختاره کثیرون منهم وفیه بعد صفحة نعم یصح الثانی ای القضاء علٰی الغائب عند احمد کماذکر فی کتب مذهبه وعلیه یحمل ما فی فتاویٰ قاری الهدایة حیث سئل عمن غاب زوجها ولم یترک لها نفقة فاجاب اذا اقامت بینة علٰی ذلک وطلبت فسخ النکاح من قاض یراه ففسخ نفذوهو قضاء علی الغائب وفی نفاذ القضاء علٰی الغائب روایتان عندنا فعلی القول بنفاذه یسوغ للحنفی ان یزوجها من الغیر بعد العدة اھ وفی ردالمحتار قبیل کتاب الطهارة وادعی فی البحران المقلد اذا قضٰی بمذهب غیره اوبروایة ضعیفة اوبقول ضعیف نفذ اھ۔

اس واقعہ میں بھی مثل واقعہ جزواول کے محض فتویٰ تفریق کے لئے کافی نہیں بلکہ انضمام قضاء قاضی کی حاجت ہے پس جب کوئی حاکم مسلمان کہدے کہ میں نے فلاں مرد اور فلاں عورت میں تفریق کردی نکاح ٹوٹ جائے گا اور عدت طلاق اس وقت سے شمار کرکے دوسرا نکاح کرسکتی ہے اور اگر ان دونوں جزو میں یہ اشکال ہو کہ قاضی یعنی حاکم مسلم ہندوستان میں کہاں سے آئے کہ ان دشواریوں کا انتظام ہوسکے تو جاننا چاہئے کہ درمختار کتاب القضاء میں مصرح ہے ویجوز تقلید القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافر ذکره مسکین وغیره پس اس کی صورت یہ ہے کہ حکام انگریزی جو بااختیار ہوں مہربانی کرکے ان واقعات میں کسی مسلمان عالم کو فیصلہ کرنے کے پورے

اختیارات دیدیں وہ عالم مسلمان بوجہ اختیارات ملنے کے بجائے قاضی کے ہوجائے گا اور اس کے احکام ان واقعات میں نافذ ہوجائیں گے اور یہ ضرور نہیں کہ ایسے اختیارات ہمیشہ کے لئے دیئے جائیں بلکہ خاص ان دو واقعوں کے فیصلہ کردینے کا اختیار دینا کافی ہوگا اور ان فیصلوں کے بعد یہ شخص معزول اور بے اختیار ہوجائے گا اور اگر سب مسلمان متفق ہوکر ہمیشہ کے لئے ایسے قضایا کے واسطے حکام سے درخواست کرکے کسی عالم کو مقرر کرلیں تو ہمیشہ کے لئے مصیبت دفع ہوجاتی ہے۔

(جواب سوال دوم)۔ فی الدرالمختار باب الحضانة ولاخیار للولدعندنا مطلقا ذکرا کان او انثی خلافاللشافعی قلت وھذا قبل البلوغ اما بعده فیخیر بین ابویه وان اراد الانفراد فله ذلك الیٰ قوله لا یغیرھما فی ردالمحتار تحت قوله لا لغیرھما فللاب ان یضمھا الیه وکذا الاخ والعم الضم اذالم یکن مفسدا فان کان فحینئذ یضعھا القاضی عند امرأة ثقة اھ وزاد الزیلعی وکذا الحکم فی کل عصبة ذی رحم محرم منھا اھ وھذا الذی مشی علیه المصنف بعد۔

پس صورت واقعہ میں جو بالغ ہے ان پر تو بوجہ بلوغ کے باپ کا جبر نہیں بلکہ اس اولاد کو اختیار ہے کہ ماں کے پاس رہے اور جو نابالغ ہے چونکہ یہ شخص ایسا ظالم ہے اور اس سے اولاد کو ضرر پہونچنے کا اندیشہ ہے لہٰذا نابالغ اولاد کو بھی نہیں لے سکتا۔ ۲۶؍ جمادی الاول ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۳۶ ج ۲)

سوال۔ ایک عورت محتاجہ مفلسہ نوعمر کا شوہر مدت سے مفقود الخبر ہے اور کسی طرح بدون زوج زندگی بسر کرنے کی صورت نہیں معلوم ہوتی زمانہ کا حال ظاہر ہے مخمصہ کی حالت میں اس کے لئے دوبارہ نکاح ثانی کا کیا حکم ہے۔

الجواب۔ گو بعض علماء نے شافعی و مالک رحمہما اللہ کے قول پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے مگر راقم کے تجربہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو چھوڑنے میں بہت فساد پائے گئے ہیں اس لئے میرے نزدیک حسب فتویٰ امام صاحب کے نکاح ثانی قبل مدت معینہ (۱) جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم (امداد ص ۴۵ ج ۲)

سوال (۴۵۹) شخصے از چند سال مفقود شدہ خبرے از پیغام و نامہ نمی آید و زندہ و مردہ مطلق نیست و جوان بود و زنے جوان دارد آں زن جوان در جوش جوانی ایمان را بر باد مید ہد و عزت اقوام برخاک می ریزد و فتور کمال در مسلمانان می انداز د و صورۃ نکاح ایں زن بشرع نبوی در مذہب ما یاں می تواند شد۔

الجواب۔ مسئلہ مجتہد فیہ است اگر قاضی کہ مولی از سلطان باشد یا از عامۂ مسلمین بر مذہب شافعی

(۱) یعنی نوے سال جب زوج کی عمر ہوجائے اور وہ بھی بشرط قضاء قاضی ۱۲ منہ

ومالک بعد چار سال حکم بموت مفقود فسخ نکاح زن کند نکاح فسخ شود ازاں پس چار ماہ و دہ روز از عدت گزرانیدہ نکاح جائز است وبدون قضاء فسخ نتواں شد و نکاح ثانی جائز نیست۔

۱۰ررجب ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۴۶ ج ۲)

سوال (۴۶۰) زید عرصہ تیس یا پینتیس سال کا ہوا اپنے شہر سے چلا گیا اس درمیان میں اکثر بلاد مثل بمبئی وحیدرآباد سے حیات زید کی خبر لوگوں کی زبانی دریافت ہوتی رہی اگر عرصہ بارہ تیرہ برس سے کسی مقام سے خبر زید کی حیات وممات زبانی ونیز کتابت کسی شخص کے معلوم نہیں ہوئی باوجودیکہ ہمارے شہر کے اشخاص بلاد وامصار میں بغرض تجارت عطر موجود ہیں اب عرصہ تین سال کا گزرا ہے کہ زید کی زوجہ نے عقد عمرو سے کرلیا لہٰذا گزارش ہے کہ از روئے شرع یہ عقد جائز ہے یا نہیں کیونکہ یہ عقد خلاف مذہب احناف ہے اگر یہ عقد جائز ہے تو کیونکر جائز ہے مع ادلہ تحریر فرمایئے گا کیونکہ یہاں برادری میں نزاع واقع ہے اور اگر زید مفقود الخبر آجائے تو اس کی زوجہ کا کیا کیا جائے۔ **بینوا بسند الکتاب توجروا عنداللہ بحسن المآب۔**

الجواب۔ علاوہ اس کے کہ یہ مذہب حنفی کے خلاف ہے ایک خرابی اور کمی اس میں یہ ہے کہ محض کسی مدت کا گزر جانا مفقود کے حکم بالموت کے لئے کافی نہیں تاوقتیکہ حاکم شرعی حکم بالموت نہ کرے اس کے بعد عدت گزار کر نکاح کرسکتا ہے۔ **فی الدر المختار قلت و فی واقعات المفتین لقد رأی افندی معزیا للقنیة انہ انما یحکم بموتہ بقضاء لانہ امر محتمل فما لم ینضم الیہ القضاء لایکون حجة اھ** اس لئے یہ دوسرا نکاح صحیح نہیں ہوا البتہ اگر کسی مسلمان حاکم کے اجلاس میں گو وہ انگریزی ملازم ہو یہ مقدمہ پیش کیا جائے اور وہ کسی عالم سے فتویٰ لے کر کہدے کہ وہ مفقود مرگیا اس لئے میں اس کا نکاح اس عورت سے توڑتا ہوں اب عدت وفات کی پوری کرکے اس کو دوسرا نکاح درست ہے اور اس کے بعد بھی اگر شوہر اول آجائے تو وہ عورت اسی کو واپس دی جائے گی۔ **فی الدر المختار قال ثم بعد رقمہ رأیت المرحوم ابا السعود نقلہ عن الشیخ شاهین ونقل انہ زوجة لہ والاولاد للثانی** ۲۱ ذی الحجہ (امداد ص ۵۰ ج ۲)

## حکم نکاح زوجہ مفقود صورتیکہ عادۃ موت زوج یقینی باشد

سوال (۴۶۱) زید در جہازیکہ از کلکتہ بہ لندن وامریکہ وغیرہ می رود نوکری می کرد قضارا چون بارے جہاز درمیان دریا رسید روزے در کار معہود خود رفتہ گم شد دیگراں خبر بکپتان رسانیدند کپتان نیز بعد از تتبع بسیار از و نشانے نہ یافت بآنکہ جہاز از ساحل شش روزہ راہ دور بود چوں جہاز بساحل رسید نیز تتبع کردہ آمد اما او را نیافتند قریب یک سال است سہ کس کہ در ہمراہ او در جہاز نوکری میکردند بملک آمدہ خبر

مذکور با قارب اور سانیدند آیا دریں صورت روا بود کہ زوجہ اش را بدیگرے نکاح دادہ آید اگر جائز بود عدتش از کدام وقت گرفتہ شود از ظاہر عبارت شامی کہ درآخر کتاب مفقود است بعضے حکم جواز نکاح مید ہند حضور دریں چہ می فرمایند نقل عبارت شامی و اذا فقد فی المھلکۃ فموتہ غالب فیحکم بہ کما اذا فقد فی وقت الملاقات مع العدو او مع قطاع الطریق اوسافر علی المرض الغالب ھلاکہ او کان فی سفر البحر وما اشبہ ذلک حکم بموتہ لانہ الغالب الخ جلد ثالث کتاب المفقود ص ۵۱۱۔

الجواب۔ در رائے من دریں صورت موت او عادۃً یقینی است لوقوعہ فی البحر واحتیاج نیست بتمسک بعبارت شامیہ چرا کہ عبارت مذکورہ درصورت احتمال است و برائے ترجیح آں احتمال حاجت است بسوئے رائے امام یا قاضی درمصداق عبارت مذکورہ موت ثابت نہ باشد و نکاح درست نہ باشد پس اگر صورت مسئولہ عنہا را در عموم مدلول عبارت مذکورہ داخل کردہ شود حاجت بحکم القاضی بموتہ خواہد افتاد و آں غالباً دریں بلاد مفقود است پس حکم بجواز نکاح چگونہ کردہ آید صورت مسئول عنہا چناں ست کہ شخصے درنظر مابمیر دو دفن کردہ شود باوجود احتمال عقلی کہ شاید مسکوت باشد حاجت بقضاء قاضی گفتہ نمی شود لانہ احتمال ضعیف خلاف العادۃ ہم چنیں درصورت مسئولہ گو احتمال عقلی است کہ در بحر شناوری کردہ بیرون بحر آمدہ باشد لاکن چوں خلاف عادت است اعتبار نہ کردہ خواہد شد پس یقیناً میت است واز ہماں وقت عدت تمام کردہ باز وج دیگر نکاح زنش درست باشد۔ ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (حوادث ص: ۱۲۴ ج:۱)

خلاصہ سوال (۴۶۲) از نکاح زن کہ زوج آں مفقود باشد۔

خلاصہ جواب۔ نزد حنفیہ روایت چہار سال بموجب قول امام مالکؒ عمل جائز است بشرط قضاء قاضی۔

تسامح۔ درنقل عبارت قدر ای آفندی درسند قضاء قاضی۔

اصلاح تسامح۔[1] تلفیق درمیان دو مذہب بالاجماع باطل است وان الحکم الملفق باطل بالاجماع ۱۲ الدر المختار، ج:۱ ص:۷۷ ہرگاہ در بارۂ زوجہ مفقود مذہب امام مالکؒ اختیار کرد دریں بارہ تمام شرائط از قضاء قاضی وغیرہ مذہب اورعایت باید کرد وان یجوز العمل بما یخالف ماعملہ علی مذہب مقلدا فیہ غیر امامہ مستجمعا شروطہ ۱۲ ردالمحتار جلد ۱ ص ۷۷ پس مجیب مدظلہ درمانحن فیہ حکم برمذہب امام مالک کردہ است وضرورت شرط قضاء قاضی از مذہب حنفیہ آوردہ است کہ بعد موت اقران یا بعد مدت کہ مفوض رائے الامام است قاضی حکم کند ودریں بارہ

---

(۱) مذہب امام مالکؒ کی تحقیق اس فہرست کے ختم کے بعد احقر کی لکھی ہوئی ہے ملاحظہ فرمالیا جائے ۱۲ اشرف علی۔

روایت قدرأی افندی صاحب درالمختار سنداً آوردہ است ثم رأیت عبارة الواقعات عن القنية ان هذا ای ماروی عن ابی حنیفةؒ من تفویض موته الی رای القاضی نص (قدرأی آفندی ۱۲) علی انه انما یحکم بموته بقضاء لانه امر محتمل الخ ردالمحتار جلد ۳ ص ۵۱۲ پس تلفیق حاصل ست وآں بالاجماع باطل ست واجب بود برمجیب قدس سرہ کہ از مذہب امام مالکؒ بابت ضرورت وعدم ضرورت قاضی سند تحریر فرمودند وایں روایت را در بسیار جا ازیں فتاوی سند آورند تمام را قیاس بریں باید کرد ونزد بندہ کدام کتاب مذہب امام مالک موجود نیست مگر فتوی اہل علم موجود ست بعینہ درج ست از کتب مذہب امام مالکؒ معلوم می شود کہ تفریق باید کرد وتفریق کنندہ اگر قاضی نہ باشد جماعت مسلمین تفریق کنند وایں کافی ست ولزوجة المفقود الرفع الی القاضی والوالی ووالی الوالی و الافجماعة المسلمین ۱۲ شرح خلاصة دردی فی مذهب الامام مالکؒ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب کتبہ عزیز الرحمٰن مفتی مدرسہ عربیہ دیوبند یکم ذی الحجہ ۳۰ھ

الجواب صحیح — محمد سہول عفی عنہ مدرس مدرسہ دیوبند

الجواب صحیح — بندہ محمود عفی عنہ (ملحقات تتمۂ اولیٰ ص ۳۴۷)

## شرط نکاح مفقود الزوج

سوال (۴۶۳) اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا شوہر آٹھ سال سے مفقود الخبر ہے اور وقت روانگی اپنے کے کوئی سامان واثاث البیت ایسا چھوڑ کر اپنے گھر میں نہیں گیا جس سے ایک ہفتہ بھی ہندہ گزر کر سکے ایسی صورت میں مسماۃ مذکورہ کو اپنے عقد ثانی کی نسبت بروئے شرع شریف کیا حکم ہے۔

الجواب۔ مفقودۃ الزوج کے جواز نکاح بروفق مذہب مالکؒ کے جو شرط ہے کما فی الدرالمختار کتاب المفقود اس کا اگر انتظام کرلیا جائے تو جائز ہے وہ یہ کہ کسی مسلمان حاکم ذی اختیار کے اجلاس میں عورت استغاثہ کرے اور وہ اہل محلّہ سے تحقیقات کر کے کہدے کہ ہمارے نزدیک مفقود مر گیا ہے ہم اس کو مردہ قرار دیتے ہیں پس اس کہنے کے بعد چار ماہ دس دن عدت بیٹھے اور پھر نکاح کرلے اور بدون اس کے درست نہیں صبر کرے۔ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۲۱)

سوال (۴۶۴) چہ می فرمایند دریں مسئلہ علماء دین ومفتیان شرع متین کہ گیارہ برس کا لڑکا اور نو برس کی لڑکی تھی دونوں کے والدین کے سامنے عقد ہوا جس کو عرصہ نو برس کا ہوا بعد عقد کے دو مہینے بعد نوشہ کا باپ مر گیا اور والدہ بھی مرگئی نوشہ دونوں کے مرنے کے خوف سے کہیں چلا گیا جس کو عرصہ آٹھ نو برس کا گزرا نوشہ واپس نہیں آیا نہ کوئی خبر اس کی زندگی کی ملی نہ اس نوشہ کے خاندان میں ولی وارث رہا ماں باپ نوشہ کے ایک دن میں طاعون میں مرگئے تھے تب سے نو برس ہوئے وہ دلہن اپنے

ماں باپ کے گھر پرورش پاتی رہی اب وہ دلہن بالغ ہوئی ہے۔ اب فرمایئے کہ اس کی شادی دوسرے کے ساتھ کی جاوے اگر نہیں کی جاتی ہے تو عصمت میں فرق پڑتا ہے کیا کرنا چاہئے اور اس کو روٹی کپڑا کون دے اب ماں باپ بھی نہیں رہے۔

الجواب۔ کسی اسلامی ریاست میں جاکر جہاں قاضی مسلمان ہو جیسے بھوپال اس لڑکی کی طرف سے استغاثہ کیا جاوے اور وہ قاضی بعد تحقیقات کہدے کہ ہمارے نزدیک وہ نوشہ مرگیا اس کہنے کے چار ماہ دس دن بعد اس دولھن کا دوسرا نکاح کردیا جاوے۔ ۲۷ رشوال ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۸۱)

سوال (۴۶۵) زید عرصہ دس سال سے مفقود الخبر ہے اس کی موت وحیات کی کچھ خبر نہیں ملتی ہے حتی الوسع تلاش کی گئی کچھ پتہ نہیں ملتا۔ ہندہ زوجہ اس کی نوجوان ہے زمانہ کی حالت نازک دیکھ کر اس کے والد صاحب اور برادر صاحب کا ارادہ ہے کہ اس کا عقد ثانی کسی دوسرے شخص نیک بخت کے ساتھ کردیا جاوے اور فتاویٰ رشیدیہ میں شاید یہ لکھا ہے کہ امام مالک صاحب یا امام شافعی صاحب کے یہاں یہ درست ہے کہ اس قدر مدت کے بعد اس کا عقد کردیا جاوے اور ضرورتاً حنفی المذہب بھی اس مسئلہ پر عمل کرسکتے ہیں لہٰذا تصدیعہ ہے حضور والا کا اس مسئلہ میں کیا ارشاد ہے تاکہ اس کے موافق اس کا عمل درآمد کیا جاوے۔

الجواب۔ في شرح الزرقاني المالكي على موطا الامام مالك ؒ في عدة التي تفقد زوجها مانصه وضعف الاول (اى الوجه الاول للتحديد باربع سنين) بقول مالك لو اقامت عشرين سنة ثم رفعت يستانف لها الاجل ثم قال والثاني (اى الوجه الثاني) لقول مالك ايضاً تستانف الاربع من بعد الياس وانها من يوم الرفع ثم قال فلاسبيل لزوجها الاول اليها اذاجاء او ثبت انه حي لان الحاكم اباح للمرأة الزوج الى قوله ثم رجع مالك عن هذا قبل موته بعام وقال لايفيتها على الاول الادخول الثاني غير عالم بحياته ثم قال وفرق بينها (اى المرأة يطلقها زوجها وهو غائب عنها الخ) وبين امرأة المفقود بانه لم يكن في هذه امرولا قضية من حاكم بخلاف امرأة المفقود (كان فيها قضاء من الحاكم) اهـ

اس عبارت میں چار جگہ تصریح ہے کہ مفقود کی بی بی امام مالک ؒ کے مذہب میں بدون قضاء قاضی یعنی بدون حکم حاکم اسلام کے نکاح ثانی نہیں کرسکتی پس امام مالک ؒ کے قول پر عمل کرنا یہ ہے کہ اس قید پر بھی عمل ہو اور جب ایسا نہ کیا جائے تو نکاح ثانی ناجائز ہے اور ظاہر ہے کہ اب کوئی اس کا اہتمام نہیں۔ پس ایسے نکاح ان کے مذہب پر بھی جائز نہیں ہیں۔

۲۶ رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص: ۱۶۸)

جواب مسئلہ مفقود از حضرت مولانا گنگوہیؒ کہ از قاضی عبدالحق حاصل شد واحقر خط مولانا شناختہ جس وقت سے کہ خبر زوج کی گم ہے کہ بعد تحقیق اس کا کہیں نشان نہیں ملا اس وقت سے کامل چار سال کر کے حاکم مسلمان تفریق کر دیوے بعد تفریق کے دس روز اور چار ماہ وہ عورت عدت کرے اور پھر نکاح دوسرے سے کر دیا جاوے۔ یہ مذہب امام مالک کا ہے۔ اس پر فتویٰ اس وقت میں دیا جاتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ احقر رشید احمد عفی عنہ مہر (تتمۂ خامسہ ص:۱۵۱)

سوال (۴۶۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زوجہ مفقود الخبر کتنی مدت گزرنے کے بعد نکاح ثانی کرسکتی ہے اور وہ مدت روز فقدان سے شمار ہوگی یا مرافعہ الیٰ القاضی کے وقت سے۔

دفعہ نمبر ۱۔ مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ جلد ۳ ص ۱۵۰ میں بحوالہ رحمۃ الامت تحریر فرمایا ہے کہ امام مالکؒ می فرمایند کہ از روز فقدان او ہرگاہ چہار سال وچہار ماہ ودہ روز بگزرند نکاح زن او جائز است کذا فی رحمۃ الامت یہ فتویٰ اس زمانہ میں قابل عمل ہے یا نہیں۔

الجواب۔ یہ نقل رحمۃ الامت کی بلا سند ہے۔

تتمۂ سوال بالا۔ کتب فقہ مالکیہ مدونہ کبریٰ وغیرہ میں مذہب امام مالکؒ کا یہ لکھا ہے کہ عورت جس وقت مرافعہ الی القاضی کرے اس وقت سے چار سال کی مدت مقرر ہوگی اور جو مدت قبل تاجیل گزری اس کا اعتبار نہیں ولو عشرين سنة جیسا کہ حضرت مفتی صاحب دیوبند نے تحریر فرمایا ہے کفایت الطالب کی عبارت بھی اسی کی مؤید ہے۔

الجواب۔ مدونہ منقول بسند ہے۔

تتمۂ سوال بالا۔ وہ عبارت یہ ہے۔ المفقود يضرب له اجل۔ اى مدة اربع سنين وان كان عبدا يضرب له اجل مدة سنتين وابتداء ضرب الاجل من يوم الرفع كما۔

حررہ قاضی محمد بشیر الدین۔ قاضی شہر میرٹھ۔

الجواب۔ یہ مدونہ کے موافق ہے۔

تتمۂ سوال بالا۔ اور اسی کے موافق مولوی محمد فضل صاحب مونگیری ومولانا ریاض الدین صاحب نے بحوالہ مدونہ مالکیہ آج سے چار سال گزارنے کو تحریر فرمایا ہے۔

قال في البزازية هناك الفتوىٰ في زماننا علىٰ قول مالك رحمه الله اعني اذا مضى اربع سنين يفرق القاضي بينه وبين امراته و تعتد عدة الوفاة ثم تزوج من شاءت لان عمرؓ هكذا قضى۔ یہ عبارت نقل کر کے مولانا عبدالمؤمن صاحب مدرس مدرسہ صدو غیرہم نے اس پر فتویٰ دیا ہے۔

الجواب۔ یہ ساکت ہے فقدان ومرافعہ سے والناطق قاض علی الساکت پس مدونہ کی روایت عمل کے لئے متعین ہوگئی اوراس سے مرافعہ الی القاضی وتاجیل قاضی کا اشتراط ظاہر ہے اور یہاں ہندوستان میں یہ شرط مفقود ہے پس مالکؒ کے قول پر فتویٰ کی کوئی صورت نہیں رہی فلتصبر ولتحتسب۔

تتمۂ سوال۔ اب ان تمام صورتوں میں سائل کے لئے قابل عمل کون سا فتویٰ ہے براہ کرم اس امر میں فیصلہ کن جواب سے مطمئن فرمایا جاوے۔

الجواب۔ ساتھ ساتھ لکھ دیا ہے۔

تتمۂ سوال۔ نکاح ثانی کرنے کے بعد اگر مفقود الخبر آجائے یا اس کا کہیں پتہ لگ جاوے تو زوجہ شوہر اول کی رہے گی یا ثانی کی۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ اول کی صرح بہ فی ردالمحتار۔ ۲ر شعبان المعظم ۱۳۴۶ھ (تتمۂ خامسہ ص:۵۸۰)

## زوج مفقود الخبر الخ

سوال (۴۶۷) نمبرا۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نکاح کیا اور ایک رات رہ کر کہیں چلا گیا عرصہ آٹھ برس سے مفقود الخبر ہے اور اپنی عورت کو نان ونفقہ بھی نہیں دیا اس درمیان ایک مرتبہ پھر وہ آیا اور اب پانچ سال سے پھر لاپتہ ہے حتیٰ کہ اس شخص کے عزیز واقارب میں سے کسی کو اس کی خبر نہیں ہے اس صورت میں کب تک وہ عورت نکاح ثانی نہیں کرسکتی اگر وہ عورت نکاح ثانی کرنا چاہے تو کتنی مدت تک اس کو انتظار کرنا چاہیے کیونکہ عورت مذکورہ کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔

الجواب۔ اگر حکام سے درخواست وکوشش کر کے یہ امر منظور کرالیا جاوے کہ وہ کسی مسلمان عالم کو اس مقدمہ کی سماعت کا اور بعد سماعت کے فسخ نکاح کا اختیار دیدیں تو اطلاع دیجئے پھر اس کا طریقہ بتلا دیا جاوے اور بدون اس کے کوئی آسان صورت نہیں ہوسکتی اور اگر اس کا انتظام نہ ہوسکے تو لکھئے میں پھر دوسری صورت بتلاؤں گا۔ ۲۸ر ج ۲ ۱۳۳۳ھ۔

سوال نمبر ۲۔ حسب ایماء جناب کے کلکٹر صاحب بہادر کو درخواست دی گئی انہوں نے زبانی یہ حکم دیا کہ مذہبی معاملہ میں ہم کوئی حکم نہ دیں گے درخواست بلا کسی حکم کے واپس کردی گئی۔ ایسی صورت میں جو مسئلہ اجازت دے مطلع فرمادیں۔

الجواب۔ اب یہ صورت ہوسکتی ہے کہ کسی اسلامی ریاست میں مثلاً بھوپال وغیرہ میں وہ عورت استغاثہ کرے اور قاضی امام مالکؒ کے مذہب کے موافق بعد تحقیقات یہ کہدے کہ چونکہ اس کو گم ہوئے

چار سال ہوگئے ہیں میں حکم کرتا ہوں کہ وہ مرگیا اس کہنے سے چار ماہ دس دن گزار کر یا قاعدہ سے صورت موجودہ میں جو اس کی عدت ہو ختم کر کے دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ ۱۱ رجب ۱۳۳۳ھ

## آیسہ عورت کے پستانوں سے بجائے دودھ اگر سفید پانی نکلے تو اس سے حرمت رضاع ثابت ہوگی یا نہیں۔

سوال (۴۶۸) ایک عورت ہے کہ اس کی اولاد یا حمل قرار نہیں پکڑا ہے اس عورت کی لڑکی ایک بچہ تین ماہ ۱۴ یوم کا چھوڑ کر قضا کی بچہ اپنی نانی یعنی اس عورت کی گود میں پرورش پانے لگا اس کی نانی جب یہ لڑکا روتا ہے تو پستان لڑکے کے منہ سے لگا دیا کرتی تھی ایک روز پستان دبانے سے سفید پانی مثل دودھ کے دکھائی دیا کیا یہ سفید پانی دودھ سمجھا جاوے گا یا کیا اور عورت کے بچہ جننے پر کس قدر زمانہ تک کا حکم ہے آخر کوئی زمانہ اس کے لئے ہے یا تمام عمر جب سفیدی ظاہر ہو اور بچہ کوئی گود میں ہو یا نہ ہو براہ مہربانی جو حکم شرع شریف ہو تحریر فرماویں۔

الجواب۔ فی الدر المختار هو (ای الرضاع) مص من ثدی ادمیة ولو بکرا او میتة او ایسة اهـ وفی ردالمحتار تحت قوله ولبن بکربنت تسع سنین فاکثر محرم والا لا مانصه ای وان لم تبلغ تسع سنین فنزل بها لبن لایحرم الی قوله کما لو نزل للبکر ماء اصفر لا یثبت من ارضاعه تحریم کما فی شرح الوهبانیة ج ۲ ص ۶۷۰۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ یہ سفید پانی دودھ سمجھا جاوے گا۔ ۳ ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۲۰۰)

## دودھ کی بجائے پانی نکلنے سے حرمت ثابت نہ ہوگی

سوال (۴۶۹) کیا (کسی عورت کے) حقیقی دودھ نہ ہو اور پانی جیسا ہو تو اس سے حرمت (رضاع) ہوتی ہے یا نہ۔

الجواب۔ فی الدر المختار باب الرضاع ولبن بکر بنت تسع سنین فاکثر محرم والالا فی ردالمحتار قوله والا لای وان لم تبلغ تسع سنین فنزل لها لبن لایحرم جوهرة لانهم نصوا علی ان اللبن لایتصور الاممن تتصور منه ولادة فیحکم بانه لیس لبنا کما لو نزل للبکر ماء اصفر لا یثبت من ارضاعه تحریم کما فی شرح الوهبانیة اهـ۔

اس سے معلوم ہوا کہ حرمت مخصوص ہے دودھ کے ساتھ پس پانی سے حرمت نہ ہوگی۔

۳ رجمادی الاخری ۱۳۵۱ھ

## حکم وطی بالشبہ وارتداد زوجہ وحکم عقر

سوال (۴۷۰) زید کا نکاح بوجہ ارتداد زوجہ واجراء کلمہ کفر فسخ ہو گیا قبل تجدید نکاح اندرون عدت وطی ہوئی وہ وطی بالشبہ ہے یا محض زنا اور عقر دینا پڑے گا یا نہ اگر دینا پڑے گا تو کتنا اگر کئی مرتبہ اتفاق ہوا تو کیا ہر وطی کے عوض عقر ہے۔

الجواب۔ فی العالمگیریة ارتدت المرأة والعیاذ باللہ وحرمت علیه اوحرمت بجماع امها او ابنتها او بمطاوعة ابن الزوج ثم جامعها وقال علمت انها حرم لاحد علیه۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ وطی حرام بالشبہ ہے ورنہ حد واجب ہوتی، رہا عقر کا تو حد اور تعدد سو ظاہراً تعدد معلوم ہوتا ہے فی العالمگیریة الاصل ان الوطی متی حصل عقیب شبهة الملک مرارالم یجب الا مهر واحد لان الوطی الثانی صادف ملکه ومتی حصل الوطی عقبه شبهة الاشتباه مرارا یجب بکل وطی مهر علحدة لان کل وطی صادف ملک الغیر۔ سو ظاہر ہے کہ یہاں ملک کا مطلق شبہ نہیں ہے ایضاً فی العالمگیریة ولو وطی المعتدة عن الطلقات الثلث وادعی الشبهة قبل ان کانت الطلقات الثلاث جملة فظن انها لم تقع فهذا ظن فی موضعه فیلزم مهر واحد وان ظن ان الطلقات واقعة لکن ظن ان وطیها حلال فهذا الظن فی غیر موضعه فیلزمه بکل وطی مهر کذا فی الخلاصة۔

اور ظاہر ہے کہ مرتد میں کوئی وجہ مجتہد فیہ حل کی نہیں لہٰذا یہ مشابہ مطلقہ ثلثا مظنونہ وقوع الثلث کی ہے لہٰذا مثل اس کے عقر متعدد ہوگا اور عقر کی تفسیر میں جو اختلاف ہے مشہور کتب فقہ میں مذکور ہے۔

۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ص: ۵۴ ج: ۲)

## عدت فرقت مرتدہ میں مرتدہ کو طلاق دینا اور بعد توبہ نکاح کرنے کا حکم

سوال (۴۷۱) ایک شخص ہمیشہ اپنی بیوی کو کہا کرتا کہ احکام شرعیہ کی پابندی کرو ورنہ طلاق دیدوں گا اس پر وہ کبھی خیال نہ کرتی ایک مرتبہ عورت نے غصہ ہو کر کہا کہ تم اپنے خدا اور رسول کے احکام طاق پر رکھو یہ سن کر مرد نے طلاق دیدی بعد کچھ مدت کے پھر نکاح کرنا چاہا تو اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب تک دوسرے کے ساتھ نکاح نہ ہو جاوے اس کے ساتھ نکاح درست نہیں مگر ایک شخص کہتے ہیں کہ نہیں جائز ہے کیونکہ جب اس نے کہا کہ احکام خدا اور رسول کو طاق پر رکھو تو کافرہ ہوگئی لہٰذا اس کے نکاح سے قبل طلاق باہر ہوگئی اب اسے پھر سے مسلمان کر کے نکاح پڑھا لینا لہٰذا آپ اس میں کیا فرماتے ہیں۔

الجواب۔ فی ردالمحتار عن الفتح ویقع طلاق زوج المرتدة علیها مادامت فی

العدة ج: ۲ ص: ۶۴۳۔ وفی الدرالمختار باب نکاح الکافر وارتداد احدھما فسخ فلا ینقص عدداً اھ۔

ہر دو روایت سے معلوم ہوا کہ جب بعد تلفظ کلمہ کفر عورت کے عدت کے اندر مرد نے طلاق دی وہ طلاق واقع ہوگئی پس اگر ایک یا دو طلاق دی ہے تو تجدید اسلام کے بعد نکاح درست ہے اور اگر تین طلاق دی ہیں تو حلالہ کی ضرورت ہے۔ ۷ رجمادی الاولیٰ ۱۳۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۱۰۸)

سوال (۴۷۲) رات کا وقت تھا آسمان پر ستارے چھٹکے ہوئے تھے سکینہ نے اس منظر کو دیکھ کر کہا کہ اللہ میاں اور اللہ میاں ئن دری بچھا کر لیٹے ہوئے ہیں۔ یہ جملہ اس نے بوجہ جہالت کے بطریق مذاق اور ظرافت کے کہا تھا اس کے دو تین دن کے بعد سکینہ کے شوہر بکر نے کسی بات پر ناخوش ہو کر سکینہ کو تین طلاق دیا۔ جواب طلب یہ امر ہے کہ جملہ مذکورہ کے اجراء سے سکینہ پر حکم کفر کا کیا جاوے گا یا نہیں بصورت اولیٰ یہ طلاق لغو اور فضول ہوئی یا نہیں اگر اس وجہ سے کہ حالت کفر میں نکاح ٹوٹ گیا طلاق لغو ہوئی تو اب بعد تجدید ایمان سکینہ کا نکاح بکر کے ساتھ پھر ہوسکتا ہے یا نہیں اگر ہوسکتا ہے تو انقضائے میعاد عدت کا انتظار کرنا پڑے گا یا اس وجہ سے کہ شوہر اول ہی کے ساتھ نکاح ہوگا ہر وقت نکاح ہوسکتا ہے فقط بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی الدرالمختار ثم الفرقة ان من قبلها ففسخ لاینقص عدد طلاق ولایلحقها طلاق الافی الردة الخ۔ فی ردالمحتار یعنی ان الطلاق الصریح یلحق المرتدة فی عدتها وان کانت فرقتها فسخا جلد ۲ ص ۵۰۳۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر یہ طلاق عدت کے اندر ہوئی تو واقع ہوگئی اگر چہ وہ کلمہ کفر کا ہو۔
۲۶ ر رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۱۰۹)

## حکم ارتداد زوجہ و فسخ شدن نکاح مرتدہ خواہ تلفظ کلمات کفر از اعتقاد باشد یا بلا اعتقاد و از خود بود یا بتعلیم غیر

سوال (۴۷۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے شادی کی اور بی بی کو گھر میں اپنے لایا اور خلوت کے چند ماہ کے بعد اس کے اولیاء رخصتی کے لئے آئے زید نے بی بی کو رخصت کر دیا چند روز کے بعد زید نے جو رخصتی چاہی تو اس عورت کے اولیاء حیلے حوالے کرنے لگے چند روز کے بعد رخصتی سے صاف انکار کیا اور خلع چاہنے لگے تو زید نے مجبور ہو کر گورنمنٹ میں رخصتی کے لئے درخواست کی جب اولیاء کو یہ معلوم ہوا تو ان لوگوں نے جھٹ سے اس عورت کو کلمات کفر سکھلا دیئے اس عورت نے کلمات کفر زبان سے کہے اب اولیاء عدالت میں آ کر یہ کہتے ہیں

کہ لڑکی عاقلہ بالغہ ہو کر اس قسم کے کلمات کفر زبان پر لائی ہے اب زید سے اس کا نکاح ہی کب باقی رہا کہ وہ رخصتی چاہتا ہے نکاح ٹوٹ گیا اس وجہ سے ہم لوگ رخصتی نہیں کر سکتے اس اظہار پر حاکم نے زید سے فتویٰ طلب کیا ہے اور اپنے فیصلہ کو فتویٰ پر موقوف رکھا ہے اب سوال یہ ہے کہ اس عورت نے اولیاء کے سکھلانے سے یا خود اپنی طبیعت سے بغرض فسخ نکاح اگر کلمات کفر کہے ہوں تو عند اللہ نکاح فسخ ہو گا یا نہیں۔

الجواب۔ فسخ ہو گیا عمداً سمجھ کر تلفظ بکلمات کفر خواہ اعتقاد سے ہو یا بلا اعتقاد خواہ اپنی رائے سے ہو یا کسی کی تعلیم سے سب موجب کفر ہے اور کفر موجب فسخ نکاح اس لئے نکاح ٹوٹ گیا اور ساتھ ہی ساتھ تعلیم کرنے والوں کا نکاح بھی ٹوٹ گیا اور جو جو شخص اس کاروائی سے راضی ہیں سب کا نکاح ٹوٹ گیا لیکن اتنا فرق ہے کہ زید کی بی بی کو تو شرعاً مجبور کیا جاوے گا کہ وہ اسلام لاوے اور اسی شوہر اول سے نکاح کرے دوسرے شخص سے اس کو نکاح جائز نہ ہو گا اور تعلیم کرنے والوں اور راضی ہونے والوں کی بیبیوں کو اختیار ہو گا بعد عدت جس سے چاہیں نکاح کر لیں۔

فی الدرالمختار اخبرت بارتداد زوجها فلها التزوج بآخر بعد العدة الخ وفيه وليس للمرتدة التزوج بغير زوجها به يفتى وفى ردالمحتار حكموا بجبرها علىٰ تجديد النكاح مع الزوج وتضرب خمسة وسبعين سوطا واختارها قاضى خان للفتوىٰ اهـ ج:۳ ص:۴۶۹ و ۴۷۰۔

اور جب ان سب کا نکاح ٹوٹ گیا تو اس لئے آئندہ کے سوالات ان سب سے متعلق ہوں گے۔ ۴؍ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص:۹۲)

## تحقیق مسئلہ متعلقہ ارتداد زوجہ

فى الدرالمختار وليس للمرتدة التزوج بغير زوجها به يفتى وفى ردالمحتار عن الفتح وقد افتى الدبوسى والصفار وبعض اهل سمرقند بعدم وقوع الفرقة بالردة رداعليها وغيرهم مشوا علىٰ الظاهر ولكن حكموا بجبرها علىٰ تجديدالنكاح مع الزوج وتضرب خمسة وسبعين سوطا واختاره قاضى خان للفتوىٰ اهـ ص:۴۶۹ و ۴۷۰ مطبوعہ مصر ج ۳ درمختار اور ردالمحتار اور فتح القدیر کتب معتبرہ مستندہ مذہب سے ہیں صاحب فتح یعنی ابن الہمام اس رتبہ کے شخص ہیں جن کو علامہ مقدسی رتبہ اجتہاد تک پہونچا ہوا مانتے ہیں جیسا علامہ شامی نے ان سے نقل کیا ہے (ردالمحتار مطبوعہ مجتبائی ج:۲ ص:۱۳۷۸) قاضی خان اس درجہ کے ہیں

کہ علمائے مذہب نے ان کو فقہاء کے سات طبقوں میں سے طبقہ ثالثہ سے شمار کیا ہے جن کا رتبہ بعد ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ کے ہے (ردالمحتار مطبوعہ مصر ج:ا ص:۷۹ و ۸۰) پھر دبوسی اور صفار اور بعض علماء سمرقند کا فتویٰ اور زیادہ مؤید ان حضرات کے مجموعی اقوال جو کہ کتب معتبرہ میں منقول ہیں گو اس میں باہم مختلف ہوں کہ عورت کے مرتد ہونے سے آیا فرقت واقع ہوگی یا نہیں لیکن اس پر متفق ہیں کہ اس عورت کو دوسرے زوج سے نکاح کرنے کا مطلقاً اختیار نہیں اگر وہ مرتد رہے گی تو کسی سے بھی اس کا نکاح صحیح نہیں (درمختار مع ردالمحتار ص ۶۵ ۴ مطبوعہ مصر) اور اگر اسلام کی طرف عود کرے گی تو زوج اول ہی سے اس کا نکاح کیا جائے گا اور نیز حسب قاعدہ شرعیہ اس کو اسلام کی طرف عود کرنے پر مجبور کیا جائے گا جیسا اوپر ردالمحتار ص ۴۷۰ سے گزرا ہے۔ واللہ اعلم ۲۴ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۹ ج ۲)

## عدم بطلان حکم تحلیل از ردت زوجہ

سوال (۴۷۴) زید نے ایک بے دین عورت کو دین اسلام میں لا کر اس سے نکاح کر لیا اور اس سے ایک بچہ پیدا ہوا زید نے کوئی بے جا حرکت پر اس کو تین طلاق دیدیا بعد ازاں عورت مذکورہ اسلام سے پھر گئی اب وہ عورت دائرہ اسلام میں آنا چاہتی ہے اور زید اس سے ثانیاً نکاح کرنا چاہتا ہے آیا اس عورت سے بغیر تحلیل نکاح درست ہے یا نہیں اور توبہ استغفار اس کو کرا کے نئے سرے سے نکاح کر لینا کافی وافی ہے یا نہ اور رانش میں یہ ہے کہ اس مرتدہ کو تاکید شدید کر کے دین پر لا کر نکاح کرنا بس ہے بوجہ مرتدہ ہونے کے احکام شرعی باطل ہو گیا تحلیل کی حاجت نہیں ہے۔

الجواب۔ في الدرالمختار لا بملك يمين لاشتراط الزوج بالنص فلا يحلها وطاء المولى ولا لملك امة بعد طلقين او حرة بعد ثلث وردة و سبي نظيره من فرق بينهما بظهار اولعان ثم ارتدت وسبيت ثم ملكها لم تحل له ابدا اه في ردالمحتار قوله لا بملك يمين عطف على قوله بنكاح نافذ قوله لم تحل له ابدا فوجه الشبه بين المسئلتين ان الردة واللحاق والسبي لم تبطل حكم الظهار واللعان كما لم تبطل حكم الطلاق اه ج:۲ ص: ۸۸۶ و ۸۸۷

اس روایت میں تصریح ہے کہ اگر زید نے اس کو تین طلاق دیدی ہیں تو تحلیل کی حاجت ہے ردت سے حکم تحلیل باطل نہیں ہوا۔ (تتمہ خامسہ ص ۶۳)

## حکم تطلیق مرتد

سوال (۴۷۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص

اپنے پیر کو خدا کہتا ہے اور سجدہ کرتا ہے اور بغداد شریف کی طرف منہ کر کے نفل کعبہ سے افضل جان کر پڑھتا ہے اور علماء دین کو دشنام دیتا ہے اور کہتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے رقاصوں کا ناچ و گانا سنا ہے اور حلال جانتا ہے اور السلام علیکم کو بے ادبی اور برا سمجھ کر بجائے اس کے یا علی مدد کہتا ہے آیا یہ الفاظ کفر کے ہیں یا کہ نہیں کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر الفاظ کفر کے ہیں چنانچہ عالمگیری کی عبارت سے علماء کو گالیاں دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ میں شریعت کو کیا کروں اور ہمارا شریعت سے کیا کام ہمارا علم حیدری ہے اور فتاویٰ مولوی عبدالحیٔ میں تحریر ہے کہ یہ الفاظ بھی کفر کے ہیں اور فتاویٰ مولوی اشرف علی صاحب میں بھی مرقوم ہے اگر یہ الفاظ کفر کے ہیں تو ایسا شخص اگر طلاق کہے تو واقع ہوگی یا نہیں کیونکہ بوجہ کفر کے نکاح تو فسخ ہو چکا تھا آیا بعد توبہ کرنے کے نکاح درست ہے مفصل بحوالہ کتب تحریر فرمادیں۔

الجواب۔ **فی الدرالمختار ثم الفرقة ان من قبلها ففسخ الٰی قوله وان من قبله طلاق الابملك لوردة اوخيار عتق وفی ردالمحتار وذكر فی اوّل طلاق البحر ان الطلاق لايقع فی عدة الفسخ الا فی ارتداد احدهما و تفريق القاضی باباء احدهما عن الإسلام الٰی قوله فيقيد كلام البحر ههنا بعدم اللحاق (ای بدار الحرب) كما لايخفی ج۲ ص۵۰۳۔**

اس سے معلوم ہوا کہ ارتداد فسخ ہے مگر اس کی عدت کے اندر طلاق واقع ہوتا ہے پس ان اقوال کفریہ سے تو نکاح فسخ ہو گیا اور عدت واجب ہوگئی اور وطی حرام ہوگئی پھر یہ طلاق اگر عدت کے اندر ہوا ہے تو تین سے کم میں تجدید ایمان کے بعد تجدید نکاح کر لیں اور اس نکاح کے بعد بقیہ تطلیقات کا مالک رہے گا اور اگر تین طلاق دیدے تو بعد حلالہ کے نکاح ہوسکتا ہے اور اگر یہ طلاق بعد عدت کے ہوا ہے تو طلاق واقع ہی نہیں ہوا بعد تجدید ایمان کے تجدید نکاح درست ہے اور اس نکاح کے بعد طلقات ثلثہ کا مالک رہے گا لیکن اگر اس نکاح کے بعد پھر کلمات کفریہ یا افعال کفریہ کا صدور ہوا پھر نکاح فسخ ہو جاوے گا اور وطی وغیرہ حرام ہوگی جیسا کہ اس طلاق سے پہلے مدتوں حرام ہوتا رہا۔

۶ رذیقعدہ ۱۳۳۹ھ (تتمۂ خامسہ ص:۱۹۷)

# کتابُ الطّلاق

## حکم طلاق بالکنایۃ طوعاً او کرہاً

سوال (۶۷۴) ایک شخص فیروز پور میں رہتا ہے اور اس کی شادی دہلی میں ہوئی ہے اور اس کی زوجہ نابالغ ہے اور والدین زوجہ فیروز پور بھیجنے سے انکاری ہیں اور طلاق کے خواہاں ہیں اب شوہر فیروز پور ہی سے طلاق نامہ روبرو تین گواہان لکھ کر دہلی بھیجدیوے تو طلاق ہو سکتی ہے یا نہیں۔

الجواب۔ طلاق ہو جاوے گی۔ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۳۴)

سوال (۶۷۷) علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ تین بھائی ہیں مثلاً ایک زید ایک عمرو ایک احمد سب سے بڑا بھائیوں میں زید ہے زید نے عمر کو مارا چھوٹے بھائی کو بہت بیجان کر دیا منجھلے بھائی نے تھانہ میں رپورٹ کر کے بڑے بھائی پر یعنی زید پر دعویٰ کیا بڑے بھائی نے عذر خواہی کر کے دونوں بھائیوں سے صلح کر کے اپنے گھر لایا منجھلے نے کہا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دو گے تو ہم تم سے صلح کریں گے ورنہ ہم تمہارے اوپر نالش کریں گے ورنہ قاضی کے پاس چل کر اپنی بیوی مسماۃ خاتون بی بی کو طلاق نامہ لکھو ہر چند زید کو طلاق نامہ دینا دشوار گزرا مگر نامبردہ نے اپنے خوف کے مارے قاضی سے کہدیا کہ لکھو[1] قاضی صاحب نے کاغذ پر طلاق ثلاثہ لکھا طلاق لکھ کر عورت زید کے گھر میں اکٹھی رہی بلکہ عورت مذکورہ جو حاملہ تھی ہفت ماہ کے بعد لڑکی پیدا ہوئی اب زید کہتا ہے کہ میں نے زبان سے طلاق نہیں دی پس عرض ہے کہ یہ طلاق جائز ہوئی یا نہیں۔

الجواب۔ صورت مذکورہ میں جب زید نے قاضی کو طلاق لکھنے کے لئے کہا اور انہوں نے لکھدی اور کاغذ سنادیا اور اس نے کچھ چون و چرا نہ کی تو اب زید کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئی **ولو قال للکاتب اکتب طلاق امرأتی کان اقراراً بالطلاق وان لم یکتب** شامی جلد ثانی ص ۴۳۹

---

(۱) ہر چند کہ لکھو کا مفعول لفظوں میں مذکور نہیں لیکن اس درخواست کی منظوری میں اس نے یہ کہا ہے اس میں اس کی تصریح ہے کہ طلاق نامہ لکھو جواب اسی پر مبنی ہے اور جواب میں جو تین کا وقوع لکھا ہے یہ اس وقت ہے کہ اس لکھے ہوئے کو وہ جائز رکھے یعنی یا تو اس پر دستخط کر دے یا لیکر بیوی کو دیدے یا کسی اور کو دیدے کہ تو بیوی کے پاس پہنچادے چونکہ غالب اس واقعہ میں یہی ہے اس لئے جواب میں یہ قید نہیں لگائی اور اگر شوہر تین طلاق کو جائز نہ رکھے تو طلاق بلا عدد لکھنے کے لئے کہنے سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی اور چونکہ یہ صریح ہے اسلئے رجعی واقع ہوگی۔ ۱۲ منہ

اور لڑکی پیدا ہونے سے عدت گزر گئی و اولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن الأیۃ اب بغیر حلالہ کے پھر اس کا نکاح زید سے درست نہیں فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتیٰ تنکح زوجا غیرہ الأیۃ واللہ اعلم۔ ۱۴ر ذی قعدہ ۱۳۲۰ھ (امداد ص ۵۳ ج ۲)

سوال (۴۷۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بی بی ہندہ کو غصہ کی حالت میں تین طلاق لکھوا کر بھیجا اس کی بی بی یعنی ہندہ دو چار روز سے اپنے باپ کے گھر بفاصلہ چھ کوس کے رہتی تھی لیکن جس روز آدمی خط لیکر ہندہ کے پاس گیا اس روز اپنے شوہر یعنی زید کے مکان میں چلی آئی خط اس کو نہیں ملا اور نہ شوہر نے ہندہ سے کچھ خط وکتابت یا طلاق کا ذکر کیا بعد آٹھ روز کے ہندہ کی بہن مسماۃ مریم خط لیکر آئی اور زید سے دریافت کیا کہ تم نے کوئی خط بھیجا ہے زید نے کہا کہ خط بھیجا ہے زید نے کہا کہ خط تو ضرور بھیجا تھا مگر ارادہ طلاق کا نہیں تھا وہ خط مجھ کو واپس کردے میں چاک کر ڈالوں وہ خط واہیات تھا اور کوئی چیز نہیں ہے ہندہ جھگڑا فساد نہ کرے خوشی سے گھر میں رہے مریم نے زید کا کہنا نہ مانا اور چند آدمیوں کو بلوا کر اور وہ خط پڑھوا کر ہندہ کو سنوایا ہندہ بولی کہ میں خط وکتابت کو نہیں جانتی زید موجود ہے وہ میرے روبرو نہ طلاق دیتا ہے اور نہ خط کا حال مجھ سے بیان کیا میں حسب دستور سابق اپنے شوہر کے گھر میں رہتی ہوں خلاصہ یہ کہ زید نے اپنی بیوی کو غصہ کی حالت میں تین طلاق لکھوا کر بھیجا مگر طلاق کا ارادہ نہیں تھا یا ارادہ تھا مگر قبل اطلاع پانے زوجہ کے ارادہ کو بدل ڈالا تو ایسی صورت میں طلاق واقع ہوا یا نہیں اگر واقع ہوا تو کون طلاق واقع ہوا رجعی یا بائن یا مغلظہ۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ خط میں طلاق لکھنے یا لکھوانے سے واقع ہو جاتی ہے خواہ نیت کرے یا نہ کرے یا نیت کر کے نیت سے رجوع کرے اور خواہ وہ خط بی بی کے پاس پہونچے یا نہ پہونچے فی الشامیۃ الجلد الثانی ص ۷۰۳ وان کانت مرسومۃ یقع الطلاق نوی اولم ینو وفیھا لو قال للکاتب اکتب طلاق امرأتی کان اقرارا بالطلاق وان لم یکتب الخ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ خط کا یہ مضمون ہو کہ میں تجھ کو طلاق دیتا ہوں یا دیدی اور اگر خط کا کچھ اور مضمون تھا تو سائل ظاہر کرے تاکہ جواب دیا جائے اور چونکہ تین طلاق دی ہیں اس لئے مغلظہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔ ۲۹ رجب ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۲ ص ۶۰)

## طلاق نویسانیدن

سوال (۴۷۹) ایک شخص نے دوسرے سے کہا ایک طلاق لکھدو اس نے بجائے صریح کے کنایہ لکھدیا آمر نے بغیر پڑھے یا پڑھائے دستخط کر دیئے تو کیا حکم ہے اور دستخط کرنا شرعا کیا حکم رکھتا ہے ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ یہ معتبر نہ ہوا اسی طرح جیسے بعض اطراف بنگالہ میں دستور ہے کہ شوہر سے لکھوا لیتے

ہیں اگر برس دن نان ونفقہ سے خبر نہ لی تو طلاق ہے یہ تحریر اگر قبل نکاح ہو معتبر نہیں اور بعد نکاح معتبر ہے لیکن اگر تحریر پہلے سے مرتب ہے اور بعد نکاح کے اس پر دستخط کر دیئے گئے اور حوالہ زوجہ کر دی گئی تو کیا حکم ہے۔

الجواب۔ اگر مضمون کی اطلاع پر دستخط کئے ہیں تو معتبر ہے ورنہ معتبر نہیں قواعد سے یہی حکم معلوم ہوتا ہے اور دستخط کرنا اصطلاحاً اس مضمون کو اپنی طرف منسوب کرنا ہے پس بمنزلہ اس کتاب کے ہے بنگالہ کے دستور میں جب بعد نکاح کے دستخط ہوتے ہیں معتبر ہے بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اگر پہلے ہی دستخط کر دے لیکن حوالہ کرے بعد میں وہ بھی معتبر ہے کیونکہ یہ سب عرف میں بمنزلہ انشاء تکلم کے سمجھے جاتے ہیں جو کہ مدار ہے اعتبار کتابت کا فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ (۱۳ رذی الحجہ ۲۳ھ امداد ص: ۶۵ ج: ۲)

سوال (۴۸۰) ایک شخص ایک قصبہ یا شہر میں ہے اور عورت دوسرے قصبہ یا شہر میں اگر خاوند اس عورت کا خط کے اندر طلاق لکھ کر بذریعہ ڈاک یا آدم عورت کے پاس روانہ کر دے تو طلاق آجاتی ہے یا نہیں۔

الجواب۔ تحریر وتقریر کا شرع میں ایک حکم ہے جیسا زبان سے طلاق پڑ جاتی ہے لکھنے سے بھی واقع ہوتی ہے پس اگر خط میں لکھا کہ تجھے طلاق تو لکھنے کے ساتھ پڑ جائے گی اور اسی وقت سے عدت آوے گی۔ ثم المرسومة لاتخلوا ما ان ارسل الطلاق بان کتب اما بعد فانت طالق فکما کتب هذا یقع الطلاق ویلزمها العدة من وقت الکتابة وان علق طلاقها بمجئ الکتاب بان کتب اذاجاءک کتابی هذا فانت طالق فمالم یجئ الیها الکتاب لا یقع کذا فی فتاویٰ قاضی خان عالمگیری ج ۲ ص ۳۹۷ (امداد ص ۷۷ ج ۲)

## وجوب حلالہ در طلقات ثلاثہ

سوال (۴۸۱) چہ فرمایند علماء دین ومفتیان شرع متین درحق شخصے کہ منکوحہ خود را در مجلس عام بطلاق ثلاثہ بر نفس خود حرام ساز دو بغیر حلالہ با زن اختلاط کند مسلمانان را اکل وشرب واجتناب واجب است یا نہ وزن مسطورہ او را بلا حلالہ جائز است یا نہ جواب ایں بحوالۂ کلام اللہ وکتب صحاح ستہ وتفسیر بیضاوی ومعالم التنزیل ومشکوٰۃ ودرمختار شرح وقایہ وغیرہ کتب معتبرہ مع اسناد زیب رقم فرمایند۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ ہرگاہ زوجہ را طلاق ثلاثہ داد بدون حلالہ او را آں زن حلال نباشد۔ قال اللہ تعالیٰ فان طلقها فلا تحل له من بعد حتیٰ تنکح زوجا غیره الأیة۔ وہمی حکم ست درجمیع تفاسیر وعن عائشةؓ قالت جاءت امرأة رفاعة القرظی الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقالت انی کنت عند رفاعة فطلقنی فبت طلاقی فتزوجت بعده عبد

الرحمن بن الزبير وما معه الامثل هدبة الثوب فقال اتريدين أن ترجعي الیٰ رفاعة قالت نعم قال لا حتى تذوقي عسيلته ويذوق عسيلتك متفق عليه۔ وہمیں مضمون در جمیع کتب حدیث ست وفي الهداية وان كان الطلاق ثلثا في الحرة او ثنتين في الامة لم تحل له حتیٰ تنكح زوجها غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها اويموت عنها۔

وہمیں مسئلہ در جمیع کتب فقہیہ است وبریں است اجماع امت دریں کسے خلاف نکردہ پس بادلۂ شرعیہ ثابت شد کہ بدون حلالہ آں زن حلال نہ شود۔ باز اگر آنکس بآں زن بدون حلالہ اختلاط می کند خواہ بنکاح ظاہری خواہ بے نکاح اور امنع باید کرد و باید گفت کہ آں زن را بگزارد وتوبہ کند اگر ایں امر قبول کند فبہا وبہتر است ورنہ مسلمانان از اکل وشرب واختلاط بدو اجتناب درزند کہ از حکم شریعت یعنی می کند ذلک جزينهم ببغيهم الأية ہمیں ست حب فی اللہ وبغض فی اللہ والله الموفق۔

۲۹ ذیقعدہ ۱۳۰۰ھ (امداد ص: ۵۴ ج: ۲)

سوال (۴۸۲) ایک شخص کو اس کی عورت نے کہا کہ میرے اگلے شوہر سے لڑکا ہے اس کو بھی تم کھانا کھلاؤ خاوند نے کہا کہ میں ہرگز اسے نہیں کھلاؤں گا تب عورت نے کہا کہ اگر نہ کھلاؤ تو مجھے فارغ خطی لکھدو شوہر نے فوراً مکان سے باہر نکل کر ایک لکھنے والے سے کہا کہ فارغ خطی لکھدو اس شخص نے لکھنے سے انکار کیا تو وہ شخص اس طرح زبان سے یہ کلمات بول اٹھا طلاق طلاق طلاق طلاق طلاق طلاق اس وقت اس کی عورت اس جگہ حاضر نہ تھی تو اس صورت میں اس شخص کی عورت پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں اور اگر واقع ہوگی تو کیسی رجعی یا بائن مغلظہ اور وہ شخص تجدید نکاح اس عورت سے کرسکتا ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ چونکہ قرائن قویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی زوجہ پر طلاق واقع کی ہے اس لئے طلاق واقع ہوجائے گی اگرچہ خطاب یا تسمیہ نہیں ہے۔

في الشامي ولا يلزم كون الإضافة صريحة في كلامه لما في البحر لو قال طالق فقيل له من عنيت فقال امراتي طلقت امرأته اهـ وفيه عن القنية رجل دعته جماعة الى شرب الخمر فقال اني حلفت بالطلاق ان لا اشرب وكان كاذبا فيه ثم شرب طلقت آهـ و قال الشامي المراد طلقت قضاء فقط الیٰ قوله فهذا يدل علیٰ وقوعه وان لم يضفه الیٰ المرأة صريحاً وقال بعد الحكم با لوقوع ببعض الالفاظ المستعملة مانصه فاوقعوا به الطلاق مع انه ليس فيه اضافة الطلاق اليها صريحاً فهذا مؤيد لما في القنية و ظاهره انه لايصدق في انه لم يرد امرأته للعرف۔

اور چونکہ تین بار سے طلاق مغلظہ واقع ہوتی ہے لہٰذا بدون حلالہ اب باہم نکاح بھی نہیں ہوسکتا۔

واللہ اعلم۔ فقط ۲۹ر جمادی الاخریٰ ۱۳۲۱ھ (امداد ص: ۵۴ ج: ۲)

## عدم وقوع طلاق بلفظ توبہ از منکوحہ خود

سوال (۴۸۳) شخصے از منکوحہ خود توبہ کرد و گفت از راہ سلام و کلام منکوحہ مارا توبہ است و نیت طلاق نداشت کفارہ چہ دہد و چہ کند۔

الجواب۔ چوں لفظ توبہ برائے معنی تحریم نہ موضوع ست نہ دراں متعارف لہٰذا لغوست نہ دریں کفارہ است و نہ چیزے دیگر فقط ۴ر رجب ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۵۵ ج ۲)

## تحقیق عذر نہ بودن جہل بالحکم در طلاق

سوال (۴۸۴) زید نے بعض کتب فقہیہ میں مسئلہ دیکھا تو یہ تھا کہ زوج ثانی مادون ثلث کو باطل کر دیتا ہے اور جب عورت مطلقہ بمادون ثلث زوج ثانی کے بعد زوج اوّل کی طرف لوٹتی ہے تو تین کے ساتھ لوٹتی ہے اور خیال رہا اس کو یہ کہ رجعت طلاق رجعی کو رفع و باطل کر دیتی ہے اور اتنا اس خیال میں اس نے عبارت کنز الحقائق شرح کنز الدقائق باب الرجعۃ **ذکرھا بعد الطلاق کانھا متاخرۃ عنہ طبعا فکذا وضعا لانھا وضعت لرفع سبب الحرمۃ وھو الطلاق والرفع ابدا یکون بعد الوقوع اھ** دیکھی تو چونکہ اس عبارت کے ظاہر سے ایسا ہی مفہوم ہوتا ہے لہٰذا یہ خیال اس کا ایسا درجۂ یقین کو پہونچ گیا کہ نہ اس نے کتب کی طرف رجوع کی نہ اہل علم سے اس کا مذکراہ کیا اور اس خیال فاسد کی بناء پر دو یا اڑھائی برس کی عرصہ میں اپنی زوجہ ہندہ کو کچھ مدت کے بعد جب جب لڑائی ہوئی اور اس کی بیوی طلاق لینے پر اڑ کے بیٹھ گئی تب تب بغرض دفع خصومت و نزاع نہ بارادہ دفع قید نکاح ایک ایک کر کے تین یا اس سے زائد مرتبہ تین یا اس سے زائد طلاقیں دیں اور ہر ایک کے بعد رجوع کرتا گیا اب جب سے کسی اور مسئلہ کو تحقیق کرتے ہوئے یہ مسئلہ اسکے دیکھنے میں آیا ہے کہ رجعت سے فقط اثر طلاق منعدم ہو جاتا ہے اور نفس طلاق باقی رہ جاتی ہے یہاں تک کہ اگر اس طلاق مرجوع عنہ کے بعد دو طلاق اور دیدے تو وہ دونوں اس کے ساتھ منضم ہو کر تین ہو جاتی ہیں تب سے بے چارہ نہایت حیران ہے کہ بیوی کا نہ کوئی عزیز و قریب ہے کہ اس کی دستگیری کرے اور وہ بے چاری کہاں جائے گی کیا کر کے کھائے گی نہایت نادم ہے اب عمرو زید کی جانب سے اول تو یہ عرض کرتا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ **ان اللہ تجاوز عن امتی الخطاء والنسیان رواہ ابن ماجۃ والبیہقی عن ابن عباس** اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی جولمعات میں اس کے تحت فرماتے ہیں۔ **قولہ تجاوز عن امتی الخ لعل المراد بالتجاوز عدم الاثم فیھما لاعدم المواخذۃ**

علیهما مطلقا لانه ثبت الدیة والکفارة فی قتل الخطاء ویجب قضاء الصوم فی الافطار خطاء ومع ذلک الاثم مرفوع فی الکل وھو المراد بالتجاوز منتھی اس کی نسبت یہ عرض ہے کہ تجاوز سے عدم اثم تو ان افعال میں مراد ہے ہوسکتا ہے جن کے عمداً کرنے میں گناہ لازم آتا ہے جیسے قتل اور افطار صوم کہ انکے عمداً کرنے میں گناہ لازم آتا ہے اور جو افعال ایسے ہیں کہ ان کے عمداً کرنے میں گناہ لازم نہیں آتا ہے جیسے فی المثل زوجہ موطوءہ کو تین طہروں میں تین طلاقیں عمداً دینا کہ ایک امر مباح ہے اس میں کچھ گناہ نہیں ہے تو ایسے افعال کے خطاء ہو جانے میں تو تجاوز سے عدم مواخذہ مطلقاً ہی مراد ہوگا کیونکہ ان میں اثم تو ہے ہی نہیں جس کا عدم مراد ہو اور یہ نہ فرمایا جائے کہ صورت مسئولہ میں تو عمداً طلاق دی گئی ہے تو پھر اس حدیث کے ساتھ تمسک چہ معنی دارد کیونکہ عرض کیا جائے گا کہ خطاء دو طرح کی ہوتی ہے ایک خطاء نفس فعل میں دوسری خطاء ظن فاعل میں جیسے شکار گمان کر کے آدمی کو تیر مار دیا تو صورت مسئولہ میں گو نفس فعل یعنی طلاق دینے میں خطاء نہیں ہے لیکن ظن فاعل میں خطاء ہے تفصیل اس کی یوں ہے کہ جیسے کہ مثال مذکور میں آدمی کو شکار کا گمان کر کے تیر مارا اور نہ ہرگز نہ مارتا اسی طرح صورت مسئولہ میں طلاق کو رجعت سے باطل ہو جانے والی گمان کر کے دی ورنہ ہرگز ہرگز نہ دیتا تو اگر وہ قتل خطاء ہے تو یہ طلاق بھی خطاء ہے اور وہ نہیں تو یہ بھی نہیں۔

اور دوم یہ کہ مولوی عبدالحئی صاحب لکھنوی مرحوم نے عمدۃ الرعایہ جلد ثانی مطبوعہ علوی کے ص ۴۷ حاشیہ (۱۰) بحوالہ عــ خطاء دو طرح کی ہوتی ہے الخ اور اگر یہ خطاء قتل کے ساتھ خاص فرمائی جائے اور خطاء فی الطلاق اور طرح کی بتائی جائے تو قتل میں اس طرح کی اور طلاق میں اس طرح خطا ہونے کے دلیل بھی سنائی جائے تا کہ قائل یوں نہ کہہ سکے کہ اس کا عکس کیوں نہیں جائز ہے ۱۲ فتح ونہر میں ایک عبارت لکھی ہے اس میں قضاء ودیانۃً وقوع طلاق میں تین چیزوں کو ضروری بتایا ہے (۱) قصد اضافت لفظ طلاق الی الزوجہ (۲) علم بمعنی طلاق (۳) عدم صرف طلاق الی مایحتمله پھر آگے چل کر فرمایا اولقنه الطلاق فتکلم به غیرھا عالماً بمعناه لایقع لاقضاء ولا دیانة اھ پس ان تینوں چیزوں میں علم بالمعنی کو بھی بتاتا اور اس جزئیہ میں بوجہ اس کے عدم کے حکم عدم وقوع فرمانا دلیل قوی ہے اس پر کہ طلاق میں جہل عذر ہے اور صورت مسئولہ میں جہل ہے فرق اتنا ہے کہ نفس طلاق میں نہیں ہے بلکہ اس کے وصف اور حکم میں ہے مگر جبکہ نفس اور ذات طلاق میں جہل عذر ہے تو طلاق رجعی کا رجعت سے باطل نہ ہونا کہ ایک وصف اور حکم ہے اس میں بطریق اولی عذر ہوگا پس عمرو کی ان دونوں تقریروں کو ملاحظہ کر کے اگر قابل قبول ہوں تو ان کی بناء پر ورنہ کوئی اور صورت بن سکتی ہو تو براہ مہربانی اس کو بتا کر عدم وقوع طلقات مذکورہ کا حکم دیجئے ورنہ جو حکم ہو ظاہر کیجئے اور اس واقعہ کو عرصہ کئی سال کا ہو چکا ہے تو برتقدیر حکم

وقوع یہ بھی بتایئے کہ عدت کب سے شمار کی جائے گی۔ فقط؟

الجواب۔ عمرو کی سب تقریر محض باطل ہے اور اس کے ابطال میں کچھ لکھنا اشتغال بما لا یعنی ہے کیونکہ زید کا یہ گمان جہل ہے نہ کہ خطاء اس کو خطاء سمجھنا عمرو کی خطاء ہے اور جہل احکام شرع میں عذر نہیں ہے یہ بھی شرع کی طرف سے بڑی رعایت ہے کہ اس جہل کو مورث شبہ قرار دے کر دافع حد ٹھہرا دیا فافہم طلقات ثلثہ واقع ہو گئیں اور عورت بدون حلالہ حلال نہیں ہو سکتی رہا عدت سو چونکہ یہ عورت موطوءہ بالشبہ ہے اس لئے وقت فرقت سے ہوگی فی الدرالمختار کتاب الحدود ولاحد ایضاً بشبهة الفعل ان ظن حله الٰی قوله ومعتدة الثلث وفيه ایضاً باب العدة وعدة المنكوحة نكاحا فاسداو الموطوءة بشبهة الٰی قوله الحيض للموت وغيره كفرقة اومتاركة اهـ مختصر واللہ اعلم ۸ ذیقعدہ ۱۳۲۱ھ (امداد ص:۵۵ ج:۲)

## حکم تطلیق مبہم

سوال (۴۸۵) زید نے ایک نکاح کیا اس کے بعد عمرو نے اپنی لڑکی سے زید کا دوسرا نکاح کر دیا پھر عمرو نے زید پر زور دیا کہ پہلی زوجہ کو طلاق دے زید نے نہیں مانا مگر عمرو زید پر بہت غالب ہے اور یہاں تک زور دیا کہ اگر تو اس کو طلاق نہ دے گا تو میں نہ ہوں گا یا تو نہ ہوگا عمرو کو یہ یقین ہو گیا کہ اگر میں اسکے سامنے لفظ طلاق نہ کہونگا تو جان سلامت نہ رہے گی اور عمرو نے یہ بھی کہا کہ یا تو میری لڑکی کو طلاق دیدے یا اپنی دوسری زوجہ کو زید نے مجبور ہو کر یہ لفظ کہا کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا اور دل میں کسی بیوی کا ارادہ نہیں کیا اس صورت میں کون سی بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا کسی پر نہیں ہوئی۔

الجواب۔ فی الدرالمختار اول باب الصريح قيدبها لانه لو قال ان خرجت يقع الطلاق او لاتخرجی الا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لم يقع لتركه الاضافة اليها فی ردالمحتار تحت القول المذكور ولا يلزم كون الاضافة صريحة فی كلامه لما فی البحر لو قال طالق فقيل له من عنيت فقال امرأتی طلقت وفی الدرالمختار قبيل باب الكنايات قال امرأتی طالق ولم يسم الٰی قوله ولو كان له امرأتان كلتاهما معروفة صرفه الٰی ايهما شاء خانية ولم يحك خلافا وفی ردالمحتار قبيل باب الصريح تحت قول الدرالمختار او مخطئا بان ارادالتكلم بغير الطلاق مانصه وفی فتح القدير عن الحاوی معزيا الٰی الجامع الصغير ان اسدا سئل عمن ارادان يقول زينب طالق فجری علٰی لسانه عمرة علٰی ايهما يقع الطلاق فقال فی القضاء تطلق التی سمی و فيما بينه و بين الله تعالیٰ لا تطلق واحدة منهما اما التی سمی فلانه لم

یردها واما غیرها فلانها لو طلقت طلقت بمجرد النیة اھ۔

روایات مرقومہ سے مستفاد ہوا کہ چونکہ زید کا یہ کہنا کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا عمرو کے جواب میں ہے اور عمرو کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ ایک منکوحہ کو چھوڑ دے تو اس وجہ سے زید کا یہ قول بجائے اس کے ہے کہ یوں کہتا میں نے ان میں سے ایک کو چھوڑ دیا اور وقوع فی الجواب قرینہ اضافت صریحہ کا ہے جیسا روایت اولیٰ اور ثانیہ سے معلوم ہوتا ہے اور اس کہنے کا کہ ایک کو چھوڑ دیا حکم یہ ہے کہ جس کو اب تعیین کر دے اسی کو طلاق ہو جاتی ہے جیسا روایت ثالثہ سے مستفاد ہے پس زید کو اختیار ہے چاہے دختر عمرو کا نام لے دے خواہ منکوحہ سابقہ کو وہی مطلقہ ہو جائے گی یہ حکم تو قضاء کا ہے لیکن دیانۃً چونکہ زید نے کسی کا نام لیا نہ کسی کی طرف اشارہ کیا نہ دل میں کسی کی طرف خیال کیا اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی جیسا روایت رابعہ سے ثابت ہے اور طلاق قضاء جو واقع ہوگی اگر دونوں زوجہ مدخول بہا ہیں تو رجعی واقع ہوگی جس میں عدت کے اندر رجعت درست ہے پس زید کے لئے مناسب یہ ہے کہ عدت کے اندر دونوں زوجہ سے ہم بستر ہو جائے یا زبان سے کہہ لے میں نے رجوع کیا تا کہ وقوع قضاء کا اثر بھی نہ رہے اور اگر رجعت نہ کی تو قضاء وقوع کا حکم بتفصیل مذکور ہوگا اور دیانۃً دونوں کا نکاح بحالہ قائم ہے واللہ اعلم۔

۱۸ محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ص: ۵۸ ج: ۲)

## ازواج متعددہ کی صورت میں ایک غیر معین کو طلاق دینے کی صورت میں زوج کو خیار تعیین حاصل ہونے پر شبہ کا جواب۔

سوال (۴۸۶) درمختار سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی عورت کو طلاق دے اور اس کے تین چار عورتیں ہوں تو اس شخص کو خیار تعیین ہے جس عورت کی طرف چاہے طلاق پھیر لے چنانچہ وہ عبارت یہ ہے **لو قال امرأتی طالق وله امرا تان او ثلاث تطلق واحدة منهن وله خيار التعيين** اور شامی سے ظاہر ہوتا ہے کہ امرأتی طالق کی صورت میں ایک پر طلاق ہوگی اور خیار تعیین بھی طلاق دہندہ کو ہوگا اور اگر امرأتی طالق ثلثاً کہے تو طلاق منقسم ہو جائے گی اگر عورتیں متعدد ہیں پس سوال یہ ہے کہ اس جگہ لفظ اشتراک بینہن یا اشترکتہن موجود نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے بلا اختیار طلاق ہر واحدہ پر منقسم ہو جاوے پس کیا وجہ ہے کہ صورت اولیٰ میں منقسم نہیں ہوتا ہے اور صورت ثانیہ میں منقسم ہو جاتا ہے۔ حالانکہ دونوں جگہ لفظ امرأتی مقتضی عموم بدلی مانع عموم استغراقی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ لفظ طالق اگر عدد کے ساتھ ہو تو اس کا مدلول طلاق متعدد ہے اور اگر مقرون بالعدد نہ ہو تو اس کا مدلول واحد ہے دوسرا امر یہ ہے کہ اصل طلاق میں بوجہ ابغض المباحات ہونے کے وقوع اقل ہے یا اس وجہ سے اصل وقوع اقل ہے کہ اس سے ارتفاع ملک سابق متیقن کا لازم آتا ہے پس دلیل محتمل

سے حسب قاعدہ الیقین لا یزول بالشک ملک متیقن کو مرتفع نہ کہا جاوے گا پس صورت اولیٰ میں چونکہ طلاق مقرون بالعدد نہیں ہے ایک ہی واقع ہوگی اور ظاہر ہے کہ ایک طلاق کا وقوع ایک ہی محل پر ممکن ہے اور جب محل متعین نہیں ہے تو اس موقع سے اس کی تعیین کرائی جاوے گی اور صورت ثانیہ میں چونکہ مقرون بالعدد ہے تین طلاق ہوں گی اب آگے دو احتمال ہیں یا تو سب ایک ہی محل پر ہوں اور یا منقسم ہوں مگر امر ثانی کی وجہ سے احتمال ثانی کو ترجیح ہوگی اور رہا یہ شبہ کہ امراءۃ عموم استغراقی کے لئے نہیں ہے بدیں وجہ مدفوع ہے کہ عموم استغراقی کے لئے گو نصاً نہیں لیکن بوجہ اس کے مفہوماً کلی ہے محتمل ہے اسی کو اور یہاں احتمال کافی ہے اور قرینہ ثلثا سے بانضمام تقریر مذکور اس احتمال کو ترجیح ہوگئی۔

۸ر شوال ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص:۱۱۰)

## صحت وقوع طلقات ثلاثہ دفعۃ

سوال (۴۸۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص اپنی زوجہ کو ایک جلسہ میں تین طلاق دیدے اور رکھ لے تو کیا رکھ سکتا ہے یا نہیں اور اکثر فقہاء کس طرف گئے ہیں آپ اس کا جواب قرآن واحادیث وفقہ سے دیویں اور خدائے بزرگ سے نعمت دارین حاصل کریں۔

الجواب۔ فی التفسیر المظهری تحت قوله تعالیٰ الطلاق مرتان لكنهم اجمعوا على انه من قال لامرأته انت طالق ثلثا يقع ثلثا بالإجماع و قالت الإمامية ان طلق ثلثا دفعة واحدة لا يقع اصلا وقال بعض الحنابلة يقع طلقة واحدة ومن الناس من قال ان في قوله انت طالق ثلثا يقع في المدخول بها ثلثا وفي غير المدخول بها واحدة والحجة لنا السنة والإجماع اما السنة فحديث ابن عمرؓ انه طلق امرأة وهي حائض الىٰ ان قال فقلت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم ارايت لو طلقها ثلثا اكان يحل لي ان اراجعها قال لا كانت تبين منك وكانت معصية رواه دارقطني وابن ابي شيبة في مصنفه عن الحسن قال حدثنا ابن عمرؓ قد صرح بسماعه وحديث عنه وحديث ابن عباس فيه دلالة علىٰ ان الحديث منسوخ فان امضاء عمر الثلث بمحضر من الصحابة وتقرر الامر علىٰ ذلك يدل علىٰ ثبوت الناسخ عندهم وان كان قد خفي ذلك قبله في خلافة ابي بكرؓ ثم نقل المفسرؒ فتوى ابن عباس عن ابي داؤد والطحاوي ومالك و فتوى ابن مسعود عن المؤطا و عبدالرزاق وفتوىٰ عليؓ عن ابي هريرةؓ مع ابن عباسؓ عن ابي داؤد و مالك و فتوىٰ ابن عمرؓ عن مالك و فتوىٰ عليؓ عن وكيع و فتوىٰ عثمان عن وكيع و رواية طلاق ابي عبادة الصامت امرأته الف تطليقة و قوله عليه السلام بانت منك في معصية الله عن عبدالرزاق و

فتویٰ انس عن الطحاوی وفتویٰ عمر فی البکر عن الطحاوی واُوِّلَ حدیث ابن عباس بان قول الرجل کان واحدۃ فی الزمن الاول لقصدھم التاکید وفی ذلک الزمان ثم صاروا یقصدون التجدید وحدیث رکانۃ قال طلقھا ثلثا فی مجلس واحد قال انما تلک طلقۃ واحدۃ فمنکر والاصح ماروا ہ ابو داؤد والترمذی وابن ماجۃ ان رکانۃ طلق زوجتہ البتۃ فحلفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ ما اراد الاواحدۃ فردھا الیہ اھ۔

مختصراً ان احادیث سے اور نیز نقل مذاہب سے معلوم ہوگیا کہ جمہور فقہاء کا مذہب وقوع ثلث بدلیل ان حدیثوں کے ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۰ ربیع الثانی ۲۲ھ (امداد ص:۵۹ ج:۲)

سوال (۴۸۸) جامع کمالات صوری ومعنوی حکیم الامت جناب مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم۔ بعد تحیہ مسنونہ عرض ایں کہ ایک استفتاء معہ جواب ارسال خدمت اقدس ہے حضور والا بہ نفس نفیس مہربانی فرما کر ملاحظہ کریں اگر مجیب کا جواب صحیح ہے تو دستخط فرما دیا جاوے ورنہ اختصار کے ساتھ تردید کر دی جاوے جہاں تک ممکن ہو جواب باصواب سے جلد مطلع فرماویں نوازش ہوگی جواب کا سخت انتظار رہے والسلام۔

**استفتاء**۔ جس کا ذکر خط بالا میں ہے۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی بی بی ناہیدہ سے چند روز قبل سے ناخوش وناراض رہا کرتا تھا کل اتفاق یہ ہوا کہ زید جس وقت حویلی میں گیا تو ناہیدہ کو واہیات خرافات بولتے پایا اس نے منع کیا نہیں ماننے پر بات بڑھ گئی اور زید نے دو جوتے ناہیدہ کو مارے جس پر ناہیدہ نے زید کو ماں بہن کی گالی دی زید نے بحالت غضب ناہیدہ کو کہا ہم نے تم کو طلاق دیا طلاق دیا طلاق دیا اب سوال یہ ہے کہ طلاق بائن ہوگئی یا نہیں اور از روئے شرع شریف کوئی صورت پھر اپنے زوجیت میں لانے کی ہے یا نہیں۔

جواب ہمراہ خط۔ صورت مسئولہ میں اگر زید کا غصہ اس درجہ تھا کہ زید کے ہوش وحواس درست نہ تھے یا غصہ کی وجہ سے کسی امر کا صحیح ارادہ نہ کر سکتا ہو بلکہ بے خودی میں ایسے کام اس سے سرزد ہوئے ہوں جن پر غصہ دور ہونے کے بعد سخت نادم ہونا پڑے تو ان دونوں صورتوں میں طلاق ہی نہ واقع ہوگی۔
ابوداؤد ج:۲ ج:۱۲۴

قالت سمعت عائشہؓ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاطلاق وعتاق فی اغلاق قال ابوداؤد الغلاق اظنہ فی الغضب وقال ابن القیم فی زادالمعاد ص: ۲۰۴ والغضب علیٰ ثلاثۃ اقسام احدھا ما یزیل العقل ولا یشعر صاحبہ بما قال وھذا لایقع طلاقہ بلا نزاع الثانی مایکون فی مبادیھم بحیث لا یمنع فی تصور مایقول وقصدہ وھذا یقع طلاقہ۔ الثالث ان یستحکم ویشد ولا یزیل عقلہ بالکلیۃ ولکن یحول بینہ وبین نیۃ بحیث یندم علیٰ ما فرط منہ اذا زال فھذا محل نظر وعدم الوقوع

في هذه الحالة قوی موجه۔ ورنہ اگر ان دوصورتوں کے علاوہ تیسری صورت ہوتو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی زید عدت کے اندر رجعت کرسکتا ہے مسلم شریف ج:۱۔

ان ابا الصهباء قال لا بن عباس اتعلم انما كانت الثلث تجعل واحدة علٰى عهد النبي صلى الله عليه وسلم وابی بكر و ثلاثا في إمارة عمر فقال ابن عباس قال طلق ركانة بن عبد يزيد امراته ثلاثا في مجلس واحد فحزن عليها حزنا شديداً قال فسأله رسول الله صلى الله عليه وسلم كيف طلقتها قال طلقتها ثلاثا قال فقال في مجلس واحد قال نعم قال فانما تملك واحدة فارجعها ان شئت قال فراجعها قال ابن القيم في اعلام الموقعين و قد صحح الامام هذا الاسناد وحسنه قال الحافظ في فتح الباري الحديث اخرجه احمد وابو يعلي وصححه عن طريق محمد ابن اسحاق وهذا الحديث نص في المسئلة لايقبل التاويل الذى في غيره من الروايات۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کہا رکانہ نے اپنی بی بی کو تین طلاقیں دیں کہا راوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تو نے کس طرح طلاق دی ہے رکانہ نے کہا میں نے اس کو تین طلاقیں دی ہیں راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پھر پوچھا کیا ایک ہی مجلس میں انہوں نے کہا کہ ہاں رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ایک ہی طلاق کا مالک ہے اگر تو چاہے تو اپنی بی بی سے رجعت کرلے کہا رکانہ نے اپنی بی بی سے رجعت کرلی علاوہ ازیں زید کے کلمات طلاق کو تاکید پر محمول کرنا قواعد شرع کے زیادہ موافق وانسب ہے چونکہ طلاق ابغض المباحات ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔



## خط بالا اور فتویٰ بالا کا جواب حسب ذیل آ گیا

السلام علیکم۔ تین طلاق کا ایک ہونا جمہور کے مذہب کے خلاف ہے اور جن دلائل سے اس پر استدلال کیا گیا ہے جمہور نے سب کا جواب دیا ہے اور دلائل کی قوت وضعف کو تو علماء سمجھ سکتے ہیں مگر عوام کے لئے تو ایک سہل طریق یہ ہے کہ اگر یہ شخص طلاق دینے والا مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کا مقلد ہے تو نفسانی شہوانی یا اور کسی دنیوی مصلحت سے اپنے امام کی مخالفت کرنا جس کے قول کو دین اور راجح سمجھتا ہے دنیا کو دین پر ترجیح دینا ہے اور مذاہب اربعہ وقوع ثلاث پر متفق ہیں نقله النووی عن الشافعي ومالك وابی حنيفة و احمد وجماهير العلماء من السلف والخلف اور اگر وہ کسی مذہب کا مقلد نہیں ہے تو مشتبہ میں احتیاط پر عمل کرنا خود حدیث میں مامور بہ ہے کما روی مسلم امره صلى الله عليه وسلم لسورة بالاحتجاب ممن حكم ثبوت نسبه من زمعه اور اس میں فتویٰ کے اخیر مضمون کا جواب بھی ہوگیا کہ تاکید پر محمول کرنا قواعد شرع کے زیادہ موافق ہے حیرت ہے مشتبہ

پر اقدام اقرب الی الشرع ہے یا اس سے احجام اور ابغض المباحات ہونا تو اس کو مقتضی ہے کہ طلاق دینے والا طلاق نہ دے نہ یہ کہ طلاق واقع کرنے کے بعد اس کو واقع نہ کہا جاوے بلکہ تامل کے بعد تو معلوم ہوتا ہے کہ ابغض مباحات ہونا اس کو مقتضی ہے کہ زجراً وقوع کا حکم دیا جاوے تاکہ آئندہ اس ابغض کا ارتکاب نہ کریں ورنہ اگر ایسی گنجائشیں دی جاویں گی تو ایقاع پر زیادہ بے باک ہو جاویں گے کہ ایقاع سے کچھ ضرر تو ہوتا ہی نہیں خوب آزادی سے واقع کرتے رہو۔ منصف کے لئے تو اتنا کافی ہے باقی دلائل کا جواب سو ابن القیم نے اس باب میں بہت دلائل جمع کئے ہیں اور یہاں مدرسہ میں اس کا مفصل جواب لکھا گیا ہے جو شائع ہونے والا ہے اگر کسی کا دل چاہے یہاں آ کر ملاحظہ فرمالیں مگر اس مقام پر بہت مختصر کچھ عرض کئے دیتا ہوں۔

(۱) غصہ میں جو تفصیل لکھی گئی ہے اس کی کوئی دلیل نہیں لکھی اگر ابوداؤد کی حدیث کو دلیل سمجھا جاوے تو اول تو اس میں لفظ اغلاق ہے لفظ غضب نہیں اور اس کی تفسیر میں کئی وجوہ محتمل ہیں ایک غضب جس پر مفسر کو بھی وثوق نہیں خود اظنہ کہہ رہے ہیں تو کیا تفسیر مظنون دوسرے پر حجت ہو جاوے گی بعض نے اکراہ کے ساتھ تفسیر کی ہے جیسا مجمع البحار و قاموس میں نقل کیا ہے بلکہ یہ تفسیر بہ نسبت غضب کے اقرب ہے کیونکہ عتاق غضب میں کم واقع ہوتا ہے اور اکراہ میں دونوں واقع کئے جاتے ہیں گو وقوع فی الاکراہ بھی مختلف فیہ ہے اور بعض محدثین فقہاء سے میں نے یہ تفسیر سنی ہے کہ کلام مغلق مراد ہے یعنی تکلم کے وقت الفاظ مفہوم نہ ہوئے ہوں جیسا منہ میں کوئی چیز بھری ہو یا کسی نے منہ پر زور سے ہاتھ رکھ لیا ہو قاموس میں بھی اس کی تائید ہے کلام غلق ککتف مشکل چونکہ اس صورت میں الفاظ ادا نہ ہوں گے اور طلاق کا تعلق الفاظ سے ہے محض قصد سے نہیں۔ لہٰذا واقع نہ ہوگا جیسا ابوداؤد نے باب فی الوسوسہ بالطلاق میں ایک حدیث اسی مضمون کی نقل کی ہے اور بعض نے اس کو نہی پر محمول کیا ہے مجمع البحار میں ہے او معناه لایغلق الطلقات دفعة واحدة حتی لایبقی فیها شیئی ولکن تطلق طلاق السنة تو اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے کسی خاص تفسیر پر استدلال کا مبنی کرنا کیسے صحیح ہوگا اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال دوسرے غضب کی تفسیر مان لینے پر ابن القیم کی تفصیل کی کیا دلیل ہے ظاہر ہے کہ حدیث تو مطلق ہے اس میں کوئی قید لگانا کسی دوسری دلیل کلی یا جزئی سے ہوگا کیونکہ خود ابن القیم کا قول تو حجت نہیں ہے سو جیسے دوسرے دلائل سے اس حدیث کا مأول کرنا جائز ہے اسی طرح دوسرے دلائل سے ابن عباس اور رکانہ کی حدیث کا مأول کرنا جائز ہے اور اگر ان حدیثوں میں تاویل جائز نہیں تو حدیث غضب میں بھی تاویل جائز نہیں بلکہ غضب کے تینوں درجوں میں وقوع طلاق کا حکم کرنا چاہئے اب صرف ابن عباس و رکانہ کی حدیث میں کلام باقی رہا سو دونوں استدلال کا جواب کافی نووی کے کلام میں موجود ہے جس کو ملخصاً نقل کرتا ہوں وہاں کسی عالم سے خواہ مجیب صاحب سے ترجمہ کرا لیجئے۔

واحتجوا (ای الجمهور) ایضاً بحدیث رکانة انه طلق امرأته البتة فقال له النبی صلی الله علیه وسلم آلله ماأردت الا واحدة قال آلله ما اردت الاواحدة فهذا دلیل علی انه لو اراد الثلاث لوقعن والا فلم یکن لتحلیفه معنی واما الروایة التی رواها المخالفون ان رکانة طلاق ثلاثا فجعلها واحدة فروایة ضعیفة عن قوم مجهولین وانما الصحیح منها ما قدمناه انه طلقها البتة ولفظ البتة محتمل للواحدة والثلاث و لعل صاحب هذه الروایة الضعیفة اعتقد ان لفظ البتة یقتضی الثلاث فرواه بالمعنی الذی فهمه وغلط فی ذلك الی قوله واما حدیث ابن عباس فاختلف العلماء فی جوابه و تاویله فالاصح ان معناه انه کان فی الامر الاول اذا قال لها انت طالق انت طالق ولم ینوتاکیداً ولا استینافایحکم بوقوع طلقة لقلة ارادتهم الاستیناف بذلك فحمل علی الغالب الذی هو ارادة التاکید فلما کان فی زمن عمرؓ وکثر استعمال الناس بهذه الصیغة وغلب منهم ارادة الاستیناف بها حملت عند الاطلاق علی الثلاث عملاً بالغالب السابق الی الفهم منها فی ذلك العصر اھ۔

اور رکانہ کی حدیث کے متعلق نووی کے تحقیق مذکور کی تائید خود ابوداؤد کی تصریح سے ہوتی ہے انہوں نے اول ابن عباس کی حدیث جو سوال میں مذکور ہے بسند ابن جریج عن بعض بنی ابی رافع عن عکرمة عن ابن عباس روایت کی ہے جس میں لفظ ثلاثا ہے پھر دو صفحہ کے بعد نافع بن عجیر بن عبد یزید بن رکانہ اور عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ کی سند سے نقل کی ہے جس میں لفظ البتہ ہے اور نافع اور عبداللہ کی روایت کو ابن جریج کی روایت پر اس عبارت سے ترجیح دی ہے ایک عبارت ابن جریج کی روایت کے بعد ہے وحدیث نافع بن عجیر وعبدالله بن علی بن یزید بن رکانة عن ابیه عن جده ان رکانة طلق امرأته (وفی نسخته البتة) فردها الیه النبی صلی الله علیه وسلم اصح لانهم ولد الرجل واهله اعلم به الخ اور ایک عبارت نافع وعبداللہ کی روایت کے بعد ہے وهذا اصح من حدیث ابن جریج ان رکانة طلق امرأته ثلثا لانهم اهل بیته وهو اعلم به الخ قلت معنی قوله فردها الیه یعنی بالنکاح لانها مطلقة بتطلیقة واحدة البتة (فتح ابوداؤد) اور ایک جواب ابن عباس کی حدیث کا خود اسی حدیث کے دوسرے طریق سے ہے۔

وهو ما فی سنن ابی داؤد عن طاؤس ان رجلا یقال له ابو الصهباء کان کثیرا السوال لابن عباسؓ قال اما علمت ان الرجل کان اذا طلق امرأته ثلثا قبل ان یدخل بها جعلوها واحدة علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وابی بکر و صدراً من امارة عمر قال ابن عباس بلی کان الرجل اذا طلق امرأته ثلثا قبل ان یدخل بها

**جعلوها واحدة علٰی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وابی بکر و صدراً من امارة عمر فلما رای الناس قدتتابعوا فیها قال اجیروهن علیهم۔**

اس میں غیر مدخول بہا کی قید ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم علی الاطلاق نہ تھا اور محمل اس کا یہ ہے کہ غیر مدخول بہا کو جب مفرقاً طلاق دی تو وہ اول ہی صیغہ سے نکاح سے نکل گئی اس لئے دوسرا تیسرا طلاق واقع نہ ہوگا اگرچہ استیناف ہی کی نیت ہو پھر لوگوں نے مدخول بہا کو اس پر قیاس کر کے اسی طرح طلاق دینا شروع کر دیا اور باوجود نیت استیناف کے اس کو ایک قرار دینے لگے ہوں گے اس واسطے حضرت عمرؓ نے اصلی حکم کو ظاہر فرما کر اس پر لوگوں کو مجبور فرمایا اور عون المعبود سے جورکانہ کی حدیث نقل کر کے کہا گیا ہے **وهذا الحدیث نص فی المسئلة لا یقبل التاویل الذی فی غیره من الروایات** بعد تسلیم تصحیح یا تحسین کی (جس کی میں اس وقت تحقیق نہیں کر سکا) دعویٰ عدم قبول تاویل کا ظاہر البطلان ہے وہ تاویل جو اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس سے سب روایات جمع ہو جاتی ہیں) یہ ہے کہ اس وقت تعدد میں عادت غالبہ تاکید کی ہوتی تھی اور تاکید کے لئے مجلس واحد شرط ہے تو مجلس واحد علامت تھی ارادہ تاکید کی ہوتی تھی پس مقصود آپ کا سوال عن التاکید تھا پس جس کی یہ ایک تعبیر ہے خواہ یہ روایت باللفظ ہو خواہ بالمعنی چنانچہ دوسری روایت میں آپ کا یہ ارشاد **الله ما اردت اجماعا الا واحدة** اس کی صریح دلیل ہے اور اس سوال کا یہ بھی مقتضاء ہے کہ طلاق مفرق پر محمول کیا جاوے کیونکہ صیغہ واحدہ میں تو مجلس کا تعدد ہو ہی نہیں سکتا جب صیغہ متفرق تھا تو حمل علی التاکید سے کوئی امر آبی نہیں یہ مختصر کلام تھا ابن عباس و رکانہ کی حدیث۔

اب اس مذہب وقوع واحدہ علی الاطلاق پر عمل کرنے کو علماء نے ناجائز کہا ہے چنانچہ ابوداؤد کے حاشیہ پر عینی سے نقل کیا گیا ہے **وقالوا من خالف فیه فهم شاذ مخالف لاهل السنة وانما تعلق به اهل البدع ومن لا یلتفت الیه لشذوذه عن الجماعة** اور فتح القدیر سے ابن الہمام کا قول نقل کیا گیا ہے **لم ینقل عن احدمنهم انه خالف عمرؓ حین امضی الثلاث وهو یکفی فی الاجماع** الخ اور ایک بڑی بات یہ ہے کہ اس مذہب پر عمل کرنے میں حضرت عمرؓ کی جن کی اقتداء حدیث صحیح میں مامور بہ ہے اور جمہور صحابہ اور ائمہ مجتہدین کی تضلیل لازم آتی ہے کیونکہ ان کے اس قول کو عدم اطلاع حدیث پر محمول کرنا ممکن نہیں خود ان کا یہ قول اس سے آبی ہے جو مسلم میں مروی ہے **فقال عمرؓ ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لهم فیه اناة فلوا مضیناه علیهم فامضاه** اور جمہور کے مذہب پر کوئی محذور لازم نہیں آتا اور سب حدیثوں پر اپنی اپنی جگہ عمل رہتا ہے **فاختر ای السبیلین شئت** فقط ۲۹ رصفر ۱۳۳۵ھ (النور شوال ص:۱۰ ۱۳۵۱ھ)

## حجت قول عادل یا تحری درصورت نسیان عدد

سوال (۴۸۹) اندریں کہ شخصے باندرون خانہ بود بوقت جنگ وجدال بازن خود مذاکرۂ طلاق لفظ طلاق دوام راتکرار نمودودر حالت غضب از خانہ بیرون شدہ گفت اکنوں طلاق دادم برو۔ پس شخص مذکورمی گوید کہ باندرون خانہ لفظ طلاق دادم چند بار گفتم در یادم ہست اما دراں وقت زنان دیگر حاضر بودند میگویند کہ سہ بار گفتہ پس ہرگاہ طالق گوید مرا عدد یاد ہست شہادت زنان دریں وقت دریں باب معتبر خواہد شد یانہ وآنکہ بیرون خانہ آمدہ گفت چہ حکم دارد طلاق مستقل باشد یا خبراز اول خواہد شد اما شخص مذکور بسبب خشم خود ہیچ خیال نبود لیکن بعد ازاں بقول عالی کہ ایں خبر از طلاق اول باشد نہ طلاق مستقل می گوید کہ مرا خبر دادن طلاق اول مقصود بود بہر صورت چہ حکم دادہ آید۔ بینوا بالدلیل بحیث یشفی العليل ويروى الغليل۔

الجواب۔ في الدرالمختار باب الصريح بحث اعتبار النيةوعدمه في الصريح والمرأة كالقاضي اذا سمعته او اخبرها عدل لايحل لها تمكينه اهـ وفي الدرالمختار قبيل باب الطلاق غير المدخول بهاولو شك اطلق واحدة او اكثر بنى على الاقل ردالمحتار قوله بنى على الاقل اى كماذكره الا سبيجابى الا ان يستيقن بالاكثر او يكون اكبر ظنه وعن الامام الثاني اذا كان لايدرى اثلاث ام اقل يتحرى وان استويا عمل باشد ذلك عليه اشباه عن البزازية قال وعلى قول الثاني اقتصر قاضي خان ولعله لانه يعمل بالاحتياط خصوصاً في باب الفروج آه قلت ويمكن حمل الاول على القضاء والثاني على الديانة الى قوله عن الاشباه وان اخبره عدول حضروا ذلك المجلس بانها واحدة و صدقهم اخذ بقولهم اهـ وفي الدرالمختار كتاب الحظر والاباحة وشرط العدالة في الديانات الى قوله ويتحرى في خبر الفاسق والمستور ثم يعمل بغالب ظنه اهـ في الدرالمختار باب الصريح في البحث المذكور ولو مكرها صدق قضاء ايضاً في ردالمحتار اى كما يصدق ديانة لوجود القرينة الدالة على عدم ارادة الايقاع وهي الإكراه اهـ۔

بعد نقل روایات می گویم کہ درصورت مسئولہ از دو حال خالی نیست یازن مطلقہ را عدد طلاق یاد ست یانہ اگر یاد ست درحق او حجت باشد پس اگر سہ یاد باشد او مغلظہ شد حسب علم خود پس او را روا نیست کہ زوج را بر خود قدرت دہد چنانچہ روایت اولی صریح است درآں واگر یاد نیست صرف زنان حاضرہ خبر می دہند پس از دو حال خالی نیست یا ایشاں عادل اند و یا فاسق یا مستور الحال اگر عادل ہستند عمل بر قول

ایشاں واجب است زیرا کہ طلاق از دیاناتے است کہ اخبار عدل درآں مقبول است احتیاج شہادت نیست مگر عند القاضی درصورت مسئولہ تحقیق فتویٰ است نہ قضاء چنانچہ قول ردالمحتار درروایت اولی او اخبرھا عدل دلیل صریح است بر بودن طلاق از دیانات وہم چنیں قول اشباہ درروایت ثانیہ درمختار و ردالمحتار و ان اخبرہ عدول الخ نص است دراکتفاء براخبار وشرط نہ بودن شہادت پس عدم صلاحیت محض زنان مرشہادت رادریں باب مضر نیست واگر زوجین رایاد نہ باشد وزنان مخبر فاسق یا مستور الحال ہستند پس تحری واجب است چنانچہ روایت ثالثہ درمختار کہ از باب حظر واباحت است صریح است دریں پس اگر تحری برثلث واقع شد ثلث ثابت خواہد بود واگر براقل واقع شود اقل ثابت خواہد بود واگر ہر دو جانب مساوی باشد نزد امام صاحب اقل ثابت خواہد بود ونزد امام ابی یوسف اکثر ثابت خواہد بود وراجح نزد قاضی خاں ہمیں است چنانچہ روایت ثانیہ درمختار و ردالمحتار کافی است برائے ایں تفصیل پس در صورت ہائیکہ ثلث واقع شود قول او بیرون خانہ خواہ اخبار باشد یا انشاء متساوی ہست موجب طلاق جدید نباشد ودرصورتہا کہ وقوع اقل چوں دعویٰ می کند کہ ایں اخبار است از طلاق سابق کہ ایقاعش معلوم است عددش منسی وقرینہ صدق او موجود است یعنی ایقاع سابق پس دریں دعوی تصدیق کردہ شد وطلاق جدید واقع نہ خواہد شد چنانچہ روایت رابعہ ناطق است کہ عند القرینہ دعوی نیست مخصوصہ مقبول می شود محصل جواب ایں کہ اگر آں مطلقہ راسہ یاد باشد یا زنان مخبر ہمہ یا یکے از ایشاں عادل باشد یا باوجود غیر عادل بودن ایشاں تحری بجانب سہ باشد یا سہ وغیر آں برابر باشد در جمیع صورسہ خواہند افتاد واگر یاد نباشد وزنان ہمہ غیر عادل باشند وبہ خبر ایشاں رجحانا یا تساویا تحری موافق نہ شود سہ نہ خواہد افتاد واللہ اعلم ۷؍رجب ۱۳۲۲ھ (امداد ج:۲ ص:۶۱)

## حکم دادن دوطلاق دوزوجہ را بلاتصریح تقسیم وبلاتعین مطلقہ حکم طلاق غضبان ومدہوش

سوال (۴۹۰) ایک شخص کی دو بی بی آپس میں جھگڑ رہی ہوں مرد نے طیش میں آکر کہا کہ تم کو دوطلاق ہے اور ایک شخص نے بھی سنا بعد فرو ہونے غصہ مرد کے پھر دونوں بیوی جھگڑنے لگیں یہ کہتی ہے تجھے دیا وہ کہتی ہے تجھے دیا مرد منکر ہے بشرطیکہ اقرار تعیین نہیں بتاتا ہے اب کیا کیا جائے کیا دونوں پر تقسیم ہو جائے گی یا ایک پر اس مسئلہ کو ذرا بسط سے تحریر فرمائیں وہ ایک گواہ فقط طلاق کا ہے۔

الجواب۔ فی الدرالمختار لو قال لنسائہ الاربع بینکن تطلیقۃ طلقت کل واحدۃ وکذا لوقال بینکن تطلیقتان او ثلث او اربع ای یقع علی کل واحدۃ تطلیقتان وثلث واربع) إلاّ ان ینوی قسمۃ کل واحدۃ بینھن فتطلق کل واحدۃ ثلثا اھ۔

پس صورت مسئولہ میں دونوں عورتوں پر دو دو طلاق واقع ہوگئیں اور جب عورتوں کو دو کا ایقاع یاد ہے اس لئے دونوں پر واجب ہے کہ مثل مطلقہ الثنتین کے اس سے معاملہ کریں گو گواہ ایک بھی نہ ہو۔

۱۷ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ (امداد ص: ۶۲: ج ۲)

# ملحقات تتمۂ اولیٰ ص ۳۳۲

خلاصۂ سوال۔ از دو طلاق دو عورت خود

خلاصۂ۔ وقوع دو طلاق بر ہر دو عورت

تسامح۔ مجیب قدس سرہٗ در جواب سند ایں عبارت درالمختار نقل فرمودند لو قال لنسائه الاربع بينكن تطليقة طلقت كل واحدة تطليقتان وكذا لو قال بينكن تطليقتان او ثلث او اربع (اى يقع علىٰ كل واحدة تطليقتان وثلث واربع) إلا ان ينوى قسمة كل واحدة بينهن فتطلق كل واحدة ثلثا۔

سیدا دریں عبارت تامل فرمایند کہ در تمام صور یک طلاق واقع شود مگر آنکہ نیت قسمت نماید و در لفظ کذا تشبیہ در تطلیقہ واحدۃ است چنانچہ در شامی مصرح است قوله قال لنسانه الخ وجه وقوع الواحدة فى هذه الصور (بلفظ جمع خیال فرمایند ۱۲)۔ان بعض الطلقة طلقة كما مر فيصب كل واحدة فى ايقاع طلقة بينهن ربعها وفى طلقتين نصف طلقة وفى ثلث ثلاثة ارباع طلقة وفى اربع طلقة كاملة ۱۲ ردالمحتار ص ۷۵۴۔

در ترجمہ ایں عبارت درالمختار کہ مسمّی بہ غایۃ الاوطار است نظر مرحمت فرمایند اور اسی طرح چار عورتوں میں ہر ایک پر ایک طلاق واقع ہوگی اگر کہا ان سے کہ درمیان تمہارے دو طلاق ہیں الخ ۱۲ غایۃ الاوطار ص ۱۱۵ پس انچہ مجیب علیہ الرحمۃ درمیان عبارت درالمختار درمیان دو خط بطور تفسیر بلفظ (اى يقع على كل واحدة تطليقتان الخ از جانب خود درج فرمودند محض تسامح است بلکہ سبق قلم ست حق جواب ایں ست کہ در صورت مسئولہ یک طلاق بر ہر یک عائد گردد مگر در حالت نیت قسمت دو دو طلاق واقع خواہند شد اگرچہ در صورت قسمت از عبارت درالمختار سہ طلاق معلوم می شوند مگر صاحب شامی تصریح دو طلاق فرمودہ است قوله فتطلق كل واحدة ثلثا اى الافى التطليقتين فيقع كل واحدة منهن طلقتان الخ ۱۲ ردالمحتار ص ۷۵۴

## حکم طلاق غضبان و مدہوش

سوال (۴۹۱) ردالمحتار کتاب طلاق مدہوش کے ص ۶۵۹ میں عبارت کا مطلب جو میں عرض

کرتا ہوں یہ مطلب صحیح ہے یا نہیں ارشاد فرمائیں عبارت یہ ہے۔

**قلت ولحافظ ابن القیم الحنبلی رسالة فی طلاق الغضبان قال فیھا انه علیٰ ثلثة اقسام احدھا ان یحصل له مبادی الغضب بحیث لایتغیر عقله ویعلم ما یقول ویقصده ھذا لااشکال فیه والثانی ان یبلغ النھایة فلا یعلم ما یقول ولا یریده وھذا لاریب انه لا ینفذ شیئی من اقواله والثالث من توسط بین الرتبتین بحیث لم یصر کالمجنون وھذا محل النظر والادلة تدل علیٰ عدم نفوذ اقواله ملخصا من شرح الغایة الحنبلیة الیٰ قوله وھذا الموافق عندنا لما مر فی المدھوش۔**

یعنی غضب تین صورت پر ہے پہلا قسم ابتدائی غضب ہے اس طور پر کہ اس کی عقل میں کچھ تغیر اور فتور نہ آیا اور اس حالت میں جو کچھ کہا تھا ابھی خوب معلوم کرسکتا ہے اس صورت میں اقوال اس کے شرعاً نافذ اور معتبر ہیں یعنی طلاق وغیرہ اس کی شرعاً ضرور واقع و نافذ ہوگی صورت ثانی یہ ہے کہ غضب اس کا اس حد تک پہونچا کہ حالت غضب میں جو کچھ کہا تھا اور کیا تھا ابھی کچھ معلوم نہیں کرسکتا ہے بالکل مدہوش اور مجنون ہوا اس حالت میں اقوال اس کے شرعاً کچھ معتبر اور نافذ نہیں ہیں یعنی طلاق وغیرہ اس کی ہرگز نافذ اور واقع نہ ہوگی اور تیسری صورت یہ ہے کہ غضب اس کا بین المرتبتین ہے کہ اس طور کہ مثل مجنون کے نہ ہو یعنی غضب اس کا **فلا یعلم مایقول ولا یریده** کے درجہ تک نہ پہونچا اس حالت میں غضب پر ہے مگر عقل اس کی ثابت اور قائم ہے اور اس حالت غضب میں جو کچھ کہا تھا ابھی وہ خوب معلوم کرسکتا ہے اور یہ مطلب **بحیث لم یصر کالمجنون** سے معلوم ہوتا ہے اور اس صورت ثالثہ میں اقوال اس کے شرعاً معتبر اور نافذ نہ ہونے پر بہت سی دلیلیں دلالت کرتی ہیں یعنی طلاق وغیرہ اس کی واقع اور نافذ نہ ہوگی اب فقط صورت ثالثہ کا مطلب صحیح ہوا یا نہیں ارشاد فرمائیں کہ اس صورت ثالثہ میں نزاع ہورہا ہے کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میں ایک وقت بہت غصہ میں تھا کہ مارے غصہ کے سارا بدن میرا کانپتا تھا ایک مقام پر اطمینان کے ساتھ کھڑا نہیں ہوسکتا تھا اور چہرہ اور آنکھیں میری سرخ ہوگئیں تھیں مگر عقل میری اور میرے ہوش بھی قائم اور اس وقت جو کچھ کہا تھا ابھی مجھے معلوم ہوتا ہے ایسی حالت میں اس نے اپنی منکوحہ کو تین طلاق دیں اب صورت ثالثہ کے مطلب کے مطابق اس کی طلاق واقع نہ ہونے پر فتویٰ تحریر ہوا اور بعض شخص کہتے ہیں کہ اگرچہ اس قائل کا قول صورت ثالثہ کے مطلب کے مطابق بھی ہوتا ہم طلاق اس کی نافذ ہوگی کیونکہ یہ دلیل ائمہ ثلثہ میں سے کسی امام کا قول نہیں ابن القیمؒ کا قول ہے اس پر عمل اور فتویٰ نہیں ہوسکتا ہے اس کے جواب میں میں یہ کہا جاتا ہے کہ جب یہ قول شامی میں منقول ہوا اور عبارت **والادلة تدل علی عدم نفوذ اقواله** موجود ہے بے شک یہ قول قابل عمل اور فتویٰ کے ہے اب اس طلاق دینے والے کا قول صورت ثالثہ کے مطلب کے موافق ہے یا مخالف اگر مطابق ہوا ہو

پس تین طلاق اس کی شرعاً نافذ ہوئیں یا نہیں ضرور ارشاد فرمائیں اور اس نزاع کا فرو ہونا آپ ہی کے ارشاد پر موقوف رہا تفصیلاً تحریر فرمائیں۔

الجواب۔صورت ثالثہ کی تقریر سوال میں مجمل اور غیر واضح ہے کافی تقریر یہ ہے کہ منجملہ تین قسموں کے اول قسم میں دو چیزوں کا اثبات کیا ہے یعلم اور یقصد اور دوسری قسم میں ان ہی دو کی نفی کی ہے چنانچہ کہا ہے لایعلم اور لایرید جو مرادف ہے لایقصد کا اس کے بعد تیسری قسم کو بین المرتبتین کہا سو ظاہر ہے کہ بین المرتبتین کے یہ معنی ہوں گے کہ اس میں ان دونوں امروں کا نہ اثبات ہے نہ نفی ہے بلکہ ایک کا اثبات ہے جس سے وہ من وجہ قسم اول کے مشابہ ہے اور ایک امر کی نفی ہے جس میں وہ من وجہ قسم ثانی کے مشابہ ہے اب یہ دیکھنا چاہئے کہ دونوں امر مذکور میں سے ایک کا اثبات اور دوسرے کی نفی عقلا دو طرح محتمل ہے ایک یہ کہ علم کا اثبات ہو اور ارادہ کی نفی ہو اور دوسرے اس کا عکس یعنی ارادہ کا اثبات ہو اور علم کی نفی اور یہ ظاہر ہے کہ احتمال ثانی محض غلط ہے کیونکہ ارادہ خود موقوف ہے علم پر سو یہ ممکن نہیں کہ موقوف کا وجود ہو اور موقوف علیہ کا عدم پس لامحالہ احتمال اول متعین ہو گیا یعنی علم کا اثبات اور ارادہ کی نفی پس بین المرتبتین کے معنی یہ ہوئے کہ اس شخص کا غلبہ غضب میں یہ حال ہوا کہ بے ارادہ منہ سے واہی تباہی نکلتا تھا لیکن شعور وعلم تھا جیسے مخطی کا یہ حال ہوتا ہے کہ کہتا ہے بے ارادہ مگر علم ہوتا ہے اس صورت میں واقعی مقتضاء اولیٰ کا یہی معلوم ہوتا ہے کہ واقع نہ ہو جیسا کہ مخطی میں فیما بینہ وبین اللہ تعالیٰ نہیں واقع ہوتی۔

**صرح فی فتح القدیر عبارته هکذا والحاصل انه اذا قصدالسبب عالما بانه سبب رتب الشرع حکم علیه اراده اولم یرده الاان اراد ما یحتلمه واما انه اذالم یقصده اولم یدرما هو فیثبت الحکم علیه شرعا وهو غیر راض یحکم اللفظ ولا باللفظ فمما ینبو عنه قواعد الشرع الخ ص: ۱۵۴ ج: ۲۔ قلت نعم لا تصدقه المرأة کما فیه ایضا بعد سطور لانها کالقاضی لا تعرف منه الاالظاهر۔**

پس صورت مسئولہ میں اگر اس شخص کا قصد ہی نہ تھا تب تو قسم ثالث میں داخل ہے ورنہ نہیں پھر قسم ثالث میں داخل ہونے کے بعد غایہ سے اس کے خلاف خود شامی نے نقل کیا ہے اور یہ قول والادلة الخ شامی کا قول نہیں ہے بلکہ ابن القیم کا ہے اور اس کا ترجمہ کہ بہت سے دلیلیں الخ صحیح نہیں یہاں الف لام استغراق عربی کا نہیں بلکہ جنس کا ہے **کما فی قوله تعالیٰ الرجال قوامون الایة کما یشهر به الذوق** پس اس شخص کا قسم ثالث میں داخل ہونا موقوف ہے اس پر کہ اس سے قصد وعدم قصد کی تحقیق کی جائے جو کہ سوال ہذا میں مذکور نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ ۸ ررمضان ۱۳۲۳ھ (امداد ص: ۶۳ ج: ۲)

## حکم طلاق مریض مدعی اغماء کہ خلاف ظاہر باشد

سوال (۴۹۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ مسمی امام الدین بخار میں مبتلاء تھا حالت بخار میں اس کے باپ واعظ الدین نے اس سے کہا کہ میرے دو تین بچے ابھی اور مرچکے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس نامبارک بیوی کے سبب تو بھی ضرور زیر زمین ہوجائے گا تو اپنی بیوی کو چھوڑ یہ کلام سنتے ہی امام الدین نے کہا میں نے بیوی کو چھوڑا میں نے بیوی کو چھوڑا میں نے بیوی کو چھوڑا بعد بخوف طلاق واقع ہونے کے ونیز بغرض دیگر مصلحت دنیاوی کے اس کا باپ بیان کرتا ہے کہ امام الدین ایک روز پہلے سے بیہوش تھا عین بیہوشی کی حالت میں یہ کلمات اس سے سرزد ہوئے بناء بریں یہاں کے بعض مفتی صاحبان نے فتویٰ دیا ہے کہ طلاق مدہوش کی واقع نہیں ہوتی ہے اس لئے طلاق امام الدین کی بھی واقع نہیں ہوئی۔ اب جبکہ امام الدین لڑکپن سے مجنون ومدہوش نہیں ہے صرف دو ایک روز کے واسطے خود غرضی سے اس کو بیہوش قرار دیا اور اس فرضی اور مصنوعی بیہوشی کی حالت میں اپنے باپ کے کلام کو کما حقہ سمجھ کر کچھ نہیں بکا بلکہ مناسب جواب دیا اور تعداد طلاق میں بھی تین سے آگے متجاوز نہیں ہوا اس صورت میں عقلاً وشرعاً امام الدین کے متذکرہ الفاظ سے اس کی منکوحہ مطلقہ ہوئی یا نہیں۔ اور جب کہ اس کے باپ کے کلام میں اضافت موجود ہے اس کے جواب میں اضافت نہ ہونے سے وقوع طلاق میں خلل ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ سوال ہذا میں اس مدہوشیت کے متعلق خود زوج کا کوئی دعویٰ مذکور نہیں سو اگر وہ اس کا مدعی نہیں بلکہ مقر ہوش کا ہے تب تو پدر زوج کا دعویٰ کوئی چیز نہیں اور حکم مدہوشیت کا احتمال ہی نہیں اور اگر وہ بھی اس کا دعویٰ کرتا ہے تو چونکہ یہ امر خلاف ظاہر ہے اس لئے اس کا دعویٰ مسموع نہیں ہوسکتا ہے ورنہ ہر مطلق ایسا ہی دعویٰ کرسکتا ہے بلکہ اس کے اعتبار کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کی یہ حالت دوسرے عام دیکھنے والوں کو بھی ظاہر اور محسوس ہوتی ہو خواہ عین وقت پر یہ حالت طاری ہوئی ہو خواہ اس وقت مشتبہ ہو مگر پہلے سے طاری ہونا معروف ومعلوم عند عامۃ الناس ہوا ور زوال اس کا متیقن نہ ہوا ہو اور اس اخیر صورت میں حلف بھی زوج سے لیا جاتا ہے دلیل ذلک کلہ ما فی ردالمحتار فی البحر عن الخانیة عرف انه کان مجنونا فقالت امرأة طلقنی البارحة فقال اصابنی الجنون ولا یعرف ذلک الابقوله کان القول قوله اھ۔ ج:۲ ص:۶۹۹ اور یہاں یہ شرط مفقود ہے بلکہ اس کے خلاف کی دلیل موجود ہے یعنی ذی ہوش ہونے کے قرائن جو کہ سوال میں مذکور ہیں اسلئے یہ دعویٰ غیر مقبول ہے اب دو امر اور رہ گئے ایک یہ کہ بوجہ عرف ومحاورہ کے یہ لفظ موجب طلاق ہے اور دوسرا یہ کہ لفظ میں اضافت نہ ہونا بوجہ قرینہ مقام ووقوع فی الجواب کے مانع طلاق نہیں ہے سو امر اول کی دلیل یہ ہے کہ فی ردالمحتار بخلاف فارسية قوله سرحتک وعورها کردم لانه صار صريحا فی العرف

علی ما صرح به نجم الزاهد الخوارزمی فی شرح القدوری اھ ج ۲ ص ۷۶۲ ۔قلت کذا قولهم فی الهندیة چھوڑا اور امر ثانی کی دلیل یہ ہے فی ردالمحتار وسیذکر قریبا ان من الالفاظ المستعر الطلاق یلزمنی الحرام یلزمنی وعلی الطلاق وعلی الحرام فیقع بلا نیة للعرف الخ فاوقعوا به الطلاق مع انه لیس فیه اضافة الطلاق الیها صریحا فهذا مؤید لما فی القنیة وظاهره انه لا یصدق فی انه لم یرد امرأة للعرف ج ۲ ص ۷۰۵ ۔خلاصہ یہ کہ اس صورت میں طلاق مغلظ واقع ہوگئی ۔ ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۹۵)

## از ترجیح الراجح جلد خامس ص: ۲۰

در بہشتی زیور حصہ چہارم ص ۳۶ باب طلاق ثلثہ فرمودند (چاہے صاف لفظوں میں تین طلاقیں دی ہوں یا گول لفظوں میں سب کا ایک حکم ہے)

ایں عبارت ایں دو صورۃ مرقومہ ذیل را نیز شامل است حالانکہ طلاق ثلثہ واقع نمی شود۔

ا:۔ واذا طلقها تطلیقة بائنة ثم قال لها فی عدتها انت علی حرام او خلیّة او بریئة او بائن او بتة او شبه ذلک وهو یرید به الطلاق لم یقع علیها شیئی الخ ۱۲ شامی ص: ۷۷۳۔

۲:۔ ولا یلحق البائن بالبائن الخ کانت بائن او ابنتک بتطلیقة فلا یقع ۱۲ درالمختار ص ۷۷۴ خلاصہ بائن بہ بائن باستثناء در صور مرقوم فقہ لاحق نمی شود پس ہرگاہ کہ در الفاظ (گول) کنایہ بار بائن بائن یا بائن حیلہ بتہ گفت دواخیرہ واقع نہ خواہند شد پس اکثر معلمین و متعلمین خالی الذہن عامی باشد در غلطی می افتند پس کدام تقیید در حواشی زائد فرمایند تا کہ اصلاح شود۔

## عدم وقوع طلاق سکران از مباح

سوال (۴۹۱) کیا ارشاد فرماتے ہیں حضرات علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بحالت لاعلمی ایک طرح کی مٹھائی سمجھ کر بھنگ ملی ہوئی مٹھائی کھا کر نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دیدی اور جب زیادہ حالت خراب ہوکر قے ہوکر اور کسی کے کھلانے سے ترشی کو کھا کر نشہ اترا اور معلوم ہوا کہ بھنگ ملی ہوئی مٹھائی کا نشہ تھا جو کہ ناواقفی میں کھائی تھی تو سخت توبہ کی اور چونکہ اس طلاق مذکور کو دینا بالکل یاد نہ تھا لہٰذا کسی شخص کی زبانی معلوم ہوکر سخت افسوس ہوا اور احتیاطاً بیوی سے علیحدہ ہوگیا پس بصورت مذکورہ طلاق ہوئی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔فی الدرالمختار نعم لو زال عقله بالصداع او بمباح لم یقع فی ردالمحتار کما اذا سکر من ورق الرمان فانه لایقع طلاقه ولا عتاقه ونقل الاجماع علی ذلک

صاحب التهذيب كذا في الهندية قلت وكذا لو سكر ببنج او افيون تناوله لاعلى وجه المعصية بل للتداوى كمامر۔ ج۲ ص۲۹۶۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔ فقط ۹؍جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

## حکم تعلیق طلاق وتعلیق ظہار بشرط محدود

سوال (۴۹۳) زید نے اپنی زوجہ سے یہ کہا کہ آج تو نے یہ کام نہ کیا تو میں تجھ کو طلاق دے چکا اور یہ لفظ تین مرتبہ زید نے زوجہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا مگر زوجہ نے اس روز اس کے کہنے کی تعمیل نہیں کی تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں اور زید نے یہ الفاظ ڈرانے کے لئے کہہ دیئے تھے تاکہ زوجہ کہنا مانا کرے۔

## لایلحق البائن البائن

لايلحق البائن البائن مطلق نہیں ہے بلکہ یہ اس صورت میں ہے جبکہ طلاق بائن ثانی میں نیت طلاق نہ ہو اور اخبار عن الاول ہو یا کچھ نیت نہ ہو عبارت ذیل سے یہ تفصیل مستفاد ہے۔

في العالمگيرية (ج۲ ص۷۰) ولا يلحق البائن البائن قال لها انت بائن ثم قال لها انت بائن لا يقع الاطلقة واحدة بائنة لانه يمكن جعله خبراً عن الاول وهو صادق فيه فلا حاجة الى جعله انشاء لانه اقتضاء ضرورى حتى قال لو عنيت به البينونة الغليظة ينبغي ان يعتبر ويثبت به الحرمة الغليظة الى ان قال كذا في العيني شرح الكنز اهـ۔

الجواب۔ في الدرالمختار مع ردالمحتار ج۲ ص۸۴۷۔ في ايمان الفتح ما لفظه وقد عرف في الطلاق انه لو قال ان دخلت الدار فانت طالق ان دخلت الدار فانت طالق ان دخلت الدار فانت طالق وقع الثلث فتح اقره المصنف ثم۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوگئی اب بدون حلالہ نکاح نہیں ہوسکتا اور اگر سائل کی کچھ اور نیت تھی تو مکرر دریافت کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔
۱۵؍ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ (امداد ص:۶۵ ج:۲)

سوال (۴۹۴) زید نے اپنی منکوحہ زوجہ سے کہا کہ اگر دو ماہ تجھ سے بولوں تو ماں سے زنا کروں آیا زید کے ذمہ شرعاً اس کلام سے کوئی گناہ ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔

الجواب۔ زید کا اس عبارت سے مقصود یہ ہے کہ میں دو ماہ تک تجھ سے نہ بولوں گا اور اس مقصود کو تعلیق کے طور پر مؤکد کیا ہے اور جس عنوان سے مؤکد کیا ہے اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ مقصود اس سے تعلیق طلاق کی ہو یعنی یہ مطلب ہو کہ اگر دو ماہ کے اندر تجھ سے بولوں تو تجھ پر طلاق ہو جائے پس اگر یہ مقصود ہے تو اگر دو ماہ کے اندر بولے گا طلاق بائن واقع ہوگا جس میں برضامندی تجدید نکاح کی

حاجت ہوگی اور اگر دو ماہ کے بعد بولا تو کچھ نہیں اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ مقصود اس سے تعلیق ظہار کی ہو یعنی یہ مطلب ہو کہ اگر دو ماہ کے اندر تجھ سے بولوں تو ظہار منعقد ہو جائے گا اگر یہ مقصود ہے تو دو ماہ کے اندر بولنے سے ظہار ہوگا اور کفارہ جو کتب فقہ میں ہے واجب ہوگا اور دو ماہ کے بعد بولنے سے کچھ نہ ہوگا اور اگر اور کچھ مقصود ہے تو سوال میں تصریح ہونا چاہئے۔ ۲۱ رشوال ۱۳۲۵ھ (امداد ص: ۴۷ ج: ۲)

## تتمۂ سابعہ ترجیح الراجح از النور جمادی الاولیٰ ۱۳۵۷ھ ص: ۱۴

## تحقیق احکام اقسام ثمانیہ تعلیق طلاق ثلاث مرات

سوال (۴۹۵) بہشتی زیور حصہ چہارم ص: ۳۔ ۱۱ مسئلہ ۲ مطبوعہ اشرف المطابع ۱۳۴۵ھ ایسی عورت سے (یعنی غیر مدخول سے یوں کہا اگر فلانا کام کرے تو طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے اور اس نے وہ کام کرلیا تو اس کے کرتے ہی تینوں طلاقیں پڑگئیں۔ (ص: ۴۵۵ ج: ۲ در مختار)

اس صورت میں تین طلاق پڑنے میں تأمل ہے کیونکہ جس وقت شرط مقدم ہو اور طلاق کا لفظ مکرر ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک تکرار بذریعہ عطف دوسرے بلا حرف عطف اول صورت میں امام صاحبؒ کے نزدیک شرط کے پائے جانے کیوقت ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور باقی طلاقیں لغو ہو جاتی ہیں اور صاحبین کے نزدیک تینوں واقع ہوتی ہیں اور اگر تکرار بلا حرف عطف ہو جیسے کہ مؤلف نے کیا ہے تو اس صورت میں اول طلاق معلق ہوتی ہے اور دوسری فی الحال واقع ہوتی ہے اور تیسری لغو ہو جاتی ہے۔

وان علق الطلاق بالشرط ان كان الشرط مقدما فقال ان دخلت الدار فانت طالق وطالق وطالق وهي غير مدخولة بانت بواحدة عند وجود الشرط في قول ابي حنيفة رحمة الله تعالىٰ ولغا الباقي وعندهما يقع الثلاث هذا كله اذا ذكره بحرف العطف فان ذكره بغير حرف العطف ان كان الشرط مقدما فقال ان دخلت الدار فانت طالق طالق طالق وهي غير مدخولة فالاول معلق بالشرط والثاني يقع للحال والثالث لغو ثم اذا تزوجها ودخلت الدار ينزل المعلق وان دخلت بعد البينونة قبل التزوج حنث ولا يقع شيئى عالمگیری مختصرا ص ۳۹۹ ج ۱ مصری ۔ وفي البحر ص ۲۹۶ ج ۳ وقيد بحرف العطف لانه لوذكر بغير عطف اصلا نحوان دخلت الدار فانت طالق واحدة واحدة واحدة ففي فتح القدير يقع اتفاقاً عند وجود الشرط ويلغوما بعده لعدم مايوجب التشريک اهـ وقال العلامة ابن عابدين علىٰ قوله وقيا

بحرف العطف فی ایمان البزازیة من الثالث فی یمین الطلاق ان دخلت الدار فانت طالق طالق وهی غیر ملموسة فالاول معلق بالشرط والثانی ینزل فی الحال ویلغو الثالث وان تزوجها ودخلت الدار نزل المعلق ولو دخلت بعد البینونة قبل التزوج انحل الیمین لا الیٰ جزاء ولو موطوئة تعلق الاول ونزل الثانی والثالث اهـ۔

وهذا کما تری مخالف لما نقله هنا عن الفتح الا ان یفرق بین واحدة واحدة وطالق طالق وهذا هو الظاهر اهـ هذا ما ظهرلی والله اعلم بالصواب۔

اگر یہ اشکال صحیح ہے اور عبارت میں کسی ترمیم کی ضرورت ہے تو ترمیم فرمادی جاوے تاکہ اصل مسئلہ کی جگہ لکھ کر اس پر حاشیہ میں نوٹ لکھدیا جاوے۔

الجواب۔ ومنہ الصدق والصوب۔ طلاق ثلاث معلق میں باعتبار مطلقہ مدخول بہا و غیر مدخول بہا و باعتبار تقدیم شرط و تاخیر شرط و باعتبار عطف بالواو و عدم عطف بالواو آٹھ صورتیں ہیں جن کو ذیل میں اولاً نقشہ کی شکل میں ثانیاً عبارت میں ضبط کرتا ہوں پھر سب کے احکام نقل کر کے سوال کا جواب عرض کروں گا نقشہ یہ ہے:۔

## طلاق ثلث معلق بالشرط

| لغیر المدخول بہا | | | | للمدخول بہا | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|
| تقدیم الشرط | | تاخیر الشرط | | تقدیم الشرط | | تاخیر الشرط | |
| مع العطف بالواو | لغیر العطف | مع العطف | لغیر العطف | مع العطف | لغیر العطف | مع العطف | لغیر العطف |
| نمبر۱ | نمبر۲ | نمبر۳ | نمبر۴ | نمبر۵ | نمبر۶ | نمبر۷ | نمبر۸ |

عبارت یہ ہے

۱۔ لغیر المدخول بہا بتقدیم الشرط مع العطف　　۲۔ لغیر المدخول بہا بتقدیم الشرط بلا عطف

۳۔ لغیر المدخول بہا بتاخیر الشرط مع العطف　　۴۔ لغیر المدخول بہا بتاخیر الشرط بلا عطف

۵۔ للمدخول بہا بتقدیم الشرط مع العطف　　۶۔ للمدخول بہا بتقدیم الشرط بلا عطف

۷۔ للمدخول بہا بتاخیر الشرط مع العطف　　۸۔ للمدخول بہا بتاخیر الشرط بلا عطف

احکام یہ ہیں:۔

فی العالمگیریة الفصل الرابع من الباب الثانی من کتاب الطلاق وان علق الطلاق بالشرط ان کان الشرط مقدما فقال ان دخلت الدار فانت طالق وطالق وطالق وھی غیر مدخولة (وھی الصورة الاولٰی) بانت بواحدة عند وجود الشرط فی قول ابی حنیفةؒ ولغا الباقی و عندھما یقع الثلث وان کانت مدخولة (وھی الصورة الخامسة) بانت بثلث اجماعاً الا ان علٰی قول ابی حنیفةؒ یتبع بعضھا بعضاً فی الوقوع وعندھما یقع الثلاث جملة واحدة وان کان الشرط مؤخرا فقال انت طالق وطالق وطالق ان دخلت الدارو ذکرہ بالفاء (اظن بانھا اومکان الواو) فدخلت الداربانت بثلث اجماعا سواء کانت مدخولة او غیر مدخولة (وھی الصورة الثالثة والسابعة) ھذا کله اذا ذکرہ بحرف العطف فان ذکرہ بغیر حرف العطف ان کان الشرط مقدمافقال ان دخلت الدارفانت طالق طالق طالق وھی غیر مدخولة (وھی الصورة الثانیة المذکورة فی بھشتی زیور) فالاول معلق بالشرط والثانی یقع للحال والثالث لغو( وھو الذی ذکرہ المستفتی) ثم اذا تزوجھا ودخلت الدار ینزل المعلق وان دخلت بعد البینونة قبل التزوج فالاول معلق بالشرط والثانی والثالث یقعان فی الحال وان اخر الشرط فقال انت طالق طالق طالق ان دخلت الدار وھی غیرمدخولة (وھی الصورة الرابعة ) فالاول ینزل للحال ولغا الباقی وان کانت مدخولة (وھی الصورة الثامنة) ینزل الاول والثانی للحال ویتعلق الثالث بالشرط کذا فی السراج الوھاج وفی الدرالمختار باب طلاق غیر المدخول بھا فی نظیر المسئلة وتقع واحدة ان قدم الشرط وفی ردالمحتار ھذا عندہ وعندھما ثنتان ایضًا ورجحه الکمال (فی فتح القدیر) واقرہ فی البحر اھـ۔

اب سوال کا جواب عرض کرتا ہوں کہ بہشتی زیور کا مسئلہ مبحوث عنہا ظاہراً صورت ثانیہ ہے جس کا حکم یہ ہے کہ پہلی طلاق معلق ہوگی اور دوسری فی الحال واقع ہوگی اور تیسری لغو ہوگی جیسا سوال میں بھی نقل کیا گیا ہے اور روایات جواب میں بھی اس بناء پر بہشتی زیور کی عبارت پر اشکال صحیح ہے اور اس کی تصحیح کے لئے عبارت کی ترمیم کافی نہیں بلکہ اس مسئلہ کو حذف ہی کر دینا چاہئے لیکن یہ امر قابل تأمل ہے کہ اس حکم کی بناء تکرار بلا عطف ہے جیسا صیغہ مفروضہ سے ظاہر ہے اور اردو کے محاورات میں عام اہل لسان اس صورت میں عطف ہی کا قصد کرتے ہیں ممکن ہے کہ مؤلف بہشتی زیور نے ( کہ مولوی احمد علی صاحب ہیں جیسا کہ احقر اپنی بعض تحریرات میں اس کو شائع بھی کر چکا ہے ) اس کو عطف ہی

میں داخل کیا ہو جو صور ثمانیہ میں سے صورت اولیٰ ہے اور اس میں امام صاحب اور صاحبین جو اختلاف کرتے ہیں مؤلف نے صاحبین کے قول کو راجح سمجھ کر لیا ہو جیسا روایات بالا میں فتح القدیر و بحر سے اس کا راجح ہونا نقل کیا گیا ہے اس صورت میں اشکال رفع ہو جائے گا خلاصہ یہ کہ اس حکم مذکور بہشتی زیور کی صحت دو مقدموں پر موقوف ہے ایک یہ کہ عطف وعدم عطف ہمارے محاورہ میں یکساں ہیں دوسرے یہ کہ صاحبین کا قول راجح ہے پس اگر یہ مقدمات مسلم ہوں تو حکم صحیح ہے ورنہ غلط اور بہشتی زیور میں درمختار کے جس مقام کا حوالہ دیا گیا ہے وہ مقام باوجود تلاش کے نہیں ملا نہ مستفتی نے اس سے تعرض کیا ممکن ہے کہ اس کے دیکھنے سے مزید بصیرت حاصل ہو سکتی بہرحال اگر حذف کیا جاوے تو کسی تکلف کی ضرورت نہیں اور اگر باقی رکھا جاوے تو ایک حاشیہ اس پر لکھدیا جاوے کہ یہ مسئلہ ظاہر عبارات فقہاء پر صحیح نہیں لیکن اگر محاورہ اردو کی بناء پر اس کو عطف میں بحذف عاطف داخل کیا جاوے اور اس مسئلہ میں جو اختلاف ہے اس میں صاحبین کا قول لے لیا جاوے تو اس توجیہ پر مسئلہ صحیح ہو سکتا ہے۔ اب عوام کو چاہئے کہ اپنے معتقد فیہ عالم کے فتویٰ پر عمل کریں واللہ اعلم۔ ۲۶ ربیع الاول ۵۶ھ النور ص: ۱۴ جمادی الاولیٰ ۵۷ھ

## روپیہ دادن کسے شوہر زنے را کہ او را طلاق دہد

سوال (۴۹۶) ہندہ منکوحہ زید کے یہاں سے بسبب نا اتفاقی اپنے والدین کے یہاں آ کر دو تین سال تک رہی پھر لوگوں نے جھوٹی قسمیں کھا کر کہ زید نے طلاق دیدی تھی بکر سے نکاح کرادیا ایک عرصہ سے اس کے پاس ہے اب اگر زید کو کچھ روپیہ دیکر طلاق دلوائی جائے تا کہ نکاح صحیح طور پر کرادیا جائے تو یہ فعل جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ روپیہ دیکر جو عورت کو طلاق دلوائی جاتی ہے یہ دیکھنا چاہئے کہ نیت کیا ہے اگر روپیہ دینے والا یہ سمجھتا ہے کہ روپیہ دینے سے عورت پر میرا اختیار اور حق اور زور ہو جائے کہ میں اس کو اپنے نکاح کرنے پر مجبور کر سکوں گا یا اگر وہ نکاح نہ کرے گی تو میں اس کو زبردستی اپنے پاس رکھوں گا اور طلاق دینے والا بھی یہی سمجھتا ہے کہ عورت گویا میری چیز ہے میں اپنی یہ چیز اس روپیہ کے بدلے اس شخص کو دیتا ہوں تب تو روپیہ دینا اور روپیہ لینا دونوں حرام ہیں البتہ اگر طلاق دیدیگا تو طلاق واقع ہو جائے گی لیکن عورت پر کوئی زور اور حق نہ ہوگا۔ لان البضع فی حق غیر المحرم غیر متقوم والاعتیاض عن غیر المتقوم رشوۃ الافیما ورد فیه النص وھذہ لم یرد فیه النص کاھل المرأۃ اخذوا شیئا عند القسیم فللزوج ان یستردہ لانه رشوۃ (درمختار) اور زیادہ نیت عوام جہلاء کی یہی ہوتی ہے جو مذکور ہوئی پس شرعاً یہ باطل اور حرام ہے اور اگر یہ نیت ہو کہ فی الحال زوجین کی منازعت رفع ہو جائے اور پھر عورت کو اختیار رہو خواہ کسی سے بعد عدت نکاح کرے یا نہ کرے اور اگر کرے تو یہ ضرور نہیں

کہ جس نے روپیہ دیا ہے اسی سے کرے غرض یہ کہ طلاق دینے والا یہ سمجھے کہ روپیہ لیکر اس روپیہ دینے والے کا اختیار نہ ہوگا بلکہ عورت کو اپنی ذات پر اختیار ہو جائیگا اور روپیہ دینے والا بھی یہ سمجھے کہ روپیہ دینے سے میرا اختیار عورت پر کچھ نہ ہوگا بلکہ عورت ہر طرح مختار رہے گی تو جائز ہے لان بدل الخلع یصح التزامه من الاجنبی کما فی الھدایة اور گوعوام سے اس نیت کی توقع کم ہے لیکن اگر یہ نیت ہوگی تو حکم جواز کا ہوگا البتہ اگر عورت کے وعدہ نکاح پر اس شخص نے یہ روپیہ دیا ہے اور پھر وعدہ خلافی کرے تو عورت سے اپنا روپیہ واپس کرسکتا ہے مگر نکاح پر جبر نہیں کرسکتا کمعتدة الغیر انفق علیھا رجل بشرط ان یتزوجھا وابت فله الرجوع کذافی الدر المختار فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳؍ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ص: ۶۷ ج: ۲)

## حکم وقوع طلاق بتلفظ ایں کلمہ کہ ''واسطہ نہیں''

سوال (۴۹۷) الفاظ مستعملہ میں ایک لفظ ہے ''مجھ سے تجھ سے کچھ واسطہ نہیں'' اس سے بہ نیت طلاق، طلاق واقع ہوگی یا نہیں عالمگیری میں اس کی دو نظیریں لکھی ہیں ولو قال لم یبق بینی و بینک شیئی ونوی به الطلاق لا یقع وفی الفتاویٰ لم یبق بینی وبینک عمل ونوی یقع کذا فی العتابیه ۱ھ عمل اور شے میں کیا فرق ہے اور صورت مسئولہ کس کے مشابہ ہے۔ بحرالرائق میں ہے فی جمع برھان قال لم یبق بینی وبینک عمل ونوی الطلاق لایقع وفی فتاویٰ الفضلی خلافه اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ عمل میں بھی اختلاف ہے۔

الجواب۔ القاء ربانی سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ کا حکم مبنی ہے عرف پر پس جہاں حقیقی اور مجازی معنی میں عرفاً تلبس اور تعلق سمجھا جاتا ہے وہاں نیت صحیح ہوگی ورنہ نہیں اسی بناء پر شئے اور عمل میں فرق ہوگیا کہ ایک میں عرفاً تلبس تھا دوسرے میں نہ تھا پھر تبدیل زمانہ سے لفظ عمل میں اختلاف ہوگیا کیونکہ اگر تلبس شرط نہ ہو لازم آتا ہے کہ زید قائم سے اگر طلاق کی نیت کرے تو درست ہو وہو باطل جب یہ معلوم ہوگیا تو اپنا عرف غالباً یہ ہے کہ اس لفظ کو بکثرت بہ نیت تطلیق استعمال کرتے ہیں لہٰذا میرے نزدیک اگر نیت کرلے گا طلاق واقع ہوجائے گی۔ واللہ اعلم۔ ۲۹؍ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ص: ۶۸ ج: ۲)

## حکم جمع بین الکنایة والصریح

سوال (۴۹۸) ایک شخص نے بحالت غصہ اپنی زوجہ کو کہا کہ جا دور ہو ہم طلاق دیتے ہیں اس کے بعد پشیمان ہوا اور پھر کچھ نہیں کہا تھوڑی دیر کے بعد عورت کچھ رونے لگی تو اس سے کہا کہ اب کیا روتی ہو جو ہونا تھا سو ہوگیا یہ کس قسم کی طلاق واقع ہوئی اور اب شوہر رجعت کرسکتا ہے یا نہیں۔

الجواب۔ یہ تین جملہ ہیں کہ جا۔ دور ہو۔ ہم طلاق دیتے ہیں۔ اولین کنایات قسم اول سے ہیں

جو ہر حال میں موقوف نیت پر ہیں کما فی الدر المختار باب الکنایۃ اور ثالث طلاق صریح ہے پس اگر اولین سے نیت طلاق کی نہیں کی بلکہ زجر مقصود تھا تو صرف لفظ ثالث سے ایک طلاق رجعی پڑی عدت کے اندر رجعت کر سکتا ہے اور اگر اول کے دونوں لفظوں سے جدا جدا طلاق کی نیت کی تو دو بائن ان سے ہوں گی اور ثالث سے حلالہ کی ضرورت ہوگی اور اگر اول سے نیت کی اور ثانی سے نہیں کی یا بالعکس تو دو طلاق بائن ہوگئیں بلا حلالہ تجدید نکاح بتراضی طرفین جائز ہے۔ ۱۳۲۲ھ (امداد ص: ۶۸ ج: ۲)

# ترجیح الراجح جلد ثالث ص ۲۰۰

سوال (۴۹۹) فتاویٰ امدادیہ جلد دوم باب طلاق ص: ۶۸ خلاصۂ سوال از طلاق بائن الفاظ جاؤ دور ہو ہم طلاق دیتے ہیں خلاصۂ جواب یہ تین جملے ہیں الخ۔ (تسامح) دریں عبارت اور اگر اول کے دونوں لفظوں سے جدا جدا طلاق کی نیت کی تو بائن ان سے ہوگی اور ثالث سے حلالہ کی ضرورت ہوگی (اصلاح تسامح) مسئلہ متفق علیہا است کہ بائن ببائن لاحق نمی شود لایلحق البائن البائن اذا امکن جعلہ اخباراً عن الاول کانت بائن بائن او ابنتک بتطلیقۃ فلا یقع لانہ اخبار فلاضرورۃ فی جعلہ انشاء الخ قولہ فلا یقع ای وان نوی کما فی البحر عن الحاوی ولا یقع بکنایات الطلاق وان نوی ۱۲ شامی علامہ شامی درشرح قول الدر المختار اذا امکن کہ بحث بحرالرائق دربارۂ نیت در بائن ثانی آوردہ وخوب جواب دادہ در آں نظر امعان فرمایند تمام اہل فقہ چہ در شرح وچہ در متون وچہ در فتاویٰ متفق اند کہ بائن ثانی واقع نمی شود پس در صورت مانحن فیہ اگر نیت طلاق است از دو لفظ کنایہ یک واقع شد و یک دیگر بصریح پس حاجت حلالہ نہ ماند۔

الجواب۔ علامہ شامی تحت قول صاحب درمختار اذا امکن خلاصۂ بحث چنیں برآوردہ فعلم ان قولھم اذا امکن احتراز عما اذالم یمکن جعلہ خبراً الخ وتحت قول درمختار لانہ اخبار آوردہ لانہ امکن ذلک وظاہر ست کہ لفظ دور ہو اخبار گردانیدنش ممکن نیست چنانکہ در ابنتک باانت بائن ممکن ست پس ہرگاہ شرط عدم الحاق نیافتہ شدہ حکم عدم لحاق چگونہ کردہ خواہد شد پس لحاق لازم باشد۔

۲۲ رجب ۱۳۲۳ھ

اس پر پھر ذیل کا سوال آیا:۔

سیدی سندی مدظلکم۔ تسلیم سرفراز نامہ رسید فخر دارین بخشید بر کمال انصاف جناب شکر ادا کردم جواب سابق دربارہ ردسلام بوقت استبرار کہ از حضور آمدہ بسر وچشم تسلیم کردہ شد کہ فکر کامل جناب بصواب آمد وایں جواب مسئلہ طلاق تلفظ جا دور ہو فتاویٰ امدادیہ ص ۶۸ حضور فرستادند تا حال درفہم بندہ نہ آمدہ ارشاد حضور (وظاہر است کہ لفظ دور ہو اخبار گردانیدنش ممکن نیست) بسبب کمال نقصان ذہن بندہ

ایں ظہور بندہ را خفی نظر می آید ہر چند فکر کردہ شد کدام دلیل ظہور ظاہر نہ شد بلکہ دلائل مقال آں اظہر من الشمس اندر داں قول شامی کہ جناب ارشاد فرمودند فعلم ان قولهم اذا امكن الخ ایں لفظ موجود ست كما فی ابنتک باخری پس لفظ اخری مانع از امکان اخبار ست و باقی صور کہ در درالمختار آوردند کہ دراں امکان اخبار نیست مانحن فیہ ازاں صور داخل نیست کما ہوالظاہر پس کدام وجہ است کہ در مانحن فیہ اخبار از اول غیر ممکن ست فعليكم البيان باوضح البرهان در کتب مصرح است کہ دو طلاق بائن بہ یک دیگر ملحق نمی شوند عام اند بیک لفظ باشند چنانچہ انت بائن انت بائن یالفظ دیگر باشند چنانچہ انت بائن انت خلية واشاربه الى انه لايشترط اتحاد اللفظين الخ شامی تحت قول الدر او ابنتک بتطليقة الحاصل قابل توجہ ست کہ شخصے زوجۂ خود را گفت اذھبی اغربی مراد و نیت او طلاق ست ظاہر است کہ بموجب قاعدہ معروفہ یک طلاق بائن واقع شود کہ ظاہر است اغربی را اخبار کردن از اذھبی ممکن ست یعنی تباعدی عنی کہ من ترا بلفظ اذھبی طلاق دادہ ام و اذا طلقها تطليقة بائنة ثم قالها فی عدتها انت علی حرام او خلية او بريئة او بائن اوبتة اوشبه ذلک وهو يريد الطلاق لم يقع عليها شيئی لانه صادق فی قوله هی علی حرام وهی منی بائن ای لانه يمكن جعل الثانی خبراً عن الاول الخ ۱۲ شامی تحت قول الدر لايلحق البائن البائن وایں ہم برابر است کہ کنایہ دوم اندر عدت در یک کلام و مجلس باشد یا در دو ولانه يوهم ان يلزم كون فی مجلس واحد وهو غير لازم ۱۲ شامی پس کدام امر مانع در مانحن فیہ است کہ ثانی از اول اخبار نمی شود مراد از اخبار اخبار عما صدر اولا است نہ اخبار نحوی تا کہ صیغۂ امر مانع باشد ليس المراد الاخبار النحوی بل الاخبار عما صد اولا ۱۲ شامی بندہ را دریں استدلال تأمل است جناب خوض نمایند در ترجمۂ الدرالمختار غایۃ الاوطار آوردہ اور اذھبی بمعنی جا الخ اور اغربی یعنی دور ہو الخ ۱۲ ظاہر شد کہ صورت امدادالفتاویٰ بعینہ صورت سابقہ قابل توجہ مذکورہ است هكذا والله تعالىٰ اعلم بالصواب خلاصۂ مفصل بجواب عنایت فرمایند اگر چہ جناب را تکلیف است مگر عوام را از چاہ ضلالت بیرون کردن اہم از اہم فرائض آنجناب ست چونکہ ازیں گستاخی خاطر جناب گراں نمی شود بلکہ بکمال عرفان دانستہ اند کہ مقصود سائل ظہور حق ست لہٰذا بار ثانی معروض ست ورنہ چہ نسبت خاک را با عالم پاک امید کہ وقتے پیدا آید کہ خود بخود جناب بریں غلام فیض باراں خواہند فرمود۔ فقط

اس کا جواب یہاں سے یہ گیا کہ مکرر تحقیق کیا جاوے گا سو مجھ کو فرصت نہیں ملی ناظرین دوسرے علماء سے تحقیق فرمالیں اور اس مضمون کا ایک فتویٰ جو سائل کی رائے کے موافق ہے امدادالفتاویٰ ج ۲ ص ۳۷ مسئلہ مرقومہ ۸ رجب ۱۳۲۵ھ بعنوان عدم لحاق کنایہ بائن الخ میں مطبوع ہو چکا ہے مکرر تحقیق کے وقت اس کو بھی زیر نظر رکھا جاوے۔ فقط

## حکم طلاق مریض

سوال (۵۰۰) ایک شخص نے حالت بیماری میں برضاء ورغبت اپنی زوجہ منکوحہ کو حاضران مجلس کے سامنے صریح طلاق دی اور زوجہ نے بھی اپنا مہر زوج کو معاف کردیا بعد طلاق کے عرصہ ایک ماہ کے بعد اسی بیماری کی حالت میں زوج مرگیا پس اس صورت میں مذکورہ میں زوجۂ مطلقہ کی عدت بعد طلاق سے محسوب ہوگا یا بعد وفات زوج سے زید کہتا ہے کہ بقول شامی فی حق امرأة الفار الخ و المراد بامرأة الفار من ابانها فی مرضه بغیر رضاها بحیث صار فارا و مات فی عدتها ابعد الاحلین۔ اس روایت کی وجہ سے مدت وفات کی لی جائے گی نہ طلاق سے اور عمرو کہتا ہے کہ بقول شامی لو ابانها فی مرضه برضاها بحیث لم یصر فارا تعتد عدة الطلاق عورت مطلقہ کی عدت کا شمار طلاق سے کیا جائے گا بموجب اس روایت اخیرہ کے اگر کوئی شخص عورت مطلقہ سے بعد گزرنے عدت طلاق نکاح کرلے تو یہ نکاح از روئے شرع شریف کے جائز ہے یا نہ۔

الجواب۔ حکم طلاق زوج مریض کا جبکہ زوج قبل انقضاء عدت زوجہ کے مرجائے یہ ہے کہ جس طلاق کے بعد عدت کے اندر زوج کے مرجانے سے زوجہ کو میراث ملتی ہے اس میں عدت ابعد الاجلین ہے یعنی عدت طلاق اور عدت وفات میں جو پیچھے ختم ہو اور جس میں میراث نہیں ملتی اس میں عدت طلاق واجب ہے پس شامی کی دونوں روایتیں صحیح ہیں اور دونوں میں کچھ تعارض نہیں کیونکہ روایت اولیٰ صورت میراث میں ہے اور روایت ثانیہ صورت عدم میراث میں ہے اب یہ تحقیق کرنا چاہئے کہ اس مریض کی طلاق پر آیا حکم میراث کا مرتب ہوا ہے یا نہیں تاکہ اس سے عدت کا حکم متعین ہوجائے اس لئے اس کی صورتیں لکھتا ہوں کہ اگر یہ مریض ایسا بیمار تھا جس میں غالب گمان حیات کا تھا تو یہ مرض موت نہیں ہے اور اس صورت میں اگر زوج عدت زوجہ کے اندر مرجائے تو زوجہ وارث نہ ہوگی ایک صورت تو یہ ہوئی اور اگر اس بیماری میں ظاہر حال سے اندیشہ مرجانے کا تھا تو یہ مرض موت ہے پھر اس مرض موت میں یہ تفصیل ہے کہ دیکھنا چاہئے کہ طلاق رجعی ہے یا بائن اگر رجعی ہے تو وارث ہوگی اور یہ دوسری صورت ہوئی اور اگر بائن ہے تو دیکھنا چاہئے کہ زوجہ کی اجازت سے ہے یا بلا اجازت اگر اجازت سے ہے تو وارث نہ ہوگی اور یہ تیسری صورت ہوئی اور اگر بلا اجازت ہے تو وارث ہوگی اور یہ چوتھی ہوئی پس اول اور تیسری صورت وارث نہ ہونے کی ہیں اور دوسری اور چوتھی صورت وارث ہونے کی ہیں پس واقعہ سوال میں اگر اول یا تیسری واقع ہوئی ہے تو عدت طلاق واجب ہے اور اس کے انقضاء کے بعد نکاح ثانی جائز ہے اور اگر دوسری یا چوتھی صورت واقع ہوئی تو اگر عدت طلاق پہلے ختم ہوجائے تو عدت موت کے بعد نکاح ثانی درست ہوگا اس کے قبل درست نہ ہوگا۔ والروایات مذکورة فی باب طلاق المریض وباب العدة من

الکتب الفقهیة۔ واللہ اعلم یکم ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۰ ۷ ج ۲)

## وقوع طلاق از تعلیق طلاق بیکے از شروط اربعہ و بگفتن ایں لفظ کہ اگر یک شرط ہم متحقق شود ترا طلاق است مرا ہیچ دعویٰ بر تو نیست ہر جا کہ خواہی نکاح کنی

سوال (۵۰۱) زید نے اپنی زوجہ ہندہ سے چار شرط اس طور سے کہیں کہ اگر ایک شرط بھی ان چار سے مجھ سے پائی جائے تو تجھ کو طلاق ہے چاہے جہاں تو نکاح کرے میرا کسی قسم کا دعویٰ تجھ پر نہیں ہے بعد ازاں زید سے ایک شرط پائی گئی پس ہندہ پر کتنی اور کیسی طلاق پڑی مع عبارت کتاب بیان فرمائیں۔

الجواب۔ فی الدرالمختار باب الصریح یقع البائن لو قال انت طالق طلقة تملکی بها نفسک لانها لا تملک الا بالبائن اس روایت کی بناء پر صورت مسئولہ میں ایک طلاق بائن واقع ہوگیا واللہ اعلم۔ ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد ص: ۱۷ ج: ۲)

## تحقیق مانع بودن قسم وقوع طلاق را

سوال (۵۰۲) اندریں کہ بنگالی بزبان بنگالہ خود زن خود را گفت نیز تین طلاق دیم کہ ترجمہ اش بعربی طلقتک ثلاثا باشد و یا بفارسی ترا سہ طلاق دادم و آں را بقسم یا بکلمہ شہادت موکد ساخت اعنی او گفت واللہ طلقتک ثلاثا یا اشهد ان لا الہ الا اللہ طلقتک ثلاثا پس شرعاً طلاقش واقع خواہد شد یا نہ۔

## نقل رقعہ مصحوبہ ایں سوال

پس از سلام مسنون معروض آنکہ عبارت درمختار لست لك بزوج او لست لی بامرأة او قالت لست لی بزوج فقال صدقت طلاق ان نواه خلافا لهما ولو اكره بالقسم او سئل الك امرأة فقال لا تطلق وان نوى لان اليمين والسوال قرينتا ارادة النفی فيهما۔

خلاصۂ مطلب اس عبارت کا کیا ہے چونکہ بعض لوگ اس عبارت سے قسم و سوال کو مطلقاً مانع طلاق سمجھتے ہیں صریح ہو یا کنایہ اور بعض مانع کنایہ سمجھتے ہیں نہ صریح کے اور یہاں کے عوام و خواص سب کی تشفی حضور کی تحریر پر ہے۔ فقط

الجواب۔ بلاشک وشبہ طلاق واقع شد وانچہ ورپرچہ مصحوبہ از درمختار نقل کردہ شدہ است آں مخصوص است بکلامے کہ محتمل نفی اصل زوجیت باشد پس قسم مرجح خواہد شد ارادہ نفی را وایں مقصود نیست کہ قسم مطلقاً مثل استثناء یعنی انشاء اللہ تعالیٰ مانع وقوع طلاق می باشد و صریح و کنایہ درآں متساوی اند خلاصہ

جواب آنکہ در مقیس علیہ انکار زوجیت است و در مقیس انشاء طلاق پس قیاس صحیح نہ باشد فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
۲۴ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ (امداد ص: ۲۷ ج: ۲)

## وقوع طلاق بلا تصریح اسم و بلا خطاب زوجہ

سوال (۵۰۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں میں نے حالت غصہ میں یہ کلمے کہے ہیں (طلاق دیتا ہوں طلاق طلاق اور میں نے کوئی کلمہ فقرہ بالا سے زیادہ نہیں کہا اور نہ میں نے اپنی منکوحہ کا نام لیا اور نہ اس کی طرف اشارہ کیا اور نہ وہ اس جگہ موجود تھی اور نہ اس کی کوئی خطا ہے یہ کلمہ صرف بوجہ تکرار (یعنی میری منکوحہ کی تائی کے نکلے جس وقت میرا غصہ فرو ہوا فوراً اپنی زوجہ کو لے آیا ان دو اشخاص میں ایک میرے ماموں اور ایک غیر شخص ہے اور مستورات ہیں ہیں۔

الجواب۔ چونکہ دل میں اپنی ہی منکوحہ کو طلاق دینے کا قصد تھا لہٰذا تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں۔
كذا في ردالمحتار ج ۲ ص ۷۰۵۔ ۲۶ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ (امداد ص: ۳۷ ج: ۲)

## حکم طلاق زوجہ کہ زوج او را باسم غیر او طلاق دہد

سوال (۵۰۴) يا مخدومنا العلام. ان رجلا له زوجة واحدة اسمها عليمة بنت زيد مثلاً فقال في مجلس ان طلقت زوجتي نعيمة بنت زيد ثلاثا وليست له زوجة الا عليمة بنت زيد ثم قال والله ما طلقت زوجتي عليمة بنت زيدقط وهو الأن يصاحبها ويوطيها فهل صارت عليمة مطلقة ام لا۔

الجواب۔ السلام عليكم. الجواب ان عليمة لاتطلق كما في ردالمحتار عن البزازية ولو حلف ان خرج من المصرفامرأة عائشة كذا واسمها فاطمة لا تطلق اذا خرج اهـ ج ۲ ص ۷۵۵ ۔ ۲۸ ر ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص: ۱۰۵)

## تحقیق عدم لحاق کنایۃ بائن با بائن صریح ولحاق بقیۃ بابقیۃ

سوال (۵۰۵) ان رجلا طلق امراته طلاقا بائناً ثم طلق بعد ستة اشهر ثنتين فهل يقع الثنتان اللتان بعد الاولى ام لا۔

الجواب۔ نفس مسئلہ میں تفصیل یہ ہے کہ طلاق اول یا صریح بائن یا کنایہ رجعی ہے مثل اعتدی واستبرئی رحمک وغیرہ کے یا کنایہ بائن اور اسی طرح طلاق متاخر میں یہ چاروں احتمال ہیں کل سولہ صورتیں ہیں ان میں جس صورت میں طلاق مقدم بائن ہو صریح یا کنایہ اور طلاق مؤخر کنایہ بائن ہو

اس صورت میں تو طلاق مؤخر کا وقوع نہ ہوگا اگر چہ نیت بھی وقوع کی کرے باستثنائے مستثنیات مذکورہ فی الفقہ اور حاصل ان صور مستثنیہ کا یہ ہے کہ جب ایقاع ثانی کو اخبار پر محمول کرنا ممکن نہ ہو اور بقیہ صورتوں میں وقوع ہو جائے گا ھکذا فی الدر المختار و ردالمحتار مفصلاً مبسوطاً۔ واللہ اعلم۔

۸ رجب ۱۳۲۵ھ (امداد ص: ۳۰۷ ج: ۲)

## تحقیق عدم ترتیب احکام تجدید عقد بر ایجاب وقبول مکرر متعارف

سوال (۵۰۶) ایک شخص نے کسی فعل پر طلاق کو اس طرح معلق کیا کہ اگر فلاں کام کروں تو جس عورت سے نکاح کروں وہ مطلقہ ہے اس کے بعد وہ کام کیا پھر نکاح تو ظاہر ہے کہ وہ عورت مطلقہ ہوگئی لیکن قاضی نے ایجاب وقبول دوبارہ کرایا پس یہ کہا جاسکتا ہے کہ اول ایجاب وقبول کے بعد طلاق واقع ہوگیا اور ثانی ایجاب وقبول سے پھر دوبارہ نکاح منعقد ہوگیا اگر چہ طرفین نے تجدید نکاح کا ارادہ نہیں کیا البتہ پہلی مرتبہ چونکہ قاضی وکیل تھا اس لئے وہ وکالت ختم ہوگی اب دوبارہ ایجاب فضولی کا سمجھا جائے گا اس لئے اجازت مرأۃ یا ولی مرأۃ پر موقوف رہے گا پس ولی کا عورت کو برضا مندی رخصت کرنا یا کہ عورت کی برضا تمکین وطی کو اجازت سمجھا جائے گا یا نہیں یا کہ عورت سے یہ کہا کہ تم راضی ہو ان سے اس نے کہد یا ہاں تو یہ رضا شمار کیا جاسکتا ہے یا نہیں وجہ شبہ یہ ہے کہ اجازت ورضامندی کے لئے خبر نکاح شرط ہے اور ولی یا عورت کو خبر نکاح ثانی نہیں ہے بلکہ اس کو فضول سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ نکاح ہماری اجازت سے ہوا ہے پس یہ عدم علم تجدید نکاح رضامندی کے لئے مضر ہے یا نہیں یا کہ یہ کافی ہے کہ نفس نکاح کا ان کو علم ہے اگر چہ تجدید نکاح کا علم نہیں۔

الجواب۔ مکرر ایجاب وقبول سے مقصود تاکید ہے نہ کہ تجدید لہٰذا اس کو عقد ثانی نہ کہیں گے اور رضا مرأۃ یا ولی کی عقد اول ہی کے خیال سے ہے اس کو عقد ثانی پر رضا نہ کہا جائے گا۔

۱۷ رجب ۱۳۲۵ھ (امداد ص: ۳۰۷ ج: ۲)

## حکم طلاق صغیر

سوال (۵۰۷) جملہ متون وشروح فقہ اصول اس امر میں متفق ہیں کہ صبی بنفسہ ایقاع طلاق نہیں کرسکتا اور نہ اس کی طرف سے ولی وغیرہ ایقاع طلاق کا مجاز ہے ہاں بوقت حاجت صبی کی طرف سے طلاق واقع ہوسکتی ہے پس قابل استفسار یہ امور ہیں۔

(۱)۔ حاجت سے کون حاجت مراد ہے وہی تین حاجتیں جو شامی صاحب تحریر وغیرہ نے ذکر فرمائی ہیں یا اور بھی مثلاً زوج صغیر اور زوجہ بالغہ بوقت خوف زنا وغیرہ۔

(۲)۔ بوقت حاجت خود صبی طلاق دے گا یا اور کوئی صبی کی طلاق نہ واقع ہونے کی دلیل فقہائے

کرام کل طلاق جائز الاطلاق الصبی بیان فرماتے ہیں پس یہ عبارت حدیث مرفوع کی ہے یا قول ابن عباسؓ ہے اور کوئی اگر طلاق دے تو وہ کون ہوگا ولی یا قاضی یا محکم اور اس کی دلیل کیا ہے اور ایسے واقعات کا فیصلہ اس وقت کوئی کر سکتا ہے یا نہیں۔

(۳)۔ قول امام سرخسیؒ بنفسہ ایقاع طلاق صبی پر دلالت کرتا ہے یا نہیں اگر دلالت کرتا ہے تو خلاف متون و شروح یہ قول مفتی بہ ہے یا نہیں۔

الجواب۔ (۱) صغر زوج اور بلوغ زوجہ ان حاجات میں سے نہیں بلکہ کسی حالت میں بھی یہ اسباب استحقاق تفریق میں سے نہیں۔

(۲) قاضی تفریق کرے گا اور دلیل کی تحقیق منصب مقلد کا نہیں اور نہ مجیب مقلد کے ذمہ ماخذ کا بیان کرنا ہے نقل مذہب کافی ہے۔

(۳) اول تو دال نہیں اور ثانیہ بصورت دلالت معتبر نہیں۔ فقط یکم ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۷۵ ج ۲)

## لفظ آزاد کردی طلاق صریح ہے

سوال (۵۰۸) میرے خاوند نے چند اشخاص کے مواجہہ میں یہ لفظ کہے مجھ کو اس کی ضرورت بالکل نہیں اور میں نے تو اس کو آزاد کردی تھی لوگ خواہ مخواہ میرے سر ہوتے پھرتے ہیں نہ میرے کہنے کی تھی نہ میں نے رکھی اب کہیں جاؤ میں نہیں لیتا یہ الفاظ کہے اور ان الفاظوں کے گواہ تیتروں کے لوگ ہیں اب آپ اس امر میں کیا فرماتے ہیں کہ میری والدہ پر افلاس آ گیا ہے کب تک نباہ ہو سکے مجبوراً احکام شرعی کی نیت کی ہے اگر اجازت ہو تو نکاح کرلوں میری ایام گزاری مشکل ہے دنیا حرام حلال کو کم دیکھتی ہے۔ فقط

الجواب۔ یہ کہنا کہ آزاد کردی ہے ہمارے عرف میں طلاق کے لئے مستعمل ہے لہٰذا اس سے طلاق صریح واقع ہو جاوے گی پس اگر اس کہنے کے بعد اس عورت کو تین حیض آ چکے ہوں تو یہ نکاح سے نکل گئی جس سے چاہے نکاح کرے۔ فی ردالمحتار فاذا قال رھا کردم ای سرحتک یقع به الرجعی مع ان اصله کناية ایضاً وما ذاک الا لانه غلب فی عرف الفرس استعماله فی الطلاق وقدمران الصریح مالم یستعمل الا فی الطلاق من ای لغة کانت فقط۔

۳ رجمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ (تتمۂ اولیٰ: ص: ۹۶)

سوال (۵۰۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت منکوحہ کو بلا ذکر طلاق وبغیر نیت بحالت غصہ اشتعال طبع سے ایام حمل چہار ماہ میں مکرر یہ کہا کہ جا میں نے تجھ کو طلاق دیا طلاق پس ایسی حالت میں اس پر طلاق عائد ہوئی یا نہیں اگر ہوئی تو تلافی مافات

کی کیا صورت ظہور پذیر ہے جواب باصواب سے عند اللہ ماجور وعند الناس مشکور فرماویں۔

الجواب۔ لفظ جا ان کنایات سے ہے کہ ہر حال میں اس میں نیت شرط ہے جب نیت نہ تھی تو اس سے تو طلاق واقع نہیں ہوئی پس اگر لفظ طلاق دیا دو ہی بار کہا ہے اور عورت مدخول بہا ہے تو طلاق رجعی واقع ہوئی جس میں عدت کے اندر رجعت جائز ہے اور بعد عدت تجدید نکاح بتراضی زوجین جائز ہے اور اگر تین بار کہا ہے تو بجز حلالہ کے کوئی تدراک نہیں۔ ۲۸ رشعبان ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص:۶۶)

سوال (۵۱۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا چال چلن وقت شادی درست تھا بعد شادی چند ایام گزرنے پر چال چلن خراب ہوگیا اور یہاں تک خراب ہوا کہ شرابخواری اور رنڈی بازی وقمار بازی میں مصروف ہوگیا زید نے جوئے بازی میں بکر کے ہاتھ مبلغ تین سو روپیہ میں اپنی بیوی ہندہ رکھدی اور ہندہ نے آ کر بیان کیا کہ تو میری بردہ ہے اور میں نے تجھ کو بکر کے ہاتھ مبلغ تین سو روپیہ میں بیچ دیا ہے تو اس کے ہاں چلی جا عورت ہندہ نے جواب دیا کہ عورت کی بیع نہیں ہوتی ہے غرض اس کے لینے کے لئے بکر ہندہ کے مکان پر پہونچا اور بکر نے مکان پر جا کر بیان کیا کہ زید نے تجھ کو یعنی ہندہ کو میرے ہاتھ بیچ دیا ہے تو میرے مکان پر چل عورت ہندہ نے بکر کو جواب دیا کہ عورت کی بیع جائز نہیں ہے کیونکہ میں حرہوں اور حر کی بیع جائز نہیں ہے اور میں کہیں نہیں جاسکتی ہندہ کے باپ مسمی عمرو کو خبر پہونچی عمرو اپنے مکان پر ہندہ کو لے آیا بعد گزرنے دس بیس یوم کے پھر زید لینے کے واسطے آیا اس کو بہت ملامت وغیرہ کیا کہ تم نے ایسی حرکت بیجا کی ہے جو بالکل شرافت کے خلاف ہے عمرو کے سامنے بھی یہی جواب دیا کہ تم کون ہو میری بردہ ہے میں جو چاہوں کروں جب زید مایوس ہوا تو اس نے فیصلہ چاہا اور کہا کہ مجھ کو مہر معاف کرادو تو میں طلاق دیدوں گا چنانچہ باپ ہندہ سے بھی ایسا ہی سوال کیا کہ مہر معاف کرادو میں طلاق دیدوں گا عمرو نے اپنی لڑکی ہندہ سے اس امر کی بابت دریافت کیا ہندہ رضامند ہوگئی کہ مجھ کو طلاق دیدے تو میں مہر معاف کردوں گی چنانچہ ہندہ نے مہر معاف کردیا چند شخصوں کے سامنے اور زید نے ہندہ کو ان الفاظ سے ان ہی شخصوں کے سامنے یہ الفاظ کہے اوّل مرتبہ یہ کہا کہ میں نے تجھ کو آزاد کردیا اور دوسری مرتبہ یہ کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دیدی اس صورت مسئولہ میں طلاق بائن ہوگی یا رجعی۔

الجواب۔ فی ردالمحتار عن البزازیة مانصه بخلاف فارسية قوله سرحتك وهو رها كردم لانه صار صريحاً فی العرف علٰی ماصرح به نجم الزاهدی الخوارزمی فی شرح القدوری اھ وبعد السطر منه فان سرحتك كناية لكنه فی عرف الفرس غلب استعماله فی الصريح فاذا قال رها كردم ای سرحتك يقع به الرجعی مع ان اصله كناية ايضاً وماذاك الا لانه غلب فی عرف الفرس استعماله فی الطلاق وقد مر ان الصريح

مالم یستعمل الا فی الطلاق من ای لغة کانت وبعد السطر واما اذا تعورف استعماله فی مجرد الطلاق لا بقید کونه بائنا یتعین وقوع الرجعی به کما فی فارسیة سرحتک (ج:۲ ص:۶۲۷و۶۳۷) وفی ردالمحتار عن الفتح اخر الباب قال ابرئینی من کل حق یکون للنساء علی الرجال ففعلت فقال فی فوره طلقتک وهی مدخول بها یقع بائنا لانه بعوض اھ (ج:۲ ص:۹۲۱)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ اگر چہ یہ الفاظ کہ آزاد کردیا اور طلاق دیدی صریح ہیں لیکن چونکہ یہ بمقابلہ معافی مہر کے ہے اس لئے اس سے طلاق بائن واقع ہوگی۔ ۲۸ / شعبان ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص:۶۶)

## کسی مصلحت کی وجہ سے زوجین کا یہ کہنا کہ ابھی نکاح نہیں ہوا اس سے نکاح باطل ہوگا یا نہیں

سوال (۵۱۱) ایک شخص نے ہندہ سے نکاح کیا مگر عدالتی مصلحت کی وجہ سے زوجین نے عدالت میں یہ بیان کیا کہ ابھی نکاح نہیں ہوا ہے لیکن ہونے والا ہے تو نکاح باطل ہوا پھر نکاح کی ضرورت ہے یا نہیں۔

الجواب۔ اول تو یہ انشاء نہیں ہے اور اس سے قطع نظر نیت بھی طلاق کی نہیں لہٰذا نکاح باطل نہیں ہوا فی العالمگیریة لوقال لها لا نکاح بینی وبینک او قال لم یبق بینی وبینک نکاح یقع الطلاق اذ نوی ج ۲ ص ۶۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۱۰۸)

## زوجہ کو یہ لکھنا کہ تم کو ایک طلاق مغلظہ اشد کالجبل

سوال (۵۱۲) زید پردیس میں کہیں نوکر تھا اس نے اپنی زوجہ (زینت) کو مخاطب کرکے بایں عبارت (تمہیں ایک طلاق بائن مغلظ اشد کالجبل) طلاق لکھا بعدہ وہ سلسلہ معاش (اُس کے زعم میں) بی بی کے بعض طرفداری کی کوشش کی وجہ سے جاتا رہا زید نے طیش میں آکر ایک خط بایں عنوان (چونکہ مجھ سے فلاں جگہ کا تعلق جاتا رہا اور یہ غالباً طلاق کا اثر ہے لہٰذا پھر طلاق اور جب رجعت کروں تب طلاق غرض طلاق پر طلاق) تحریر کرکے روانہ کیا تو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ صورت مسئولہ عنہا میں کے طلاق واقع ہوئی اور کیسی رجعت یا ان دونوں (زید وزینت) میں کوئی صورت معیت ہوسکتی ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدرالمختار ویقع بقوله انت طالق بائن او البتة او افحش الطلاق او طلاق الشیطان او البدعة او اشر الطلاق او کالجبال الی قوله واحدة بائنة فی الکل ان لم ینو ثلثا اھ۔ اس روایت کی بناء پر جواب یہ ہے کہ چونکہ لفظ ایک بھی کہا ہے اس لئے وقوع ثلث

کا تو احتمال نہیں اس سے اول ایک طلاق واقع ہوئی اور بوجہ اس کے کہ اس کو مغلظ اشد وغیرہ سے موصوف کیا اس لئے وہ ایک طلاق بائن ہوگی اس کے بعد جب لکھا کہ پھر طلاق اس سے دوسری طلاق واقع ہوئی۔ اور چونکہ بائن ہی ہوتی ہے۔ اس لئے اس عورت پر دو طلاقیں ہونگی اور تیسری طلاق اس لئے نہ ہوگی کہ وہ معلق ہے ایک شرط پر اور وہ شرط نہ تو واقع ہوئی اور نہ واقع ہوسکتی ہے کیونکہ طلاق بائن میں رجعت نہیں ہوسکتی اب صرف تجدید نکاح بلا حلالہ کے دونوں کی رضامندی سے جائز ہے لیکن اگر اس نکاح جدید کے بعد کبھی ایک بار بھی لفظ طلاق کہدے گا تو وہ ایک ان دو سے مل کر تین طلاق ہو جاویں گی اور پھر بدون حلالہ نکاح جدید بھی جائز نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔ ۷ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۹۹)

## بیوی کو (نکل جا ہم سے تجھ سے کوئی واسطہ نہیں کوئی چھیلا تلاش کر۔ بازار میں جا کر رہ) کہنے کا حکم

سوال (۵۱۳) شوہر نے اپنی زوجہ سے کہا تو دوسرے شخص کے یہاں جاتی ہے ہم کو کچھ شبہ ہے زوجہ نے کہا کہ جب تیرا ہماری طرف سے ایسا خیال ہے تو نہ ہم تیرے گھر میں رہیں گے اور نہ تیرا کھائیں گے اور نہ تو ہمارا شوہر ہے تب شوہر نے کہا نکل جا ہم سے تجھ سے کچھ واسطہ نہیں کوئی چھیلا تلاش کر لے چاہے بازار میں جا کر رہ وہ عورت اس سے کنارہ کش ہوگئی اس کے گھر جاتی نہیں اور شوہر کہتا ہے کہ غصہ میں کہدیا معاف کر شوہر کے بے ایمانی کی یہ حالت ہے کہ جب اس عورت کو پہلے شوہر سے طلاق دلوا کر لایا اور لوگوں کو نکاح کے واسطے جمع کیا تب میاں جی نے پوچھا کہ اس کی عدت پوری ہوگئی ہے یا نہیں اس نے کہا پوری ہوگئی ہے نکاح پڑھا دیا گیا بعد کو یہ معلوم ہوا کہ صرف چھ سات یوم طلاق کو گزرے ہیں تو دونوں میں تفریق کرادی گئی بعد گزرنے عدت کے پھر نکاح ہوا تو جواب طلب یہ امر ہے کہ شرع کے اندر ایسے شخص کے قول وفعل کا اعتبار ہوسکتا ہے یا نہیں اور کلمات بالا سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں اگر ہوئی تو کون سی طلاق ہوئی اور اگر پھر اس عورت سے رجوع کرنا چاہے تو کس صورت سے رجوع کرسکتا ہے از روئے احکام خدا ورسول جواب سے سرفراز فرماویں۔ فقط

الجواب۔ یہ کنایات اس قسم سے ہیں جو محتمل رد وجواب اور محتمل سب وجواب ہیں اور حالت ہے غضب کی اس لئے مدار وقوع طلاق کا نیت پر ہوگا اگر طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق بائن ہوگا اور اگر نیت نہ کی تو کچھ نہ ہوگا اور وقوع کی صورت میں اگر تینوں لفظوں میں نیت جداگانہ کی ہے تو تین [1] طلاق واقع ہوں گی کہ بدون حلالہ پھر نکاح درست نہ ہوگا ورنہ دو یا ایک طلاق واقع ہوگا کہ بدون حلالہ تجدید نکاح کافی ہوگا جبکہ دونوں رضامند ہوں اور بعدم وقوع کی صورت میں کچھ بھی ضرورت نہیں حتیٰ کہ رجعت کی بھی

---

(۱) جداگانہ نیت کرنے کی صورت میں بھی ایک ہی طلاق ہوگی لان البائن بالکنایة لایلحق البائن ۱۲ رشید احمد عفی عنہ۔

ضرورت نہیں کیونکہ رجعت بعد وقوع کے ہوتی ہے۔ ۸ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۹۹)

## حکم خبر واحد در باب طلاق

سوال (۵۱۴) زید نے اپنی بیوی کو شب کو چھ طلاق دیا زید کی والدہ نے سنا بعد کو اقرار کیا مگر اب اقرار نہیں کرتی بلکہ انکار کرتی ہے۔ بینوا تو جروا۔

الجواب۔ فی ردالمحتار الجلد الخامس ص ۳۳۹ قوله في الديانات اى المحضة احتراز عما اذا تضمنت زوال ملك كما اذا اخبر عدل ان الزوجين ارتضعا من امرأة واحدة لا تثبت الحرمة لانه يتضمن زوال ملك المتعة فيشترط العدد والعدالة جميعا اتقانی۔

بناء براس روایت کے جواب یہ ہے زید اگر طلاق کا اقرار کرتا ہے تو طلاق واقع ہونے میں شبہ نہیں اور اگر انکار کرتا ہے مگر زید کی زوجہ نے خود سنا ہے تب بھی زوجہ زید کو زید کے ساتھ طلاق کا سا برتاؤ کرنا چاہئے اور اگر زید کی زوجہ نے خود نہیں سنا صرف زید کی والدہ ہی بیان کرتی ہے اور کوئی کہتا ہے تب وقوع طلاق کا حکم نہ کریں گے اگر واقع میں بھی زید نے دیا ہوگا تو یہ وبال انکار کا زید ہی پر رہے گا زوجہ کو گناہ نہ ہوگا۔

۱۹ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۱۰۰)

## طلاق دیدی دیدی دیدی کرو میرا کیا کرتی ہو کہنے کا حکم

سوال (۵۱۵) بندہ نے سولہ سترہ برس کی عمر میں اپنی بڑی سالی اور اس کی ساس کے ساتھ لڑتے وقت یہ سمجھ کر کہ یوں کہنے سے طلاق نہ پڑے گی اور اس وقت میری بیوی اپنے باپ کے گھر تھی اور پہلے سے بھی مشہور ہو رہی تھی کیونکہ بندہ مہینوں بیوی کے پاس نہ جاتا تھا بندہ جب گھر گیا تو انہوں نے کہا تو اپنی بیوی کو لے آ میں نے کہا میرے دل کی مرضی میں نہیں لاتا انہوں نے کہا ہم نے سنا ہے کہ طلاق دیدی اب مجھے جلن آئی اور اس بہتان پر اب بندہ نے ان کی دل شکنی کرنے کی وجہ سے یہ کہدیا کہ میں نے طلاق دیدی دیدی دیدی کرو میرا کیا کرتی ہو اب انہوں نے کہا یوں طلاق نہیں ہوتی جب تک گواہ نہ ہوں اور تیرے کہنے سے کیا ہوتا ہے نہ تو طلاق دینا مقصود تھا یوں ہی خواہ مخواہ واقعہ ہو گیا اب بندہ پریشان ہے کیونکہ جب تو نادانی میں ناواقفیت سے یہ واقعہ ہو گیا اب مسئلہ سننے دیکھنے سے نادم ہوں اور اب کے سال گھر جانے کا ارادہ ہے آیا یہ طلاق ہو گئی یا نہیں۔ اگر ہو گئی تو اب کسی طرح سے درست ہو سکے اگر یہ کسی طرح حلال نہ ہو گی تو شرمندگی کی وجہ سے نہ دوسرا نکاح کرے گی بلکہ مرجانے کا خوف ہے اور بندہ غربت کی وجہ سے رہ جاوے گا۔

الجواب۔ یہ زبان سے کہا ہے کہ میں نے طلاق دیدی دیدی دیدی کرو میرا کیا کرتی ہو الخ دیکھا

جائے کہ اس کا کیا مطلب تھا اگر یہ مطلب تھا کہ گواب تک نہ دی تھی مگر اب دیدی تب تو تین طلاق واقع ہوگئی بدون حلالہ تجدید نکاح درست نہیں اور اگر یہ مطلب تھا کہ ہاں تم نے جو سنا ہے وہ صحیح ہے میں نے اس کو طلاق دیدی تھی تو اس کا حکم یہ ہے کہ قضاءً تو تینوں واقع ہوگئیں اور اگر عورت کو ثابت ہو جاوے کہ اس نے ایسا کہا تھا تو اس پر واجب ہے کہ اس سے جدا رہے اور دیانۃً یہ تفصیل ہے کہ اگر اس سے پہلے طلاق نہ دی تھی تب تو اس خبر کا ذب سے واقع نہیں ہوئی حتی کہ اگر عورت کو یہ امر ثابت نہ ہو تو اس شخص پر وہ عورت عنداللہ حلال رہے گی اور اگر پہلے سے دے چکا ہے تو واقع ہونا ظاہر ہے۔

فی ردالمحتار تحت قول الدرالمختار اوھازلاً عن اکراہ الخانیة لو اکرہ علیٰ ان یقر بالطلاق فاقر لایقع کما لو اقر بالطلاق ھازلاً او کاذباً فقال فی البحران مرادہ بعدم الوقوع فی المشبه به عدمه دیانة ثم نقل عن البزازیة والقنیة لو ارادبه الخبر عن الماضی کذباً لایقع دیانة وان اشھر قبل ذلك لایقع قضاءً ایضاً اھـ ج۲ ص۶۰٤ مصریه وفی ردالمحتار تحت مسئلة کذاانت طالق قبل ان اتزوجك او امس الیٰ قوله لان الانشاء فی الماضی انشاء فی الحال مانصه ولا یمکن تصحیحه اخباراً لکذبه وعدم قدرته علی الاسناد فکان انشاء فی الحال اھـ ج:۲ ص:٦٨٣ مصریة قلت فثبت به ان المؤثر فی الطلاق دیانةً ھو الانشاء لاالاخبار۔ واللہ اعلم۔

۲۵ رجمادی الاولیٰ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص:۱۰۱)

بعد تحریر جواب ہذا غور کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ مطلب اس شخص کا یہی ہے کہ اب طلاق دیدی لہٰذا جواب متعین یہی ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں۔

## اگر یہ کہا کہ اپنے باپ کے گھر جائے گی تو تین طلاق تو باپ کے مرجانے کے بعد یہ حلف باقی رہے گا یا نہیں

سوال (۵۱۶) ایک شخص مثلاً زید نے اپنی زوجہ ہندہ سے کہا کہ اگر تو اپنے باپ عمرو کے گھر جائے گی تو تجھ پر تین طلاق لیکن قبل جانے ہندہ کے اپنے باپ عمرو کے گھر عمرو مرگیا مگر باوجود ممات عمرو کے عرف میں باپ کا گھر کہا جاتا ہے اس صورت میں اگر ہندہ اپنے باپ کے گھر جائے گی تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔

الجواب۔ فی ردالمحتار لومات مالك الدار فدخل لایحنث لانتقالها للورثة الیٰ قوله لم تکن مملوکة له من کل وجه آھ ملخصاً ج:۳ ص:۱۲۸و۱۲۹۔

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہ ہوگی البتہ اگر کہیں کا عرف یہ

ہو کہ باپ کے مرنے کے بعد جانے سے بھی یہ کہا جاتا ہو کہ وہ عورت اپنے باپ کے گھر گئی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ فی الدر المختار وعندنا علی العرف فی ردالمحتار لان المتکلم الی قوله ماعهدانه المراد بها فتح ص: ۱۱۰ جلد ثالث ۲۰/ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۱۰۲)

## نکل جا جہاں چاہے چلی جا کہنے کا حکم

سوال (۵۱۷) ہندہ کا بیان ہے کہ متعدد مرتبہ کہا کہ نکل جا میں نے تجھ کو طلاق دیا جہاں چاہے چلی جا اور نکال دیا اور یہ بھی کہتا رہا کہ نکل جا تو کیوں نہیں جاتی میں تجھ کو نہیں رکھنا چاہتا تجھ کو مکان میں کس نے بلایا غرض یہ ہے کہ الفاظ متذکرہ صدر سے طلاق بائن واقع ہوئی یا رجعی اور طلاق بائن واقع ہونے پر شوہر کو پھر رجوع کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے یا نہیں اور اس حالت میں کیا حکم ہے کہ کہتا ہے کہ نکل کیوں نہیں جاتی میں تو تجھ کو نہیں رکھنا چاہتا تو کب نکل جاوے گی۔

الجواب۔ لفظ نکل جا میں مطلقاً حاجت نیت کی ہے اور لفظ جہاں چاہے چلی جا میں مثل خلیۃ بریۃ بحالت مذاکرۂ طلاق بلا نیت طلاق بائن واقع ہوتی ہے کذا فی الدر المختار۔ پس اگر اس کے قبل یہ بھی کہا ہے کہ میں نے تجھ کو طلاق دیا تو اس سے طلاق بائن واقع ہو جاوے گی۔ اسی طرح اگر تین مرتبہ کہا کہ طلاق دیا تب بھی طلاق بائن ہو جاوے گی۔ غرض صریح اگر تین بار ہو اور کنایہ مذکورہ اگر ایک بار بھی ہو دونوں طور پر طلاق بائن واقع ہو جاوے گی اور باقی الفاظ جو آخر سوال میں مذکور ہیں کہ نکل کیوں نہیں جاتی الخ ان سے کچھ نہیں ہوتا پس اگر بہ تفصیل مذکور طلاق بائن واقع ہو چکی ہے تو گو کوئی گواہ نہ ہو لیکن ہندہ کو جب اس کا علم یقینی ہو اس کو وقوع طلاق ہی کے احکام پر عمل کرنا چاہئے

۲۱/ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۱۰۳)

سوال (۵۱۸) دوسرے یہ کہ بغیر ذکر طلاق کے اور بلا خیال طلاق کے کسی نے بوجہ خلاف مزاج حرکت کرنے کے اپنی زوجہ سے غصہ میں کہا کہ چلی جا میرے گھر سے بعد اس کے پھر دس پندرہ منٹ کے بعد اس نے اس کے ساتھ صحبت کی تو یہ کیا ہوا اور ایسے حالت میں کیا حکم ہے۔

الجوب۔ جب نیت طلاق کی نہیں تو اس کہنے سے طلاق نہیں ہوا کذا فی الدر المختار وردالمحتار۔ ۲۲/ربیع الاول ۱۳۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۱۰۷)

سوال (۵۱۹) ایک شخص نے اپنی عورت کو اپنے گھر سے نکالا اور کہدیا چلی جا اور عرصہ دس سال اس بات کو گزر گئے کہ وہ عورت اپنے خاوند کے گھر سے نکلی ہوئی ہے اور اس دس سال کے عرصہ میں اس کے خاوند نے اس سے کوئی تعلق نہیں رکھا تھا اب وہ شخص عرصہ قریب چار سال سے فوت ہو چکا ہے اور اس کے فوت ہونے کے بعد وہ عورت شریعت میں اپنے خاوند کے ورثہ پانے کی مستحق ہے یا نہیں اور

صرف اس قدر مدت گھر سے نکال دینے سے طلاق ہوگی یا نہیں۔

الجواب۔ یہ کہنا کہ چلی جا ان کنایات سے ہے جن میں ہر حال میں نیت طلاق کی شرط ہے اور نیت کا علم اب ہو نہیں سکتا لہٰذا طلاق واقع نہیں ہوگی اور وہ عورت مستحق میراث پانے کی ہے۔

۱۱ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ

## قبل از نکاح زینب یہ کہنا کہ زینب کی موجودگی میں دوسرا نکاح کروں تو نئی کو طلاق اس کا کیا حکم ہے

سوال (۵۲۰) زید نے قبل ایجاب وقبول ہونے زینب سے اس کے کابین میں یہ عبارت لکھدی کہ بی بی موصوفہ کی موجودگی میں کبھی کوئی بی بی خفیہ یا ظاہر کر کے نکاح یا شادی نہیں کرسکیں گے اگر کبھی کسی کو کسی جگہ نکاح یا شادی کریں تو نئی شادی کرنے والی بی بی پر مجرد ایجاب وقبول کرنے کے تین طلاق بائن ہوگی اور کابین لکھنے کے بعد زید اور زینب سے ایجاب وقبول ہوا اور کئی برس کے بعد زید نے خانگی جھگڑے کے سبب ایک عالم سے زبانی پوچھا کہ میں اس صورت میں دوسرا نکاح کرسکتا ہوں یا نہیں اس نے کہا کہ کرسکتے ہو تب زید نے دوسری بی بی ہندہ سے نکاح کرلیا اب صورت مسئولہ میں چند امور دریافت طلب ہیں۔

(۱) صورت مسئولہ میں دوسری بی بی ہندہ پر مجرد ایجاب وقبول سے تین طلاق بائن واقع ہوگئی یا نہیں۔

(۲) تعلیق بالطلاق کے لئے ملک یا اضافت الی الملک شرط ہے کابین کی اس قدر عبارت سے کہ بی بی موصوفہ کی موجودگی میں کبھی کوئی بی بی خفیہ یا ظاہر کر کے نکاح یا شادی نہیں کرسکیں گے نہ ثبوت ملک ہے اس لئے کہ قبل ایجاب وقبول کے لکھا اور نہ اضافت الی الملک جیسا کہ ظاہر ہے باقی رہا کابین کی اگلی عبارت سے کہ اگر کبھی کسی جگہ کسی کو نکاح یا شادی کریں تو نئی شادی کرنے والی بی بی پر بمجرد ایجاب وقبول کرنے کے تین طلاق بائن ہوگی ملک تو ثابت نہیں اس لئے کہ قبل ایجاب وقبول لکھا البتہ اضافت الی الملک العام ثابت ہوتی ہے اب اگر تعلیق بالطلاق بعد وجود ملک کے واقع ہوگی تو نئی شادی کرنے والی بی بی پر اور وہ اس صورت مسئولہ میں زوجۂ اول زینب ہوگی نہ ہندہ کیونکہ اس سے تو بعد نکاح زینب کے نکاح کیا پھر زینب پر طلاق کیونکر واقع ہوگی۔

(۳) صورت مسئولہ میں فتاویٰ عالمگیری وبزازیہ وغیرہ کی یہ عبارت مسئلہ کا جواب ہوسکتی ہے یا نہیں۔ قال لاجنبیة مادمت فی نکاحی فکل امرأة اتزوجها فھی طالق ثم تزوجها فتزوج علیها امرأة لایقع۔

(۴) صورت مسئولہ میں دوسری بی بی ہندہ پر طلاق بائن واقع ہوگئی تو آئندہ پھر زید اگر کوئی نکاح

کرے تو مجرد ایجاب وقبول سے ہر بار منکوحہ جدید پر تین طلاق بائن معلقہ واقع ہو جایا کریں گی یا نہیں۔

(۵) دوسری بی بی ہندہ سے پھر دوسری بار اگر نکاح کرے تو تحلیل کی ضرورت ہے یا نہیں۔

(۶) زید زینب کو طلاق رجعی دیدے اور عدت گزر جانے کے بعد مبائنت کے زمانہ میں کسی دوسری عورت سے نکاح کرے تو اس پر تین طلاق بائن معلقہ واقع ہوں گی یا نہیں۔

(۷) زید زینب کو طلاق رجعی دیدے اور عدت گزرنے کے بعد پھر زینب سے تجدید نکاح بلا تحلیل کرے کسی دوسری عورت سے نکاح کرے تو تین طلاق بائن معلقہ واقع ہوں گی یا نہیں۔

الجواب۔ (۱) نہیں واقع ہوئی نہ اس وجہ سے کہ اس میں نہ ثبوت ملک ہے نہ اضافت الی الملک موجود ہے کیونکہ جس عورت کے طلاق کی تعلیق مقصود ہے اس کی تطلیق میں اضافت الی الملک موجود ہے کل امرأة اتزوجها قوة میں ان تزوجت امرأة کے ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور عالمگیریہ کا یہ جزئیہ جو بعد جزئیہ مذکورہ سوال نمبر ۳ کے مذکور ہے ولو قال ان تزوجتک مادمت فی نکاحی فکل امرأة اتزوجها والمسئلة بحالها یقع اس کا مؤید بھی ہے اور اس کے جواب میں یہ کہنا کہ اس مقیس علیہ میں اضافت الی الملک بصیغہ شرط ہے اس لئے صحیح نہیں کہ جس عورت کی ملک کی طرف اضافت بصیغۂ شرط اضافت الی الملک نہیں پس اضافت تطلیق مقصودہ بالطلاق کی دونوں جگہ یکساں یعنی بغیر صیغہ شرط ہے غرض عدم وقوع کی وجہ صورت مسئولہ میں یہ نہ ہوئی کہ اس میں اضافت الی الملک بھی نہیں بلکہ وہ اس وجہ سے ہے کہ اس میں ایک دوسری شرط کے ساتھ بھی تعلیق ہے اور اس کا تحقق نہیں ہوا کیونکہ معنی اس کلام کے کہ بی بی موصوفہ الخ ایسے وقت میں کہ اس سے نکاح نہیں ہوا دہی ہیں جو جزئیہ مذکورہ سوال نمبر ۳ کے ہیں قال لا جنبیة الخ جس کا حاصل تعلیق جملہ کل امرأة الخ کا بقاء النکاح اجنبیہ کے ساتھ ہے جو مدلول ہے مادمت کا اور بقاء نکاح اجنبیہ ایک مفہوم ممتنع الوجود ہے پس تعلیق بالامر المحال ہوئی اور چونکہ اس کا تحقق کبھی نہ ہوگا اس لئے حکم جملہ کل امرأة اتزوجها الخ کا جو اس شرط مستحیل الوجود کے معنی جزاء ہے نیز کبھی واقع نہ ہوگا بخلاف جزئیہ ان تزوجتک الخ کے کہ اس کا حاصل تعلیق جملہ کل امرأة کی بقاء نکاح بعد حدوث نکاح اجنبیہ کے ساتھ ہے جو مدلول ہے ان تزوجتک الخ کا اور یہ محتمل الوجود ہے اس لئے اسکے وقوع کے وقت حکم کل امرأة الخ کا واقع ہو جاوے گا۔

(۲) اس اضافت الی الملک العام میں ایسا عموم نہیں ہے کہ زینب اس میں داخل ہو بلکہ زینب اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ نئی شادی الخ کے معنی یہ ہیں کہ زینب کی موجودگی میں جونئی شادی الخ پس زینب پر تو اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی اور ہندہ پر واقع نہ ہونے کی وجہ جواب سوال نمبر ۱ میں مذکور ہوئی اور بقیہ سوالات کے جوابات کی اب حاجت نہیں رہی کیونکہ وہ سب مبنی ہیں وقوع طلاق علیٰ ہندہ پر اور اوپر عدم وقوع ثابت ہو چکا۔

(تتمۂ اولیٰ ص: ۱۰۳)

## اگر نماز نہ پڑھے گی تو ہمارے واسطے حرام ہے کہنے کا حکم

سوال (۵۲۱) ہم نے بوجہ نماز نہیں پڑھنے کے اپنی زوجہ کو بارہا کہا تھا کہ نماز پڑھو مگر اس نے نہیں سنا تو ہم نے یہ کہہ کر کہ اگر تو نماز نہ پڑھے گی تو تو ہمارے واسطے حرام ہے صحبت موقوف رکھی چنانچہ اسی لئے قریب ایک سال کے آمد و رفت بند کر دیا اب اس نے نماز شروع کی تو ہم اس سے آمد و رفت رکھتے ہیں چونکہ طلاق کا مسئلہ بہت نازک ہے اس لئے حضور سے دریافت کیا۔

الجواب۔ یہ کہنا کہ اگر تو نماز نہ پڑھے گی تو ہمارے لئے حرام ہے ایلاء ہے کیونکہ ظاہراً اس نے کچھ نیت نہیں کی اور اس صورت میں ایلاء ہوتا ہے کذا فی الدر المختار جب چار ماہ گزر گئے ایک طلاق بائن پڑ گیا اب بتراضی طرفین نکاح جدید ضروری ہے بدون نکاح صحبت حرام ہے۔

۲۲ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۱۰۶)

## طلاق دی یا طلاق دے کر چھوڑ دیا یا اس کو گھر لاؤں تو اس کی ماں کو لاؤں کہنے کا حکم

سوال (۵۲۲) اول گواہ زید نے قسم کھا کر گواہی دی کہ عمرو نے اپنے مکان میں بیٹھ کر اپنے سالے کی طرف نسبت کر کے کہا کہ اس کی بہن کو میں نے پچ طلاق دی اور کہا کہ رجسٹری کر لیویں اور میں نے عمرو سے پوچھا کہ تم نے کیسے طلاق دی جواب دیا جیسے شریعت میں ہوسکتا ہے دوسرے گواہ بکر نے قسم کھا کر گواہی دی کہ عمرو نے اپنے مکان میں بیٹھ کر کہا کہ میں نے اس کو طلاق دیکر چھوڑ دیا اور کہا کہ اس کے بھائی کو کہ تمہاری بہن کو رجسٹری کر لو دو مہینے سے میں اس کو گھر میں جگہ نہیں دیتا اور اس کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاتا میں نے لوگوں سے سنا ہے کہ عمرو نے کہا کہ اس کو میں نہیں لاؤں گا اگر لاؤں گا تو اس کی ماں کو لاؤں گا۔ بلا پرسش عمرو کے موافق اس دو گواہی کے کون سی طلاق واقع ہوگی طلاق رجعی یا بائنہ بہ تقدیر اول اگر عمرو نے اس عورت سے وطی کر کے رجوع کر لی اور اس وطی میں کوئی لڑکا پیدا ہو تو یہ لڑکا عمرو کا وارث بن سکتا ہے یا نہیں بہ تقدیر اول اگر کوئی شخص اس لڑکے کو ولد الزنا قرار دیوے تو اس پر شہادت کذب کی لازم ہوگی یا نہیں موافق مذہب حنفیہ کے کیا حکم ہے۔ بینوا مع الدلیل توجروا۔

الجواب۔ اس کہنے سے کہ طلاق دی یا طلاق دیکر چھوڑ دیا طلاق رجعی واقع ہوئی تھی پھر اس کے بعد جو یہ کہا کہ اگر لاؤنگا تو اس کی ماں کو لاؤنگا اس میں تشبیہ ہے ماں کے ساتھ مثل انت علی کامی کے جس کا حکم یہ ہے کہ قائل سے پوچھا جاتا ہے کہ نیت کیا تھی ظہار یا طلاق یا اور کچھ اور تنجیز و تعلیق سے حکم متفاوت نہیں ہوتا کذا فی الدر المختار۔ پس اس بناء پر چونکہ یہ صیغہ محتمل معنی طلاق و غیر طلاق کو ہے تو کنایہ ہوا اور وہ قسم کنایہ کی ہوئی کہ مالا یحتمل الرد ولا السب بل یصلح للجواب فقط یا

باحتمال مرجوح وہ قسم بھی ہوسکتی ہے کہ مالا یحتمل السب اور مذاکرۂ طلاق کے وقت ان دونوں قسم کا حکم یہ ہے کہ بدون نیت طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ پس اب یہ دیکھنا چاہئے کہ اس شخص نے یہ قول کہ اگر لاؤں گا الخ اسی جلسہ میں کہا ہے جس میں طلاق صریح واقع کی ہے یا دوسرے جلسہ میں کہا اگر اسی جلسہ میں کہا ہے تو طلاق بائن واقع ہوگئی اور اگر دوسرے جلسہ میں کہا ہے تو اس کی نیت دریافت کی جاوے گی اور اس کے بیان کے موافق حکم ہوگا اور طلاق (یعنی جو صریح ہے اور سطر اول میں مذکور ہے) صرف رجعی واقع ہوگی پھر جس صورت میں رجعی واقع ہو عدت کے اندر رجعت جائز ہے اور اس وطی سے اولاد ثابت النسب ہے اور اس کو ولد الزنا کہنا موجب حد قذف ہے اور جس صورت میں طلاق بائن واقع ہو یا رجعی میں بعد عدت کے رجعت کی ہو ان دونوں صورتوں میں رجعت درست نہیں اور اگر اس صورت میں وطی کی ہے تو تصریح کرنا چاہئے کہ عدت کے اندر کی ہے یا بعد عدت اور اولاد طلاق دینے سے کتنی مدت کے بعد پیدا ہوئی ہے اس وقت مفصل جواب ہوسکتا ہے۔ ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۱۰۷)

## اول ایک طلاق دینا پھر کہنا کہ تین طلاق کردیا

سوال (۵۲۳) مسمی زید مسمی بکر کی دختر مسماۃ ہندہ کو اپنے نکاح میں لایا بعدہ چند سال رہ کر زید موصوف نے عمرو کی دختر کلثوم کو پھر نکاح کیا بعدہ ہندہ کے باپ بکر موصوف نے زید سے کہا جب تک کلثوم کو طلاق نہیں دوگے تب تک ہندہ کو تیرے پاس نہیں دونگا آخرش زید موصوف نے مجبوراً کلثوم کو ایک طلاق رجعی دیدیا بکر نے قابو پاکر پھر کہا کہ تین طلاق کردو زید نے اپنی بی بی ہندہ کو مکان میں لانے کے حیلہ سے اور کلثوم کو بھی ایک رجعی جو آگے دیا تھا اس سے زیادہ نہ دینے کی نیت سے فقط مضبوطی کے لئے بکر کے سامنے کہدیا خیر تین طلاق کردیا اب زید اور کلثوم کی رجعت صحیح ہوگی یا نہیں۔

الجواب۔ تینوں طلاقیں ہوگئیں لہٰذا رجعت درست نہیں ہوئی فی الدر المختار باب الکنایات طلقھا واحدۃ بعد الدخول فجعلھا [(۱)] ثلاثا صح کما لو طلقھا رجعیاً فجعلہ قبل الرجعۃ بائناً او ثلاثاً آھ۔ ۲۱ رشعبان ۱۳۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۱۰۹)

## محلل ومحللہ میں وقوع صحبت میں اختلاف کا فیصلہ

سوال (۵۲۴) [(۲)] ایک شخص نے اپنی بی بی کو طلاق بائن دیدی اہل محلہ نے مطلقہ کا عقد دوسرے شخص سے کرادیا اس غرض سے کہ جب یہ طلاق دے تب تو نکاح کرلی جیو چنانچہ زوج ثانی نے

---

(۱) انظر فی الحاشیۃ علی الجواب السابق علی ھذا بسبعۃ اعداد ۱۲ منہ

(۲) یہ وہ سوال وجواب ہے جس کا حوالہ کتاب النکاح میں آچکا ہے حوالہ کی عبارت شروع یہ ہے یہ جواب باعتبار وجوب مہر الخ ۱۲ منہ

چند ہی روز بعد اس کو طلاق دیدی اور شوہر اول نے اس سے نکاح پھر کرلیا اب شوہر ثانی تو یہ کہتا ہے اور قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں نے اس عورت سے صحبت نہیں کی اور عورت قسم کھا کر یہ کہتی ہے کہ اس نے یعنی شوہر ثانی نے مجھ سے صحبت کی ہے عندالشرع اس میں کیا حکم ہے۔

الجواب۔ فی الدرالمختار ویقبل قول الفاسق والکافر والعبد فی المعاملات وشرط العدالة فی الدیانات کالخبر عن نجاسة الماء ویتحری فی خبر الفاسق وخبر المستور ثم یعمل بغالب ظنه وفی ردالمحتار تحت قوله ولو اخبر عدل بطهارته وعدل بنجاسته الخ مانصه فقد اعتبروا التحری بعد تحقیق المعارضة بالتساوی بین الخبرین الخ۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر ان مرد وعورت میں ایک عادل ثقہ ایک غیر عادل وغیر ثقہ ہے تو عادل ثقہ کا قول معتبر ہے خواہ وہ شوہر ثانی ہو یا عورت ہو اور اگر دونوں عادل یا دونوں غیر عادل یا دونوں مجہول الحال ہوں تو دونوں کے قول میں تحری کرے جس طرف قلب شہادت دے مگر اس شہادت میں نفسانی غرض نہ ہو خود بخود جس طرف دل جھکتا ہو اور جو سچا معلوم ہوتا ہو اس کے قول پر عمل کرے کیونکہ حلت وحرمت دیانات سے ہے اور دیانات کا یہی قاعدہ اوپر کی روایت سے معلوم ہوا۔

۶ رصفر ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص: ۱۱۰)

## طلاق نامہ کو منظوری زوجہ سے مشروط کرنے کا حکم

سوال (۵۲۵) زید نے بلاحکم عمرو کے عمرو کی طرف سے ایک طلاق نامہ لکھا پھر عمرو کو بلا کر وہ طلاق نامہ پڑھ سنایا اور کہا کہ اس پر صحیح کردے عمرو نے اولاً انکار کیا مگر کچھ کہہ سن کر اس طلاق نامہ پر اس شرط سے دستخط کردیئے کہ اگر میری زوجہ ہندہ منظور رکھے تو یہ طلاق نامہ اس کو دیدینا اور میں زبان سے بھی اس کو طلاق کہدوں گا عمرو کہتا ہے کہ یہ شرط میں نے اس وجہ سے لگائی کہ میری زوجہ ہندہ اس کو منظور نہ کرے گی اور میں لوگوں کے کہنے سننے سے خلاصی پاؤں گا جب وہ طلاق نامہ ہندہ کے پاس لے گئے تو اس نے منظور نہیں کیا اور فوراً عمرو کے گھر چلی آئی اور کئی روز گزر گئے اب تک وہ عمرو کے پاس رہتی ہے طلاق نامہ کی نقل یہ ہے:۔

فلاں گاؤں کی رہنے والی ہندہ بنت فلاں راقم مذکور گاؤں کا رہنے والا عمرو میں تجھے یہ فارغ خطی لکھ دیتا ہوں کہ تیرے ساتھ میرا نکاح تخمیناً دو برس پر ہوا تھا مگر میرے نباہ نہ ہونے سے میں آج تجھے طلاق دیتا ہوں اور میں نے نکاح کے وقت سوا چار سو کی جنس دی تھی وہ تیرے پاس ہے سو اس میں سے ایک سو ساڑھے ستائیس کی مہر کے عوض ہے اور باقی جنس میں نے تجھے بخشش کردی ہے سو میں نے تجھے خداواسطے طلاق دی ہے میں نے تجھے طلاق دی ہے میں نے تجھے طلاق دی ہے میں نے تجھے شرع محمدی

کے موافق تین طلاق دی ہے اس لئے میرا تجھ پر عورت طریقہ کا حق رہا نہیں اور تیرا مہر بھی میرے پاس رہا نہیں ہے تو کسی سے نکاح کرے یا نہ کرے اس کا تجھے اختیار ہے اس میں میرا کسی طرح کا روک ٹوک نہیں۔ ۱۲ جون ۱۹۱۱ء

اب سوال یہ ہے کہ طلاق نامہ پر بدون زبان سے کہے دستخط کر دیئے اس شرط سے کہ اگر عورت منظور رکھے تو منظور ورنہ نہیں اور پھر عورت نے اسے منظور نہ رکھا تو اس سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ جبکہ عورت نے منظور نہیں کیا اور شرط طلاق کی یہ تھی کہ عورت منظور کرے تو طلاق اس عورت پر واقع نہیں ہوئی کیونکہ معلق بالشرط بدون تحقیق شرط واقع نہیں ہوتی ہکذا فی عامۃ کتب الفقہ فقط۔ واللہ اعلم۔ کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ عربیہ دیوبند۔

الجواب صحیح ............ اشرف علی۔

۲۷ رمضان ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۱۱۱)

## نہ میں تیرا میاں نہ تو میری بیوی میرے سے کچھ تعلق نہیں کہنے کا حکم

سوال (۵۲۶) ایک شخص نے اپنی بیوی سے یہ لفظ کہے کہ نہ میں تیرا میاں اور نہ تو میری بیوی میرے سے کچھ تعلق نہیں ہے کیا طلاق پڑھ گئی یہ لفظ طلاق دینے کی نیت سے نہیں کہے گئے بلکہ اس کو ڈرانے کی نیت سے کہے۔

الجواب۔ [1] اگر ان الفاظ کے کہنے سے پہلے کچھ ذکر طلاق کا ہو رہا تھا اور اس کے بعد یہ الفاظ کہے تب تو بدون نیت کے بھی طلاق واقع ہو گئی اور اگر کچھ ذکر نہ تھا تو بدون نیت کے طلاق نہیں واقع ہوئی کیونکہ یہ کلمات محتمل ہیں سب اور جواب کے اور اس قسم میں یہی حکم ہے کذا فی الدرالمختار وردالمحتار۔

۱۰ رجب ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۱۱۵)

## وقوع طلاق بلفظ بائن وقت مذاکرہ

سوال (۵۲۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید نے بمقابلہ چند اشخاص کے یہ کہا کہ اگر اپنی زوجہ کو آٹھ روپیہ نہ دوں نصف شب تک تو میرا نکاح بائن ہو جائے گا بعد اس کے زوج نے صرف چار روپیہ دیئے اس صورت میں طلاق واقع ہو گی یا نہیں اور اس گفتگو کی وجہ یہ ہوئی کہ زید اپنی زوجہ کو تکلیف میں رکھتا تھا اور نان ونفقہ سے بالکل بے توجہی رکھتا تھا اہل محلہ نے اس کی اصلاح کے واسطے یہ کہا کہ تم

---

(۱) نہ میں تیرا میاں۔ حسب تصریح شامیہ طلاق رجعی ہے۔ لہٰذا میرے سے کچھ تعلق نہیں کے جملہ سے دوسری طلاق بائنہ بھی واقع ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔ ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

اپنی زوجہ کو یا طلاق دیدو یا اچھا برتاؤ رکھو اور نان ونفقہ کے واسطے کوئی ضامن دو اس نے جواب دیا کہ ضامن کس کو بنایا جائے کوئی میرا ضامن نہیں ہوسکتا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تکلیف نہ دوں گا اور نفقہ کے واسطے آٹھ روپیہ دیتا ہوں اگر نصف رات تک نہ دوں تو میرا نکاح بائن ہو جاوے گا اور ہر مہینہ خرچ دیا کرونگا۔ الغرض تذکرہ طلاق میں زید نے یہ کہا تھا۔ اس صورت میں طلاق ہوگی یا نہیں اور اگر ہوگی تو بائن یا رجعی۔

الجواب۔ في الدر المختار بخلاف انت بائن او حرام حيث يقع اذا نوى ج ۲ ص ۷۳۳ ردالمحتار في جدول مايحتمل السب والجواب يقع بلا نية في حالة المذاكرة ج ۲ ص ۷۶۵ اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں طلاق بائن واقع ہو جاوے گا۔ ۸/ رجب ۱۳۳۱ھ

## طلاق کو معلق کرنے اور بار بار کہنے کا حکم

سوال (۵۲۸) اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کئی مرتبہ یوں کہے کہ اگر تو اپنے میکے میں جاوے تو تجھ کو طلاق ہے اب اگر وہ جاوے تو کے طلاق واقع ہوں گی ایک یا دو یا تین۔ اگر ایک یا دو طلاق واقع ہوں گی تو کون سی طلاق واقع ہوگی۔

الجواب۔ چونکہ تاکید کی نیت قضاء معتبر نہیں اس لئے تین طلاق واقع ہونگی۔

۱۰/ رجب ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص: ۱۱۵)

## لفظ صریح سے طلاق دینے اور سوال کے جواب میں انہیں الفاظ کے اعادہ کا حکم

سوال (۵۲۹) زید نے کسی وجہ سے اپنی امرأہ ہندہ سے حالت غضب میں ایک مرتبہ بلفظ صریح کہا میں نے تجھ کو طلاق دیدیا اس لفظ کو سنتے ہی ہندہ نے اپنے شوہر سے کہا کہ کیا کہا اس پر شوہر پھر اس لفظ کا اعادہ کر کے ساکت ہو گیا چند منٹ یعنی تھوڑے ہی عرصہ کے بعد شخص ثالث نے پوچھا ہندہ کے شوہر سے کہ کیا ہوا ہے، اس وقت میں بھی زید۔ نے اسی لفظ کو کہکر بتلا دیا اب معلوم ہونا چاہئے کہ طلاق رجعی ہے یا مغلظہ۔

الجواب۔ سوال کے جواب میں اس کا واقع ہونا قرینہ ہے اس کا کہ دوسری تیسری طلاق دینا مقصود نہیں بلکہ پہلی طلاق کی خبر دینا مقصود ہے اس لئے وہ ایک ہی طلاق واقع ہوگی دوسری تیسری واقع نہ ہوگی اور چونکہ صریح لفظ سے دی گئی ہے اس لئے رجعی ہوگی اور عدت کے اندر رجعت جائز ہوگی۔

في الدر المختار فلا يقع لانه اخبار فلا ضرورة في جعله انشاء في ردالمحتار قوله لانه اخبار اي يجعل اخباراً لانه امكن ذلك ج ۲ ص ۷۷۴۔ ۹/ ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۱۵)

سوال (۵۳۰) گزارش خدمت آنکہ اگر کسی شخص نے کسی وجہ سے اپنی جورو پر خفا ہو کر یہ کہا کہ اب اس کو اور نہیں رکھوں گا یہ کہہ کر گھر سے روانہ ہو کر دوسرے کسی کے مکان میں چلا آیا تو ایک شخص نے اس سے کہا کہ تو نے اپنی بیوی کو چھوڑ دیا جواب میں اس نے کہا ہاں چھوڑ دیا یہ بہت زبان دراز ہے گالی گلوچ بکتی ہے دوسرے شخص نے پھر اس سے کہا کہ کیا تو نے اپنی بیوی کو چھوڑ دیا پھر کہا ہاں چھوڑ دیا یہ کسی دن ہوٹل میں رہی تھی تیسرے شخص نے بھی ایسا ہی اس سے پوچھا اس کے جواب میں بھی یہی کہا ہاں چھوڑ دیا تو کیا صورت مسئول عنہا میں اس شخص کی جورو پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں اور اگر طلاق واقع ہو تو ایک طلاق ہوگی یا تین طلاقیں پڑ جائیں گی اور اگر ایک واقع ہو تو وہ رجعی ہوگی یا بائن یہاں کے عرف میں چھوڑ دینے کو ایسے محل میں طلاق دینے ہی کے معنی پر استعمال کرتے ہیں دوسرے معنی مراد نہیں ہوتے والسلام۔

الجواب۔ صورت مسئولہ میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اس لئے کہ زوج کا استفہام بایقاع الطلاق کے جواب میں، یہ کہنا کہ ہاں چھوڑ دیا بمقتضائے مطابقت جواب للسوال انشاء طلاق نہیں ہے اخبار عن انشاء الطلاق ہے جس سے بصورت کذب خبر صرف قضاء وبصورت صدق دیانۃً بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

ففی البحر عن الفتح ولو اقر بالطلاق وهو كاذب وقع في القضاء اهـ ج۳ ص۲٤٦ وفی ردالمحتار عن البحر عن البزازية والقنية لو اراد به (ای باقرار الطلاق) الخبر عن الماضی كذبا لايقع ديانةً وان اشهد قبل ذلك لا يقع قضاءً ايضاً آه (ص ٦٩٤ ج۲) اور تکرار اخبار گو محتمل تعدد و مخبر عنہ ہے لیکن ظاہر یہی ہے کہ تینوں خبریں ایک ہی انشاء کی اور تینوں حکایتیں ایک ہی محکی عنہ کی ہیں اس لئے باوجود تکرار اخبار طلاق ایک ہی واقع ہوگی۔ ونظيره مارواه الشامی فی ردالمحتار عن كافی الحاكم واذا قال انت طالق ثم قيل له ماقلت فقال قد طلقها او قلت هی طالق فهی طالق واحدة لانه جواب انتهی (ص ٧٥٥ ج۲)

تو جبکہ جزئیہ مذکورہ میں انشاء طلاق (جو کہ حکم بوقوع الطلاق میں اصل واعلیٰ ہے) اسکے بعد کا اخبار (باوجود احتمال تعدد انشاء میں اخبار بعد الاخبار کے ساتھ متحد ہونے کے) دال علی تعدد الطلاق نہ ہوا تو اخبار عن الانشاء (جو کہ حکم لوقوع الطلاق میں تابع وادنی ہے) اس کے بعد کا اخبار بدرجۂ اولیٰ دال علی التعدد نہ ہوگا اور چونکہ لفظ چھوڑ دیا وہاں کے عرف میں ایسے محل میں حسب بیان مستفتی طلاق ہی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اس لئے یہ صریح فی الطلاق ہوگا اور اس لفظ کے ساتھ اقرار سے بھی طلاق رجعی واقع ہوگی فی تنوير الابصار صريحة مالم يستعمل الا فيه (ولو بالفارسية ١٢ در) كطلقتك وانت طالق مطلقة ويقع بها (ای بهذه الا لفاظ وما بمعناها من الصريح ١٢ در) واحدة رجعية وان نوی خلافها او لم ينو شيئا انتهی ص:٧٠٤ ج:۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم وحکمہ احکم المرقوم ۱۸ رشعبان ۱۳۴۹ھ۔

## طلاق ہے تو مجھ سے بولے اور مجھے تجھ سے کچھ واسطہ نہیں کہنے کا حکم

سوال (۵۴۱) خاوند بی بی میں کچھ تفرقہ پیدا ہوا اور یہاں تک رنج پیدا ہوا کہ خاوند نے غصہ میں کہا کہ (طلاق ہے جو تو مجھ سے بولے اور مجھے تجھ سے کچھ واسطہ نہیں ) بس یہ ہی الفاظ ایک مرتبہ زبان سے اور کہے اور پھر بیوی کسی بات پر بول اٹھی اب فرمایئے کہ طلاق ہوگئی یا نہیں اگر طلاق ہوئی تو کون سی ہوئی اب پھر سے اپنے پاس نکاح پڑھا کر یا بے نکاح رکھ سکتا ہے یا نہیں اور طلاق کے بارے میں یہ الفاظ مذکورہ کہہ کر شرمندہ ہوا اس کا جواب بہ تشریح صاف لفظوں میں ارقام کیجئے۔

**الجواب**۔ یہ جملہ کہ طلاق ہے صریح ہے اور یہ لفظ مجھے تجھ سے کچھ واسطہ نہیں کنایہ ہے اور بائن (۱) ملحق ہوسکتی ہے صریح کنایہ کے ساتھ کذا فی الدر المختار باب الکنایات اور دونوں معلق بالشرط ہیں اور شرط واقع ہوگئی پس دونوں طلاقیں واقع ہوگئیں اس لئے رجعت تو درست نہیں لیکن نکاح جدید درست ہے حاجت حلالہ کی نہیں البتہ بتراضی زوجین شرط ہے۔ ۹ رذیقعدہ ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۱۶)

## اگر زوجہ سے یہ شرط کرے کہ اگر تیرے سوا کسی اور سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ہے اس کا عند الاحناف کیا حکم ہے

سوال (۵۴۲) زید نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ سوائے اس کے جس عورت کو نکاح کرے گا اس پر طلاق ہے اور اس کی منکوحہ کو کوئی ایسا دائمی عارضہ ہے جس سے زید کو ہر طرح کی تکلیف ہوتی ہے حتیٰ کہ ہم بستری سے بھی محروم رہنا پڑتا ہے اس حالت میں نزدیک حنفی کے دوسرا نکاح جائز ہے یا نہیں اگر نزدیک حنفی کے جائز نہ ہو تو تقلید اور کسی امام کی جائز ہے یا نہیں۔

**الجواب**۔ تینوں سوالوں کا جواب ایک ہی ہے وہ یہ کہ ان تینوں صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک نکاح کرتے ہی طلاق واقع ہو جاوے گی لیکن اگر کسی شخص کو اس قدر غلبہ شہوت کا ہو کہ بدون نکاح زنا کا اندیشہ ہو تو اس کو جائز ہے کہ شافعیؒ کے مذہب پر عمل کرے۔

بعد تحریر جواب ہذا یہ سمجھ میں آیا کہ بلا ضرورت شدیدہ دوسرے امام کے مذہب پر عمل نہ کرنا چاہئے اور یہاں یہ صورت ہوسکتی ہے کہ فضولی اس شخص کا نکاح کردے اور یہ شخص اس کو اجازت بالقول سے نافذ نہ کرے بلکہ اس عورت سے جا کر صحبت کرے اس سے وہ نکاح نافذ ہوگا۔ ۲۱ رذیقعدہ ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۱۶)

---

(۱) غالباً کاتب سے سہو ہوا ہے۔ عبارت یوں ہونا چاہئے:۔ بائن بالکنایۃ ملحق ہوسکتی ہے صریح رجعی کے ساتھ واللہ اعلم ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

## شوہر نے کہا کہ اگر شام تک گھر نہ آئی تو میری طرف سے جواب ہے پھر شوہر نے انکار کردیا اس صورت میں طلاق ہوگی یا نہیں

سوال (۵۳۳) کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ میرے شوہر زید نے بحالت غضب مجھ کو یہ لفظ کہا کہ اگر تو شام تک میرے گھر نہ آئی تو میری طرف سے جواب ہے زید نے یہ الفاظ میرے مواجہہ میں بھی کہے ہیں اور اس وقت اور رشتہ دار بھی میرے موجود تھے اور پھر انہی الفاظ کا اقرار میرے تایا صاحب کے روبرو جا کر کیا اور وہاں یہ بھی جا کر کہا کہ معافی نامہ مہر بھی میرے پاس ہے جو خود قرینہ نیت طلاق کا ہوسکتا ہے اب زید ان الفاظ کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے یہ لفظ کہے تھے کہ تو اگر شام تک میرے گھر میں نہ آئی تو میں جواب دیدونگا اور حالت غصہ کا بھی انکار کرتا ہے لیکن میرے نزدیک وہ اپنے انکار میں سچا نہیں ان الفاظ کے حالت غصہ میں سرزد ہونے کے شاہد میرے تایا اور میری والدہ اور نانی اور تائی اور چچی ہیں جو ثقہ اور عادل ہیں پس اس صورت میں مجھ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور قضاء بھی ہوئی یا صرف دیانۃً اگر محض دیانۃً ہی واقع ہوئی ہو تو مجھ کو زید کے ساتھ مقام اور تمکین وطی حلال ہے یا حرام اور اگر طلاق واقع ہوئی تو کون سی طلاق ہوگی زید یہ بھی کہتا ہے کہ اس وقت میری نیت ہرگز طلاق کی نہ تھی میں اس کو اس میں بھی سچا نہیں جانتی ہوں اس بارے میں جو حکم شرع شریف کا ہو تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں زیادہ والسلام۔

الجواب۔ یہ لفظ کہ میری طرف سے جواب ہے عرفاً کنایہ ہے طلاق سے جیسا کہ اہل زبان پر مخفی نہیں ہے اور یہ کنایہ کے اقسام میں سے وہ قسم ہے جس میں رد اور سب کا احتمال نہیں بلکہ محض جواب میں مستعمل ہے اور یہ بھی ظاہر ہے اور اس قسم کا حکم یہ ہے کہ صرف حالت رضاء میں نیت شرط ہے دلالت حال یعنی غضب اور مذاکرہ میں شرط نہیں کما صرح به الفقهاء اور صورت مسئولہ میں دلالت حال متحقق ہے پس اگر واقعہ اسی طرح ہے تو حکم یہ ہے کہ طلاق واقع ہوگئی اور چونکہ اس لفظ کو اہل عرف قطعی فیصلہ کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور قطعی فیصلہ کا اثر ہے تحریم اور وہ مخصوص ہے بائن کے ساتھ اس لئے طلاق بائن ہوگی کما حقق العلامة الشامي تحت قول الدر المختار حرام وقال بعد البحث الطويل والحاصل انه لما تعورف به(ای بحرام )الطلاق صار معناه تحريم الزوجة وتحريمها لايكون إلا بالبائن ج:۲ ص:۷٦۳ اور جب دلالت حال قرینہ ظاہرہ ہے ارادۂ طلاق کا تو انکار نیت میں بوجہ خلاف ظاہر ہونے کے قضاء شوہر کی تصدیق نہ کی جاوے گی اور عورت پر اس معاملہ میں مثل قاضی کے معاملہ کرنا واجب ہے قال الشامي عن الفتح والتاكيد خلاف الظاهر وعلمت ان المرأة كا لقاضي لايحل لها ان تمكن اذا علمت منه ما ظاهره

خلاف مدعاہ ج ۲ ص ۷۶۹۔

پس اگر تمہارا بیان واقع میں صحیح ہے تو تم پر طلاق بائن واقع ہوگئی اور تم کو شوہر کے ساتھ مقام اور تمکین جائز نہیں باقی اگر برضامندی تجدید نکاح کرلو تو جائز ہے کیونکہ طلاق تین نہیں ہیں۔ فقط

۱۸؍رجب ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۱۷)

## حکم شہادت طلاق بذریعہ سماع واقعہ من وراء الحجاب وحکم طلاق باقرار خود

سوال (۵۳۴) ایک شخص نے اپنے گھر میں جہاں بجز اس کی خوش دامن اور بی بی کے دوسرا کوئی نہ تھا اپنی بی بی کو طلاق دیا وقت رات کا تھا صبح کو اس نے کہا میں نے اپنی بی بی کو دو طلاق دی ہیں اور ایک مرتبہ کہا ہے لیکن دوسرے دو آدمی جو کہ طلاق دہندہ کے مکان کے سوا دوسرے گھر میں تھے (بیچ میں چند دیوار کھڑی ہیں) کہنے لگے کہ اس نے دو طلاق دو طلاق دو مرتبہ کہا ہے اس صورت میں بعض مولوی صاحب کہتے ہیں کہ چونکہ یہ شہادت من وراء الحجاب ہے آواز سن کر کہتے ہیں مقبول نہیں فقط اقرار طلاق دہندہ کا معتبر ہوگا اور دو ہی طلاق واقع ہوں گی اور بعض مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اس شخص طلاق دہندہ کو گواہوں نے اگرچہ نہیں دیکھا ہے لیکن چونکہ وہ کسی دوسرے شخص کے بیچ میں بولنے کا دعویٰ نہیں کرتا بلکہ ایک بار دو طلاق کے لفظ کہنے کا اقرار کرتا ہے تو ضرور وہ شہادت مقبول ہوگی گو من وراء الحجاب ہے اس واسطے کہ وہ طلاق دہندہ کہتا ہے کہ اس مکان میں بجز میرے اور میری خوش دامن اور بی بی کے کوئی نہ تھے خوشدامن اور بی بی میں سے کوئی بھی یہ دوہرا دو طلاق کے لفظ بولنے کا اقرار نہیں کرتیں سو معلوم ہوا کہ یہ تلفظ فقط اسی طلاق دہندہ کا ہے اس صورت میں سوال اس بات کا ہے عالمگیری میں ہے۔

ولو سمع من وراء الحجاب لايسعه ان يشهد لاحتمال ان يكون غيره اذاالنغمة تشبه النغمة الااذا كان في الداخل وحده ودخل وعلم الشاهدانه ليس فيه غيره ثم جلس على المسلك وليس له مسلك غيره فسمع اقرار الداخل ولا يراه لانه يحصل به العلم وينبغي للقاضي اذا فسرله لا يقبله كذا في التبيين انتهى۔

اس عبارت سے تلقین تیقن کے واسطے تشدد معلوم ہوتا ہے سوال کے اندر جس قدر تفصیل لکھی گئی ہے اس قدر تیقن کے واسطے کافی ہوگا یا نہیں اور صورت مرقومہ میں کون سی طلاق معتبر ہوگی۔

الجواب۔ یہ شہادت معتبر نہیں اقرار ہی کا اعتبار ہوگا عالمگیریہ میں جو قیود لکھی ہے وہ یہاں کہا ہیں مثلاً ثم جلس الخ اور یہ بہت ظاہر ہے۔ ۱۳؍رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص: ۶۸)

## تحقیق اضافت در باب طلاق

سوال (۵۳۵) بعد اتحاف تحفہ مسنونہ واظہار نیازمندی ہائے ہر گونہ معروض ایں کہ در فتاویٰ

عالمگیریہ در فصل سابع کہ دریں طلاق بالفاظ فارسیہ است مرقوم است فی الفتاویٰ الرجل قال لامرأة اگر توزن منی سہ طلاق مع حذف التاء لایقع اذا قال لم انو الطلاق لانہ لما حذف فلم یکن مضیفا الیھا وفیہ ایضاً ولو قالت طلقنی ففر بھاوقال اینك طلاق لایقع ولوقال اینکت طلاق یقع وفیہ ایضاً سکران ھربت منہ امرأة فتبعھا ولم یظفر بھا فقال بالفارسیة بسہ طلاق ان قال عنیت امرأتی یقع وان لم یقل شیئا لایقع کذا فی الخلاصة از عبارات مذکورہ بالا بخوبی معلوم می شود کہ در وقوع طلاق اضافت صریحہ از بس لابدی ست واگرچہ مذاکرۂ طلاق درمیان باشد بلا اضافت صریحہ طلاق واقع نہ گردد واز عبارت خلاصہ وان لم یقل شیئا لایقع ہویدا می گردد کہ صرف نیت طلاق زن ہم بسند نیست تاوقتیکہ بزبان اقرار نہ کند کہ من نیت طلاق فلانہ کردہ ام وعلامۂ شامی دراوائل باب الصریح برحاشیہ قولہ لترکہ الاضافت از خود نظرے پیش کردہ وتحقیق نمودہ کہ از بہر وقوع طلاق ضرورت اضافت صریحہ نیست ودر عالمگیری درہماں فصل ست لو قالت مرا طلاق دہ ومرا طلاق دہ۔ ومرا طلاق دہ فقال دادم یقع ثلاث بہرحال از بعض عبارات عالمگیریہ معلوم می شود کہ از بہر وقوع طلاق اضافت صریحہ ناگزیرست واز بعض عبارات دیگر عالمگیری واز تحقیق علامہ شامی ہویدا می شود کہ ضرورت اضافت صریحہ نیست امید کہ دفع تدافع مذکور بگونہ خوب نمایند۔

الجواب۔ از قواعد وجزئیات چناں می نماید کہ شرط وقوع طلاق مطلق اضافت ست نہ کہ اضافت صریحہ آرے تحقق مطلق اضافت محتاج ست بقرائن قویہ وقرائن ضعیفہ محتملہ درآں کافی نیست پس درجزئیاتیکہ حکم بعدم وقوع کردہ اند سببش نہ آنست کہ درو اضافت صریحہ نیست بلکہ سبب آن ست کہ درو قرینہ قویہ بر اضافت قائم نیست وآں قرینہ بہ تتبع چند قسم ست اول صراحت اضافت وآں ظاہر است کما فی قولہ اینکت دوم نیت کمافی قولہ عنیت امرأتی واز عبارت خلاصہ وان لم یقل شیئا لایقع شبہ نہ کردہ شود کہ نیت بلا اضافت صریحہ کافی نیست زیرا کہ معنی لایقع اے لایحکم بوقوعہ مالم یقل عنیت است چرا کہ بدون اظہار نادی دیگراں را علم نیت چگونہ می تواں شد فاذا قال عنیت یقع لا لقولہ عنیت لانہ لیس موضوعا للطلاق بل بقولہ سہ طلاق مع النیة فافہم فانہ متعین متیقن سوم اضافت درکلام سائل کما فی قولہ دادم فی جواب قولہا مرا طلاق دہ ولہٰذا ثلث واقع شود لتکرارھا ثلاثا ورنہ کلام دادم نہ برائے طلاق موضوع ست ونہ برائے عدد ثلثہ۔ چہارم عرف کمافی روایت الشامی الطلاق یلزمنی پس درجزئیاتیکہ ہمہ قرائن مفقود باشند طلاق واقع نہ خواہد شد لا لعدم الاضافة الصریحة بل لعدم مطلق الاضافة پس بریں تقریر درمسائل ہیچ گونہ تدافع نیست ھذا ما عندی ولعل عند غیری احسن من ہذا۔ ۳ محرم ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۰۶)

## وقوع طلاق بائن بلفظ فارغ خطی

سوال (۵۳۶) بعد سلام مسنون کے عرض ہے کہ میرے ایک دوست کو عرصہ آٹھ سال کا گزرا یہ اتفاق پیش آیا کہ اس کی عورت اور اس میں تکرار ہوئی عورت نے رہنے سے انکار کیا مرد نے رکھنے سے انکار کیا مرد نے عورت سے یہ کہا کہ تو مہر معاف کردے تجھ کو فارغ خطی لکھوائے دیتا ہوں چنانچہ عورت نے چند حاضرین کے سامنے مہر معاف کیا جن کا نام اس وقت یاد نہیں ہے اور مرد نے ایک رقعہ ایک شخص معلوم سے لکھوا کر اس عورت کو دیا اس کا مضمون یہ تھا چونکہ مسماۃ فلاں میرے نکاح جدید پر میرے پاس رہتی ہے ناراض ہو کر لڑتی جھگڑتی رہتی ہے اور فارغ خطی چاہتی ہے اور مہر معاف کرتی ہے اس واسطے یہ چند کلمہ مسماۃ مذکور کو لکھ کر بطور فارغ خطی کے دیئے جاتے ہیں کہ اب مجھ کو اس عورت سے کچھ سروکار نہیں ہے اس ملک میں فقط فارغ خطی بجائے لفظ طلاق کے مستعمل ہے اس واقعہ کو دو ماہ گزرے ہوں گے کہ پھر ان مرد و عورت میں رنجش دور ہو کر سلوک ہو گیا اور میاں بی بی کی طرح اس وقت تک رہتے سہتے چلے آرہے ہیں مجھ سے اس مرد نے جس کا یہ واقعہ ہے اپنا پریشان ہونا ظاہر کیا کہ آیا طلاق ہو چکی ہے یا نہیں اس مسئلہ کو بہشتی زیور میں تلاش کیا مگر کچھ سمجھ میں نہیں آیا اور جو کچھ سمجھ میں آتا ہے اس پر بغیر فتویٰ خاص کے کاربند ہونا دشوار ہے لہٰذا حکم موافق شرع شریف صادر فرمایا جاوے۔

الجواب۔ یہ لفظ فارغ خطی کنایہ ہے اور چونکہ اس سے ایقاع بائن متعارف ہے اس لئے بلا نیت اس سے طلاق بائن واقع ہو جاوے گا۔ کما فی ردالمحتار فی قوله حرام مانصه وسیأتی وقوع البائن به بلا نیة فی زماننا للتعارف الی اخرما قال واطال ج۲ ص۷۶۲۔ اور یہاں تو مذاکرۂ طلاق بھی ہے جس میں لفظ بریہ خلیۃ سے بلا نیت واقع ہوتا ہے اور یہ لفظ اسی کا ہم معنی ہے کما فی شباك فی ردالمحتار ج۲ ص۷۶۵ اور چونکہ بینونت غلیظہ کی کوئی دلیل نہیں اس لئے بینونت خفیفہ ثابت ہوگی جس میں تجدید نکاح زوجین میں بلا حلالہ جائز ہے پس صورت مسئولہ میں بلا تجدید نکاح تو ان زوجین کا اجتماع حرام ہے لیکن بلا حلالہ تجدید نکاح کر لیں۔ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۳۳)

## حکم تعلیل طلاق مغائر تعلیق آں

سوال (۵۳۷) ایک روز کا یہ واقعہ ہے کہ میں نے بغرض کچھ ضرورت کے اپنے گھر والوں سے کچھ طلب کیا اور یہاں تک ہوا کہ میں نے غصہ میں یہ سمجھا کہ اگر اب ضرورت نہ رفع ہوئی تو بڑا نقصان ہوگا میں نے اپنے گھر والوں سے تین مرتبہ کہا کہ اگر تم یہ کام نہیں کرتے تو جاؤ میں نے طلاق دیدی پھر گھر والوں نے مجھے روپیہ کا بندوبست کر کے دیدیا اگر آپ اس مسئلہ کو حل کر کے جواب دیویں تو

عین بندہ پروری ومہربانی ہوگی۔

الجواب۔اس صورت میں تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں اس وقت تک تو وہ کام نہ کیا تھا فقولہ اگر تم یہ کام الخ للتعلیل لا للتعلیق۔ ۲۶ر رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۱۶۷)

## معنی حدیث حتی تذوقی عسیلتہ اور حلالہ میں انزال کا شرط نہ ہونا

سوال (۵۳۸) بعض کتاب میں جولکھا ہے کہ حلالہ نفس دخول سے ہوجاتا ہے انزال شرط نہیں تو حدیث عسیلہ کا کیا جواب ہوگا عدم انزال میں تو تذوقی صادق نہیں آئے گا۔

الجواب۔ذوق اور عسیلہ بالتصغیر عدم اشتراط انزال ہی کے مؤید ہیں کہ مشعر ہیں تقلیل سے اور انزال سے تو شبع حاصل ہوجاتا ہے اس کو ذوق سے تعبیر کرنا قدرے بعید ہے۔

۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۶۰)

## شرط وقوع طلاق بلفظ از نکاح من بیرون است

سوال (۵۳۹) زید کے ساتھ ہندہ کا نکاح ہوا کچھ عرصہ تک وہ اس کے ہمراہ رہی پھر اس نے ایک دوسری عورت سے نکاح کرلیا اور اس نے یہ بھی لکھدیا کہ اگر دو ماہ تک بھی میں خرچ نہ دونگا تو ہندہ میری نکاح سے باہر ہے آج تخمیناً نو ماہ گزر چکے ہنوز اس نے ایک ماہ کا بھی خرچ نہ روانہ کیا آیا کیا یہ ہندہ اس زید کے نکاح سے باہر ہوگئی یا نہیں اور اس عرصہ میں عورت کو آٹھ حیض آ چکے۔

الجواب۔جب اس نے دو ماہ خرچ نہیں دیا وہ مطلقہ ہوگئی اور چونکہ اس کے بعد رجعت بھی نہیں کی گئی اور اس کو تین حیض بلکہ زیادہ آ چکے پس عدت بھی گزر گئی اس لئے اس کو دوسرا نکاح جائز ہے۔

لما في الدر المختار لست لك بزوج اولست لي بامرأة اوقالت له لست لي بزوج فقال صدقت طلاق ان نواه وفي ردالمحتار قوله طلاق ان نواه لان الجملة تصلح لانشاء الطلاق كما تصلح لانكاره فيتعين الاول بالنية الٰى قوله واشاربقوله طلاق الٰى ان الواقع بهٰذه الكناية رجعي كذا في البحر من الكنايات ج۲ ص ۷٤٤ قلت ولما قامت القرنية ههنا علٰى كون الكلام للانشاء كما يدل عليه التعليق تعين كونه انشاء فيقع بلانية۔ البتہ اگر عدت کے درمیان میں شوہر نے رجعت کرلی ہو تو دوبارہ سوال کرنا چاہئے۔ ۲۵ر محرم ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص:۹)

## حکم اقتصار تخییر طلاق بر مجلس

سوال (۵۴۰) میرے دل میں ایک خیال آیا جس کو عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر زوج کا

مقصود (اگرتم چاہتی ہوتولوطلاق طلاق طلاق) کہنے سے تعلیق نہ ہوتعلیل ہوتب تو طلاق ہو ہی گیا لیکن اگر تعلیق مقصود ہوتو اسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی جبکہ زوجہ نہ چاہتی تھی لیکن اگر اب عورت چاہے اور اپنی زبان سے کہدے کہ میں چاہتی ہوں تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں کیونکہ تعلیق مقصود ہونے کی صورت میں طلاق نہ ہونے کی وجہ عورت کا نہ چاہنا تھا اور اب عورت چاہتی ہے اور اب عدت گزرنے کے بعد اس کا دوسرا نکاح کردینا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی ردالمحتار ان التعلیق بالمحبة یقتصر علی المجلس لکونہ تخییراً حتی لو قامت وقالت احبك لا تطلق اھ ج۲ ص۸۲۸۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اب کہنے سے طلاق نہ ہوگی کیونکہ مجلس ختم ہوگئی۔ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص:۲۹)

## توقف ثبوت اقرار طلاق بر حجت

سوال (۵۴۱) (متعلق سوال بالا) زوج نے صرف اپنی چچی سے یہ کہا ہے کہ مجھ سے یہ غلطی تو ہوگئی ہے لیکن میں اور کسی سے اس کا اقرار نہ کروں گا اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر مجھ سے یہ غلطی ہوگئی ہے تو میں پھر نکاح کرنے کو تیار ہوں میرا پھر نکاح کرادیا جاوے تو ان باتوں سے اقرار طلاق دینے کا سمجھا جاوے گا یا نہ۔

الجواب۔ اس جملہ شکیہ سے تو اقرار طلاق کا نہ سمجھا جاوے گا لیکن چچی سے جو کہا ہے یہ اقرار ہے مگر یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ایک طلاق کا اقرار کیا ہے یا تین کا دوسرے یہ کہ اس اقرار کا ثبوت کس حجت سے ہوگا۔ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص:۲۹)

## عدم وقوع طلاق بہ گفتن ایں لفظ یونہی سمجھو در حالت مذاکرۂ طلاق

سوال (۵۴۲) خادمہ کی لڑکی کا نکاح عرصہ سات برس کا ہوتا ہے کہ مسمی فضل حسین سے ہوا یہ لڑکا پہلے چال چلن کا اچھا تھا اب عرصہ چار پانچ برس سے نشہ شراب میں زدوکوب سے پیش آتا ہے اور بے انتہا مارتا ہے آخر لوگوں نے کہا کہ تم اس قدر مارتے ہو اگر وہ موافق نہیں ہے تو اس کو طلاق دیدو اس نے کہا تم لوگ ایسا ہی سمجھو لہٰذا دو برس سے میرے گھر میں موجود ہے ایسی صورت میں نکاح باطل ہوا یا نہیں طلاق ثابت ہوئی یا نہیں۔

الجواب۔ فی العالمگیریة امرأة قالت لزوجها مرا طلاق ده فقال الزوج داده گیر و کرده گیر او قال داده باد و کرده باد ان نوی یقع ویکون رجعیا وان لم ینو لایقع وفیها ولو قال داده انگار او کرده انگار لا یقع وان نوی ص۷۲ ج۲۔ اور یہ لفظ کہ

تم لوگ ایسے ہی سمجھو ترجمہ دادہ انگار کا معلوم ہوتا ہے اس لئے اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔
۹ رذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص:۱۶۰)

## حکم زن مطلقہ ثلاثہ نا قابل وطی

سوال (۵۴۳) ایک عورت اس صورت پر ہے کہ فقط پیشاب کرسکتی ہے اور اس کا شوہر اس سے وطی نہیں کرسکتا اور اس کو حیض بھی نہیں آتا اب اس حالت پر اس کے شوہر نے اس کو تین طلاق دیدیں پھر اس عورت کا شوہر دوبارہ اس کو اپنے یہاں لانا چاہتا ہے اب کس صورت پر لاسکتا ہے تحلیل کرنا پڑے گا یا نہیں اگر تحلیل کرنا پڑے تو کس طرح پر کرے عدت ہوگی یا نہیں تحلیل کے واسطے دخول ہونا چاہئے اب دخول نہیں ہوسکتا بباعث تنگی محل کے۔

الجواب۔ فی الدرالمختار احکام الخلوة الصحیحة والخلوة بلا مانع حسی وطبی شرعی ومن الحسی رتق بفتحتین التلاحم وقرن بالسکون عظم وعقل بفتحتین غدة الخ فی ردالمحتار القرن فی الفرج مانع یمنع من سلوك الذکر فیه اما غدة غلیظة اولحم اوعظم الخ فی الدرالمختار بعدالعبارة المذکورة کالوطاء الٰی قوله فی ثبوت النسب والی قوله وکذا فی وقوع طلاق بائن اٰخر علٰی المختار لاتکون کالوطاء فی حق بقیة الاحکام کالغسل والاحصان وحرمة البنات وحلها للاول والرجعة فی ردالمحتار قوله وحلها للاول ای لاتحل مطلقة الثلاث للزوج الاول بمجرد خلوة الثانی بل لا بد من وطئه لحدیث العسیلة و فی الدرالمختار باب الرجعة والشرط (ای للحل الاول) التیقن بوقوع الوطاء فی المحل المتیقن وفیه وکانه (ای ما فی القنیة من قوله والایلاج فی محل البکارة یحلها) ضعیف الخ وفی ردالمحتار من البحرانه لواتی امرأة وهی عذراء لاغسل علیه مالم ینزل لان الغذرة مانعة من مواراة الحشفة اهـ ای ولا یحلها الاالوطاء الموجب للغسل ط

روایات بالا سے یہ امور مستفاد ہوئے:۔

(۱) ایسی عورت سے خلوت صحیحہ نہیں ہوتی للمانع۔

(۲) پس یہ مثل غیر موطؤہ کے ہوگی اس لئے اگر اس کو تین طلاق ایک جملہ سے دی یعنی یوں کہا کہ تجھ پر تین طلاق تو تینوں طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر جدا جدا طلاق دی تو ایک ہی واقع ہوگی۔

(۳) جب ایک طلاق ہو تو شوہر اول کو نکاح کافی ہے حلالہ کی ضرورت نہیں۔

(۴) اور اگر تینوں واقع ہوئیں تو حلالہ واجب ہے اور حلالہ ممکن نہیں لہٰذا شوہر اول سے نکاح کی

کوئی صورت نہیں۔ (تتمۂ خامسہ ص:۴۷)

## نہ بودن ارتداد درحکم طلاق

سوال (۵۴۴) اگر زید اپنی زوجہ کوطلاق رجعی یکے بعد دیگرے دومرتبہ دے چکا ہے اور اس کی زوجہ کی زبان سے کلمہ کفر جاری ہوگیا اور پھر اس میں اسی وقت تجدید ایمان کرلیا تو ان کا نکاح ہو جائے گا یا بسبب اس ارتداد کے اس کی طلاق مغلظہ کا حکم حاصل ہوگا اور یہ کہنا خدا نے کس مصیبت میں ڈالدیا مثلاً قحط کی تنگی سے یہ کہدیا تو موجب ارتداد ہوگا یا نہیں۔

الجواب۔ صورت مسئولہ میں ارتداد بحکم طلاق مغلظہ نہیں فقہاء نے تصریح کی ہے (کما فی الدر المختار کتاب الطلاق فخرج الفسوق کخیار عتق وبلوغ وردة فانه فسخ لاطلاق وفيه باب الولی فسخ لا ينقص عددالطلاق) کہ ارتداد فسخ ہے طلاق نہیں ہے تجدید ایمان کے بعد نکاح کی تجدید جائز ہے حلالہ کی ضرورت نہیں اور یہ کلمہ کہ خدا نے الخ میرے نزدیک بیہودہ کلمہ ضرور ہے مگر موجب ارتداد نہیں مقصود جناب حق میں گستاخی نہیں بلکہ محض اظہار تنگی ہے اور چونکہ خالق سب احوال کا حق تعالیٰ ہے اس لئے اس کی طرف نسبت کردی۔ ۲۶ رمضان ۱۳۳۷ھ (تتمۂ خامسہ ص ۹۴)

## تحقیق نہ بودن خلوت صحیحہ درحکم وطی دربارۂ تحلیل

سوال (۵۴۵) کیا حلالہ کی صورت میں خلوت صحیحہ بھی جواز کے لئے کافی ہوجاوے گی یعنی خلوت صحیحہ میں کوئی مانع عورت کی جانب سے نہ تھا مرد کو رغبت ہی وطی کی نہ ہوئی اس لئے وطی نہیں ہوئی تو کیا ایسی خلوت صحیحہ کے بعد وہ عورت اپنے اول شوہر سے نکاح کرسکتی ہے۔

الجواب۔ لا تكون (الخلوة الصحيحة) كالوطاء في حق بقية الاحكام كالغسل والاحصان وحرمة البنات وحلها للاول الخ قوله وحلها للاول ای لاتحل مطلقة الثلث للزوج الاول بمجرد خلوة الثانی بل لابد من وطئه لحديث العسيلة درمختار مع شامی (ج ۲ ص ۵٦۱) اس روایت سے ثابت ہوا کہ محض خلوت صحیحہ حلالہ کے لئے کافی نہیں۔

۷ رصفر ۱۳۴۰ھ (تتمۂ خامسہ ص:۲۱۶)

## حکم طلاق مکرہ کہ بوقت طلاق نیت تقلید امام شافعی کند

سوال (۵۴۶) مکرہ شخص طلاق دیتے وقت نیت اس طرح کی کرے کہ میں اس طلاق دینے میں اتباع اور تقلید مذہب شافعی کی کرتا ہوں اور الفاظ طلاق کو ہلاکت کے خوف سے فقط زبان سے کہدیا

تو باوجود حنفی ہونے شخص مکرہ کی یہ نیت معتبر اور طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔

الجواب۔ اول تو اسی میں کلام ہے کہ دوسرے مذہب کی تقلید کے شرائط یہاں متحقق ہیں یا نہیں اور قطع نظر اس سے اس کو اپنے التزام کے ترک کرنے کا اختیار ہوگا مگر دوسرے کے التزام میں تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں یعنی عورت پر اس کو یہ فعل کیسے حجت ہوگا اس لئے اس کو ایسی طلاق کے بعد مرد کی تمکین اپنے نفس پر جائز نہ ہوگی۔ ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۴۲ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۳۱۰)

❁❁❁

## حکم گفتن ایں الفاظ (میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ اس کو اپنے پاس ہرگز نہ رکھونگا میرا دوسرا نکاح کردو۔ قطع تعلق کردو)

سوال (۵۴۸) براہ کرم ان الفاظ سے کیا ثابت ہوتا ہے تحریر فرما کر مشکور فرماویں اور برائے خدا جواب سے جلد بواپسی ڈاک مطلع فرماویں تاکہ اطمینان ہووے (میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ اس کو اپنے پاس ہرگز ہرگز نہ رکھونگا چونکہ والدہ صاحبہ آپ کے پاس ہیں ان سے کہہ دیجئے گا کہ وہ میرا دوسرا نکاح کرادیں اگر کوئی بیوہ عورت ہو تو مناسب ہے میں بجنور سے قطع تعلق کر چکا بجنور سے اس کا مقصد بیوی کا تھا چونکہ بجنور میں سوائے اس کی بیوی کے اور کوئی نہیں ہے۔

الجواب۔ ظاہر ہے کہ اس کا صریح مدلول تو یہ ہے نہیں کہ منکوحہ سے قطع تعلق کر چکا کیونکہ ممکن ہے کہ بجنور نہ جاوے زوجہ کو بلالے یا زوجہ خود آجاوے نظیرہ ما فی الدر المختار باب الایلاء او قال وھو بالبصرۃ واللہ لا ادخل مکۃ و ھی بھا لایکون مولیا لانہ یمکنہ ان یخرجھا منھا فیطاء ھا۔ البتہ احتمال یہ ہے کہ یہ کہنا ہو جیسا کہ صیغۂ مذکور کے متعلق شامی میں ط سے نقل کیا ہے و قد یجاب بانہ من کنایۃ فلا یکون مولیا بہ الا بالنیۃ سواول تو یہ منقول نہیں محض ایک بحث

ہے دوسرے ظاہر ہے کہ یہ لکھنا نہ حالت مذاکرۂ طلاق میں ہے گو مذاکرۂ نکاح جدید میں ہے اور مذاکرۂ نکاح جدید مستلزم مذاکرۂ طلاق کو نہیں کیونکہ دو منکوحہ جمع ہوسکتی ہیں اور نہ حالت غضب میں ہے بلکہ حالت رضا میں ہے جس میں جمیع اقسام کنایہ میں نیت شرط ہے تو کیا وہ نیت طلاق کا اقرار کرتا ہے البتہ انکار نیت کی حالت میں اس سے قسم لے سکتے ہیں۔

فی الدرالمختار باب الکنایات ففی حالة الرضا ای غیر الغضب والمذاکرة تتوقف الاقسام الثلثة تاثیرا علٰی نیة الاحتمال والقول له بیمینه فی عدم النیة ویکفی تحلیفها له فی منزله فان ابی رفعه للحاکم فان نکل فرق بینهما مجتبیٰ اور اگر مذاکرۂ طلاق پر اس جملہ کو دال کہا جاوے کہ اس کو اپنے پاس نہ رکھونگا تو اس میں کلام ہے باوجود بقاء نکاح کے ممکن ہے کہ بوجہ نفرت کے اپنے پاس نہ رکھے۔ ۷ رشوال ۱۳۴۲ھ (تتمۂ خامسہ ص ۱۱۱)

## از ترجیح الراجح جلد خامس ص ۱۹

(۱) در بہشتی زیور حصہ چہار باب طلاق ص ۳۳۰ مثال طلاق بائن دادہ اند (میں نے تجھ کو چھوڑ دیا) ایں صحیح نسیت کہ بایں لفظ طلاق رجعی واقع می شود کہ صریح لفظ لغت ہندیہ است وصریح ہر لغت معتبر است صریحه مالم یستعمل الا فیه ولو بالفارسیة ۱۲ درالمختار ص ۷۰۴ لاسیما آں جناب مدظلہ در امداد الفتاویٰ جلد دوم ص ۶۶ تسلیم فرمودہ اند کہ ایں لفظ صریح است باو طلاق رجعی واقع می شود پس صواب در تمثیل کنایہ ایں ست کہ فرمودندی (جیسے کوئی کہے میں نے تجھ کو جدا کیا اور الگ کیا۔

یہ فرمانا آپ کا بجا ہے الخ یہ فرمانا آپ کا بجا ہے کہ اس لفظ کا غالب استعمال عرفاً طلاق ہی میں ہوتا ہے جناب مولوی شاہ احمد علی صاحبؒ جو ابتدائے حصص بہشتی زیور کے مؤلف تھے غالب یہ ہے کہ انہوں نے اس لفظ کا استعمال مخصوص بطلاق نہیں سمجھا۔ اس وجہ سے اس کو کنایہ میں داخل کیا اور ایسا سمجھنا مستبعد نہیں ہے کہ یہ استعمال محل تامل ضرور ہے۔

### الفاظ (میں نے یکبارگی چھوڑ دیا)

سوال (۵۴۹) زید نے اپنی بی بی کو دو طلاق گواہوں کے سامنے دیکر دوسرے آدمی ثقہ کے پاس جا کر کہا کہ میں نے اپنی بی بی کو طلاق دیدیا اس نے پوچھا کہ تو نے کتنی طلاق دیا زید نے اس لفظ سے جواب دیا کہ میں نے ایک بارگی چھوڑ دیا ہے (یعنی کل طلاق دیا) اور شوہر خود بھی اقرار کرتا ہے کہ میں نے اپنی بی بی کو کل طلاق دیا ہے اب اس صورت میں اس عورت کو کتنی طلاق واقع ہوگی۔ بینوا بالنقل والبرہان توجروا من اللہ۔

الجواب۔ اگر زید نے صرف یہ الفاظ کہے ہیں کہ ایک بارگی چھوڑ دیا اور یہ تفسیر یعنی کل طلاق دیا سائل نے اپنی طرف سے کرلی ہے تب تو حکم زید ہی کے کہے ہوئے الفاظ سے متعلق ہوگا جس کی تحقیق یہ ہے کہ ایکبارگی چھوڑنے کا مطلب تامل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علاقہ نکاح کا بالکل قطع کردیا ہے رجعت کی گنجائش نہیں رکھی تو اس صورت میں یہ حاصل ترجمہ ہوالفظ البتۃ کا جس میں طلاق بائن واقع ہوتا ہے فی الدر المختار ویقع بقوله انت طالق بائن او البتة الى قوله واحدة بائنة ج ۲ ص ۴۳۷ و ۴۳۸۔ البتہ اگر وہ بیان کرے کہ میری مراد اس سے بینونت غلیظہ یعنی تین طلاق ہیں تین واقع ہوجائیں گی لما بعد العبارة المذكورة ان لم ينو ثلاثاً في الحرة و ثنتين في الامة فتصح اھ۔ تو اس کا حاصل یہ ہوگا کہ نہ رجعت کی گنجائش رہی نہ نکاح جدید بلا تحلیل کی اور اگر لفظ کل طلاق دیا خود زید ہی کے الفاظ میں تو یہ لفظ خود تین طلاق کے وقوع کو مفید ہوگا۔ فی ردالمحتار عن مختارات النوازل في قوله كل الطلاق انه يقع ثلاث وعن الذخيرة في قوله انت طالق الطلاق كله ثلاث ثم قال ولا فرق يظهر بين كل الطلاق والطلاق كله تأمل ج ۲ ص ۴۴۳۔ اور اس کے قبل جو دو طلاق دی ہیں اگر وہ ایسے لفظ سے تھی کہ محتمل بینونت کے تھے تب تو یہ اس کی تفسیر ہوسکتی ہے اور اگر وہ ایسے لفظ سے تھے کہ محتمل بینونت نہ تھے تو اس کو لقرینۂ مقام انشاء تو نہ کہیں گے کمافی ردالمحتار اذا قال انت طالق ثم قيل له ماقلت فقال قد طلقتها او قلت هي طالق فهي طالق واحدة لانه جواب كذا في كافي الحاكم ج ۲ ص ۴۵۵ اور نہ یوں کہیں گے کہ اس دو رجعی صریح مراد بائن یا تین تھی لمافی الدر المختار ويقع بها الى قوله واحدة رجعية وان نوى خلافها من البائن او اكثر ج ۲ ص ۴۰۷۔ بلکہ اس کو اقرار کہا جاوے گا پس اگر اس کا محکی عنہ واقع میں موجود ہے خواہ کسی کو علم ہو یا نہ ہو تب تو اقرار صادق ہے کہ دیانتاً بھی طلاق ہوجاتا ہے اور اگر اس کا محکی عنہ واقع میں موجود نہیں تو اقرار کاذب ہے مگر قضاء اس سے وقوع ہوجاوے گا۔ فی ردالمحتار عن البزازية والقنية لو اراد به الخبر عن الماضي كذباً لا يقع ديانةً ج ۲ ص ۴۹۴۔ اور عورت کو مثل قاضی کے معاملہ کرنا چاہئے یعنی اس اقرار کو صادق سمجھے لما في ردالمحتار ان المرأة كالقاضي لايحل لها ان تمكنه اذا علمت منه ما ظاهره خلاف مدعاه ج ۲ ص ۴۶۹۔ ولا تشكن في قولي نہ یوں کہیں گے الخ بما في الدر المختار طلقها واحدة بعد الدخول فجعلها ثلاثاً صح ج ۲ ص ۷۶۹ لان معناه انه الحق [1] بها اثنتين لانه جعل الواحدة ثلثا كذا في ردالمحتار الصحفة المذكورة اور یہ سب مدخول بہا کے لئے تفصیل ہے۔ ۲۱ رصفر ۱۳۲۸ھ

---

(۱) یعنی قوله جعلتها ثلثا معناه الحقت بها اثنتين بعين هذا القول لان المراد بالواحدة السابقة ثلثا منہ ۱۲

سوال (۵۵۰) ایک شخص نے اپنی عورت کو باہمی نزاع میں یہ کہدیا تھا کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا اور کچھ عرصہ کے بعد میں پھر ان دونوں میں نزاع ہوا تو اسنے پھر یہ کہا کہ اب میں ماں کر کے رکھوں یا بہن کر کے گھر میں رکھوں اس کلمہ کے بعد اس عورت سے کوئی کسی قسم کا تعلق نہیں رکھا بلکہ اس کے ہاتھ کا کھانا تک بھی نہیں کھایا اور عرصہ چھ ماہ سے زیادہ گزر چکا ہے الحال دونوں میں صلح ہوئی اور تجدید نکاح پر آمادہ ہوئے نکاح پڑھنے والے نے اس بات کی تحقیقات کی اس شخص سے دریافت کیا کہ تو نے کیا کلمہ کہا اس نے جواب دینے میں اس معاملہ کو چھپالیا بعد اس کے مجبور ہو کر کہا صاحب میں نے تو جو طلاق کا حق ہوتا ہے وہی دی تھی اب اس کی تجدید نکاح ہو سکتی ہے یا نہیں اور جو شخص ماں بہن کہہ لے اس کا کفارہ کیا ہے اور وہ شخص اگر کفارہ بھی نہ ادا کرے تو اس کی تجدید نکاح جائز ہے یا نہیں تیسری بات یہ کہ ایک یا دو طلاق کے بعد تجدید جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ پہلی بار میں جب کہا چھوڑ دی یہ طلاق صریح اور رجعی ہے پھر جب دوسری بار میں کہا کہ ماں کر کے رکھوں یا بہن کر کے یہ تشبیہ ہے محارم کے ساتھ جس میں نیت کا اعتبار ہوتا ہے لیکن بعد میں پوچھنے کے وقت اس کا یہ کہنا کہ جو طلاق کا حق ہوتا ہے دیدی ہے یہ قرینہ ہے کہ اس لفظ سے طلاق مقصود تھی پس یہ طلاق بالکنایہ اور بائن ہوئی غرض ایک طلاق رجعی ہوئی اور ایک بائن اگر اس نے ایسا ہی کوئی لفظ تیسری بار نہیں کہا بلکہ صرف یہی دو کلمہ دو دفعہ کر کے کہے تو اب نکاح جدید شوہر اول سے درست ہے اور اگر تیسری بار بھی کچھ ایسا ہی لفظ کہدیا تو بدون حلالہ نکاح درست نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ج ۲ ص ۶۶)



## عدم صحت حلالہ از نکاح فاسد

سوال (۵۵۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ زید نے ہندہ کو طلاق دیدی اور ہندہ نے اندر عدت کے بکر سے نکاح کرلیا بکر نے تین چار روز اپنے یہاں رکھ کر ہندہ کو طلاق دیدی اب زید ہندہ سے مکرر نکاح کرنا چاہتا ہے بعد عدت نکاح بکر کے تو نکاح درست ہے یا نہیں اور حلالہ ہو گیا یا نہیں ہوا اور نکاح بکر میں مجامعت کا ہونا شرط ہے یا نہیں۔

سوال نمبر ۲۔ عمرو نے ایک عورت کو طلاق دیدی اور وہ عورت چکلہ میں جا بیٹھی تو اب عمرو اس سے نکاح کرے تو درست ہے یا نہیں۔

الجواب عن السوالین۔ فی الدر المختار باب العدة هی تربص یلزم المرأة عند زوال النكاح فلا عدة لزنا او شبهته كنكاح فاسد فی ردالمحتار قوله فلا عدة لزنا بل يجوز تزوج المزنی بها وان كانت حاملا لكن يمنع عن الوطی حتیٰ تضع والا

فیندب له الاستبراء ط ج۲ ص۹۸۶ وفی الدر المختار لا تنکح مطلقة بها ای بالثلاث حتیٰ یطائها غیره بنکاح نافذ خرج به الفاسد والموقوف وفی ردالمحتار به علم انه کان ینبغی للمصنف متابعة الکنز وغیره فی التعبیر بنکاح صحیح فیخرج الفاسد وکذا الموقوف الخ جلد۲ ص۸۸۶۔

ان روایات سے چند امور ثابت ہوئے۔

(۱) زید جو ہندہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے اس میں طلاق بکر کی عدت گزرنا شرط ہے کیونکہ نکاح فاسد میں عدت لازم ہے۔

(۲) اگر زید نے تین طلاق ہندہ کو دی تھیں جس سے حلالہ واجب ہوگیا تھا تو نکاح بکر سے یہ حلالہ نہیں ہوا اس صورت میں زید کو ہندہ سے نکاح درست نہیں کیونکہ نکاح فاسد سے حلالہ نہیں ہوتا اگرچہ بکر مجامعت بھی کرتا۔

نمبر ۲۔ چکلہ میں بیٹھنے کے بعد عمرو اس سے نکاح کرسکتا ہے کیونکہ زنا سے عدت واجب نہیں ہوتی اب سب سوالوں کا جواب ہوگیا۔ ۳ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص۱۲۹)

## تم اپنا عقد دوسرا کرلو کہنے سے طلاق

سوال (۵۵۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید نے اپنی زوجہ سے جس کو عرصہ تخمیناً زائد از پانچ سال کا ہوتا ہے قطع تعلق کرکے کوئی واسطہ غرض کھانا کپڑا وغیرہ سے نہیں رکھا بلکہ اپنی جائداد وغیرہ کو وقف کرکے مفقود الخبر ہوگیا اب سنا گیا ہے کہ حیدرآباد کی طرف کہیں پر ہے زید کی زوجہ کا بیان ہے کہ زید نے بطلب نان نفقہ کئی مرتبہ کہا کہ ہم سے اب کوئی واسطہ نہیں ہے اور نہ ہم کھانا کپڑا دے سکتے ہیں جب اس نے طلاق کے متعلق کہا کہ طلاق دیدو اس وقت تشدد عمل میں لاکر زید نے کہا تم اپنا عقد دوسرا کرلو ہم بھی اپنا عقد کرلینگے اور تم اپنے میکہ ماں باپ کے یہاں چلی جاؤ تو ایسی صورت میں زید کی زوجہ کا عقد ثانی شرعاً ہوسکتا ہے یا نہیں اور وہ زید کے نکاح سے نکل گئی یا نہیں۔

الجواب۔ عورت کا یہ کہنا کہ طلاق دیدو مذاکرۂ طلاق ہے فی الدر المختار فتفسیر المذاکرة بسوال الطلاق وتقدیم الایقاع الیٰ قوله المذاکرة ان تساله هی او اجنبی الطلاق۔ اور مرد کا یہ کہنا کہ تم اپنا عقد کرلو یہ ان کنایات میں سے ہے جو صرف جواب کو محتمل ہیں اور جواب کی تفسیر ردالمحتار میں یہ کی گئی ہے۔ تصلح للجواب ای اجابته سوالها الیٰ قوله قسم لا یحتمل الرد ولا السب بل یتمحض للجواب اور اس قسم کا حکم یہ ہے کہ مذاکرۂ طلاق کے وقت نیت کی ضرورت نہیں اور مذاکرہ ہونا اس کا ظاہر ہے پس اگر عورت کا بیان صحیح ہے تو طلاق بائن واقع ہوگی

جس میں رجعت بھی جائز نہیں اور بعد عدت دوسرا نکاح کرسکتی ہے لیکن اگر مرد نے اس بیان کا انکار کیا تو عورت کے ذمہ گواہوں کا قائم کرنا لازم ہے۔ ۳؍ذیقعدہ ۱۳۴۹ھ (النور جمادی الثانیہ ۱۳۵۰ھ ص ۷)

## نکاح کے بعد دعویٰ خارج ہوجانے سے نکاح نہیں ٹوٹتا

سوال (۵۵۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح زید سے ہوا لیکن ہندہ زید کے یہاں آباد نہیں ہوئی زید نے بازو[1] دعویٰ کیا تو عدالت نے قانون کے مطابق نکاح ثابت نہ کیا زید کا بازو دعویٰ خارج کیا گیا لیکن بے شمار لوگ ہندہ کے گاؤں کے زید کے نکاح کا ثبوت دیتے ہیں کیا عدالت کے نفوذ حکم سے اب ہندہ دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا زید کے ہی نکاح میں رہی۔

**الجواب**۔ اول تو حاکم عدالت کا مسلمان ہونا شرط ہے دوسرے حاکم مسلم کی قضاء صرف عقد و فسخ میں نافذ ہوتی ہے اور عدم ثبوت عقد نہ عقد ہے نہ فسخ۔ لہٰذا یہ قضاء موثر نہیں۔ اس لئے مقتضاء پر دیانۃً عمل جائز نہیں۔ ۸؍ربیع الاول ۱۳۵۰ھ (النور ماہ رمضان ۱۳۵۰ھ ص ۷)

## بیان حیلۂ نکاح جبکہ یہ حلف کرے کہ اگر کسی عورت سے نکاح کروں تو اس کو طلاق

سوال (۵۵۴) مندرجہ ذیل مسئلہ میں حکم شرعی جو ہو تحریر فرمایا جاوے ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق دیتے ہوئے یہ کہا تجھے طلاق ہے اور اگر کسی اور عورت سے نکاح کروں تو اس کو بھی طلاق ہے یا یوں کہا کہ اگر چار یا پانچ (عدد مطلق کے یہاں بھی یاد نہیں) اور کروں تو ان کو بھی طلاق ہے ایسی حالت میں جبکہ اس شخص کو یہ یاد نہیں کہ ان دونوں قولوں میں سے اس نے کون سا قول اختیار کیا اگر وہ نکاح ثانی کرنا چاہے تو اس کے جواز کی کیا صورت ہوگی۔

**الجواب**۔ جب جواز کی صورت ہر حال میں نکل سکتی ہے اسلئے کسی خاص قول کے یاد کرنے یا اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہر صورت میں اس تدبیر عمل کر کے نکاح ثانی ثالث رابع کرسکتے ہیں وہ صورت یہ ہے کہ یہ حالت نہ خود نکاح کرے نہ کسی کو نکاح کا وکیل بناوے بلکی کسی فہیم آدمی کے سامنے یہ کہے کہ میں نے ایسا حلف کرلیا ہے اور مجھ کو نکاح کی حاجت ہے اور اس کے جواز کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ کوئی شخص اگر بلا میری اجازت کے میرا نکاح کردے اور پھر مجھ کو خبر کردے اور میں اس کو سن کر اس کو جائز رکھوں تو نکاح درست ہوجائے گا اور طلاق واقع نہ ہوگی اور یہ مضمون سنکر کوئی شخص یہی عمل کرے اور یہ شخص سن کر جائز رکھدے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

---

(۱) محاورہ پنجابی میں بازو سے مراد عورت ہے یعنی عورت کے نکاح کا دعویٰ ۱۲ از سائل

ودليل المسئلة ما فی ردالمحتار ونصه فی البحر عن البزازية والتزوج فعلاً اولٰى من فسخ اليمين فی زماننا وينبغی ان يجئ الٰى عالم ويقول له ما حلف واحتياجه الٰى نكاح الفضولی فيزوجه العالم امرأة ويجيز بالفعل فلا يحنث وكذا اذا قال لجماعة لی حاجة الٰى نكاح الفضولی فزوجه واحد منهم اما اذا قال لرجل اعقدلی عقد فضولی يكون توكيلا اهـ (باب التعليق من كتاب الايمان تحت قول الدرالمختار بل افتاء عدل الخ) ۲۸/رجب ۱۳۳۰ھ (النور ربیع الاول ۱۳۵۰ھ ص ۲)

## حکم تعلیق بنکاح باطل وتفصیل صور تعلیقش کتابۃً

سوال (۵۵۵) ایک شخص نے اپنا نکاح اس شرط پر کیا کہ اگر میں کہیں بے رائے اپنی بی بی یا خسر کے چلا جاؤں تو نکاح باطل ہے ایک بار ایسا بھی ہوا کہ ایک روز کے واسطے اپنے خسرو بی بی سے اجازت لیکر مکان پر چلا گیا بعد پندرہ روز کے آیا اور ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ اپنے خسر بی بی کے والد سے کہا کہ آپ کی مرضی ہو تو میں اپنی بی بی لے کر علیحدہ رہوں یہیں یا اپنے مکان پر لے جاؤں اس پر نہ اس کی بی بی اور نہ اس کا خسر راضی ہوا کچھ شخصوں نے اس کے خسر کو سمجھایا مگر جب بھی راضی نہیں ہوا جو لوگ کہ سمجھانے آئے تھے کہا تمہاری بی بی ہے جس طرح سے چاہو لے جاؤ بہرکیف اس شخص نے اپنی بی بی کو بلا رضامندی اپنے خسر اور اپنی بی بی کے کھینچ کر اٹھا کر زبردستی لے گیا اور کچھ روز سے اپنے مکان پر وہ شخص ہے اور اس کا مکان چار کوس کے قریب پر ہے آیا یہ نکاح باطل ہوا یا نہیں اور نکاح کے وقت جو شرط لکھی گئی تھی اس کی نقل یہ ہے۔ بنام فلاں ولد فلاں از طرف فلاں کے ہم نے فلاں صاحب کی لڑکی مسماۃ فلاں سے نکاح کرلیا ہے اگر بے رائے زوجہ یا خسر صاحب کے ہم چلے جائیں تو نکاح باطل ہوجائے اگر چلے جائیں تو مہر دین دیں اور از طرف خسر کے یہ ہے کہ بعد ہمارے کل کا اختیار مسماۃ فلاں (یعنی دختر) کا ہے اور فلاں فلاں گواہ شرط کے وقت ہیں۔

الجواب۔ الرواية الاولٰى فی الدرالمختار باب الصريح ومن الالفاظ المستعملة الطلاق يلزمنی والحرام يلزمنی وعلی الطلاق وعلی الحرام فيقع بلانية للعرف الرواية الثانية فی ردالمحتار باب الكنايات مانصه وسيأتی وقوع البائن به ای بقوله حرام بلانية فی زماننا للتعارف الٰى اٰخر ماقال واطال وختمه علٰى قوله وكونه التحق بالصريح للعرف لاينافی وقوع البائن به فان الصريح قد يقع به كتطليقة شديدة ونحوه كما ان بعض الكنايات قد يقع به الرجعی مثل اعتدی واستبرئی رحمك وانت واحدة والحاصل انه لما تعورف به الطلاق صارمعناه تحريم الزوجة و

تحریمها لایکون الا بالبائن۔

الروایة الثالثة فی الدر المختار التعلیق شرطه الملك كقوله لمنكوحته او معتدته ان ذهبت فانت طالق او الاضافة اليه كان نكحت امرأة او ان نكحتك فانت طالق كما لغا إيقاعه الطلاق مقارنا لثبوت ملك كأنت طالق مع نكاحك اهـ۔

پس شرط نامہ میں جو لفظ باطل لکھا گیا ہے عرف میں اس سے طلاق مفہوم ہوتی ہے اس لئے یہ صیغہ طلاق کا ہوگا دلت علیه الروایة الاولی اور طلاق میں بھی بائن کو مفید ہوگا دلت علیه الروایة الثانیة لیکن چونکہ یہ طلاق معلق ہے غیر نکاح کے ساتھ اور اس صورت میں نکاح کے بعد تعلیق مؤثر ہوسکتی ہے دلت علیه الروایة الثالثة اور کاغذ لکھنا یا اس کا حوالہ کرنا بمنزلہ تکلم بالطلاق کے ہے اسلئے دیکھنا چاہئے کہ کاغذ کب لکھا اور کب دیا اگر نکاح کے بعد لکھا ہے تو حکم یہ ہے کہ بلا اجازت چلے جانے سے طلاق بائن واقع ہوجائے گی اور اگر لکھا تو ہو نکاح سے پہلے لیکن دیا ہے نکاح کے بعد تو بھی یہی حکم ہے کہ طلاق بائن ہوجائے گی اور اگر نکاح کے قبل دیدیا تو اس کا کوئی اثر نہ ہوگا اور اصلا طلاق نہ پڑے گی اور اگر بالکل لفظ قبول کے ساتھ ہی دیا ہے گو عادةً یہ مستبعد ہے تب بھی طلاق واقع نہ ہوگی روایت ثالثہ اس پر بھی دال ہے۔

خلاصہ جواب یہ کہ اگر یہ کاغذ نکاح کے بعد لکھا ہے یا نکاح کے بعد دیا ہے تب تو طلاق بائن ہوگئی اور اگر نکاح کے قبل دیدیا ہے یا معاً دیا ہے تو طلاق نہ ہوگی فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

۲۰ رذی الحجہ ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۲۹ ج ۲)

## حکم رجسٹری طلاق ونکاح

سوال (۵۵٦) آج کل اہل الرائے نکاح وطلاق کی رجسٹری کے استحسان یا ضرورت کی رائے دے رہے ہیں قواعد شرعیہ سے اس کا کیا حکم ہے۔

الجواب۔ اوّل رجسٹری کی حقیقت سمجھ لینا چاہئے پھر قواعد سے اس کے احکام خود ظاہر ہوجائیں گے سو حقیقت اس کی یہ ہے کہ وہ ایک لکھی ہوئی شہادت ہے حاکم یا رجسٹرار کی کہ میرے سامنے فلاں صاحب معاملہ نے فلاں معاملہ کا اقرار کیا اس حقیقت کے معلوم ہونے سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس کا تعلق فقہ کے دو باب سے ہے ایک باب الشہادت سے ایک باب الاقرار سے سو باب الشہادت کے جزئیات میں سے۔

(۱) ایک جزئی یہ بھی ہے کہ لکھی ہوئی شہادت اگر یاد ہو یا اپنی تحریر دیکھ کر یاد آجاوے کہ فلاں واقعہ میرے مشاہدہ میں آیا ہے تب تو شہادت دینا جائز ہے ورنہ نہیں تو اس بناء کا مقتضاء یہ ہے کہ محض

رجسٹری کے کاغذات دیکھ کر فیصلہ کرنا جائز نہیں بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ اگر رجسٹرار کو اپنے دستخط دیکھ کر واقعہ یاد آ جاوے کہ واقعی فلاں شخص نے میرے سامنے اقرار کیا تھا تب تو اس کی شہادت جائز شہادت ہے ورنہ نہیں۔

(۲) ایک جزئی اس باب کی یہ ہے کہ شہادت میں نصاب شرط ہے یعنی نکاح وطلاق میں اگر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت شہادت دیں تو اس شہادت پر عمل ہوگا ورنہ نہیں اس کا مقتضاء یہ ہے کہ خالی رجسٹرار کی شہادت کافی نہیں جب تک نصاب شہادت مکمل نہ ہو۔

(۳) ایک جزئی یہ ہے کہ تحریری اور غیر تحریری شہادتیں مساوی ہیں اس کا مقتضی یہ ہے کہ اگر کسی معاملہ میں مثلاً نکاح میں دو شخص مدعی ہوں مگر ایک نکاح میں رجسٹرار کی شہادت ہو دوسرے میں غیر رجسٹرار کی شہادت ہو تو شرعاً دونوں شہادتیں ہم وزن ہوں گی اور اس میں وہی قانون جاری ہوگا جو تعارض شہادتین میں ہوتا ہے رجسٹرار کی شہادت کو ترجیح نہ ہوگی۔

(۴) ایک جزئی یہ ہے کہ شہادت کے لئے شاہد میں جو خاص شرائط معتبر ہیں وہ شرائط رجسٹرار میں بھی ضروری ہوں گی۔

(۵) ایک جزئی یہ ہے کہ شہادت میں محض تحریر شاہد کی معتبر نہیں اس کا مقتضی یہ ہے کہ محض رجسٹرار کا حاکم مجوز کی روبرو ہونا کافی نہیں ہوگا۔ تاوقتیکہ رجسٹرار حاضر عدالت ہو کر زبانی شہادت نہ دے۔

(۶) ایک جزئی یہ ہے کہ اگر شاہد خود حاکم ہو تو اس کی شہادت کالعدم ہے اس کا مقتضاء یہ ہے کہ اگر رجسٹرار ہی خود مجوز ہو تو اس کی رجسٹری یعنی تحریری شہادت گو کہ اس کو دیکھ کر واقعہ بھی یاد آ جاوے علم قاضی سے زیادہ درجہ نہیں رکھتی یعنی وہ نصاب شہادت کا جز و بھی نہیں بن سکتی یعنی اس شہادت کے علاوہ اور مستقل نصاب شہادت کی ضرورت ہوگی۔

(۷) ایک جزئی یہ ہے کہ رجسٹری پر جن شاہدوں کی شہادت ہے صرف اس شہادت کا بھی لکھا ہوا ہونا کافی نہیں وہ بھی حاضر عدالت ہو کر شہادت دیں جبکہ حاکم رجسٹرار ہو البتہ اگر رجسٹرار خود ہی مجوز بھی ہو تو اس حالت میں اپنے علاوہ دوسرے اشخاص کی جو شہادت رجسٹری کے وقت لکھی ہوئی سرکاری کاغذات میں پائی جاوے اگر یہ کاغذات اس کی نگرانی و انتظام میں محفوظ ہوں جن میں کسی کے جعل کا احتمال نہ ہو اس کو دیکھ کر حکم دے سکتا ہے گو واقعہ اس شہادت کا یاد بھی نہ ہو بشرطیکہ کوئی دوسری شہادت اس شہادت کے معارض نہ ہو اور یہ صرف صاحبین کا قول ہے اور بضرورت اس پر عمل جائز ہے اور صورت اولیٰ میں جبکہ حاکم دوسرا ہو اور رجسٹرار دوسرا اگر اصل شاہدین حاضر عدالت نہ ہو سکیں اور رجسٹرار شہادت دے کہ ان شاہدوں نے میرے روبرو شہادت لکھی ہے تب بھی معتبر نہیں۔

یہ وہ جزئیات کثیر الوقوع ہیں جن کا تعلق باب الشہادت سے ہے اب وہ جزئیات باقی رہے جن کا تعلق باب الاقرار سے ہے۔ ان میں

(۸) ایک جزئی یہ ہے کہ اقرار خود مقر کے نفس پر حجت ہے غیر مقر پر حجت نہیں اس کا مقتضی یہ ہے کہ رجسٹری کے وقت جس نے اقرار کیا ہے وہ اس کے خلاف کہے تو مسموع نہیں۔

(۹) ایک جزئی یہ ہے کہ اقرار صاحب معاملہ کا معتبر ہے غیر صاحب معاملہ کا معتبر نہیں اس کا مقتضاء یہ ہے کہ اگر رجسٹری میں غیر صاحب معاملہ کا بیان لکھا ہوا ہے تو اس کا اثر صاحب معاملہ پر نہ ہوگا دونوں جزئی کی مثال یہ ہے کہ ایک نکاح ہوا اور منکوحہ کے باپ نے اپنا بیان لکھایا کہ میں نے اپنی لڑکی کا نکاح فلاں شخص سے کردیا اگر وہ لڑکی بالغ ہے تو اقرار اس لڑکی پر حجت نہ ہوگا جب تک کہ وہ بھی تسلیم نہ کرے کہ ہاں یہ نکاح میری اجازت سے ہوا اور اگر وہ انکار کرے تو اجازت پر مستقل شہادت کی ضرورت ہوگی اور اگر وہ نابالغ تھی اور اختلاف کے وقت بالغ ہے تو اگر منکوحہ بوقت نکاح اپنا نابالغ ہونا تسلیم کرے تو باپ کا وہ اقرار معتبر ہے اور اگر وہ اس وقت میں نابالغ ہونا تسلیم نہ کرے تو پھر اس کے نابالغ ہونے پر مستقل شہادت قائم کرنا ہوگی اسی طرح اگر مرد نکاح سے انکار کرے تو منکوحہ یا اس کے ولی کا اقرار اس پر حجت نہ ہوگا یا اگر مرد دعویٰ کرے اور عورت انکار کرے تو مرد کا اقرار عورت پر حجت نہ ہوگا۔

(۱۰) ایک جزئی یہ ہے کہ جو معاملہ تراضی طرفین پر موقوف ہے اس میں جانبین کا اقرار شرط ہے اس کا مقتضاء یہ ہے کہ نکاح میں محض ایک کے بیان پر معاملہ کے سب اجزاء کی رجسٹری ناجائز ہوگی البتہ جس معاملہ میں خود مقر مستقل ہو جیسے طلاق اس میں صرف شوہر کا بیان رجسٹری کے لئے کافی ہے اسی طرح مقدار مہر میں صرف شوہر کا بیان یا درصورت اس کے نابالغ ہونے کے اس کے ولی کا بیان کمی کی نفی کیلئے انفراداً کافی ہے اور منکوحہ کا بیان یا درصورت اس کے نابالغ ہونے کے اس کے ولی کا بیان بیشی کی نفی کیلئے انفراداً بھی کافی ہے۔

(۱۱) ایک جزئی یہ ہے کہ مقر اگر پس پردہ سے اقرار کرے اس اقرار پر شہادت جائز نہیں اس کا مقتضاء یہ ہے کہ صرف منکوحہ کے بیان پر رجسٹری جائز نہیں جب تک کہ معتبر شناخت کرنے والے یہ نہ کہیں کہ اس وقت بولنے والی فلاں عورت ہے اور ہم اس کے بولنے کے وقت اس کو دیکھ رہے ہیں یہ دونوں باب کے ایسے جزئیات ہیں جو کثیر الوقوع ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی ان ابواب کے ضروری جزئیات ہیں جن پر احاطہ رجسٹرار کے لئے ازبس ضروری ہے اور جو رجسٹری ان جزئیات کی رعایت سے کی جاوے گی وہ تو موافق شرع کے ہوگی ورنہ خلاف شریعت ہوگی پس اگر قانون رجسٹری میں جزئیات کثیر الوقوع کی تصریح ہو اور دوسرے جزئیات کی رعایت کی یہ صورت اختیار کی جاوے کہ رجسٹرار کے لئے عالم باعمل ہونا شرط ہو کیونکہ بجز عالم متبحر کے ان جزئیات کا لحاظ ممکن نہیں اور بدون القاء کے رشوت کا احتمال

قطع نہیں ہوسکتا جس کا انتخاب بھی علماء کی کثرت رائے سے ہوعوام کا اس انتخاب میں اصلاً دخل نہ ہوتب تو یہ قانون شرعاً جائز ہے ورنہ ناجائز اور جائز ہونے کی صورت میں فائدہ بھی اتنا ہی کہ واقعہ کے باقاعدہ محفوظ ہونے سے شریر مکاروں کی ہمت غلط دعوؤں کی فطرۃً نہیں ہوتی اور ہونے پر بھی بعض صورتوں میں خود رجسٹری کی بناء پر فیصلہ بھی جائز ہے جیسا کہ اوپر ان بعض صورتوں کی تصریح آ چکی ہے۔

ربیع الاول ۱۳۴۵ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۴۱)

## اگر کوئی کہے کہ میں فلاں اور فلاں گھر جاؤں تو میری مدخولہ عورت کو طلاق اس کا کیا حکم ہے

سوال (۵۵۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بایں الفاظ تعلیق طلاق کی کہ آج سے اگر میں اسکے گھر کے اندر جاؤں اور زید کے گھر اور عمرو کے گھر اور بکر کی جانب احاطہ میں اور خالد کے گھر اگر میں قدم رکھوں تو میری مدخول بہا عورت کو طلاق متعلق صورت بالا حسب ذیل سوالات ہیں:۔

(۱) جملہ اشخاص مذکورین بالا کے مکانوں میں داخل ہونے کے بعد وقوع طلاق ہوگا یا کسی ایک کے مکان میں داخل ہونے سے وقوع طلاق ہوجائے گا۔

(۲) اگر صورت ثانی ہے تو کیا ہر ہر مکان میں داخل ہونے سے وقوع طلاق ہوا کرے گا یا صرف ایک میں۔

(۳) طلاق رجعی ہوگی یا بائن بصورت ثانی کوئی حیلہ شرعی بیان فرماویں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ السلام علیکم مجھ کو فرصت بہت کم ہوتی ہے مفتی مدرسہ سفر میں ہیں اس لئے میں بجز ہدایہ وشامی وعالمگیریہ کے اور کوئی فقہ کی کتاب نہ دیکھ سکا مگر ان میں ایسا کوئی جزئیہ نہ ملا احتیاطاً میں نے کتب اصول میں سے نور الانوار وتوضیح تلویح میں حروف معانی کی بحث میں دیکھا سو تلویح میں مصرح ہے اذا حلف لایکلم هذا وهذا فهو لنفي المجموع (بحث کون او بمعنی الواؤ تحت قول التوضیح الا ان یدل الدلیل) اس میں تصریح ہے کہ مجموعہ محلوف علیہ کے فعل سے حانث ہوگا ایک جزو کے فعل سے حانث نہ ہوگا۔ اور نورالانوار بحث کون او بمعنی الواؤ میں ایک متن کی دو توجیہیں نقل کی ہیں لیکن مدرسہ ہذا کے ایک مدرس نے حاشیہ پر کشف بزدوی سے دونوں کے کلام کرنے سے ایک ہی بار حانث ہونا نقل کیا ہے پس حاصل مجموعہ کا یہ ہوا کہ صورت مسئول عنہا میں کسی ایک مکان میں داخل ہونے سے طلاق واقع نہ ہوگی جب سب میں داخل ہوگا اس وقت طلاق واقع ہوگی اور ایک ہی طلاق ہوگی اور صریح اور مادون الثلاث وبعد الدخول ہونے کے سبب رجعی ہوگی۔ واللہ اعلم احتیاطاً اور جگہ بھی تحقیق کر لیجئے۔ ۲۸ / رجب ۱۳۵۲ھ (النور ۸ / شوال ۱۳۵۳ھ)

## کیا طلاق کی اطلاع ضروری ہے

سوال (۵۵۸) زید بدکاری کے قرائن پر اپنی عورت کو طلاق رجعی دے چکا ہے اور مدت رجعت بھی گزر چکی ہے کیا زید پر عورت کو طلاق کا اطلاع دلوانا واجب ہے یا نہ۔

الجواب۔ جی ہاں قال او تسریح باحسان۔ وقال تعالیٰ ولا تمسکوھن ضراراً اور ظاہر ہے کہ اطلاع نہ کرنے میں تسریح باحسان بھی نہیں اور ضرار بھی ہے۔

بقیۃ السوال۔ اب زید نادم ہوا ہے تحقیق سے اب اس کا شبہ بھی زائل ہوا ہے اب اس عورت سے نیا نکاح کرنا چاہتا ہے مگر چونکہ بدکاری کے قرائن پر جو مرد وعورت میں رنجش تھی اس کی شکایت اہل محلّہ میں بھی کچھ ظاہر ہو چکی تھی اس لئے مرد نے طلاق کو اب تک ظاہر نہیں کیا کہ طلاق کے ظہور سے وہ تحقیق بدکاری کا ہو جائے گا اور ہمارے عورت کے خاندان پر بدکاری کا دھبہ جھوٹا آ جائے گا جس سے ہتک خاندان کی ہوگی۔

الجواب۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ظہور عام نہ ہو صرف عورت پر ظاہر کیا جاوے۔

بقیۃ السوال۔ اب اگر طلاق ظاہر کی جاتی ہے تو عورت یا اس کا باپ نئے سرے سے نکاح پر راضی نہ ہوں۔

الجواب۔ عورت مختار ہے کسی حیلہ سے یا اکراہ سے نکاح کی تجدید کرنا خداع یا ظلم ہے۔

بقیۃ السوال۔ اس لئے اب اگر اس تہمت سے بچنے کے لئے طلاق تو ظاہر نہ کی جائے فقط مرد وعورت کی مصالحت کے وقت اور گفتگو کے ساتھ ایسے الفاظ کہلائے جائیں جس سے نکاح منعقد ہو جائے جیسے مرد سے کہا جائے کہ کیا تو نے اب اس عورت کو اپنی بی بی کیا اور آئندہ کے واسطے اچھے سلوک سے رہنا وغیرہ وہ جواب میں کہے کہ ہاں اور عورت سے بھی ایسے الفاظ کہلائے جائیں اور وہ بھی ہاں کہے تو کیا یہ دھوکا اور فریب تو نہیں اور گناہ یا نکاح میں تو کوئی خلل نہ ہوگا۔

الجواب۔ خود یہ الفاظ نکاح کے لیے کافی نہیں کما سیأتی اور اگر کافی بھی ہوتے تب بھی خداع کا گناہ ہوتا اور اب تو کافی ہی نہیں کیونکہ عورت سمجھ ہی نہیں سکتی کہ یہ نکاح ہو رہا ہے اور یہ شرط ہے صحت نکاح کی کما فی ردالمحتار تحت قول الدرالمختار ولا یشترط العلم بمعنی الایجاب والقبول فیما یستوی فیه الجد والهزل الخ مانصه لکن قید فی الدرر عدم الاشتراط بما اذا علما ان هذا اللفظ ینعقد به النکاح ای وان لم یعلما حقیقة معناه اهـ۔

بقیۃ السوال۔ شبہ یہ ہے کہ جبکہ مطلقہ ہونے کے بعد اب عورت کو اختیار ہے اور اطلاع نہ دینے

کی وجہ سے اس کے اختیار کو زائل کرتا ہے اور چونکہ عورت جاہل ہے مسائل سے واقف نہیں اور اوپر کے الفاظ سے جبکہ دوسری گفتگو سے ملا کر کہے جائیں گے اور اس کو یہ پتہ نہیں کہ میں نئے سرے سے نکاح کرتی ہوں تو کیا نکاح میں خلل تو نہ ہوگا۔ مگر اوپر کے الفاظ سے گویا جورو ہونا تسلیم کرے گی یعنی جب کہے گی کہ ہاں میں بی بی ہو کر رہوں گی۔

الجواب۔ سب حیلہ لغو ہے۔ کما سبق۔ ۱۹ رجب ۱۳۵۶ھ (النور ص ۸ شعبان ۱۳۵۷ھ)

## دیوار کے پیچھے سے سن کر طلاق وعتاق کی شہادت دینے کا حکم

سوال (۵۵۹) اگر شاہد دیوار کے پیچھے یا مکان کے باہر سے سن کر طلاق وعتاق کی شہادت دے تو شرعاً مقبول ہوگی یا نہیں۔ فقط

الجواب۔ مقبول نہ ہوگی کما فی الھدایۃ ولو سمع من وراء الحجاب لایجوز لہ ان یشھد ولو فسر للقاضی لا یقبلہ لان النغمۃ یشبہ النغمۃ فلم یحصل العلم البتہ ایک خاص صورت جس کا تحقق بہت نادر ہے اس سے مستثنیٰ ہے جس کو اس کے بعد ہی اس عبارت میں مستثنیٰ کیا ہے الا اذا کان دخل البیت وعلم انہ لیس فیہ احد سواہ ثم جلس علی الباب ولیس فی البیت مسلک غیرہ فسمع اقرار الداخل ولایراہ لہ ان یشھد لانہ حصل العلم فی ھذہ الصورۃ جلد ثانی ص ۱۴۲۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ پہلے سے کوئی گھر خالی ہو اور ایک شخص اس گواہ کے روبرو اس کے اندر گیا اور بجز اس دروازہ کے اور کوئی آنے کی جگہ بھی اس گھر میں نہ ہو اور ایسی حالت میں اندر سے کوئی مضمون سنائی دیا تو یقین کیا جاوے گا کہ اس جانے والے ہی کی آواز ہے بس اس صورت میں شہادت جائز ہے اور اس زمانہ کے اعتبار سے یہ بھی شرط ہے کہ اس مکان میں گراموفون بھی نہ ہو۔ فقط۔

۳۰ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۸۷)

## والد کے حکم سے بیوی کو طلاق دینے کا حکم

سوال (۵۶۰) اگر حرام سے بچنے کے لئے میں نے اپنے حسب مرضی نکاح کر لیا اور وہ عورت بھی مجھ کو غایت درجہ پسند ہے مگر میرا والد کہتا ہے کہ تمہارا دوسرا نکاح کر دیتا ہوں تم اس عورت کو طلاق دیدو کیا میں طلاق دیدوں یا نہیں۔

الجواب۔ اگر اپنے یا اس عورت کے صبر نہ کر سکنے کا اندیشہ ہو تو طلاق نہ دیں۔

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۰۶)

# فَصل فِي فسخ النكَاح والخُلع

## حکم اشتراط قاضی برائے فسخ نکاح وشرائط فسخ نکاح

سوال (۵۶۱) میں نے اپنی دختر نابالغہ کا عقد نکاح ایک شخص کا ظاہر بصلاح وطریقہ اسلام دیکھ کر اس کے پسر سے کر دیا اور اطمینان کے لئے ہر قسم کے شرائط عہد و پیمان کر لئے میری دختر جب ان کے گھر گئی تو تمام شرائط انہوں نے توڑ دیئے لڑکے کی والدہ غیر مردوں کے سامنے آتی ہے اور خلوت میں بے حیائی کے کام کرتی ہے تحقیق کیا تو تمام محلہ کے ہمسائے اس کے گواہ پائے اور وہاں وہ لڑکا اپنی والدہ اور غیر مردوں کے پیام پہونچانے اور بلانے میں درمیانی ہے غرض باپ بیٹے دونوں دیوثی کے کام میں شریک ہیں جب میں بخوبی اس امر سے واقف ہوا کہ میری بیٹی کو جو قاری صاحب مشہور و مغفور کی حقیقی نواسی ہے اس کے خاوند نے غیر مردوں کے سامنے کیا اور وہی بے حیائی کا پیشہ اس سے بھی کرانا چاہتا ہے میں نے اس کو گھر بٹھالیا میری لڑکی قرآن شریف مع ترجمہ پڑھتی ہے اور چند کتابیں پڑھ چکی ہے اب آپ کی کتاب اصلاح الرسوم شروع کی ہے جب میری لڑکی ص ۶ پر پہونچی اور سطر تین پڑھی کہ اگر نابالغہ کا نکاح ولی نے غیر کفو سے کر دیا سو اگر باپ دادا نے کسی مصلحت ضروری سے کیا تو صحیح ہے بشرطیکہ ظاہراً کوئی امر خلاف مصلحت نہ ہو ورنہ صحیح نہ ہوگا تو مجھ کو جرأت ہوئی کہ آپ کی خدمت میں یہ عریضہ لکھا مجھ کو اپنی لڑکی ان کے یہاں بھیجنا اور اس ساتھ رکھنا منظور نہیں ہے اور لڑکا یہ کہتا ہے کہ ہم یوں ہی سڑائیں گے اور طلاق ہرگز نہ دیں گے فارغ خطی نہیں دیتا اب میں کیا کروں اگر پہلا نکاح صحیح نہ ہو تو اس کا نکاح کسی نیک آدمی سے کروں یا کیا تدبیر کروں اگر میری لڑکی اب بالغہ ہے وہ اس بلا سے نجات پائے اور اس کا نکاح کسی مرد صالح سے ہو جائے اور میں گنہگاری اور کسی قسم کے مواخذہ میں گرفتار نہ ہوں۔

الجواب۔ عبارت اصلاح الرسوم کی بوجہ اختصار کے مجمل ہے اس مسئلہ میں بہت اختلاف اور تفصیل ہے۔ ملخص اس کا یہ ہے کہ اس میں چند شرطیں ہیں اول صغیرہ کا باپ جس نے نکاح کیا ہے وہ اس نکاح کے قبل سے ناعاقبت اندیش اور بد شفقت مشہور ہو اس وقت یہ نکاح باطل کہا جائے گا دوسرے باطل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ باطل کرنے کے قابل ہے تیسرے باطل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی یعنی حاکم مسلم کے اجلاس میں مقدمہ پیش ہو اور وہ حکم فسخ کا کر دے، چوتھے اس ابطال کی شرط یہ ہے کہ وہ صغیرہ بالغ ہوتے ہی فوراً یہ کہے میں اس نکاح پر رضامند نہیں ہوں پانچویں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حق ابطال اس وقت ہے جبکہ عقد کے وقت زوج نے دعویٰ صالح ہونے کا کیا ہے اور اگر اس سے سکوت کیا پھر اس کا حال خلاف ظاہر ہوا تو حق فسخ حاصل نہیں ہے اور یہ سب شرطیں امام صاحب

کے مذہب کے موافق ہیں ان کے نزدیک نکاح کرنا باپ کا غیر کفو سے صحیح ہوجاتا ہے اور صاحبین کے نزدیک بالکل صحیح نہیں ہوتا پس صورت مسئولہ میں ظاہرا یہ شرائط مجتمع نہیں ہیں اگر واقعی اجتماع ان شرائط کا نہیں ہے تو امام صاحب کے نزدیک اس میں کچھ نہیں ہوسکتا البتہ اگر کسی حاکم مسلمان کے یہاں یہ مقدمہ پیش کیا جائے اور وہ کسی عالم سے فتویٰ حاصل کر کے صاحبین کے مذہب پر حکم کردے یعنی زبان سے کہدے کہ میں نے یہ نکاح فسخ کردیا تو نکاح باطل ہوجائے گا گو وہ حاکم کسی سلطان غیر مسلم کا مقرر کیا ہوا ہو یا کسی طریق سے زوج کو رضامند کر کے خلع یا طلاق کی تدبیر کی جائے۔

والدليل على الشرائط الخمسة المذكورة هذه العبارات في الدر المختار باب الولي انكاح الصغير والصغيرة ولزم النكاح ولو بغبن فاحش او بغير كفو ان كان الولي ابا اوجدالم يعرف منها سوء الاختيار مجانة او فسقا وان عرف لا يصح النكاح اتفاقا في ردالمحتار والحاصل ان المانع هو كون الاب مشهورا بسوء الاختيار فاذا لم يكن مشهورا بذلك ثم زوج بنته من فاسق صح وان تحقق بذلك انه يسيئى الاختيار الٰى قوله ولو كان المانع مجرد تحقق سوء الاختيار بدون الاشتهار الخ وبعد اسطر ثم اعلم ان ما مر عن النوازل من ان النكاح باطل معناه سيبطل كما في الذخيرة لان المسئلة مفروضة فيما اذالم ترض البنت بعد ما كبرت كما صرح به في الخانية والذخيرة وغيرهما وعليه يحمل ما في القنية الخ وفي الدرالمختار باب الكفاءة في جزئية الا اذا شرطوا الكفائة اواخبرهم بها وقت العقد فزوجوها علٰى ذلك ثم ظهر انه غير كفو كان لهم الخيار وفيه لها خيار الفسخ بالبلوغ الٰى قوله بشرط القضاء اهـ وفيه وبطل خيار البكر للسكوت ولا يمتد الٰى اخر المجلس اهـ قلت وما في البزازية زوج بنته من الرجل ظنه مصلحاان لم يكن ابوها يشرب المسكرو لا عرف به و غلبة اهل يتها مصلحون فالنكاح باطل اتفاقاً اهـ يحمل فيه قوله ظنه مصلحا علٰى اخبار الزوج بانه مصلح بناء علٰى مامر من قول الدرالمختار الا اذا شرطوا الكفاءة الخ ويحمل قوله باطل علٰى معنى انه سيبطل كما مرمن تاويل عبارة النوازل فافهم وفي ردالمحتار عن شرح المجمع ان تزويج الاب الصغيرة من غير كفو او بغبن فاحش جائز عنده لا عندهما اهـ والله تعالٰى اعلم۔ ۲ رصفر ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۷ ج ۲)

سوال (۵۶۲) ہندہ نابالغہ کا نکاح ایسے ولی کی ولایت سے ہوا کہ جس کے فسخ کا اختیار بعد بلوغ ہندہ کو حاصل ہے مگر نفاذ فسخ کے واسطے چونکہ ترافع الی القاضی شرط ہے اور آج کل ہندوستان میں سلطنت کفار کی ہے کوئی قاضی اسلام ایسا مقرر نہیں جو تمام قصاص وحدود وغیرہ شرعیہ کا نفاذ کرے (۱)

کہیں پر تو کفار خود نزاعات بین المسلمین کا فیصلہ کرتے ہیں (۲) اور کہیں کفار کی جانب سے ایک مسلمان حاکم ہے کہ نزاع باہمی کا فیصلہ کرے (۳) اور کسی جگہ ان کی طرف سے عالم مقرر ہے کہ بعض نزاع بین المسلمین کا موافق شرع کچھ فیصلہ کردیا کرے (۴) اور کہیں کوئی مقرر نہیں بلکہ وہاں پر مسلمان کسی عالم کو اپنے امور کا حکم بنا لیتے ہیں آیا صورت اولیٰ میں اگر فسخ نکاح ہوا تو وہ فسخ شرعاً معتبر ہے یا نہیں اور صورت ثانیہ وثالثہ ورابعہ کا کیا حکم ہے آیا ان لوگوں کا فیصلہ فسخ نکاح میں جو کہ موافق حکم شرعی ہوا ہو معتبر ہوگا یا نہیں اور ان سب صورتوں میں حکم واحد ہے یا کچھ تفصیل ہے اور بوجہ معدوم ہونے قاضی اسلام کے ہندہ کو خود فسخ کا اختیار ہے یا نہیں نیز اس وقت میں جملہ امور میں جو کہ مفوض بقضاء قاضی ہیں پیش آتے ہیں ان میں کیا تدبیر کی جاوے۔

**الجواب** ۔ في الدرالمختار في خيار الفسخ بشرط القضاء للفسخ في ردالمحتار اى هذا الشرط انما هو للفسخ لا لثبوت الاختيار الخ ج۲ ص۵۰۲ وفي الدرالمختار كتاب القضاء يجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كافرا اھ الهداية ولاتصح ولاية القاضي حتىٰ يجتمع في المولى شرائط الشهادة اھ اى من العقل والبلوغ والإسلام في الهداية فاذا حكم رجلان رجلا فحكم بينهما ورضيا بحكمه جاز لان لهما ولاية علىٰ انفسهما فصح تحكيمها و ينفذ حكمه عليهما قال العيني لاعلىٰ غيرهما حتىٰ لو ظفر المشترى بعيب فحكم هو والبائع رجلا فردعلىٰ البائع بحكمه لم يكن للبائع ان يرده علىٰ بائعه اھ۔

ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوئے اول صورت اولیٰ میں فسخ معتبر نہ ہوگا صورت ثانیہ میں معتبر ہوگا اور صورت ثالثہ میں اگر اس عالم کو حاکمانہ اختیارات دیئے گئے ہیں تو مثل صورت ثانیہ کے فسخ معتبر ہوگا اور اگر صرف درجہ مفتی میں ہے تو معتبر نہ ہوگا اور صورت رابعہ میں جن لوگوں نے حکم بنایا ہے ان کے حق میں معتبر ہوگا دوسروں کے حق میں نہ ہوگا پس مقضی لہ و مقضی علیہ دونوں کا حکم بنانا شرط ہے۔ (۲) خود ہندہ کو اختیار نہیں۔ (۳) سب مل کر حاکم وقت سے درخواست کریں کہ ایسے امور کے لئے ایک مسلمان حاکم مقرر کردے واللہ اعلم۔ ۴؍صفر ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۱ ج ۳)

**سوال (۵۶۳)** ازیں کہ بعد رخصت ارادہ فسخ نکاح کند (وآں نکاح از غیر اب وجد واقع شدہ) دراں وقت گواہ نمودن ضروری است یا نہ ودرمیان قبل رخصت وبعد رخصت در باب فسخ فرق ہست یا نہ اگر ہست چگونہ۔

**الجواب** ۔ في الدرالمختار باب الولي لهما اى لصغير و صغيرة خيار الفسخ ولو بعد الدخول بالبلوغ اوالعلم بالنكاح بعده و فيه وشرط للكل القضاء وفيه ولا

یمتد الٰی اٰخر المجلس وفیہ و تشھد قائلۃ بلغت الاٰن ضرورۃ احیاء الحق از یں روایات جواب جمیع اجزاء حاصل شد۔ ۱۸ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۴۹)

سوال (۵۶۴) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی جس کے ماں باپ مر گئے ہیں صرف ایک نانی رہ گئی ہے اور دادی کا نکاح کیا ہوا تھا جس کے یہاں نکاح کیا گیا تھا وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے لڑکے سے طلاق دلوا دیں گے تو طلاق تو ہو نہیں سکتی کیونکہ لڑکا لڑکی دونوں نابالغ ہیں اب جس وقت لڑکی جوان ہو جاوے اور وہ یہ کہدے کہ میں اس کے یہاں نہیں رہتی تو نکاح ٹوٹ سکتا ہے یعنی طلاق ہو سکتی ہے یا نہیں اور اس کا نکاح دوسری جگہ ہو سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی ردالمحتار وھل تقدم ام الاب علیھا (ای علی ام الام) اوتتاخر عنھا او ترجمھا الٰی قولہ وقد یقال قرابۃ الاب لھا حکم العصبۃ فتقدم ام الاب فلیتامل الخ۔ ملخصا قلت وجزم الخیر الرملی بھذا الاخیرفقال قید فی القنیۃ بالام لان الجدۃ لاب اولٰی من الجدۃ لام قولا واحداثم قال وما جزم بہ الوطی افتی بہ فی الحامدیۃ ج:۲ ص:۵۱۲ وفی درالمختار لھما ای لصغیر وصغیرۃ خیار الفسخ ولو بعد الدخول فی البلوغ الٰی قولہ بشرط القضاء ج۱ ص ۵۰۱ و ۵۰۲۔

ان روایات کی بناء پر جواب مسئلہ کا یہ ہے کہ جب اس نابالغ لڑکی کا نکاح ماں باپ کے مرنے کے بعد دادی نے کر دیا تو نکاح ہو گیا گو نانی کی اجازت نہ ہو اور اس لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد نکاح توڑنے کا اختیار شرعاً تھا مگر اس میں قضاء قاضی شرط ہے جو یہاں مفقود ہے۔ اس لیے اب کوئی صورت نکاح ٹوٹنے کی نہیں ہو سکتی۔ بجز اس کے کہ لڑکا بالغ ہو کر طلاق دیدے جب تک ایسا نہ ہو اس لڑکی کا دوسرا عقد نہیں ہو سکتا۔ ۷ رمضان ۱۳۴۲ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۹۴)

## فسخ شدن نکاح نابالغہ بشہادت کاذبہ بحکم حاکم مسلم

سوال (۵۶۵) مسماۃ کا باپ مر گیا بے رحم چچا نے مسماۃ کا نکاح اس کی غیر موجودگی میں اپنے رشتہ داروں میں کر دیا اور اس کے عوض میں اپنے دوسرے لڑکے کا ناتہ لے لیا۔ مسماۃ کی بڑی دو بہنیں بالغ ہو کر جب گھر والی ہوئیں مسماۃ ابھی نابالغ تھی خیار بلوغ کے شرائط اور قیود خاصہ سے پوری واقفیت حاصل کر کے ان دو بہنوں نے بغرض مخلصی و رستگاری اسے بھی کما ینبغی تعارف و واقفیت کرادی اور تنہائی میں اس سے ان شرائط کا احیاناً امتحان بھی لے لیا کرتیں۔ حسن اتفاق سے ایک دن مسماۃ اپنی دو بہنوں کے پاس بیٹھی تھی کہ اسے آثار بلوغ نمودار ہوئے اس نے ظاہر ہوتے ہی اپنے منہ سے اپنی دونوں بہنوں کے سامنے تین دفعہ کہدیا کہ جو میرا نکاح میرے چچا نے فلاں بن فلاں سے کر دیا تھا میں

نے اسے توڑ دیا بہنوں نے مسماۃ کو اپنے ماموں اور اپنے اخیافی بھائی کے یہاں بھیجد یا اس نے تمام ماجرا بیان کیا۔ ماموں چونکہ ایک ذی علم اور سمجھدار آدمی تھا اس نے مسماۃ سے حلفیہ بیان لیا نیز اس کی دونوں بہنوں کو بلوا بھیجا انہوں نے بھی حلفیہ بیان کیا کہ آثار بلوغ ظاہر ہوتے ہی اس نے اپنا نکاح فسخ کیا ہے۔ سوتیلے بھائی نے عدالت میں چاراجوئی کی۔ جج صاحب کے اجلاس میں مقدمہ پیش ہوا۔ جج صاحب نے لڑکی کو آزاد کر دیا جج صاحب مسلمان ہیں۔ ذی علم ہونے کے علاوہ متقی متشرع صوم وصلوٰۃ کا پابند اور داڑھی مولویوں کی سی ہے۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسماۃ کا سابقہ نکاح جو ستم گر چچا نے کر دیا تھا وہ فسخ ہوگیا ہے یا نہیں۔ و نیز نابالغہ کا نکاح جب حقیقی چچا کر دیوے تو اسے بعد از بلوغ فسخ کا اختیار حاصل ہے یا نہیں۔ شرائط فسخ کے کیا ہیں۔ جب انڈیا اسلامی سلطنت نہیں تو یہاں قضاء قاضی کیونکر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جج صاحب کا فیصلہ قضاء قاضی کے قائم مقام ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی الدرالمختار وللولی انکاح الصغیر والصغیرة الٰی قوله وان کان المزوج غیرهما ای غیر الاب وابیه لایصح النکاح من غیر کفو او بغبن فاحش اصلا وان کان من کفو بمهر المثل صح ولکن لهما ای لصغیر و صغیرة ویلحق بهما خیار الفسخ ولو بعد الدخول بالبلوغ اوالعلم بالنکاح بعده الٰی قوله بشرط القضاء للفسخ فی ردالمحتار وحاصله انه اذا کان المزوج للصغیر والصغیرة غیر الاب والجد فلهما الخیار بالبلوغ والعلم به فان اختار الفسخ لایثبت الفسخ الابشرط القضاء ۔ج۲ ص ۴۹۹ تا ص۵۰۲ وفی الدرالمختار ولا یمتد الی اٰخر المجلس وفی ردالمحتار فلو سکتت ولو قلیلا بطل خیارها ولو قبل تبدل المجلس ج۲ ص۵۰۷ فی الدرالمختار و تشهد قائله بلغت الاٰن وتحصل من مجموع ذلك انها.........لو قالت بلغت الاٰن وفسخت تصدق بلا بینة ولایمین ولو قالت فسخت حین بلغت تصدق بالبینة او الیمین ولو قالت بلغت امس وفسخت فلا بدمن البینة لانها لا تملك انشاء الفسخ فی الحال بخلاف الصورة الثانیة حیث لم تسنده الٰی الماضی فقد حکت ماتملك استینافه فقد ظهر الفرق بین الصورتین وان خفی علٰی صاحب الفصولین کما افاده فی نورالعین ج۲ ص۵۰۲ وفی الدرالمختار ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافراً ج٤ ص۴۷۸ وفی ردالمحتار بخلاف ما اذا کان المجتهد فیه نفس المقضی به قبل القضاء فان القضاء به نافذ بدون تنفیذ واذا رفع الٰی اٰخر نفذه وان لم یکن مذهبه وهذا مامر فی قوله واذا رفع

الیہ حکم قاض اخر نفذہ وبخلاف ماخالف الدلیل فانہ لا ینفذ وان نفذہ الف قاض کما قالہ الزیلعی وھذا ما مر فی قولہ الا ماخالف کتاباً او سنۃ مشھورۃ اواجماعاً اھ ج: ۴ ص: ۵۱۳۔

روایات مذکورہ سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

(۱) نابالغہ کا نکاح جب اس کا چچا کردے تو بمجرد بلوغ اس کو فسخ کردینے کا اختیار ہے۔

(۲) شرائط فسخ بھی معلوم ہوئے۔

(۳) مسلمان جج گو غیر مسلم سلطنت کا مقرر کیا ہوا ہو شرعی قاضی ہے۔

(۴) نفاذ قضاء قاضی مشروط ہے اس کے ساتھ کہ خلاف شریعت فیصلہ نہ ہو۔

اب جواب کے لئے بعد ان روایات کے اس تحقیق کی ضرورت ہے کہ صاحب جج نے یہ فیصلہ کس شہادت کی بناء پر کیا۔ جواب اس پر موقوف ہے۔ ۶ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ

پھر سائل نے اس کا جواب خط سے اس طرح دیا کہ گواہ صرف دو بہنیں تھیں اور ان کو چچا نے گواہی سے روک دیا لہٰذا احیاء حق کی غرض سے دو جعلی گواہوں سے شہادت دلوائی انہوں نے عدالت میں بیان کیا کہ ہمارے سامنے مسماۃ نے بیان کیا کہ میں اسی وقت اسی مجلس میں تمہارے سامنے بالغ ہوئی ہوں اور اپنا نکاح فسخ کرتی ہوں حالانکہ ان دو گواہوں کے سامنے نہ وہ بالغ ہوئی اور نہ ان کے سامنے یہ بیان کیا بلکہ ان دو گواہوں کے سامنے اس لڑکی نے وہی سچا واقعہ بیان کیا۔ اھ ملخصاً۔ اور سائل نے جج کے فیصلہ کی نقل بھی بھیجی ہے اس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ انہوں نے ان ہی کی شہادت پر فسخ کو نافذ کیا ہے۔ لہٰذا جواب ذیل یہاں سے لکھا گیا ہے۔

**الجواب۔** درصورت مسئولہ یہ نکاح فسخ ہوگیا۔ والشاھد ان وان کانا شاھدی زور یاثمان بھذہ الشھادۃ ویجب علیھما التوبۃ لکن القضاء نفذ ظاھراً و باطناً وان ظھر کونھما شاھدی زور لا ینفسخ القضاء ولا یزول اثرہ کما فی العالمگیریۃ ومن جملۃ صور الفسخ صبیۃ وصبی سُبِیَا وھما صغیران فکبرا واعتقا ثم تزوج احدھما الاٰخر ثم جاء حربی مسلماً واقام بینۃ انھا ولداہ فالقاضی یقضی بینھما ویفرق بینھما فان رجع الشاھدان عن شھادتھما حتٰی تبین انھما شھدا بزور لایسع للزوج وطیھا عند ابی حنیفۃؒ لانہ مقضی علیہ بالحرمۃ وقد نفذ القضاء ظاھراً وباطناً وکذلک علٰی قول محمدؒ لایسع للزوج وطیھا لانہ لایعلم بحقیقۃ کذب الشھود (ص: ۱۸۲، ۱۸۳، ج: ۲)

(تتمۂ خامسہ ص ۱۵۹)

## احکام خلع

سوال (۵۶۶) **سوالات** (۱) خلع نزد ابوحنیفہؒ کے طلاق بائن ہے یا کہ فسخ ہے۔؟ (۲) خلع کے بعد طلاق دینی چاہئے یا فقط خلع سے بیوی اجنبی ہوجاتی ہے۔؟ (۳) فسخ میں نکاح وہی رہتا ہے یا کہ دوسرا نکاح ہونا چاہئے۔؟ (۴) اور کتنے مہینے کی عدت کرنی چاہئے۔؟

**جوابات**۔ (۱) طلاق بائن ہے۔ (۲) اس کے بعد طلاق دینے کی حاجت نہیں۔ (۳) فسخ میں نکاح نہیں رہتا ہے۔ (۴) طلاق اور فسخ دونوں میں عدت واجب ہے۔ حائضہ کو تین حیض صغیرہ اور کبیرہ کو تین ماہ اور حاملہ کو وضع حمل۔ فی الدر المختار باب العدة **وھی فی حرة تحیض لطلاق او فسخ** الخ۔ البتہ فسخ میں عدد طلاق نہیں کم ہوتا اور اس کے بعد طلاق واقع نہیں ہوتی کذا فی الدرالمختار باب الولی۔

۹ رذی الحجہ ۱۳۳۵ھ (امداد ثانی ص ۷۶)

سوال (۵۶۷) حالت خلع میں جو بی بی کی جانب سے ہوتا ہے دین مہر شوہر کو ادا کرنا چاہئے یا کیا طریقہ خلع کا ہے۔ فقط

**الجواب**۔ طریقہ خلع کا یہ ہے کہ دونوں میاں بی بی میں ناموافقت ہوئی عورت نے کچھ مال دینا کیا کہ لیکر مجھے چھوڑ دے اور اس مرد نے منظور کرلیا پس یہ خلع ہوگیا اور طلاق بائن پڑگئی اور عورت پر مال مذکور واجب ہوگیا اور اگر مہر سے کم پر کیا ہے تو وہ مقدار مرد سے ساقط ہوگئی باقی ذمہ رہا اور جو مہر سے زیادہ پر کیا تو سارا مہر ساقط ہوگیا اور زیادتی عورت پر واجب رہی پھر یہ کہ یہ زیادتی لینی مرد کو جائز ہے یا نہیں تو عنداللہ تو مکروہ ہے لیکن حاکم دلوادے گا۔ **وان کان النشوز منھا کرھنا لہ ان یاخذ منھا اکثر مما اعطاھا ولو اخذ الزیادة جاز فی القضاء** ھدایة ج اول ص ۳۸۵۔

۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ (امداد ثانی ص ۷۶)

## اشتراط بلوغ زوج در خلع

سوال (۵۶۸) (۱) ہندہ نابالغہ کا عقد بکر نابالغ کے ساتھ ہوا۔ (۲) ہندہ نے وقت بلوغ اپنے بوجہ نابالغی بکر عدالت مجاز میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ کیا جس میں ہندہ کامیاب رہی چونکہ ہندہ شرع محمدی کی پابند ہے بوجوہات ذیل اپنے شوہر سے خلع چاہتی ہے (وجہ اول) ہندہ بالغ ہے بکر بوجہ نابلوغیت حق زوجیت ادا نہیں کرسکتا۔ (دوم) بوجہ بدمزاجی و بدلیاقتی و رنج سابق و رنجش عدالتی بکر کے بالغ ہونے پر بھی ہندہ کو بکر سے امید بہبودی بالکل مفقود ہے (سوم) تابلوغ بکر ہندہ کو اپنے تحفظ عصمت کے علاوہ دین اسلام سے منحرف ہونے کا اندیشہ ہے۔ پس بوجوہات بالا کیا شرع محمدی بکر نابالغ یا اس کے ولی کو

خلع کرنے پر مجبور کرسکتی ہے۔ اگر مجبور کرسکتی ہے تو بحوالہ کتب مع صفحہ وغیرہ کے حکم نافذ فرمایا جاوے۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار وشرط (ای الخلع) کالطلاق فی ردالمحتار وهو اهلية الزوج وكون المرأة محلا للطلاق الخ ج۲ ص ۵۱۹۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب تک لڑکا بالغ نہ ہوجاوے خلع نہیں ہوسکتا۔ اور بالغ ہونے کے بعد بھی شرط یہ ہے کہ وہ اپنی رضامندی سے خلع کرے کوئی اس کو مجبور نہیں کرسکتا۔

۱۳ رذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۹۹)

# فصل فی الظہار والایلاء

## کسی نے کہا ایک سال تک تیرے ساتھ جماع کروں تو اپنی ماں بہن کے ساتھ کروں اور بعد میں کہا کہ میری نیت طلاق کی نہ تھی الخ

سوال (۶۹ ۔) بکر نے اپنی بی بی منکوحہ کو بحالت غصہ یوں کہا کہ اگر میں ایک سال تک تمہارے ساتھ جماع کروں تو اپنی ماں بہن کے ساتھ جماع کروں۔ اور کہتا ہے کہ میری نیت طلاق دینے کی نہ تھی یہ الفاظ ہیں بکر کے اس میں جو حکم شرع کا ہو مفصل فرمادیں۔؟

الجواب۔ یہ قول مرادف ہے انت حرام علی کامی کا اور یہ ظہار ہے علی الاصح فی ردالمحتار تحت قول الدرالمختار وان نوی بانت علی مثل امی او کامی الخ ما نصه قال فی البحر واذانوی به الطلاق کان بائناً کلفظ الحرام وان نوی الایلاء فهو ایلاء عند ابی یوسف وظهار عند محمد والصحيح انه ظهار عند الكل لانه تحريم موكد بالتشبيه اهـ و نظر فيه في الفتح بانه انما يتجه في انت علی حرام كامی وبعد اسطر وقال الخير الرملی وكذا لونوی الحرمة المجردة ينبغی ان يكون ظهاراً الخ ج۲ ص ۹۴۹۔ ۴ / شعبان ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۵۵)

## حکم تشبیہ بالمحارم بقصد طلاق اور زوجہ کو ماں بہن کہنا۔

سوال (۵۷۰) زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو جو ایک نہایت متقیہ اور پرہیزگار عورت ہے کسی شخص سے متہم کیا اور چند تحریرات مندرجہ ذیل لکھیں (نقل تحریرات) یہ تحریر بنام والد ہندہ کے تھی۔

(۱) نورالدین کی بیماری کا حال ہمیشہ اس سے کہدیا جاتا تھا (یہ اشارہ ہندہ کی طرف ہے) اور

اس مرتبہ بھی ان کے آرام کی خوش خبری پہنچادی۔آپ بھی نورالدین سے فرمادیجئے کہ وہ ۲۵ رکوخود آ کرتم سے ملاقات کریں گی اطمینان رکھیں (یہ لفظ قابل غور ہے) یہ شخص نورالدین ہندہ کا رشتہ کا چچا ہے اور بدچلن بھی نہیں ہے۔

(۲) یہ تحریر ہندہ کے نام تھی آپ مرادآباد پہنچ کرخوش تو ضرور ہوئی ہوں گی کیونکہ جن لوگوں کوآپ کا انتظار اور آپ کوان لوگوں کا انتظار تھا بلکہ ان کی دوری بہت شاق تھی ملاقات بخوبی ہوئی ہوگی خیر اللہ آپ کواوران کومبارک کرے۔ہاں اس خط میں منشی صاحب قبلہ نے خیریت نورالدین یا بیماری کی نہیں ارقام فرمائی لہٰذا اگر ناگوار نہ ہوتو آپ اپنے پرچہ پرلکھ دینا کیونکہ مجھ کوخاص طور سے ایسے لوگوں سے محبت ہوتی ہے مجھ کو بڑاافسوس ہے کہ آپ کے والد بزرگوار نے آپ پر بڑاظلم کیا جوایک پردیسی شخص کے نکاح کیا وہ شخص بھی کیسا کہ اول نمبر کا مشکوک اورشکی اورآوارہ اورغریب اور بوڑھا غالباً آپ کا دل تو یہاں میرے پاس آنے کوبھی کبھی نہیں چاہے گا مگر میں اپنی عادت اورآبرو سے مجبور ہوں کہ آپ کو بلانا چاہتا ہوں اگراجازت ہو۔اس خط کاایک ایک فقرہ قابل غورہے۔

(۳) آپ کی حالت دن بدن مخدوش ہوتی جاتی ہوگی احتیاط کرنا اللہ تم کوخیریت سے فراغت دے۔اس میں بھی اشارہ ہے۔

(۴) اب تو خوب اطمینان سے وہاں رہتی ہو۔کوئی خلش نہیں خوب دل بھرلواورخوش رہو اللہ تم کو اورزیادہ توفیق دے۔اس میں بھی اشارہ ہے۔

(۵) یہ مجھ کودعویٰ ہے کہ مجھ سے زیادہ آپ کی قدر دوسرا کبھی نہیں کرسکتا۔اس میں بھی اشارہ ہے اور قابل غور ہے۔یہ سب تحریرات ہیں اور صاف زبان سے بھی بہتان زنا کالگایا اوراس کی والدہ کو جھوٹ اپنے آپ سے تہمت زنا لگائی۔اورکم ازکم سو بار ظہار یعنی ماں بہن کہا اور کہا کہ میرے واسطے ہندہ ایسی ہے جیسی ماں اور بہن۔ہندہ نے چونکہ مسائل شریعت سے خوب واقف تھی اور حدیث شریف خواندہ تھی علیحدگی اختیار کر لی اور بلااجازت زیدرات کواپنے باپ کے یہاں چلی آئی۔اب بعد عرصہ سات برس کے زید چاہتا ہے کہ ہندہ سے موافقت کرے اور یہ بھی کہا کہ ہندہ کا نکاح اس کے باپ کے ساتھ ہوا ہے میرے ساتھ نہیں ہوااوروہ اپنے باپ سے خراب رہتی ہے۔؟

الجواب۔ان تحریرات اوراقوال میں کوئی کلمہ ایسا نہیں ہے کہ جس سے صریح طلاق واقع ہو جائے یا ظہار ہوجاوے۔البتہ دو جملے اس کے محتمل ہیں۔ایک یہ کہ ہندہ میرے واسطے ایسی ہے جیسی ماں اور بہن۔اوردوسرا یہ کہ میرے ساتھ نکاح نہیں ہوا۔سو جملہ اول میں زید سے ہی پوچھا جاوے گا کہ تیری کیا نیت تھی اگر طلاق کی نیت تھی طلاق واقع ہوگی اگر ظہار کی نیت کی تو ظہار واقع ہوگا۔اگر کچھ نیت نہ ہونا ظاہر کرے کچھ بھی نہ ہوگا۔اورطلاق کے شق میں چونکہ کئی بار کہا لہٰذا تین طلاق سے مغلظہ ہو جائے

گی۔ اور ظہار کی شق میں کفارہ ظہار کا واجب ہوگا اور بدون کفارہ کے صحبت حرام ہوگی۔ اور اسی طرح جملۂ ثانیہ میں بھی زید ہی سے پوچھا جاوے گا۔ اگر طلاق کی نیت بیان کرے طلاق ہوگا ورنہ کچھ نہ ہوگا۔

كمافي العالمگيرية ولو قال لامرأة لست لي بامرأة وقال لها ما انا بزوجك الٰى قوله لايقع الطلاق وان قال نويت الطلاق يقع الطلاق في قول ابي حنيفة وبعد اسطر لو قال ما انت لي بامرأة ولست لك بزوج نوى الطلاق يقع عند ابي حنفيةؒ وعندهما لا يقع وبعد اسطر لو قال لها لانكاح بيني وبينك اوقال لم يبق بيني وبينك نكاح يقع الطلاق اذا نوىٰ اهـ فقط والله اعلم۔ ۲۸/جمادی الاولی ۱۳۲۶ھ (تتمۂ اولی ص:۹۷)

سوال (۵۷۱) خاوند نے بہت سہولت کے ساتھ اپنی عورت کو یہ کلمات دو اور عورت اور اپنی ماں کے سامنے کہے کہ مثل میری ماں کے یہ عورت ہے اور یہ لفظ تین مرتبہ کہا اور یہ بھی کہا کہ نکاح بھی ٹوٹ گیا نکاح اس عورت کا اس مرد سے باطل ہوگیا یا قائم رہا۔؟

الجواب۔ في الدر المختار وان نوى بانت علي مثل امي اوكامي وكذا لوحذف علي برا اوظهارا او طلاقا صحت نيته ووقع مانواه لانه كناية ولا ينو شيئًا او حذف الكاف لغاوتعين الاولٰى اى البر يعني الكرامة۔ وفي العالمگيرية باب الكنايات او قال لم يبق بيني وبينك نكاح يقع الطلاق اذا نوى وفيها ففي حالة الرضاء لايقع الطلاق في الالفاظ كلها الابالنية والقول قول الزوج في ترك النية قلت قوله مثل میری ماں کے الخ ترجمہ عبارت انت علي الخ وقوله نکاح بھی الخ هو حاصل قوله لم يبق وقوله بہت سہولت دليل الرضاء۔ بناء بر روایت مذکورہ جواب یہ ہے کہ اگر اس شخص نے ان الفاظ سے نیت کی طلاق کی ہے تب تو تینوں طلاق واقع ہوگئیں۔ اب نہ رجعت ہوسکتی ہے اور نہ بدون حلالہ کے تجدید نکاح ہوسکتی ہے اور اگر نیت طلاق کی نہیں کی تو بیان کرے کہ کیا نیت کی ہے اس وقت جواب دیا جائے گا۔

۸ محرم ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۹۸)

سوال (۵۷۲) سائل کی دختر مسماۃ حلیماً کا نکاح ہمراہ مسمی جی موں عرصہ ایک سال کا ہوا ہوگیا تھا۔ حقوق زوجہ کے ادا کرنے اور اس کو نان ونفقہ دینے کا اس کا خیال تک نہیں ہے عرصہ تقریباً ۴ ماہ کا ہوا بلا وجہ گھر میں اپنی زوجہ کے ساتھ درپے فساد ہوگیا اور روبرو چند کسان اپنی زوجہ سے کئی مرتبہ یہ کہا کہ تو میری ماں ہے۔ سائل نے عرصہ تقریباً ساڑھے تین ماہ کا ہوا دیہات کے لوگوں کو بغرض کرانے فیصلہ جمع کیا تو مسمی جھنڈ وکمبوہ نے جیموں مذکور سے کہا کہ تو اس بات کو جانے دے ایسے الفاظ کہنے سے تو ہمارے یہاں بھی پھیرے ٹوٹ جاتے ہیں اس پر جیموں نے کہا میں کسی چیز کا خریدار نہیں ہوں اور ایک کیا چودہ دفعہ میں اس کو ماں کہتا ہوں۔ تو کیا بموجب شرع شریف کے جھگڑے وفساد کے موقع پر اور تصفیہ کی

پنچایت میں ایسے الفاظ کہنے سے مسماۃ مذکورہ کو طلاق بائن پڑ چکی ہے یا نہیں۔؟

**الجواب**۔ یہ کہنا کہ تو میری ماں ہے محض لغو ہے۔ اس سے کچھ نہیں ہوتا اور یہ کہنا کہ میں کسی چیز کا خریدار نہیں محتمل کنایہ کا تھا۔ مگر عالمگیریہ میں تصریح ہے کہ اس سے بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اس کی عبارت یہ ہے۔ اذا قال لا اریدك او لا احبك او لا اشهيك او لا رغبة فيك فانه لايقع وان نوى فی قول ابی حنيفةؒ كذا فی البحر الرائق ج:۲ ص:۶۹ ـ ۲۹ ر ذیقعدہ ۱۳۴۰ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۲۶)

## حکم گفتن ایں لفظ کہ تجھ کو رکھوں تو اپنی ماں بہن کو رکھوں وغیرہ

سوال (۵۷۳) علماء دین شرع متین در باب ایں مسئلہ چہ فرمایند ایک شخص نے اپنی زوجہ ہندہ کو چند بار زدوکوب کیا اور زبان سے اپنی یہ الفاظ نکالا کہ تجھ کو رکھوں تو اپنی ماں کو رکھوں۔ اور وہ شخص وہاں سے آن کر اپنے برادر معظم سے کہا کہ تو مہر مصروف یعنی روپیہ دے میں چھوڑ دوں یا طلاق دیدوں۔ تو اس کے بھائی نے کہا میں نہیں دوں گا روپیہ آیا اس پر طلاق ہوا کہ کفارہ۔ مع حوالہ کتب بیان فرمایئے گا۔؟

**الجواب**۔ یہ جو کہا تجھ کو رکھوں تو اپنی ماں کو رکھوں یہ صیغہ تعلیق کا ہے اور یہ عبارت ظہار اور طلاق دونوں کو محتمل ہے اور تعلیق طلاق وظہار دونوں کی جائز ہے۔ پس اگر اس عبارت سے نیت طلاق کی کی ہے تو طلاق [1] واقع ہوگئی اور چونکہ کنایہ ہے لہٰذا طلاق بائن واقع ہوگئی اور اگر نیت ظہار کی کی ہے تو ظہار ہوگیا اور کفارہ واجب ہوگا۔ اور یہ جو کہا کہ چھوڑ دوں یا طلاق دیدوں اگر یہ عبارت اس متکلم کے محاورہ میں صیغہ حال میں مستعمل ہے بمعنی اس کے کہ طلاق دیتا ہوں یا چھوڑتا ہوں تو طلاق واقع ہوجائے گی اور چونکہ صریحہ ہے لہٰذا رجعی واقع ہوگی۔ اور اگر یہ عبارت اس کے محاورہ میں بمعنی وعدہ کے مستعمل ہے تو طلاق نہ ہوگی۔ والكل ظاهر مشهور من القواعد والروايات۔ فقط ۱۰ ر شوال ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۷۴ ج ۲)

## در تحقیق بعض مسائل مندرجہ تتمۂ اولیٰ وثانیہ امداد الفتاویٰ

سوال (۵۷۴) تتمۂ جلد ۲ ص ۸۷ چچا تدین سے نگرانی پر قادر ہوا الخ غرض سوال از ولایت مال است۔ نہ از حضانت صبی۔ ولایت مال عم را نمی رسد (الولی فی النكاح لا المال) قوله لاالمال فان الولی فيه الاب ووصيه والجد ووصيه والقاضی و نائبه فقط شامی دون الاخ والعم ۱۲ شامی ۔ قال الزيلعی واما ماعدا الاصول من العصبة كالعم والاخ لايصح اذ نهم ليس لهم ان يتصرفوا فی ماله تجارة ۱۲ شامی۔

---

(۱) کیونکہ تصدیق ایسے امر کے ساتھ ہے جو بالفعل متحقق ہے لہٰذا وجود شرط کی وجہ جزاء مرتب ہوگئی ۱۲ منہ

## در بہشتی زیور حصہ چہارم باب ظہار الخ

سوال (۵۷۵) در بہشتی زیور حصہ چہارم باب ظہار ص ۵۵ فرمودند (مسئلہ کسی نے یوں کہا کہ اگر تجھ کو رکھوں تو ماں کو رکھوں الخ اس سے کچھ نہیں ہوا) ودر فتاویٰ امدادیہ ص: ۵۴ جلد دوم فرمودند (الجواب یہ جو کہا تجھ کو رکھوں تو اپنی ماں کو رکھوں یہ صیغہ تعلیق کا ہے اور یہ عبارت ظہار اور طلاق دونوں کو محتمل ہے الخ) ایں ظاہراً ناقض است پس درحواشی یادر ترجیح الراجح دفع آں ثبت فرمایند تا کہ عوام الناس خصوصاً عورات خالیۃ الذہن در غلطی و حیرانی نہ افتند۔ ہر چند خیال کردہ شد تفاوت صرف در لفظ (اپنی است وایں کدام زائد فائدہ نہ بخشیدہ۔ وسند کدام کتاب فقہ کہ خاص جزئی باشد در ہر دو کتابان غیر موجود است تا سند نہ آرند اطمینان نخواہد شد۔

## در تحقیق قول قائل بزن الخ

سوال (۵۷۶) تین مرتبہ ایک شخص نے اپنی عورت سے حالت غصہ میں کہا کہ میں تجھے رکھوں تو اپنی ماں بہن کو رکھوں اور طلاق کی نیت کی پس اس صورت میں کیسی طلاق ہوگی مغلظہ یا بائن قائل جاہل ہے عدد طلاق تغلیظ اور تاکید نہیں سمجھ سکتا عالمگیری کے باب ظہار میں ایک جزئی موجود ہے اس کے الفاظ یہ ہیں لو قال ان وطئتک و طئت امی فلا شیئی علیه اس کے مقتضی سے تو کوئی طلاق نہ ہونی چاہئے اور جملہ کے لغو ہونے کی وجہ سے نیت کا بھی اعتبار نہ ہوگا۔ حضرت مولانا محمد رشید صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی یہی رائے ہے مگر یہ جملہ انت علی حرام کے ہم معنی بتاویل ہوسکتا ہے اور اس کا حکم ایک مرتبہ میں طلاق بالکنایہ اور تین مرتبہ میں مغلظ ہے پس کیا جملہ مقولہ اس پر محمول ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجوابات۔ فی الدر المختار باب الظهار فی حکم قوله انت علی مثل امی او کامی ما نصه ولا ینو شیئًا اوحذف الکاف لغاو فی ردالمحتار عن الفتح انه لابد من التصریح بالاداة ۔ ج۲ ص ۹۴۹ وص ۹۵۰ ۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ تفصیل نیت کی اس صورت میں ہے جب حرف تشبیہ بھی مصرحاً مذکور ہو ورنہ لغو ہوگا اور جملہ مسئول عنہا میں تصریح حرف تشبیہ کی نہیں ہے اس لئے باوجود نیت کے لغو ہوگا اور اسی قاعدہ پر مبنی ہے جزئیہ عالمگیریہ کا حکم کہ اس میں بھی ادات تشبیہ نہیں حتی کہ اگر یوں کہا ہو کہ اگر تجھ کو رکھوں لوگویا ماں بہن کو رکھوں اس وقت اس میں تفصیل وہی تفصیل ہوگی ان نوی برا اوظهارا او طلاقا صحت نیته اور سوال میں نیت طلاق کی مذکور ہے پس طلاق بائن ہوگی۔ فی ردالمحتار عن البحر واذانوی به الطلاق کان بائنا اھ تحت قوله انت علی مثل امی او کامی............ ج وص مذکورین لیکن اس فتوی کو دوچار جگہ دکھلا بھی دیا جاوے اس

کے بعد قابل اطمینان سمجھا جاوے۔ ۷؍ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

## عدم تحقیق ظہار بگفتن زوج زوجہ خود را بوقت اطلاع نکاح با بنت عم کہ ایں ہمشیرہ من است مرا ایں نکاح منظور نیست وحکم عدم فسخ نکاح کہ بتولیت پدر شدہ بوجہ عدم قبول بعد بلوغ

سوال (۵۷۷) زید کا اپنے بنت العم ہندہ سے بزمانہ عدم بلوغ بتولیت اب زید نکاح ہوا اور بلوغ واطلاع پر اس نے یوں کہا کہ وہ تو میری بہن ہے مجھے یہ نکاح منظور نہیں۔ کیا طلاق ہو جاوے گی یا ظہار ہو گا یا کچھ نہیں۔ اور اب اگر جدید طلاق دے تو کیا اس کے بھائی سے نکاح کر دینے میں مطلقہ کے بلوغ کا انتظار دیکھنا پڑے گا۔ لڑکا بالغ ہو گیا ہے مگر ہندہ ابھی تک نابالغ ہے۔؟

الجواب۔ یہ نکاح لازم ہو گیا۔ اور اس کہنے سے نہ طلاق ہوئی نہ ظہار۔ محض لغو ہے۔ اور اگر اب طلاق دے تو نکاح زوج ثانی میں زوجہ کے بلوغ کا انتظار ضروری نہیں بشرطیکہ کوئی ولی نکاح کرنے والا ہو۔ ۲۹؍جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۳۳)

## طریق تفریق از عنین

سوال (۵۷۸) مسماۃ ہندہ کے ولیوں نے نکاح اس کا زید کے ساتھ کر دیا اور در حالیکہ یہ دونوں جوان اور بالغ تھے زید رجولیت سے خارج تھا دو سال ہندہ نے بتقاضاء شرم وحجاب اس امر کو پوشیدہ رکھا۔ اس کے بعد یہ راز سربستہ فاش ہوا اور ہندہ کے ولیوں نے زید اور اس کے ولیوں سے خلع کی درخواست کی انہوں نے علاج کی غرض سے دو دو چار چار اور چھ چھ مہینے کی کتنی مہلتیں لیں اور زید نے دور دور مقامات میں نامی اور حاذق طبیبوں کے پاس جا کر علاج کیا پورے چار سال مہلت اور علاج میں گزرے اور کچھ سود نہ ہوا۔ مسماۃ ہندہ اور اس کے ولیوں نے یک لخت مدت چھ سال صبر کیا اب ان کو یارائے صبر مزید باقی نہیں۔ وے طلاق چاہتے ہیں اور زید اور اس کے ولی اب بھی طلاق دینے سے گریز کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں علماء دین اور مفتیان شرع کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ چونکہ انکار طلاق کے وقت حاکم شرعی کی تفریق کی ضرورت پڑتی ہے اور وہ اس ملک میں نہیں ہے لہٰذا تفریق کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو شوہر طلاق دیدے یا دونوں زن وشوہر برضامندی کسی عالم یا فہیم کو اپنی طرف سے اس مقدمہ میں حکم مقرر کر کے اس کے روبرو پیش کریں اور وہ اگر عالم ہو تو خود موافق قواعد شرعیہ اور اگر عالم نہ ہو تو کسی عالم سے اس کا طریقہ دریافت کر کے اسی کے موافق دونوں میں تفریق کرا دے۔ البتہ اگر کوئی مسلمان حاکم جو منجانب گورنمنٹ مامور ہو اور ایسے معاملات کے قانوناً اس کو اختیارات دیئے گئے ہوں بعد رجوع نالش کسی عالم سے تفریق قاضی کے معتبر

ہے اور اگر شوہر نہ طلاق دے نہ دونوں برضاء خود کسی کو حکم ٹھیراویں نہ کوئی مسلمان حاکم اس قسم کا میسر ہو تو عورت یا اس کے اولیاء بجز صبر کے کچھ نہیں کر سکتے۔

والروایات المثبتة لما ذکر هٰذه فی الدرالمختار فان وطی مرة فیها والابانت بالتفریق من القاضی ان ابی طلاقها بطلبها وهو علی التراخی لا الفور فلو وجدته عنینا او مجبوباً ولم تخاصم زمانالم یبطل حقها وکذا لو خاصمته ثم ترکته مدة فلها المطالبة ولو ضاجعته تلك الایام خانیة وفی الدرالمختار کتاب المفقود وفی واقعات المفتی لقدرأی افندی معزیاللقنیة انه انما یحکم بموته بقضاء لانه امر محتمل فمالم ینضم الیه القضاء لایکون حجة اهـ وفی الدرالمختار ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولوکافر اذکره مسکین وغیره الخ و فی الدرالمختار هو (ای التحکیم) تولیة الخصمین حاکما یحکم بینهما وفیه فان حکم لزمهما ولا یتعدی الٰی غیرهما. والله اعلم۔ ۶ رمضان المبارک ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۸۴ ج ۲)

سوال (۵۷۹) ایک سنی حنفی المذہب ہے اس نے ایک قادیانی لڑکی سے لاعلمی میں نکاح کیا لڑکی اس بنیاد پر کہ لڑکا عنین ہے فسخ نکاح چاہتی ہے اور طالب مہر ہے شریعت میں ایسا نکاح نکاح شرعی ہوا اور قابلیت انفساخ رکھتا ہے یا ایک معاملہ باطل بنفسہ ہوا جو قابلیت انفساخ نہیں رکھتا اور اس پر کوئی ترتب احکام شرعیہ ہو سکتا ہے یا نہیں اور وہ مہر پا سکتی ہے یا نہیں۔

الجواب۔ صحت نکاح کے لئے مردے بمعنی مذکر بودن تو شرط ہے لیکن بمعنی قدرت علی الجماع شرط نہیں پس عنین سے نکاح تو صحیح ہو جاوے گا لیکن زوج کے عنین ہونے کی صورت میں اگر عورت تفریق چاہے تو اس کا طریقہ شرعاً یہ ہے کہ عورت قاضی کے اجلاس میں درخواست دے کہ اس کے عنین ہونے کے سبب میں اس سے علیحدگی چاہتی ہوں (قاضی سے مراد حاکم مسلم ہے گو منجانب سلطنت غیر مسلم کے مقرر ہو کذا فی الدرالمختار وردالمحتار) قاضی مرد سے دریافت کرے کہ اس کا دعویٰ عنین ہونے کا صحیح ہے یا نہیں۔ اگر وہ صحیح بتلاوے تو قاضی اس کو علاج کے لئے ایک سال کی مہلت دے اور اگر وہ تغلیط کرے اور کہے کہ میں اس سے ہم بستر ہوا ہوں تو اگر وہ نکاح کیوقت باکرہ تھی یعنی باکرہ ہونے کی حالت میں اس کا نکاح ہوا تھا تو اب ایک یا دو معتبر ماہر عورتوں کو دکھلایا جاویگا کہ وہ اب باکرہ ہے یا ثیبہ۔ اگر وہ باکرہ بتلاویں تو عورت کو راست گو سمجھ کر مرد کو علاج کے لئے اس صورت میں مرد کو بھی مہلت دی جائے گی۔ اور اگر وہ ثیبہ بتلادیں یا کہ نکاح ہی ثیبہ سے ہوا تھا تو اس صورت میں مرد سے حلف لیا جاوے گا کہ میں اس سے ہم بستر ہوا ہوں۔ اگر وہ اس پر حلف کر لے تو عورت کا دعویٰ خارج ہو جاویگا اور اگر اس حلف سے انکار کرے تو پھر عورت کا دعویٰ صحیح قرار دیکر مرد کو علاج کیلیے ایک سال کی مہلت دی

جاوے گی۔ اور جن صورتوں ایک سال کی مہلت لی ہے اس ایک سال گزرنے کے بعد اگر عورت سکوت کرے تو حاکم دست اندازی نہ کرے گا اور اگر عورت پھر درخواست دے کہ یہ اب تک بھی ہم بستر نہیں ہوا تو قاضی پھر مرد سے دریافت کرے گا اگر وہ اس دعوے کو صحیح مانے تو عورت کو کہا جاوے گا کہ اب تم کو اختیار دیا جاتا ہے خواہ اس کے ساتھ اسی حالت میں رہو یا تفریق کو اسی مجلس میں یعنی اجلاس برخاست ہونے سے پہلے اختیار کرو اگر وہ تفریق کو اختیار کرے تو اس وقت قاضی مرد سے کہے کہ اس کو طلاق دیدو اگر وہ طلاق نہ دے تو قاضی زبان سے کہدے کہ میں نے دونوں میں تفریق کر دی بس اس سے بھی طلاق بائن واقع ہوگی اور اس میں پورا مہر اور عدت سب لازم ہے۔ لصحۃ الخلوۃ مع العنۃ۔ اور اگر مجلس میں اس نے تفریق کو اختیار نہ کیا تو پھر اختیار عورت کا باطل ہو جاوے گا اور اگر اس دریافت کرنے پر وہ مرد اس عورت کی تکذیب کرے یعنی دعویٰ ہم بستری کا کرے تو پھر اس میں وہی تفصیل مذکور ہے کہ اگر وہ نکاح کے وقت باکرہ تھی تو اب ایک یا دو معتبر عورتوں کو دکھلایا جاوے گا اگر وہ اب بھی باکرہ بتلاویں تو اس عورت کا قول صحیح قرار دیکر مثل بالا اس کو اختیار تفریق کا دیا جاوے گا اور مہر وعدت لازم ہوگی اور بصورت اس کے تفریق کو اختیار کرنے کے قاضی تفریق کر دے گا اور اگر وہ ثیبہ بتلاویں یا کہ وہ نکاح کے وقت ہی ثیبہ تھی تو مرد اگر اپنے قول پر حلف کر لے تو عورت کا دعویٰ خارج ہو جاوے گا اور اگر حلف سے انکار کرے تو پھر دعویٰ عورت کا صحیح قرار دیکر اس کو تفریق کا اختیار دیا جائے گا مع لزوم مہر وعدت اور یہ تمام تر تفصیل درمختار و ردالمحتار میں ہے۔ مگر یہ سب اس وقت ہے جبکہ نکاح کو صحیح قرار دیا جاوے اور بناء سوال صرف مرد کا عنین ہونا ہو یا اور اگر کوئی وجہ مقتضی عدم صحت نکاح کی پائی جاوے مثلاً وہ لڑکی مرزا کو نبی مانتی ہو یا اور کسی عقیدہ غیر اسلامیہ کی معتقد ہو تو بوجہ اس کے کہ ارتداد مانع نکاح ہے یہ نکاح ہی صحیح نہ ہوگا اور بدون طلاق ہی زوجین میں سے ہر شخص کو علیحدہ ہو جانے کا اختیار حاصل ہوگا اور اس میں اگر وطی پائی جاوے تو مہر وعدت دونوں لازم ہیں۔ لیکن مہر اگر مہر مثل سے زیادہ مقرر ہو تو صرف مہر مثل لازم ہے اور بدون وطی کچھ بھی لازم نہیں۔ کذا فی الدر المختار باب المهر۔

۱۱ رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۶۳)

# فصل في العِدّة والرَّجْعَة

## وجوب عدت وفات درخانہ زوج

سوال (۵۸۰) جو شوہر بیوی سے ناراض ہو کر اس کو میکے بھیجدے اور پھر اس کا انتقال ہو جائے تو عدت وفات عورت کہاں پوری کرے۔؟

الجواب۔ فی الھدایۃ تعتد فی المنزل یضاف الیھا بالسکنی حال وقوع الفرقۃ والموت ولھذا لو زارت اھلھا وطلقھا زوجھا کان علیھا ان تعود الی منزلھا فتعتد فیہ۔
اس روایت سے معلوم ہوا کہ سکنی عارضی غیر معتبر ہے چونکہ صورت مسئولہ میں ظاہر ہے کہ میکہ میں آنا ایک امر اتفاقی اور عارضی ہے لہٰذا اس اضافت کا اعتبار نہ ہوگا۔ پس اس عورت کو عدت وفات اپنے شوہر کے گھر میں پورا کرنا چاہئے۔ الا بعذر معتبر شرعاً فصلوہ۔ فقط واللہ اعلم۔ ۲۵ / محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۸ ج ۲)

## عدم جواز سفر حج در عدت اگر چہ دریک جا بودن متوقع نہ باشد

سوال (۵۸۱) جناب قبلہ و کعبہ ام تسلیمات دست بستہ قبول ہو مجھ کو یہ بات ناممکن ہے کہ ایک جگہ ایام عدت پورے ہوں جگہ ضرور چھوڑنی ہوگی تو ایسی صورت میں اگر حج ہی کو چلی جاؤں تو کیا نقصان ہے۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار باب الحداد ولا یخرج الی قولہ من بیتھا فی ردالمحتار والمراد بہ مایضاف الیھا بالسکنی حال وقوع الفرقۃ والموت ھدایۃ وفی الدر المختار الا ان تخرج او ینھدم المنزل الی قولہ فتخرج لاقرب موضع الیہ فی ردالمحتار وحکم ما انتقلت الیہ حکم المسکن الاصلی فلاتخرج منہ بحر۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ عدت کے اندر بلاضرورت شدیدہ و مجبوری اس گھر سے نکلنا جائز نہیں جو وفات شوہر کے وقت اس عورت کے رہنے کا تھا اور جو ایسا ہی جان و مال کے تلف ہونے کا اور کوئی اندیشہ ہو تو اس وقت اور کسی مکان میں جو حتی الامکان پہلے مکان سے قریب ہو جا کر رہے پھر ان میں سے نکلنا جائز نہ ہوگا بہر حال سفر جائز نہیں خواہ حج کا ہو یا غیر حج کا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
۱۵ / رمضان ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۶۲ ج ۲)

## جواز نقل معتدہ بضرورت مرض و استیفاء دیون وغیرہ

سوال (۵۸۲) حالت عدت میں کانوں کی بالیاں پہننا بھی کیا زینت میں داخل ہے ان کو تو وہ عورتیں بھی پہن لیتی ہیں جو بوجہ جہالت کے عمر بھر سوگ قائم رکھنا اور نیت یا پھول وغیرہ کے استعمال سے گریز کرنا چاہتی ہیں۔ (۲) معتدۃ الموت اگر اس قدر مریض ہو کہ بظاہر امید جاں بری نہ ہو اور شوہر کے گھر میں جہاں وہ عدت گزار رہی ہے برادری کی مستورات کے آنے جانے اور میت کے غیر مشروع تذکرہ یا نوحہ و بین اور رونے دھونے سے یا مشروع زاری اور تذکرہ سے مریضہ کا مرض زیادہ ہوتا ہو یا بچوں کے شور و غل سے بیماری بڑھتی ہو اور اس کا انسداد ممکن نہ ہو کیونکہ دوسرا گھر ہونے کی وجہ سے نہ زور

دیا جاسکتا ہے نہ اثر پذیر ہوسکتا ہے پس ایسی حالت میں معتدہ مریضہ کا وہاں سے منتقل کرنا اور اپنے گھر لے آنا جائز ہے یا نہیں۔ (۳) معتدہ مریضہ اگر شہر کے اطباء کے معالجہ سے صحت نہ پائے اور اطباء شہر کی تشخیص کے باعث کوئی معالجہ بھی کافی نہ ہوسکے تو بغرض علاج یا تشخیص مرض دوسرے شہر میں لے جانا یا معالجہ کے لئے چندروز دوسرے شہر میں قیام کرنا جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار بترك الزينة بحلي وفي ردالمحتار اى بجميع انواعه من فضة وذهب وجواهر قهستاني الخ وفي الدرالمختار وتعتدان في بيت وجبت فيه الا ان تخرج او ينهدم المنزل او تخاف انهدامه او تلف مالها او لاتجد كراء البيت و نحو ذلك من الضرورة الخ۔

روایت اولیٰ سے جواب سوال اول کا معلوم ہوگیا کہ درست نہیں اور کسی کا اس کو زینت نہ سمجھنا اس کی زینت واقعی ہونے کو رفع نہیں کرسکتا۔ اور روایت ثانیہ سے سوال دوم وسوم کا جواب معلوم ہوگیا کہ دوسری جگہ منتقل کرنا اور دوسرے شہر میں لیجانا درست ہے ونحو ذلک کے عموم میں یقیناً یہ صورتیں داخل ہیں بلکہ خوف تلف مال کو جب ضرورت قرار دیا ہے اس میں خوف تلف نفس یا خوف تلف صحت ہے جو مال سے یقیناً اعز واکرم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ج دوم ص ۶۶)

سوال (۵۸۳) ایک عورت نانوتہ کی رہنے والی الور میں اپنے شوہر کے ساتھ آکر بیوہ ہوگئی اور اپنی بہن کے پاس ہے کچھ چنے گیہوں ان کی کاشت میں نانوتہ کی زمین میں کھڑے ہیں اور وہ اپنے سامنے کٹوانا ضروری ہے ورنہ بعضے قرض خواہ اس غلہ کو روک دیں گے۔ آیا اس معتدہ کو اس کی بہن نانوتہ میں لیجاسکتی ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ في الدرالمختار وتعتدان اى معتدة طلاق وموت في بيت وجبت فيه ولا تخرجان منه الا ان تخرج اوينهدم المنزل او تخاف انهدامه او تلف مالها او لاتجد كراء البيت و نحو ذلك من الضرورة الخ ج۲ ص ۱۰۲۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ بضرورت مذکور فی السوال وہ معتدہ نانوتہ آسکتی ہے۔ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص:۳۲)

## ابتدائے عدت دراستکتاب مقید بدستخط از وقت دستخط

سوال (۵۸۴) مسمّٰی زید زوجۂ خود مسماۃ ہندہ با حلف باللہ گفت شما زمکان من بیروں شوشما راہر گز دعویٰ نخواہم کرد۔ پس ہندہ مسطورہ در جوابش گفت کہ حلف شما ہیچ اعتبارے نیست مرا یک کاغذ نوشتہ دہ یعنی طلاق نامہ۔ پس دراں وقت بوجہ عدم میسر کاتب زید مذکور روبرو چہار اشخاص بدست زوجۂ خود یک کاغذ سادہ دادہ گفت کہ ہرگاہ ترا نویسندہ میسر شود طلاق نامہ نویسانیدہ از من دستخط ببری۔ بعد چندروز زید

مذکور بنز د ہندہ مسطور رفتہ گفت شما نزد من بیا یا روپیہ من بدہ پس ہندہ گفت اگر شما از من دعویٰ کنی شما در طلاق نامہ دستخط کنید پس روپیہ شما بدہم پس دریں وقت زید در طلاق نامہ دستخط نمودہ از ہندہ روپیہ اخذ نمودہ اندریں صورت بمطابق ملت عزا وشریعت بیضاء از کدام وقت عدت طلاق شمار کردہ شود۔؟

الجواب۔ فی ردالمحتار وان کانت مرسومة یقع الطلاق نوی اولم ینووفیه لو قال للکاتب اکتب طلاق امرأتی کان اقراراً بالطلاق وان لم یکتب فیه ولو استکتب (ای غیر الزوج) من اخر کتاباً لطلاقها وقرأه علیٰ الزوج فاخذه الزوج وختمه و عنونه وبعث به الیها فاتاهاوقع ان اقرالزوج انه کتابه اوقال للرجل ابعث به الیها الخ اهـ قلت وفی الصورة المسئولة عنها لم یتحقق الکتابة حتیٰ تدخل فی الروایة الاولیٰ الاستکتاب المطلق حتیٰ تدخل فی الروایة الثانیة بل الاذن بالاستکتاب مقیدا بقوله از من دستخط ببری فیتوقف وقوع الطلاق علیٰ تحقق هذا القید فکان نظیر ما فی الروایة الثالثة۔ خلاصہ جواب آنکہ از وقت دستخط طلاق واقع شدہ پس عدت از ہمیں وقت شمار کردہ شود۔واللہ اعلم ۲۵ رشوال ۲۴ھ (امداد ۶۸ ج ۲)

## عدت مطلقہ کہ قبل بلوغ خلوت شدہ باشد

سوال (۵۸۵) ایک لڑکی ولڑکا نابالغ کا نکاح ہوا اب بالغ ہونے پر طلاق ہوگیا رضامندی سے عدت اس کی ہوئی یا نہیں ایک مرتبہ نابالغی میں اپنی سسرال گئی تھی پھر جب سے کبھی نہیں گئی اور لڑکی اور لڑکے کی والدہ والد دونوں موجود تھے اور اب تک موجود ہیں۔سو آپ عدت کے بارے میں تحریر فرمائیں۔؟

الجواب۔جب سے ان میں نکاح ہوا ہے اگر کسی وقت دونوں کو تنہائی میں یکجائی ہوئی ہے جہاں دوسرے کے جانے کا اندیشہ نہ ہو تو عدت واجب ہوگی گو نابالغی کی صورت میں یہ خلوت صحیحہ نہ ہو۔اور اگر بعد بلوغ کے ایسا اتفاق ہوا ہے تو خلوت صحیحہ بھی ہوگی اور عدت ہر حال میں واجب ہوگی البتہ اگر کبھی ایسا اتفاق نہ ہوا ہو تو عدت واجب نہ ہوگی اور عدت حیض والی کی تین حیض ہے اور جس کو نابالغی سے حیض نہ آتا ہو اس کی تین ماہ عدت کے ہیں۔

فی ردالمحتار باب المهر۔ تحت قوله ولوبزوج هکذا الباء للمصاجة ای ولو کان الصغر مصاحب الزوج یعنی لافرق بین ان یکون الزوج والزوجة اوکل منهما صغیرا اهـ ح قال فی البحروفی خلوة الصغیر الذی لایقدر علیٰ الجماع قولان وجزم قاضی خان بعدم الصحة فکان هو المعتمد ولذا قیل فی الذخیرة بالمراهق وتجب

العدة بخلوته وان كانت فاسدة لان تصريحهم بوجوبها بالخلوة الفاسدة شامل لخلوة الصبى كذا فى البحر من باب العدة ج ۲ ص ۵۵ ۔ والله اعلم۔

۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ (امداد ص ۱۷ ج ۲)

## عدت منکوحۃ الغیر بعد وفات زوج ثانی

سوال (۵۸۶) ایک عورت اپنے خاوند سے لڑ بھڑ کر کہیں چلی گئی تو چار برس کے بعد اس نے کسی اور شخص سے خود نکاح کرلیا یا کسی دوسرے شخصوں نے زبردستی کرادیا تھا تو اب وہ دوسرا خاوند فوت ہوگیا اس سے ایک لڑکی ایک لڑکا موجود ہے اور اس کے پہلے خاوند سے جو کہا گیا کہ اس کو طلاق دیدے تو فوراً اس نے یہ کہا کہ جب میرے گھر سے چلی گئی تو جب ہی طلاق ہے یہ بھی نہیں معلوم کہ طلاق ہے کہا یا طلاق ہوگئی۔ تو اب اس کی عدت گزرنے پر دوسرا شخص نکاح کرسکتا ہے یا نہیں یا ویسے کرلیں۔ درست ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فى الدرالمختار باب العدة المنكوحة نكاحاً فاسداً والموطوءة بشبهة ومنه تزوج امرأة الغير غير عالم بحالها كما سيجيئى الى قوله الحيض (هو خبر عدة) للموت اى موت الوطى وغيرها وفيه فى اخرالباب وكذا لاعدة لو تزوج امرأة الغير ووطيها عالما بذلك ودخل بها الخ۔

پس صورت مسئولہ میں جس شخص سے دوسرا نکاح ہوا ہے اگر اس کو خبر تھی کہ یہ کسی کی منکوحہ ہے تب تو عدت واجب نہیں اور اگر خبر نہ تھی عدت واجب ہے اور عدت اس کی حیض ہی سے ہے اور شوہر اول نے جس وقت کہا ہے کہ طلاق ہے یا طلاق ہوگئی اس کہنے سے طلاق ہوگئی اور عدت اسی وقت سے شمار کی جائے گی۔ پس یہاں کئی صورتیں پیدا ہوں گی ایک یہ کہ شوہر اول کے طلاق دینے کے بعد عدت گزر گئی اس وقت شوہر ثانی کی وفات ہوگئی اور اس کو منکوحہ ہونے کا علم نہ تھا تو اس صورت میں اس عورت کی عدت تین حیض ہیں دوسری صورت یہ کہ شوہر اول کی عدت گزرنے کے بعد شوہر ثانی کی وفات ہوئی اور اس کو منکوحہ ہونے کا علم نہ تھا اس صورت میں اس عورت پر عدت نہیں ہے۔ اور تیسری صورت یہ کہ شوہر ثانی کی وفات کے وقت تک عدت شوہر اول کی ختم نہ ہوئی تھی تو شوہر اول کی عدت پوری کرنا پڑے گی اور شوہر ثانی کی عدت میں وہی تفصیل ہے۔ اور جن صورتوں میں تین حیض عدت ہیں ان صورتوں میں اگر وہ حاملہ ہوتو وضع حمل عدت ہے۔ کما فى ردالمحتار تحت قوله الحيض۔ ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد ج ۲ ص ۱۷)

## حکم عدت ممتدۃ الطہر

سوال (۵۸۷) ایک عورت کو برابر بدستور اور عورتوں کے حیض آتا تھا مگر فی الحال ایک سال

سے اس کو حیض موقوف ہے اور اس کے شوہر نے اس کو طلاق دیا ہے اب وہ عورت عدت کتنے روز بیٹھے گی اس کے لیے عدت بالاشہر ہے یا عدت بالحیض۔ اگر عدت بالاشہر ہے تو تین ماہ عدت ہوگی یا زیادہ۔ اگر عدت بالحیض ہے تو سن ایاس تک انتظار حیض کا کیا جائے گا یا نہیں اگر سن ایاس تک انتظاری کی جائے تو وہ عورت نہایت غریب ہے اس کے خورد پوش کا کوئی ظاہری سامان نظر نہیں آتا۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ درمختار وردالمحتار کے باب العدۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تو مدت ایاس تک انتظار حیض کا ضروری ہے اور مالکیہ کے نزدیک نو مہینے اور بقول معتمد ایک سال وقت طلاق سے عدت ہے اور ضرورت کے وقت اس قول پر عمل جائز ہے اھ۔ احقر کہتا ہے کہ اس میں یہ امور قابل لحاظ ہوں گے۔

اول۔ اس کا علاج کیا جائے گا اگر علاج سے بھی ادرار نہ ہو تب اس قول پر عمل کیا جائے کیونکہ ضرورت کا تحقق اسی وقت ہوگا۔

دوم۔ اس قول پر عمل کرنے کے لئے قضاء قاضی کی حاجت ہوگی اور حاکم مسلم گو منجانب کافر بادشاہ کے ہو قاضی شرعی ہے پس سرکار میں ایک درخواست اس کی پیش کی جائے کہ کسی مسلمان حاکم کو اس مسئلہ میں حکم کرنے کا اختیار دیدیا جائے پھر وہ حاکم مسلم اس فتوے کے موافق اس عورت کو عدت گزار کر نکاح ثانی کر لینے کی اجازت دیدے۔ اسی طرح عمل کیا جائے۔

سوم۔ اگر اس قول کے موافق عدت شروع کی اور قبل ختم ہونے ایک سال کے اتفاقاً حیض جاری ہوگیا تو پھر عدت حیض سے کی جائے گی۔ واللہ اعلم۔ ۹ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۵۷ ج ۲)

سوال (۵۸۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا تھا اور جس وقت ہوا تھا اس وقت ہندہ نابالغ تھی اور جب ہندہ بالغ ہوئی تو زید سے راضی نہیں ہے اور باکرہ اپنے قرابت دار کے زوجیت میں زید کے رہی مگر دو ڈھائی برس تک زید سے مطلق صحبت وہم بستری چھوڑ دیا ہے اور بعد اس کے جس کو عرصہ دو ہفتہ کا ہوتا ہے زید نے بوجہ نااتفاقی کے ہندہ کو روبرو دو آدمی کے ایک وقت میں بیک جلسہ اس طرح پر طلاق دی کہ چونکہ میں تم سے راضی نہیں ہوں اور تم ہماری خلاف مرضی افعال بد میں مبتلاء رہتی ہو اس لیے میں نے تم کو طلاق دیا اور اس لفظ کو اس وقت میں تین مرتبہ تکرار کیا تو ایسی حالت میں طلاق از روئے مذہب حنفی کے ہوا یا نہیں اور اب ہندہ چاہتی ہے کہ دوسرے شخص سے نکاح کرے تو فرمائیے کہ ہندہ نکاح اپنا ساتھ دوسرے شخص کے کتنے روز میں کر سکتی ہے۔ آیا بعد گزرنے عدت کے یا فی الفور طلاق ہونے سے اور از روئے مذہب امام ابوحنیفہؒ کے عدت کس قدر زمانہ گزرنے پر ختم ہوتی ہے۔ اگر عدت تین حیض کے گزرنے پر ختم ہوتی ہے تو جس عورت کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی

عدت کا کس طرح پر حساب کیا جائے گا۔ چنانچہ ہندہ کا ایسا ہی حال ہے کہ بوجہ پیدا ہونے لڑکی کے حیض نہیں ہوتا اور عورتوں سے تحقیق کیا گیا ہے تو ایسا ظاہر ہوا ہے کہ جب تک لڑکا دودھ ماں کا نہیں چھوڑتا ہے یعنی دو برس ڈھائی برس تک عورت کو حیض نہیں ہوتا ہے اور جو عورت ہندہ کو لڑکی ہوئی ہے وہ دوسرے شخص سے جس سے اس وقت ہندہ نکاح کرنا چاہتی ہے پیدا ہوئی تو ایسی حالت میں بھی رعایت عدت کی کی جاوے گی یا نہیں اگر عدت کی رعایت ہوگی تو کون تاریخ سے کون تاریخ تک۔؟

الجواب۔ جب ہندہ بالغ ہوئی اور زید سے راضی نہیں تو اگر ہندہ کا نکاح اس کے باپ یا دادا نے کیا ہے تو اس کو فسخ کا اختیار نہ ہوگا بلکہ نکاح باقی رہے گا اور پھر جب زید نے تین طلاق دی تو طلاق پڑ گئی اور مغلظہ ہوگئی اور عدت اس کی وقت طلاق سے تین حیض ہے خواہ کتنے ہی دنوں میں پورے ہوں کیونکہ وہ حیض سے مایوس نہیں ہوئی ایک عارض کی وجہ سے بند ہے جب تک حیض سے مایوسی نہیں ہوتی تب تک عدت حیض کے ساتھ معتبر ہوتی ہے پس بعد گزرنے تین حیض کے دوسرے نکاح جائز ہوگا خواہ جس سے لڑکی ہوئی ہے اس سے نکاح کرنا چاہے اور کسی سے قبل انقضائے عدت جائز نہیں اور اگر ہندہ کا نکاح اس کے باپ دادا نے نہیں کیا تھا کسی دوسرے نے کیا تھا تو بعد بلوغ اس کو اختیار فسخ کا ہے سو اگر بالغ ہوتے ہی اس نے کہدیا کہ میں راضی نہیں تو نکاح (۱) ٹوٹ گیا اور یہ فسخ طلاق نہیں ہے تو بعد نکاح ٹوٹنے کے زید محض اجنبی ہوگیا اس کی طلاقیں واقع نہیں ہوئیں نہ اس پر عدت لازم جس سے چاہے نکاح کرلے۔ اور اگر بالغ ہوتے ہی نہیں کہا بلکہ اس وقت ساکت ہوگئی اور پھر کہا کہ میں راضی نہیں سو اگر زید نے ہندہ کے بلوغ سے پہلے اس سے صحبت نہیں کی جب تو نفس سکوت سے نکاح لازم ہوگیا۔ اس صورت میں بھی زید کی طلاق واقع ہوں گی اور عدت لازم ہوگی اور اگر بلوغ سے پہلے صحبت کا اتفاق ہوا ہے پھر نفس سکوت سے نکاح لازم نہیں ہوا جب تک رضاء کی تصریح نہ کرے خواہ زبان سے یا دلالت حال سے۔ اور جب ناراضی بیان کرے تو نکاح فسخ (۲) ہوگیا اور اب عدت کی ضرورت نہیں۔ حاصل یہ کہ جن صورتوں میں نکاح لازم ہوگیا ہے ان میں تو زید کی طلاقیں پڑیں اور عدت لازم ہے اور جن صورتوں میں نکاح فسخ ہوگیا ان میں نہ طلاق پڑی نہ عدت لازم۔

فان زوجهما الاب او الجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما وان زوجهما غير الاب والجد فلكل واحد منهما الخيار اذا بلغا ان شاء اقام على النكاح وان شاء فسخ ثم عندهما اذا بلغت الصغيرة وقد علمت بالنكاح فسكتت فهو رضاء وان لم تعلم بالنكاح فلها الخيار حتى تعلم فتسكت ثم خيار البكر يبطل بالسكوت ولا يبطل

(۱) اس میں یہ بھی شرط ہے کہ اس کہنے کے بعد قاضی مسلم کے یہاں نالش کرے اور وہ فسخ کرے ۱۲

(۲) یعنی بشرط قضاء قاضی ۱۲ منہ

خیار الغلام مالم یقل رضیت او یجیئی منه مایعلم انه رضاء وکذلك الجاریة اذا دخل بها الزوج قبل البلوغ ثم الفرقة بخیار البلوغ لیس بطلاق. هدایة ص۲۹۷ ج۱)
وطلاق البدعة ان یطلقها ثلاثا بکلمة واحدة و ثلاثا فی طهر واحد فاذا فعل ذلك وقع الطلاق وکان عاصیا. هدایة ص۳۳۵ ج۱. وقال الله تعالیٰ والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلثة قروء الأیة ولو رأت ثلاثة دما ثم انقطع فعدتها بالحیض وان طال الیٰ ان ایست کذا فی العتابیة. عالمگری ص۵۴۳ ج۲. والله اعلم۔

۹ر جمادی الاول ۱۳۲۰ھ (امداد ص ۱۱ ج ۲)

سوال (۵۸۹) در امدادالفتاویٰ جلد دوم ص ۳۶ در مسئلہ عورت ممتدۃ الطہر بوقت ضرورت برقول امام مالکؒ فتویٰ دادہ اند۔ مگر قضاء قاضی برعمل ایں مسئلہ شرط فرمودند سند کدام کتاب نہ آورند درتمام کتب فقہ موجودہ ایں شرط غیر موجود است اغلب کہ جناب اقدس سرہ قیاس برمسئلہ مفقود فرمودہ باشند۔ پس قیاس امثال مایاں غیر مقبول است چنانچہ درتصانیف خود جناب مدظلہ تصریح فرمودہ اند کہ قیاس مایان غیر مقبول است خصوصاً اتحاد علت نیست کہ موت امر محتمل است الحاق قضاء قاضی دراں ضروری باشد۔ بخلاف مانحن فیہ۔ یا قاعدہ کلیہ از کدام کتاب فقہ بیان فرمایند کہ درعمل برمذہب غیر بوقت ضرورت قضاء قاضی شرط ست یا درخاص صورے دونہ خرط القتاد۔؟

الجواب۔ قضاء قاضی کی شرط قواعد کلیہ سے لگائی گئی ہے اور یہ نہ قیاس ہے کہ ایجاد مسئلہ نہیں ہے بلکہ قواعد مقررہ مذہب سے کام لیا گیا ہے اور یہ بھی ظاہر۔ اور نہ عمل بمذھب الغیر بتصرف فی مذھب الغیر ہے۔ کیونکہ ہم نے مذہب غیر کو علی حالہ برقرار رکھ کر اس پر عمل کی یہ شرط لگائی ہے جیسے کہ ہمارے مذہب کا یہ مسئلہ ہے کہ ضرورت شدیدہ میں غیر کے مذہب پر عمل جائز ہے اور مذہب غیر میں اس مذہب پر عمل کرنے کی یہ شرط نہیں ہے بلکہ علی الاطلاق عمل جائز رکھا گیا ہے تو کیا اس شرط ضرورت کو عمل بمذھب الغیر بتصرف فی مذھب الغیر اور تلفیق کہہ سکتے ہیں ہرگز نہیں پس اسی طرح مسئلہ متنازع فیہ بھی ہے۔

اب تفصیلاً چند نظائر تحریر کئے جاتے ہیں جن میں قضاء قاضی تقویت کے لئے شرط کیا گیا ہے اور یہاں بھی تقویت کی حاجت ہے کیونکہ حق غیر ثابت بالشرع کا ارتفاع کسی قوی دلیل سے ہوسکتا ہے یعنی جس مذہب کو ہم خطاء سمجھتے ہیں اور ضرورت کی وجہ سے اس پر عمل کیا اور اس عمل میں حق غیر کا اتلاف ہے لہٰذا ارتفاع حق غیر کے لیے کوئی قوی مقتضی ہونا لازم ہے۔

فی الدرالمختار فی باب الهبة ولایصح الرجوع الابتراضیها اوبحکم الحاکم للاختلاف فیه (یعنی بین المجتهدین) اور کفایہ میں ہے۔ لان الرجوع فسخ العقد فلایصح الامن له ولایة عامة وهو القاضی او منهما لولایتهما علی انفسها کالرد

بالعیب بعد القبض اھ۔ وفی الهدایة لانه مختلف بین العلماء وفی اصله وهاء وفی حصول المقصود وعدمه خفاء الخ۔ اور نیز ہدایہ میں ہے ویشترط فیه (ای فی خیار البلوغ) القضاء بخلاف خیار العتق لان الفسخ هناك دفع ضرر خفی وهو تمکن الخلل ولهذا یشتمل الذکر والانثی فجعل الزاما فی حق الآخر فیفتقر الی القضاء الخ۔

اور یہاں پر کتب بھی کم ہیں نیز فرصت بھی کم ہے اگر مناسب ہو تو الاشباہ والنظائر ملاحظہ فرمائیں۔ امید ہے کہ اس میں یہ قاعدہ ملے گا کہ مذہب غیر پر عمل کرنے کی شرط قضاء قاضی ہے جس صورت میں کہ اس عمل سے الزام علی الغیر و رفع حق غیر ہوتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۳ رجب ھ۱۳۳۳ھ (ترجیح خامس ص ۲۰)

## اقل مدت حائضہ در عدت طلاق

سوال (۵۹۰) ماقولکم اندریں کہ زن مطلقہ بزبان خودمی گوید کہ مدت حیض معتادش سہ روز ست و مدت طہر معتادش پانزدہ پس بعد انقضائے عدت او کہ سی و نہ شبانہ روز باشد نکاحش درست است یا نہ وشہادت شاہدان مخالفش باطل است یا چہ؟

الجواب۔ در باب انقضائے عدت قول معتدہ معتبر است بشرطیکہ مدت محتمل عدت باشد۔ قال الله تعالیٰ ولا یحل لهن ان یکتمن ماخلق الله فی ارحامهن۔ فی المظهری وفیه دلیل علی ان قولها مقبول فی ذلك اھ۔ فی الدرالمختار قالت مضت عدتی والمدة تحتمله وکذبها الزوج قبل قولها مع حلفها والا لا اھ ودر اقل مدت عدت حائضہ اختلاف است نزد امام ابوحنیفہؒ شصت روز است ونزد صاحبینؒ سی و نہ روز کہ مذکور سوال است۔ فی الدرالمختار۔ اقلها لحرة ستون یوما وما فی ردالمحتار۔ وعندهما اقل مدة تصدق فیها الحرة تسعة و ثلاثون یوما۔ والله اعلم۔ (امداد ص ۷۷ ج ۲)

## تصدیق مخبرہ بانقضائے عدت بشرط شہادت قلب

سوال (۵۹۱) درمختار شامی بزازیہ قاضی خان وغیرہ سب کتابوں میں ہے المطلقة المعتدة اذا قالت انقضت عدتی تصدق ویجوز بها النکاح۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس کا حال معلوم کرنا کہ کتنے روز تک تم کو حیض آتا ہے اور کئے روز کا طہر ہے اور حیض کے کتنے رنگ ہیں وغیرہ وغیرہ ضرور نہیں ہے اس کے دریافت اور سوال کے قائلہ سے نکاح جائز ہے مگر معین الحکام میں اس امر کی نسبت سخت تاکید کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح ہی درست نہ ہوگا۔

ونصه هذا ومن ذلك ما اهملوه من سوال المعتدة اذا ارادت النکاح ومباحثتها

عن انقضاء العدة بما یفهم به احکامها من التفصیل وتعیین الاقراء و نحو ذلك من شروط الحیضة فی عدة فینبغی الاجتهاد فی ذلك ولا یکتفی بقولها قد انقضت عدتی علی الاجمال فان النساء الیوم قد جهلن ذلك جهلا کثیرا بل جهله کثیر ممن یظن به علم ویری لنفسه حظا وتقدما وقد عاینت بعض الجهلة من الموثقین یستغنی عن سوال المرأة جملة اذا هو وجد التاریخ للطلاق شهرین فصا عدا واتخذ الیوم هذا المقدار من المدة کثیر من النساء والرجال اصلا فی اکمال عدة الطلاق ومادری کیف هذا الغلط القبیح انتهٰی ص ۸۸ مطبع مصر۔؟

الجواب۔ دونوں عبارتوں میں کچھ تعارض نہیں کیونکہ عبارت اول میں یہ قید بھی ثابت ہے کہ کان اکبر رایه ان قولها حق بعد التحری جیسا کہ ہدایہ کتاب الکراھیۃ فصل البیع میں ایک ایسا ہی مسئلہ ہے اور اس میں اس قید کی تصریح ہے اور وہ یہ ہے ولو ان امرأة اخبرها ثقة ان زوجها الغائب مات عنها الٰی قوله الا ان اکبر رایها انه حق یعنی بعد التحری فلا بأس بان تعتد ثم تزوج۔ اس کے بعد وہی سوال والا مسئلہ نقل کیا ہے وکذا لو قالت لرجل طلقنی زوجی وانقضت عدتی فلابأس ان یتزوجها۔ اس پر غایۃ البیان میں لکھا ہے۔ اذا غلب علی ظنه صدقها۔ اس کے بعد ایک اور مسئلہ اخبار عن الحلالہ کا لکھا ہے اس پر کفایہ میں ای اذا کانت ثقة او وقع فی قلبه انها صادقة اور معین الحکام میں اسی قید کی شرح اور تفصیل ہے کیونکہ غلبۂ ظن صدق مرأۃ وشہادت قلب اس وقت حاصل ہوگا جب یہ محقق ہو جائے کہ عورت ان احکام ضروریہ کو جانتی ہے ورنہ بالضرور اس کے صدق میں شک ہوگا پس معین الحکام کی شکایت کا حاصل یہ ہوا کہ لوگ ظن صدق مخبرہ کی رعایت نہیں کرتے۔ ۱۴ رذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۸۴)

## عدت نومسلمہ

سوال (۵۹۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت کافرہ کو مسلمان کر کے بلا عدت پوری کرائے نکاح کر لیا جس کو عرصہ ڈیڑھ برس کا ہوا اور ابھی تک اس عورت کے کوئی بچہ نہیں ہوا ہے۔ اب اس کو معلوم ہوا ہے کہ یہ نکاح درست نہیں ہوا۔ تو آیا اب یہ عدت پوری کرا کر پھر سے نکاح کرے اگر کرے تو عدت کتنے دن کی ہوگی۔؟

الجواب۔ تین حیض کے بعد تو شوہر کافر کا نکاح فسخ ہوگا اور تین حیض اس کے بعد عدت ہوگی اس کے بعد مسلمان مرد سے نکاح درست ہوگا پس اگر یوم اسلام سے چھ حیض گزر گئے ہوں تو اب نکاح جدید کر لے۔ ۲ رجمادی الثانیہ ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۳۵)

**استفتاء**۔ایک سوال و جواب بغرض تحقیق بھیجتا ہوں کہ یہ صحیح ہے یا غلط:۔

سوال (۵۹۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کافرہ غیر حاملہ اپنے شوہر کافر سے جدا ہو کر مدت دراز تک علیحدہ رہی اور نوکری کر کے اوقات بسر کرتی رہی اور آج تک غیر حاملہ ہے اور اس مدت دراز میں بظاہر اس کے زانیہ ہونے کا کوئی ثبوت نہیں۔اس کے بعد اسلام قبول کر کے ایک مسلم کے نکاح میں آئی پس ایسی حالت میں عدت کی ضرورت ہے یا نہیں۔؟

## الجواب خلاف الصواب من بعض مدرس مدرسۃ فیض الغربا فی آرہ

صورت مسئولہ میں نکاح کے جواز میں شبہ نہیں اور ہرگز عدت کی ضرورت نہیں کہ وہ عورت بے شوہر ہے اور زانیہ ہونا ثابت بھی ہوتا ہم عدت کی ضرورت نہیں عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ ص ۱۷ میں ہے یصح نکاح الزانية الغير الحاملة الخ یعنی زانیہ غیر حاملہ کا نکاح صحیح ہے اور عدت کی ضرورت نہیں۔ہدایہ ص ۲۹۲ میں ہے۔ كذا اذا رأى امرأة تزنى الخ یعنی کسی عورت کو زنا کرتے دیکھے اور اس سے نکاح کر لے تو ہم بستری حلال ہے عدت کی ضرورت نہیں۔مسئلہ واضح ہے زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔کتبہ۔حنفی قادری مدرس اول مدرسہ فیض الغربا آرہ۔



## الجواب من صاحب الفتاویٰ مع الرد علی الجواب الاول

في الهداية واذا اسلمت المرأة وزوجها كافر عرض القاضي عليه الإسلام فان اسلم فهي امرأته وان ابى فرق بينهما وكان ذلك طلاقا عندابي حنيفة ومحمد وفيها واذا اسلمت المرأة في دارالحرب وزوجها كافر او اسلم الحربي وتحته مجوسية لم يقع الفرقة عليها حتى تحيض ثلث حيض ثم تبين من زوجها ص: ٣٦٦ ج: ١)۔

اس روایت میں تصریح ہے کہ کافر عورت کے مسلمان ہونے سے دارالاسلام میں بعد عرض قاضی کے اور اباء زوج کے فرقت کر دی جاتی ہے اور یہ فرقت طلاق ہوگی اور بعد طلاق کے عدت کا وجوب ظاہر ہے اور دارالکفر میں بعد اسلام لانے سے تین حیض گزرنے سے وہ بائنہ ہوتی ہے اور بینونت کے بعد عدت واجب ہوتی ہے بہر حال دونوں صورتوں میں حالت کفر میں مدت تک محض جدا رہنے سے ان کا نکاح سابق ہی نہ ٹوٹا تھا جب وہ مسلمان ہوئی ہے تو نکاح اب ٹوٹا ہے مگر موقع اسلام لانے کا اگر دارالاسلام ہے تب تو نکاح ٹوٹنے میں یہ بھی شرط ہے کہ زوج پر قاضی اسلام کو پیش کرے گا اور جب وہ انکار کرے گا تب نکاح ٹوٹے گا اور اگر وہ موقع دارالکفر ہے تو اسلام لانے کے بعد تین حیض گزرنے پر نکاح ٹوٹا ہے۔پس پہلی صورت میں بعد اباء زوج کے عدت واجب ہوگی اور دوسری صورت میں بعد

بینونت کے عدت واجب ہوگی۔ پس اسلام لاتے ہی بلا انقضائے عدت نکاح کر لینا کسی حال میں جائز نہ ہوگا روایت مذکورہ اس کی صاف دلیل ہے اور ان عبارتوں سے کہ یصح نکاح الزانیة الغیر الحامله الخ اور کذا اذا رأی امرأة تزنی الخ۔ صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ خود زنا موجبات عدت سے نہیں یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ اگر دوسرے موجبات عدت پائے جاویں تو محض زانیہ نہ ہونا موجبات عدت کے اثر کو بھی باطل کردے گا ورنہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ کسی مطلقہ پر بھی جبکہ وہ زانیہ نہ ہو عدت واجب نہ ہو اور کسی متوفی عنہا زوجہا پر بھی جبکہ وہ زانیہ نہ ہو عدت واجب نہ ہو۔ کیا اس کا کوئی قائل ہوسکتا ہے اور اگر کوئی قائل ہو تو کیا اس کا قول مقبول ہوسکتا ہے۔ اشرف علی ۸ ر جمادی الاولی ۱۳۳۲ھ

الصحیح هو الثانی من الجوابین — عبدالصمد عفی عنہ، اسلام آبادی

الجواب الثانی صحیح — محمد مظہر عفی عنہ، مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ

الجواب الثانی صحیح — محمد رشید عفی عنہ، مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ

الجواب الثانی صحیح — زاہد حسین، مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ

ما اجاب به مولانا اشرف علی فهو صحیح وجواب الأروی غلط۔ — سعادت حسین عفی عنہ، شمس العلماء مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ

محمد یحییٰ عفی عنہ، مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ

الجواب الثانی هو الصحیح — محمد سہول غفرلہ مدرس، مدرسہ عالیہ کلکتہ

الجواب الثانی صحیح — محمد قاسم مدرس، مدرسہ عالیہ کلکتہ

الجواب الثانی یصح و یطبق بالسوال — محمد اسماعیل عفی عنہ

الجواب الثانی صحیح — محمد اسحاق عفی عنہ، مدرسہ عالیہ کلکتہ

الجواب الثانی صحیح — سید وصی الدین، مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ

الجواب الثانی صحیح — مقبول حسین عفی عنہ، امام مسجد مرغی ہٹہ کلکتہ

الجواب الاول الذی اجاب به المولوی...... بخش فهو مردود و غیر صحیح وانا اتعجب علی فهمه و تفقهه فانه مع انه مدرس و کیف لایفهم هذه العبارة الفقهیة واما ما اجاب به مولانا اشرف علی فهو صحیح موافق للکتب الفقهیة۔

عبدالاحد عفی عنہ دربھنگوی محمد پوری

جناب مولانا اشرف علی صاحب کا جواب صحیح ہے۔ مجیب اول کے جواب پر مجھے سخت حیرت ہوتی ہے کہ جو عبارت انہوں نے اپنے استدلال میں نقل کی ہے اس کو اس سوال سے کیا تعلق۔ محمد عبدالغنی اصلح اللہ بالہ دربھنگوی رسول پوری۔

**الجواب الثانی صحیح**

عبدالعزیز عفی عنہ

مدرس مدرسہ رمضانیہ کلکتہ

**الجواب صحیح**

عبارات فقہاء کرام سے اسی جواب ثانی کی قوت ثابت ہوتی ہے۔

ابوالخیر عبدالوہاب بہاری عفی عنہ الباری

## الجواب من المفسر الحقانی وفیہ بعض التفصیل الضروری

اگر اس عورت کو اس کے شوہر نے چھوڑ دیا اور اس مدت دراز تک اگر وہ ان کے نزدیک عدت وطلاق سب کچھ ہو گیا تو اسلام لانے کے بعد تین حیض کی عدت کوئی ضروری نہیں کیونکہ صدر اسلام میں ایسی عورات بہت سی آئی ہیں کہ حالت کفر میں ان کے شوہروں سے طلاق وعدت ہو چکی مسلمان ہونے کے بعد صحابہ نے نکاح کیا مگر تین حیض کی عدت گزارنا ثابت نہیں اگر اس نے طلاق بھی نہیں دی اور چھوڑ بھی نہیں دیا اور عدت بھی نہیں گزری تو تین حیض عدت کے گزارنا چاہئے۔ ابو محمد عبدالحق۔

## پھر سائل مذکور کا یہ خط آیا

حضرت سیدی ومرشدی دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

فتوے پر جناب مولوی عبدالحق صاحب نے جو جواب لکھا ہے ملاحظہ اقدس کے واسطے ارسال خدمت ہے۔

سوال (۱) یہ بات تحقیق طلب ہے کہ آیا وہ جو اپنے شوہر کافر سے مدت دراز تک جدا رہی جیسا کہ سوال میں لکھا ہے۔ یہ تفریق شرعاً معتبر ہے۔؟

سوال (۲) اگر اُس کے شوہر نے طلاق دیدی اور عدت بھی ہو چکی تو آیا جیسا کافروں کا نکاح شرعاً معتبر ہے ویسے کافروں کی طلاق وعدت بھی شرعاً معتبر ہے یا نہیں۔؟

جواب سوال (۱) صرف جُدا رہنا تفریق معتبر نہیں۔

جواب سوال (۲) معتبر ہے اُن کی طلاق عدت کے قواعد احکام اور اس کا وقوع محقق ہو جاوے اور صرف قرائن وروایات غیر محققہ معتبر نہیں۔ ۱۴؍ جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ

## پھر سائل مذکور کا یہ خط آیا

حضرت سیدی ومرشدی دام برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مولوی عبدالرؤف صاحب کا فتویٰ ملاحظہ اقدس کے واسطے ارسال خدمت ہے۔ اگر کچھ تحریر فرمانا ہو تو اسی فتوے پر تحریر فرمایا جاوے۔

## نقل فتویٰ مذکور

صورت مذکورہ میں جو مدت دراز تک جدا رہنا مذکور ہے اس مدت میں ان کے قاعدہ سے طلاق وعدت محقق ہو جائے تو اب عدت کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر ایسا نہ ہو اور عورت کے مسلمان ہونے کے بعد اس کے شوہر نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا تو تفریق لدفع الضرر اگر چہ بباعث تعذر کے بلا قضاء قاضی ہو ضرور ہے اور اس تفریق کا حکم امام ابوحنیفہؒ اور امام محمد صاحبؒ کے نزدیک طلاق ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فسخ کا اور کسی مسلمان نے جو اس سے قبل اتمام عدت کے نکاح کر لیا ہے یہ نکاح صحیح ہوگا لیکن علی القول المفتی بہ استبراء رحم کے لیے تا ایام عدت وطی درست نہیں۔ جامع الرموز میں یہ ہے۔

واتفق المشائخ علٰی جواز نکاح المعتدة عن کافر الا ان بعضهم قالوا ان العدة واجبة و بعضهم قالوا انها غیر واجبة وهوالا صح کما فی الکرمانی وفیه اشارة الٰی انها لو کانت فی عدة مسلم فسد النکاح و ذابالإجماع لیکن عبارت شامی کی یہ ہے۔ تنبیه قال فی النهر قید المصنف بکون المتزوج کافرا لان المسلم لو تزوج ذمیة فی عدة کافر ذکر بعض المشائخ انه یجوز ولا یباح له وطؤها حتٰی یستبرئها عنده وقالا النکاح باطل کذا فی الخانیة واقول و ینبغی ان لا یختلف فی وجوبها بالنسبة الٰی المسلم لانه یعتقد وجوبها الاتری ان القول بعدم وجوبها فی حق الکافر مقید بکونهم لا یدینونها وبکونه جائزا عندهم لانه لولم یکن جائزاً بان اعتقدوا وجوبها یفرق اجماعاً قال فی الفتح فیلزم فی المهاجرة وجوب العدة ان کانوا یعتقد ونه لان المضاف الٰی تبائن الدار الفرقة لا نفی العدة آه قلت قوله وینبغی الخ قدیقال فیه انه مما لاینبغی لمامرمن ان العدة انما تجب حقا للزوج ای الذی طلقها ولاتجب له بدون اعتقاده ولما قدمنا ایضًا عن ابن کمال من اعتبار دین الزوج خاصة وکذا قدمناه من ترجیح القول بانه لاعدة من الکافر عند الإمام اصلا تامل ۔انتهٰی۔

حررہ الراجی الی رحمۃ رب القوی ابوالبرکات عبدالرؤف عفی عنہ قادری داناپوری۔

## الجواب من صاحب الفتاویٰ

اول تو اسی میں کلام ہے کہ اس اسلام متکلم فیہ کا موقع دارالاسلام ہے یا نہیں پھر بر تقدیر غیر دارالاسلام ہونے کے آیا وجوب عدت کا قول راجح ہے یا عدم وجوب عدت کا لیکن اگر اس کو غیر دارالاسلام بھی مان لیا جاوے اور عدم وجوب عدت کے قول کو بھی ترجیح دے لی جاوے تاہم صحت نکاح

ثانی کے لیے بینونت من النکاح الاول تو شرط ہے اور بینونت کیلئے تصریح فقہاء اسلام کے بعد تین حیض کا گزرنا حائضہ کے لیے اور تین مہینے کا گزرنا غیر حائضہ کے لیے، وضع حمل حاملہ کے لیے شرط ہے پس جبکہ وہ بناء بر طریقہ شوہر کے مطلقہ نہ ہوئی اور اسی حالت میں اسلام لے آئی تو اگر عدت کے لئے تین حیض یا مایقوم مقامہ کا گزرنا شرط نہ ہو تو بینونت کے لئے تو شرط ہے سو علی الاطلاق اس نومسلمہ سے صحت نکاح کا حکم دیدینا اگرچہ بفور اسلام لانے کے ہو یہ تو غیر صحیح ہوگا۔ پس جواب اخیر میں عبارات نافیہ للعدۃ سے صحت نکاح علی الفور لازم نہیں آتی۔

فی ردالمحتار ولو اسلم احدهما ثم ای فی دار الحرب لم تبن حتیٰ تحیض ثلثا او تمض ثلثة اشهر الیٰ قوله ولیست بعدة لدخول غیر المدخول بها۔ فی ردالمحتار قوله لم تبن حتیٰ تحیض افاد بتوقف البینونة علی الحیض الخ قوله او تمضی ثلثة اشهر ای ان کانت لا تحیض لصغر او کبر کما فی البحر و ان کانت حاملا فحتی تضع حملها ح عن القهستانی قوله ولیست بعدة وهل تجب العدة بعد مضی هذه المدة فان کانت المرأة حربیة فلا لانه لا عدة علی الحربیة و ان کانت هی المسلمة فتمت الحیض هنا فکذلك عند ابی حنیفة خلافا لهما لان المهاجرة لاعدة علیها عنده خلافا لهما کما سیاتی. بدائع وهدایة وجزم الطحاوی بوجوبها قال فی البحر و ینبغی حمله علی اختیار قولهما ص: ٦٤٠ و ٦٤١ ج: ٢ مصریه۔ قلت انظر الیٰ قوله فتمت الحیض والیٰ قوله جزم الطحاوی.

**فائدہ**۔ فی ردالمحتار عن الهدایة والمضمرات وغیرهما ان الخروج (مهاجرةً) لیس بشرط لانهم قالوا لواسلمت فی دار الحرب ومضی ثلث حیض بانت منه ولاعدة علیها عنده خلافا لهما قهستانی ج۲ ص۱۰۱۱ مصریة دفع دخلٍ وما فی ردالمحتار فلو تزوجها مسلم او ذمی فی فور طلاقها جاز فی ذمیة طلقها ذمی اومات عنها اذا اعتقدواذالك کما فی الدرالمختار ج:۲ ص:۱۰۱۰ والله اعلم

۹ رجب ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۴۰)

سوال (۵۹۴) فی الهدایة ۔ واذا اسلمت المرءة وزوجها کافرعرض علیه الإسلام فان اسلم فهی امرأته وان ابی فرق القاضی بینهما وکان ذلك طلاقاً عند ابی حنیفة ومحمدؒ اهـ وفی فتح القدیر وکان ذلك یعنی تفریق القاضی عند اباء الزوج اهـ وفی الکنزواذا اسلم احد الزوجین عرض الإسلام علی الأخر فان اسلم والا فرق بینهما وفی البحر الرائق قوله فرق بینهما ای القاضی بینهما ولو وقع بمجرد ابائه

ولم يحتج الٰى تفريق القاضي ولذا قالوا مالم يفرق القاضي بينهما فهي امرأته حتٰى يجب كمال المهر لها بموته قبل الدخول وكذا في ردالمحتار وعالمگيرية وشرح الوقاية وغيرها۔

عامہ کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی ہندو کی بی بی کو جس کا شوہر موجود ہو مسلمان کر کے اگر کوئی نکاح کرلے تو وہ نکاح دو شرطوں کے ساتھ درست ہوسکتا ہے ایک یہ کہ اس کے شوہر پر اسلام پیش کیا جائے اور شوہر اسلام سے انکار کرے دوسرے یہ کہ بعد انکار کے قاضی شرعی تفریق کردے۔ اگر یہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں تو نکاح درست نہ ہوگا۔ اب دریافت طلب امور ذیل ہیں:۔

(۱) جس ملک میں قاضی شرعی موجود نہیں تفریق کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔؟

(۲) اگر کسی مسلمان نے کسی ہندو کی بی بی کو طوعاً یا کرہاً اس کے شوہر کے ہوتے ہوئے بغیر تکمیل شرطین مذکورین نکاح کرلیا تو وہ نکاح ناجائز اور اس کی وطی حرام ہے یا نہیں۔؟ بینوا توجروا۔

الجواب۔ یہ شرط عرض کی بلاد اسلام میں ہے یہاں اسلام لانے کے بعد تین حیض آ جانے کے بعد بائنہ ہوجاوے گی۔ في الدرالمختار ولو اسلم احدهما اي احد المجوسين اوامرأة الكتابي ثم اي في دارالحرب وملحق بها كالبحر الملح لم تبن حتٰى تحيض ثلثاً او تمضي ثلثة اشهر قبل اسلام الأخر اقامة لشرط الفرقة مقام السبب وليست بعدة لدخول غير المدخول بها۔ باب نكاح الكافر۔ پس اول میں تین حیض گزر جانے کے بعد تو پہلا نکاح ٹوٹے گا اور اس کے تین حیض اور گزریں تب نکاح مسلمان سے درست ہے۔ لما مر من الدرالمختار وليست بعدة وفي ردالمحتار وهل تجب العدة بعد مضي هذه المدة الٰى قوله وجزم الطحاوي بوجوبها ج: ۲ ص: ٦٤١ نہ تو اسکے قبل درست ہوگا اور نہ تفریق قاضی پر موقوف ہے۔ اور سوال ثانی میں بھی اسی طرح بعد چھ حیض کے درست ہوگا اس کے قبل درست نہ ہوگا۔ في الدرالمختار باب الإكراه وصح نكاحه وطلاقه الٰى قوله واسلامه ولو ذمياً كما هو اطلاق كثير من المشائخ وما في الخانية من التفصيل فقياس والاستحسان صحته مطلقاً فليحفظ بلا قتل لو رجع للشبهه كما مر في باب المرتد۔

۲۸ رجمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۹۱)

سوال (۵۹۵) ہندہ برہمنی مسلمان ہوگئی...... خان اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا عدت ہندہ ہندو عورت کو پوری کرنا ضروری نہیں۔؟

الجواب۔ اگر اس کو حیض آتا ہے تو تین حیض اور اگر کسی وجہ سے حیض نہیں آیا تو تین ماہ گزرنے

کے بعد شوہر اول کا نکاح اس سے ٹوٹے گا اب اس نکاح ٹوٹنے کے بعد پھر بھی عدت ہوگی فی الدرالمختار ولو اسلم احدهما ثم لم تبن حتی تحيض ثلاثا او تمضى ثلثة اشهر قبل اسلام الأخر فی ردالمحتار هل تجب العدة بعد مضى هذه المدة الخ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ (امداد ثانی ص ۳۰)

## عدت زنے کہ شوہرش در سفر وفات یافتہ

سوال (۵۹۶) زید رٹول سے اپنی بیوی کو لیکر بتلاش روزگار انبالہ گیا بجائے مستقل جگہ کے امیدوار ہوگیا اور زید کا خسر وخوشدامن عرصہ دارز سے شہر انبالہ میں ملازم ہیں اسی مکان میں مع اپنی بیوی کے رہنے لگے عرصہ چھ ماہ کا ہوا کہ وہ دونوں وہیں مقیم رہے یعنی اپنے خسر کے گھر جو مدت دراز سے ملازم ہیں مگر خوشدامن زید کی ہمراہ گئیں نہیں اب عرصہ آٹھ دس یوم کا ہوا کہ زید کا انتقال شہر انبالہ میں اپنے خسر کے ہاں ہوگیا۔ اب زید کی بیوی عدت کے دن کو اپنے باپ کے گھر یعنی شہر انبالہ میں یا اپنے شوہر کے مکان پر قصبہ رٹول میں پورے کرنے چاہئے۔ برائے مہربانی اس کا جواب بھی مرحمت فرمائیں۔؟

الجواب۔ فی الهداية وعلى المعتدة ان تعتد فی المنزل الذی يضاف اليها بالسكنى حال وقوع الفرقة والموت واذا خرجت المرأة مع زوجها الى مكة فطلقها ثلثا اومات عنها فی غير مصر فان كان بينها وبين مصرها اقل من ثلثه ايام رجعت الى مصرها وان كانت مسيرة ثلثة ايام ان شاءت رجعت وان شاءت مضت الا ان يكون طلقها او مات عنها زوجها فی مصر فانها لا تخرج حتى تعتد ثم تخرج مع محرم وقال ابويوسف ومحمد ان كان معها محرم فلاباس بان تخرج من المصر قبل ان تعتد ص ۴۰۹ ج ۱۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اس کو انبالہ میں اپنے باپ کے پاس عدت پوری کرنا واجب ہے البتہ اگر باپ وہاں سے آنے لگے اس وقت اس کو بھی وہاں سے چلا آنا درست ہے۔ ۷ رشوال ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۷۳)

## حکم گزاردن عدت در مکان زوج وقتیکہ وفات زوج در مکان برادر او شدہ

سوال (۵۹۷) زید وعمر دو برادر حقیقی ایک ہی بستی میں رہتے ہیں دونوں کے مکان کا فاصلہ تقریباً آدھے میل سے کم ہے زید بیمار ہوکر عمر کے مکان پر آئے ہوئے تھے زوجۂ زید بھی ہمراہ تھیں اسی جگہ اپنے بھائی کے مکان پر زید نے قضا کی۔ اب زوجۂ زید عدت معہودہ بمکان عمرو جس جگہ زید نے قضا کی پورے کرے یا بمکان زوج خود واپس جاوے۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار طلقت اومات وهی زائرة فی غير مسكنها عادت

الیہ فوراً لوجوبه علیها و تعتدان ای معتدة طلاق وموت فی بیت وجبت فیه الخ فی ردالمحتار قوله فی بیت وجبت فیه هو مایضاف الیهما بالسکنی قبل الفرقة ولو غیر بیت الزوج الخ ج۱ ص ۱۰۲۲۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ زوجۂ زید کو فوراً اپنے زوج کے مکان کو واپس آ جانا چاہئے اور وہاں ہی عدت پوری کرنا چاہئے۔ ۳۰؍شعبان ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۶۸)

## حکم خروج درعدت از خوف شر جن

سوال (۵۹۸) بیوہ کو بوجہ خلش آسیب مکان قبل از مدت عدت خالی کر کے دوسرے مکان میں سکونت اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار الاان تخرج او ینهدم المنزل او تخاف انهدامه او تلف مالها او لا تجد کراء البیت ونحوذلك فتخرج لاقرب موضع انیه فی ردالمحتار قوله نحو ذلك منه ما فی الظهیریة لو خافت باللیل من امر المیت والموت ولا احد معهالها التحول لو الخوف شدیداً والافلاوله فتخرج ای معتدة الوفات کما دل علیه مابعده ط ج ۲ ص ۱۰۲۲۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر خوف آسیب کا شدید ہو جس کا تحمل اس معتدہ سے نہ ہو سکے یا اس کا کوئی ضرر صریح ہو تو دوسرے مکان میں سکونت کا منتقل کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔ ۱۸؍شوال ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۹۱)

## بطلان نکاح معتدہ ووجوب تکمیل عدت سابقہ

سوال (۵۹۹) شخصے درعدت وفات یک زن را بنکاح آوردہ مجامعت کردہ بعدہ نزد شخصے از اہل علم رفت واحوال بیان نمود پس آں حکم داد کہ بعد گزشتن عدت اول تجدید نکاح بکن۔ آیا ایں حکم آں اہل علم مطابق شرع است یا نہ واگر نہ عدت دوم نیز حیض گزارد یعنی اول وثانی عدت کہ از وطی باشد متداخلہ باشند یا نہ۔؟

الجواب۔ وفی الدرالمختار وعدة المنکوحة نکاحاً فاسداً فلا عدة فی باطل فی ردالمحتار فیه انه لا فرق بین الفاسد والباطل فی النکاح بخلاف البیع کما فی نکاح الفتح والمنظومة المجیبة لکن فی البحر عن المجتبیٰ کل نکاح اختلف العلماء فی جوازه کالنکاح بلاشهود فالدخول فیه موجب للعدة امانکاح منکوحة الغیر و معتدته فالدخول فیه لا یوجب العدة ان علم انها للغیر الیٰ ان قال وتقدم فی باب المهر ان الدخول فی النکاح الفاسد موجب للعدة و ثبوت النسب ومثل له البحر

ھناك بالتزوج بلاشھود و تزوج الاختین معاً والاخت فی عدۃ الاخت و نکاح المعتدۃ والخامسۃ فی عدۃ الرابعۃ والامۃ علی الحرۃ اھ ج ۲ ص ۹۹۹ وفی الدرالمختار و اذا وطئت المعتدۃ بشبھۃ وجبت عدۃ اخریٰ و تداخلتا وفی ردالمحتار عن الدرر اعلم ان المرأۃ اذا وجبت علیھا عدتان فاما ان یکونا من رجلین او من واحد ففی الثانی لاشك ان العدتین تداخلتا وفی الاول ان کانتا من جنسین کالمتوفی عنھا زوجھا اذاوطئت بشبھۃ اومن جنس واحد کالمطلقۃ اذا تزوجت فی عدتھا فوطئھا الثانی و فرق بینھما تداخلتا عندنا الخ ج ۲ ص ۱۰۰۲۔

ازیں روایت معلوم شد کہ ایں نکاح باطل است کہ درعدت واقع شد بعدعدت اگر زوجین خواہند تجدید نکاح توانند کرد۔ نیز واضح گشت کہ وجوب عدت درصورت مسئولہ عنہا مختلف فیہ است واحوط وجوب ست ونیز ہویدا گشت کہ ہردوعدت متداخل باشند لیکن عدت وفات حق متوفی است اتمامش بہر حال واجب ست وعدت ثانیہ مسبب از وطی ثانی ست پس اگر آں زن بغیر واطی ثانی نکاح جدید کند اتمام ایں ثانی ہم واجب خواہد بود اگرچہ بتداخل تمام کردہ شود واگر بایں واطی نکاح جدید کند اتمام واجب نباشد۔

۱۹ر ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۱۰۳)

سوال (۶۰۰) ایک شخص نے اپنی عورت کو اس شرط پر طلاق دی کہ اگر تو مہر معاف کردے تو میں تجھ کو طلاق دیدوں گا۔ عورت نے منظور کرلیا۔ طلاق نامہ لکھا گیا۔ اس عورت کا نکاح ایک جاہل قاضی نے عدت کے اندر دوسرے مرد سے کردیا۔ بعض آدمیوں نے منع کیا کہ عدت کے اندر نکاح درست نہیں مگر نہ مانا۔ اس عورت کو چھ سات ماہ کا حمل ہے اس شخص کا جس سے عدت کے اندر نکاح ہوا اب وہ عورت کہتی ہے کہ میرا نکاح دوبارہ پڑھ دو۔ اب آیا بچہ پیدا ہونے سے پہلے نکاح کردیا جاوے یا نہیں۔؟

## تنقیحات از مجیب

(۱) شوہر نے ایک طلاق دیا تھا یا دو یا تین (۲) طلاق سے کتنے دن بعد دوسرا نکاح ہوا۔ (۳) اس عورت کو طلاق کے وقت حیض آتا تھا یا نہیں یعنی اس کی عدت حیض سے تھی یا کیا۔ (۴) اب اس کو دوسرا نکاح کئے ہوئے کتنے روز ہوئے۔ ان تنقیحات پر جواب موقوف ہے۔

## جواب تنقیحات

جواب سوالات کے ارسال خدمت ہیں:۔

(۱) ایک دو کا کچھ ذکر نہیں ہوا صرف یہی کہا کہ میں طلاق دے چکا اور ایک یہ بات معلوم ہوئی کہ

طلاق نامہ لکھنے سے پندرہ بیس روز پہلے بھی شوہر نے یوں کہا کہ میں تجھ کو چھوڑ چکا۔ (۲) ایک ماہ بعد دوسرا نکاح ہوا ہے۔ (۳) عدت حیض سے تھی بلکہ طلاق کے بعد ایک حیض آیا بھی ہے اور بعد اس حیض کے حمل قرار پایا۔ (۴) دوسرا نکاح ہوئے کو آٹھ ماہ ہوئے فقط۔

الجواب۔ بعد معاینہ جوابات تنقیحات کے اصل مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ وضع حمل پر عدت ختم ہوگی اس کے قبل دوسرا نکاح درست نہیں اور نیز اس دوسرے شوہر کے پاس اس عورت کو رہنا بھی درست نہیں۔ یہ تو جواب ہوگیا۔ باقی یہ کہ بچہ جب پیدا ہوگا کس کا ہوگا یہ اس وقت بتلانے کی بات ہے جب بچہ پیدا ہو جاوے۔ اگر پوچھنا ہوگا تو تمام پرچے بھیج کر پوچھ لیا جاوے۔ ۲۱؍ رمضان ۱۳۳۱ھ

**سوال مکرر متعلق مسئلہ بالا**۔ حضور اقدس جناب مولانا مولوی صاحب دام ظلکم بعد آداب نیاز مندانہ گزارش یہ ہے کہ سب پرچے ارسال خدمت ہیں۔ عورت مطلقہ کے بچہ پیدا ہو چکا ہے اب بتلا دیجئے کہ یہ بچہ کس کا ہے اور اب عورت مطلقہ کا نکاح کب پڑھنا چاہئے۔؟

الجواب۔ **فی الدرالمختار فیثبت نسب ولد معتدة الرجعي وان ولدت لاكثر من سنتين مالم تقر بمضي العدة وكانت الولادة رجعة لو في الاكثر منهما اولتمامها لا في الاقل للشك وان ثبت نسبه كما يثبت بلا دعوة احتياطا في مبتوتة جاء ت به لاقل منهما من وقت الطلاق ولم تقر بمضيها ص ۲۸۲۔**

اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ بچہ پہلے شوہر کا کہا جاوے گا اور اب عورت کا نکاح ثانی درست ہوگا۔ ۲۰؍ رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۷۵)

سوال (۶۰۱) (۱) زید نے ایک معتدہ کو اس کی عدت کے اندر مہر ٹھیک کر کے نکاح کیا اور اس سے عدت کے مہینے تک علیحدہ رہا۔ بعد گزرنے عدت کے اسے لیکر بدون نکاح ثانی بود و باش کر سکتا ہے یا نہیں۔؟

(۲) لیکن وہ عورت بعد گزرنے عدت کے یہ کہتی ہے کہ میں دوسری جگہ یعنی دوسرے زوج کو اختیار کروں گی کیا وہ نکاح اول توڑ کر دوسرا زوج اختیار کر سکتی ہے۔؟

الجواب۔ (۱) نہیں۔

(۲) عدت کے اندر جو نکاح کیا ہے وہ نکاح تو ہوا ہی نہیں عورت اس کو چھوڑ کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے البتہ اس میں اتنی تفصیل ہے کہ اگر اس نے صحبت نہیں کی تو عدت بھی واجب نہیں ورنہ عدت گزارنا ہوگی۔

**فی الدرالمختار ويجب مهر المثل في نكاح فاسد وهو الذي فقد شرط من شرائط الصحة كشهود (وفي ردالمحتار ونكاح المعتدة) الى قوله ولكل واحد منهما فسخه ولو بغير محضر من صاحبه دخل بها اولا في الاصح ويجب العدة بعد**

الوطاء لا الخلوة للطلاق لا للموت من وقت التفريق اومتاركة الزوج اهـ وفى ردالمحتار فالحق عدم الفرق الٰى قوله طلق المنكوحة فاسدا ثلاثا له تزوجها بلامحلل قال ولم يحك خلافاً ج ۲ ص ۵۷٤ تا ۵۷۷ ۔ ۵ محرم ۱۳۳۰ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۱۱)

سوال (۶۰۲) ایک عورت کی عدت بیوگی ختم ہوچکی ہے الحال اس کو آثار حمل نمودار ہیں۔ بعض کا قول یہ ہے کہ یہ حمل نہیں بلکہ احتباس حیض کا عارضہ ہے اور اگر حمل فی الواقع ہے تو اسی شخص کا ہے جس سے نکاح اس عورت کا کرنا مقصود ہے اس حالت حمل یا شبہ حمل میں اس مرد سے جس کا حمل تصور کیا جاتا ہے نکاح جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فى الهداية ويثبت نسب ولد المتوفى عنها زوجها ما بين الوفاة وبين السنتين واذا اعترفت المعتدة بانقضاء عدتها ثم جاء ت بالولد لاقل من ستة اشهر يثبت نسبه وان جاء ت به لستة اشهر لم يثبت۔ بناء براس روایت کے اس میں تفصیل یہ ہے کہ دیکھنا چاہئے کہ اس عورت نے جس کا خاوند مرگیا ہے بعد گزرنے چار ماہ دس دن کے یہ بات زبان سے کہی ہے کہ میری عدت ختم ہوچکی یا یہ بات نہیں کی اگر کہی ہے تو بالفعل عدت کو ختم کہہ دیا جائے گا، لیکن اگر انقضائے عدت سے چھ ماہ سے کم میں لڑکا ہوا تو یہ کہا جائیگا کہ یہ لڑکا مردہ کا ہے اور اس بناء پر اگر اس نے دوسرا نکاح کرلیا ہوگا تو اس کو باطل کہا جائے گا۔ البتہ اگر انقضائے عدت سے چھ ماہ کے بعد بچہ ہوگا تو اس ......... مردہ کا نہ کہا جائے گا اور اس نے دوسرا نکاح کرلیا ہوگا تو اس کو صحیح کہا جائے گا اور اگر اس نے یہ بات نہیں کہی تو شوہر کی وفات سے دو برس کے اندر اندر یہ حمل اسی کا قرار دیا جائے گا اور چونکہ معتدہ حکم منکوحہ میں ہے اور منکوحہ کا حمل شوہر ہی سے قرار دیا جاتا ہے خواہ واقع میں کسی کا ہو اس لیے حکم بقاء عدت کی صورت میں اس کا اعتبار نہ کیا جاوے گا کہ یہ دوسرے شخص کا حمل ہے اور اگر اس میں بیوہ سے مراد مطلقہ ہے تو دوبارہ سوال کرنا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم۔ ۴ رجب ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۲۴۲ ج ۲)

## مرتدہ پر عدت

سوال (۶۰۳) اگر مرتد ہونے سے نکاح ٹوٹ جاوے تو عدت ہے یا نہیں۔ (۲) صغیرہ مطلقہ کی عدت ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ (۱) عدت ہے (۲) اگر بہت ہی صغیرہ ہو کہ جماع کا احتمال ہی نہ ہو تو عدت نہیں۔ اور اگر جماع کی متحمل ہو تو اس میں تفصیل ہے کہ اگر وہ شوہر کے پاس خلوت میں بیٹھی ہے تو عدت ہے ورنہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ ۲۵ شوال ۱۳۲۶ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۷۶)

## خلوت صحیحہ وفاسدہ میں بلا جماع عدت کا واجب ہونا

سوال (۶۰۴) ایک لڑکی کی شادی ایک مرد سے ہوئی لیکن خلوت صحیحہ پائی نہیں گئی یعنی دونوں باہم مل کر علیحدہ کمرے میں نہیں سوئے بلکہ ایک ہی کمرے میں خویش و بیگانہ لڑکی کے جو مرد و عورت تھے اس لڑکی کو لیکر سوئے تھے اور وہ مرد بھی ایک جانب علیحدہ اسی کمرے میں سوتا تھا۔ بعد اس کے یعنی دوسرے دن معلوم ہوا کہ ناکح نامرد ہے پس لوگوں کے کہنے سے ناکح نے اپنی زوجہ کو طلاق دیا۔ پس اس صورت میں عدت اس عورت پر لازم ہے یا نہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ خلوت صحیحہ ہوئی اور کوئی کہتا ہے خلوت فاسدہ ہوئی اور کوئی کہتا ہے نہ خلوت صحیحہ ہوئی نہ فاسدہ عجیب خلجان میں طبیعت پڑی ہے۔ اگر اس عورت پر بوجہ ناکح کے نامرد ہونے کے عدت لازم نہیں تو اگر کسی مرد کو ایسی صورت پیش آوے تو اس کا کیا حکم ہے۔؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب۔ اول اس کی تحقیق کر لی جاوے کہ خلوت ہوئی یا نہیں۔ اگر خلوت ہوئی تو عدت واجب ہے گو وہ خلوت بوجہ عنین ہونے مرد کے فاسد ہوئی مگر عدت خلوت فاسدہ میں بھی واجب ہوتی ہے۔ بقول اصح فی ردالمحتار ان المذہب وجوب العدۃ للخلوۃ صحیحۃ او فاسدۃ ۔ج۲ ص۹۸۶۔

۶ رجمادی الاولی ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۸۴)

## وجوب عدت در تفریق از نکاح فاسد

سوال (۶۰۵) ہندہ کا پہلا نکاح زید سے ہوا نکاح کے چند برسوں بعد زید کا انتقال ہو گیا اور مرتے وقت ایک پسر کلو پانچ مہینے کا چھوڑا زید کی عدت کے اندر ہی ہندہ کا دوسرا نکاح عمرو سے ہوا باوجودیکہ عمرو جانتا تھا کا زید کو مرے ہوئے ایک ماہ گزرا ہے اور عدت کے مسئلہ سے بھی واقف تھا مگر لوگوں کے مجبور کرنے سے اس نے نکاح کر لیا اور ہندہ بلا اعادۂ نکاح دو برس تک عمرو کے تحت میں رہی کوئی اولاد عمرو سے نہیں ہوئی اب ہندہ نے خود عمرو سے طلاق کی درخواست کی عمرو نے مجبوراً کہا کہ اگر تم ہمارا مہر بخشدو تو ہم تم کو طلاق دیدیں ہندہ نے سبھوں کے سامنے مہر بخشدیا اور اسی وقت عمرو نے یوں کہا کہ میں نے طلاق دیا۔ میں نے طلاق دیا۔ میں نے طلاق دیا۔ پھر ہندہ عمرو سے علیحدہ ہو گئی اور عمرو کی عدت کے اندر ہی یعنی عدت کے ایک ماہ گزرنے پر بکر سے اپنا نکاح کیا۔ مسئلہ عدت سے دونوں ناواقف تھے یعنی ہندہ و بکر دونوں نہ جانتے تھے کہ کتنے دنوں کی عدت ہوتی ہے ہندہ کا حیض کلو کے پیدا ہونے کے بعد ہی سے بند تھا اور اب دو ماہ سے حیض ماہوار آنا شروع ہوا ہے یعنی ہندہ کے تیسرے نکاح کے ایک ماہ پہلے سے حیض ماہوار آنے لگا ہے ہندہ کلو کے پیدا ہونے کے بعد اب تک حاملہ نہیں ہوئی۔

(الف)۔کیا ہندہ کا نکاح عمرو سے کسی صورت سے جائز تھا یا اعادہ نکاح کی ضرورت تھی۔

(ب)۔اگر ہندہ کا نکاح عمرو سے ناجائز تھا تو کیا بکر کا نکاح باعمرو کی عدت گزرے جائز ہوگیا۔

(ج)۔اگر ہندہ کا نکاح عمرو سے جائز تھا تو کیا بکر کا نکاح بالکل ناجائز ہوگا اور بکر کو ہندہ سے عمرو کی عدت گزرنے تک علیحدہ کرادینا ضروری ہے اور کیا عمرو کی عدت گزرنے کے بعد بکر کو پھر اعادہ نکاح کی ضرورت ہے۔؟

الجواب۔فی الدرالمختار سبب وجوبها (ای العدة) عقد النكاح المتاكد بالتسليم وما جرى مجراه من موت اوخلوة في ردالمحتار عقد النكاح ای ولو فاسدا بحروفيه مبدأ العدة فی النكاح الفاسد بعد التفريق من القاضی بينهما او المتاركة وبذلك يزول منشوها الذی هوالنكاح الفاسد ج۲ ص۹۸۶ وفی الدرالمختار فی النكاح الفاسد وفيه اوالمتاركة وفيه ومنه الطلاق ص۱۱۰۷ او فی ردالمحتار ان الدخول فی النكاح الفاسد موجب للعدة الٰی قوله ونكاح المعتدة ص۹۹۹۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ عمرو سے جو ہندہ نے نکاح کیا وہ فاسد ہے اور تفریق واجب تھی اور جب اس نے طلاق دی تو اب تفریق ہوگئی اور اب تفریق کے وقت پھر عدت واجب ہوئی جب ہندہ نے پھر عدت کے اندر بکر سے نکاح کیا یہ بھی نکاح فاسد ہے، اور تفریق واجب ہے اب بکر و ہندہ دونوں پر واجب ہے کہ جدا ہوجائیں اور وقت تفریق عمرو سے جب پورے تین حیض گزر جائیں اب جس سے چاہے نکاح کرلے۔اس تقریر میں سب مسئلوں کا جواب ہوگیا۔واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

۲۰ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۳۲ ج ۲)



## عذر نبودن نااتفاقی در انتقال فی العدة

سوال (۶۰۶) اگر عورت اور اس کی ساس میں سخت نااتفاقی ہو کہ دونوں ایک ساتھ نہیں رہ سکتیں تو کیا یہ عذر ہوسکتا ہے جس کی وجہ سے عورت سسرال سے آ کر عدت اپنے میکے میں پوری کرے۔ حدیث فاطمہؓ بنت قیس سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے مگر فقہاء کے کلام میں تصریح نہیں ملتی۔

الجواب۔جزائیات فقہیہ کے تتبع وتامل سے معلوم ہوتا ہے کہ عذر مبیح للانتقال نہیں بلکہ قاضی خان میں گھر کے اندر میت کے ہونے کی وجہ سے جو خوف ہو وہ اگر قلیل ہو معتبر قرار دیا گیا۔ قال لان قليل الخوف يكون بمنزلة الوحشة حالانکہ اتنا خوف بھی غیر اختیاری ہے ضبط سے جو تکلیف ہوتی ہے وہ اس وحشت مذکورہ سے بہت ادنیٰ ہے جب یہ وحشت عذر نہیں تو تکلیف ضبط کیونکر عذر ہوگا۔ اور حضرت فاطمہؓ بنت قیس کے عذر کی تعیین جس کو انہوں نے خود حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا یہ

ہے قلت یا رسول اللہ زوجی طلقنی ثلثا واخاف ان یقتحم علی رواہ مسلم اور حضرت عائشہؓ کا قول اسی کا مؤید ہے۔ قالت کانت فی مکان وحش فخیف علی ناحیتھا۔ رواہ فی المشکوۃ۔
۲۵ محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۸ ج ۲)

## ایام سوگ میں پان کھانے کا حکم

سوال (۶۰۷) جس عورت کو پان کھانے کی عادت ہو وہ ایام سوگ میں پان کھا سکتی ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ نہیں۔ ۱۰ رجب ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۱۱۵)

## سوگ میں کنگی تیل کا حکم

سوال (۶۰۸) سر میں جوئیں پڑ جائیں تو ان کے مارنے کے لئے کنگھی کرنا یا تیل سر میں ڈالنا ایام سوگ میں جائز ہے کہ نہیں۔؟

الجواب۔ اس عذر سے جائز ہے بشرطیکہ خوشبودار تیل نہ ہو اور باریک دندانہ کنگھی نہ ہو۔ کما فی الدر المختار۔ ۱۰ رجب ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۱۱۵)

سوال (۶۰۹) شخص متوفی کی بیوہ کو دردسر و نیز اور اسی قسم کے عارضے لاحق رہتے ہیں۔ پس اگر بیوہ مذکورہ ایسے مرض کی تکلیف کی وجہ سے گاہے گاہے سر میں تیل کی مالش کر لیا کرے تو اس صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار۔ والدھن ولو بلا طیب کزیت خالص الی قولہ الا بعذر راجع للجمیع اذا الضرورات تبیح المحظورات فی ردالمحتار او تشتکی راسھا فتدھن و تمشط بالاسنان الغلیظۃ المتباعدۃ من غیر ارادۃ الزینۃ لان ھذا تداو لا زینۃ جوھرۃ ج ۲ ص ۱۰۱۶۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ صورت مسئولہ میں مالش تیل کی جائز ہے مگر اس میں خوشبو نہ ہو اسکے بعد جو کنگھی کی جاوے باریک اور گنجان دندانوں کی نہ ہو۔ ۶ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۸۱)

## عدم جواز استعمال چوڑی بلور در عدت

سوال (۶۱۰) ہندہ کا عقد ہو گیا و لیکن خاوند کے مکان پر رخصت نہ کی گئی تھی کہ ہندہ کا زوج گزر گیا۔ اب اس کو چار مہینے دس دن عدت بیٹھنا ضروری ہے۔ خوشبو، جدید کپڑے، زیور، سرمہ، پان،

مسّی، تیل۔مہندی وغیرہ سب ترک کیا ولیکن ہاتھ میں دو دو چوڑیاں بلور کی رہنے دیں اس سے جب کہا گیا کہ تم چوڑیاں اتار دو ہندہ نے کہا کہ یہ ہندوؤں کی رسم ہے یہ کچھ زینت نہیں ہے۔لہٰذا ہندہ چوڑیاں بلور کی اتار دے یا پہنے رہے۔؟

الجواب۔في الدر المختار بترك الزينة بحلي في ردالمحتار قوله بحلي اى بجميع انواعه من فضة و ذهب وجواهر (بحر) قال القهستاني والزينة ما تتزين به المرأة من حلي او كحل الخ ج۲ ص ۱۰۱۵۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ زینت کی جمیع انواع واجب الترک ہیں اور زینت کی حقیقت بھی اس سے معلوم ہوئی کہ جس کو عورت بقصد زینت استعمال کرے اور یقینی بات ہے کہ ہمارے دیار میں چوڑیاں تزین ہی کی غرض سے پہنتی ہیں وہ داخل زینت ہو کر واجب الترک ہوئیں اس لیے اس عورت پر واجب ہے کہ چوڑیاں اتار ڈالے۔رہا اس کا یہ قول کہ یہ ہندوؤں کی رسم ہے سو یوں تو خود ایسی چوڑیاں پہننا بھی ہندوؤں ہی کی رسم ہے مگر جس طرح ان کے ساتھ خصوصیت نہ رہنے سے پہننے میں تشبہ نہیں اسی طرح حسب حکم شرعی ان کے اتار دینے میں بھی تشبہ نہیں۔

دوسرے یہ کہ ہندو عورتیں چوڑیاں توڑ ڈالتی ہیں اتارتی نہیں سو توڑنا بلاضرورت قطع نظر تشبہ کے ویسے بھی مال کی اضاعت ہے پس توڑی نہ جاوے بلکہ اتار دی جاوے۔البتہ اگر اتارنے میں کچھ تکلیف و دشواری ہو تو بمجبوری توڑی جائے۔۲۷ ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۳۵)

## عدم صحت رجعت بعد ثلاث

سوال (۶۱۱) زید نے اپنی زوجہ کو تین یا تین سے بھی زائد طلاقیں دیں اور جس روز طلاقیں دیں اسی روز یا اس کے بعد عدت کے اندر رجوع کرلیا تو بعد رجوع جو اولاد پیدا ہوئی وہ اور اس کی زوجہ زید کے مرنے کے بعد ترکہ کے مستحق ہیں یا نہیں اور یہ رجوع صحیح ہے یا غیر صحیح۔؟

الجواب۔یہ رجوع صحیح نہیں ہوا عورت بحالہا حرام رہی۔اب اگر یوں طلاق سے دو سال کے اندر کوئی اولاد ہوئی اور اس مدت میں عورت نے انقضائے عدت کا اقرار زبان سے نہیں کیا تو وہ اولاد ثابت النسب ہوگی اور اگر پورے دو سال یا اس سے زائد میں اولاد ہوئی اور شوہر نے تصریحاً اس کے نسب کا دعویٰ نہیں کیا تو وہ ثابت النسب نہیں پس جو ثابت النسب ہے وہ وارث ہوگا جو ثابت النسب نہیں وہ وارث نہ ہوگا اور عورت وارث نہ ہوگی بشرطیکہ یہ طلاق مرض الموت میں نہ ہوا ہو۔في الدر المختار فصل ثبوت النسب كما يثبت بلا دعوة احتياطا في مبتوتة جاء ت به لاقل منهما من وقت الطلاق ولم تقر بمضيها ولو لتمامها لا الابدعوة۔اور اگر واقعہ کی کوئی اور صورت ہو تو

بالتعیین ظاہر کرنا چاہئے کیونکہ اسکی شقوں میں طول بہت ہے۔ فقط ۲۷ محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۷۵ ج ۲)

## معاف کردو جانے دو کہنے سے رجعت ہوتی ہے یا نہیں؟

سوال (۶۱۲) ایک شخص نے ایک عورت کو طلاق دی اس کے بعد جب نادم ہوا اور عورت گھر سے خفا ہو کر جانے لگی تو عورت سے کہا معاف کرو جانے دو چنانچہ وہ ٹھیر گئی۔ اب عدت ختم ہوگئی اور سواء ان الفاظ کے اور کچھ نہیں کہا۔ اب عدت ختم ہوگئی جدید نکاح کی ضرورت ہے یا یہ الفاظ کنایہ رجعت ہو سکتے ہیں۔؟

الجواب۔ مسئلہ جزئیا تو نظر سے نہیں گزرا باقی جو کنایات رجعت کے فقہاء نے لکھے ہیں۔ انت عندی کما کنت وانت امرأتی جو کہ نیت سے موجب رجعت ہیں معاف کردو جانے دو ان کے مشابہ نہیں ہے لہٰذا کنایہ نہ ہوگا تجدید بتراضی طرفین کی ضرورت ہوگی۔ وجہ عدم تشابہ ظاہر ہے کہ کنایات مذکورہ اقتضاءً دال ہیں بقاء نکاح پر بخلاف ان الفاظ کے کہ محض طلب رضاء کے لئے ہیں جس کو رجعت میں اصلاً دخل و تعلق نہیں۔ ۱۸ شعبان ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۱۰۲)

## حکم اسقاط حمل مطلقہ حاملہ

سوال (۶۱۳) ایک عورت کے تیسرے مہینے میں حمل ساقط ہوگیا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ ایسے سقوط حمل کے بعد عورت مطلقاً اپنا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار احکام النفاس وسقط ظهر بعض خلقه كيد او رجل او اصبع اوظفر او شعر ولا حكما الیٰ قوله و تنقضی به العدة فان لم يظهر له شيئى فليس بشيئى فی ردالمحتار انه ان لم يظهر من خلقه شيئى فلاحكم له من هذه الاحكام وفيه باب العدة والمرادبه الحمل الذی استبان بعض خلقه او كله فان لم يستبن بعضه لم تنقض العدة۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ اس حمل ساقط شدہ کا اگر کوئی عضو بڑا یا چھوٹا ظاہر ہوگیا ہو تب تو اس کی عدت گزر گئی اور اس کو اپنا نکاح دوسرے شخص سے کر لینا جائز ہے ورنہ نہیں۔

۱۹ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۲۳۵)

## بعض صیغہائے رجعت

اطلاع:۔ بہشتی زیور کے حصۂ چہارم طلاق رجعی میں رجعت کرنے کے بیان میں دوسرا مسئلہ جو ہے اس میں رجعت کے لئے یہ صیغہ بھی لکھا ہے کہ طلاق سے رجوع کرتا ہوں اس میں بھی ایک محقق

عالم نے تنبیہ کی ہے کہ اس سے رجعت نہیں ہوتی اس کی بھی مزید تحقیق فرمالی جاوے۔
(ملحقات تتمۂ اولیٰ ص ۳۳۹)

# فصل فی النسب والحضانة والنفقات

## عدم ثبوت نسب از نکاح باطل

سوال (۶۱۴) بعض بے علم ایسا سمجھتے ہیں کہ رضاعت کا مسئلہ ان دو شخصوں کے ساتھ متعلق ہے جو ایک ساتھ دودھ پیویں۔ یعنی زید ہندہ کا لڑکا پیدا ہوا اور اس نے جو دودھ پیا اسی کے ساتھ کریمہ دودھ پلائی گئی تو زید اور کریمہ میں نکاح حرام سمجھتے ہیں اس جہالت کے سبب سے مثلاً کسی نے کریمہ کا نکاح عمرو سے کر دیا اور پھر ان دونوں کی اولاد بھی پیدا ہوئی تو وہ اولاد کیسی ہے اور اگر کوئی ان لڑکے لڑکیاں سے جو عمرو کریمہ سے پیدا ہوئے کسی لڑکے کا لڑکی سے نکاح کرے تو یہ کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ اس میں بحث طویل ہے باقی میرے نزدیک قواعد سے جس کو ترجیح ہے وہ یہ ہے کہ یہ نکاح باطل ہے اور نکاح باطل میں نسب ثابت نہیں ہوتا لہٰذا اس نکاح کی اولاد ثابت النسب نہیں اور ان سے نکاح کرنا ثابت النسب کا غیر کفو سے نکاح کرنا ہے اور غیر کفو سے نکاح کرنے کے احکام کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے فی ردالمحتار عن مجمع الفتاوی نکح کافر مسلمة فولدت منه لایثبت النسب منه ولا تجب العدة لانه نکاح باطل آہ ج ۲ ص ۴۷۵۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
۱۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۴۰)

## حکم عدم ثبوت نسب اولادیکہ از نکاح محارم پیدا شود و غیر وارث بودن ایشاں

سوال (۶۱۵) ایک شخص نے اپنے بھانجے کی بیٹی سے نکاح کیا عاموں نے اس کو منع کیا مگر اس نے نہیں سنا۔ بعدہ اس منکوحہ محرمہ سے فرزند پیدا ہوئے۔ آیا ان فرزندوں کا نسب اس ناکح سے ثابت ہوگا یا نہیں اور وہ لوگ ناکح کے وارث ہوں گے یا نہیں مذہب مفتیٰ بہ کیا ہے تحریر فرمایئے۔؟

الجواب۔ فی ردالمحتار ولذا لایثبت النسب ولا العدة فی نکاح المحارم ایضا کما یعلم مما سیاتی فی الحدود۔ ج ۲ ص ۴۷۵ مصریہ۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں نسب ثابت نہ ہوگا اس لئے یہ وارث بھی نہ ہوں گے۔ ۱۵ شعبان ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۵۷)

## ثبوت نسب از شوہر گو بظاہر تعلق نہ باشد

سوال (۶۱۶) زید نے مسماۃ ہندہ کو جو عمرو کی منکوحہ ہے بغیر عمرو کے طلاق دیئے ہوئے اپنے

گھر میں ڈال رکھا ہے اور سات برس سے ہندہ کا تعلق اپنے پہلے شوہر عمرو سے کسی قسم کا نہیں ہے۔ اس سات سال میں مسماۃ ہندہ کے زید سے بچے پیدا ہوئے ہیں کیا ان کا نسب زید سے خیال کیا جاوے گا یا عمرو سے۔ در صورتیکہ زید اور مسماۃ ہندہ اس امر کے مقر ہیں کہ یہ بچے باہمی تعلقات وطی سے پیدا ہوئے ہیں اور عمرو کی بابت ہندہ مقر ہے کہ یہ بچے اس کے نطفہ سے نہیں ہیں۔ کیا اس صورت میں ان بچوں سے شریف النسب لڑکیاں بیاہی جاسکتی ہیں اور ان بچوں سے اور خود زید سے کیا تعلق اور مراسم اسلام میں برتے جائیں گے یا بے لوث مسلمانوں کی طرح ان سے معاملہ کیا جاوے اور باوجود بہت فہمائش کے زید ہندہ کو علیحدہ نہیں کرتا ہے۔؟

الجواب۔ قاعدہ کلیہ ہے کہ چونکہ حقیقت نسب بالکل امر مخفی ہے کہ واقع میں یہ کس کا نطفہ ہے اس لیے شریعت مقدسہ نے علامت ظاہرہ کو جو کہ شرعاً بھی معتبر ہو اس کا معیار اور مدار قرار دیا ہے اور وہ علامت نکاح ہے۔ پس یہ قانون مقرر کر دیا گیا ہے کہ جس شخص سے نکاح ہوا ہے نسب اسی کا حق ہے۔ البتہ اگر وہ خود اس کی نفی کرے یعنی شوہر ہی خود کہے کہ یہ میرا نطفہ نہیں ہے اور درصورت گواہ زنا نہ ہونے کے عورت بھی اس نفی میں اس کی تصدیق کرے تب البتہ اس سے نسب ثابت نہ ہوگا اور عورت کی تصدیق اس لئے شرط ہے کہ شوہر کی نفی سے عورت پر زنا کی تہمت لگتی ہے جس سے حق تلفی وآبروریزی عورت کی ہوتی ہے لہٰذا درصورت گواہ نہ ہونے کے خود صاحب حق کی تصدیق ضروری ہوگی جب یہ قاعدہ ممہد ہو چکا جس کی تصریح کتب فقہ میں بناء بر حدیث **الولد للفراش وللعاهر الحجر** کے موجود ہے۔ اب جواب سب مسائل کا ظاہر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں اگر عمرو سکوت کرے تو ان بچوں کا نسب عمرو سے ثابت ہوگا (نہ بایں معنی کہ کہا جاوے کہ واقع میں عمرو کے نطفہ سے ہیں بلکہ بایں معنی کہ واقعہ کا حال دلیل قطعی سے معلوم نہیں اور ظاہری قرینہ شرعاً معتبر نہیں اس لئے صاحب نکاح صاحب حق ہے) اور اس صورت میں زید اور ہندہ کا بیان کافی نہیں کیونکہ حق نسب ان کا حق نہیں ہے اور اگر عمرو بھی نفی کر رہا ہے اور عورت کی تصدیق موجود ہے تب البتہ عمرو سے ثابت نہ ہوگا لیکن زید سے بھی بوجہ عدم نکاح کے ثابت نہ ہوگا بچہ مجہول النسب رہے گا اور اول صورت میں نکاح وغیرہ کے باب میں ان بچوں کا حکم مثل عمرو کے ہوگا اور دوسری صورت میں وہ بچے کسی ثابت النسب لڑکیوں کے کفو نہیں ہیں اور غیر کفو سے نکاح کرنے کا جو حکم ہے وہ ان کے لئے جاری ہوگا اور چونکہ ان دونوں صورتوں میں ہندہ وزید دونوں فاسق ہیں اس لیے ان سے فساق کا سا معاملہ کریں گے۔ واللہ اعلم [1]۔ ۳ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۴۷)

سوال (۶۱۷) بہشتی زیور حصۂ چہارم کے بیان لڑکے کے حلالی ہونے کے آخری دو مسئلوں (نکاح ہوگیا لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی الخ) و (میاں پردیس میں ہے اور مدت ہوگئی برسیں گزر گئیں

(۱) اس مسئلے کے بارے میں ایک مختلف تحقیق ضمیمہ نمبر......۱ صفحہ نمبر......۷۰۳ میں ملاحظہ فرمائیں۔ محمد تقی عثمانی

الخ) پر لوگ مختلف خیال والے اعتراض کر رہے ہیں براہ عنایت ہر دو مسائل کا مشرح و مدلل حال تحریر فرمایئے تاکہ معترضین کو چپ کیا جاوے۔؟

الجواب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

اب تک جس نے اس بارے میں زبانی یا تحریری دریافت کیا اعتراض کے رنگ میں دریافت کیا اس کے لیے خطاب کرنے کو جی نہ چاہا۔ آپ کے الفاظ سے چونکہ سمجھنے کا قصد معلوم ہوتا ہے اس لئے جواب لکھتا ہوں ذرا غور سے سمجھئے بہشتی زیور کے ان مسئلوں کا یہ مطلب نہیں کہ بدون صحبت کے حمل رہ جاتا ہے اور وہ حمل اس شوہر کا ہوجاتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان صورتوں میں اوپر کے دیکھنے والوں کو خود اسی کا یقین کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں کہ ان میں صحبت نہیں ہوئی پس ان کو شرعاً یہ اجازت نہیں کہ محض ظاہری دوری کو زن وشوہر میں دیکھ کر یہ کہدیں کہ جب ہمارے علم میں ان کے درمیان صحبت واقع نہیں تو واقع میں بھی صحبت نہیں ہوئی اور یہ حمل حرام کا ہے اور یہ عورت حرام کار ہے اور بچہ ولد الحرام ہے۔ پس دیکھنے والوں کو یہ حکم لگانے کا حق نہیں کیونکہ کسی کو حرام کار یا حرام زادہ کہنا بہت بڑی تہمت ہے اور گناہ عظیم ہے اس کا منہ سے نکالنا بدون دلیل قطعی کے جائز نہیں بلکہ جب تک بعید احتمال بھی وقوع صحبت کا رہے گا یوں سمجھیں گے کہ شاید یہی بعید صورت صحبت کی واقع ہوئی ہو اور دوسروں کو اس کی اطلاع نہ ہوئی ہو اور وہ بعید احتمال یہاں دو ہوسکتے ایک یہ کہ کسی بزرگ کی کرامت سے زن وشوہر ایک جگہ جمع ہوگئے ہوں اور ان میں صحبت واقع ہوئی ہو۔ دوسرے یہ کہ کسی جن نے دونوں کو ایک جگہ جمع کردیا ہو اور صحبت ہوگئی ہو اور حمل رہ گیا ہو۔ اور بزرگوں کی کرامت اور جن کا تصرف اہل سنت و جماعت کے نزدیک شرعاً و عقلاً ووقوعاً ثابت ہے۔ اور گو اس کا احتمال بعید ہی ہوگا مگر ہم مسلمان عورت کو تہمت سے بچانے کیلئے اور بچہ کو عار سے بچانے کے لئے اس احتمال کو ممکن مانیں گے اور یوں کہیں گے کہ شاید ایسی ہی صورت ہوئی ہو۔ اور بعض صورتوں میں ممکن ہے کہ شوہر ایسی طرح خفیہ آیا ہو کہ کسی کو خبر نہ جیسے بعض اشتہاری مجرم رات کو اپنے گھر آجاتے ہیں اور رات ہی کو چلے جاتے ہیں۔ اس لئے اس حمل کو اس شوہر کی طرف منسوب سمجھیں گے۔ اور نسب کو ثابت مانیں گے۔ البتہ خود شوہر کو اس کا علم قطعی ہوسکتا ہے کہ میں نے صحبت کی ہے یا نہیں۔ سو اس کو شرعاً مجبور نہیں کیا گیا کہ خواہ مخواہ تو اس بچے کو اپنا ہی مان۔ بلکہ اس کو اختیار دیا گیا ہے کہ اگر تو نے صحبت نہیں کی ہے تو اس نسب کی نفی کرسکتا ہے مگر چونکہ حاکم شرع کو کسی دلیل قطعی سے خود شوہر کا راست گو ہونا یقینی طور پر معلوم نہیں ہوسکتا بلکہ احتمال ہے کہ کسی اور رنج وغصہ سے عورت کو بدنام کرتا ہو۔ اس لیے اس کے نفی کرنے پر حاکم شرع سکوت نہ کرے گا بلکہ مقدمہ قائم کرکے لعان کا قانون نافذ کرے گا پھر لعان کے بعد دوسروں کو شرعاً اجازت ہے کہ اس بچے کو اس شوہر کا نہ کہیں کیونکہ قانون شرعی سے اس کا نسب قطع ہوچکا یعنی شرعاً جبر نہیں کہ اب بھی اسی کا مانو۔ بلکہ قانوناً اس سے

منقطع سمجھیں گے اور واقع کے اعتبار سے پھر بھی یوں کہیں گے کہ غیب کا علم خدا تعالیٰ کو ہے۔ اسی طرح عورت کی نسبت کہیں گے کہ خدا کو خبر کہ مرد سچا ہے یا عورت۔ ۲۷ رشعبان ۱۳۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۸۴)

سوال (۶۱۸) کتاب بہشتی زیور مصنفۂ جناب جلد چہارم میں مسئلہ ذیل دیکھ کر ناچیز کو و نیز دیگر اشخاص کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہے جس کی بابت یہ رائے قرار پائی کہ حضور ہی سے اس کا اطمینان کر لیا جاوے۔

مسئلہ۔ (شوہر پردیس کو چلا گیا اور برسیں گزر گئیں بلکہ مدتیں ہوگئیں اور یہاں لڑکا پیدا ہو گیا تو وہ لڑکا حرامی نہیں کہلائے گا۔ ہاں اگر شوہر انکار کر دے تو حکم لعان کا ہوگا) مسئلہ ہذا میں اعتراض یہ ہے کہ اگر شوہر کے چلے جانے کے پانچ سال بعد لڑکا پیدا ہوا ہے اور شوہر پردیس میں ہے تو حالت ظاہری میں حرامی ہوا اور شوہر نے اقرار بھی کر دیا کہ لڑکا میرا ہے چونکہ اس کا مکان پر آنا ثابت نہیں ہے تو شوہر کی نسبت بھی دیوث کا گمان ہوگا۔ اگر ہم لوگوں کی رائے غلطی پر ہے تو بروئے شرع شریف کیا سند ہے اور آیات قرآنی یا احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تو اس میں کیا حکمت ہے اور دلائل عقلیہ بھی اس کی نسبت کیا ہیں کیونکہ اسباب ظاہری ہم لوگوں کے شک کو رفع نہیں کر سکتے ہاں اگر غلطی کتابت سے کوئی عبارت یا الفاظ سہواً کاتب سے تحریر ہونا باقی رہ گئے ہیں یا اگر ایسا ہے کہ شوہر کے جانے کے بعد کچھ ماہ یا انتہائے میعاد دو برس کے بعد بھی لڑکا پیدا ہو تو کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا ہے۔ صرف اس قدر گزارش ضرور ہوگی کی چونکہ بہشتی زیور کی تعلیم عورتوں کو خصوصاً اور عموماً کم عمر بچوں کی دی جاتی ہے لہٰذا میعاد پیدائش صاف تحریر ہونا چاہئے تھی کیونکہ مسئلہ حضور ہی کا تحریر کردہ ہے اور حضور کو بحیثیت نائب رسول ہونے کے ہم لوگوں کی تسکین کافی طور پر کرنا ضروری اور جناب کی ذات مجمع فیض و اخلاق ہے امید ہے کہ بصراحت جواب کافی وشافی تحریر فرمایئے گا؟

الجواب۔ اس مسئلہ کا یہ مطلب نہیں کہ واقع میں وہ لڑکا اس شوہر کا ہے اور نہ یہ مطلب ہے کہ اس عورت پر یا اس کے شوہر پر واجب ہے کہ وہ ایسا سمجھیں کیونکہ ان دونوں کو تو اصل حال معلوم ہے پس ان پر کیسے واجب ہوگا کہ واقع کے خلاف کا یقین رکھیں اور دوسروں کو واقع کا حال معلوم نہیں ان پر کیسے واجب ہوگا کہ جس بات کا حال معلوم نہ ہو اس کا یقین رکھیں۔ بلکہ مطلب اس مسئلہ کا یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس کو حرام کا سمجھیں۔ بلکہ ان کو یہ سمجھنا چاہئے کہ قانوناً اور ضابطہ کی رو سے یہ لڑکا اس شوہر کا ہے کیونکہ ان مرد وعورت میں نکاح ہو چکا ہے اور ممکن ہے کہ یہ باہم ملے ہوں جس کا علم کسی کو بجز زوجین کے نہ ہوا ہو۔ جس طرح بعض اشتہاری لوگ خفیہ اپنے گھر آ جاتے ہیں یا بعضے لوگ بذریعہ تسخیر جن کے جہاں چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں اور گو یہ احتمال بعید ہی کیوں نہ ہو۔ مگر ایک عورت منکوحہ کو احتمال بعید کے ہوتے ہوئے زانیہ کہنا درست نہیں اور اسی کی کیا تخصیص ہے اگر شوہر پاس بھی ہوا

اس حالت میں جواولاد ہوتی ہے وہاں بھی واقعہ کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے دوسروں کو یقیناً کیسے معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ اسی کا نطفہ ہے مثلاً اگر پاس رہ کر پانچ برس تک ہم بستر نہ ہو جس کا کسی کو علم نہ ہو تو اس حالت کی اولاد کو صرف قانونی اولاد کہا جاتا ہے واقعی ہونے کا کون حکم کرسکتا ہے۔ ایسا ہی یہ ہے۔ البتہ چونکہ شوہر کو یقیناً معلوم ہے کہ میں اس عورت سے کتنے روز سے ہمبستر نہیں ہوا۔ اس کو یہ حق حاصل ہے کہ کہدے کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے پھر اگر اس نے کہا تو اگر عورت بھی اس کا اقرار کرے اس کو زانیہ کہا جاوے گا۔ اور اگر شوہر کی تکذیب کرے تو چونکہ دوسرے لوگوں کو کسی دلیل سے کسی خاص شخص کا جھوٹا یا سچا ہونا معلوم نہیں ہوسکتا ہر ایک میں دونوں احتمال ہیں اس واسطے پھر بھی اس عورت کو زانیہ نہیں کہا جاوے گا بلکہ اس صورت میں شریعت نے لعان کا قانون مقرر کیا ہے جس کا بیان ایک مستقل باب میں بہشتی زیور میں بھی ہے اور یہ مسئلہ فقہ کی تمام کتابوں میں ہے اور سمجھدار آدمی کے نزدیک قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ قرآن کی یہ آیتیں ہیں۔ قولہ تعالیٰ۔ اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم۔ وقولہ تعالیٰ لو لاجاؤاعلیہ باربعة شھداء فاذلم یاتوا بالشھداء فاولئك عنداللہ ھم الکاذبون۔ اورحدیثیں یہ ہیں۔ قولہ علیہ السلام الولد للفراش وللعاھر الحجر وقولہ علیہ السلام ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث اور احتمالات بعیدہ پر دوسروں سے تہمت اور بدگمانی کا رفع کرنا حدیث کے اس قصہ سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے دیکھا اور تو کا اس نے قسم کھا کر کہا کہ میں چوری نہیں کر رہا۔ آپ نے اپنے گمان کی تغلیط اور اس کی قسم کی تصدیق فرمائی اور اس اعتراض کے جواب میں ایک مستقل رسالہ بھی ایک صاحب علم نے لکھا ہے۔ رفع الارتیاب عن مسئلة الأنساب۔ فقط۔ ۱۳۳۶ھ (تتمۂ خامسہ ص ۴۹)

## تحقیق نہ سید بودن اولاد از مرد غیر سید وزن سیدہ

سوال (۶۱۹) مرد غیر سیّد نے سیّدہ عورت سے نکاح کیا اگر وہ نکاح جائز ہوا تو اولاد جو اس سے پیدا ہوگی وہ نسباً سیّد کہلائے گی یا نہیں۔؟

الجواب۔ نہیں بجز اولاد فاطمہؓ کے۔ ۲۷ رذی الحجہ ۱۳۳۸ھ (تتمۂ خامسہ ص ۱۷۲)

## کسی عالم بزرگ کا عورت کے منہ میں اگال ڈالنے سے جو بچہ پیدا ہوا اس کا نسب خاوند سے ہوگا نہ اگال ڈالنے والے سے

ایک مقام سے ایک طویل سوال عربی میں آیا تھا بعد تلخیص اس کو اردو میں مع جواب نقل کرتا ہوں:۔

سوال (۶۲۰) حاصل اس کا یہ تھا کہ ایک صدیقی نسب قاضی کو اولاد کی تمنا تھی ایک سیّد نسب

بزرگ سے دعاء کی درخواست کی۔ انہوں نے پان کھا کر اس کا اگال ان کو دیا کہ اپنی بیوی کو کھلا دیں۔ چنانچہ کھانے کے بعد آثار حمل کے ظاہر ہوئے اور بچہ پیدا ہوا اس کے متعلق دو سوال ہیں۔ ایک یہ کہ کیا ایسا ممکن ہے۔ دوسرا یہ کہ اس مولود کا نسب قاضی سے ثابت ہوگا اور وہ مولود صدیقی ہوگا یا ان بزرگ سے ثابت ہوگا اور وہ مولود سیّد ہوگا۔؟

الجواب۔ اس میں نہ کوئی امتناع عقلی ہے اور نہ امتناع شرعی بلکہ امتناع طبی بھی نہیں وجہ یہ کہ فن طب میں یہ منقح ہو چکا ہے کہ اصل تولد مولود کا عورت کے مادّہ سے ہوتا ہے اور مرد کا مادہ اس کا عاقد ہوتا ہے اور خود بعضی عورتوں کے مادہ میں قوت عاقدہ بھی کافی ہوتی ہے پس اگر خرق عادت کے طور پر یہ اگال اپنے اثر سے عاقد ہوگیا ہو یا عورت کی قوت عاقدہ کا معین ہوگیا ہو تو کوئی طبی اشکال نہیں اور اسی احتمال پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تولد قواعد طبیہ پر منطبق ہوسکتا ہے گو خلاف عادت ہونے کے سبب خارق عادت ہے باقی ثبوت نسب سو شریعت میں مرد سے نسب ثابت ہونے کا اور طریق ہے یعنی احبال بطریق متعارف یا اس کا قائم مقام یعنی عورت کا فراش ہونا اور یہ طریق ان بزرگ کیلئے متحقق نہیں ہوا اور قاضی کے لیے متحقق ہے لہٰذا اس مولود کو ان بزرگ کا ولد کہنا یا سیّد کہنا حرام ہے اور معصیت ہے وہ قاضی کا ولد ہے اور صدیقی ہے اور یہی سبب ہے کہ حضرت حواء کو بنت آدم کسی نص میں نہیں کہا گیا۔ اور عورت سے نسب ثابت ہونے کا اور طریق ہے یعنی تولد من بطنہا اور یہ طریق عیسیٰ علیہ السلام میں حضرت مریم علیہا السلام کے اعتبار سے متحقق ہے لہٰذا ان کو ابن مریم کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۴ رشعبان ۱۳۵۰ھ (النور ص ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ)

## حل اشکال متعلق ثبوت نسب از پدر واکتساب رق از مادر

سوال (۶۲۱) بہشتی زیور چوتھا حصہ مطبع قیومی صفحہ ۱۵ میں ہے کہ نسب میں اعتبار باپ کا ہے ماں کا کچھ اعتبار نہیں۔ اگر باپ سیدّ ہے تو لڑکا بھی سید ہے اور باپ شیخ ہے تو لڑکا بھی شیخ ہے۔ ماں چاہے جیسی ہو اگر کسی سیّد نے کوئی باہر کی عورت گھر میں ڈال لی اور اس سے نکاح کر لیا تو لڑکے سیّد ہوئے اور درجہ میں سب سیّدوں کے برابر ہیں اور بیان القرآن جلد دوم ص ۱۰۹ میں ہے وجہ کراہت یہ ہے کہ اس میں بلاضرورت اپنی اولاد کو غلام بنانا ہے کیونکہ حریت اور رقیت میں اولاد تابع ماں کے ہے۔ ان دونوں عبارتوں میں تطبیق کس طرح ہے۔؟

الجواب۔ تعارض ہی کب ہے کیا شرافت نسب اور مملوکیت جمع نہیں ہوسکتی (۱) فقط۔

شعبان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۵۷)

---

(۱) قلت وبہ خرج الجواب عما یستشکل حدیث احب الی من ان اعتق اربعة من ولد اسماعیل بان العرب لا یسبی حتی یعتق وجہ الجواب بانہ لوزوج احد من بنی اسماعیل امة مملوكة فظاهر ان الولد یکون من ولد اسماعیل ومع هذا یکون رقیقا تبعاللام ۱۲ منہ

## ثبوت نسب ولد الزناء از اقرار

سوال (۶۲۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں جس کے اول حالات مفصل عرض کئے جاتے ہیں کہ ایک شخص زید جو جائداد کثیر کا مالک تھا فوت ہوگیا اور ایک بیٹا محمود صلبی نکاحی زوجہ سے جوان چھوڑا اور دو بچے عمرو وبکر اور ایک عورت ہندہ باندی جو عمرو وبکر کی ماں تھی چھوڑی۔ ہندہ ایک عورت مدخولہ کی باندی تھی اس کا نکاح زید کے ساتھ نہیں ہوا تھا اور نہ محمود نے عمرو وبکر کو اپنا بھائی جانا اور نہ تسلیم کیا۔ زید کے مرنے کے بعد ہندہ نے ولیہ ہوکر عمرو وبکر کے حصوں کا اور نیز اپنے حصہ ولیہ کا جائداد زید میں سے ملنے کا دعویٰ عدالت دیوانی میں کیا عدالت نے زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ ہونا تسلیم نہ کرکے یہ فیصلہ دیا کہ عمرو وبکر زید کی اولا دولد الحرام ہے ان کو ساٹھواں حصہ حسب تحریر دستور العمل ملے گا جو انتظاماً قبل از پیدائش عمرو وبکر کے زید نے خاندانی انتظام کے واسطے سرکار انگریزی میں بھیجدیا تھا اور اس میں یہ لکھدیا تھا کہ اولاد ولد الحرام کو اگر باپ بیٹا مان لے تو اس کو زر نقد سے ساٹھواں حصہ ملے گا لہٰذا ان کو بھی ساٹھواں حصہ عدالت نے دلانا تجویز کیا ہندہ نے اس فیصلہ کا اپیل کیا عدالت اپیل نے یہ تجویز کیا کہ ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ ہونا ثابت نہیں ہے لیکن چونکہ زید نے عمرو وبکر کو صاحبزادہ لکھا ہے اور شہادت بھی عمرو وبکر کو بیٹا کہنا ثابت ہے اس صورت میں یہ دونوں مقبول الولد (یعنی ثابت النسب ۱۲) زید کے ہوں گے اور بموجب شرع محمدی ان کو حصہ مساوی محمود پسر صلبی کے ملنا چاہئے اور ہندہ کا دعویٰ بوجہ ثابت نہ ہونے نکاح کے خارج کردیا۔

### امور استفسار طلب یہ ہیں

سوال اوّل۔ مقبول الولد ہونے کے واسطے اقرار لسانی روبرو ورثاء ضروری ہے یا نہیں۔؟

سوال دوم۔ غیر مسلم کے روبرو بیٹا کہنے یا صرف صاحبزادہ لکھنے سے حصہ مساوی صلبی بیٹے کے مل سکتا ہے یا نہیں۔؟

سوال سوم۔ شرع محمدی میں غیر مسلم کی شہادت جائز ہے یا نہیں۔؟

سوال چہارم۔ مقر کے صاحبزادہ کہنے سے دیگر ورثاء ذوی الفروض کی جائداد دینے سے اس مقبول الولد کو حصہ مل سکتا ہے یا نہیں یا کہ صرف مقر کی جائداد دینے سے۔؟

سوال پنجم۔ محمود جو صلبی بیٹا زید کا تھا اور عمرو وبکر کو اپنا بھائی تسلیم نہیں کرتا تھا لاولد فوت ہوا اور علاوہ عمرو وبکر کے مقبول الولد تجویز ہوئے دو زوجہ چھوڑی ہیں تو اس صورت میں عمرو وبکر محمود کی جائداد میں ترکہ پانے کے مستحق ہیں یا نہیں۔؟

الجواب۔ سوال اول۔ ثبوت نسب کے لئے اقرار کرنا ورثہ کے روبرو تو ضروری نہیں مگر دو مقبول الشہادۃ مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کے روبرو ضروری ہے۔ فی الدر المختار ونصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالا اوغيره الى قوله رجلان او رجل وامرأتان ص ۱۱۰۔

جواب۔ سوال دوم۔ سوال کی تمہیدی عبارت سے اس کے متعلق صرف تین بنائیں معلوم ہوتی ہیں ایک یہ کہ زید نے یہ لکھدیا تھا کہ ولد الحرام کو اگر باپ بیٹا مان لے تو اس کو زر نقد سے ساٹھواں حصہ ملے الخ۔ دوسرے یہ کہ غیر مسلم کے سامنے بیٹا کہنا۔ تیسرے صاحبزادہ لکھا۔ سو بناء اول تو اس لئے ناکافی ہے کہ خود اس درخواست ہی میں ولد الحرام ہونے کا خود زید کا اقرار ہے جو صحت نسب کی منافی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ دوسری بناء اس لیے ناکافی ہے کہ غیر مسلم کی شہادت بمقابلہ مدعی علیہ مسلم کے معتبر نہیں۔ تیسری بناء اس لیے ناکافی ہے کہ صاحبزادہ لکھنا باوجود ولد الحرام مان لینے کے جیسے کہ بناء اول میں مذکور ہوا صاف یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مقصود دعویٰ کرنا صحت نسب کا نہیں ہے محض تحریر میں عنوان تعبیر کا ہے جس کو بناء بر تہذیب کلام کے اختیار کیا۔

جواب۔ سوال سوم۔ جائز نہیں۔ فی الدرالمختار فيشترط الإسلام لو المدعى عليه مسلماً ص ۱۰۹۔



جواب۔ سوال چہارم۔ اس عبارت کی دوسری شق یعنی دیگر ورثا الخ صاف نہیں ہے شاید مطلب یہ ہے کہ اگر عمرو و بکر کو کوئی دوسرا وارث حصہ دیدے یا عدالت دلا دے تو کیا اس صورت میں اس کا ثابت النسب ہونا اور وارث ہونا ثابت ہو جائے گا یا جب تک زید جائداد نہ دلا دے۔ دوسرے ورثہ سے دیا جانا ثبوت نسب وارث کے لیے کافی نہیں اگر یہ مطلب ہے تو جواب یہ ہے کہ عدالت کا دلانا بدون حجت شرعیہ کے کافی نہیں باقی اگر دوسرے ورثہ عمرو و بکر کو وارث جائز قرار دیں تو اگر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت جو قابل شہادت ہوں اقرار کرلیں کہ یہ زید کا صحیح النسب بیٹا ہے تو یہ شہادت شرعیہ ثبوت نسب کے بارہ میں ہو جاوے گی اور سب ورثہ پر اس کا اثر ہو جاوے گا۔ فی الدرالمختار و تصديق بعض الورثة فيثبت فى حق المقرين و انما يثبت النسب فى حق غيرهم حتى الناس كافة ان تم نصاب الشهادة لهم بان شهد مع المقر رجل ص ۲۸۲ اور اگر ایسا نہیں ہوا تو کچھ نہ ہوگا اور اگر کچھ اور مطلب ہے تو صاف عبارت میں لکھنا چاہئے۔

جواب۔ سوال پنجم۔ جب تک عمرو و بکر کا صحیح النسب ہونا ثابت نہ ہو جس کا ایک طریقہ تو زید کا اقرار صحیح تھا کہ جو کہ منفی ہے جیسا اوپر مفصل مذکور ہوا دوسرا دو شرعی وارثوں کا اقرار جس کا نمبر ۴ میں ذکر ہوا۔ سو جب تک ان دو طریقوں میں سے کسی طریق سے نسب ثابت نہ ہو محمود کے ترکہ میں عمرو و بکر کا

کوئی حق نہیں ہے۔ فقط ۳ محرم ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۳)

## بعد طلاق زوجہ جو اولاد ہو باپ پر اس کا نفقہ ہونا

سوال (۶۲۳) ایک عورت حاملہ کو شوہر نے طلاق ثلثہ دی بعد وضع حمل عدت گزر گئی اس لئے مطلقہ کو نفقہ نہیں ملے گا مگر وہ بچہ تو شوہر کا ہے وہ بچہ لڑکی ہے وہ جب تک ماں کی پرورش میں رہے گی اس کے واسطے خوارکی ملے گی یا نہیں۔؟

الجواب۔ ملے گی۔ ۴ رذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۱۱۲)

## اگر معتدہ زوج کے گھر نہ رہی تو زوج پر نفقہ نہیں

سوال (۶۲۴) زید نے اپنی عورت کو بوجہ نافرمان ہونے کے طلاق دیدی اور عورت میکہ میں چلی گئی۔ تو ایام عدّت کا خرچ زید پر واجب ہے کہ نہیں۔؟

الجواب۔ نہیں فی الدر المختار ان المرأة اذا نشزت فطلّقها زوجها فلها النفقة والسکنی اذا عادت الٰی بیت الزوج ج۲ ص ۱۰۹۰ قلت دلت الروایة علیٰ تقیید نفقة المعتدة بکونها فی بیت الزوج۔ ۸ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۱۱۴)

## معتدہ خود کما سکتی ہو تب بھی زوج پر نفقہ ہے

سوال (۶۲۵) جس جگہ یہ دستور عام ہو کہ مرد اور عورت دونوں کسب معاش کرتے ہیں دستکاری وغیرہ اور اسی سے گزران اوقات ہو اور عورت اگر دستکاری نہ جانتی ہو تو اس قصبہ کے لوگ عموماً امراء وغرباء اس کو معیوب جانتے ہوں اور عورت کا دستکاری یا کسب کرنا ضروری ہو اس وجہ سے کہ جہاں ایسے غرباء بستے ہوں کہ صرف مرد کے کسب کرنے سے عورت اور مرد دونوں کا خرچ چلنا مشکل ہے۔ اس صورت میں اگر مرد نے اپنی عورت کو طلاق دیدی اور عورت اپنی دستکاری سے بفراغت تمام کما کھا سکتی ہے بلکہ کچھ اس کے خرچ سے بچتا بھی ہے تو اس صورت میں مرد پر خرچ ایام عدت کا دینا واجب ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ واجب ہے۔ جبکہ بیت زوج میں ہو۔ فی الدر المختار فتجب للزوجة الٰی قوله فقیرة او غنیة۔ ۸ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۱۱۴)

## تحقیق سقوط نفقہ در طلاق علیٰ مال

سوال (۶۲۶) اگر عورت طلاق علیٰ مال میں اپنا عدت کا نان ونفقہ وغیرہ معاف کردے تو کیا

معاف ہوجائے گا۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار خرج الطلاق علیٰ مال فانہ غیر مسقط فی ردالمحتار ای للمھر علی المعتمد کما سیذکرہ المصنف نعم یسقط النفقة ولو مفروضة کما سیأتی ص ۹۱۸ ج ۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں نان ونفقہ معاف ہوجائے گا۔

۳۰ محرم ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص ۱۱)

## بیوی کو ساس سے الگ گھر دینا شوہر کے ذمّہ واجب ہے

سوال (۶۲۷) از خادم...... باعلیٰ حضرت مرشدی ومولائی ومقتدائی دامت فیوضہم وبرکاتہم۔ بعد سلام مسنون معروض خدمت والا آنکہ آج کل اس ناکارہ کو ایک امر درپیش ہے جس کا تعلق چونکہ جیسا اصلاح معاد کے ساتھ اس لئے اس امر میں جناب کے مشورہ کو اپنی فلاح دارین کا باعث سمجھ کر مستدعی مشورہ والا ہے۔

عرصہ دو سال سے اپنی اہلیہ وغیرہ کو بسبب خانگی جھگڑوں کے ایک علیحدہ مکان میں (جس کو میں نے بذات خود بنوایا ہے اور جس کو اپنی اہلیہ کے مہر میں دیدیا ہے) علیحدہ کردیا تھا۔ تعطیلات میں جب مکان پر ہوتا ہوں تو باذن والدین ایک وقت کا کھانا اپنے گھر میں صرف بغرض تسلی اہلیہ کرلیتا ہوں مگر علیحدگی کی وجہ سے اخراجات خانگی بڑھ جانے اور نیز قرضہ حج ادا کرنے کی وجہ سے کچھ زیادہ پس انداز نہ ہوسکتا تھا بایں وجہ بجز ہدیات کے اور زیادہ خدمت مالی والدین کی نہیں کرسکا جو سبب ذرا والدین کی رو کشیدگی کا معلوم ہوتا ہے۔ خرچ کی تنگی کی وجہ سے والدین کی رضا ہمیشہ سے یہ ہے کہ ہم لوگ ایک ہی میں رہیں۔ امید کہ مشورہ عالی سے مشرف کیا جاؤں تاکہ رائے قائم کرنے میں تقویت ہو۔ امید کہ جواب جلد مرحمت ہو۔ فقط والسلام مع الاکرام۔

الجواب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ چونکہ شرعاً عورت کو حق حاصل ہے کہ شوہر کے ماں باپ سے علیحدہ رہے اور اگر وہ اپنے حق جائز کا مطالبہ کرے گی تو شوہر پر اس کا حق کا ادا واجب ہوگا اور واجب کا ترک معصیت ہے اور معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں لہٰذا اس انتظام کو نہ بدلیں۔

۱۹ محرم ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۱۹)

سوال (۶۲۸) جناب نے ایک روز وعظ میں حقوق زوجین کے متعلق فرمایا تھا کہ زوجہ کا ایک یہ بھی حق ہے کہ اگر وہ خاوند کے والدین سے علیحدہ رہنا چاہے تو اس کا منشاء پورا کردینا واجب ہے اس کے ساتھ گزارش ہے کہ کلام مجید میں خداوند کریم کا یہ حکم ہے کہ سوائے شرک کے اور تمام امور میں والدین کا حکم مانو تو یہ فرض ہوا۔ اب قابل دریافت یہ امر ہے کہ والدین کی اگر مرضی نہیں ہے کہ بیوی کو

ان سے علیحدہ رکھا جاوے اور زوجہ کی یہ مرضی ہے کہ ان سے علیحدہ رہے خواہ ایک ہی مکان میں ہو یا علیحدہ مکان میں تو کس طرح کرنا چاہئے اور اس کی بابت کیا حکم ہے۔ آیا پہلے فرض ادا کیا جاوے یا واجب۔ براہ نوازش اس کی بابت مفصل تحریر فرماویں تاکہ آسانی سے سمجھ میں آجاوے۔

الجواب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ والدین کی اطاعت ترک واجب میں نہیں اور عورت کے یہ حقوق واجب ہیں۔ پس اگر والدین ان کے ترک کو کہیں تو ان کی اطاعت نہیں۔

۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۳۱)

## استحقاق زوجہ نفقہ را ہر گاہ بوجہ ظلم زوج در خانہ او نیاید

سوال (۶۲۹) زید و بکر دو بھائی تھے زید نے ایک دختر مسماۃ ہندہ کو چھوڑا اور بکر نے ایک پسر مسمی خالد کو چھوڑا۔ مسماۃ محمودہ مادر ہندہ نے دونوں کا نکاح کر دیا اور ایک عرصۂ دراز تک ہندہ و خالد بسر پرستی محمودہ بسر کرتے رہے تھوڑے زمانہ سے خالد نے اپنی منکوحہ ہندہ کو و نیز اپنی ساس مسماۃ محمودہ کو علیحدہ کر دیا اور طلاق نہیں دیا ان دونوں مسماتان نے بوجہ تنگی و پریشانی وغیر استطاعت واسطے حاصل کرنے ترکہ پدری وشوہری ایک شراکت نامہ نصف حصۂ متروکہ کا حامد کے نام لکھ دیا حامد نے عدالت دیوانی میں دعویٰ رجوع کر کے ذریعہ صلح نامہ ڈگری حاصل کی جو بسر اوقات کے لئے کافی نہیں ہے اب بعد ڈگری خالد نے ایک دوسرا نکاح کر لیا مسماۃ ہندہ نے اس شادی کی خبر سن کر قبل نکاح ثانی دعویٰ اپنے گزارہ کا دائر کیا اور مسماۃ ہندہ بوجہ عدم رجوع خالد و مخالفت وخوف مارپیٹ وایذا رسانی و تکلیف گونا گوں شوہر کے ساتھ رہنا قبول نہیں کرتی اور درحقیقت خالد اس کو مارتا ہے اور حقوق ادا نہیں کرتا اور طلاق بھی نہیں دیتا پس ایسی صورت میں وہ روٹی اور کپڑا شوہر سے پانے کی مستحق ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار باب النفقة وخارجة من بيته بغير حق وهي الناشزة حتى تعود فی ردالمحتار قوله بغير حق ذكر محترزة بقوله بخلاف مالو خرجت الخ وكذا هواحتراز عما لو خرجت حتى يدفع لها المهر ولها الخروج في مواضع مرت في المهر وسيأتي بعضها عند قوله ولا يمنعها من الخروج الى الوالدين اهـ وفي ردالمحتار بعد صفحتين لان المعتبر في سقوط نفقتها فوات الاحتباس لا من جهة الزوج اهـ

چونکہ صورت مسئولہ میں شوہر کے ساتھ نہ رہنا بوجہ مجبوری اور معذوری کے ہے اور سبب اس کا شوہر کی جانب سے ہے یعنی اس کا ظلم اس لئے حسب روایات مذکورۂ بالا اس صورت میں شوہر کے ذمہ نان ونفقہ واجب ہوگا البتہ اگر شوہر اطمینان دلادے کہ میں اس پر ظلم نہ کروں گا اور پھر بھی عورت اس کے گھر نہ جائے تب البتہ نان ونفقہ واجب نہ ہوگا باقی اس سے زیادہ تصریح اس مسئلہ کی بندہ کو نہیں ملی۔

واللہ اعلم۔ ۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۷۹ ج دوم)

## حکم مطالبۂ نفقہ زمان ماضی

سوال (۶۳۰) کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور ایک ہفتہ تک اپنے مکان پر رکھ کر پھر ہندہ کو اس کے ماں باپ کے مکان بھیج دیا اور قریب دس برس تک نان ونفقہ سے خبر نہ لیا پس اس صورت میں ہندہ کا والد زید سے نان ونفقہ شرعاً لے سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب۔ **فی الدر المختار والنفقة لاتصیر دینا الا بالقضاء او الرضاء الٰی قوله فقبل ذلك لایلزمه شیئی** الخ اس روایت سے معلوم ہوا کہ ہندہ کا والد زید سے نفقہ کی بابت کچھ نہیں لے سکتا البتہ اگر حاکم کچھ مقدار مقرر کر دے یا باہم زوجین کسی خاص مقدار پر اتفاق کر لیں اس تاریخ سے آئندہ کے لیے وہ مقدار بطور دین کے واجب فی الذمہ ہوتی رہے گی اس کا مطالبہ عورت کر سکتی ہے۔

فقط واللہ اعلم۔ ۱۲؍ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ج ۲ ج ۸۰)

## حکم سقوط نان ونفقہ در حالت نشوز

سوال (۶۳۱) کیا بی بی خلاف مرضی اپنے شوہر کے باغوائے اپنے والدین کے مکان والدین پر رہ کر نان ونفقہ از روئے شرع شریف اپنے شوہر سے بار جاع نالش پا سکتی ہے۔؟

الجواب۔ بلا رضاء خاوند والدین کے مکان پر رہ کر شوہر سے نان ونفقہ نہیں لے سکتی جب تک کہ خاوند کے گھر نہ آ جاوے۔ **وان نشزت فلا نفقة لها حتٰی تعود الٰی منزله هدایة** ص: ۴۱۸۔

۲۶؍ ربیع الاول (امداد جلد دوم ص ۸۱)

## عدم رجوع خرچہ معالجۂ زوجہ از ترکہ او۔

سوال (۶۳۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ مریضہ کا عرصہ چار پانچ ماہ تک علاج معالجہ اپنے خرچ سے کیا بقضائے الٰہی وہ عورت لاولد انتقال کر گئی شوہر اس کا اور والد اس متوفیہ کا موجود ہے۔ شوہر کہتا ہے کہ متوفیہ کے معالجہ میں جو کچھ میرا صرف ہوا ہے متوفیہ کے ترکہ میں سے اولاً ادا کر دینا چاہئے اس کے بعد ترکہ متوفیہ کو موافق شرع تقسیم کر لیا جاوے اور متوفیہ کا والد کہتا ہے کہ علاج معالجہ مثل نان نفقہ کے شوہر پر واجب تھا اس ترکہ میں سے نہ لینا چاہیے اور شوہر نے جو کچھ اس متوفیہ کے علاج میں صرف کیا شوہر پر واجب تھا۔ پس تمام ترکہ موافق شرع شریف تقسیم کیا جاوے لہٰذا حضرات علماء سے امید کی جاتی ہے کہ اس صورت میں جو کچھ حکم شرع ہے تحریر فرماویں۔؟

الجواب۔ واجب تو نہ تھا تبرع تھا لیکن تبرعات میں رجوع جائز نہیں اس لئے ترکہ سے نہ ملے گا۔
۸ ر جمادی الثانیہ ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۴۳)

## حکم وجوب کفن بذمہ شوہر

سوال (۶۳۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ کا انتقال ہوا اور اس نے شوہر اور باپ اور ایک لڑکی شیر خوار اور ایک لڑکی چار سال کی اور دو سگی بہنیں جن میں سے ایک کا شوہر ان لڑکیوں کا حقیقی چچا ہے اور ایک کا شوہر دور رشتہ کا ہے اور ایک سگا بھائی اور سوتیلی ماں یعنی باپ کی زوجہ اور حقیقی نانی چھوڑی شیر خوار لڑکی کو کون پرورش کرے گا اور اگر متوفیہ اپنے باپ کے گھر مری ہو تو اس کا کفن وغیرہ کا خرچ شوہر کے ذمہ ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ دونوں خورد سال لڑکیوں کا حق پرورش متوفیہ کی حقیقی نانی کو ہے یعنی اگر وہ خواہش کرے تو اوروں سے مقدم ہے مگر خرچ ان کا اس کے ذمہ نہیں میراث کا جو حصہ لڑکیوں کو ملے گا اس میں سے خرچ کیا جاوے اس کے استحقاق حضانت کی دلیل یہ روایت ہے۔ فی عالمگیریۃ۔ احق الناس بحضانۃ الصغیر حال قیام النکاح او بعد الفرقۃ الام الٰی قولہ وان لم یکن لہ ام بان کانت غیر اھل للحضانۃ او متزوجۃ بغیر محرم او ماتت فام الام اولٰی من کل واحدۃ وان علت (ص ۱۶۵ ج ۲)

مگر شرط یہ ہے کہ اس حقیقی نانی کا شوہر اگر زندہ ہو تو وہ متوفیہ کا حقیقی نانا ہو اور متوفیہ کے کفن کے باب میں اختلاف ہے مگر فتویٰ اس پر ہے کہ شوہر کے ذمہ ہے۔ فی الدر المختار واختلف فی الزوج والفتویٰ علٰی وجوب کفنھا علیہ عندالثانی وان ترکت مالاً خانیۃ ورجحہ فی البحر بانہ الظاھر لانہ ککسوتھا (ص ۹۰۵ ج ۱) لیکن اگر کسی شخص نے اپنی خوشی سے کفن دیدیا ہو تو وہ اب شوہر سے مطالبہ نہیں کرسکتا۔ یکم صفر ۱۳۴۰ھ (تتمۂ خامسہ ص:۲۱۵)

## نفقہ زوجات میں تسویہ کی تحقیق

سوال (۶۳۴) فقہ کی اکثر کتابوں میں یہ دیکھا ہے اور غالباً جناب کی بھی زبان سے سنا ہے کہ نفقہ میں دونوں بیویوں کو بالکل برابر رکھنا چاہئے لیکن شامی میں اس قول کو نقل کر کے لکھا ہے والحق انہ علٰی قول من اعتبر حال الرجل وحدہ فی النفقۃ واما علٰی القول المفتی بہ من اعتبار حالھما فلا۔ فان احداھما قد تکون غنیۃ والاخریٰ فقیرۃ فلا یلزم التسویۃ بینھما مطلقا فی النفقۃ ۔ اور یہی عبارت بحر الرائق میں بھی ہے اس کا مفہوم تو میں یہ سمجھا کہ قول مفتی بہ یہ ہے کہ نفقہ

کے بارہ میں دونوں بیویوں کی حیثیت دیکھی جائے گی اور مطلق مساوات ضروری نہ رہے گی۔ اگر میں مفہوم سمجھا نہیں ہوں تو اس کی تصحیح فرمادی جاوے۔؟

الجواب۔ میں نے یہ روایت آج ہی دیکھی مگر دیکھنے کے بعد بھی رائے سابق نہیں بدلی وجہ خدشہ یہ ہے کہ اول تو یہ مسئلہ اپنی اصل سے باب القسم یعنی العدل کا نہیں باب النفقہ کا ہے جس میں زوجہ کے یسار و اعسار کی بحث بمقابلہ زوج کے ہے جس پر نفقہ کی مؤنت ہے زوجہ کا حق اور زوج کی مؤنت دونوں پر نظر کر کے بحث پیدا ہوگئی آگے اس پر باب القسم کے جزئیہ کو قیاس کرلیا گیا اور قیاس کرنے والے بھی نہ مجتہد ہیں نہ مرجحین۔ تو اول تو خود اصل مسئلہ قیاسی جو کہ ظنی تھا پھر اس قیاسی پر قیاس کرنے سے جو حاصل ہوگا وہ اصل سے بھی ضعیف ہو کر اضعف ہو جاوے گا۔ خصوص جب قائس بھی ضعیف ہو پھر خود صحت قیاس کی ایک فارق کی وجہ سے متکلم فیہ بھی ہے وہ فارق یہ ہے کہ اصل میں مقابلہ ہے من علیہ الحق و من لہ الحق کا اور ان دونوں کی بناؤں میں تساوی نہیں اس لئے وجہ تعدیل میں اختلاف ہوسکتا ہے ہر قائل نے دونوں بناؤں کی رعایت کا طریق تجویز کرنے میں مختلف رائے قائم کی جس میں اہل معاملہ میں سے کسی کی ترجیح کسی پر لازم نہیں آتی اور یہاں مقابلہ ہے ایک من لہ الحق کا دوسری من لہ الحق سے جو بناء استحقاق میں متساوی ہیں پھر باوجود تساوی فی بناء الاستحقاق محض ایک وصف خارج یعنی یسار کی وجہ سے جس کا بناء استحقاق پر کوئی اثر نہیں۔ ایک کو دوسری پر ترجیح دینا ابطال ہے بناء استحقاق کا ایک وصف خارج کے سبب جو ترجیح بلا مرجح ہے غرض قیاس کی صحت بھی ضعیف۔ پھر قائس بھی ضعیف۔ اور قیاس در قیاس کی وجہ سے بھی ضعف۔ مسئلہ میں اتنے ضعف پھر نصوص وجوب عدل سے تعارض۔ کیونکہ وہ نصوص اپنے اطلاق سے اس صورت کو بھی شامل ہیں کہ ایک موسرہ ہو ایک فقیرہ۔ اور تخصیص و تقیید کی کوئی دلیل نہیں اس لئے یہ حکم سخت مخدوش ہے پھر دوسرے قواعد اس کو مقتضی ہیں کہ اگر اس حکم پر عمل بھی کیا جاوے تو زوج کی رائے پر اس کا مدار نہ رکھا جاوے گا بلکہ قضاء قاضی کی حاجت ہوگی کیونکہ اس صورت میں جو فقیرہ کی طرف سے نزاع ہوگا کہ وہ دوسرے قول کو لینا چاہی گی اس کا قاطع صرف قضاء قاضی ہوسکتا ہے اور عجب نہیں کہ اسی احتمال نزاع کی بناء پر اصل مسئلہ میں بھی قضاء قاضی شرط ہو گو میں نے منقول نہیں دیکھا شاید تلاش سے مل جاوے لیکن باوجود اس کے اگر کسی مفتی کو اس قول میں شرح صدر پیدا ہو جاوے اور عامی کو اس کے فتوے میں شرح صدر ہو جاوے تو افتاء اور اخذ جائز ہے۔ ۳ر رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ (النور جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ ص:۸)

## حق پرورش دختر پدر را می رسد یا ساس را

سوال (۶۳۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید کی منکوحہ بیوی ہندہ کا انتقال ہوگیا۔ زید کی

لڑکی زید سے علاوہ مانوس ہونے کے ایک خطرناک مرض میں مبتلاء ہے جس کا خاطر خواہ علاج مستعدی اور ہوشمندی سے زید کررہا ہے ان حالات میں زید کی ساس یعنی ہندہ کی ماں کو زید کی لڑکی کا حق ولایت پہنچتا ہے یا نہیں۔؟ بینوا توجروا۔

الجواب۔ اگر یہ لڑکی بالغہ یا مراہقہ یا مشتہاۃ ہے تو نانی کا حق حضانت ختم ہو چکا اور اگر اس حد سے کم عمر ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر نانی معالجہ کا کافی انتظام کرسکتی ہے تو باپ سے یہ مقدم ہے۔ اور اگر انتظام نہیں کرسکتی ہے تو باپ کے پاس رکھی جائے گی۔ والدلائل هذه والام والجدة احق بالجارية حتى تحيض وفي نوادر هشام عن محمدؒ اذا بلغت حد الشهوة فالاب احق وهذا صحيح هكذا في التبيين وهكذا في العالمگيرية وفيها وان لم يكن له ام الى قوله فام الام اولى وفيها ولا حضانة لمن يخرج كل وقت وتترك البنت ضائعة كذا في البحر الرائق (مجلد نمبر ۲ باب سادس عشر في الحضانة قلت الرواية الاخيرة صريحة في سقوط حق الحضانة اذا خيف ضياع الولد فهذا دليل لما فصلت ۔ والله اعلم ۔

۱۳ محرم الحرام ۱۳۴۷ھ (تتمۂ خامسہ ص:۱۲۸)

## مؤخر بودن خال درحق پرورش نابالغان ازخواہر

سوال (۶۳۶) والدین کے انتقال کے بعد دختران نابالغاں کے دوسرے قریبی عزیز مثلاً بڑی بہن کے موجود ہوتے ہوئے کیا ماموں کو حق پرورش ہوسکتا ہے۔؟

الجواب۔ في العالمگيرية فان ماتت (اى الجدة) فالاخت لاب وام فان ماتت او تزوجت فالاخت لام الخ وفيها وا ذاوجب الانتزاع من النساء اولم تكن للصبي امرأة من اهله يدفع الى العصبة وفيها واذا لم تكن للصغيرة عصبة تدفع الى الاخ لام ثم الى ولده ثم الى العم لام ثم الى الخال لاب وام ثم لام كذا في الكافي ج ۲ ص ۱۶۶۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ ماموں اس حق میں عصبہ سے مؤخر ہے اور عصبہ بہن سے مؤخر ہے تو ماموں بہن سے بہت مؤخر ہوا لہٰذا حق پرورش صورت مسئولہ میں بہن کو ہے ماموں کو نہیں۔ فقط ۹ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۵۱)

## حکم استحقاق عم برائے تربیت طفل درصورت عدم وجود والدآں طفل

سوال (۶۳۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا انتقال ہوگیا اور اس نے اپنے ورثاء میں ایک بیوہ ایک بھائی اور دو بالغ لڑکے چھوڑے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ لڑکے نابالغ ہیں ایک کی عمر گیارہ برس کی ہے اور دوسرے کی تیرہ برس کی۔ تو اب ان کا شرعی ولی آیا مرحوم کی بیوہ ہے یا

بھائی۔ ان لڑکیوں کے باپ نے ایک ہوٹل چھوڑا ہے اور وہ موافق اور ہوٹلوں کے جاری ہے یعنی اس میں کھانے پینے وغیرہ کی چیزیں فروخت ہوتی ہیں تو ان اشیاء کی خرید وفروخت اور ہوٹل کی نگرانی محض اس وجہ سے کہ بچے بالغ ہوکر اپنی چیز سے فائدہ اٹھائیں بچوں کا چچا کرے یا اور کوئی کیونکہ ان بچوں کی ماں پردہ نشین ہے وہ نگرانی پورے طور سے نہیں کرسکتی۔؟

الجواب۔ اگر چچا تدین سے نگرانی پر قادر ہو اس کے سپرد کیا جائے۔ فی ردالمحتار وان لم یکن للصبی اب وانقضت الحضانة فمن سواه من العصبة اولی الاقرب فالاقرب ج ۲ ص ۱۰۵۶۔ ۲۴ رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۷۸)

## در تحقیق بعض مسائل مندرجہ تتمہ اولیٰ وثانیہ امداد الفتاویٰ

سوال (۶۳۸) تتمہ جلد ۲ ص ۷۸۔ چچا تدین سے نگرانی پر قادر ہو الخ۔ غرض سوال از ولایت مال است نہ از حضانت صبی ولایت مال عم را نمی رسد (الولی فی النکاح لاالمال) قوله لا المال فان الولی فیه الاب ووصیّه والجد وصیّه والقاضی و نائبه فقط شامی دون الاخ والعم ۱۲ شامی۔ قال الزیلعی واما ما عدا الاصول من العصبة کالعم والاخ لایصح اذنهم لیس لهم ان یتصرفوا فی ماله تجارة ۱۲ شامی۔

## حکم حق پرورش طفل برائے جد فاسد در بعض صور

سوال (۶۳۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جہانگیر کے ایک لڑکا ہے بعد میں جہانگیر کا انتقال ہوگیا اس لڑکے کی ماں نے نکاح ثانی کرلیا۔ سوتیلے لڑکے کا باپ اس لڑکے کو تکلیف دیتا تھا اتفاقاً طاعون کی بیماری آئی لڑکے کی ماں بیمار ہوئی پہلے شوہر کا جو مال تھا ادھر ادھر دوسروں کے مکان پر رکھتی تھی لڑکے کے واسطے۔ بلکہ زیور جو تھا وہ آپا نے ماموں کے مکان پر رکھا تھا اس نیت سے کہ لڑکے کی شادی میں صرف ہوگا بلکہ دو تین برس پہلے سے یہ اشیاء رکھیں تھیں جب وہ بیمار ہوئی تو اس نے اپنے ماموں کو بلایا اس لڑکے اور مال کے سپرد کرنے کے واسطے مگر امور ضروریہ کی وجہ سے جانہ سکی بروقت انتقال کے پہلے خاوند کا روپیہ ومال وغیرہ وہ لڑکا نابالغ برادری کو سپرد کیا اور اس خاوند کا جو مال تھا وہ اس خاوند کے سپرد کیا اس طرح سے کہا کہ یہ مال تمہارا ہے اور یہ مال لڑکے کا ہے سو اب اس یتیم لڑکے اور مال کا پرورش کنندہ ونگراں کون ہوسکتا ہے یعنی شوہر ثانی ہوسکتا ہے یا لڑکے کا نانا یا ماموں یا غیر برادری جس کو کہ سپرد کیا۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار ثم اذا لم تکن عصبة فلذی الارحام فتدفع للاخ لام

ثم لابنه ثم للعم لام ثم للخال لابوین ثم لام برهان وعینی وبحر وکتابة الحضانة فی ردالمحتار قوله فتدفع للاخ لام کان ینبغی ان یذکر اولا الجد لام ففی الهندیة انه اولیٰ من الاخ لام والخال و فی الدرالمختار کتاب الهبة وان وهب له اجنبی ثم یقبض ولیه وهو احد اربعة الاب ثم وصیه ثم الجد ثم وصیه وان لم یکن فی حجرهم وعند عدمهم ثم یقبض من یعوله کعمه وامه واجنبی ولو ملتقطا لو فی حجرهما والا لفوات الولایة اهـ۔

بناء برروایت مذکورہ جن رشتہ داروں کا ذکر سوال میں لکھا ہے ان میں لڑکے کے نانا کو حق پرورش ہے اوراس کو مال سپرد کیا جاوے گا۔ لان تقدیم الوصی علیٰ المربی مخصوص بوصی الاب والجد۔ مگر شرط یہ ہے کہ قبول کرے اور معتبر اور شفیق بھی ہو۔ فقط۔ ۲۳ رمضان ل۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۷۶)

## ضابطہ در تربیت اولاد واہتمام نکاح شاں

سوال (۶۴۰) اولاد کی پرورش والدین کے ذمہ پر کہاں تک ہے عام اس سے کہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی لڑکیوں کی شادی کرنے کا کوئی تاکیدی حکم خاص ہے یا نہیں اور بصورت تاخیر کوئی گناہ بھی لازم آتا ہے اگر ہے تو کس قدر بروئے نص قرآنی جدا جدا علیٰ ہذا حدیث سے بھی جواب دیں۔؟

الجواب۔ سوال پرورش کا جواب بایں تفصیل ہے کہ اگر اولاد خواہ لڑکا ہو یا لڑکی دو حال سے خالی نہیں۔ ایک حال یہ ہے کہ وہ مالدار ہو یعنی کسی طور ان کی ملک میں مال آ گیا ہو خواہ بطور ہبہ کے یا بطور میراث کے۔ سو اس حالت میں تو ان کا نان ونفقہ خود ان کے مال میں واجب ہے والدین کی ذمہ صرف انتظام کرنا ہے۔ دوسرا حال یہ ہے کہ وہ مالدار نہ ہوں پھر اس مالدار نہ ہونے کی حالت میں دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ کہ وہ بالغ ہوں دوسری صورت یہ کہ وہ نابالغ ہوں بالغ ہونے کی صورت میں دو احتمال ہیں۔ ایک احتمال یہ کہ اپنے لیے محنت مزدوری ونوکری چاکری کر سکتے ہوں۔ اس میں بھی خود ان کا نان ونفقہ انہیں کے ذمہ ہے ماں باپ کے ذمہ نہیں۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ کھانے کمانے پر قادر نہیں اس میں حکم مثل نابالغ کے ہے جو آئندہ معلوم ہوتا ہے یہ دونوں احتمال تو بالغ ہونے کی صورت میں تھے اور نابالغ ہونے کی صورت میں دو شقیں ہیں۔ ایک شق یہ کہ باپ زندہ ہو۔ دوسری صورت یہ کہ باپ زندہ نہ ہو۔ اگر باپ زندہ ہو تو صرف باپ کے ذمہ نان ونفقہ ہے ماں کے ذمہ کچھ نہیں۔ البتہ دودھ پلانا بروئے فتویٰ ودیانت ماں کے ذمہ واجب ہے اور بروئے حکم وقضاء جبر نہیں ہوگا۔ اگر بچہ کسی اور کا دودھ نہ پیئے اس وقت ماں پر جبر بھی کیا جائے گا۔ اور اگر باپ زندہ نہ ہو تو ماں کے ذمہ ہے اور اگر بچہ کے اور اقارب ذی رحم محرم بھی ہوں تو سب پر تقسیم ہوگا دلیل ان سب دعووں کی درمختار کی یہ عبارت ہے۔

ویجب النفقة لطفله یعم الانثٰی والجمع وفیه و فی المنیة اب معسروام موسرة تومر الام بالانفاق فیکون دینا علٰی الاب وفیه وکذا تجب لولده الکبیر العاجز عن الکسب لایشارکه ای الاب ولو فقیرا احد فی ذلك کنفقة ابویه وعرسه وایضا فیه ولیس علٰی امه ارضاع قضاء بل دیانة الا اذا تعینت فتجبر کما فی الحضانة وفیه عن البحر له ام وعم فکارثهما قال لو ولدام وعم واب ام هل تلزم للام فقط ام کالارث الاحتمال اھ۔ اورسوال حکم تاکیدی شادی کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم قرآن میں بھی ہے اور حدیث میں بھی عام طور سے ہے کہ لڑکا لڑکی دونوں کو شامل ہے اور لڑکیوں کے لیے خصوصیت سے بھی۔

قال اللہ تعالٰی وانکحوا الایامی الایة۔ ایامی جمع ایم کی ہے شراح حدیث نے تصریح کی ہے الایم من لازوج لها بکرا کانت او ثیبا ویسمی الرجل الذی لازوجة له ایما ایضا وفی المشکٰوة الفصل الثانی من باب تعجیل الصلٰوة عن علی رضی اللہ عنه ان البنی صلی اللہ علیه وسلم قال یاعلی ثلاث لا توخرها الصلٰوة اذا اتت والجنازة اذا حضرت والایم اذا وجدت لها کفوا۔ رواه الترمذی وفیها الفصل الثالث من باب الولی فی النکاح عن ابی سعید وابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من ولدله ولدا فلیحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فلیزوجه فان بلغ ولم یزوجه فاصاب اثما فانما اثمه علٰی ابیه وعن عمر بن الخطاب وانس بن مالکؓ عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال فی التوارة مکتوب من بلغت اثنتی عشرة سنة ولم یزوجه فاصابت اثما فاثم ذلك علیه رواهما البیهقی فی شعب الایمان۔

ان روایات سے اس حکم کا مؤکد ہونا معلوم ہوا اور مؤکد کا ترک موجب مواخذہ ہوتا ہے اور گناہ کی مقدار بھی اخیر کی حدیثوں سے معلوم ہوگئی کہ درصورت تاخیر جس گناہ میں یہ اولاد مبتلاء ہوگی خواہ نگاہ کا یا کان کا یا زبان کا یا دل کا اتنا ہی گناہ اس صاحب اولاد کو ہوگا۔ واللہ اعلم۔

۳رشعبان ۱۳۲۲ھ (امداد ج: دوم ص: ۷۷)

# کتابُ الحُدود وَالتَّعزیرُ

## توحد یا تعدد عقر در صور مختلفہ

سوال (۶۴۱) کسی کی زوجہ بوجہ اجراء کلمۂ کفر نکاح سے باہر ہوگئی مگر پھر بعد چندے تجدید نکاح کرلیا تو تجدید سے قبل اگر وطی کی ہے تو عقر دینا پڑے گا۔ یا زنا محض موجب حد ہے۔ ظاہر تو شق ثانی ہے بالخصوص جبکہ حرمت سے کوئی واقف بھی تھا پھر ایسا کیا اگر عقر دینا پڑے تو ہر وطی کے مقابلہ میں عقر ہے جتنی کیا ہو یا ایک ہی عقر ہے اور بر تحقیق ہندوستان کے دار الحرب ہونے کی کیا حکم ہے، کیا عقر اور حد دونوں ساقط ہو جائیں گے یا کیا ہوگا۔؟

الجواب۔ اس صورت میں حد نہیں ہے۔ فی العالمگیریۃ کتاب الحدود والباب الثالث. ارتدت المرء ة والعیاذ باللہ وحرمت علیہ او حرمت بجماع امھا او ابنتھا اولمطاوعۃ ابن الزوج ثم جامعھاوقال علمت انھا علی حرام لاحد علیہ اھ۔ رہا وجوب عقر تو گو اس جگہ کو دار الحرب کہا جائے مگر عقر حق العبد ہے ہر موطن میں اس کا وجوب یکساں ہوگا۔ رہا تخصیص دار الاسلام کی اس بناء پر ہے کہ دار الحرب میں ولایت الزام عن الامام نہیں باقی وجوب دیانۃً خود الزام قاضی پر موقوف نہیں۔ یہ جواب کلیات شرع سے دیتا ہوں جزئی نہیں دیکھی اور عقر متعدد وطیات سے متعدد ہوگا۔

فی العالمگیریہ کتاب النکاح الفصل الثالث عشر الاصل ان الوطی متی حصل عقیب شبھۃ الملک مرارا لم یجب الا مھر واحد لان الوطی الثانی صادف ملکہ ومتی حصل الوطی عقیب شبھۃ الاشتباہ مرارا یجب لکل وطی مھر علٰی حدۃ و فیھا ولووطی المعتدۃ عن الطلقات الثلث وادعی الشبھۃ الٰی قولہ وان ظن ان الطلقات واقعۃ لکن ظن ان وطیھا حلال فھذا الظن الٰی قولہ وان ظن ان الطلقات واقعۃ لکن ظن ان وطیھا حلال فھذا الظن فی غیر موضعہ فیلزمہ بکل وطی مھر . فقط واللہ اعلم (امداد ج ۲ ص ۸۱)

## عدم استلزام ارتفاع حد در متعہ ارتفاع زنا را

سوال (۶۴۲) حال میں ایک ترجمہ مؤطا جس کا نام کشف الغطاء عن کتاب المؤطاء۔ مترجمہ

مولوی وحید الزماں خاں حیدرآبادی میری نظر سے گزرا اس میں مترجم نے لکھا ہے حدیث متعہ کے متعلق تحت میں لکھا ہے کہ بالاتفاق متعہ کرنے والے پر زنا کی حد لازم نہیں آتی یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب متعہ حرام ہوگیا تو متعہ کرنے والے پر کیوں زنا کی حد نہ عائد ہوگی کیونکہ حرام جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو فعل متعہ کے ذریعہ سے کیا جاوے زنا کی حد تک نہیں پہنچا۔ اس کے متعلق جو جناب کی رائے ہو اس سے اطلاع بخشی جاوے۔ کیونکہ بعض بعض لوگ اس غلط فہمی میں پڑے ہیں کہ ممتوعہ سے صحبت کرنا زنا میں داخل نہیں ہے۔؟

**الجواب۔ في العالمگيرية او تزوجها متعة لايجب الحد الخ ج٣ ص ٩٤ وفي ردالمحتار تحت قول الدرالمختار الموجب للحد قيد به لان الزنا فی اللغة اوالشرع بمعنی واحد الٰی قوله فان الشرع لم يخص اسم الزنا بما يوجب الحد بل بما هو اعم والموجب للحد بعض انواعه ولو وطئي جارية ابنه لايجد الزنا و لا يحد قاذفه بالزنا فدل علٰی ان فعله زنا وان كان لايحد به وتمامه فی الفتح ج٣ ص٢١٧ وفي الدرالمختار لا حد ايضاً لشبهة العقد ای عقد النكاح عنده ای الإمام كوطئي محرم نكحها ج٣ ص٢٣٦۔**

ان روایات میں تصریح ہے کہ ہر زنا میں حد نہیں ہوتی اور حد لازم نہ ہونے سے اس کا زنا نہ ہونا لازم نہیں آتا چنانچہ ماں سے نکاح کر کے صحبت کرنا موجب نہیں حالانکہ بالیقین زنا ہے اس کے حلال ہونے کا کب شبہ ہوسکتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حد ادنیٰ سے ادنیٰ شبہ یا مشابہت عقد اور اس کی صورت سے بھی دفع ہوجاتی ہے اگرچہ حقیقت عقد کی یقیناً منفی ہو پس ممتوعہ سے صحبت کرنا یقیناً زنا میں داخل ہے اگرچہ اس سے حد لازم نہ آوے۔ ۲۷ رذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۹۱)

## حکم جرمانہ مدارس

سوال (۶۴۳) حسب قانون انگریزی اگر از متعلمین خطائے مثلاً غیر حاضری وغیرہ رونما آید جرمانہ کردہ می شود ایں معاملہ درست است یا نہ۔؟

الجواب۔ بلا تاویل جائز نیست عند الحنفیہ مگر تاویلش بدیں سان تواند شد کہ دراں ماہ اجرت عمل بمقدار جرمانہ زائد مقرر گفتہ شود۔ ۴ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ (حوادث اول وثانی ص ۱۷)

## حکم جرمانہ بر رعیت

سوال (۶۴۴) زمیندار اپنی زمینداری میں باشندوں پر جس کو رعیت کہتے ہیں خصوصاً چھوٹی

قوم پر عدول حکمی یا ان کے باہم تکرار کے موقع پر جرمانہ کرتے اور اپنے مصرف میں لاتے ہیں کچھ اس گاؤں کے پیادہ کو بھی دیتے ہیں لیکن انگریزی قانون اس کی اجازت نہیں دیتا ایسی حالت میں یہ فعل زمیندار کا جائز ہے یا نہیں برتقدیر جواز مصرف اس کا مصرف مذکور ہے یا کچھ اور۔؟

الجواب۔ اس کا لینا مصارف مذکورہ میں صرف کرنا سب ناجائز ہے۔

۱۸؍ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (حوادث اول وثانی ص ۱۸)

## بعض احکام جرمانہ متعارفہ بعض اقوام

سوال (۶۴۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک قوم مومن اور مسلمان ہے مگر جب اس قوم کا کوئی فرد برادری کا قصوروار ہوتا ہے جو شرعاً ناجائز ہے تو اس کا فیصلہ پنچان قوم کرتے ہیں۔ مسجد پر اکھٹے ہوتے ہیں اور چند اشخاص ان میں سے مسجد کے اندر جاکر اس قصوروار کے بارے میں جرمانہ کا مشورہ کرتے ہیں اور باہر آکر اس کو اور ساری قوم کو سناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے شخص یا تو تُو ساری برادری کو کھانا کھلا ورنہ تیرے اوپر سو (۱۰۰) روپیہ جرمانہ اور قوم سے خارج اور یا صرف جرمانہ ہی جرمانہ کرتے ہیں۔ غرض سو اور پچاس روپیہ سے کم نہیں کرتے اب جو بیچارہ غریب دو آنہ کے مزدور ہوتے ہیں تو وہ بیچارے کئی کئی سال تک قوم سے باہر پڑے رہتے ہیں نہ ان کے پاس جرمانہ ہو نہ وہ قوم میں داخل ہوں اور اگر کبھی وہ غریب خالی ہاتھ جاکر قوم کے سامنے ہاتھ جوڑتے بھی ہیں تو ان کو یہی جواب ملتا ہے کہ جرمانہ لیکر آؤ۔ وہ بیچارے غریب مایوس ہوکر الٹے چلے جاتے ہیں اور پھر مجبور ہوکر اپنی جائداد پر یا سامان پر نظر ڈالتے ہیں یا تو اس کو رہن رکھتے ہیں یا بیچ ڈالتے ہیں اور یا سود پر لاتے ہیں اور پھر اس روپیہ کو لاکر قوم کا جرمانہ ادا کرتے ہیں یا ساری قوم کو کھلاتے ہیں اور نقد جرمانہ دیتے ہیں تو سردار لیکر اس روپیہ کو پھر مشورہ کرتے ہیں تو پھر یہی صلاح قرار پاتی ہے کہ اس روپیہ کے برتن بنائے جائیں۔ غرض کبھی دیگ منگائی جاتی ہے اور کبھی طباق بنائے جاتے ہیں اور پھر ان برتنوں کو ساری قوم بیاہ شادی میں استعمال کرتی ہے اور جو بعض استعمال میں نہیں لاتے وہ یہ کہتے ہیں کہ ان برتنوں کا استعمال کرنا شریعت کے نزدیک برا ہے۔ اب علمائے دین ومفتیان شرع متین سے گزارش والتماس اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کو وہ کھانا کیسا اور جرمانہ مسلمانوں کو کرنا کیسا اور پھر مسلمانوں کو وہ جرمانہ وصول کرنا کیسا اور پھر اس روپیہ کے برتنوں کو استعمال میں لانا کیسا اور پھر ان میں جو کھانا پکایا جاتا ہے وہ کھانا کیسا اور مکروہ تنزیہی ہے یا کہ مکروہ تحریمی یا حرام کس حد تک۔؟

الجواب۔ ایسا کھانا کھانا اور اس طرح جرمانہ کرنا یا اس کا وصول کرنا یا اس روپیہ کے برتنوں کا استعمال کرنا یہ سب حرام ہے۔ ۳؍ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (حصہ ثالثہ ص ۱۵۹)

## تعزیر واجب بودن برکودکان ہندو کہ مصحف را سوختند

سوال (۶۴۶) بعد از نیاز والسلام علیکم۔ ایں کہ ہولی روز عید ہندوان ست دریں روز شراب خوری ولہو ولعب بازی می کنند مسجدے است متصل بحلہ ہندوان اندروں مسجد دردریچہ قرآن شریف داشتہ بود کودکان ہندو از دریچہ برداشتہ بیرون مسجد بآتش سوختند اوراق سوختہ بدست اہل اسلام آمدند از حسرت بسرکار استغاثہ کردند مقدمہ دائر است وکیل ہنود وہنود اہل اسلام را گفتند کہ مقدمہ را بگزارید ہر چہ مذہب شما فیصلہ کند مایاں را قبول ست اہل اسلام مرایں بندہ را طلبیدہ طلب حکم شرعی نمود گفتم کہ ازیں مسئلہ ناواقفم بعلماء نویسم ہر چہ فتویٰ آید حاضر خواہم کرد تا آمدن فتویٰ مہلت از سرکار گرفتہ اند حضرت چونکہ معاملہ بس گران ست بحوالہ کتب فتویٰ تحریر فرمایند تا کہ علماء ایں نواح را اگر حوالہ طلبند حاضر نمایم و منصفان جانبین ووکلاء ہم بغیر حوالہ مشکل قبول کنند اگر بالفرض والتقدیر ہمیں بے حرمتی از ہنود بالغین ثابت شود پس چہ حکم است در سکر چناں و در صحو چناں۔؟

الجواب۔ في الدر المختار الصغير لا يمنع وجوب التعزير فيجرى بين الصبيان في ردالمحتار عن البحر مراهق شتم عالما فعيله التعزير اهـ والظاهر ان المراهقة غير قيد تأمل وفيه يشكل عليه (اى على تقييده بحق العبد) ضربه علٰى ترك الصلوة بل وردانه بضرب الدابة علٰى النفار لاعلٰى العثار ج۳ ص ۳۹۲ وفي العالمگيرية و كذلك يمنعون عن السكر لانهم لا يستحلون اصل الشرب الخ) كذا في الذخيرة ج۳ ص ۱۵۶۔ وفي الدرالمختار والتعزير ليس فيه تقدير بل هو مفوض الٰى راى القاضي وعليه مشائخنا زيلعي لان المقصود منه الزجر واحوال الناس فيه مختلفة بحر في ردالمحتار وقال الزيلعي وليس في التعزير شيئى مقدر وانما هو مفوض الٰى راى الإمام علٰى ما تقضي جنايتهم فان العقوبة مختلف باختلاف الجناية الٰى قوله وكذا ينظر في احوالهم فان من الناس من ينزجر باليسير ومنهم من لا ينزجر الا بالكثير آهـ ج ۳ ص ۲۷۶۔ ازیں روایات امور ذیل مستفاد شد۔

(۱) نابالغ بودن مانع تعزیر نیست۔ (۲) درنشہ بودن مانع تعزیر نیست (۳) درفعل مسئول عنہ تعزیر واجب است (۴) مقدار تعزیر شرعاً مقدر نیست مفوض برائے حاکم است۔ (۵) برحاکم واجب است کہ مرتبہ جنایت وحالت جانی را بیند و در ہر دو امر امعان نظر بکار بردہ چنیں سیاست تجویز کند کہ مقصود تعزیر کہ انزجار از چنیں جنایت وعبرت مرناظرین را وحفظ احترام شعار دین درخصوص واقعہ است ازیں سیاست حاصل آید وظاہر است کہ واقعہ از بس ہائل و در اضطراب انداز جماعتی عظیمہ است اگر

سزائے کافی تجویز نہ شد موجب بے وقعتی شعائر اسلام وموجب کسر قلوب وممیج غیظ اہل اسلام ومورث مفاسد وفتن عظیمہ در زمان مستقبل خواہد بود۔ ۱۵؍ رمضان ۱۳۴۰ھ

(اس کے ساتھ سائل کے پاس ایک خط بھی روانہ کیا گیا جو درج ذیل ہے):۔

اسلام علیکم ۔از قرائن چناں بدل می آید کہ وکلاء ہنود از مطالعہ کتب یقین نمودہ اند کہ سزائے شرعی دریں جنایت اخف است از سزائے قانونی از ہمیں سبب بر سزائے شرعی رضا دادہ اند وسزائے شرعی مفوض است برائے حاکم وحال حکام معلوم است للہذا اندیشہ است کہ سزائے خفیف تجویز کند کہ مصلحت انزجار ہم حاصل نہ شود للہذا رائے احقر آن ست کہ اگر عقلاء ہم اتفاق کنند ایں درخواست راقبول نہ نمایند وایں روشریعت نیست بلکہ چوں امید نیست کہ مصلحت انزجار حاصل شود للہذا روامر غیر شرعی ست واز حکام اجرائے سزائے قانونی خواہند کہ آں بوجہ ترتب انزجار مشتمل خواہد بود بر سزائے شرعی (تتمۂ خامسہ ص ۲۲۴)

## جائز نہ بودن جرمانہ مالی از ملازم درصورت ترک کردن ملازمت خلاف عہد و صورت دیگر حصول مقصود

سوال (۷۶۴) میں نے حصول معاش کے لئے ایک چھوٹی سے مشین آٹا پیسنے والی لگائی ہوئی ہے اس پر دو ملازم کام کرنے کے لیے رکھے ہوئے ہیں ان میں سے اگر کوئی یک لخت بغیر مجھے اطلاع دیئے نوکری چھوڑ دے تو مجھے ذیل کی تکالیف کا سامنا ہوتا ہے۔

(۱) کچھ وقت کے لئے کام رک جاتا ہے (۲) سردست آدمی تلاش کرنا پڑتا ہے۔ (۳) جلدی اگر ملازم تلاش کر کے رکھا جاوے تو گاہے گراں یا خلاف مرضی ملتا ہے۔ (۴) آدمی ملازم اگر نہ ملے تو مجبوراً روزانہ مزدوری پر مزدور لگانا پڑتا ہے جو مقررہ ماہوار تنخواہ سے گراں پڑتا ہے۔ (۵) چونکہ مزدور یا ملازم جدید کام سے ناواقف ہوتا ہے اس لئے مجھے خود اس کو سکھانے اور نیز کل کام کی طرف مزید غور رکھنے کی ایک عرصہ تک ضرورت رہتی ہے جس سے مجھے خود زیادہ تکلیف ہوتی ہے وغیرہ۔

الغرض ان واقعات کو دیکھ کر میں اب جو ملازم نیا رکھتا ہوں تو اس سے یہ یا اس طرح کا عہد کر لیتا ہوں کہ جب تمہارا ارادہ یہ ملازمت چھوڑ دینے کا ہو تو اس سے پندرہ دن پہلے مجھے اس کی بابت اطلاع دینا تا کہ میں اپنا اور انتظام کرلوں۔ اور اگر تم یک لخت بغیر اطلاع دینے کے ہٹ گئے تو چونکہ اس سے میرا حرج ہوتا ہے اس لیے بہ جرمانہ ایک روپیہ یا دو روپے (جو زبانی مقرر کر لیتا ہوں) اس یک لخت ہٹنے سے جو تکلیف اور حرج مجھے پہنچے گا اس کے عوض تم سے لوں گا جس کو ملازم تسلیم کرے تو یہ مقررہ حرجانہ اس سے یعنی ملازم سے مجھے لینا جبکہ وہ اپنے عہدہ پر قائم نہ رہے یک لخت ہٹ جاوے جس سے

مجھے تکلیف اور حرج پہنچے جائز ہے یا نہیں۔

(نوٹ) ہر بار حرج کا اندازہ کہ اس ملازم کے یک لخت ہٹنے سے مجھے کس قدر حرج پہنچا ہے ایک نہایت دشوار امر ہے سب سے زیادہ مجھے مشکل وہ ہوتی ہے جو میں نے نمبر ۵ میں بیان کی اور ساتھ ہی بقیہ مشکلات بھی جو سابق عرض کردی گئیں تو اس حرج میں نظر عمیق کرنے کے بجائے میں نے یہ آسان امر دیکھا کہ ایک تعداد جرمانہ کی مقرر کرکے آپس میں عہد کرلیں اور فریقین تسلیم کرلیں اگر یہ صورت جائز نہ ہو تو اور جس طرح جائز ہو اس سے مجھے مطلع فرماویں تاکہ اس طرح عملدرآمد کرلوں۔؟

الجواب۔ چونکہ تعزیر بالمال حنفیہ کے نزدیک منسوخ ہے یہ اس لئے بھی اور نیز اس فعل کا ماعلیہ التعزیر ہونا بھی صریح نہیں اس لئے بھی یہ قواعد کی رو سے ناجائز اور رشوت ہے مگر ضرورت کے سبب ایک حیلہ سے اس میں ایک خاص طور گنجائش ہوسکتی ہے۔ وہ یہ کہ فقہاء نے دو مختلف صورتوں میں دو مختلف اجرتیں مقرر کرنے کو جائز لکھا ہے سو اگر یوں کہہ لیا جاوے کہ اگر ٹھیک ٹھیک موافق معاہدہ کے کام کرتا رہے اور نوکری بھی اگر چھوڑی تو موافق معاہدہ کے چھوڑی تب تو تمہاری اُجرت تمام ایام کی اس حساب سے ہوگی۔ مثلاً دس روپیہ ماہوار ہوگی۔ تو حاصل وہی نکل آیا اور قواعد پر منطبق ہوگا۔ احتیاطاً دوسرے علماء سے بھی تحقیق فرمالیجئے۔ قرب ۳۳۱ھ (حوادث ۵ ص:۲۲)

## تحقیق حکم جرمانہ

سوال (۶۴۸) کاشتکاروں سے کسی بے امنی بے قاعدگی نقصان رسانی پر علاوہ اس رقم کے جو نقصان رسیدہ کا معاوضہ ہو سکے زمیندار کو کچھ لینا جائز ہے یا ناجائز۔؟

الجواب۔ جرمانہ ہمارے امام صاحب کے مذہب میں حرام ہے اس لیے یہ رقم جائز نہیں البتہ اگر سیاست کی ضرورت ہو تو اس امر کی اجازت ہے کہ اس سے کوئی مقدار مال کی لی جاوے اور چند روز تک اس کو اپنے پاس رکھ کر جب وہ خوب دق ہو جائے اس کو واپس کردی جائے یہ بھی اس شخص کو جائز ہے جس میں دو وصف ہوں ایک حکومت و اختیار رکھتا ہو تاکہ فتنہ نہ ہو۔ دوسرے معتمد و متدین ہو کہ بعد چندے واپسی پر اطمینان ہو ورنہ یہ بھی جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔ ۲۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ثانی ص ۱۵۹)

سوال (۶۴۹) جس مسجد میں تاوان و ڈنڈ پیسے صرف کئے گئے ہوں یعنی اس کی تعمیر میں وہ تاوان یہ ہے کہ کسی شخص کو عوض مجرمیت ڈنڈ کیا اور چرم قربانی کا پیسہ اور دم کا و عقیقہ کے چرم کا اور نکاح کا مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں اور اس مسجد میں نماز ہوتی ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ جرمانہ ہمارے علمائے حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں تو اس کی آمدنی جائز نہ ہوگی۔

فی الدر المختار لا باخذ مال فی المذهب الی قوله فی المجتبیٰ انه کان فی ابتداء الإسلام ثم نسخ اھ۔

اس لیے ایسا روپیہ مسجد میں لگانا جائز نہیں اور چرم قربانی کی قیمت کا تصدق واجب ہے۔ فی الدر المختار و الصدقة کالهبة بجامع التبرع وفیه هو (ای الهبة) تملیك العین مجانا اور مسجد میں لگانے سے تملیک نہیں ہوتی لہٰذا وہ بھی مسجد میں صرف نہیں ہوسکتا اور لفظ دم عام ہے اگر سوال میں تعیین کیا جاوے تو جواب ہوسکتا ہے۔ اور عقیقہ میں احکام قربانی کی رعایت مستحب ہے تو اس اعتبار سے اس کے چرم کی قیمت مسجد میں صرف کرنا خلاف اولیٰ ہوگا۔ اور نکاح (۱) پر اجرت لینا جائز ہے اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جو طاعت مخصوص باہل اسلام نہ ہو اس پر مثل مباحات اخذ اجرت جائز ہے اور نکاح ایسا ہی ہے اس لئے مالک اگر اپنی خواہش سے مسجد میں لگانا چاہے جائز ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جرمانہ اور قیمت چرم قربانی کا مسجد میں لگانا جائز نہیں اور چرم عقیقہ کی قیمت لگانا خلاف اولیٰ ہے اور اجرت نکاح کا لگانا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۳ر ذیقعدہ ۱۳۲۰ھ (حوادث اول وثانی ص ۹۸)

## تحقیق جرمانہ زنا

سوال (۶۵۰) میں نے وعدہ کیا تھا کہ مقدمۂ زنا میں جو جرمانہ شوہر مزنیہ کو دلایا جاتا ہے اس کا حکم تحقیق کر کے اطلاع دوں گا سو وہ مرقوم ہے وہ یہ کہ اصل میں تو یہ رقم جائز نہ تھی چنانچہ حدیث افتداء الابن بمائة شاة میں حکم رواس کی دلیل صریح ہے مگر تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ جرمانہ اول عدالت کے قبضہ میں پہنچتا ہے پھر عدالت سے اس شخص کو ملتا ہے سو اگر اسی طرح ہوتا ہو تو حسب قاعدہ مالهم مباح ثم فیباح برضاهم وقاعدہ یتملکون بالاستیلاء اس شوہر کے لیے حلال ہے۔

۲۱ر ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اول ص ۱۴۴)

## دلیل حرمت جرمانہ مالی از حدیث

سوال (۶۵۱) جرمانہ مالی کے ناجائز ہونے پر کوئی حدیث ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ ہے۔ وهو قوله علیه السلام الالایحل مال امرئ مسلم الابطیب نفس منه قلت و کل مال محترم حکمه حکم مال المسلم۔

## حکم جرمانہ بغیر حاضری طالب علم

سوال (۶۵۲) ایک مدرسہ میں قاعدہ ہے کہ جب کوئی طالب علم وہاں داخل ہوتا ہے تو مہتمم

---

(۱) یعنی فی نفسہ گو عوارض سے منع کیا جاوے۔ تفصیل اس کی رسالہ الحق الصراح میں ہے ۱۲ منہ

مدرسہ اس کے وارث سے یا اس سے کہتا ہے کہ یہ بچہ یا تم اگر غیر حاضر ہوگے یا کوئی تقصیر کرو گے تو تم کو آدھ آنہ یا زیادہ حسب قواعد مدرسہ علاوہ وظیفہ معہودہ کے بطریق جرمانہ دینا ہوگا اور یہ اس واسطے ہے کہ تم خود حاضر ہونے یا اپنے بچہ کے حاضر کرنے میں غفلت نہ کرو۔ اور یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ یہ زر جرمانہ ہم نہیں کھا سکتے بلکہ بچوں کے حوائج مثلاً فرش وغیرہ میں صرف کر دیتے ہیں اس ذرا سی قید پر بہت فائدہ مرتب ہوتا ہے کہ بچے غیر حاضر نہیں ہوتے مگر بضرورت اور باجازت اور تعلیم وتعلم کا کام چستی وچالاکی سے ہوتا ہے اس قاعدہ میں کوئی قباحت شرعیہ ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ تعزیر مالی یعنی جرمانہ تو حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں اور حدیث لایحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منہ اس کی مؤید بھی ہے پس جرمانہ کے طور پر تو یہ لینا درست نہ ہوگا۔ البتہ اس کا اور طریق ہو سکتا ہے وہ یہ کہ اس غیر حاضری پر اس طالب علم کو خارج قرار دیا جائے غیر حاضری کی سزا تو یہ ہوا اور آئندہ کو داخل کرنا بذمہ اہل مدرسہ واجب تو ہے نہیں مباح ہے مباح میں جو کہ متقوم ہو مال کی شرط لگانا جائز ہے اور یہاں مدرسہ کے مکان سے انتفاع مدرسین سے تعلیم یہ سب امور ایسے ہیں جن پر متولی کو اجرت لینا جائز ہے۔ پس اس اجرت میں وہ پیسے لے لیے جاویں اور اس تقریر کی تصریح کر دی جایا کرے تاکہ عقد مبہم نہ رہے۔ ۲۹ رذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (حوادث اول وثانی ص ۱۶۰)

## جرمانہ بر اہل مواشی درصورت اضرار زراعت

سوال (۶۵۳) گاؤں میں دستور ہے کہ جو شخص کسی کے کھیت میں بگاڑ کرے یا مویشی غیر کے کھیت میں کہ جن میں اناج بویا ہوا ہے چرا دے اس کے واسطے جرمانہ قائم کر دیتے ہیں پس زر جرمانہ جمع شدہ مسجد میں لگانا تعمیر میں یا تیل لوٹے وغیرہ میں خرچ کرنا کیسا ہے۔؟

الجواب۔ اگر جانور کے ساتھ کوئی نہ ہو اس صورت میں تو یہ جرمانہ ناجائز ہے اور اگر کوئی ساتھ ہو تو جتنا نقصان ہوا ہے اتنا وصول کرنا درست ہے مگر وہ کھیت والے کا حق ہے۔ ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ

## جرمانہ

سوال (۶۵۴) اپنی رعایا یا کاشتکاروں سے بعلت کسی قصور کے تاوان لینا جائز ہے۔ یا نہیں مثلاً کسی کاشتکار نے بلا استحقاق بغیر علم ورضامندی مالک زمیندار کے کوئی درخت کاٹ لیا یا مکان بنالیا تو اگر زمیندار اس قصور پر کوئی جرمانہ یا تاوان برضامندی ملزم کے اس پر عائد کر کے وصول کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ نہیں صرف درخت کی قیمت اور مکان کا کرایہ حسب عرف لے سکتے ہیں۔

سوال متعلق جواب بالا۔سوال جرمانہ متعلق بالا (نمبر۱) جرمانہ اور اماموں کے نزدیک کیا درجہ رکھتا ہے۔(نمبر ۲) نقصان رسیدہ کا معاوضہ دلوانا جائز ہے یا نہیں۔(نمبر ۳) جرمانہ کی رقم کسی مدت کے بعد پھر اسے واپس کرنا سیاست کا خوف زائل کرتا ہے ایسی حالت میں انتظام میں عجیب بے ترتیبی واقع ہوگی اور اس سے بہتر ایسا جرمانہ نہ کرنا ہوگا اس لیے سیاست کا جس سے اثر بھی پڑے اور جائز بھی ہو آپ کوئی عمدہ طریقہ بتلایئے۔

الجواب۔(نمبر۱) علامی شامی نے حاشیہ درمختار کی جلد ثالث باب التعزیر میں تصریح کی ہے کہ صرف امام ابو یوسفؒ سے جرمانہ کے جواز کی روایت منقول ہے اور وہ بھی ضعیف باقی اور علماء اور ائمہ کے نزدیک جائز نہیں اور جب روایت ضعیف ہے قابل عمل نہیں ہوسکتی اسکے علاوہ اس روایت میں بھی صرف صاحب سلطنت یا سلطنت کو اجازت ہے زمیندار بحیثیت زمینداری حاکم نہیں ہے اس میں اور کاشتکار یا رعایا میں تعلق اجارہ واستیجار کا ہے اور پھر حاکم کے لیے بھی اس لیے جواز کا فتویٰ دینے کو منع کیا گیا ہے کہ لوگوں کو ظلم کرنے کا بہانہ ہاتھ آجائے گا۔عبارت علامہ کی یہ ہے۔

قال فی الفتح وعن ابی یوسفؒ یجوز التعزیر للسلطان باخذ المال و عندھما وباقی الائمۃ لایجوز و مثلہ فی المعراج وظاھرہ ان ذلك روایۃ ضعیفۃ عن ابی یوسفؒ قال فی الشرنبلالیۃ ولا یفتی بھذا لمافیہ من تسلیط الظلمۃ علٰی اخذ مال الناس فیاکلونہ اورذرا آگے چل کر علامہ نے نقل کیا ہے کہ سلطان کو بھی صرف خزانہ کے عملہ کے جرمانہ کی اجازت ہے اور وہ بھی اس شرط سے کہ ملکی خزانہ میں داخل کردے اس مقام کی عبارت یہ ہے وسیذکر الشارح فی الکفالۃ من الطرسوسی ان مصادرۃ السلطان لأرباب الأموال لایجوزالا لعمال بیت المال ای اذاکان یرد ھا لبیت المال ۔غرض اول تو سارے ائمہ عدم جواز کی طرف گئے ہیں پھر ابو یوسفؒ سے بھی روایت ضعیف اور پھر وہ بھی خاص سلطان کے ساتھ اور اس میں بھی تخصیص عاملین خزانہ کی پھر اس میں شرط ادخال خزانہ کی پس اس وقت روساء وامراء میں جس جرمانہ کا رواج ہے یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں (۲) اگر نقصان مثلی شئے کا ہوا ہے مثلاً کسی نے کسی کا غلہ تلف کردیا یا روپیہ ضائع کردیا تو اس صورت میں خود صاحب نقصان کو بھی اس نقصان رساں سے اتنی ہی اور ویسی ہی چیز وصول کرلینا خواہ آشکارہ خواہ خفیہ جائز ہے اسی طرح اداروں کو بھی اس میں اعانت جائز ہے اور اگر نقصان اشیاء ذوات القیم کا ہوا ہے مثلاً کسی نے کسی کا درخت کاٹ لیا یا کپڑے چرا لیے یا کسی کا کھیت اپنی مواشی کو کھلا دیا تو اس کا بدل وصول کرنا یہ شرعاً مبادلہ ہے جس میں تراضی یا قضاء قاضی کی حاجت ہے پس زمیندار چونکہ سلطان یا نائب سلطان نہیں ہے اس لیے اس دوسرے صورت میں اس کا

دخل دینا جائز نہ ہوگا البتہ اگر حکام ملکی اس زمیندار کو باضابطہ ایسے اختیارات دیدیں مثلاً اس کے دیہات کو آنریری مجسٹریٹ بنادیں اور ایسے معاملات کے فیصلہ کا تصریحاً اختیار دیدیں تو اس کو بھی وہی حکم کرنے کا حق ہوگا جو حکام کو ہوتا ہے۔ (نمبر ۳) اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ایسی سیاست کا حق ہی حاصل نہیں زمیندار کو، صرف صاحب سلطنت کو ہے، دوسروں کو حق ہی حاصل نہیں، زمیندار کو صرف اجارہ واستیجار کا تعلق ہے ایک کاشتکار سے موافقت نہ ہو دوسرا بدل دیا جاوے۔ رہ گیا سلطان جس کو اس سیاست کا حق حاصل ہے اس کے لیے علامہ شامی نے حاشیہ مذکورہ کی جلد مذکور میں نقل کیا ہے کہ یہ واپسی اس وقت ہے جب آثار توبہ کے اس پر ظاہر ہوں ورنہ اگر توبہ سے یاس ہوجائے اور کسی رفاہ عام کے کام میں صرف کردے سیاست سے مقصور اتر جائے توبہ سے یہ غرض بوجہ احسن حاصل ہوگئی اب خوف کی کیا ضرورت رہی اور توبہ نہ کرنے کی صورت میں وہ مال اس کو نہیں ملا پورا خوف حاصل ہے مگر یہ سب سلطان کے لیے ہے عبارت علامہ کی یہ ہے فان ایس من توبتہ یصرفھا الٰی مایری۔

۹ رجمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ

# کتابُ الایمان

## وجوب حنث دریمین غیر مشروع وقسم بقرآن

سوال (۶۵۵) زید نے ہندہ ایک عورت بیرونی کے مقابلہ میں ایک امر ناجائز کی بابت قرآن شریف اٹھایا کہ ہم تجھ کو اس قدر ماہوار نقد دیا کریں گے۔ اب اگر زید وہ تنخواہ نہ دے اور قطع تعلق کر دے تو اس کو کیا کفارہ دینا چاہئے۔

الجواب۔ چونکہ ایک امر ناجائز پر قسم کھائی ہے اس لیے اس قسم کا توڑ ڈالنا واجب ہے اگر نہ توڑے گا گنہ گار ہوگا۔ یعنی زید کے ذمہ فرض ہے کہ اس عورت سے قطع تعلق کر دے اور اس کو تنخواہ نہ دے اور کفارہ قسم توڑنے کا یہ ہوگا کہ دس غریب آدمیوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے اگر اتنا مقدور نہ ہو تین روزے لگا تار رکھے۔

قال فی الدر المختار قال العینی وعندی ان المصحف یمین فی ردالمحتار عبارته وعندی لو حلف بالمصحف او وضع یده علیه وقال وحق هذا فهو یمین ولاسیما فی هذا الزمان الذی کثرت فیه الایمان الفاجرة ورغبة العوام فی الحلف بالمصحف اهـ۔ واقره فی النهر قلت وما نظر فیه المحشی مدفوع بان مراد العوام القسم بما فی المصحف من کلام الله تعالی وقد اعترف بکونه یمینا فافهم وباقی اجزاء الجواب ظاهر غیر خفی۔ والله اعلم۔ ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۳۲۲ھ (امداد ثانی ص ۸۱)

## تعدد کفارہ بہ تعدد یمین

سوال (۶۵۶) اگر بہت سی قسمیں کھا کر توڑ دے اور یاد نہیں کہ کتنی قسمیں توڑی ہیں اور کون کونسی تاریخ اور دن اور ماہ اور سال کی توڑی ہوئی ہیں۔ تو اب کیا کرے آیا ایک کفارہ سب قسموں کی طرف سے کافی ہے یا نہیں اگر کافی ہے تو اس میں آیا یہ شرط بھی ہے کہ سب قسمیں ایک فعل پر کھائی ہوں یا یہ شرط نہیں اور اگر ایک کفارہ کافی نہیں تو ہر کفارہ کی نیت کس طرح کرے۔؟

الجواب۔ تعدد یمین سے کفارہ متعدد ہوتا ہے۔ کذا فی الدر المختار اور نیت میں تعیین کا حکم۔
۲۰ جمادی ثانی ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۳)

## تحقیق توحد یا تعدد قسم بہ تعدد مقسم علیہ

سوال (۶۵۷) اگر کسی نے دو تین کاموں کے نام لے کر قسم کھائی یوں کہا کہ خدا کی قسم میں فلاں کام نہ کروں گا تو یہ ایک قسم ہوگی یا جتنے کاموں کے نام لیے اتنی قسمیں ہوں گی اگر ایک قسم ہوگی تو پھر ان کاموں میں سے اگر ایک کام کرے گا تو قسم ٹوٹے گی یا نہیں۔؟

الجواب۔ اگر حرف نفی کو مکرر ذکر کیا ہے اس طرح سے کہ میں نہ فلاں کام کرونگا نہ فلاں کام۔ تو یہ دو قسمیں ہوں گی اور اگر حرف نفی مکرر نہیں کیا اس طرح سے کہ میں فلاں فلاں کام نہ کروں گا ایک قسم ہوگی پھر اگر اس میں سے ایک بھی کر لیا قسم ٹوٹ جاوے گی اور دوسرا کرنے سے دوبارہ نہ ٹوٹے گی۔ کذا فی ردالمحتار ج ۳ ص ۹۸۔ ۲ رجمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانی ص ۷ ۳)

## عدم انعقاد یمین بقولہ ان فعلت کذا فانا زانٍ بالبنت

سوال (۶۵۸) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر میں فلاں جگہ آؤں تو اپنی لڑکی کے ساتھ فعل بد کا مرتکب ہوں تو کیا ایسا کہنے سے قسم ہو جاتی ہے۔

الجواب۔ فی الدر المختار وان فعله فعليه غضبه او سخطه او لعنة الله او هو زان او سارق او شارب خمر او اكل ربوا لايكون قسما الى قوله لامع ردالمحتار ج ۳ ص ۸۷۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس سے قسم نہ ہوگی۔ ۲ رشوال ۱۳۳۳ھ (ترجیح ثالث ص ۸۷)

## حکم کفارۂ قسم

سوال (۶۵۹) قسم کا کفارہ دس مسکینوں کا غلہ پونے دو سیر کے حساب سے دینا چاہئے یا بیس مسکینوں کا غلہ دیں کیونکہ بہشتی زیور کے تیسرے حصے میں ارشاد ہے کہ دس مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلائے اب حضور ارشاد فرماویں کہ دس مسکینوں کو دیں یا بیس کو غلہ دیں اور ان مسکینوں میں نابالغ مسکین ہو تو دیا جائے یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدرالمختار ولا يجزئ غير المراهق بدائع فی ردالمحتار عن البدائع واما اطعام الصغير عن الكفارة فجائز بطريق التمليك لاالاباحة ص: ۹۵۹ ج: ۲ باب الظهار وفی الدرالمختار واطعام عشرة مساكين كما مرفی الظهار ج: ۳ ص: ۹۲ دس مساکین میں سے ہر مسکین کو مثل صدقہ فطر کے دیں یہی قائم مقام دو وقت کے کھانے کے ہے بیس مساکین کو نہیں دیا جاتا اور ان مساکین کو اگر دو وقت کھانا کھلایا جائے تب تو کسی مسکین کا نابالغ ہونا درست نہیں البتہ جو بلوغ کے قریب ہو کہ خوراک اس کی مثل بالغ کے ہو وہ حکم بالغ میں ہے اور اگر

ہر مسکین کو غلہ صدقہ فطر کے برابر دیا جائے تو نابالغ کو دینا بھی کافی ہے۔ اوپر کی روایت اس کی دلیل ہے۔
۲ رمحرم ۱۳۴۱ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۲۳۰)

## حکم قسم گرفتن مشتبہ بالسرقہ

سوال (۶۶۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ مکان سے مبلغ ۴۳ روپیہ نقد چوری ہو گئے اور میرا گمان ہے کہ بکر لے گیا۔ بکر صاف منکر ہے کہ میں نے یہ روپیہ نہیں چرایا۔ زید کی خواہش ہے کہ بکر دو چار آدمیوں کے سامنے یہ کہد ے کہ اگر میں نے یہ روپیہ چرایا ہوتو میری بیوی پر تین طلاق۔ کسی حاکم یا زید کو ایسی قسم یا اقرار بکر سے لینا جائز ہے یا نہیں جبکہ مسجد میں کھڑا ہو کر تین مرتبہ یہ کہنے کو تیار ہو کہ خدا کی قسم زید کا روپیہ میں نے نہیں چرایا اور نہ مجھے اس کا کوئی علم ہے۔ ایسی حالت میں حاکم اور زید پر اس کا یقین کر لینا ضروری ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب۔ اس مسئلہ میں دو مقام پر اختلاف ہے۔ ایک یہ کہ حلف بالطلاق کا حق مدعی کو ہے یا نہیں ایک قول اکثر کا یہ ہے کہ یہ حق نہیں اور اصل مذہب یہی ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ اس زمانہ میں اس کا حق ہے۔ بعض نے دونوں قولوں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ یہ حاکم کی رائے پر ہے اگر وہ ضرورت سمجھے تو ایسا حلف لے لے۔ دوسرا اختلاف یہ ہے کہ اگر ایسا حلف لیا جاوے مگر مدعا علیہ انکار کرے تو آیا حاکم مدعی کا دعویٰ ثابت کر دے جیسے کہ قسم سے انکار کرنے کا یہی حکم ہے یا یہ کہ پھر خدا کی قسم لی جائے۔ اس میں بھی دو قول ہیں۔ احقر کی رائے یہ ہے کہ اختلاف اول میں دوسرا قول لیا جائے کہ مدعی کو اس کا حق ہو اور اختلاف ثانی میں بھی دوسرا قول لیا جاوے کہ اس انکار سے مدعی کا دعویٰ ثابت نہ کیا جاوے بلکہ صرف خدا کی قسم لے لی جاوے۔ پھر فائدہ اس انکار سے مدعی کا دعویٰ ثابت نہ کیا جاوے بلکہ صرف خدا کی قسم لے لی جاوے پھر فائدہ اس حلف لینے کا یہ ہوگا کہ شاید کاذب ہونے کی صورت میں ڈر کر حق کا اقرار کر لے۔

والدليل على هذا المجموع هذه الروايات ..... واليمين بالله تعالىٰ لا بطلاق ولا عتاق وان الح الخصم وعليه الفتوىٰ تتارخانيه وقيل ان مست الضرورة فوض الى القاضي اتباعا للبعض فلو حلفه القاضىٰ به فنكل فقضى عليه بالمال لم ينفذ قضاء على قوله الاكثر كذا في خزانة المفتين وظاهره انه مفرع على قول الاكثر اما على القول بالتحليف بهما فيعتبر نكوله ويقضي به والا فلا فائدة. بحر واعتمده المصنف قوله والا فلافائدة تظهر فائدته فيما اذا كان جاهلا بعدم اعتبار نكوله فاذا طلب حلفه به بما يمتنع ويقر بالمدعى درر البحار كذا في الدر المختار و ردالمحتار ج: ٤ ص: ٦٥٧ و ٦٥٨۔ ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ۔

# تتمۂ جواب بالا

بعد تحریر جواب بالا ایک دوست کے متوجہ کرنے سے تین امر اور ذہن میں آئے ایک یہ کہ جواب اس وقت ہے جبکہ زید کے قول کو دعویٰ کہا جاوے لیکن واقع میں وہ شرعاً دعویٰ نہیں کیونکہ دعوے کا صیغہ وہ ہے جس میں جزم وتحقیق ہو اور یہاں محض گمان کی خبر ہے۔ فی ردالمحتار عن البحر لم ار اشتراط لفظ مخصوص للدعویٰ وینبغی اشتراط مایدل علی الجزم والتحقیق فلو قال اشك او اظن لم تصح الدعوىٰ ج ٤ ص ٦٤٧۔ اس لیے صورت مسئولہ میں زید کو بکر سے کسی قسم کے حلف کا بھی حق نہیں۔

امر دوم یہ کہ یہ جواب اس صورت میں ہے کہ جب دعویٰ جازمہ کے بعد بھی حلف لینے کا حق نہیں۔ فی الدرالمختار وشرطها ای شرط جواز الدعوىٰ مجلس القضاء الخ ج وص مذکورہ۔

امر سوم ایک شبہ کا جواب ہے کہ نکول سے سرقہ ثابت نہیں ہوتا پھر حلف سے کیا فائدہ۔

الجواب۔ یہ ہے کہ قطع کے حق میں نکول حجت نہیں ضمان کے حق میں حجت ہے۔ فی الدرالمختار وكذا يستحلف السارق لاجل مال فان نكل ضمن ولم يقطع ج:٤ ص:٦٥٤۔ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (تتمۂ خامسہ ص:۲۰۳)

## عدم انعقاد یمین بصیغۂ توبہ

سوال (٦٦١) اگر کسی نے کہا میں فلاں گناہ سے توبہ کرتا ہوں اب کبھی نہ کروں گا تو یہ قسم ہوگی یا نہیں۔؟

الجواب۔ یہ قسم نہیں۔ ۲ رجمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۳۸)

## حنث دریمین بر اتمام کتب درسیہ جملہ یا اکثر وقتیکہ کسے قسم خورد کہ فلاں عالم نخواہد بود

سوال (٦٦٢) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ زید نے قسم کھائی ہے کہ واللہ عمرو کبھی عالم نہ ہو سکے گا یہ فی الواقع قسم ہوئی یا نہیں۔ اگر ہوئی تو عمرو کے کتنا بڑا عالم ہونے سے زید کی قسم حنث ہو جائے گی اور کفارہ لازم آجاوے گا اور اگر قسم نہ ہوئی تو وجہ کیا ہے۔؟

الجواب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ قسم میں عرف کا اعتبار ہوتا ہے عرف میں اس شخص کو عالم کہنے لگتے ہیں جس کی دینیات درسیہ کل یا اکثر ہو جاویں۔ اس مرتبہ میں زید حانث ہو جاویگا۔

۴ رجمادی الثانی ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۱۳۹)

## حکم شخصے کہ نویسد کہ عہدمی کنم اگر فلاں وظیفہ نخوانم از بیعت فیض مرشد محروم شود

سوال (۶۶۳) اگر کسی نے اس طرح کاغذ پر لکھ کر بطور یادداشت کے رکھا اور چند یوم کے بعد پابندی نہ ہوسکی تو کفارہ کیا ادا کیا جاوے گا۔ اگر روزے رکھے جاویں تو رمضان المبارک کے پیشتر ہی ادا کر لئے جاویں مثلاً یوں لکھا کہ عہد کرتا ہوں کہ فجر نماز کے بعد تین پارہ تلاوت اور وظیفہ معمولہ دلائل الخیرات بوقت ظہر اور شب میں بعد عشاء خواہ ایک بجے شب سے تہجد اور دوازدہ تسبیح نہ پڑھوں تو خارج از بیعت اور فیضان مرشد سے ہمیشہ محروم رہوں۔ چند یوم تک پابندی کے بعد ترک ہوگئے تو کفارہ دینا چاہئے۔؟

الجواب۔ مبنیٰ یمین کا عرف پر ہے اور یہ عبارت عرف میں یمین نہیں اس لیے یمین نہ ہوگی اور کفارہ بھی نہ ہوگا۔ ۱۵؍شعبان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص: ۱۵۷)

# کتابُ النُّذور

## شتر کی قربانی کی نذر میں باوجود ملنے شتر کے گاؤ ذبح کرنے کا حکم

سوال اوّل (۶۶۴) زید نے منت مانی کہ اگر خداوند کریم میرا فلاں مقصد پورا فرماویں تو میں اس کے درگاہ میں ایک شتر قربانی کروں گا تو بعد پورا ہونے مقصد کے ابھی باوجود پایا جانے شتر کے گاؤ دینا بایں مصلحت کہ ایک شتر پچاس (۵۰) روپیہ کو ملتا ہے اور اس کی کھال ایک روپیہ میں بھی نہیں بکتی اور بیل مثلاً پانچ روپیہ کو ملتا ہے اور اس کی جلد کو جو بیس روپیہ کی ہوگی تو مساکین کو گوشت اور بیس روپیہ نقد بھی اور شتر میں فقط گوشت نقد کچھ نہیں ملتا اسی ارادہ سے شتر کے عوض گاؤ دینا جائز ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کتنی گاؤ دینا ہوگا۔؟

## بجائے شتر منذور کے سات بکریاں ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں اور ایک ہی وقت میں ذبح کرے یا متفرق طور سے

سوال دوم (۶۶۵) بوقت نہ پائے جانے شتر کے سوال مذکور میں آپ نے فتاوائے اشرفیہ میں سات بکریاں دینا فرمائیں ہیں آیا ساتوں ایک ہی وقت میں دینا چاہئیں یا ایک ایک دو دو کر کے برس دو برس میں پورا کرنے سے ہوگا۔؟

## کیا قربانی کی منت میں ایام نحر میں ذبح ضروری ہے

سوال سوم (۶۶۶) اگر قربانی کرنے کی منت کرے تو قربانی کے دن یعنی بقرعید کے ۱۰/۱۱/۱۲ کو ذبح کرنا ہوگا یا اور دن بھی کر سکتا ہے۔؟

## بقرعید سے قبل یا بعد دوسری قربانی علاوہ اضحیہ واجبہ کے کرنا

سوال چہارم (۶۶۷) بقرعید کے چاند میں عید کے قبل یا بعد میں دوسری قربانی کر سکتا ہے یا نہیں۔؟

الجواب عن الاسئلة الاربعة۔ فی ردالمحتار فی بحث النذر بالذبح عن ط

بان مراده بالفرض مایعم الواجب بان یراد به اللازم۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ نذر تو صحیح ہو جائے گی وفی ردالمحتار وکذا یظهر منه انه لا یتعین فیه (ای فی المعلق) المکان والدرهم والفقیر لان التعلیق انما اثر فی انعقاد السببیة فقط فلذا امتنع فیه التعجیل و تعین فیه الوقت اما المکان والدرهم والفقیر فهی باقیة علی الاصل من عدم التعیین وانما تعین المکان فی نذر الهدی والزمان فی نذر الاضحیة لان کلاً منهما اسم خاص معین فالهدی مایهدی للحرم والا ضحیة مایذبح فی ایامها حتی لو لم یکن کذلك لم یوجد الاسم۔ وفی الدرالمختار نذر ان یتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغیره جازان ساوی العشر کتصدقه بثمنه وفیه لوقال لله علی ان اذبح جزوراً و اتصدق بلحمه فذبح مکانه سبع شیاه جاز کذا فی مجمع النوازل ووجهه لایخفی۔

ان روایات سے چند امور معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ قربانی سے مراد ناذر نے صرف ذبح لیا ہے یا قربانی بقرعید کے زمانہ میں اگر اول مراد لیا ہے تو جب چاہے نذر ادا کرے اور اگر ثانی ہے تو خاص ایام نحر میں ادا کرنا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ ذبح مقصود ہے اور تصدق اس کے تابع۔ اول صورت میں گائے بھی شتر کے قائم مقام ہو جاوے گی اور دوسری صورت میں مساوات قیمت کی شرط ہے خواہ ایک گائے اتنی قیمتی مل جائے یا چند گائے مل کر ہوں۔ فی الدرالمختار نذرصوم شهر معین لزمه متتابعاً الخ فی ردالمحتار اما اذا کان الشهر غیر معین فان شاء تابعه وان شاء فرقه الا اذا اشترط التتابع فلیزمه الخ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر اضحیہ کی نذر کی ہے تب تو چونکہ شتر کے ذبح میں تفریق نہیں ہوسکتی اس لئے اس کے بدل میں بھی ایک ہی وقت سب کا ذبح ضروری ہے اور اگر ذبح کی نذر کی ہے تو اس میں تفریق بھی جائز ہے۔ اس تقریر سے سب سوالوں کا جواب ہوگیا اگر کسی جزء میں شبہ رہا ہو مکرر دریافت کرلیا جاوے۔ ۴ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۱۲۰)

## حکم کفایت ہفت گوسفند در نذر شتر

سوال (۶۶۸) ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ۔ کہ ایک مرتبہ میری بستی میں وبا زور شور سے پھیلی تھی اس وقت میری نیت (۱) ہوئی کہ اگر خداوند کریم نے اس بلا سے میرا گھر محفوظ رکھا تو اس کی درگاہ میں ایک شتر نیاز دوں۔ اس بلا سے پاک سبحانہ وتعالیٰ نے بچالیا اب میں شتر کی تلاش میں ہوں لیکن اس طرف شتر عنقاء صفت ہے میں آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ فقط۔؟

---

(۱) یہ امر قابل تنبیہ ہے کہ اگر صرف دل سے ارادہ کیا ہے تو نذر نہ ہوگی اور اگر زبان سے بھی کہا ہے تو نذر ہوگی جواب آئندہ اسی شق ثانی پر مبنی ہے ۱۲ منہ۔

الجواب۔ اس صورت میں اختیار ہے خواہ سات بکریاں ذبح کر کے مساکین کو خیرات کر دیجئے یا متوسط درجہ کے اونٹ کی قیمت مساکین کو تقسیم کر دیجئے۔ درمختار میں ہے۔

**ولو قال لله علی ان اذبح جزوراً و تصدق للحمه فذبح مکانه سبع شیاه جاز اهـ وفی نذران یتصدق بعشرة دراهم فتصدق بغیره جاز ان ساوی العشرة کتصدقه بثمنه اهـ** (امداد جلد دوم ص ۸۲)

## صیغۂ نذر در اردو

سوال (۶۶۹) صرف اظہار ارادہ سے نذر منعقد نہیں ہو جاتی ہے یا نہیں۔ مثلاً کسی نے کہا ہمارا ارادہ ہے ایک بکرا ذبح کرا دیں اور صدقہ کر دیں اور شاید اس سے ہمارا لڑکا اچھا ہو جائے۔ یا یوں کہا کہ ہم ہر مہینے دو چار مسکین کھلا دیا کریں گے تو اس سے نذر ہوگی یا نہیں۔ اردو میں نذر کا صیغہ کیا ہے۔؟

الجواب۔ **فی الدر المختار الایمان مبنیة علی العرف فما تعورف الحلف فیه فیمین وما لا فلا۔** اور نذر حکم یمین میں ہے چنانچہ علی نذر کو صیغہ ایمان سے درمختار میں لکھا ہے اس بناء پر جو صیغے عرفاً نذر کے سمجھے جاتے ہیں ان سے نذر منعقد ہوگی اور جو صیغے عرفاً اس میں مستعمل نہیں ہیں ان سے نذر نہ ہوگی اس لیے صیغۂ اول کہ ہمارا ارادہ ہے الخ نذر نہیں ہے اور دوسرا صیغۂ کہ ہم ہر مہینے الخ نذر ہے۔ واللہ اعلم ۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ثانی ص: ۸۲)

## نذر بمجلس مولد و تقسیم شیرینی

سوال (۶۷۰) زید نے جناب باری تعالیٰ میں دعاء کی میرا فلاں مطلب ہو جائے تو میں میلاد شریف یا شرینی پر فلاں بزرگ کا فاتحہ کروں گا۔ یا اس کی قبر پر چادر ڈالوں گا بعد حصول مطلب ادائے نذر ایسے شخص پر واجب ہوگی یا نہیں اور ادا نہ کرنے والا عاصی ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب۔ **فی الدر المختار۔ ومن نذر نذرا وکان من جنسه واجب ای فرض وهو عبارة مقصودة خرج الوضوء وتکفین المیت لزم الناذر۔** اس عبارت سے سب سوالوں کا جواب نکل آیا پس مولد شریف تو عبادات مقصودہ سے نہیں اس لیے یہ نذر منعقد نہیں ہوئی اور قبر پر چادر ڈالنا خود عبادت ہی نہیں بلکہ مکروہ ہے اس لئے یہ نذر بھی منعقد نہیں ہوئی۔ رہا فلاں بزرگ کی روح کو ایصال ثواب کر کے شیرینی بانٹنا اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر ایصال ثواب اصلی مقصود ہے تو یہ عبادات مقصودہ میں سے نہیں اور اگر تقسیم مقصود ہے اس میں دو صورتیں ہیں اگر خاص فقراء کو تقسیم کرنے کی نیت نہیں ہے تب بھی عبادت مقصودہ نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں بھی نذر منعقد نہ ہوگی۔

فی الدرالمختار نذر التصدق علی الاغنیاء لم یصح مالم ینوابناء السبیل ولو نذر التسبیحات دبر الصلوة لم تلزمه آه۔ اور اگر خاص فقراء و مستحقین پر تصدق کرنے کی نیت ہے تو نذر صحیح ولازم ہوگی مگر اختیار ہوگا خواہ شیرینی دے خواہ طعام خواہ نقد۔ فی الدرالمختار نذر ان یتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغیره جاز ان ساوی العشرة کتصدقه بثمنه۔ اور جن صورتوں میں نذر منعقد ہوجاتی ہے ایفاء واجب ہے اگر ایفاء نہ کرے گا گنہگار ہوگا۔ کما مر من الدرالمختار من قوله لزم الناذر۔ فقط واللہ اعلم ۷ رصفر ۱۳۲۱ھ (امداد ثانی ص ۸۳)

## حکم جانور نذر و نیاز بزرگان

سوال (۶۷۱) اولیاء اللہ کا نذر کیا گیا بکرا مرغا گائے وغیرہ ماکول اللحم ساتھ بسم اللہ اللہ اکبر کے ذبح کرنے سے حلال ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ بزرگوں کی نذر و نیاز کا جانور اگر اس واسطے ذبح کیا جاوے کہ وہ بزرگ ہم سے خوش ہوں اور ہمارا کام کردیں اور ان کو متصرف فی التکوین سمجھے اور ان سے تقرب کے لئے ذبح کرے اور ذبح سے وہی مقصود ہوں چنانچہ اس زمانہ میں اکثر جہال کا یہی عقیدہ ہوتا ہے تو یہ عقیدہ رکھنے والا مشرک اور وہ ذبیحہ بالکل حرام ہے اگر چہ وقت ذبح اللہ کا نام لیا جاوے وما اھل به لغیر اللہ اور اگر اللہ کے واسطے وہ جانور ذبح کیا اور اللہ کے واسطے دے کر اس کا ثواب کسی بزرگ کی روح کو بخش دیا۔ یہ جائز اور حلال ہے۔ فقط۔ ۵ ربیع الثانی ۱۳۱۰ھ (امداد رابع ص: ۸۷)

## جوابات سوالات متعلقہ معاملات جہلاء با قبور و نذر پیرزادگان

سوال (۶۷۲) (۱) بزرگوں کی قبروں پر پیسے ڈالنا جائز ہے یا نہیں۔؟

سوال (۲) اگر ڈالے جائیں جیسے کہ ہمارے یہاں زیارت پر ڈالے جاتے ہیں تو اس کو کوئی آدمی لے سکتا ہے یا نہیں۔؟

سوال (۳) اگر اولاد بزرگ متوفی کی اس کو جاگیر فرض کرکے اپنے درمیان نوبت مقرر کریں کہ ایک ہفتہ ایک لے گا دوسرے ہفتہ دوسرا۔ اسی طرح جیسا یہاں پر پچاس برس سے یہ دستور جاری ہے تو ان کا یہ نوبت مقرر کرنا صحیح ہے یا نہیں۔؟

جواب۔ (۱) نہیں۔

جواب۔ (۲) ڈالنے والے کی نیت جس شخص کو ان پیسوں کو دینا ہے اس کا غیر تو اس لیے نہیں لے

سکتا وہ پیسے ملک سے خارج نہیں ہوئے تو ملک غیر میں تصرف بلا اذن مالک لازم آتا ہے اور وہ حرام ہے اور جس شخص کو دینا مقصود ہے وہاں یہ علت تو نہیں لیکن اکثر علماء کے نزدیک وہ مال وما اهل لغیر الله کے حکم میں ہے بجامع التقرب به الٰی غیر الله اس لئے وہ بھی نہیں لے سکتا گو لینے سے ملک خبیث ہو جائے گی اس کا تدارک بجز اس کے کچھ نہیں کہ جس نے پیسے ڈالے ہیں وہی اٹھا کر اپنی اس نیت اور عقیدہ سے توبہ کرلے پھر خواہ خود رکھے خواہ کسی کو دے اسی سے تیسرے سوال کا جواب بھی معلوم ہو گیا۔

جواب۔(۴) بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔ ۲۱ رمضان ۱۳۴۱ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۲۴۳)

## حکم فاتحہ ونذر ونیاز اولیاء اللہ وبزرگان

سوال (۶۷۳) یہاں ایک مزار پر یہ رسم ہے کہ لوگ اس پر منت مانتے ہیں کہ ہمارا یہ کام پورا ہو جائے تو ہم ان بزرگ کی مرغ کے قورمہ پر فاتحہ کریں گے چنانچہ کام پورا ہونے پر مزار کے احاطہ میں کسی مقام پر وہ مرغ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جاتا ہے اور اس کا قورمہ اور روٹی پکا کر مجاور کے پاس لائی جاتی ہے جس سے بعد فاتحہ کچھ وہ لے لیتا ہے اور کچھ لانے والے کو بطور تبرک واپس کر دیتا ہے آیا وہ قورمہ روٹی غیر مقتدا کے لیے کھانا حلال ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ في الدر المختار قبيل باب الاعتكاف واعلم ان النذر الذى يقع للاموات من اكثر العوام وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها الٰى ضرائح الاولياء الكرام تقرباً اليهم فهو بالإجماع باطل وحرام مالم يقصدوا صرفها لفقراء الانام وقد ابتلى الناس بذلك ولا سيما فى هذه الاعصار فى ردالمحتار قوله باطل وحرام بوجوه منها انه نذر المخلوق والنذر للمخلوق لايجوز لانه عبادة والعبادة لايكون لمخلوق الٰى قوله ومنها ان ظن ان الميت يتصرف فى الامور دون الله تعالٰى واعتقاده ذلك كفر اللهم الا ان قال يا الله انى نذرت لك ان شفيت مريضى اورددت غائبى او قضيت حاجتى ان اطعم الفقراء الذين بباب السيدة النفسية الٰى قوله مما يكون فيه نفع للفقراء والنذرلله عز وجل وذكر الشيخ انما هو محل لصرف النذر المستحقة الخ (عن البحر) قوله مالم يقصدوا الخ اى بان تكون صيغة النذرلله تعالٰى للتقرب اليه ويكون ذكر الشيخ مراداًبه فقراء كما مرولايخفى ان له الصرف الٰى غير هم كما مر سابقا ولا بدان يكون المنذور مما يصح به النذر كالصدقة بالدراهم ونحوها اى لو نذرزيتا لايقاد قنديل فوق ضريح الشيخ او فى المنارة كما يفعل النساء من نذرالزيت لسيدى عبدالقادر ويوقد فى المنارة جهة المشرق فهو

باطل الخ وفی الدرالمختار قبیل کتاب الاضحیة ذبح لقدوم الامیر ونحوه کو احد من العظماء یحرم لانه اهل به لغیر الله ولو وصلیة ذکر اسم الله تعالٰی اھ۔

ان روایات سے امور ذیل مستفاد ہوئے :۔

(۱) اگر اس نذر سے یا بدون نذر کے اس ذبح سے نیت تقرب غیر اللہ کی ہو تو ذبیحہ حرام رہے گا اگر چہ اس کے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو۔ وقد حرم الله تعالٰی فی المائدة ماذبح علی النصب بعد ذکر تحریم مااهل لغیر الله به۔

(۲) صاحب درمختار اپنے زمانہ کے اکثر عوام کی نذر للاموات کو فساد عقیدہ پر مبنی سمجھتے ہیں اور اکثر لوگوں کو اس میں مبتلاء فرماتے ہیں اور جہل کا روز افزوں ہونا ظاہر ہے تو ہمارے زمانہ میں تو بدرجۂ اولیٰ اسی حالت کا ظن غالب ہے۔

(۳) اگر نذر للہ ہو اور بزرگ کا ذکر بیان مصرف کیلئے ہو وہ جائز ہے۔

(۴) اس نذر سے یہ تخصیص لازم نہیں ہو جاتی دوسرے مقام کے فقراء پر صرف کر دینا بھی جائز ہے۔

(۵) جو شئے منذور فقراء پر صرف نہیں کی جاتی اس کی نذر بالکل باطل اور ناجائز ہے جیسے چراغ جلانا یا غلاف چڑھانا۔

ان احکام کی تحقیق کے بعد قابل غور یہ امر ہے کہ یہ نذر مذکور فی السوال آیا تقرب الی اللہ کے لیے ہے یا تقرب غیر اللہ کے لیے۔ اس کا فیصلہ نہایت آسانی سے اس طرح ہو سکتا ہے کہ مسئلہ نمبر ۴ کو اس کا معیار قرار دیا جاوے یعنی ناذر کو یہ مشورہ دیا جائے کہ تم ان بزرگ کے خادموں کے علاوہ دوسرے مساکین کو جن کو مزار یا صاحب مزار سے کوئی تعلق نہ ہو دیکر ان بزرگ کو ثواب بخشدو۔ یا بجائے مرغ ذبح کرنے کے بازار سے گوشت خرید کر اس کا کھانا پکا لو اور اس سے زیادہ صاف امتحان یہ کہ یہ کہا جائے کہ ان کو ثواب ہی مت بخشو۔ پھر یا تو اپنے اموات کو بخشد و یا کسی کو بھی مت بخشو اور خود بھی مت رکھو یا اس کو تبرک نہ سمجھو کیونکہ اس میں برکت ہو جانے کی کوئی دلیل نہیں اگر اس پر خوشی سے راضی ہو جائیں تو سمجھا جائے گا کہ خود ان سے تقرب مقصود نہیں ان کا ذکر بیان مصرف کے لیے تھا جس میں مقامی اور غیر مقامی مساکین سب برابر ہیں اور اگر اس پر راضی نہ ہوں بلکہ ان ہی تخصیصات پر اصرار ہو کہ ذبح بھی ہو اور ان ہی بزرگ کے تعلق والوں کو دیا جائے اور خود کھانے کو موجب برکت سمجھا جائے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ان تخصیصات کے خلاف کرنے سے کسی مضرت کا اندیشہ ہو تو یہ سب علامات ہیں فساد عقیدہ کی۔ اس حالت میں یہ فعل مطلقاً ناجائز ہوگا جس میں مقتدا و غیر مقتدا سب برابر ہیں البتہ جواز کی کسی صورت میں اگر ابہام ہو تو اس میں مقتدا کو احتیاط کا مشورہ دیا جاوے گا۔

۲۷ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ (النور: ص ۸ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ)

## تفصیل در نذر ہزار رکعت بر تقدیر سلامت کسے از مقدمہ

سوال (۶۷۴) ایک شخص خون کی علت میں گرفتار ہو کر قید ہوا خدا جانے وہ علت صحیح ہے یا غلط اس سے کوئی غرض نہیں۔ مقصود یہ ہے کہ ایک شخص نے اس کے لیے جناب باری تعالیٰ میں اس طریقہ سے نذر مانی کہ اگر یہ شخص قید فرنگ میں سے رہا اور بری ہو جائے اور جان اس کی سلامت رہے تو میں ہزار رکعت نماز ادا کروں گا وہ شخص جان سے تو سلامت رہا مگر سات برس کی قید اس کو ہوگئی۔ اس صورت میں صلوٰۃ نذر کے بارے میں کیا کرنا چاہئے۔؟

الجواب۔ اس شخص سے پوچھا جائے کہ رہائی اور براءت سے کیا مراد ہے آیا سزائے موت سے رہائی اور براءت یا مطلق سزا سے رہا اور براءت شق اول میں شرط نذر کی پائی گئی۔ لہٰذا ایفاء نذر واجب ہے اور شق ثانی میں شرط نہیں پائی گئی اس لیے ایفاء واجب نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴ رجمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ۲ ص ۸۳)

## تحقیق حکم نذر بالذبح

سوال (۶۷۵) نذر ہائے ذبح حیوان میں اختلاف ہے بعض نے ماجنسہ واجب کو عام رکھ کر کہا ہے نذر منعقد ہو جاتی ہے اور بعض نے کہا ہے واجب سے مراد فرض ہے تو نذر منعقد نہ ہوگی صاحب درمختار نے قول ثانی اور شامی نے قول اول کی تصحیح کی ہے بناء بر تصحیح شامی آیا صرف ذبح سے ایفاء ہو جائے گا مثل قربانی کے یا کہ تصدق لحم وجلد ضروری ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ ضرور ہو مگر تصریح نہیں ملتی۔

الجواب۔ تصریح میں نے بھی دیکھی نہیں لیکن فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ذبح کرنا غیر ایام اضحیہ میں قربت مقصودہ نہیں۔ اور یہ بھی تصریح کی ہے منذور بہ کا قربت مقصودہ ہونا چاہئے پس اگر نذر بالذبح میں صرف ذبح سے پوری ہو جائے تو لازم آتا ہے کہ منذور بہ غیر قربت مقصودہ ہو وہو باطل۔ اس سے معلوم ہوا کہ تصدق کو لازم کیا جائے گا تا کہ اس کے انضمام سے وہ قربت مقصودہ ہو جائے اس قاعدہ سے یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ تصدق واجب ہوگا۔ نیز ناذر کا قصد اس نذر ذبح سے یقیناً تصدق کا ہوتا ہے پس عرفاً نذر بالذبح کا لفظ مستعمل نذر مجموع الذبح والتصدق میں ہے اور اس مجموع کے نذر میں فقہاء نے انعقاد نذر کی تصریح کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۵ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ (امداد ثانی ص: ۸۴)

## نابالغ کی نذر کا حکم

سوال (۶۷۶) طفل نابالغ جو عقل رکھتا ہے اس نے نذر معین یا غیر معین مانی بعد حصول مقصود اس پر ادا کرنا اس نذر کا واجب ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب۔ واجب نہ ہوگا بلکہ اگر وہ نذر مالی ہے تو ادا کرنا جائز بھی نہ ہوگا۔ فقط
۸ رمحرم ۱۳۲۲ھ (تتمہ اولیٰ ص:۱۱۸)

## ایک ماہ کے روزوں کے نذر میں تتابع واجب ہے یا نہیں

سوال (۶۷۷) بندہ نے ایک مرتبہ علالت میں نذر کی تھی اگر شفاء ہوگئی تب ایک ماہ کے روزے رکھوں گا۔ اس وقت یہ خیال نہیں کہ اتصال کی نیت کی تھی یا نہیں بلکہ یہ خیال ہے کہ اس وقت اتصال وغیر اتصال کا دل میں خطرہ بھی نہ گزرا تھا۔ حاصل یہ ہے کہ بندہ نے شروع ذی الحجہ سے نذر کو ادا کرنا شروع کیا اور اس درمیان میں ایام نحر وتشریق کی وجہ سے روزہ نہ ہوا۔ آیا اس صورت میں اگر کل ذی الحجہ کے روزے رکھدیئے سوائے ایام مذکورہ کے تب نذر ادا ہوجائے گی یا نہیں۔ اور ایام مذکورہ کے عوض اور روزے رکھنے ہوں گے یا نہیں۔ صاف تحریر فرمایئے بڑی عنایت ہوگی۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار۔قبل باب الاعتکاف و کذا الحکم لو نکر السنة و شرط التتابع الیٰ قوله ولولم یشترط التتابع یقضی خمسة و ثلثین اھ۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ اگر تتابع کی شرط نہیں کی تو تتابع واجب نہیں البتہ ایام منہیہ کے عوض روزے رکھنے پڑیں گے تاکہ ایک ماہ کی تکمیل ہوجاوے۔ ۲۰ رذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص:۱۱۸)

## بکری کے بچہ معین کی قربانی کی نذر

سوال (۶۷۸) ایک شخص نے نذر مانی تھی یا اللہ بکری کا بچہ اچھا ہوجائے اسی بچہ کی قربانی نبی ﷺ کے نام دوں گا۔ ابھی بکری کا بچہ کم عمر ہے ایک برس روز کا نہیں ہوا قربانی نہ دی تو کیا گنہگار رہوگا یا بکری کا بچہ ذبح کرکے خیرات کردینا کہ یا اللہ ثواب نبی ﷺ کی روح پاک کو پہنچے۔؟

الجواب۔ مشہور روایات میں یہ ہے کہ نذر اس طاعت کی ہوتی ہے جس کی جنس سے کوئی فرض ہو۔ لیکن علامہ شامی نے معتبرات فقہ سے اس کو ترجیح دی ہے کہ خواہ فرض ہو یا واجب ہو جلد ۳ ص ۱۰۷ قبل باب الیمین فی الدخول۔ پس چونکہ قربانی کے افراد میں سے واجب پایا جاتا ہے لہٰذا یہ نذر منعقد ہوگئی اب نذر کرنے والا اپنی نیت کو دیکھے کہ قربانی سے مراد مطلق ذبح لیا تھا یا اصطلاحی قربانی اول صورت میں تو انتظار برس روز پورا ہونے کا نہ کرے اور دوسری صورت جب وہ برس کا ہوجاوے اور ایام اضحیہ بھی آجاویں اس وقت ذبح کرے۔ فقط۔ ۶ رذی الحجہ ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص:۱۱۹)

## نذر ذبح شاۃ برشفائے شاۃ

سوال (۶۷۹) ایک شخص کے پاس ایک بکری تھی وہ بیمار ہوگئی اس نے زبان سے کہا کہ اگر

یہ بکری اچھی ہو جائے گی تو قربانی کروں گا۔ پھر وہ اچھی ہوگئی تو اس کو قربانی کرنا ضرور ہے۔ یعنی یہ کہنا کہ یا اللہ اگر اچھی ہو جائے تو قربانی کروں گا نذر ہے۔ اور اگر نذر رہو اور اس کو بیچ ڈالے تو اب اس کی قیمت کو کیا کرے۔؟

الجواب۔ حکم قیاس کا یہ ہے کہ بدون لفظ عَلَیَّ یا مایفید معناہ نذر نہ ہوگی بلکہ وعدہ ہے۔ اور استحسان کا حکم یہ ہے کہ تب بھی نذر ہو جاوے گی۔ رد المحتار ج ۳ ص ۱۰۷۔ پس صورت مسئولہ میں بحکم استحسان نذر ہو جاوے گی۔ وھو احوط۔ ایک بحث تو یہ تھی دوسری بحث یہ ہے کہ قربانی سے مراد اگر مطلق ذبح ہے تب تو کسی زمان کی قید نہ ہوگی اور اگر تضحیہ مراد ہے تو ایام نحر کی قید ہوگی۔ اور نیز ذبح مراد لینے میں یہ بھی اختیار ہے خواہ ذبح کر کے تصدق کرے یا بکری کی قیمت کا تصدق کردے۔ اور بیچ ڈالنے کے بعد بھی دونوں اختیار ہیں خواہ دوسری بکری خرید کر ذبح و تصدق کرے خواہ وہ قیمت تصدق کردے۔ اور اگر تضحیہ مراد لیا ہے اور پھر بیچ ڈالا تو اگر کسی خاص سال کی قید لگائی تھی تو اس کی قیمت کا تصدق کردے اور اگر تضحیہ میں کسی سال کی قید نہ لگائی تھی تو ایام نحر میں اس قیمت کی بکری خرید کر قربانی کرے۔ وکل ھذا ظاھر من القواعد۔ ۲۹ رجب ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص: ۶۰)

## مصلین کو کھانا کھلانے کی نذر میں اغنیاء کو اس کا کھانا درست ہے یا نہیں

سوال (۶۸۰) زید نے کہا کہ میرا لڑکا اچھا ہو جائے تو میں تمام مصلیوں کو کھانا کھلاؤں گا۔ اب لڑکا فضل الٰہی سے اچھا ہوا۔ اب زید کھانا کھلانا چاہتا ہے اور مصلیوں میں غریب اور مالدار دونوں ہیں آیا دونوں کھا سکتے ہیں یا غریب ہی کھا سکتے ہیں اور زید کہتا ہے کہ میں تمام مصلی غریب اور مالدار سب کی نیت کیا ہوں اس کو صاف بیان کیجئے یعنی مالدار کو کھانا جائز ہے۔ یا نہیں یہ کھانا بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ چونکہ بقدر حصہ مالداروں کے نذر نہیں ہوئی لہٰذا مالداروں کو اس کا کھانا جائز ہے۔
۴ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص: ۱۱۹)

## جھوٹے مقدمہ میں نذر ماننے سے اس کا ایفاء واجب ہے یا نہیں

سوال (۶۸۱) زید نے ایک مقدمہ بکر پر بالکل جھوٹا عدالت میں دائر کیا اور یہ نیت مانی کہ اگر مقدمہ میرے حسب مرضی فیصل ہو تو مسجد میں شیرینی بھیجوں گا چنانچہ زید مذکور کامیاب ہوا زید نے شیرینی مسجد میں بھیجی۔ اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ آیا منت جائز ہوئی یا نہیں اور اس قسم کی شرینی نمازیوں کو کھانا جائز ہے یا نہیں اور زید اس منت ماننے کی وجہ سے گنہگار رہا یا نہیں اور اگر ہوا تو کس درجہ کا۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار احکام النذر وان علقه بمالم یرده کان زینت بفلانة مثلاً فحنث و فی بنذره او کفر لیمینه علی المذهب وفی ردالمحتار انظر لو کان فاسقاً یرید شرطا هو معصیة فعلق علیه فهل یقال اذاباشر الشرط یجب علیه المعلق ام لا ویظهر الی الوجوب الخ ج۳ ص ۱۰۶۔ اس منت سے گووہ اس لیے گناہ گار ہوا کہ معصیت کی رغبت ظاہر ہوتی ہے مگر چونکہ صدقہ عبادت ہے اس لیے نذر منعقد ہوگئی اور مساکین اس کا مصرف ہیں۔ فقط ۲۹ رجب ۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۱۱۹)

## اہل محلّہ کو گائے ذبح کر کے کھلانے کی نذر میں اغنیاء کو کھلانا درست ہے یا نہیں

سوال (۶۸۲) ہمارے یہاں اس طرح پر نذر کرتے ہیں اگر فلاں مقصود میرا حاصل ہو تو ایک گائے اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کر کے محلّہ والوں کو کھلاؤں گا یا یوں کہے کہ اللہ ذبح کروں گا مگر اہل محلّہ کو کھلانا منظور ہوتا ہے حالانکہ محلّہ میں نصاب والا اور فقیر دونوں ہیں بلکہ بہ نسبت فقیر کے پیسے والے کو کھلانے کا زیادہ خیال رہتا ہے۔ جناب من اس صورت میں ایفاء نذر واجب ہوگا یا نہیں اور دونوں فرقوں کو کھلانا اس کا درست ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب۔فی الدرالمختار نذر التصدق علی الاغنیاء لم یصح مالم ینوا ابناء السبیل وفیه ولوقال ان برئت من مرضی هذا ذبحت شاة اوعلی شاة اذ بحها فبریٔ لایلزم شیئ لان الذبح لیس من جنسه فرض بل واجب کالاضحیة فلایصح الا اذا زادو التصدق بلحمها فلیزمه لان الصدقة من جنسها فرض وهی الزکوة۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ بقدر اغنیاء کے نذر منعقد نہیں ہوئی اور بقدر فقراء منعقد ہوگئی اور فقراء کو کھلانا ضروری ہوگا اور اغنیاء نے اگر کھایا تو دیکھنا چاہیئے کہ اس نے بقدر حصہ فقراء پکوایا ہے یا زیادہ پہلی صورت میں اغنیاء کو کھانا درست نہیں دوسری صورت میں درست ہے۔ فقط۔

۴ رشعبان ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۱۲۰)

## تحقیق نذر برائے اغنیاء

سوال (۶۸۳) زید نے نذر کی یعنی یہ کہا کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں فلاں مدرسہ کے مدرسین کی دعوت کروں گا۔ اس کا کام ہوگیا تو ناذر کو انہیں مدرسہ کے مدرسین کو کھلانا چاہئے یا کہ دوسروں کو بھی کھلا سکتا ہے اور مدرسین کو یہ کھانا جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ اگر مدرسین غنی ہیں تو بقدر ان کے حصّہ کے یہ نذر نہ ہوگی اور یہ بھی اختیار ہوتا کہ اس

مقدار کا ایفاء نہ کرے اور اگر مساکین ہیں تو نذر ہوجاوے گی مگر یہ تخصیص لازم نہ ہوگی کہ جس مسکین کو چاہئے۔ کھلائے۔ ۸ محرم ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۱۱۱)

## تحقیق ایفائے نذر اطعام بہ لحم عقیقہ

سوال (۶۸۴) ایک شخص نے کچھ مساکین کھلانے کی نذر کی تھی (کہ اگر میرے لڑا ہوا تو مثلاً بیس مساکین کھلاؤں گا) آیا وہ شخص لحم عقیقہ اس نذر میں استعمال کرسکتا ہے یا نہیں اور عقیقہ نفس ذبح سے ادا ہوجاتا ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ عقیقہ تو نفس ذبح سے ادا ہوگیا لیکن اس لحم کا اس نذر میں صرف کرنا علی الارجح جائز نہیں۔ دلیله ما فی ردالمحتار عن القنية واذا دفع اللحم الی فقیر بنیة الزکاة لایحسب عنها فی ظاهر الروایة اهـ　۲۸ محرم ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۱۷۲)

## تدریج در ایفائے نذر

سوال (۶۸۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومقتدایان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے حالت مرض میں یہ کہا کہ میں بعد صحت دوسو (۲۰۰) روپیہ فلاں کار خیر میں دوں گا بعد صحت اس پر دوسو روپے کا ادا کرنا لازم ہوگا یا نہیں۔ بر تقدیر اول بباعث تنگدستی وعدم گنجائش فی الحال وہ تھوڑا تھوڑا روپیہ قسط کے طور پر بھی ادا کرسکتا ہے یا نہیں۔؟ بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی الدرالمختار لو قال ان برئت من مرضی هذا ذبحت شاة او علی شاة اذبحها الی قوله لان الذبح لیس من جنسه فرض فی ردالمحتار هذا التعلیل لصاحب البحر وینافیه ما فی الخانیة قال ان برئت من مرضی هذا ذبحت شاة فبرئ لایلزمه شیئی الا ان یقول فلله علی ان اذبح شاة اهـ و هی عبارة متن الدر وعللها شرحه بقوله لان اللزوم لایکون الابالنذر والدلیل علیه فی الثانی لا الاول اهـ ثم قال لکن فی البزازیة ایضًا ان عوفیت صحت کذا لم یجب مالم یقل لله علی وفی الاستحسان یجب ولو قال ان فعلت کذا فانا احج ففعل یجب علیه الحج اهـ الی اخرماقال ش طـ ج۳ ص۱۰۷۔

اس سے ثابت ہوا کہ علی الراجح یہ نذر صحیح ہوجاوے گی اور اگر ایک دم سے نہ دے سکے تو تھوڑا تھوڑا بھی دینا جائز ہے۔ فی ردالمحتار وان لم یجد غیره امسک منه قدر قوته فاذا ملک غیره تصدق بقدره ای بقدر ما امسک کذا سیأتی فی متفرقات القضاء ان شاء الله تعالٰی

ج ۳ ص ۱۰۹ البتہ اگر اس شخص کا کل اثاثہ منقول وغیر منقول سب ملا کر بھی دو سو روپیہ کا نہ ہو تو سوال پھر کرنا چاہئے اور یہ لکھنا چاہئے کہ اس کا کل مال کیا کیا اور کس کس قیمت کا ہے۔ ۲۱ محرم ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص: ۹)

## عدم صحت نذر بفعل غیر

سوال (۲۸۶) کسی شخص نے اس شرط پر منت کی تھی کہ اگر مجھ کو اللہ تعالیٰ ایک پسر عنایت فرماوے تو بارہ برس کے بعد کعبۂ شریف میں بھیجوں گا لیکن بوقت منت وہ تونگر تھا اب حالت غریبی میں مبتلاء ہو گیا اس وقت کعبہ شریف میں بھیجنا میسر نہیں۔ اب کیا کیا جائے ادائے منت اس پر واجب ہے یا نہیں۔

الجواب۔ نذر اپنے فعل کی منعقد ہوتی ہے نہ کہ دوسرے کے فعل کی لہٰذا یہ نذر بھی منعقد نہ ہوئی (۱)
۱۲ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص: ۱۱۷)

## انعقاد نذر درود شریف

سوال (۲۸۷) درود شریف کی نذر منعقد ہوتی ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار ولو نذر ان یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل یوم کذا لزمہ وقیل لا فی ردالمحتار قولہ لزمہ لان من جنسہ فرضاً الٰی قولہ قال ح ومنہ یعلم انہ لایشترط کون الفرض قطعیًا ط قولہ وقیل لالعل وجھہ اشتراط کون الفرض قطعیا (قلت والاحوط الاول) ج ۳ ص ۱۰۵۔ یکم محرم ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص: ۹)

---

(۱) مندرجہ ذیل جزئیہ بظاہر اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے:

فی فتح القدیر: ۳/۸۹، ۹۰: ومن قال ان فعلت کذا فعلی فعلیہ أن احج بفلان فإن نوی أحج وھو معی فعلیہ أن یحج ولیس علیہ أن یحج بہ و ان نوی أن یحجہ أن یحجہ لأن الباء للالصاق فقد الصق فلانا بحجہ وھذا یحتمل معنیین : أن یحج فلان معہ فی الطریق و أن یعطی فلانا ما یحج بہ من المال والتزام الاول بالنذر غیر صحیح والثانی صحیح لأن الحج یؤدی بالمال عند الیأس من الأداء فکان ھذا فی حکم البدل وحکم البدل حکم الاصل فیصح التزامہ بالبدل کما یصح التزامہ بالاصل فإذا نوی الوجہ الاوّل عملت نیتہ لاحتمال کلامہ ولکن المنوی لایصح التزامہ بالنذر فلا یلزمہ شیء وإنما علیہ أن یحج بنفسہ خاصة و إن نوی الثانی لزمہ فإما أن یعطیہ من المال ما یحج بہ أو یحجہ مع نفسہ لیحصل الوفاء بالنذر فإن لم یکن لہ نیة اصلا فعلیہ أن یحج ولیس علیہ أن یحج فلانا لأن لفظہ فی حق فلان یحتمل الوجوب وعدمہ والمعین للوجوب فیہ لیس إلا النیة و قد فقدت ولو کان قال فعلی أن أحج فلانا فھذا محکم والنذر بہ صحیح ، کذا فی المبسوط للسرخسی (۷۳۳:۴) و لمبسوط للشیبانی (۲:۴۸۶، ۴۸۷)
اہل علم اس پر غور فرمالیں۔ بندہ محمد تقی عثمانی عفی عنہ۔

## اشتراء منذور غیر اللہ

سوال (۶۸۸) نذر لغیر اللہ یعنی جو کسی تھان یا کسی نشان اور جھنڈے وغیرہ پر چڑھایا گیا ہو اور چڑھانے والے ہندو ہیں اگر کوئی مسلمان اس کو خریدنا چاہے تو جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ اس اہلال لغیر اللہ سے اس میں حرمت مثل میتہ کے آ گئی پس جس طرح میتہ کا خریدنا ہنود سے جائز نہیں اسی طرح اس کا بھی۔ واللہ اعلم۔ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ (امداد ثالث ص: ۲۳)

# کتابُ الوقف

## معزولی متولیان مسجد بسبب مخالفت شرع و بے انتظامی

سوال (۶۸۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور فضلائے شرع متین اس بارہ میں کہ چند مساجد ہیں قدیم اور ایک ان میں سے جامع مسجد ہے بادشاہی کہ غدر میں سرکار وقت نے اس کو مسدود اور بند کیا تھا پھر بعد ایک عرصہ کے واگزاشت کر کے مسلمانوں کے سپرد کیا اور کہدیا کہ تم لوگ چونکہ یہ مساجد اور معابد تمہارے ہیں بطور خود اپنے مذہب کے موافق انتظام کرو اور بعضے مساجد محلّہ جات متفرق میں واقع ہیں پس مسلمانوں نے جمع ہو کر ان سب مساجد اور اس کی آمدنی کے بندوبست کے واسطے چند آدمی متولی اور ممبر مسلمانوں میں سے اپنی طرف سے مقرر کیے کہ تم لوگ منتظم اور مہتمم اس کے بطور تولیت اور ممبری کے رہو اور اس کام کا انجام اور خبر گیری اچھی طرح سے موافق قاعدہ انتظام مال وقف کے کیا کرو کیونکہ سرکار انگریز نے اس کام کو مسلمانوں پر چھوڑ دیا ہے تاکہ اپنے مذہب کے موافق اس کا بندوبست کریں اور سرکار مزاحم اس کی نہیں ہے اس لیے کہ سرکار کو اگر بندوبست انتظام امورات مال وقف کا بطور اپنے قانون کے منظور ہوتا تو بطور خود انتظام کرتا مانند روضہ تاج بی بی کے اب یہ متولیان اور ممبران تصرفات مانند تعمیرات مساجد و دکانات موقوفہ مساجد کے لیے و وظائف ملازمان وصرف آمدنی مال وقف بطور رائے اپنی کے کرتے ہیں بغیر دریافت مسائل شرعیہ کے خواہ وہ رائے تصرفات ان کے شرع کے موافق ہوں یا نہ ہوں اب جن مسلمانوں کی طرف سے یہ متولیان اور ممبر ہیں جب وہ ان کو سمجھاتے ہیں کہ یہ مال وقف ہے اس کی خبر گیری اور آمدنی کا صرف کرنا موافق شرع شریف کے چاہئے کیونکہ مال وقف کے صرف کرنے میں یہاں تک احتیاط ہے کہ اگر متولی بیجا خرچ کرے تو اس کے ذمہ اس بیجا خرچ کرنے کی ضمانت لازم آئے گی اور مواخذہ عقبیٰ علیحدہ ہے تو وہ متولیان جواب میں کہتے ہیں ہم ممبر ہیں ہم کو اختیار ہے جیسا ہماری رائے میں آئے گا ویسا ہم کریں گے شرع کے موافق کون چال سکتا ہے بلکہ یہ متولیان اس قاعدہ کا برتاؤ کرتے ہیں کہ متولی اور ممبر طاق ہونے چاہئیں کیونکہ ہم خلاف رائے پر عمل درآمد کریں گے تو بعضے اوقات ایسا اتفاق پڑتا ہے کہ مثلاً متولی تین رہتے ہیں تو جب ان میں دو کی رائے ہو اس مال وقف کے انتظام کی نسبت تو وہی رائے عمل میں لاتے ہیں خواہ وہ موافق شرع کے ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ رائے خطا ہو یا صواب اور تیسرے کے رائے کو اگرچہ موافق شرع کے ہو بیکار سمجھتے

ہیں اور علیٰ ہذا القیاس اگر کبھی متولی پانچ ہو جاتے ہیں تو یہی قاعدہ عمل میں لاتے ہیں۔ اب علمائے دین سے یہ امر دریافت طلب ہے کہ ان کارروائیوں مذکورہ بالا کا متولیان کو از روئے شرع شریف اختیار ہے یا نہیں اور جائز ہے یا نہیں اور خبر گیری مال وقف اور صرف آمدنی اس کی کا از روئے شرع شریف کے اجراء ہونا چاہئے یا از روئے منشائے دفعات قانون انگریزی اور ان متولیان کی کارروائی اور تصرف حال وقف میں خلاف قواعد شرعیہ کے اپنی رائے سے جائز ہے یا نہیں۔ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔ فقط

سوال دوم۔ قریب سوال اول باندک تفاوت۔ علماء وفضلاء امت محمدی ﷺ سے یہ امر دریافت کیا جاتا ہے کہ مثلاً مال وقف ہے یعنی مساجد کہ بعضی بادشاہی ہیں اور سرکاری بعضی نہیں ہیں۔ اور دکانات متعلقہ مساجد اور اصل وقف کرنے والا زندہ اور موجود نہیں ہے اور سرکار انگریز نے اس مال وقف کے انتظام کا مسلمانوں کو اختیار دیا۔ پس مسلمانوں نے باہم تجویز کر کے چار پانچ مسلمان ممبر اور مہتمم اس مال وقت کی نگرانی کے واسطے مقرر کر دیئے مگر قبل اس سے جو مہتمم اور ممبر تھے سب مسلمان ان کی کارروائی اور نگرانی سے نسبت مال وقف کے بسبب حسن انتظامی بہت رضامند تھے کس لئے کہ وہ انتظام خوب جانتے تھے اور ان کے عہد میں علاوہ اخراجات مدمرمت مساجد ودکانات وتنخواہ ملازمان کے کئی ہزار روپیہ فاضل جمع تھے مگر ان میں سے بعضے پردیسی تھے کہ یہاں سے چلے گئے اور بعضے انتقال کر گئے۔ اب ممبران حال چونکہ یہ انتظام بالکل نہیں جانتے تو بسبب اس بد انتظامی اور فضول خرچی بے موقع اپنی رائے سے خلاف مسائل شرعیہ کے مسلمان بہت ناراض ہیں کیونکہ مال وقف میں اسراف اور نقصان بہت ہو رہا ہے.............. یہاں تک کہ بعضی مسجد مقروض ہو گئیں۔

اب پوچھا جاتا ہے کہ ان ممبروں اور مہتمموں کو مال وقف صرف کرنے کا کس قدر اختیار اور مجاز ہے از روئے شرع شریف کے آیا اس قدر اختیار ہے جو متولی کو نسبت مال وقف کے حاصل ہے یا زیادہ اور متولی اور ممبر کے اس مقام پر معنی ایک ہی سمجھے جاویں گے یا نہیں۔ اب یہ ممبران بسبب اس بے انتظامی کے کہ سراسر مال وقف کا نقصان ہے عہدہ ممبری سے علیحدہ ہونے چاہئیں یا نہیں اور جن مسلمانوں نے ان کو ابتداء میں ممبر مقرر کیا ہے واسطے حسن انتظام مال وقف کے اب وہ مسلمان بسبب اس بے انتظامی مذکورۂ بالا کے از روئے شرع شریف کے عہدۂ ممبری سے ان کو علیحدہ کرنے کے مجاز ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔ فقط

الجواب برائے ہر دو سوال۔ اول تو بندگان خدا کو ہر حال میں تمام امور میں موافق حکم اپنے خالق برحق کے عمل درآمد کرنا چاہئے کہ اس کے پیدا کئے ہوئے ہیں اس کے مملوک ہیں اس کے محکوم ہیں مملوک کا کیا منہ کہ اپنے مالک کے برخلاف کرے اور خصوصاً مال وقف میں تو سب سے زیادہ

پابندی احکام شرع ضروری ہیں کیونکہ اوقاف مملوکہ محضہ خداوندی ہوتے ہیں یوں تو سب چیزیں اور ان کے مالک سارے اسی کے مملوک ہیں مگر اللہ جل شانہ نے اپنی رحمت واسعہ سے بعض چیزوں کا برائے نام مجازاً ہم کو مالک بنایا ہے کہ ہم کو انتفاع اور استمتاع اس سے حلال و جائز ہے بخلاف مال وقف کے کہ من کل الوجوہ حقیقۃً ومجازاً وظاہراً و باطناً مملوکہ بحق خداوندی ہے پس جو اس پر متولی ہوگا وہ حقیقت میں نائب خداوندی سمجھا جائے گا پس نائب کی نیابت جبھی تک باقی رہتی ہے جب تک اپنے منیب کے مرضی کے موافق کام کرتا رہے اور جب قصداً اس کے خلاف کرنے لگا بے شک مستوجب مواخذہ ومعاتبہ ومغضوبی ومعزولی کا ہوگا پس جب یہ امر ممہد ہو چکا کہ متولی مال وقف کا نائب خداوندی ہے تو ضرور اس کو حسب ارشاد اپنے منیب حق جل وعلا شانہ کے کرنا واجب ہے اور وہی تصرف کرنا جائز ہے جو موافق حکم شریعت ہو خلاف شرع کرے گا بلا ریب مستحق معزولی و برطرفی کا ہوگا پس صورت سوال اگر واقعی ہے تو متولی سراسر بیجا کرتے ہیں کیونکہ سرکار کسی طرح پر مزاحم ومعارض نہیں بلکہ من کل الوجوہ انتظام مسلمانوں کے سپرد کر دیا اور کسی قسم کا تعرض نہیں جو عذر مجبوری کا ہو پس باعتبار خود خلاف شرع کرتے ہیں پھر موافق قانون انگریزی غلبہ رائے پر چلتے ہیں خواہ مطابق شرع ہو یا مخالف شرع ہو اور یہ نہیں سمجھتے کہ ان الحکم الا للہ الآیۃ یعنی حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ جل شانہ کے اور یہ نہیں سوچتے کہ نافرمانی مولیٰ کی دو قسم کی ہوتی ہے ایک تو یہ کہ ہوائے نفسانی سے کوئی خطا ہوگئی یہ تو قابل عفو ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ مولیٰ کی نافرمانی اور مولیٰ کے دشمن کی فرماں برداری یہ اعلیٰ درجہ کی بغاوت ہے اور سرکشی ہے اور لائق معافی کے نہیں پس جو لوگ مخالفت کتاب اللہ کی کر کے موافقت قانون اعداء اللہ کی کرتے ہیں وہ بڑے سخت مجرم اور خطاوار قابل دار لائق نار ہیں ایسوں ہی کی شان میں ہے۔ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون۔ دوسری جگہ فرمایا ھم الظالمون تیسری جگہ فرمایا ھم الفاسقون۔ یعنی جو لوگ حسب ارشاد خداوندی حکم نہ کریں وہ کافر ہیں ظالم ہیں فاسق ہیں اور پھر سمجھانے پر نہیں مانتے اور جواب میں کہتے ہیں کہ شرع کے موافق کون کر سکتا ہے یہ نہیں جانتے کہ خدا کے بندے شرع کے موافق کر سکتے ہیں اور حتی الوسع کرتے ہیں اگر شرع کے موافق کوئی نہ کر سکتا تو شرع کا آنا لغو تھا اور خداوند حکیم علی الاطلاق کی حکمت کاملہ میں دھبہ اور بٹہ لگتا کہ مخلوق پر تکلیف مالا یطاق رکھی استغفر اللہ کیسی بیہودہ بات ہے اور اس کلام سے اگر یہ مقصود ہے کہ ہم پر حکم شرع ضروری نہیں تو متکلم کے ایمان ہی میں کلام ہے اور اگر ضروری سمجھ کر پھر عمل نہیں کرتے تو سخت گنہ گار ہونے میں تو کچھ شک وشبہ ہی نہیں اور بوجہ بے انتظامی کے مال وقف میں نقصان اور اسراف کرتے ہیں شاید مال مفت دل بے رحم پر عمل ہے حالانکہ متولی کو چاہئے کہ شریعت کے موافق نہایت امانت وانتظام وخیر خواہی اور دلسوزی سے وقف کا بندوبست کرے کیونکہ یہ خداوند تعالیٰ کا کام

ہے کچھ اپنی ملکیت نہیں کہ ہر طرح کا اختیار حاصل ہو قیامت کو مالک کے سامنے جانا ہے سب حساب دینا ہے دیکھو ملازمان عدالت محاسبہ حکام ظاہری سے کیسے ترساں ولرزاں ہوتے ہیں حالانکہ وہ حکام بجز معزول کردینے یا کچھ تھوڑے بہت جرمانہ وسزا کے اور کچھ نہیں کرسکتے تو احکم الحاکمین مالک یوم الدین کہ ہر طرح ہم اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ کما قال ومامن دابة الاهو آخذ بناصيتها الآية۔ اس سے اور اس کے حساب سے تو بہت ہی خوف کرنا چاہئے پس جب خدا کا کام ٹھیرا تو اگر متولی یا ممبر کہ عرفاً دونوں کے ایک ہی معنی ہیں کچھ خیانت یا بدانتظامی یا کوئی تصرف خلاف شرع کرے اس کا معزول ہونا ضرور ہے بلکہ اگر وقف کرنے والا خود ہی متولی ہو اور اس سے کوئی خیانت یا بے انتظامی ظاہر اور ثابت ہو وہ بھی قابل معزولی ہے غیر تو بدرجۂ اولیٰ سزاوار معزولی کا ہوگا۔

**فی الدر المختار مع جعل الواقف الولاية لنفسه جاز (وبعد اسطر) وينزع وجوبا بزازية لو الواقف درر فغيره اولیٰ غير مامون اوعاجز اوظهر به فسق كشرب الخمر ونحوه فتح اوكان يصرف ماله فی الكيمياء نهر بحثا وان شرط عدم نزعه او ان لاينزعه قاض ولا سلطان لمخالفته حكم الشرع فيبطل جلد ثالث ص ۳۸۴ و ۳۸۵ و ۳۸۶ مجتبائی۔**

یعنی اگر وقف کرنے والا خود متولی بنے جائز ہے اور علیحدہ کیا جاوے گا وجوباً اگر چہ وقف کرنے والا ہو تو غیر بدرجۂ اولیٰ علیحدہ کیا جائے گا اگر امین نہ ہو یا کام کا بندوبست نہ کرسکتا ہو یا کوئی فسق شراب پینا وغیرہ ظاہر ہو یا اپنا مال کیمیا میں صرف کرتا ہو ان سب صورتوں میں علیحدہ کیا جائے گا اگر چہ متولی ہوتے وقت شرط کرلے کہ علیحدہ نہ کیا جائے یا شرط کرلے کہ اس کو کوئی قاضی یا بادشاہ علیحدہ نہ کرے اس شرط سے کچھ فائدہ نہ ہوگا اور بوجہ مخالف ہونے شرع کے یہ شرط باطل ہوگی کیونکہ جو شرط خلاف شرع ہو وہ شریعت میں معتبر نہیں حدیث شریف میں آیا ہے **من اشترط شرط ليس فی كتاب الله فليس له وان اشترط مائة مرة** ترمذی شریف ص ۳۷ ج ثانی۔ یعنی جو شخص ایسی شرط مقرر کرے جو حکم الٰہی کے موافق نہ ہو وہ ثابت نہیں ہوتی اگر چہ سو مرتبہ شرط کی ہو اس کا کچھ اعتبار نہیں تو جب باوجود شرط ٹھیرا لینے کے خلاف شرع چلنے سے متولی کا معزول ہونا ضرور ہے تو جہاں نہ شرط ہو نہ کچھ ہو وہاں تو بدرجۂ اولیٰ معزول ہوگا پس ان وجوہ مذکورہ سے متولیان مندرجۂ سوال کا معزول کرنا لازم ہے مگر کوئی حاکم شرع تو موجود ہے نہیں اب اس کا مجاز انہیں مسلمانوں کو ہے جنہوں نے ان کو متولی مقرر کیا تھا ان مسلمانوں پر ان کا برطرف کرنا واجب ہے اگر نہ کریں گے تو وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ **فی الشامی قوله ينزع وجوبا مقتضاه اثم القاضی بتركه والاثم بتولية الخائن ولا شک فيه** بحر ج ثالث ص ۳۸۴۔ یعنی نا قابل کو معزول نہ کرنے اور خائن کے متولی رکھنے

سے بلاشک قاضی گنہگار ہوگا۔ اب عامہ مسلمین قاضی کے حکم میں ہیں ہاں اگر وہ متولی اب بھی سنبھل جائیں اور اپنی حرکات سے باز آ کر شرع کے موافق اچھی طرح انتظام کریں تو متولی رہیں گے اور ناحق معزول نہ کیے جائیں گے۔ وان اخرجه و تاب واناب اعاده۔ شامی جلد ثالث ص ۳۸۴۔ یعنی اگر متولی کو نکال دیا اور اس نے اسراف وخیانت سے توبہ کر لی اور باز آ یا تو پھر اسی کو رکھ لیا جائے خلاصہ جواب یہ کہ اگر اپنی حرکات ناشائستہ سے باز آئیں تو متولی رکھے جائیں ورنہ ان کو برطرف کر کے اور کوئی امین متدین خوش انتظام مقرر کیا جائے۔ واللہ اعلم۔ ۷ رمحرم ۱۳۲۱ھ (امداد ثانی ص: ۸۴)

## منع تطرق درخانقاہ موقوف

سوال (۶۹۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ احاطۂ خانقاہ قدیم موقوفہ حضرت شاہ غیب نوگزہ قدس سرہ میں کوئی غیر شخص راستہ آمد ورفت و دروازہ نکالنا و جاری کرنا چاہے عند الشرع جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ مسجد وخانقاہ وغیرہ اوقاف میں کسی کو راستہ نکالنا جائز نہیں کیونکہ اوقاف غیر مملوک ہیں اور راستہ وغیرہ نکالنا حقوق ملک میں سے ہے پس غیر مملوک میں جائز نہیں۔ ان اراد ان يجعلوا شيئاً من المسجد طريقًا للمسلمين فقد قيل ليس لهم ذلك وانه صحيح كذا في المحيط ج ۲ ص ۱۰۳۱ فقط ۔ ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۲۱ھ (امداد ثانی ص: ۸۸)

## وقف علی الوارث بحالت مرض الموت

سوال (۶۹۱) اگر کوئی شخص چار مہینے سے سخت بیمار ہو قبل ایک دن موت کے ایک وارث کے نام تمام جائداد وقف کر دیا واسطے ٹھگانے دوسرے وارثوں کے ورغلانے کے سبب سے پس یہ وقف نامہ عند اللہ والشرع معتبر ہوگا یا نہ اور حد مرض موت کی کیا ہے۔؟

الجواب۔ صحت وقف کی بہت شرطیں ہیں ازاں جملہ ایک شرط تابید ہے یعنی آخر اس کی ایسی جہت کہے کہ منقطع نہ ہو بدون اس کے صحیح نہیں پس اگر وارث معین پر بلا تابید وقف کیا اور یہ نہ کہا کہ بعد اس کے یا اس کی اولاد کے فقراء یا مصارف بر میں وقف ہے تب تو یہ وقف صحیح نہیں ہوا وانه لاخلاف في بطلانه لو اقتصر علىٰ لفظ موقوفة كموقوفة علىٰ زيد (وبعد اسطر) والمراد بالمعين مايحتمل الا نقطاع كاولاد زيد او فقراء قرابة فلان وهم يحصون۔ شامی ج ۳ ص ۱۶۶)
اور اگر بشرائط وقف صحیح ہو تو بشرط اجازت کل ورثہ کے موقوف میں جائز ہے اور بر تقدیم عدم اجازت ثلث میں جائز ہے لیکن تا حیات موقوف علیہ اس ثلث کی آمدنی سب ورثہ پر علیٰ حصصہم تقسیم ہوگی اور

بعد اس کی موت کے اگر اس اولاد وغیرہ پر موقوف کیا تو آمدنی کے مستحق وہ ہوں گے اور اگر فقراء پر کیا تو وہ ہوں گے کیونکہ یہ وقف تبرع ہے وارث پر اور اس کے بعد غیر وارث پر تو حق وارث میں تو بدون اجازت ورثہ اس وقف کا ثمرہ بالکل ظاہر نہ ہوگا اور بعد موت اس کے باوجود عدم اجازت ورثہ ثلث میں اثر تبرع کا ظاہر ہوگا۔

فافهم فالصحيح انه كوصية يلزم من الثلث بالموت لاقبله قلت ولو لوارثه وان ردوه لكنه يقسم كالثلثين درمختار قوله لكنه يقسم اى اذا ردوه يقسم ثلث الذى صار وقفا اى تقسم غلته كالثلثين فتصرف تصرف الثلثين على الورثة كلهم مادام الموقوف عليه حيا اما اذا مات تقسم غلته الثلث الموقوف على من يصير له الوقف كما علمت ج ۲ ص ۳۶۲ ۔اور مرض الموت وہ حالت ہے جس میں غالب ہلاکی ہو من غالب حاله الهلاك ۔درمختار ۔ والله اعلم بالصواب۔ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ (امداد ثانی ص: ۸۹)

## وقف بصورت وصیت علی الوارث

سوال (۶۹۲) ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا نکاح کے قبل اس نے الگ کاغذ کے اوپر اس طرح کا لکھان کر دیا کہ میں میری فلاں فلاں زمین چونکہ تو میرے ساتھ نکاح کرتی ہے اس لیے میں تجھ کو تیری خوراک کے لیے دیتا ہوں اگر تجھ سے کوئی اولاد میری ہوئی تو اس وقت میں اس زمین کا مالک میرے مرنے کے بعد وہ اولاد ہے اور اگر تجھ سے کوئی اولاد نہ ہو اور میں مر جاؤں اس کے بعد بھی تو اس کے غلّہ سے اپنی اوقات بسر کرنا اور جب تو مر جائے اس کے بعد میں معتبر پانچ آدمی ایک کنواں عام لوگوں کے پانی پینے کے لیے اس ملکیت کی آمدنی سے یا اس کو بیچ کر کھدوادیں اور جو بعد کنواں بنانے کے جس قدر اس زمین سے بچے وہ مسجد اس قریہ کی وہ وقف ہے۔ اس صورت میں یہ شخص مر گیا اور کوئی اولاد اس عورت سے نہیں ہوئی اور یہ عورت ابھی زندہ ہے یہ زمین مذکور اس شخص کی پوری ملکیت کا تیسرا حصہ ہے اس صورت میں یہ زمین مذکورہ ایسی ہے کہ کنواں بنانے کے بعد میں بہت بچتی ہے مسجد میں وقف ہو جائے گی یا نہیں اس طور کا وقف کرنا صحیح ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ فى الهداية اذاقال اطعمتك هذه الارض حيث يكون عارية الخ۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ اس شخص کا یہ کہنا کہ میں تجھ کو خوراک میں دیتا ہوں عاریت بعد موت معیر کے باطل ہو جاتی ہے اور یہ کہنا کہ اگر تجھ سے اولاد نہ ہوالیٰ قولہ اوقات بسر کرنا اور یہ کہنا کہ جب تو مر جائے الخ یہ صورت وصیت کی ہے۔ مگر تصحیح عقد مکلّف کے واسطے اس کو وقف کہا جائے گا۔ فى ردالمحتار ص ۵۵۵ من الجلد الثالث ۔يثبت الوقف بالضرورة وصورته ان يوصى بغلة هذه الدار

للمساكين ابدا اولفلان وبعده للمساكين ابدا فان الدار تصير و قفا بالضرورة اھ۔اور وقف علی الوارث جائز ہے اس لئے اس منکوحہ کی حیات تک اس کی آمدنی اس کے صرف میں لائی جائے گی پھر حسب وصیت اس کی آمدنی سے کنواں کھدوادیویں گے اور بعد اس کے وہ زمین مسجد کے لیے وقف ہوجائے گی اور چونکہ ثلث سے زائد نہیں اس لیے وصیت جائز ہوگی البتہ کنواں کھدوانے کے لئے اس زمین کا بیع کرنا بوجہ وقف کرنے کے جائز نہ ہوگا۔ اور اس کی یہ شرط بوجہ غیر مشروع ہونے کے باطل ہوگی۔ واللہ اعلم۔ ۲۹؍شعبان ۱۳۲۴ھ (امداد ثانی ص:۱۰۶)

## وقف بودن قبرستان عام

سوال (۶۹۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین در باب عام قبرستان کے کہ آیا یہ وقف غیر مملوک ہے یا جو اس کا متولی ومحافظ وخادم وقابض ہو بحیثیت قبضہ اس کا مملوک ہوجاتا ہے اور وہ اس میں تصرفات مالکانہ بیع وشراء وغیرہ جاری کرسکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ عام قبرستان وقف ہوتا ہے اور سوا اللہ جل شانہ کے کوئی اس کا مالک نہیں ہوتا اور جب وقف ہوا تو متولی بحیثیت قبضہ اس کا مالک نہیں بن سکتا اور اس میں کوئی تصرف مالکانہ بیع وشراء وغیرہ نہیں کرسکتا اور اگر کسی نے اسے بیع کیا وہ بیع قابل فسخ ہے کتاب ہدایہ میں جس جگہ مسائل مہمان سرائے ومسافر خانہ ومقابر وغیرہ کے بیان کیے ہیں وہاں لکھا ہے۔ وعند ابی یوسف یزول ملکه بالقول و عند محمد اذا اسقی الناس من السقاية وسكنوا الخان والرباط و دفنوا في المقبرة زال الملک۔ یعنی امام یوسف کے نزدیک یہ چیزیں مذکورہ بیان کردینے سے وقف ہوجاتی ہیں اور ملک سے نکل جاتی ہیں اور امام محمد کے نزدیک جب لوگ سقایہ سے پانی پینے لگیں اور مسافر خانوں میں رہنے اور اترنے لگیں اور قبرستان میں مدفون ہونے لگیں ملک جاتی رہتی ہے اور وقف ثابت ہوجاتا ہے۔ ہدایہ مصطفائی جلد اول ص ۶۲۶ اور کتاب عالمگیری میں یہی مضمون لکھ کر لکھتے ہیں۔ ذکر في المبسوط ان الفتوى على قولهما في هذه المسائل وعليه اجماع الامة كذا في المضمرات پس ثابت ہوا کہ عام قبرستان وقف ہوتا ہے اور کوئی شخص متولی وغیرہ اس میں استحقاق ملکیت کا نہیں رکھتا اور نہ کسی کا بیع وشراء اس میں جاری ودرست ہوسکتا ہے اور جو بیع واقع ہوئی ہو فسخ کرنا چاہئے۔ ہدایہ میں لکھا ہے۔ واذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه ص ۶۲۰۔ یعنی جب وقف درست ہوچکا اب اس کا بیع کرنا اور کسی کی ملک بنانا جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔ (امداد ثانی ص ۹۰)

## ضمان خزانچی بادخال روپیہ وقف در بنک

سوال (۶۹۴) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں اگر کوئی خزانچی مال وقف کو بغرض

حفاظت باجازت ممبران کمیٹی کسی بنک میں جمع کردے اور اتفاق سے اس بنک کا دیوالیہ نکل جاوے تو کیا اس روپیہ کا دیندار خزانچی ہوگا یا نہیں اور خزانچی ممبر بھی ہے۔؟

**الجواب۔** فی الدر المختار یقرض القاضی مال الوقف والغائب واللقطة والیتیم من ملئی مؤتمن الٰی قوله لا یقرض الاب ولاقاضیا لانه لا یتمضی لولده ولا الوصی ولا الملتقط فان اقرضوا ضمنوا لعجزهم عن التحصیل بخلاف القاضی ویستثنی اقراضهم للضرورة کحرق ونهب فیجوز اتفاقا (بحر) ومتی جاز للملتقط التصدق فالا قراض اولٰی فی ردالمحتار قوله ومتی جاز تقیید لقوله ولا الملتقط بما اذا کان قبل جواز التصدق بها الخ۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ بجز خاص صورتوں کے جن میں مال کا تلف ہو جانا مظنون قریب یا متیقن ہو کسی کو قرض دینا جائز نہیں اور بنکوں میں جو جمع کیا جاتا ہے گو عنوان اس کا ودیعت ہو لیکن اس کے قواعد میں یہ امر یقینی اور معروف ہے کہ وہاں بعینہ یہ ودائع نہیں رکھی جاتیں بلکہ ان سے کاروبار کیا جاتا ہے پس بقاعدہ المعروف کالمشروط اس تصرف کو مودع بکسر الدال کی جانب سے ماذون فیہ کہا جائے گا اور تصرف کا اذن دینا اقراض ہے پس خزانچی کا یہ فعل یقیناً اقراض ہوا جو ناجائز تھا اس لئے بصورت اتلاف کے خزانچی پر اور جتنے ممبروں نے اس اقراض کی اجازت دی ہے سب پر ضمان لازم آوے گا خزانچی پر بوجہ مباشرت کے اور ممبروں پر بوجہ اجازت کے کہ اقراض میں وکیل بنایا اور اقراض توکیل کا محل ہے۔ کما فی الدر المختار قبیل باب الوکالة بالبیع والشراء۔ اور اگرچہ فتاویٰ میں بعض جزئیات ایسے اقراض کے جواز کی مذکور ہیں لیکن اکثر میں تو قید بامر القاضی کی مصرح ہے اور جہاں مصرح نہیں وہ بمقابلہ متون کے معتمد نہیں۔

فی ردالمحتار لکنه افتیٰ فی وصایا الخیریة بان للوصی اقراض مال الیتیم بامر القاضی اخذا مما فی وقف البحر عن القنیة من ان للمتولی اقراض مال المسجد بامر القاضی فان الوصی مثل القیم لقولهم الوصیة والوقف اخوان اھ۔ وفیه تحت قول الدر المختار ولایقرض الاب مانصه ای فی اصح الروایتین فتح۔ قال فی البحر وفی خزانة الفتاویٰ الصحیح ان الاب کالقاضی فقد اختلف التصحیح والمعتمد ما فی المتون الٰی قوله واختلفوا فی اعادة الاب مال ولده الصغیر و فی الصحیح لا اھ۔

بلکہ خود حاکم کو اقراض کا جائز ہونا مشروط ہے چند شروط کے ساتھ کما فی الدر المختار حیث لا وصی ولا من یقبله مضاربة لا مستغلا یشتریه اھ۔ اور گو ان شرائط میں سے بعض

میں کچھ کچھ کلام ہے مگر یہ قدر مشترک متفق علیہ ہے کہ جواز اقراض حاکم کے لیے وہاں ہے جہاں اقراض انفع ہو عدم اقراض سے۔ وھذہ الروایات کلھا قبل باب التحکیم۔ واللہ اعلم۔

یکم رجب ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص: ۱۴۲)

## تحقیق وقف بودن یا نبودن چندہ

سوال (۶۹۵) چندہ کے احکام وقف کے ہوں گے یا اور مہتمم تنخواہ مقررہ سے زائد بطور انعام وغیرہ کے دے سکتا ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ یہ وقف نہیں۔ معطیین کا مملوک ہے اگر اہل چندہ صراحۃً یا دلالۃً انعام دینے پر رضا مند ہوں درست ہے ورنہ درست نہیں۔ ۱۵ر شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ثانی ص: ۹۱)

## حکم اشتراط ادائے زکوٰۃ از آمدنی وقف

سوال (۶۹۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی ایک گاؤں کے کسی قدر حصے وغیر منقسم کا مالک ہے مثلاً چار آنہ کا۔ اب وہ چاہتا ہے کہ اس حصہ کو اسی طرح وقف کر دیا جائے اور اس کی آمدنی واقف کی طرف سے بدز کوٰۃ دی جایا کرے تو یہ وقف اس طرح درست ہے یا نہیں اور اس کی صحت کا کیا طریق ہے۔؟

الجواب۔ چونکہ زکوٰۃ مال مملوک میں اپنے مال مملوک کا دینا شرط ہے اور منفعت مطلق وقف کی ملک واقف سے خارج ہو جاتی ہے اس لئے اس آمدنی سے زکوٰۃ نہیں ادا ہو سکتی و نیز وجوب زکوٰۃ مخصوص ہے حیات مکلّف کیساتھ پس بعد وفات واقف کے اس میں سے زکوٰۃ دینا محض امر بے معنی ہے لہٰذا یہ صورت شرعاً غیر صحیح ہے البتہ اگر واقف ابتدائے وقف کے وقت یہ شرط کر لے کہ اس میں اس قدر آمدنی میں لیا کروں گا یہ شرط جائز ہے اور اس قدر آمدنی لینے سے اس کی ملک ہو جائے گی پھر اس کو زکوٰۃ میں دے سکتا ہے اور یہی صورت ہو سکتی ہے اس کی صحت کی۔ اسی طرح اگر اپنے بعض ورثاء کے لیے کوئی جزو منفعت کا مقرر کر دے اور وہ اس کو لیکر اپنے اموال کی زکوٰۃ میں دیدیا کریں اس طور سے بعد وفات بھی دینا صحیح ہے۔ وھذہ الامور کلھا ظاھر۔ واللہ اعلم۔ یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ۔

## شبہ متعلق مسئلہ مذکورۂ بالا

سوال (۶۹۷) اگر وہ واقف یہ کہدے کہ میرا وارث یا متولی اس جائداد موقوفہ کی آمدنی کا ایک مقرر حصہ لیکر میری طرف سے زکوٰۃ میں دیدیا کرے تو اس طریق سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں۔؟

**الجواب۔** حیات میں تو یہ صحیح ہے متولی وکیل فی القبض ووکیل فی الاداء ہوگا اور بعد موت کے یہ صحیح نہیں۔ وجہ اس کی جواب سابق میں مصرح ہے بقولی و نیز وجوب زکوٰۃ مخصوص ہے حیات مکلّف کے ساتھ پس بعد وفات واقف کے اس میں سے زکوٰۃ دینا محض امر بے معنی ہے۔ واللہ اعلم۔

۷ ر جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ

## شبہ متعلق جواب بالا

سوال (۶۹۸) وقف جائداد کی آمدنی سے زکوٰۃ نہ دینے کی نسبت جو جناب والا نے تحریر فرمایا تھا کہ بعد مرنے کے زکوٰۃ دینے کے کوئی معنی نہیں اس کی نسبت گزارش ہے کہ واقف کی حیات میں جو زکوٰۃ اس پر واجب ہوئی اگر وہ مرتے وقت کہہ مرے کہ وقف کی آمدنی فلاں کو دی جائے اور وہ واقف کی طرف سے زکوٰۃ میں دے تو کیسا ہے۔؟

**الجواب۔** [1] فقہاء نے جہاں اشتراط غلۃ الوقف لنفسہ کو ذکر کیا ہے وہاں ایام حیات کی بھی قید لگائی ہے اور مفہوم تصنیف حسب تصریح علماء حجت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد حیات یہ جائز نہیں اور بعد موت جو غلّہ حاصل ہوگا وہ اس واقف کی ملک نہ ہوگا اس لیے ایسی وصیت جائز نہ ہوگی۔ البتہ دوسرے شخص کی ملک ہونے کے بعد اگر وہ اس کے کہنے سے تبرعاً ادا کردے تو مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ ۲ ر رجب ۱۳۲۲ھ

## شبہ متعلق جواب بالا

سوال (۶۹۹) اعلیٰ حضرت نے ایک دفعہ تحریر فرمایا تھا کہ واقف وقف کی آمدنی زکوٰۃ میں بعد اپنی موت کے نہیں دے سکتا کیونکہ یہ اپنے خرچ میں لاتا ہے اور اس کے لیے بحیاتہ کی فقہاء نے شرط لکھی ہے۔ عالمگیری کتاب الحیل باب الوقف اتفاقاً نظر سے گزرا اس میں درج ہے کہ اگر وقف کی آمدنی کسی کو ادائے قرض میں دے اور لکھدے کہ میری زندگی میں اور بعد مرنے کے قرض خواہ وصول کرلیا کرے تو درست ہے کیا زکوٰۃ اور ادائے دین میں کچھ فرق ہے اور وہ کیا ہے۔؟

**الجواب۔** قرض اور زکوٰۃ میں امر فارق یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرض تو اس کے ذمہ میں واجب ہوچکا

---

[1] ہمارا آئندہ کے جواب میں زکوٰۃ ایام ماضیہ کے بارے میں اس وصیت و وقف کو جائز مان لیا ہے پس یہ جواب کہ فقہاء نے الخ صحیح نہ ہو کیونکہ اس سوال کے جواب میں تصریح ہے کہ متعلق زکوٰۃ ایام ماضیہ کے ہے پس حاصل جواب کا اصل سے یہ ہوا کہ ایام ماضیہ کے متعلق یہ وصیت و وقف درست ہے اور اعوام مستقبلہ کے متعلق درست نہیں واللہ اعلم اولیٰ یہ ہے کہ اور علماء سے بھی اس کی تحقیق کرلی جائے کیونکہ یہ جواب قواعد سے لکھا ہے شاید غلطی ہوگئی ہو ۱۲ منہ

اور مقرض اس کا نائب ہے اُس کا لینا ہے۔ اس کا لینا ہے اور زکوٰۃ اعوام مستقبلہ کی اس کے ذمہ نہیں ہوئی کیونکہ موت سے اموال اس کی ملک سے خارج ہوگئے اس لیے آخذ اس کا نائب نہیں البتہ زکوٰۃ واجبہ ماضیہ میں فقراء اس کے نائب ہو سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ۵ر رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد ثانی ص ۹۱ و ۹۲ و ۹۳)

## تحقیق وقف بودن یا نبودن جائداد یکہ بعض نوابان بہ بعضے علمائے بعنوان وقف دادہ

سوال (۷۰۰) ملاحظہ دستاویز ہذا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں جائداد کے وقف کا ذکر ہے اس کے دو جزو ہیں ایک وہ جو جناب مولوی صاحب کی ملک تھی اور نواب صاحب کے پاس رہن دوسرا جزو وہ جو نواب صاحب کی ملک میں داخل تھی سو جزو اول تو وقف سے اس لیے خارج ہے کہ وقف کا مالک ہونا شرط ہے اور چونکہ نواب صاحب اس کے مالک نہیں وہ شرط مفقود ہے لہٰذا اس تصرف کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ نواب صاحب نے مولوی صاحب کو اپنا قرضہ معاف کر دیا سو اس کو وقف سے کوئی علاقہ نہیں دوسرا جزو البتہ قابل وقف ہے لیکن چونکہ موقوف علیہم معین ہیں اور تابید للفقراء کا ذکر نہ لفظاً ہے نہ معنیً اور وہ بالاتفاق شرط ہے اس لیے اس جزو کا وقف صحیح نہیں ہوا لفظاً ذکر نہ ہونا تو ظاہر ہے معنیً اس لیے کہ کوئی لفظ جو اس کے معنی کو مفید ہو مذکور نہیں جیسا لفظ صدقہ ونحوہا اور اگر لفظ پرورش سے شبہ ہو تو محاورات و مواقع استعمالات سے اس کا مرادف یا مقارب صدقہ نہ ہونا یقینی ہے چنانچہ اہل عرف پر مخفی نہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک محض اسی میں گنجائش تھی سو اب وہ بھی محتمل نہیں چنانچہ علامہ شامی نے جلد ثالث ص ۵۶۲ میں ایک بحث طویل کے بعد یہ تحقیق لکھی ہے۔

**والحاصل انه لاخلاف عندهما فی صحة الوقف مع عدم تعیین الموقوف علیه اذاذکر لفظ التابید وما فی معناه کالفقراء و کلفظ صدقة موقوفة و کموقوفة لله تعالٰی الٰی قوله وانه لاخلاف فی بطلانه لو اقتصر علٰی لفظ کموقوفة علٰی زید الخ** اور یہاں بھی صورت آخر کی ہے اس کے آگے جو ذخیرہ سے تین بطن کے ذکر کر دینے سے وقف مؤبد قرار دیا ہے تو اس میں بھی موقوفہ کے ساتھ لفظ صدقہ ہے جس کا یہاں نہ ہونا معلوم ہو چکا لہٰذا وقف نہ ہونا ثابت ہو گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ ۲۵ر ربیع الاول ۱۳۲۴ھ (امداد ثانی ص ۹۸)

امدادالفتاویٰ ج ۲ ص ۹۸ میں مسئلہ بعنوان وقف بودن یا نبودن جائداد مخصوصہ ہے اس کے سطر اخیر میں لفظ صدقہ پر حاشیہ ذیل سمجھا جاوے وھی ھذہ۔ مگر بعض کتب میں تین بطن کیساتھ لفظ موقوفہ کو بھی کافی لکھا ہے وھوالاظہر لیکن یہاں ایک مانع پھر بھی موجود ہے۔ تتمہ ثالثہ ص ۳۵ میں اسی مسئلہ کا ضمیمہ دیکھو (ترجیح ثالث ص ۲۲۳) (یہ ضمیمہ ذیل میں اس کے بعد نقل کر دیا گیا ہے)

## (ضمیمہ مسئلہ مندرجہ جلد دوم امدادالفتاویٰ ص ۹۸ سطر اول معنونہ تحقیق وقف بودن الخ) خلاصہ بعض عبارات دستاویز کہ در فتاویٰ بداں تعرض رفتہ

سوال (۱۰۷) (۱) ملکیت زرخرید خاص بروئے نیلام جناب مولوی صاحب مرحوم الخ (۲) ہر سہ بٹیات ہر سہ باغات مذکور پر مالکانہ اور پٹی ساوی پر مطالبہ باقی زر ڈگری رہن اپنے کے بدستور سابق مرتہنانہ قابض ومتصرف ہیں۔ (۳) یعنی ایک ایک ربع ہر ایک پسر کو وایک ایک ثمن ہر ایک دختر کو وقف کر دیا اور حق مرتہنی پٹی نمبر ۱۶ الیٰ قولہ ورثاء اصل راہن پر چھوڑ دیا (۴) موقوف علیہم اور ان کی اولاد۔ اور اولاد کی اولاد دواماً نسلاً بعد نسلٍ الخ (۵) اپنی اور اولاد کی پرورش و پرداخت میں صرف کریں گے۔؟

الجواب۔ میں نے سب کاغذات مطبوعہ وقلمی بغور دیکھے اس کے بعد دوسری کتب فقہیہ خصوص عالمگیری وشامی دیکھی ان سب سے جو سمجھ میں آیا معروض ہے۔ دستاویز میں دو قسم کی اراضی لکھی ہے۔ ایک وہ جس کا مالک مولانا کو لکھا ہے اور نواب صاحب اس کے مرتہن ہیں چونکہ وقف کے لیے واقف کا مالک ہونا شرط ہے اس لیے اس کا وقف ہونا سمجھ میں نہیں آتا اور جن روایات میں رہن کا مانع وقف نہ ہونا معلوم ہوتا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ راہن جو کہ مالک ہے وقف کرے تو مرتہن کے حق کا متعلق ہونا اس سے مانع نہیں بجز خاص صورت کے کہ وقف کرنے والا تر کہ بمقدار ادائے دین نہ چھوڑے فی العالمگیریۃ واما عدم تعلق حق الغیر کالرھن والإجارۃ فلیس بشرط الی قولہ وان لم یترك وفاء بیعت وبطل الوقف ج ۳ ص ۱۹۹۔ اور دوسری اراضی جس کے مالک نواب صاحب تھے سو وہ فی نفسہٖ محل صالح للوقف ہے جبکہ اس کی صحت کی سب شرطیں پائی جاویں سو اس کے متعلق اول روایات ذیل بطور تلخیص لکھتا ہوں۔

فی ردالمحتار قال فی الدرر والصحیح ان التابید شرط اتفاقاً لکن ذکرہ لیس بشرط عند ابی یوسف وفیہ لوقال وقفت ارضی ھذہ علٰی ولد زید وذکر جماعۃ باعیانھم لم یصح عند ابی یوسف ایضًا لان تعیین الوقوف علیہ یمنع ارادۃ غیرہ بخلاف ما اذا لم یعین لجعلہ ایاہ علٰی الفقراء الاتری انہ فرق بین قولہ موقوفۃ وبین قولہ موقوفۃ علٰی ولدی فصحح الاول دون الثانی الخ و فیہ لکن ذکر فی البزازیۃ ما یدل علی دونہ حتٰی لو قال وقفت علٰی اولادی ولم یزد جاز الوقف الخ وفیہ لکن ذکر فی البحر ان ظاھر المجتبی والخلاصۃ ان الروایتین عنہ فیما اذاذکر لفظ الصدقۃ اما اذا ذکر لفظ الوقف فقط لایجوز اتفاقاً اذاکان الموقوف علیہ معیناآھ۔ قلتُ ویشھد

له ما فی الذخیرة الخ وفیه فقوله لان لفظ الوقف والصدقة یفیدان الكلام فی ذكرهما معاً لا فی ذكر لفظ الوقف فقط ویوضحه ما فی الخانیة الخ فیه الحاصل انه لاخلاف عندهما فی صحة الوقف مع عدم تعیین الموقوف علیه اذاذكر لفظ التابید اوما فی معناه كالفقراء وكلفظ صدقة موقوفة وكموقوفة للّٰه تعالیٰ وكموقوفة علیٰ وجوه البر لانه عبارة عن الصدقة الیٰ قوله وانه لاخلاف فی بطلانه لو اقتصر علیٰ لفظ موقوفة مع التعیین كموقوفة علیٰ زید خلافاً لما فی البزازیة (وانظرما استدرك علیه بما فی البحر من قوله ان ظاهر المجتبی والخلاصة الخ) وانما الخلاف بینهما لو اقتصر بلا تعیین او جمع مع التعیین كصدقة موقوفة علیٰ خلاف الخ وفیه والمراد بالمعین ما یحتمل الانقطاع كاولادزید او فقراء قرابة فلان وهم یحصون وفی الذخیرة عن وقف الخصاف قال جعلت هذه الارض صدقة موقوفة علیٰ فلان ولده وولد ولده واولاد اولادهم فاذاسمی من ذلك ثلث بطون فهی وقف مؤبد الیٰ یوم القیامة اهـ ج۳ ص ٥٦٤ و ٥٦٥ و ٥٦٦ وفی العالمگیریة لو قال ارض هذه موقوفة علیٰ فلان او علیٰ ولدی الیٰ قوله وعند ابی یوسف یصح لان التابید عنده لیس بشرط كذا فی محیط السرخسی (وراجع ماترك به عن البحر علی البزازیة) وفیه لوقال ارضی هذه للسبیل فان كان فی بلدة تعارفوا مثل هذا وقفا صارت الارض وقفاوان لم یتعارفوایسئال عنه ان اراد به الوقف فهو وقف وان نوی الصدقة اولم ینو شیئا یكون نذرا فیتصدق بها او بتمنها وكذلك لو قال جعلتها للفقراء الخ وفیه فی الفتاویٰ رجل قال ارضی هذه صدقة كان نذرا بالتصدق الیٰ قوله لو قال تصدقت بارضی هذه علی المساكین لا یكون وقفا بل نذراً یوجب التصدق الیٰ قوله فهو نذر بالتصدق بالدار علیٰ المساكین عرفاً كذا فی الفتاویٰ الصغری ج۳ ص ۱ و ۲ ثانیاً۔

ان روایات سے جو امور مستفاد ہوئے وہ لکھتا ہوں۔ (۱) صرف لفظ وقفَ کہہ دینے سے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وقف صحیح ہوجاتا ہے جبکہ مصارف کا بالکل ذکر نہ کرے یا ذکر کرے اور اس میں کوئی لفظ دال علی التابید بھی ہو۔ (۲) لفظ وقف کے ساتھ اگر مصرف معین غیر مؤبد ذکر کیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی وقف صحیح نہ ہوگا۔ الا علیٰ ما فی البزازیة لكن استدرك علیها۔ (۳) البتہ اگر ذکر مصرف معین کے ساتھ جو کہ نمبر ۲ میں درج ہے لفظ صدقہ یا للہ تعالیٰ یا علی وجوہ البر کا بھی ذکر کردیا تب وقف صحیح ہوجاوے گا (۴) اگر مصرف تین بطون سے کم مذکور ہوں تو وہ معین ہے اور اگر تین یا زیادہ ہوں تو وہ غیر معین ہے اور اس میں وقف جائز ہے۔ (۵) الفاظ محتملہ میں اول عرف دیکھا جاتا ہے اگر عرف نہ

ہو تو نیت کا حال صرف واقف کے بیان سے معلوم ہو سکتا ہے یہ بھی نہ ہو تو لفظ محتمل سے وقف ثابت نہیں ہوتا۔ عالمگیریہ کے جزئیات اس کے لیے صریحاً مفید ہیں ثالثاً دستاویز میں اس اراضی مملوکہ نواب صاحب کے متعلق جو لکھا ہے اس سے بلحاظ روایات مذکورہ وامور مستفادہ روایات مذکورہ جو سمجھا ہوں اس کو لکھتا ہوں۔(۱) واقف نے اصل صیغہ وقف کے مقام میں معین پر وقف کیا ہے (۲) پھر اس کے بعد کی عبارت میں موقوف علیہم کی اولاد اور اولاد کی اولاد کو اس کے بعد دواماً نسلاً بعد نسلٍ ذکر کیا ہے اگر اس کو قائم مقام ذکر بطون ثلثہ کے کہا جاوے جبکہ ظاہر یہی ہے سو وہ مقام تفریع علی الوقف میں ذکر کیا ہے۔ پس اس میں یہ شبہ ہے کہ آیا یہ تفریع اصل عقد کے ساتھ ملحق ہوگی یا نہیں اور اگر یہ کہا جاوے کہ اس عبارت کے ساتھ ہی یہ عبارت بھی ہے اپنی اولاد کی پرورش و پرداخت الخ سو یہ لفظ قائم مقام لفظ وقف ہو جاوے گا اور بطون کا ذکر اس طرح عین صیغہ وقف کے مقام میں ہو جاوے گا سو اس میں یہ شبہ ہے کہ لفظ پرورش وقف پر صریح دال نہیں پس اول عرف کا اعتبار کریں گے اور یہ ہمارے عرف میں مفید معنی وقف کو نہیں پھر نیت کا اعتبار کریں گے اور اس کا معلوم ہونا موقوف تھا بیان واقف پر جو اب ممکن نہیں تو یہ صیغہ دال علی الوقف نہ ہوا پس وہی صورت تردد الحاق کی باقی رہی البتہ اگر اصل صیغہ وقف کو جو کہ اوپر مذکور ہے اس کا قرینہ کہا جاوے کہ اس لفظ پرورش سے بھی نیت وقف ہی کی ہے تو پھر خود یہی صیغہ مستقل ہو جاوے گا پس اگر لفظ نسلاً بعد نسلٍ مفید تابید ہو جیسا کہ ظاہر یہی ہے اور اس تفریع کو ملحق باصل الصیغہ کہا جاوے تب تو خاص اس اراضی مملوکہ نواب صاحب کا وقف صحیح ہو جاوے گا اور اگر یہ تفریع ملحق باصل عقد نہ ہو تو عامۂ روایات پر تو وقف صحیح نہ ہوگا لیکن بزازیہ و محیط کی روایت پر جبکہ استدراک سے قطع نظر کر لی جاوے صحیح ہو جاوے گا پس یہ شبہات و ترددات ہیں اس مسئلہ میں اور کاغذات قلمی کی روایات سے یہ شبہات رفع نہیں ہو سکے باقی اراضی مرہونہ کے وقف کی عدم صحت اوپر معلوم ہو چکی ہے ان ترددات کو علمائے محققین سے رفع کر لیا جاوے۔ ۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص:۳۵)

## بنا نمودن مکان انجمن در قبرستان معطل

سوال (۷۰۲) ایک قبرستان عرصہ ۲۵ سال سے ویران پڑا ہے اور اس میں موتی بھی دفن نہیں کئے جاتے۔ اب اس میں ایک مکان انجمن اسلام بنانا چاہتے ہیں تو یہ جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ عینی شرح بخاری میں ہے۔

قال ابن القاسم لو ان مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجدالم اربذلك باسا و ذلك لان المقابر وقف من اوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز

لاحد ان یملکها فاذا درست و استغنی عن الدفن فیها جاز صرفها الی المسجد لان المسجد ایضا وقف من اوقاف المسلمین لایجوز تملیکه لاحد فمعنا هما علی هذا واحد اھ۔ جواب مذکور سے بعلت اشتراک علت معلوم ہوا کہ انجمن کا مکان وقفی نفع عام کے لئے اس مقبرہ کی جگہ بنانا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ یکم رجب ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۰۹ ج ۲)

## وقف باغ بغرض شیرینی رمضان

سوال (۷۰۳) زید نے مسجد کہنہ محلّہ کو از سرنو تعمیر کر کے ایک قطعہ باغ مختصر کہ جس کی سالانہ آمدنی بہ حساب اوسط پچیس روپیہ ہے بایں نیت کہ علاوہ خرچ فرش و مصلّی وشکست وریخت کے ماہ رمضان میں تواضع امام تراویح وشیرینی واسطے مصلیان مسجد بواقعہ لیلۃ القدر آیا کرے اور عرصۂ کثیر تک یہی عمل درآمد رہا مگر چند سال سے بعد معاینہ کتاب فتاویٰ نہ امام تراویح ہے نہ تواضع کی جاتی ہے البتہ شیرینی بنابر نمازیاں آیا کرتی ہے اور خاص کر ۲۷ شب صیام کو پس یہ شیرینی کا منگانا زر موقوفہ سے بایں خیال کہ نیت واقف قبل از وقف تھی درست ہے یا نہیں اور قید تاریخ ۲۷ بھی درست ہے یا نہیں اس بارہ میں جو حکم شرعی ہو ارشاد فرمایا جاوے۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار کتاب الوقف۔ وان یکون قربة فی ذاته معلوما وفیه وقف مصحفا علی اهل مسجد للقراءة ان کانوا یحصون جاز فی ردالمحتار قوله ان کانوا یحصون جاز هذا الشرط مبنی علی ما ذکره شمس الائمة من الضابط وهو انه اذاذکر الوقف مصرفا لابدان یکون فیهم تنصیص علی الحاجة الی قوله و متی ذکر مصرفا یستوی فیه الاغنیاء والفقراء فان کانوا یحصون صح باعتبار اعیانهم والا بطل وروی عن محمد ان مالا یحصی عشرة وعن ابی یوسف مائة وهو الماخوذبه عند البعض و قیل اربعون و قیل ثمانون والفتوی انه مفوض الی رای الحاکم اسعاف وبحراھ۔ وفیه تحت قول الدرالمختار وان علی طلبة العلم وجعل مقرها فی خزانة التی فی مکان کذا ففی جواز النقل تردد ظاهراھ۔

ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوئے اول شیرینی منگانا رقم وقف سے جائز ہے کیونکہ یہ مصرف فی نفسہ جائز ہے۔ البتہ مفاسد سے جو کہ تقسیم شیرینی کے وقت پیش آتے ہیں احتراز واجب ہے۔ دوم ستائیسویں کی قید بھی صحیح ہے۔ سوم البتہ اگر ستائیسویں کے مصلیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو بعد تراویح کے شب بیداری کے لیے اہتمام کے ساتھ جمع ہوتے ہوں تو یہ مصرف صحیح نہیں کیونکہ اس اہتمام کے لئے اہتمام بدعت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۸ رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد ثانی ص ۱۱۰)

## فسادنیت یاغیر مصارف خیر کے انضمام سے وقف کا باطل ہونا

سوال (۷۰۴) نواب ...... صاحب رئیس ...... نے اپنی جائداد مالیتی تین لاکھ روپیہ وقف کردی جس کی آمدنی میں بعد ادائے مالگذاری کے تیس ہزار روپیہ سے زائد ہوگی اور بہت سی جائداد جو مالیت اور آمدنی میں اس سے کچھ کم ہوگی باقی چھوڑ دی جائداد موقوفہ کی آمدنی کو مساجد۔ عربی اسلامی مدارس۔ اور انگریزی مدارس۔ یا طبی مدرسہ۔ یا مزارات بزرگان مثل اجمیر شریف و پیران کلیر شریف وغیرہ کے لئے وقف کیا۔ نواب صاحب موصوف نے جائداد موصوف کو ایسی حالت میں وقف کیا کہ بوجہ کبرسنی اور دائمی امراض درد اعضاء وغیرہ کے ضعیف تھے اور چلنے پھرنے سے بھی معذور تھے لیکن عقل وحواس بالکل سالم تھے اور کوئی ایسا مرض لاحق نہ تھا جس کو مرض الموت سے تعبیر کیا جاوے بلکہ وہ اپنی صحت کی حالت میں تھے انہوں نے بمقتضائے احتیاط وڈاکٹروں سے صحت و درستی حواس و قابلیت تصرفات کا سارٹیفکٹ بھی حاصل کرلیا تھا اور تحریر دستاویز و رجسٹری کرانے کے بعد بعض حکام کے سامنے باقاعدہ اظہار متعلق وقف کے دیئے کہ میں نے باختیار خود امور خیر کے لیے وقف کیا ہے۔ وقف کرنے کے چار ماہ بعد نواب کا انتقال ہوگیا۔

نواب صاحب کے دو بھائی علاتی نواب ...... صاحب اور نواب ...... صاحب وقف کرنے کے مخالف تھے اور انہوں نے اسی وقت اس وقف سے اختلاف کر کے ایک درخواست دی کہ یہ جائداد کوٹ کرلی جاوے اور اسی بنا پر جائداد مذکور کے داخل خارج کو حکماً رکوادیا بعد انتقال نواب صاحب موصوف ہر دو برادران نے بدعویٰ وارثت جائداد موقوفہ اور جائداد غیر موقوفہ کل کے متعلق اپنے نام داخل خارج کرانے کی درخواست دی۔ ادھر منجانب متولی وقف اس کی کوشش ہوئی کہ وقف قائم رہے مگر عدالت میں برادران نواب صاحب کامیاب ہوئے اور ان کا نام سب جائداد میں درج ہوگیا برادران نواب صاحب بدیں حجت وقف کو باطل کرنا چاہتے ہیں کہ یہ وقف صحیح ہی نہیں ہوا کیونکہ نواب صاحب موصوف کو اجر وثواب مقصود نہ تھا بلکہ ہماری مخالفت کی وجہ سے ہم کو محروم کرنے کی غرض سے اپنے کارندوں کے کہنے سے وقف کیا ہے اور جو مصارف کارندوں نے مقرر کرنے چاہے انہی کو مقرر کردیا۔ جو مصارف کہ آمدنی جائداد موقوفہ کے مقرر کئے گئے وہ تین قسم کے ہیں۔ بعض یقیناً مصرف خیر ہیں مثل مساجد اور مدارس عربیہ اسلامیہ کے یا خدمت حجاج وغیرہ۔ بعض یقیناً مصارف خیر نہیں۔ اور بعض مشتبہ حالت میں ہیں۔ اس میں بھی شک نہیں کہ نواب صاحب موصوف اور ان کے علاتی بھائیوں میں عرصہ سے اختلاف اور منازعت تھی۔ کارکنان وقف کا خیال ہے کہ عدالت دیوانی میں چارہ جوئی کر کے وقف کو قائم کرایا جاوے۔ ان کا اور اکثر واقفان قانون کا جنھوں نے کل حالت اور کاغذات و بیانات متعلقہ وقف دیکھے

ہیں خیال ہے کہ عدالت دیوانی میں چارہ جوئی سے اُمید غالب کامیابی اور استحکام وقف کی ہے۔

## ﴿واقعات مذکورہ کے بیان کے بعد امور ذیل قابل استفسار ہیں﴾

(۱) نواب صاحب موصوف کا اس حالت میں جس کا ذکر اوپر ہوا وقف کرنا صحیح ہوا یا نہیں اور یہ وقف سمجھا جاوے گا یا وصیت۔

(۲) ایسی حالت میں کہ آمدنی وقف مذکور کے لیے بعض مصارف ایسے مقرر کیے گئے جن کو مصرف خیر نہیں کہہ سکتے وقف صحیح ہوگا یا نہیں۔

(۳) اگر نواب صاحب اور ان کے برادران میں اختلاف اور متارکت تھی لیکن وقف نامہ کی کسی عبارت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان کی نیت محروم کرنے کی ہے بلکہ الفاظ سے یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اجر وثواب مقصود ہے تو ایسی حالت میں الفاظ کو دیکھا جاوے۔ یا مخالفت باہمی کو خیال کرتے ہوئے ان کے اس فعل کو محروم کرنے کی نیت پر محمول کیا جاوے گا۔

(۴) اگر فی الواقع نواب صاحب کو وقف کرنے میں یہی مقصود تھا کہ برادر محروم رہیں اور ان کو یہ گوارا نہ ہوا کہ میری جائداد کے وہ وارث ہوں یا انہوں نے اپنے کارندوں کے کہنے سے ایسا کیا تو اس حالت میں یہ وقف تام ہوگا یا نہیں اور وہ اس فعل میں گنہگار ہوں گے یا نہیں۔

(۵) اگر ایسے تہیہ کرنے سے وہ گنہگار ہوں تو اس کا اثر وقف کے تام اور نافذ ہونے پر پڑے گا یا نہیں۔ (یعنی باوجود ان کے گنہگار ہونے کے وقف قائم رہے گا یا نہیں)۔

(٦) درصورت یہ کہ نواب صاحب موصوف نے بہت سی جائداد علاوہ جائداد موقوفہ کے چھوڑی تو ایک جزو جائداد وقف کرنے میں وارثوں کا محروم ہونا لازم آتا ہے یا نہیں اور اس طرح کرنے میں کہ وراثوں کے لیے بھی کافی جائداد چھوڑی وہ مرتکب گناہ سمجھے جاویں گے یا نہیں۔

(۷) جس حالت میں کہ نواب صاحب مرحوم کے ہر دو برادر جدا جدا نواب صاحب کے برابر صاحب جائداد ہیں تو اگر کل جائداد وقف کردیتے کچھ حرج یا گناہ تھا یا نہیں۔ یا جزو جائداد کے کرنے میں (جیسا کہ کیا گیا) کچھ قباحت تھی یا نہیں۔

(۸) اگر وقف مذکور صحیح اور تام مان لیا جاوے۔ اور نواب صاحب کے برادر اس کو باطل کرنا چاہیں تو خاص متولیان وقف یا عام مسلمانوں کو اسکی حفاظت کرنی چاہئے یا نہیں۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ سعی کے کامیاب ہونے کی امید بھی ہو اور درصورت عدم حفاظت آثم ہوں گے یا نہیں۔

(۹) اگر وقف مذکور عام مسلمانوں کی کوشش سے تام اور نافذ ہو جاوے تو ان مدارس یا مساجد کے متولیان اور منتظموں کو جن کے لیے حصہ مقرر کیا گیا ہے یہ جائز ہے کہ اس حصۂ آمدنی کو جو ان کے لیے مقرر کیا گیا ہے چھوڑ دیں یا اگر ان کو اپنے حصہ کے حاصل کرنے میں سعی کی ضرورت ہو تو ایسی حالت میں ان کو ترک سعی جائز ہے یا نہیں۔ سعی نہ کرنے میں آثم ہوں گے یا نہیں۔

(۱۰) اگر مصارف وقف مذکور میں سے بعض مصارف کی عدم سعی اس کا سبب بن جاوے کہ دوسرے لوگ اتمام وقف کی سعی سے باز رہیں۔ تو ایسی حالت میں ان کی عدم سعی موجب اثم ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔؟

**الاجوبة** (۱) فی الدرالمختار مع ردالمحتار الجلد الخامس ص۶۴۸۔و هبة مقعد و مفلوج واشل ومسلول من کل ماله ان طالت مدته سنته و لم یخف موته منه والا تبطل وخیف موته فمن ثلثه لانها امراض مزمنة لا قاتلة وفی الدرالمختار باب الوقف وان یکون منجزاً لا معلقاً وفی الدرالمختار باب العتق فی المرض یعتبر حال العقد فی تصرف منجزٍ وان کان فی الصحة فمن کل ماله والا فمن ثلثه۔

روایت اولیٰ سے ثابت ہوا کہ نواب صاحب کا حال مرض موت کا نہ تھا اور روایت ثانیہ وثالثہ سے معلوم ہوا کہ بوجہ اس کے کہ اس تصرف میں اضافت الیٰ مابعد الموت نہ تھی بصیغۂ تنجیز تھا اور حالت مرض موت کی بھی نہ تھی اس لیے وصیت نہیں بلکہ وقف ہے اور بوجہ کسی امر مانع عن الصحۃ نہ ہونے کے وقف بھی صحیح ہے۔

(۲) فی ردالمحتار الجلد الرابع ص ۳۵۲ ولا یلزم من ذکر المصنف له هنا انه مما یبطل بالشرط الفاسد لما قدمناه غیر مرة بل ذکر فی العزمیة ان قاضی خان صرح بانه (ای الوقف) لا یبطل بالشروط الفاسدة ویمکن التوفیق بینه وبین ما فی الاسعاف بان الشرط الفاسد لا یبطل عقد التبرع اذالم یکن موجبه نقض العقد من اصله فان اشتراط ان تبقی رقبة الارض له او ان لایزول ملکه عنها او ان یبیعها بلااستبدال نقض للتبرع اھ۔

پس صورت مسئولہ میں اگر سب مصارف کو عقود متعددہ وصفقات متفرقہ کہا جاوے تب تو شبہ کی گنجائش ہی نہیں اور اگر ایک ہی عقد کہا جاوے تو غایة المحذور فی الباب وقف علیٰ غیر الخیر شرط ہوگی وقف علی الخیر کی جو کہ شرط فاسد ہے مگر روایت ہذا سے ثابت ہے کہ وقف شرط فاسد سے فاسد و باطل نہیں ہوتا و ظاهر ان الشرط المذکور لیس من موجبه نقض العقد من اصله۔ اور اگر

اس پر شیوع ارض موقوفہ کا شبہ ہو تو جواب یہ ہے کہ در مختار میں مصرح ہے۔ **وکذا یفتی بکل ماھو انفع للوقف فیما اختلف العلماء فیہ مطبوعہ** بمبئی ص ۴۴۰ اور صحت وقف ارض شائعہ پر فتویٰ امام ابویوسفؒ کا مشہور ہے پس شبہ مذکور رفع ہو گیا۔

(۴) فقہ کی فروع و نظائر بے شمار اس کی حاکم ہیں کہ عاقل بالغ کے فعل اور تصرف کو حتی الامکان محمل صحیح پر محمول کر کے اس کی تصحیح کی جاتی ہے اور موانع ظاہرہ کی حتی الوسع تاویل و توجیہ کرتے ہیں نہ یہ کہ باجود کسی مانع کے جز وعقد یا مقارن عقد نہ ہونے کے بلا دلیل مبائنات کو اس کے ساتھ منضم کیا جاوے۔

(۴و۵) **قال علیہ السّلام انما الاعمال بالنیات** اگر دل میں ان کی یہ نیت ہو فیما بینہ و بین اللہ گناہ ہوگا لیکن جب الفاظ وقف نامہ میں باظہار نیت ثواب واقف اس نیت حرمان ورثہ سے تبری ہے ظاہر شرع میں وقف کے تام ہونے میں اصلا شبہ نہ ہوگا۔

(۶و۷و۸و۹ونمبر ۱۰) ان سوالات کے جوابات قواعد معلومہ فی الشرع سے ظاہر ہیں کہ اس سے حرمان ورثہ لازم نہیں آتا اور بلا قصد اضرار ورثہ کل جائداد بھی وقف کرنا ان کا جائز تھا، بعض حضرات صحابہؓ کے جمیع اموال مملوکہ کے تصدق کر دینے کو جناب رسول مقبول ﷺ کا جائز رکھنا اس کی قطعی دلیل ہے اور حسب مجموعہ ارشاد حق تعالیٰ **وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی** و ارشاد حق تعالیٰ **لایکلف اللّٰہ نفسًا الا وسعھا** قادر علی السعی فی الحفظ کو اس جائداد کا حالت ضیاع میں چھوڑ دینا مباشرۃً وتسبباً کہ دوسرے بھی تفریط کریں گے موجب اثم ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۵؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۲۳)

## وقف کے متعدد متولی بنانا یا ایک کو نائب اور دوسرے کو اصل قرار دینا

سوال (۷۰۵) کسی مسجد کے لیے دو متولی کا مقرر کرنا جائز ہے یا ناجائز یا ایک متولی اور دوسرا اس کا معین یا نائب مقرر کرنا درست ہے یا نادرست جواب بحوالہ عبارت کتاب و صفحہ کتاب مرحمت ہو۔؟

الجواب۔ **فی الدر المختار فلو وجد کتابا وقف فی کل اسم متول و تاریخ الثانی متاخر اشترکا بحر فی ردالمحتار ولا یقال الثانی ناسخ اھ ج ۲ ص ۶۴۴ مصریہ۔**

اس روایت سے دونوں امر کا جواز ثابت ہوا کیونکہ جب باوجود تقدیم و تاخر کے اشتراک ثابت ہو گیا باوجود یہ کہ اس میں احتمال ناسخیت کا ہے تو اشتراک بالاولیٰ جائز ہے اور جب تشارک جائز ہے جس میں احتمال مزاحمت بھی ہے تو انابۃ و نیابۃ بالاولیٰ جائز ہے۔ ۱۵؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (تتمہ اولیٰ ص: ۱۲۶)

سوال (۷۰۶) شخصے مسمی زید پنج پسر و سہ دختر و یک زوجہ میدارد مسمی زید میخواہد کہ کل جائداد خود را بنام مسجد و فی سبیل اللہ وقف سازد و اولاد ذکور خود را متولی آں گرداند و در وقف نامہ تحریری سازد کہ

متولیان یکے را از متولی اول قرار میدہند و بر مشاہرہ دیگر متولیان واداے خراج وانچہ ازاں متعلق میدارند در قبضہ تصرف آں میدارند ودیگراں رادر تابعیت متولی اول می نہند واگر متولیان خلاف متولی اول ورزند اوشاں از احاطہ متولی خارج خواہد گشت لاعلی العکس پس در ولایت وقف یکے رامتبوع و دیگراں را تابع آں نمودن شرعاً جائز است یا نہ ویاہمہ متولیان در ولایت وتصرف متساوی اند بدلائل کتب معتبرہ ارقام فرمایند۔؟

الاجوبۃ۔ فی الدرالمختار ولایۃ نصب القیم الی الواقف الی قولہ اراد المتولی اقامۃ غیرہ مقامہ فی حیاتہ وصحتہ ان کان لہ التفویض لہ بالشرط عاما صح و لایملک عزلہ الا اذاکان الواقف جعل لہ التفویض والعزل وفی ردالمحتار تحت قولہ ولا یملک عزلہ کالوکیل اذا اذن لہ الموکل فی ان یوکل فوکل حیث لم یملک العزل جلد ۳ ص ۶۳۷ قلت انما لایملک العزل لان ھذا الوکیل یجعل وکیلا من جھۃ الاصیل الا اذا اذن للوکیل الاول بعزلہ۔ ازیں روایت مستفاد شد کہ دومتولی یا دووکیل مقرر کردن کہ بدرجۂ برابر نباشد بلکہ یکے تابع دیگر باشد جائز ست۔ ۷ محرم ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۱۰۹)

## حالت صحت میں یہ کہنا کہ فلاں زمین مسجد میں دیتا ہوں یا دے چکا ہوں مثبت وقف ہے اور اس میں میراث جاری نہ ہوگی

سوال (۷۰۷) مسماۃ ہندہ زوجہ زید نے بحالت صحت نفس اپنے مرنے سے چند ماہ پیشتر بیان کیا کہ میں اپنی جائداد مسجد موضع ...... میں دیتی ہوں اس کو لکھا لو۔ مگر کوئی شخص لکھانے پر آمادہ نہ ہوا۔ بعدہ اپنے مرنے سے دس پندرہ روز پہلے جبکہ اس کے شکم پر قدرے ورم معلوم ہوا۔ مگر مرض الموت نہ تھا کیونکہ چلتی پھرتی تھی اور کوئی علامت مرنے کی معلوم نہ ہوتی تھی بلکہ معمولی حالت میں تھی پھر اس نے کہا میں نے اپنی کل جائداد مسجد موضع ...... میں دیدی ہے تم کو اختیار ہے کہ تم عدالت میں لکھالو یا یہاں لکھالو یا نہ لکھالو میں اپنی جائداد مسجد میں دے چکی ہوں مگر لکھانے میں پھر تساہل رہا آخر کار اپنے مرنے سے دو تین روز پیشتر پھر یہی کہا کہ میں اپنی جائداد مسجد میں دے چکی تم لکھالو یا نہ لکھالو تم کو اختیار ہے اس کے بعد وہ مرگئی اس کے مرنے پر عمرو مع اپنی ہمشیرہ کے جو ہندہ کے خاوند کا ہمشیرہ زادہ بھی ہے اور ہندہ متوفیہ کے چچازاد بہن کا بیٹا بھی ہے مدعی ہوا کہ یہ ترکہ شرعاً مجھ کو پہنچتا ہے۔ لہٰذا شرع شریف سے اس مسئلہ میں کیا حکم ہے۔ شرعاً یہ مسجد میں رہنی چاہئے یا عمرو اور اس کی ہمشیرہ کو بھی پہنچتا ہے۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار وان یکون منجزاً وفی ردالمحتار تحت قولہ ورکنہ الالفاظ الخاصۃ ومنھا ما فی الفتح حیث قال (فرع) یثبت الوقف بالضرورۃ وصورتہ

ان یوصی الٰی قومه وقد سئلت عن نظیر هذه المسئلة فی رجل اوصی بان یوخذ من غلة داره کل سنة کذا دراهم یشتری بها زیت لمسجد کذا ثم باع الورثة الدار وشرطوا علی المشتری وقع ذلك المبلغ فی کل سنة للمسجد فافتیت بعدم صحة البیع وبانها صارت وقفا حیث کانت تخرج من الثلث (حیث اوصی به) وفیه نعم تعیین المسجد لایضر لانه مؤبد وفیه ینقض وقف استحق بملك او شفعه وان جعله مسجداً ووقف مریض احاط دینه بماله بخلاف صحیح ج۳ ص ۵۵۵۔

بناء برروایات مذکورہ جواب یہ ہے کہ گو مسماۃ نے لفظ وقف نہیں کہا مگر یہ کہنا کہ مسجد میں دیتی ہوں یا دے چکی ہوں مثبت وقف ہے اور لفظ دیتی ہوں بھی بوجہ اس کے کہ صیغہ حال کا ہے منجز ہونے کی وجہ سے وقف کے لیے کافی ہو گیا لیکن اس کے بعد یہ کہنا کہ دے چکی ہوں کہ صیغہ ماضی کا ہے بالکل سارے احتمالات وعد یا اظہار قصد کے لیے قاطع ہو کر اثبات وقف میں زیادہ محکم ہے اور جو حالت مریض کی اس کے کہنے کے وقت لکھی ہے وہ حالت شرعاً حالت صحت ہے کما صرح وافی احکام المریض اور لکھوانا شرعاً اثبات وقف کے لیے شرط نہیں۔ لہٰذا وہ وقف صحیح اور تام ہو گیا اور عمرو اور اس کی ہمشیرہ ہر چند کہ ذوی الارحام صنف رابع سے ہیں مگر چونکہ وقف فی حالت الصحۃ کے سبب وہ جائداد خود مسماۃ کی ملک سے خارج ہو چکی ہے اس لیے عمرو وغیرہ کا اس میں کوئی حق نہیں۔ ۲۸ رجب ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص:۱۲۷)

## موقوفہ زمین کے مشتری سے اس کو خریدنے کا عدم جواز

سوال (۷۰۸) جس موقوفہ زمین کو متولی نے بیع کر دیا ہو اور عرصۂ دراز سے مشتری کے قبضہ میں ہو اس زمین کو مشتری سے خریدنا اور اپنا ملک تصور کرنا جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ جب پہلی ہی بیع باطل ہے تو دوسری بیع جو اس پر مبنی ہے نیز باطل ہوگی۔
۱۰ صفر ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۲۸)

## قبرستان کے پتھر بیچ کر مسجد کا فرش بنانا

سوال (۷۰۹) زید نے بکر سے پتھر سنگ مرمر خریدے اور ان پتھروں سے مسجد میں ممبر و مصلی بنوا دیا۔ اب بعد میں زید کو معلوم ہوا کہ وہ پتھر جو بکر نے اس کے ہاتھ فروخت کیے تھے قبر کے پتھر تھے جو بکر نے قبرستان میں سے قبروں سے اکھڑوا دیئے تھے اور جو قبریں اس کی ملکیت نہیں ہیں۔ اس مصلے پہ نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں اور نیز وہ پتھر مسجد میں لگے رہنے جائز ہیں یا نہیں۔؟

الجواب۔ پتھر قبر پر لگانے سے وقف نہیں ہوتا بلکہ لگانے والے کی ملک رہتا ہے پس اجنبی

آدمی کا بیع کرنا اس کو صحیح نہیں ہوا لیکن اگر لگانے والا معلوم نہ ہو یا معلوم ہو مگر اس کا کوئی وارث موجود نہ ہو تو وہ حکم لقطہ میں ہے اور لقطہ کا حکم یہ ہے کہ کسی نیک کام میں صرف کر دیا جائے اس صورت میں مسجد لگا رہنے دیا جاوے کہ اپنے مصرف میں لگ گیا البتہ جس نے بیع کیا ہے اس کے لیے قیمت درست نہیں اور اگر اس کا مالک یا مالک کا وارث معلوم ہو تو اس سے دریافت کیا جاوے اگر وہ اجازت دے لگا رہنے دیا جاوے خواہ مفت یا قیمت لے کر اور اگر اجازت نہ دے اکھاڑ دیا جاوے اور اگر کئی وارث ہوں تو سب سے اجازت لینا ضروری ہے۔ اور نابالغ کے حصہ کی قیمت دینا ضروری ہے۔ ۱۰ر صفر ۱۳۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۱۲۸)

## موقوف کلام مجید میں تلاوت کرنے کا جواز اس کی بیع کا عدم جواز

سوال (۷۱۰) ایک قرآن شریف میرے ایک ملنے والے کے پاس تھا اس کے اول صفحہ پر الوقف فی سبیل اللہ اور دوسرے صفحہ پر الوقف مالایملک لکھا ہوا تھا۔ میں نے شخص مذکور سے مانگا انہوں نے مجھ کو دیدیا میں نے اس قرآن مجید کی جلد بندھوا کر رکھی ہے مجھ کو اس میں تلاوت کرنا کیسا ہے اور اب مجھ کو اس قرآن کو قیمت سے دیدینا کسی کو جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ تلاوت کرنا جائز ہے مگر مالکانہ تصرف جائز نہیں بلکہ تلاوت میں آپ کا حق مثل دوسرے مسلمانوں کے ہے اس لیے مخصوص کرنا اپنے ساتھ جائز نہیں نہ بیع جائز ہے۔

۲۹ر ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۱۳۰)

## مالگزاری کسی گاؤں کی کسی کے نام کر دینا معافی وقف نہیں

سوال (۷۱۱) نواب...... صاحب نے ایک موضع جس کے مالک ایک شخص مسمی زید تھے بحق مالگواری بنام عمرو و بکر فرزندان خالد واسطے مصارف درگاہ خالد و امداد معاش ہر دو فرزندان معاف فرمایا جواب تک بدستور معاف چلا آتا ہے اور وارثان زید کو حق زمینداری ہفتمی حصہ دیا گیا۔ اب دریافت طلب امور مفصلہ ذیل ہیں۔

(۱) شرعاً یہ ہبہ ہوا یا وقف اور لفظ معاف فرمودیم سے وقف صحیح ہوتا ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ نہ وقف ہے نہ ہبہ۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ جو خراج اس زمین کا بیت المال میں آتا تھا وہ اہل معافی لے لیا کریں۔ پس جتنا لے لیں گے اتنے ہی کے مالک ہو جائینگے جو نہیں لیا ہنوز اس کے مالک نہ ہوں گے اور وہ بھی جبکہ خراج بحق ہو ورنہ خود لینا ہی جائز نہیں۔

۲۹ر ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۱۳۱)

## جائداد کی مالگزاری جو کسی خاندان کے نام کر دی ہے اس کے تقسیم کا طریقہ

سوال (۷۱۲) اگر وقف صحیح ہے تو اولاد عمرو کا بعد صرف درگاہ نصف حق ہے اور اولاد بکر کا نصف یا ہر دو صاحبان کی اولاد حصے میں مساوی ہے۔؟

الجواب۔ رؤس اولاد پر تقسیم ہوگا نہ کہ بطور میراث کے البتہ سلطان کو ہر وقت اختیار کمی بیشی کا ہے کیونکہ قبل قبض ملک نہیں ہوا۔ کما مر۔ تاریخ بالا۔ مع حوالہ

## ملوک اور غیر ملوک کے وقف میں فرق

سوال (۷۱۳) اوقاف ملوک مانند اوقاف غیر ملوک کے ہیں یا کچھ دونوں میں فرق ہے اس عبارت سے تو فرق معلوم ہوتا ہے۔

**وهذا ايضًا في غير اوقاف الملوك والامراء اما هي فهي اوقاف صورية لاتراعى شروطها كما افتى به المولى ابو السعود ۔ شامی ص ۴۳۰ ج۳ ولايقاس على ذلك اوقاف غير الملوك والامراء بل تجب مراعاة شروطهم لان اوقافهم كانت املاكاً لهم ۔ شامی ج۳ ص ۴۳۱۔؟**

الجواب۔ فرق اس لیے ہے کہ ملوک مالک نہیں اور ملک غیر میں تصرف جائز نہیں اور منافع ملک (مثل خراج) کا وقف صحیح نہیں وہ اباحت ہے فقط (تاریخ بالا)

## افتادہ زمین میں کہ جس میں زید کے جنگی پرنالے گرتے ہیں وقف کی دوکانیں بنانے کا حکم

سوال (۷۱۴) اگر گوشہ اراضی کا قدیم سے بصورت مثلث افتادہ پڑا ہوا ہے اس میں دو جانب شش پرنالہ جنگی مکانات زید کے اسی اراضی مذکور میں پڑتے ہیں مگر ایک ورثاء بکر کی مملوکہ اس اراضی کو قرار دیکر بحیلہ وقف دوکان بنانی چاہتے ہیں اور وارثان بکر سے نابالغ بھی ہیں اور جس کے پرنالے گرتے ہیں اس کا کوئی حق سمجھا جاسکتا ہے یا کیا اس صورت میں بلحاظ اجراء پانی ونابالغان کے وقف ہوسکتا ہے۔؟

الجواب۔ اولاً اس کی تحقیق ضرور ہے کہ اس گوشہ اراضی بشکل مثلث کا مالک کون ہے قبل تعین مالک کے تو اس میں کوئی تصرف دوکان وغیرہ بنانے کا یا وقف کرنے کا اگر چہ برضائے زید ہی ہو جائز نہیں پھر ثانیاً جبکہ مالک متعین ہو جائے اور اس وقت دیکھنا چاہئے کہ اس میں سب بالغ ہیں یا کوئی نابالغ بھی ہے اگر کوئی نابالغ بھی شریک ہو تب بھی اس کو وقف کرنا درست نہیں اور دوکان بنانا بھی اگر بہ نیت وقف یا بہ نیت انتفاع بالعین ہو جائز نہیں اگر چہ زید بھی راضی ہو جاوے اور اگر سب بالغ ہوں اور سب

وقف کرنے پر رضامند ہوں یا بہ نیت انتفاع اس میں دوکان بنانا چاہیں تو اس صورت میں دو حالتیں ہیں ایک حالت یہ کہ زید بخوشی دوسری طرف پانی اتار لے تب تو یہ تصرفات بلا تکلف درست ہیں اور دوسری حالت یہ ہے کہ زید اس طرف سے پانی بند کرنے پر راضی نہ ہو تو اس صورت میں زید کا حق آب چک بند کرنا اور قطع کرنا جبکہ اس طرف آب چک کرنا ظلماً نہ ہوا ہو جائز نہیں۔ البتہ اگر زید کا پانی اس دوکان کی چھت پر لے لیا جاوے تو کچھ حرج نہیں فقط۔ ۲۸/صفر ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص: ۱۳۲)

## مندر پر وقف کی ہوئی زمین کو کسی زمین کے بدلے لینا

سوال (۷۱۵) کسی مسلمان کی زمین کے وسط میں تھوڑا سا حصہ کسی مندر پر وقف کیا گیا ہو جو کسی ہندو نے وقف کیا ہے لیکن اس زمین کے وسط میں رہنے سے اس مسلمان کو سخت نقصان ہے پس اس صورت میں مندر کے متولی کی رضامندی پر زمین بدل کر مذکور مسلمان کا اپنی زمین کا کوئی حصہ متولی مندر کے حوالے کر کے خود اس مندر کی زمین کو لے لینا درست ہے کہ نہیں۔؟

الجواب۔ درست ہے۔ (تتمہ اولیٰ ص: ۱۳۲)

## مسلمان کی زمین پر مندر کی زمین کے واسطے پانی کی نالی جاری کرنا

سوال (۷۱۶) کسی مقام پر بہت سی بنجر زمین تھی جس کا اوپر کا حصہ کسی مسلمان کی ملک میں ہے اور نیچے کا حصہ کسی مندر پر وقف کیا گیا ہے پس اس صورت میں جبکہ وہ زمین آج کل زراعت کے لیے درست کی جارہی ہے اس مسلمان کی زمین پر سے اس مندر کی زمین کو اس کے متولی کی درخواست پر نالی کا پانی زراعت کے لیے چھوڑنا درست ہے یا نہیں۔؟

(۲) اگر نہ چھوڑنے کی تقدیر پر گورنمنٹ سے اس ہندو کی درخواست پر بجز اس مسلمان کی زمین پر سے نالی رکھا دینے کا خوف ہے علاوہ بریں اس مسلمان کی زمین کے پانی کا مخرج اس مندر کی زمین ہی پر ہے اس ہندو کی ضرورت کے وقت پر پانی نہ چھوڑنے پر جبکہ مسلمان کو اپنی زمین کا زیادہ پانی خارج کر دینے کی ضرورت ہوگی اس ہندو کے مانع ہونے کا خوف ہے پس اس صورت میں ہندو کے حسب دلخواہ پانی چھوڑنے کا کیا حکم ہے۔

الجواب۔ (۱) درست ہے۔ (۲) جائز ہے۔ ۴/ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص: ۱۳۳)

## بعد وقف منجز کے دعویٰ تعلیق کا کرنا اور متولی وقف کا بقدر کفاف وقف سے لینے کا جائز ہونا

سوال (۷۱۷) ایک شخص حج کو جاتے وقت اپنے ورثہ اور مختار کار لوگوں کو کہہ گیا تھا بلکہ مسودہ

کرایا تھا کہ جلدا جلدی میں میں اس وقت اپنی کچھ جائداد وقف کر کے رجسٹری کرا نہ سکا۔

''اے میرے عام مختار کار و میری فلاں گاؤں فلاں جائداد حسب قانون
سرکاری اسٹامپ میں لکھوا کر میری طرف سے رجسٹری کرا دینا۔''

اور سب مصارف کی بھی تصریح کر دی۔ اس شخص کے حج کو جانے کے بعد حسب حکم تعمیل کی گئی وقف نامہ رجسٹری ہو چکا۔ حج سے آنے کے بعد ایک مولوی صاحب کے وقف کے متعلق مسائل بیان کرنے سے وہ شخص کہتا ہے کہ مجھ کو ٹھیک یہ ارادہ صاف نہیں ہوا تھا کہ فلاں تاریخ سے یہ جائداد وقف ہو کر اللہ تعالیٰ کی ملک میں خاص ہو جاوے بلکہ اس ڈر سے کہ خدانخواستہ راہ حج میں میرا انتقال ہو جاوے اور میری نیت پوری نہ ہو میں نے وقف نامہ رجسٹری کرایا ہے یہ میں جانتا ہوں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اس لیے ایں وقت عرض ہے کہ اس شخص واقف کو وقف کی آمدنی میں قبل وقف کی طرح تصرف کرنا حسب نیت اس کے جائز ہے یا نہیں عندالناس کیا حکم ہے اور عند اللہ کیا حکم ہوگا؟

الجواب۔ توکیل بالوقف جائز ہے اور تعلیق وقف بالخطر جائز نہیں چونکہ یہاں وقف یا تو خود کیا ہے اور توکیل بالتکمیل ہے یا اگر توکیل بالوقف ہے مگر کلام میں تعلیق نہیں گو نیت میں وہ دعویٰ کرتا ہے لہٰذا یہ وقف صحیح ہو گیا۔ غیر مصارف میں اس کا صرف جائز نہیں البتہ اگر واقف خود متولی ہو تو وقت حاجت بقدر کفاف اس میں سے لینا درست ہے۔

دلیل المسئلة الاولی ما فی ردالمحتار لو قال انت وکیلی فی کل شیئی یصیر وکیلاً فی جمیع التصرفات المالیة واختلفوا فی طلاق وعتاقٍ ووقف الخ ودلیل الثانیة ما فی الدرالمختار وان یکون (الوقف) منجزاً لا معلقاً الابکائن ولا مضافاً ولا مؤقتاً الخ ج۳ ص ۵۵٦۔ ۴ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۱۳۳)

## صرف کردن آمدنی وقف مسجد بر مجاہدین و مجروحین و یتامیٰ

سوال (۷۱۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اکثر مساجد کے اتنے اوقاف ہیں کہ ہر ہر مسجد کے سالانہ خرچ ہوتے ہوئے ہزاروں روپیہ بچ جاتے ہیں اور ان بچے ہوئے روپے سے سال دو سال کو متولی دوسری ملکیتیں خریدتے جاتے ہیں جس سے ماہواری خرچ تو مثلاً سو روپے کا اور آمدنی ہزار بارہ سو کی ہے اب اس طرح اگر بڑھا کرے تو اس آمدنی سے سوا ملکیت بڑھنے کے اور کوئی طرح کا فائدہ متصور نہیں ہے اور خدانخواستہ اگر متولیان میں کچھ قصور آیا تو ضائع ہونے کا خوف ہے لہٰذا ان اوقاف کی آمدنی سے فقراء مساکین خصوصاً مجاہدین کی بیوہ اور یتامیٰ پر خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں اور جو ملکیتیں اصل وقف کی آمدنی سے خریدی گئی ہیں جو اصل وقف سے بہت

بڑھی ہوئی ہیں جس کی مسجدوں میں کچھ ضرورت نہیں ہے اس ملکیت کا کل حصہ یا بعض حصہ مجاہدین مجروحین بلقانی اور ان کی بیوہ یتامیٰ پر خرچ کرنا جیسا کہ اس وقت اشد ضرورت ہے فروخت کر کے دینا جائز ہے یا نہیں۔ اور حدیث شریف میں اس طرح ہے۔ عن عائشةؓ قالت سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لولا ان قومك حديث عهد بجاهلية او قال بكفر لانفقت كنز الكعبة في سبيل الله وجعلت بابها بالارض ولادخلت فيها من الحجر۔ رواہ مسلم۔ آیا اس سے استدلال صحیح ہے یا نہیں اور کوئی فقہاء کی جزئیات سے اس کا ثبوت ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ في الدر المختار ويبدأ من غلته بعمارة ثم ماهو اقرب بعمارته كامام مسجد ومدرس الى قوله الى اخر المصالح في ردالمحتار في تفسير العمارة وهو عمارته المعنوية التي هي قيام شعائره وقوله الى اخر المصالح اى مصالح المسجد ج:۳ ص: ۵۸۱ و ۵۸۲ و ۵۸۳ وفي الدر المختار لو شرط الواقف تقديم العمارة ثم الفاضل للفقراء وللمستحقين لزم الناظر امساك قدر العمارة الخ في ردالمحتار ويصرف الزيادة على ماشرط الواقف ج۳ ص ۵۸۶ وفي الدر المختار قلت انما يكون المدرس من الشعائر لو مدرس المدرسة كما مر امّا مدرس الجامع فلا لانه لايتعطل لغيبته بخلاف المدرسة حيث تقفل اصلا اھ ج۳ ص ۵۸۷۔

ان روایات سے صاف معلوم ہوا کہ وقف مسجد سے صرف انہیں مصارف میں صرف کرنا جائز ہے جن کو مسجد کی آبادی میں دخل ہے اور دخل بھی درجہ موقوف علیہ میں حتیٰ کہ روایت اخیرہ میں تصریح کر دی گئی ہے کہ مدرس (۱) جامع بھی شعائر مسجد میں داخل نہیں کیونکہ وہ موقوف علیہ آبادی مسجد کا نہیں حالانکہ ظاہر ہے کہ اس کو زیادت رونق میں دخل ہے مگر اس دخل کا بھی اعتبار نہیں کیا گیا البتہ اگر فاضل عن العمارہ میں واقف تصریح کر دے کہ فقراء وغیرہم میں خرچ کیا جاوے تو حسب روایت وسطیٰ اس وقت غیر مصالح مسجد میں فاضل کو صرف کریں گے۔ اب ظاہر ہے کہ مجروحین اور یتامیٰ واہل مقتولین کی امداد کو مسجد کی آبادی میں کوئی دخل نہیں اس لئے اگر واقف نے صرف مسجد کے مصالح کا وقف کے وقت ذکر کیا ہے تب تو اس امداد میں صرف کرنا جائز نہیں اور اگر کسی دوسرے مصرف کا بھی ذکر کیا ہے تو اس کی نسبت مکرر سوال کیا جاوے۔ رہا یہ کہ وہ مصالح مسجد سے بچ جاتا ہے اور اس کے جمع رکھنے میں احتمال ضیاع کا

---

(۱) دو سال ہوئے کہ المشیر جلد ۲ نمبر ۲۶ ص ۱۰ کالم ۲ مورخہ ۱۱ر جولائی ۱۹۱۲ء میں ایک میرا لکھا ہوا جواب اس کے خلاف چھپ گیا سو وہ میری غلطی تھی۔ صحیح جواب یہ کہ وقف مسجد میں سے مدرسہ میں صرف نہیں ہو سکتا۔ ۱۲ منہ

ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اس فاضل کو دوسرے مساجد کے مصالح پر صرف کرنا چاہئے جو مسجد موقوف علیہ سے قریب ہو اور اگر اس مسجد قریب میں بھی استغناء ہو تو پھر اس کے بعد جو مساجد قریب ہوں حتیٰ کہ دوسری بلاد ہند کی مساجد تک اس کی محل ہیں۔

لمافی الدر المختار ومثله حشیش المسجد وحصیره مع الاستغناء عنها کذا الرباط والبیر والحوض الی اقرب مسجد اورباط او بیراو حوض الیه ج۳ ص ۵۷٤ قلت دخلت الصورة المسئولة فی عموم مفهوم الاستغناء فی ردالمحتار فان المسجد اوغیره من رباط وحوض اذالم ینقل یاخذ انقاضه اللصوص والمتغلبون کما هو مشاهد وکذلك اوقافه یاکلها النظار اوغیرهم ویلزم من عدم النقل خراب المسجد الاخر المحتاج الیه اهـ ج:۳ ص:۵۷۵ وذکر قبل هذا کلاماً طویلاً تائیداً لذلك۔

رہا استدلال کرنا اس پر حدیث مذکور فی السوال سے وہ اس لئے تام نہیں کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد تعمیر کعبہ ہی کی ہو چنانچہ اس کا اقتران لجعلت بابها بارض ولادخلت فیها الخ کے ساتھ اس کا قرینہ قریبہ ہے۔ نیز یہ بھی احتمال ہے کہ جن لوگوں نے یہ کنز جمع کیا تھا ان کی نیت عام ہے فقراء وغیرہم کو۔ نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ کنز وقف نہ تھا بلکہ امانت تھا کیونکہ وقف کے لوازم سے ہے انتفاع مع بقاء العین اور روپیہ میں اس کی صورت بھی ممکن ہے کہ اس سے تجارت کریں اور منافع کو قربات میں صرف کریں اور ظاہر ہے کہ جمع کرنے والوں کی یہ نیت ہرگز نہ تھی پس جب امانت ہوا اور مالک معلوم نہ ہو تو اس کا حکم مثل لقطہ کے یہی ہے کہ فقراء میں صرف کیا جاوے اور یہ توجیہ اخیر اقرب الی الفقہ ہے، بہر حال استدلال تام نہیں۔ ۵ رمحرم الحرام ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص:۵)

## مصرف رقم فاضل از وقف متعلق مسجد

سوال (۷۱۹) اگر کسی مسجد کی جائداد موقوفہ کی آمدنی اس کے مصارف سے بہت بڑھ جاوے کہ سالہا سال بھی اس مسجد میں اس کی ضرورت محتمل نہ ہو تو ایسی صورت اس آمدنی کو دوسری مساجد کی تعمیر یا امام ومؤذن کی تنخواہ یا دیگر مصارف خیر میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں مشرح ومدلل ارشاد ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی الدر المختار ومثله حشیش المسجد وحصیره مع الاستغناء عنها وکذا الرباط والبیر اذالم ینتفع بهما فیصرف وقف المسجد والرباط والحوض الی اقرب مسجد او رباط اوبئراو حوض الیه الخ فی ردالمحتار لف ونشر مرتب فظاهره انه لا یجوز صرف وقف مسجد خرب الی حوض وعکسه وفی شرح الملتقی یصرف

وقفها لاقرب مجانس لها اھ ج ۳ ص ۵۷۴ قلت وهذه الرواية وان كانت منقولة فی صورة خراب المسجد وغيره لكن ماكان مبنی الحكم الاستغناء كان الحكم عاما وان لم يخرب و هذا ظاهر عندی۔

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اس آمدنی کو دوسری مساجد میں بھی صرف کر سکتے ہیں لیکن اس ترتیب سے کہ اول اقرب مساجد میں اور اگر اس میں ضرورت نہ ہو تو پھر اسی طرح اقرب فالاقرب میں تاریخ ۳/ج ۲ ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص: ۱۳۹)

## صرف وقف یا چندہ مسجد بمسجد دیگر معہ سوال بر جواب وجوب ازاں

سوال (۷۲۰) اگر ایک مسجد کہ آمدنی در سال شش صدر روپیہ دارد در محلہ دوم مسجد ویران است الحال محلہ دار کہ مسجد نادار است می گویند از مسجد جائداد او الہ ہر چہ موجود است در مسجد نادار خرچ می کنیم مسئلہ تحریر آرند در شرع شریف درست ست یا نہ۔؟

الجواب۔ ہرگاہ مسجد جائداد آباد ست اگر چہ مستغنی ست آمدنی او در جائے دیگر صرف کردن درست نیست ولو لم يتفرق الناس ولكن استغنى الحوض عن العمارة وهناك مسجد محتاج الى العمارة او على العكس هل يجوز للقاضی صرف وقف ما استغنى عن العمارة الى عمارة ماهو محتاج الى العمارة قال لا كذا فی المحيط۔ عالمگیری جلد ثانی ص ۱۰۴۲ واللہ اعلم۔ ۱۱/ ذیقعدہ ۱۳۰۰ھ (امداد ثانی ص: ۸۴)

سوال (۷۲۱) ایک جامع مسجد آباد کے متعلق دکانیں اور مکان وقف ہیں ان کا کرایہ ہمیشہ سے اس کے مصارف شکست وریخت وفرش یعنی جانمازوں اور کوزوں اور گھڑوں وغیرہ حوائج متعلقہ نماز اور تنخواہ موذن میں صرف ہوتا ہے اگر حاکم وقت مسلمان یہ چاہے کہ اس کا حق دوسری مسجدوں کی ترمیم اور حوائج متعلقہ نماز اور تنخواہ مؤذن میں بھی صرف ہوا کرے جن مسجدوں میں کسی قسم کی آمدنی وقف نہیں ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز نہیں ہے تو جو روپیہ صرف ہو چکا ہے وہ کسی کو واپس دینا واجب ہے یا نہیں۔ اور آمدنی وقف مسجد کس کس مصرف میں صرف کرنے کا حکم ہے۔؟

الجواب۔ جب پہلی مسجد آباد ہے اس کے وقف کی آمدنی دوسری مسجد میں منتقل کرنا جائز نہیں۔

فی الشامية المطبوعة بمصر الجزء الثالث منها ص ٥٧٤ ونقل فی الذخيرة عن شمس الائمة الحلوانی انه سئل عن مسجد اوحوض خرب ولا يحتاج اليه التفرق الناس عنه هل للقاضی ان يصرف اوقافه الى مسجد او حوض اخر فقال نعم ومثله

فی البحر عن القنیة وفی الدرالمختار مع الشامی ص ۵۷۵ اتحد الوقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف علیه جاز للحاکم ان یصرف من فاضل الوقف الآخر علیه وان اختلف احدهما لا یجوز له ذلك اھ۔ اور جب یہ انتقال ناجائز ہے تو جو صرف ہوا ہے اس کا ضمان حاکم پر جس کے امر سے صرف ہوا ہے واجب ہے۔ فی الشامیة ص ۵۸۲۔ ذکر فی البحر کون التعمیر من غلة الواقف اذالم یکن الخراب بصنع احد الٰی قوله خربها یضمن لانه فعل بغیر اذن اھ قلت دل تعلیله ان التصرف الغیر المشروع فی الوقف یوجب الضمان۔ اور جو روپیہ تعمیر و ترمیم ضروری سے بچ جائے اس کو مصارف مذکورۂ سوال میں صرف کرنا جائز ہے۔ فی الشامیة ص ۵۸۲ والذی یبدأ من ارتفاع الوقف ای من غلة عمارته شرط الواقف اولا ثم ماهو اقرب الی العمارة واعم للمصلحة کالامام للمسجد الٰی قوله ثم السراج والبساط کذلك الٰی اخرالمصالح هذا اذالم یکن معینا فان کان الوقف معینا علی شیئی یصرف الیه بعد عمارة البناء اھ۔ اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر واقف کی تصریح مصارف کے باب میں معلوم ہو تو وہ سب سے مقدم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ثانی ص: ۹۳)

سوال (۷۲۲) ایک مقام پر دو مسجدیں ایک میں جمعہ ہوتا ہے ایک میں نہیں۔ جس میں جمعہ ہوتا ہے اس کی مرمت وغیرہ کے لیے زید نے کچھ چندہ جمع کیا ہے جو حسب ضرورت خرچ ہوا اور کچھ بچ رہا۔ اب جمعہ والی مسجد تو درست ہے مگر دوسری مسجد کی چار دیواری اور چھجے وغیرہ شکستہ ہیں تو کیا وہ چندہ جو جمعہ والی مسجد کے لئے کیا گیا تھا اس میں سے کچھ روپیہ اس مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ چندہ اہل چندہ کی ملک سے خارج [۱] نہیں ہوا اس لیے ان لوگوں سے اجازت لینا ضرور ہے البتہ جو دینے والے مجہول یا مفقود ہوں ان کے حصہ کی نسبت کی موافق دوسری مسجد میں صرف کر دینا جائز ہے۔ ۲۷ر محرم ۱۳۲۲ھ (امداد اول ص: ۷۴)

سوال (۷۲۳) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ راندیر ضلع سورت میں جو مساجد ہیں ان کی آمدنی بفضل خدا بہت اچھی ہے ان میں سے ایک مسجد کی آمدنی سالانہ پچیس ہزار روپیہ ہے اور سالانہ خرچ آٹھ دس ہزار روپیہ ہے زائد جمع ہوتا ہے اور مسجد کے لیے اور مکانات خریدے جاتے ہیں۔ اب یہ خوف ہے کہ یہ روپیہ ضائع نہ ہو جائے کیونکہ حاجت مسجد سے بہت زائد ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا اس روپیہ سے کسی دینی مدرسہ کی مدد کر سکتے ہیں وہ مدرسہ مسجد سے علیحدہ ہو ہاں وہ طلبہ

---

(۱) یہ مسئلہ ابھی منقح نہیں ہوا کہ چندہ مساجد و مدارس وغیرہ معطی کی ملک سے خارج ہو جاتا ہے یا نہیں۔ اہل علم غور فرمائیں ۱۲ تصحیح الاغلاط ص ۸

وہاں نماز کیلئے حاضر ہوتے ہیں۔مہربانی فرما کر حکم شریعت سے اطلاع دیں کہ دینی مدرسہ کی مدد اس مسجد کے مال سے درست ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔مدرسہ جنس مسجد سے نہیں اس لیے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہئے اگر اس شہر میں حاجت نہ ہو تو دوسرے شہروں کی مساجد میں صرف کریں جو زیادہ قریب ہو اس کا حق مقدم ہے اسی طرح بہ ترتیب۔ ۵ رمضان ۱۳۴۱ھ (تتمہ خامسہ ص: ۲۴۳)

## عدم صرف وقف مسجد بمدرسہ وطلبہ

سوال (۴۷۲) محاصل اوقاف مساجد شاہی میں سے ان طلبہ کا وظیفہ مقرر ہوسکتا ہے یا نہیں جو اسی مسجد کے مدرسہ میں پڑھتے ہوں یہ مدرسہ بناء مسجد کے بعد متولیان کی رائے سے جاری ہے محاصل اوقاف اس قدر اخراجات مسجد سے فاضل ہیں کہ کئی ہزار روپیہ بنک میں جمع ہیں اور اس مدرسہ اور اس مسجد کی ضروریات کی وجہ سے اس روپیہ کی کتابیں خریدنا جائز ہیں یا نہیں۔جو متولی کہ بعد بنائے مسجد عام مسلمانوں کی رائے سے مقرر ہوں وہ بانی مسجد کے حکم میں ہیں اور اس لحاظ سے ان کی نیابت کا اعتبار ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب۔اول چند مقدمات لکھتا ہوں پھر جواب لکھوں گا (مقدمۂ اولی) یہ اوقاف مسجد کے ہیں نہ مدرسہ کے لیے (مقدمۂ ثانیہ) بعد وقف کے مصرف بدلنا خود واقف کو بھی جائز نہیں (مقدمۂ ثالثہ) ایک مصرف سے استغناء کے وقت اسی مصرف کے مماثل میں صرف کرنا چاہئے جیسے مسجد مسجد مدرسہ مدرسہ ونحو ذلک (دلیل مقدمۂ اولیٰ) فی الدر المختار مع الشامی وبیان المصرف کقولهم علی مسجد کذا من اصله لتوقف صحة الوقف علیه فیقبل بالتسامح جلد ۳ ص ۶۲۶۔اور ظاہر ہے کہ صورت مسئولہ میں عنہا میں شہرت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ واقف نے مدرسہ کی جہت مقرر نہیں کی (دلیل مقدمۂ ثانیہ) فی الدر المختار مع الشامی۔ وقف ضیعة علی الفقراء وسلمها للمتولی ثم قال لوصیه اعط من غلتها فلانا کذا فلانالم یصح لخروجه عن ملکه بالتسجیل الخ ج ۳ ص ۵۷۴۔پس گو متولی حکم بانی میں ہو لیکن خود بانی بھی ایسا تصرف نہیں کرسکتا تھا (دلیل مقدمۂ ثالثہ) فی الدر المختار مع الشامی وکذا الرباط والبیر اذالم ینتفع بهما فیصرف وقف المسجد والرباط والحوض الیٰ اقرب مسجد او رباط او بیر او حوض الیه جلد ۳ ص ۵۷٤۔

اور یہ جزئیہ گو درصورت خراب ہونے مصرف اول کے ہے لیکن استغناء امر جامع ہے درمیان خراب ہونے اور فاضل رہنے رقم کے پس جب مقدمات ثلثہ دلیل سے ثابت ہوچکے۔اب جواب ظاہر

ہے کہ اس فاضل میں سے کچھ تو محفوظ رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ شاید مسجد میں مرمت وغیرہ کی ضرورت واقع ہو اور باقی کو دوسری مساجد کی ضروریات میں صرف کرنا چاہئے مدرسہ یا اس کے متعلقات کتب وغیرہ کی خرید میں صرف نہ کیا جائے۔ هذا ماظهر لی الآن ولعل الله يحدث بعد ذلك امرا۔ آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض شبہات محتملۃ الوقوع کو رفع کر دیا جائے (شبہ اولیٰ) فی الدرالمختار مع الشامی ويبدأمن غلته بعمارته ماهو اقرب لعمارته كامام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم ثم السراج والبساط كذلك إلى اخر المصالح وان لم يشترطه الواقف لثبوته اقتضاء۔ ج ۳ ص ۵۸۲۔

اس کا حل یہ ہے کہ مراد یہ ہے کہ وقف علی المسجد میں امام وغیرہ مصارف ضروریہ سے ہے اور وقف علی المدرسہ میں مدرس وغیرہ مصارف ضروریہ سے ہے اور یہ مراد نہیں کہ وقف علی المسجد میں یہ سب مصارف ہیں بلکہ دو ورق کے بعد ایک جزئی میں مصرح ہے کہ اگر مسجد کے وقف میں مدرس بھی مشروط فی الوقف ہو وہ خود مصارف لازمہ سے نہیں وہ جزئی یہ ہے قلت انما يكون المدرس من الشعائر لو مدرس المدرسة كما مراما مدرس الجامع فلا لانه لا يتعطل لغيبته بخلاف المدرسة حيث تقفل اصلا (شبہ ثانیہ) فی الدرالمختار مع الشامی ۔للواقف الرجوع فی الشروط ولو مسجلا ج ۳ ص ۵۷۵۔ اس کا حل یہ ہے کہ اس پر شامی نے کہا ہے وفیہ کلام سیاتی پھر صفحہ ۶۶۸ اس کے ایفاء میں کلام طویل کیا ہے جو نہایت شافی کافی ہے اس میں یہ عبارت بھی ہے۔

لايجوز ان يفعل الاما شرط وقت العقد اور یہ بھی ہے وما كان من شرط معتبر فالوقف فليس للواقف تغييره ولا تخصيصه بعد تقرره ولا سيما بعد الحكم الخ (شبہ ثالثہ) فی الدرالمختار مع الشامی۔ السلطان يجوز له مخالفة الشرط الٰى قوله لان اصلها لبيت المال اهـ وايده الشامی بقول ابی السعود ان اوقاف الملوك والامراء لايراعی شرطها لانها من بيت المال اوترجع اليه اهـ۔ اور ظاہر ہے غالب بھی ہے کہ یہ اوقاف بیت المال سے ہیں اس کا حل یہ ہے کہ اس کے بعد شامی نے کہا ہے قلت والمراد من عدم مراعاة شرطها ان للإمام او نائبه ان يزيد فيها و ينقص ونحو ذلك وليس المراد انه يصرفها عن الجهة المعينة الخ۔ ج: ۳ ص: ۶۴۷ و ۶۴۸۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

۲۶ رذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد ثانی ص: ۹۵)

## حل اشکالے بر عبارت رسالہ القاسم متعلقہ نیت خاص ابطال فرائض در وقف

سوال (۷۲۵) بعد سلام مسنون عرض ہے عرصہ ہوا کہ آپ کی ایک تحریر دربارۂ وقف رسالہ

القاسم میں شائع ہوئی تھی غالباً آپ نے اس میں یہ تحریر(۱) فرمایا تھا کہ اگر وقف اس نیت سے کیا جاوے کہ احکام فرائض کا وقف کے مال متروکہ میں اجراء نہ ہونے پائے تو واقف مرتکب معاصی ہوگا۔ میں ممنون ہوں گا اگر از راہ کرم مجھے آگاہ فرمائیں کہ کن ادلہ کے رُو سے آپ فرماتے ہیں لوگ معترض ہوتے ہیں کہ وقف کرنا ایک امر ثواب ہے اما وقف کرنے سے بہرصورت وارث محروم ہوجائیں گے تو ایک امر ثواب سبب ہوا ایک امر غیر مشروع کا۔ اس کا کیونکر جواب ہوگا۔ ایک اور مسئلہ ہے کہ مثلاً زید کی فقط ایک لڑکی ہے اس نے اپنی کل جائداد کو وقف علی الاولاد کردیا۔ تو اس صورت میں یقیناً زید کے اور ورثاء مثلاً زید کے عموی زاد بھائی حق وراثت سے محروم رہ جائیں زید کی ایسے وقف سے یقیناً نیت ہے کہ اس کی کل جائداد اس کی لڑکی کو ملے اس کو اپنے بھائیوں سے کسی قسم کا بغض نہیں ہے مگر فطرتی طور پر وہ یہ نہیں چاہتا کہ اس کی جائداد اس کی اولاد کے سوا دوسروں کو مل جاوے۔ تو ایسی صورت میں آیا زید گنہگار ہوگا یا نہیں۔ اگر آپ نے اپنی کسی کتاب میں پوری بحث فرمائی ہو تو اس کتاب کا حوالہ فرمایئے تاکہ میں اس کو پڑھ کر پوری کیفیت سے مطلع ہوں۔؟

الجواب۔ مخدومی السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

فی الدرالمختار کتاب الوقف و سببه ارادة محبوب النفس فی الدنیا ببر الاحباب وفی الأخرة بالثواب یعنی بالنیة من اهلها الخ فی ردالمحتار بل التقرب به موقوف علیٰ نیة القربة فهو بدونها مباح الخ ج۳ ص۵۵٤ وفی الدرالمختار لاباس بتفضیل بعض الاولاد فی المحبة لانها عمل القلب وکذا فی العطایا ان لم یقصد به الاضرار وان قصده یسویٰ الی قوله ولو وهب فی صحة کل المال للولد جاز واثم الخ ج٤ ص۷۸۵۔

ان روایات میں تصریح ہے کہ وقف ہبہ وغیرہ میں ثواب جب ہی ہوگا کہ نیت محض ثواب کی ہو گو اس سے کسی کا اضرار بھی لازم آجائے گا مگر لزوم ضرر و قصد ضرر میں فرق ہے اور جب خاص ضرر پہنچانا ہی مقصود ہو تو ثواب نہ ہوگا گو عقد کا نفاذ ہوجاوے پس اس بناء پر اگر کسی نے خاص اسی غرض سے وقف کیا کہ اس کے نزدیک احکام فرائض مضر ہیں جیسا اس زمانہ میں بہت سے نکتہ چیں شرائع پر پیدا ہوئے ہیں تو یہ مذموم ہوگا اور اگر یہ نیت نہیں تو مضائقہ نہیں گو اس سے بھی لازم یہی آجاوے۔ اسی طرح اگر کسی مصلحت سے بیٹی کو نفع پہنچانا مقصود ہے تو مضائقہ نہیں گو اس میں ابناء العم کا حرمان بھی لازم آوے گا مگر

(۱) جواب آئندہ لکھنے کے وقت میں نے اصلی عبارت کو نہ دیکھا تھا تصدیق سائل کی بناء پر جواب لکھ دیا بعد میں دیکھا تو اس میں یہ مضمون اور طرح ہے جس پہ کوئی شبہ ظاہراً بھی نہیں ہوسکتا۔ ملاحظہ ہو پرچہ القاسم بابت صفر ۱۳۳۰ھ اس پوری عبارت کو ملاحظہ فرما کر اگر کوئی شبہ ہو پیش فرمایا جاوے۔ ۱۲ منہ مدظلہم العالی۔

خاص مقصود ان کا اضرار نہ ہو۔ یکم رجب ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۴۶)

## عدم اطلاق طالب التولیۃ لا یولی ومعنیٰ قول واقف نسلاً بعد نسل

سوال (۶۲۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد اپنے مصرف خیر میں وقف کی اور اس کے انتظام صرف کے بابت واجب العرض مصدقہ بندوبست میں اور وصیت نامہ میں حسب ذیل شرائط لکھیں:۔

شرط واجب العرض مصدقہ واقف بندوبست میں۔ بالفعل میں زید اس موضع کا مہتمم ہوں میرے اختیار سے آمدنی مصرف خیر میں صرف ہورہے گی اور بعد فوت مہتمم کی اولاد سے جو شخص از قسم ذکور لئیق ہووے وہ مہتمم مقرر ہوکر نسلاً بعد نسلٍ وبطناً بعد بطنٍ آمدنی صرف کرتا رہے گا مگر کسی مہتمم کو اختیار انتقال جائداد کا نہ ہوگا۔ اگر کوئی مہتمم براہ بددیانتی یا بے ایمانی آمدنی اس کی مصرف خیر میں صرف نہ کرے تو وہ بثبوت امور مذکور لائق موقوفی متصور ہوکر سرکار کو اختیار ہے کہ جس شخص کو لائق اور مناسب خاندان سے سمجھیں مہتمم مقرر کریں۔

**شرط وصیت نامہ**۔ اقرار یہ ہے کہ میں تاحیات اپنی آمدنی وپیداوار مواضعات مذکور کو اپنے ہاتھ اور اختیار سے حسبۃً للہ صرف کرتا رہوں گا اور بعد میرے میری اولاد سے ایک شخص از قسم ذکور جو لئیق ہووے نسلاً بعد نسلٍ وبطناً بعد بطنٍ حسب دستور وطریقہ مستعملہ مجھ گنہگار کے صرف کرتا رہے مگر اختیار انتقال جائداد کا نہ ہوگا اور نہ یہ حقیت لائق توریث ہوگی۔ چنانچہ بعد وفات زید زید کا بڑا بیٹا خالد جو لائق سمجھا گیا مہتمم مقرر ہوکر بائیس برس تک منتظم رہا۔ اب سوال یہ ہے کہ بعد وفات خالد خالد کا بڑا بیٹا جو لائق ہے اور پانچ سال سے بحکم کلکٹر صاحب بہادر وجنٹ صاحب بہادر وکمشنر صاحب بہادر جائداد وقف کا کام دیانت سے دے رہا ہے وہ یا خالد کا حقیقی یا سوتیلا بھائی حسب مضمون واجب العرض ووصیت نامہ بالا ونیز شرعاً ان میں کون متولی ہونا چاہئے۔ اور مخفی نہ رہے کہ خالد کا سوتیلا بھائی خالد کے مہتمم ہونے کے وقت سے اب تک متمنی تولیت کا ہے اور خالد کی وفات کے بعد سے اب تک پانچ سال سے مقدمات استقرار حق تولیت وغیرہ دائر رکھے ہیں۔ کیا جو شخص زیادہ متمنی تولیت کا ہو وہ شرعاً متولی یا مہتمم ہوسکتا ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار طالب التولیة لا یولی الا المشروط له النظر لانه مولی فیرید التنفیذ الٰی قوله وما دام احد یصلح للتولیة من اقارب الواقف لایجعل المتولی من الاجانب لانه اشفق ومن قصده نسبة الوقف الیهم فی ردالمحتار قوله طالب التولیة الخ وهل المراد انه لا ینبغی اولا یحل استظهر فی البحر الاول تأمل قوله

الا المشروط له النظر بان قال جعلت نظر وقفي لفلان قوله ومادام احد الى قوله في جامع الفصولين لوشرط الواقف كون المتولي من اولاده واولاد هم ليس للقاضي ان يولي غيرهم بلاخيانة ولو فعل لا يصير متوليا ۔ ج۲ ص ۶۳۴ و ۶۳۵ و ۶۳۶ وفي الدرالمختار شرط لنفسه مادام حياثم لولده فلان ماعاش ثم بعده للاعف الارشد من اولاده فالهاء تنصرف لاقرب المكنيات بمقتضى الوضع في ردالمحتار قوله بمقتضى الوضع اى الاصل وهو عود الضمير الٰى اقرب مذكور اليه قلت وهذا الاصل عند الخلو عن القرائن ولذا قال في الخيرية سئل عن وقف علٰى ولده حسن وعلٰى من يحدث له من الاولاد ثم علٰى اولاد هم المذكورثم علٰى اولاده الاناث واولادهن ثم حدث للواقف ولداسمه محمد ثم مات حسن المذكور فهل الضمير في يحدث له راجع الٰى حسن لانه اقرب مذكور ام الٰى الواقف فيدخل محمد فاجاب مفتي الحنفية بمصرمولانا الشيخ حسن الشرنبلالي بانه راجع الٰى الواقف ثم قال في الخيرية ان هذا مما لايشك ذوفهم فيه اذهوالاقرب الى غرض الواقف مع صلاحية اللفظ له وقد تقررفي شروط الواقفين انه اذاكان للفظ محتملان تعين احدهما بالغرض واذا ارجعنا الضمير الٰى حسن لزم حرمان ولدالواقف لصلبه واستحقاق اولاد اولاد البنات وفيه غاية الجد ولا تمسك بكونه اقرب مذكور لما ذكرنا من المحظور وهذا لغاية ظهوره غني عن الاستدلال اھ۔ ج۳ ص۶۶۸ و ۶۶۹۔

ان میں تین مقام پر کلام ہے اور واجب العرض کی اس عبارت مہتمم کی اولاد سے جو شخص الخ اور وصیت نامہ کی اس عبارت بعد میرے میری اولاد سے الخ کا مطلب ایک ہی ہے۔ پہلی عبارت سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ واقف کی مراد مہتمم سے ہر مہتمم ہے تا کہ خالد مہتمم کو بیٹا خود واقف کے دوسرے بیٹے پر مقدم رکھا جاوے کیونکہ اس عبارت سے پہلے زید نے اپنے کو مہتمم کہا ہے پس یہاں بھی مہتمم سے مراد خود ہی ہے پس لفظ مہتمم کی اولاد اور لفظ میری اولاد دونوں مترادف ہیں۔ ثانی لفظ نسلاً بعد نسلٍ وبطناً بعد بطنٍ کے مفہوم میں جو کہ دونوں عبارتوں میں مشترک ہے گفتگو رہی کہ آیا یہ مراد ہے کہ اول کوئی شخص میری اولاد سے پھر اس کے بعد اس اولاد کی اولاد سے اگر چہ اس وقت میری اولاد میں سے بھی کوئی موجود ہو یا یہ مراد ہے کہ اول میری اولاد سے کوئی ہو اور اگر میری اولاد متعدد ہو تو جب ان میں سے کوئی نہ رہے تب اولاد کی اولاد کی نوبت آوے۔ سو اغراض واقف ومحاورات بلاشک وشبہ قرینہ ہے تعیین معنی ثانی کا اور اتباع غرض واقف کا اور اتباع قرینہ کا ضروری ہے جیسا کہ روایات بالا میں سے روایت اخیرہ میں مصرح ہے اور اگر درمختار کی عبارت فالھاء تنصرف الخ سے معنی اول کا شبہ ہو تو اسی کی عبارت بمقتضى الوضع

مع شرحها عن ردالمحتار سے اس کا ازالہ کرلیا جاوے پس بناء برتقریر مذکور صورت مسئولہ میں مستحق تولیت کا زید کا دوسرا بیٹا ہے نہ کہ زید کا پوتا۔ ثالث تمنی تولیت کا مانع ہونا مطلقاً نہیں ہے بلکہ اس سے مشروط له النظر طالب التنفیذ لذلك الشروط مستثنیٰ ہے جیسا خود درمختار میں اوپر تصریح ہے اور اس کا مشروط النظر ہونا اوپر ثابت ہو چکا لہٰذا تولیت اس کے لیے مانع نہیں ہوگی۔

۱۸ رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۷۱)

## تحقیق زوال وقف از ملک

سوال (۷۲۷) چہ میفر مایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں کہ مال موقوفہ از ملکیت واقف بر مذہب مفتی بہ زائل شود یانہ۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار وعندهما هو (ای الوقف) حبسها علٰی حکم ملك الله تعالٰی وصرف منفعتها علٰی من احب ولو غنیا فیلزم فلا یجوز له ابطاله ولا یورث عنه وعلیه الفتویٰ ابن الكمال وفیه والملك یزول عن الموقوف الخ وفیه ولایتم حتٰی یقبض ویفرز فلایجوز وقف مشاع یقسم خلافاً للثانی ویجعل اٰخره بجهة قربة لا تنقطع الٰی قوله واختلف الترجیح والاخذ بقول الثانی احوط واسهل بحروفی الدررو صدر الشریعة وبه یفتی واقره المصنف وفی ردالمحتار تحت قوله وجعله ابو یوسف كالاعتاق فلذلك لم یشترط القبض والا فراز اهـ ح ای فیلزم عنده بمجرد القول كالاعتاق بجامع اسقاط الملك قال فی الدررو الصحیح ان التابید شرط اتفاقا لكن ذكره لیس بشرط عند ابی یوسف وعند محمد لابد ان ینص علیه اهـ وصححه فی الهدایة ایضاً ج۳ ص ٥٦٤۔ ازیں عبارت ہویداست کہ مفتی بہ ہمیں است کہ وقف از ملک واقف زائل می شود کما ذہبنا الیہ خواہ بمجرد قول خواہ بہ تسلیم الی المتولی واکثر باول فتویٰ دادند لیکن شرط صحت وقف آنست کہ آخر جہت قربت غیر منقطعہ باشد۔ ۷ محرم ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۱۰۸)

## حکم اشتراط واقف باشتراء جائداد دیگر از منافع وقف

سوال (۷۲۸) وہم در وقف نامہ می نویسد کہ از محاصل جائداد اولاً در کار مسجد تصرف کنند بعد ازاں خراج جائداد موقوفہ ادا سازند وانچہ ازاں باقی ماند جائداد دیگر ازان خریدہ شود وآں ہم در مال موقوفہ داخل شود پس ایں جائداد بعد وقف در مال موقوفہ داخل میتواں شد یانہ۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار وجاز شرط الاستبدال به ارضاً اخری حینئذ

اوشرط بیعه ویشتری بثمنه ارضا اخری اذا شاء فاذا فعل صارت الثانیة کالاولیٰ فی شرائطها فی ردالمحتارویشتری بثمنه ارضا ای وان یشتری الخ ج۳ ص ۵۹۹۔

پس ہرگاہ اشتراء ارض اخری بثمن اولیٰ بعد اشتراط جائز ست پس اشتراط اشتراء ارض اخریٰ بمنفعت اولیٰ بدرجہ اولیٰ جائز باشد وارض اخری ہم وقف باشد۔ ۷ محرم ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۱۰۹)

## تفاوت درمشاہرہ متولیان کہ اولا دواقف باشند

(۷۲۹) بعدازاں متولی اول را ازمحاصلہ آں یک صدروپیہ ودیگر متولیان راسی یا چہل چہل روپیہ درماہواری می رسد پس ہم چنیں امتیاز نمودن دروقف مابین اولاد ذکور (متولیان) درمشاہرہ صحیح ست یانہ۔؟

الجواب۔ ایں تفاوت ہم جائز ست وآں مبنی ست برجواز تفاوت کہ درنمبر ۲ (۱) مذکورشد ولا مانع منه فیجوز ۔۷ محرم ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۱۰۹)

## حکم وقف نمودن کہ ازاں حرماں ورثاء ازنصیب شان لازم آید

سوال (۷۳۰) وازمال موقوفہ زوجہ ودختران رامحروم نمودن ودرعوض آں ہر یکے را دہ دہ بیگہ زمین دادن جائز است یانہ۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار عن الخانیة لا بأس بتفضیل بعض الاولاد فی المحبة لانها عمل القلب وکذا فی العطایا ان لم یقصد به الاضرار وان قصده یسوی بینهم یعطی البنت کالابن عند الثانی وعلیه الفتویٰ ولووهب فی صحته کل الولدجاز واثم فی ردالمحتار وعلیه الفتویٰ ای علیٰ قول ابی یوسف من ان التنصیف بین الذکر والانثی افضل من التثلیث الذی هو قول محمد رملی ج۳ ص ۷۸۵ وفی الدرالمختار کتاب الوصیة وندبت باقل منه ولو عند غنی ورثته اواستغنائهم بحصتهم کترکها ای کما ندب ترکها الخ فی ردالمحتار فی اٰخر الحاشیة علیٰ قوله ولو عند غنی ورثته مانصه۔

**تنبیه** ...... قال فی الحاوی القدسی من لاوارث له ولا دین علیه فالاولیٰ ان یوصی بجمیع ماله بعد التصدق بیده ج۵ ص ۶۴۰۔

ازیں روایات مستفاد شد کہ ایں تفاوت درعطایا حرمان بعض یا تنقیص نصیب بعض ہرگاہ کہ قصد

---

(۱) اس ترتیب میں یہ مسئلہ ص ... سوال نمبر ...... میں آیا ہے ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

اضرار ایشاں باشد یا موجب ضرر ایشاں باشد موجب گناہ است اگر چہ نافذ باشد واگر محذور مذکورہ نباشد مضائقہ نیست وکذلک الوقف اگر چہ تصرفات مذکورہ اسئلہ بالا ہمہ نافذ صحیح باشند کما ذکر فی الاجوبہ لاکن اگر بحیلہ دعویٰ نیت قربت ورثہ را محروم کردن منظور ست وقف مقبول نباشد۔ واللہ اعلم وانچہ سوال کردہ شدہ است کہ قواعد تصرف مال موقوف چیست وبچہ صورت صحیح گردد وبچہ صورت غیر صحیح پس انچہ سوال کردنی باشد جزئیاً سوال کردہ شود۔ ۷ محرم ۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص:۱۰۹)

## جواز خرچ آمدنی وقف متولی را بر اولاد خود اگر اولاد موافق شرط واقف باشد یا بر سیّد

سوال (۷۳۱) کسی واقف نے کوئی جائداد وقف کی اور اس کا مد مقرر کر دیا اور اس کا متولی ایک آدمی کو بنا دیا اور واقف کا انتقال ہو گیا ہے یا کسی نے مرتے وقت یہ کی کہ ہمارے بعد میرا خوارک کا کھانا روزانہ کسی مسکین کو دیا جاوے تو ایسے وقت میں متولی یا موصی الیہ اپنے عزیز میں سے جو غریب ومسکین ہے مثلاً اولاد کو دینا چاہے تو درست وجائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ اگر وہ شخص موافق شرط واقف کے ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ اگر اولاد نابالغ ہے اور باپ غنی ہے تو وہ اولاد شرعاً غنی ہے وہ مصرف اس وقف کا نہیں ہو سکتی۔

تتمہ سوال سابق۔ ایسے ہی اسی مد مذکور سے کسی سیّد کو دینا چاہے تو دے سکتا ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ دے سکتا ہے۔ فی الدرالمختار وجازت التطوعات من التطوعات وغلة الاوقاف لهم ای لبنی هاشم الخ باب المصرف۔ ۱۲ صفر ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص:۱۲۲)

## جواز خرچ قیمت اضحیہ کہ از مال وصیت کردہ شود بر اولاد متولی اگر اولاد مصرف آں باشد یا بر سیّد

سوال (۷۳۲) اس قربانی کی کھال کی قیمت جو مال وقف یا وصیت سے حسب ہدایت واقف یا موصی کیا جاتا ہے اس کی کھال کی قیمت متولی یا موصی الیہ اپنی اولاد محتاج پر خرچ کر سکتا ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ اگر وہ مصرف زکوٰۃ ہو تو درست ہے کیونکہ اس قیمت کا تصدق واجب ہے اور صدقہ واجبہ بحکم زکوٰۃ ہے۔

تتمہ سوال سابق۔ علیٰ ہذا سید کو وہ قیمت دے سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ فی ردالمحتار تحت قول الدرالمختار وجازت التطوعات الی قوله لبنی هاشم ما نصه قید بها لیخرج بقیة الواجبات الخ ج ۳ ص ۱۰۷۔ یکم صفر ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص:۱۲۲)

## عدم ثبوت وقف بغیر الفاظ خاصہ

سوال (۷۴۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں۔ زید اور عمرو دونوں باہم حقیقی بھائی ہیں ان دونوں نے ایک مسجد بنا کر اپنی ایک اراضی مشترکہ کا ماحصل مسجد کے اخراجات میں عمرو کے اہتمام سے رکھا مگر کوئی وقف نامہ تحریر نہیں کیا دیگر جائداد جو باہم زید وعمرو کی مشترک تھی تقسیم کر لی مگر یہ اراضی بدستور رکھی بعد فوت ہو جانے زید وعمرو کے بڑے بیٹے نے اپنا اہتمام رکھا اور ماحصل آمدنی اراضی مذکور سے مسجد کا کام چلاتا رہا اس وقت تک یہ زید کی اولاد ذکور نے اور نہ عمرو کی دیگر اولاد نے بڑے بھائی سے کچھ تعارض کیا حالانکہ ایک مہاجن نے اپنی ڈگری اولاد زید پر اجرا کرا کے یہ اراضی قرق کرالی تھی عمرو کے بڑے بیٹے کے صرف اس عذر سے کہ اس اراضی کا ماحصل ہمیشہ مسجد میں صرف ہوتا رہا ہے عدالت نے واگزاشت کر دی حالانکہ کاغذات سرکار میں بھی مشترکہ لکھی چلی آتی ہے اولاد عمرو میں بھی باہم کل جائداد تقسیم ہوگئی مگر یہ اراضی بدستور مشترکہ قائم رکھی اب اگر پوتے عمرو کے اور اولاد اناث زید کی اپنا اپنا حصہ طلب کریں تو تقسیم یہ اراضی ہو سکتی ہے یا نہیں یا موقوفہ تعامل بالا سے سمجھی جاوے گی عند الشرع جو حکم ہو تحریر فرمائیے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ اثبات وقف کے لیے جو الفاظ خاصہ فقہاء نے لکھے ہیں چونکہ ان الفاظ میں سے کوئی لفظ زید اور عمرو نے نہیں کہا اس لیے بعض مسجد میں صرف کرتے رہنے سے وقف ہونا ثابت نہ ہوگا اور اس میں میراث جاری ہوگی ہر وارث کو اپنا حصہ لینے کا استحقاق ہے جواب میں نے قواعد سے دیا ہے بہتر ہے کہ دیوبند وغیرہ سے بھی تحقیق کر لیا جاوے۔ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص: ۱۳۱)

## عدم جواز منافع زائد علی العقد مر متولی را

سوال (۷۴۴) اراضی موقوفہ کا ماحصل از روئے پٹہ جو آتا ہے وہ تو متولی یا کارندہ اس کے مصرف میں صرف کر دیتا ہے مگر دیگر حقوق اپنے اس اراضی کی جہت سے کاشتکار سے مقرر کر کے اپنا حق المحنت سمجھ کر اپنے صرف میں وصول کر کے لاتا ہے اور کاشتکار بخوشی دے جاتا ہے جائز ہے یا نہیں۔؟

اور بروقت اٹھانے اراضی موقوفہ کے کاشتکار سے بھینٹ جس کو نذرانہ کہتے ہیں کبھی یہ پہلے سے قرار دیکر لیتا ہے اور کبھی پٹہ دینے کے وقت کاشتکار بخوشی خود دیتا ہے یہ رقم متولی یا کارندہ اپنے صرف میں لا سکتا ہے یا نہیں بجز ان مدات کے اراضی موقوفہ مذکور کے بعوض اہتمام کچھ نہیں لیتا۔؟

الجواب۔ یہ سب حقوق وابواب اصل اجرت کے ساتھ ملحق ہو کر منافع وقف میں شامل ہوں گے اور متولی کو اس میں سے کچھ لینا ایسا ہے جیسا اصل اجرت میں سے لینا جہاں وہ جائز ہے یہ بھی

جائز ہے ورنہ نہیں۔

یہ بھی بتاویل الحاق بالعقد کے جائز ہوسکتا ہے پس اس کا حکم بھی مثل نمبر ا کے ہے اور اگر اصل عقد کے ساتھ ان حقوق اور نذرانہ کو ملحق نہ کیا جاوے تو بوجہ رشوت ہونے کے خود ان کا مقرر کرنا ہی ناجائز ہوگا۔ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص: ۱۳۲)

## وقف شدن بناء تبعاً للارض وتابع شدنش در جمیع احکام

سوال (۷۳۵) عالمگیری وغیرہ میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ بغیر ذکر کیے تبعاً وقف میں بناء یعنی مکانات اوراشجار داخل وقف ہوجاتے ہیں الفاظ یہ ہیں یدخل فیه البناء والنخیل والاشجار۔ اب صورت سوال یہ ہے کہ ایک شخص نے زمینداری خرید کی اور اپنے ایک حصہ اراضی میں (جس میں زراعت کرتا تھا اور وہ اراضی اسی خرید شدہ زمینداری کی ہے) زمیندار نے اپنا مکان مسکونہ اور اپنی اولاد کے لیے مکانات بغرض سکونت تعمیر کرایا اور ہر ایک اپنے مکانات میں رہنے لگے بعد تعمیر مکانات عرصہ کے بعد ایک وقف نامہ لکھا اور کل حصہ زمینداری کو وقف کردیا اور الفاظ وقف کے یہ ہیں کل حصہ جائداد کا وقف کردیا جب کل حصہ جس کا مالک تھا وقف کردیا تو اب وہ اراضی اور وہ مکانات جو کہ بغرض سکونت تعمیر کرایا تھا سب کے سب شرعاً وقف ہوگئے جیسا کہ مسئلہ عالمگیری میں موجود ہے اگرچہ مکانات کا کچھ ذکر وقف نامہ میں نہیں کیا مگر تبعاً سب داخل وقف ہوگئے اب انتقال واقف کے بعد مکان مسکونہ خود واقف کا متولی کو ملے گا یا ورثہ تقسیم کریں گے اور مکانات مسکونہ جو اپنی اولاد کے لیے تعمیر کرائے تھے وقف کرنے سے قبل چونکہ یہ سب مکانات بھی داخل وقف ہوگئے تو اب متولی کیا ان سب مکانات پر تنہا قبضہ کرے گا یا ورثہ بوجہ متروکہ کے تقسیم کریں گے اور ورثہ کو ان سب میں ترکہ ملے تو بناء سے کیا مراد ہے کون سے مکانات وقف میں داخل ہوجاتے ہیں اور اگر کل مکانات وقف ہوگئے تو تنہا متولی قبضہ کرے گا اور سب کو مکانات مسکونہ سے علیحدہ کرنے کا شرعاً اختیار ہوگا یا نہیں اگر اختیار نہیں تو متولیان کو اختیارات ان سب مکانات میں کس قسم کے ہوں گے اور مکان مسکونہ خود واقف کا کس کو ملے گا ورثہ کو یا متولی کو آں حضور اس مسئلہ کے متعلق جو تحقیق ہو تحریر فرما کر سرفراز فرماویں یہ سب مکانات مسکونہ وقف کرنے سے قبل کے تعمیر کیے ہوئے ہیں چونکہ واقف کی ملکیت کے سب مکانات ہیں اور وقف نامہ میں علیحدہ نہ کیا اس لیے بغیر ذکر کیے وقف میں داخل ہوگئے اور اسی وجہ سے تحقیق کی ضرورت ہوئی کہ کیا معاملہ ورثہ سے کیا جاوے۔؟

الجواب۔ روایت مذکورہ سوال کا صریح مقتضاء ہے کہ صورت مسئولہ میں یہ سب مکانات وقف ہوگئے البتہ اگر ان کا استثناء ہوتا تو وقف نہ ہوتے لیکن اب وقف ہونے میں کوئی تردد نہیں اور جب تبعاً

للارض وقف ہیں تو شرائط مصارف میں بھی ارض کے تابع ہیں مثلاً ارض موقوفہ کے منافع اگر کسی مدرسہ یا مسجد یا مساکین وغیرہم کے متعلق ہوں تو ان مکانات کو بھی کرایہ پر دیکر ان کی آمدنی ان ہی مصارف میں صرف کی جاوے گی البتہ اگر متولی کے پاس کوئی مستقل مکان کافی نہ ہو اور کرایہ دینے کے لئے گنجائش نہ ہو تو بحیثیت تولیت اپنی متوسط آسائش کے قدر کسی قطعہ سے منتفع ہو سکتا ہے۔

۱۹ رجب ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص: ۱۵۴)

## حکم درختان نصب کردۂ عامۂ در قبرستان

سوال (۷۳۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ مندرجۂ ذیل میں:۔

(۱) عام قبرستان میں اگر کسی نے درخت پھلدار لگائے تو اس درخت کا پھل ولکڑی وہ شخص اپنے مصرف میں لانے کا مستحق ہے یا نہیں اور اس درخت کا مالک ہے یا نہیں۔؟

(۲) بلا اجازت غارس کے عام مسلمانان اس درخت کی لکڑی کسی میت کے تختہ میں دے سکتے ہیں یا نہیں۔؟

(۳) اگر وہ درخت غارس کا نہیں ہے تو اس کا پھل ولکڑی خود غارس و نیز عام مسلمانان کو کھانا وبیچنا درست ہے یا نہیں۔؟

(۴) ان درختوں کی قیمت سے مسجد کی مرمت ہو سکتی ہے یا نہیں یا صرف قبرستان ہی پر صرف کیا جاوے۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب عن الکل۔ اگر اس نے بہ نیت وقف لگائے ہیں تو اس وقف کا جو مصرف ہے وہی ان درختوں کا مصرف ہے اور اگر بہ نیت اپنے مالک ہونے کے لگائے ہیں تو خود اس کی ملک ہیں دوسروں کو ان سے منتفع ہونا بلا اس کے اذن کے جائز نہیں البتہ متولی قبرستان کو یا عام مسلمانوں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس شخص کو مجبور کریں کہ وہ ان درختوں کو اکھاڑ لے اور زمین قبرستان کو خالی کردے۔ اس تقریر سے سب سوالوں کا جواب ہو گیا۔ ۱۷ شوال ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص: ۱۷۵)

## حکم مساجد ومقابر منہدمہ

سوال (۷۳۸) (استفتاء) پرانی دہلی میں بہت سی مساجد قدیمہ ایسی ہیں جو گردش زمانہ سے بالکل ویران ہو گئی ہیں اور قطعی طور پر غیر آباد ہیں ان میں سے اکثر پر لوگوں نے مالکانہ تصرف کر لیا ہے اور ان میں یا تو رہائش اختیار کر لی ہے یا مویشی باندھتے ہیں یا ان کا چارہ از قسم بھوسہ وغیرہ رکھتے ہیں۔ بعض ایسی بھی ہیں کہ جو بالکل خالی ہیں اور ان کو وہ لوگ جنھوں نے کہ اس زمین کو جہاں کہ وہ واقع ہیں خرید کیا ہے یا ترکہ میں پایا ہے اپنی ملکیت گردانتے ہیں پس علمائے دین متین سے یہ سوالات ہیں:۔

(الف ۱) آیا کہ مسجد کسی وقت میں کسی کی ملکیت ہو سکتی ہے یا نہیں اور اس کو کوئی شخص اپنی ملکیت بنا کر فروخت کر سکتا ہے یا نہیں۔؟

(الف ۲) اگر کوئی شخص کسی مسجد پر مالکانہ تصرف رکھتا ہو آیا یہ امر ضروری ہے یا نہیں کہ اس کے قبضۂ تصرف سے وہ مسجد نکال لی جاوے اور اس کو بطور مسجد رکھا جاوے۔؟

(ب) پرانی دہلی میں مقبرے قدیمہ بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں اور ان میں سے اکثر کی یہی کیفیت ہے کہ جو مذکورہ بالا مساجد کی، ان مقبروں کے بارے میں کیا حکم ہے بینوا توجروا۔

الجواب۔(الف ا) في الدرالمختار ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني ابداً الٰى قيام الساعة وبه يفتي حاوى القدسي في ردالمحتار قوله ولو خرب ماحوله الخ اى ولو مع بقائه عامراً وكذا لو خرب ليس له ما يعمربه وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد اٰخر قوله عند الإمام والثاني فلا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله الٰى مسجد اٰخر سواء كانوا يصلون فيه اولا وهو الفتوىٰ حاوى القدسي واكثر المشائخ عليه مجتبى وهو الاوجه فتح اهـ بحر ج ۳ ص ۵۷۳۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مسجد کسی وقت کسی کی ملک نہیں ہو سکتی اور اس کو کوئی شخص اپنی ملک بنا کر فروخت نہیں کر سکتا۔

(الف ۲) یہ نکال لینا ایک فرد ہے ازالہ منکر کی سو اس کا مدار قدرت پر ہے اگر کسی کو اس پر قدرت ہو تو اس پر واجب ہے اور اگر قدرت نہ ہو تو دل سے ناگواری اور عمل میں صبر کافی ہے۔ وهــذا ظاهر من القواعد الشرعية (ب) في الدرالمختار بعد العبارة المارة في (الف) وكذا الرباط والبير اذالم ينتفع بهما اهـ قلت قوله وكذا اى مثل المسجد في الحكم اى عدم عوده الٰى ملك احد و يتفرع عليه الحكم المذكور في (الف ۲) اس سے ثابت ہوا کہ ان مقبروں کا بھی وہی حکم ہے جو مساجد کا مذکور ہوا۔ الف ۲ میں بھی۔ یکم ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۱۷۹)

## بطلان رہن وقف وعدم حرمت در بنائیکہ از رقم قرضہ مشروط بہ ربوا ساختہ شدہ

سوال (۷۳۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک مسجد کے متعلق کچھ دوکانیں ہیں ان دوکانوں کو رہن رکھ کر سود پر روپیہ لیا اور اس روپیہ سے اول ٹین کا سائبان بنایا لیکن وہ سائبان بوجہ چند وجوہ کے ناکارہ رہا پھر کچھ دنوں بعد وہ چھپر فروخت کر کے اس کی قیمت سے سقاوہ اور فرش تیار کرایا حالانکہ ہنوز دوکانیں رہن ہیں اور جو روپیہ لیا گیا تھا اس پر برابر سود چڑھ رہا ہے تو اس سقاوہ سے پانی لیکر وضو کر سکتے ہیں یا نہیں اور اس فرش پر جس میں سود کا روپیہ لگا ہے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں۔ وہ چھپر

نصف قیمت پر فروخت ہوا ہے۔؟

الجواب۔ وقف کا رہن باطل ہے اس لیے یہ رہن کالعدم ہے اور جو روپیہ قرض لیا ہے وہ لینے والے کے ذمہ ہے جس طرح اپنے نام سے لیتا ہے اور اگر اپنے نام سے روپیہ لیکر سقاوہ یا فرش تیار کرایا جاتا ہے گو اس رقم میں سود بھی دینا پڑے تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہ تھا سود دینے سے قرضہ کی رقم حرام نہیں ہوتی۔ ۱۸ر ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۱۸۸)

## عدم جواز استعارہ پارہ ہائے قرآن در مجالس سوم مروج ہرگاہ واقف نیت نفی آں نمودہ

سوال (۴۴۰۷) ایک قرآن شریف کے تیسوں پارے علیحدہ علیحدہ جلد کرا کر زید نے وقف کر دیا واسطے ایصال ثواب کے بطریقہ سنت کے کہ کسی صاحب کے یہاں حادثہ موت کا ہو گیا تو قرآن شریف پڑھوا دیا جس میں سویم و بدعت نہ ہو بغیر قیود دن ونخود والا یچی دانہ و پنج آیہ شریفہ یعنی اگر فرصت ہوئی تو دن موت کے بھی یا اس کی تجہیز وتکفین کے بعد یا اگلے روز۔ اب چونکہ اہل بطالت و بدعت کا خیال ہوتا ہے کہ قرآن شریف مذکورہ کو سویم وغیرہ میں لے جاویں اور وقف کنندہ و اکثر مردمان کا خیال ہے کہ نہ دیں تا کہ بدعت کے کاموں کی ہمارے وقفی قرآن پاک سے تلاوت نہ ہو تو یہ دینا اچھا ہے یا نہ دینا اچھا ہے اگر چہ زید تلاوت قرآن شریف کو باعث اجر عظیم جانتا ہے۔؟

الجواب۔ تلاوت قرآن تو فی نفسہ طاعت ہی ہے عوارض سے اس میں کراہت آ جاتی ہے اس لیے دینے میں مضائقہ نہیں بشرطیکہ وقف کنندہ کی نیت کے خلاف نہ ہو۔

۱۸ر ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۱۸۸)

## حکم ثمار اشجار مغروسہ در ارض مسجد

سوال (۴۴۱۷) مسجد میں اکثر ادھر کوئی درخت پھلدار لگا دیتے ہیں جو صحن مسجد میں رہتا ہے یا کسی دوسری طرف جہاں نماز کبھی بھی نہیں ہوتی ہے تو اس پھل کا کھانا تمام مصلی کو اور اہل بستی کو جائز ہوگا یا نہیں اور اگر کل پھل کو فروخت کر کے تعمیر مسجد میں لگایا جائے تو کیا حرج اگر چہ ایک ہی آدمی درخت لگاتا ہے لیکن چونکہ مسجد میں ہے اس وجہ سے تمام لوگ حصہ دار بنتے ہیں کیونکہ مسجد کسی خاص شخص کی نہیں ہوتی اس لیے اہل محلہ بانٹ کر کھاتے ہیں۔؟

الجواب۔ غارس سے پوچھنا چاہئے کہ کس نیت سے لگایا ہے اگر اپنے لیے لگایا ہے تو بدون اس کے اذن کے کسی کو کھانا درست نہیں اور اگر وقف للمسلمین کے لئے لگایا ہے تو سب کو کھانا جائز ہے اور اگر وقف للمسجد کیلئے لگایا ہے تو پھر اس کو فروخت کر کے مسجد ہی میں صرف کرنا واجب ہے اور درصورت نیت

نفع نفسہ یا نفع للمسلمین متولی مسجد کو اختیار ہے جب چاہے اکھاڑ ڈالے۔فقط ۹رذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص:۱۹۹)

## مسجد کی زمین کے پھلوں کا حکم

سوال (۷۴۲) مسجد کی زمین میں کچھ میوہ جات کے درخت ہیں جن کے پھل مسجد کے نمازیوں کو تقسیم کر دیئے جاتے ہیں تو یہ تقسیم کر دینا جائز ہے یا نہیں یا فروخت کر کے مسجد کے اخراجات میں صرف کرنا ضروری ہے۔فقط

الجواب۔اگر درخت لگانے والے کی نیت معلوم ہو تو اس کے موافق حکم ہوگا اور اگر کچھ معلوم نہ ہو بوجہ عرف کے نمازیوں کو تقسیم کر دینا درست ہے۔ ۵ر رجب ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص:۱۳۱)

## ساختن سائن بورڈ از رقم مدرسہ

سوال (۷۴۳) دروازہ مدرسہ اسلامیہ سنبھل پر ایک تختہ پر مدرسہ کا نام لکھ کر لگایا گیا ہے وہ سڑک ریل پر واقع ہے۔تختہ اس واسطے لگایا گیا ہے کہ ہر شخص اس کو سمجھ لے کہ یہاں مدرسہ ہے شاید کچھ نفع ہو بعض صاحبان کی یہ رائے ہے کہ یہ کام مدرسہ کا نہیں ہے اس واسطے اس کی قیمت مدرسہ کی آمدنی سے دینا جائز نہیں ہیں جناب والا کا کیا ارشاد ہے؟

الجواب۔فقہاء نے ایک قاعدہ لکھا ہے کہ مسجد کا نقش و نگار مال وقف سے جائز نہیں لیکن استحکام جائز ہے پس اسی نظیر پر صورت مسئولہ کا حکم یہ ہے کہ اگر اس تختہ کی تعلیق سے مدرسہ کو کوئی بین نفع ہو تو مال مدرسہ کا لگانا اس میں جائز ہے اور اگر کوئی معتد بہ مصلحت نہیں ہے محض احتمال ہی کا درجہ ہے تو اپنے پاس سے اس کے دام دینا چاہئے۔۹ر ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ (حوادث اوّل وثانی ص:۱۸)

## گورنمنٹ کا مسجد کے لیے زمین دینا یا ہدم سرکار مسجد بضرورت و تعمیر مسجد دیگر

سوال (۷۴۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد بازار میں تھی جب سرکار وقت کو ترتیب جدید اس بازار کی منظور ہوئی بازاری مسلمانوں کو رضامند کر کے وہ مسجد منہدم کرادی اور اس کا ہرجہ یعنی قیمت اثاثہ و زمین مسلمانوں کو دی کہ بعوض اس کے دوسری مسجد بنوالیں۔مسلمانوں نے کہا کہ اگر ہم اپنے اہتمام سے بنوائینگے تو روپیہ تلف ہو جائے گا سرکار اپنے انتظام سے بنوادے سرکار نے موافق اجازت اور مرضی مسلمانوں کے باہتمام رئیس مسلمانان وہ مسجد اس روپیہ سے بنوادی اور رئیس مذکور نے بھی اپنے پاس سے کچھ روپیہ اس میں شامل کیا۔بعد تیار ہو جانے کے سرکار کو اس سے کچھ تعلق نہ رہا بالکل قبضہ و دخل واہتمام مسلمانوں میں آ گئی جیسے کہ اور

مساجد ہیں اور نماز جماعت بھی اس میں بکثرت تمام ہوتی ہے اور مسجدوں سے بہت زائد بلکہ مغرب کے وقت گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اب یہ مسجد شرعاً مسجد صحیح ہے یا غیر صحیح اور نماز اس میں جائز ہے یا نہیں اور ثواب مثل اور مساجد صحیحہ کے ہوگا یا نہیں اور بباعث اس کے کہ روپیہ ہرجہ کا سرکار انگریزی نے دیکر وہ مسجد باہتمام اپنے گو بکارکنی رئیس مسلم ہو تیار کرائی ہے مسجدیت میں کچھ نقصان آئے گا یا نہیں۔؟

الجواب۔ شرعاً بالکل صحیح ہے اور سہل توجیہ اس کی یہ ہے کہ وقت بناء وہ محض ایک مکان تھا لیکن بعد بناء جب مسلمانوں کو دیدیا اور مسلمانوں نے اس کو عملاً وقف کردیا وقف ہوکر مسجد تام ہوگئی اور دوسری توجیہات بھی ممکن ہیں مگر یہ سب سے سہل اور واضح ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۳ ر جمادی الاولی ۱۳۲۳ھ (حوادث اول ص: ۷۳)

## ہدم سرکار مسجدے را بضرورت وتعمیر مسجدے دیگر بعوض آں

سوال (۷۴۵) ایک مسجد سرکار انگریزی نے بمشورہ ورضامندی عوام مسلمانان بازاریوں کے نہ خواص شہر کے بضرورت تعمیر دکانات کے منہدم کرادی اور اس کے ہرجہ کا روپیہ بلکہ کچھ زیادہ اپنے پاس سے مسلمانوں کو کہ بعوض اس کے دوسری مسجد تعمیر کرالیں مسلمانوں نے کہا۔ کہ ہمارے یہاں کے لوگ روپیہ تلف کرڈالیں گے سرکار ہی خود اپنے اہتمام سے تعمیر کرادے اور بعض مسلمانوں نے بھی کچھ روپیہ اپنے پاس سے بطور چندہ شامل کیا سرکار نے بعوض اس مسجد منہدمہ کے دوسری مسجد دوسرے مقام پر اس روپیہ سے بایماء عوام مسلمانان تعمیر کرادی اور اپنا تعلق بالکل اس مسجد سے قطع کردیا اور مثل مسجد سابق منہدمہ کے مسلمانوں کو اس مسجد میں قبض ودخل وتصرف حاصل ہوگیا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ وہ مسجد شرعاً بحکم مسجد ہے یا نہیں اور نماز اس میں جائز ہے یا نہیں اور نماز اگر جائز ہے تو بکراہت جائز ہے یا بلاکراہت۔ اس میں نماز پڑھنے والے کو ثواب مسجد کامل کا ملے گا یا نہیں اور مسجد منہدمہ کا اثاثہ اور سامان بالائی اور زمین کا عوض مسلمانوں کو سرکار وقت غیر اہل اسلام یا اہل اسلام یا کسی اور شخص سے جو ظلماً مرتکب اس فعل قبیح کا ہو بجبر یا بلاجبر لینا درست ہے۔؟

الجواب۔ یہ جزئی نظر سے نہیں گزری اس لیے اس کی ایک نظیر یا کلی نقل کرتا ہوں۔ فی الدرالمختار متی ثبت بطریق شرعی وقفية مكان وجب نقض البيع في ردالمحتار لوهدم المشترى البناء ان شاء القاضي ضمن البائع قيمة البناء فينفذ بيعه او ضمن المشترى ولا ينفذ البيع ويملك المشترى البناء بالضمان ويكون الضمان للواقف لاللموقوف عليهم اهـ والمراد بالبناء نقضه وهذا اذالم تمكن اعادته والا امر باعادته كما سنذكره في الغصب جلد ثالث ص: ٦٥٦ و ٦٥٧. في الدرالمختار في احكام الا ستبدال ويشترى بثمنه ارضا اخرى اذا شاء فاذا فعل صارت الثانية

کالاولٰی فی شرائطھا وان لم یذکرھا اھ۔ جلد مذکور ص ۵۹۹ و ص ۶۰۰۔

اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ ہادم مسجد سے اولاً مطالبہ ہوگا کہ اسی کا اعادہ بعینہ کرے اور جہاں یہ قدرت نہ ہوتو اس سے ضمان لیا جائے گا خواہ قیمت ملے یا دوسری تعمیر وہ سب ضمان ہے اور ضمان بدل ہوتا ہے مضمون کا اور بدل کا حکم مثل مبدل منہ کے ہوتا ہے لہٰذا یہ دوسری مسجد من کل الوجوہ مسجد ہوگی اور نماز اس میں بلا کراہت جائز ہے اور ثواب بھی اس میں کامل ملے گا اور مسجد اول منہدم کا تخمینہ ضمان جس قدر ہوتا ہے اگر دوسری مسجد میں ہادم کا اس قدر صرف نہیں ہوا تو بقدر تکمیل کمی کے ہادم سے ضمان کا مطالبہ باقی ہے خواہ اثاثہ وسامان سے پورا کرے یا نقد اس سے لیا جاوے اور اگر بقدر تخمینہ ضمان صرف ہوگیا ہے تو اب سامان کا مطالبہ جبراً نہیں پہنچتا ہے اگر بخوشی درخواست کرنے سے مل جائے تو مضائقہ نہیں اور باقی جو کافر ابتداءً مسلمین کے لیے مسجد بنائے وہ مسجد نہیں ہے۔

**کمافی باب وصیة الذمی من الهدایة ومنها اذا اوصی بما یکون قربة فی حقنا ولا یکون قربة فی معتقدهم کما اذا اوصی بالحج اوبان یبنی مسجدا للمسلمین اوبان یسرج فی مساجد المسلمین وهذه الوصیة باطلة بالاجماع اعتباراً لاعتقادهم اهـ.**

اگر کہیں اس کے خلاف تصریح مل جائے تو صریح مقدم ہے مستنبط پر۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

۲ رذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد ثانی ص:۹۷)

اسی قسم کا ایک سوال باب الوقف پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے۔ (امداد ثانی ص ۹۷)

## عدم صلاحیت حاکم غیر مسلم برائے تصرف در وقف

سوال (۶۴۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص اپنے بعد کوئی وقف جائداد بغرض نذر ونیاز وخیرات وغیرہ وصیتاً چھوڑ جائے تو اس میں انتظامی طور پر اس وقت کی گورنمنٹ اگر کوئی قانونی کاروائی سے دست انداز ہوتو کس حد تک درست ہوسکتا ہے یا اگر متولی یا سجادہ خانقاہ وغیرہ اس میں بیجا تصرف کریں تو کس شخص کو دعویٰ کرنے کا حق حاصل ہوسکتا ہے اور کن کن شرائط کیساتھ بینوا توجروا۔

الجواب۔ اگر واقف نے خود کسی کو متولی مقرر کیا ہے اور وہ تولیت کا اہل بھی ہے تو اس کے ہوتے ہوئے بلکہ اس کے وصی کے ہوتے ہوئے بھی کسی کو وقف میں تصرف کرنے کا اختیار حاصل نہیں۔ حتیٰ کہ قاضی یعنی حاکم شرعی بھی اس سے مؤخر ہے۔

**وفی الفتوی الصغری الرای للواقف لاللقاضی فان کان الواقف میتا فوصیه اولٰی من القاضی فان لم یکن اوصی فالرای للقاضی اهـ بحر ومفاده انه لا یملك**

التصرف فی الوقف مع وجود المتولی الیٰ قوله فافا دان ولایة القاضی متاخرة من المشروط له ووصیه اھ ردالمحتار ج۳ ص ۶۳۵۔

اور اگر اس واقف کا یا اس کے وصی کا مقرر کیا ہوا کوئی متولی نہیں ہے تو اس وقت قاضی یعنی حاکم شرعی کو کوئی متولی مقرر کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔ فی الدرالمختار کتاب الوقف ولایة نصب القیم الیٰ الواقف ثم لوصیه ثم للقاضی اھ مختصراً اور قاضی کے شرائط میں ایک شرط اس کا مسلم ہونا بھی ہے کما فی الدرالمختار واھله اھل الشھادة وفی ردالمحتار وحاصله ان شروط الشھادة من الإسلام والعقل والبلوغ والحریة وعدم العمی والحد فی قذف شروط لصحة تولیة ولصحة حکمه بعدھا ج ٤ ص ٤٦٢ و ٤٦٣ اور اگر حاکم مسلم موجود نہ ہو تو پھر عامہ ثقات مسلمین کو متولی منتخب کرنے کا حق شرعاً حاصل ہے۔

فی ردالمحتار ثم عن التتارخانیه ماحاصله ان اھل المسجد لو اتفقوا علیٰ نصب رجل متولیاً لمصالح المسجد فعند المتقدمین یصح ولکن الافضل کونه باذن القاضی ثم اتفق المتاخرون ان الافضل ان لایعلموا القاضی فی زماننا لما عرف من طمع القضاة فی اموال الاوقات الخ ج۳ ص ۶۳۳ قلت فلما جاز نصب المسلمین متولیا مع وجود القاضی لبعض العوارض فکیف مع عدم القاضی۔ اور اگر متولی میں خیانت ثابت ہو خواہ وہ واقف کا مقرر کیا ہوا یا قاضی کا یا عامہ مسلمین کا اس کو معزول کر دینا واجب ہے اور اور یہ حق معزول کر دینے کا بھی اصل میں قاضی کو ہے۔ فی الدرالمختار وینزع وجوبا لو الواقف فغیره بالاولیٰ غیر مامون اوعاجزا اظھربه فسق الخ مختصراً فی ردالمحتار مقتضاه اثم القاضی بترکه الخ ج۳ ص ۵۹۴۔

اور اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عامہ مسلمین بجائے قاضی کے ہیں اس لیے اگر قاضی نہ ہو تو عامہ مسلمین کو یہ حق معزول کرنے کا حاصل ہے لیکن اگر عامہ مسلمین بذات خود اپنے اس اختیار شرعی کو نافذ کرنے پر قانوناً قادر نہ ہوں تو ان پر لازم ہے کہ حکام وقت سے استعانت کریں اور ان سے درخواست کر کے متولی صالح کو مقرر کرا کر وقف کے انتظام کی اصلاح کریں پس یہ متولی صالح شرعاً مسلمین کی طرف سے ہوگا۔ اور قانوناً حکام وقت کی طرف سے ہوگا۔ قیاساً لھذه الاستعانة علی الاستعانة بالمتولی غیر المسلم کما فی ردالمحتار و شرط للصحة بلوغه وعقله لاحریته واسلامه کما فی الاسعاف الخ ج۳ ص ۵۹۵ واللہ اعلم۔

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ (حوادث اول وثانی ص: ۱۳۵)

## تحقیق احکام وقف بر مملوکیت یا موقوفیت جاگیر

سوال (۷۴۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس کے واقعات یہ ہیں حضرت غلام قاسم صاحب قادری کو زمانہ سجادگی میں سرکار سے ایک جاگیر عطاء ہوئی اس کی سند دیکھنے سے معلوم ہوتا کہ معطی کی غرض اعطاء جاگیر سے مقبرہ کے عود وگل وغیرہ کے مصارف ہیں نہ معطی لہ یعنی غلام قاسم صاحب کے ذاتی مصارف۔ اس سے معلوم ہوا کہ عطاء جاگیر بطور تملیک نہیں ہے بلکہ محض بطور اعانت علی الخذمت بلا تملیک ہے پھر یہ جاگیر مع سجادگی و جملہ اوقاف میرے والد کی طرف منتقل وتفویض ہوئی ایک زمانہ میرے والد جاگیر وغیرہ پر قابض رہے میں ابھی حمل میں ہی تھا کہ میرے والد اس عالم سے چل بسے اپنے انتقال کے پہلے حاضرین کے سامنے اپنے علاتی بھائی مسمی سید محمد مرتضیٰ صاحب کو وصیت فرمائی کہ اگر میرے گھر لڑکا ہو تو یہ جاگیر مع سجادگی و جملہ اوقاف اس نومولود بچہ کو تفویض کرنا۔ تو میرے علاتی چچا سید محمد مرتضیٰ صاحب نے اس وصیت کو قبول فرمایا۔ خدا کی شان جب میں پیدا ہو تو چچا صاحب نے خیال فرمایا کہ جو کچھ غیب سے ملا ہے وہ اوگلنا پڑے گا اس لیے اپنی ذاتی وجاہت سے صغر سنی میں میری حکام وقت کا دھوکہ دیکر اپنے اور اپنے فرزندوں کے نام جاگیر مذکور کی جدید سند کرالی صرف سجادگی بعد سن شعور واپس کی۔ اب دریافت طلب یہ مسئلہ ہے کہ کیا وصی کو وصیت میں خلاف منشاء موصی اسی طرح تغیر کر کے کچھ وصیت پورا کرنا یعنی سجادگی مجھ کو دینا اور کچھ وصیت کو طاق نسیاں پر رکھنا یعنی جاگیر وغیرہ کو آں جناب کا ہضم کر لینا باوجود موصی لہ یعنی میرے مطالبہ کے مجھ کو نہ دینا از روئے شرع شریف جائز ہے؟ اور حکام وقت کا دھوکا کھا کر سید محمد مرتضیٰ صاحب کے نام جدید سند کر دینا کیا قابل اعتبار ہے؟ اور یہ اعطاء جدید لمن کتب اسمه فی الدیوان کا کیا مصداق ہو سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔ اس کا جواب مع روایت فقہی سرفراز ہو۔؟

الجواب۔ معطی کی اگر وہ ملک تھی تو اس میں کارکن وغیرہ مقرر کرنے کا حق اسی کو حاصل ہے البتہ اگر معطی نے اس معطی لہ کو اس کا بھی اختیار دیدیا تھا یا اختیار تو نہ دیا تھا مگر اس کے اس فعل کو جائز رکھا تو یہ تصرف معطی لہ کا صحیح ہوگا لیکن مالک کے حق میں یہ لازم نہیں ہوا یعنی معطی مالک اسے بدل بھی سکتا ہے پس معطی کو اختیار ہے خواہ موصیٰ لہ کو انتظام سپرد کر دے خواہ قابض کو اور خواہ کسی تیسرے کو اور خواہ جاگیری کو انتزاع کر لے اور اگر یہ جاگیر بطور وقف کے دی ہے اور معطی لہ متولی ہے تو متولی کو متولی ہونے کی حیثیت سے دوسرے شخص کو متولی مقرر کرنے کا اختیار شرعاً حاصل نہیں ہوتا بلکہ اولاً واقف کو اور اس کے بعد اس کے وصی کو۔ اور وہ نہ ہو تو حاکم کو اختیار ہوتا ہے۔ البتہ اگر متولی کو واقف نے یہ بھی اختیار دیا تھا کہ کسی کو متولی مقرر کرے تو اس وقت اس کا یہ فعل بھی جائز ہوگا لیکن اس صورت میں تبدیل وعزل کا

واقف کو اختیار حاصل ہوگا۔ پس صورت مسئولہ میں معطی واقف ہے تو اب مدار تولیت کا وصیت متولی پر نہ رہے گا واقف یا وصی واقف کو اختیار ہوگا خواہ قابض کو رکھے خواہ موصیٰ لہ کو۔ پس مدار اس کے اختیار پر ہوگا۔ اور یہ سب اس وقت ہے کہ جب وہ جاگیر زمین کا رقبہ ہو ورنہ اگر رقبہ دوسرے شخص کی ملک ہو اور معطی نے صرف اس کا سرکاری محصول معطی لہ کو وصول کر کے خرچ کرنے کی اجازت دی ہو تو اس میں یہ وصیت وغیرہ سب باطل ہے غیر مملوک وغیر مقبوض میں کوئی تصرف ہی جائز نہیں۔

فی الدر المختار ولایة نصب القیم الی الواقف ثم لوصیه ثم للقاضی وفیه ارادة المتولی اقامة غیره مقامه فی حیاته ان کان التفویض له بالشرط عاما صح ولا یملك عزله والا لاوانظر ما یتعلق به فی ردالمحتار (ج ۳ ص ۶۳۳ الیٰ ص ۶۳۷) ۶ رشعبان ۱۳۳۳ھ

## سوالات متعلقہ استحقاق امام تنخواہ دار در غیبت خود از واقف

سوال (۷۴۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید واقف نے ایک جائداد مصارف وواردوصادر مسجد کے واسطے وقف کی اس کے بعد ورثہ متولیان کی غفلت سے وہ رہن وغیرہ ہو کر نیلام وبیع ہوگئی اور ایک عرصہ تک بقبضۂ مشتری نیلام ودیگر مشتریان رہی من بعد بارجاع نالش منجانب مسلمانان وہ کل جائداد مسجد کو واپس ہوئی اور عدالت نے اس کے اہتمام وانتظام کے لیے جدید متولیان مقرر کیے تاکہ آئندہ وہ خطرہ زوال سے محفوظ رہے اور قواعد وضوابط در بارہ انتظام مقرر کر دیئے متولیان نے منجملہ دیگر انتظامات کے خالد کو امام تنخواہ دار واسطے پڑھانے نماز پنجگانہ وجمعہ وغیرہ کے مقرر کیا۔ اب جب امام مذکور کو ضرورت اپنے خانگی کام کی ہوتی ہے تو وہ باوجود تنخواہ دار ہونے کے بعض وقت بلا اجازت اور اکثر ایام میں اجازت متولیان سے غیر حاضر ہو جاتا ہے اس کی غیر حاضری میں بعض وقت بلا تقرر متولیان کوئی غیر شخص نماز پڑھا دیتا ہے اور اکثر وقت میں مقررہ کردہ متولیان شخص عوضی نماز پڑھاتا ہے اب اس کیفیت کے بعد سوالات مفصلہ ذیل کا جواب شرعی مطلوب ہے تاکہ متولیان اس پر کاربند ہوں۔

(۱) خالد امام مقرر کردہ متولیان تنخواہ دار اس وقت یا ان یام کی تنخواہ پانے کا مستحق ہے یا نہیں جس وقت یا جن ایام میں بلا اجازت متولیان وہ غیر حاضر رہا ہے۔؟

(۲) خالد امام تنخواہ دار اگر ذریعہ درخواست رخصت اجازت لیکر غیر حاضر رہے تو ان ایام غیر حاضری کی تنخواہ پانے کا شرعاً مستحق ہے یا نہیں۔؟

(۳) جو شخص بلا اجازت متولیان خالد امام مذکور کے بجائے ایام غیر حاضری میں نماز پڑھائے تو خالد امام مذکور ان ایام غیر حاضری کی تنخواہ پانے کا مستحق ہے یا نہیں۔؟

(۴) جو شخص بلا اجازت متولیان اور بہ اجازت خالد امام ایام غیر حاضری خالد امام صاحب میں نماز پڑھائے تو خالد امام کو ان ایام کی تنخواہ پانے کا حق ہے یا نہیں۔؟

(۵) متولیان نے امام کی غیر حاضری میں کسی شخص کو تنخواہ دار عوض امام مقرر کیا تو امام صاحب ان ایام غیر حاضری کی تنخواہ پانے کے مستحق ہوں گے یا دیگر عوض مقرر کردہ۔

(۶) ۲۸-۱۳۲۸ھ کے جلسۂ کمیٹی متولیان میں یہ قانون پاس ہوا تھا کہ آئندہ کے واسطے یہ قاعدہ مقرر کیا جاتا ہے کہ رخصت اتفاقیہ ایک سال کے اندر دس یوم سے زیادہ نہیں مل سکتی خواہ اس دس یوم کو کوئی ملازم متفرق طور سے حاصل کرے یا ایک دفعہ اور دیگر اقسام رخصت کی اگر کسی ملازم کو ضرورت ہو تو بوضع تنخواہ بمنظوری کمیٹی متولیان حاصل کر سکے گا سو یہ قاعدہ مقرر کردۂ متولیان شرعاً قابل نفاذ ہے یا نہیں اور جو دس یوم قانون مذکور کے موافق رخصت میں شمار کیے جاتے ہیں شرعاً ان ایام کی تنخواہ امام کو لینا اور متولیان کا دینا کیسا ہے۔ ان کا جواب مع دلائل و عبارت کتب فقہ معتبرہ مفتیٰ بہ ارقام ہو۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ چونکہ فتویٰ جواز استیجار علی الامامۃ پر ہے امام کو اجیر کہا جاوے گا اور اجارہ کا حکم یہ ہے کہ اس میں جو شروط مباحہ موافقہ للشرع مقرر کر لی جاویں وہ لازم اور مدار احکام ہو جاتی ہیں اور جن شروط کی تصریح نہ ہو اس میں بقاعدۂ المعروف کالمشروط اس عمل کے متعلق جو عرف ہو اس کا اعتبار ہوگا۔ پس جو شرائط وضوابط سوال نمبر ۶ کے ذیل میں مذکور ہیں چونکہ ان کی تصریح کر دی گئی ہے اور ان میں سے کوئی شرط خلاف شرع نہیں ہے اس لیے وہ شروط تو بعینہا لازم اور نافذ ہیں ان کی مخالفت کرنے کی صورت میں امام مستحق تنخواہ کا نہیں ہے اگر آمدنی وقف میں سے دی جاوے گی یا لی جاوے گی آخذ و معطی دونوں گنہگار ہوں گے اور جو بعض صورتیں دوسرے بعض نمبروں میں مذکور ہیں مثلاً امام کا دوسرے شخص کو اپنی جگہ مقرر کر جانا ونحو ذلک اگر اس کی نسبت متولی نے امام سے اذناً یا نہیاً تصریح کر دی ہے تو اس کا اعتبار ہوگا اور اذن کی صورت میں اس کو مقرر کرنے کا اختیار ہوگا اور نہی کی صورت میں مقرر کرنے کا اختیار نہ ہوگا پھر جس صورت میں اس کا اختیار.......... امام کو دیا گیا ہے اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ معاہدہ ہو گیا ہے کہ وہ دوسرا امام منجانب امام اول کے ہوگا گویا امام کے ذمہ اقامت جماعت کا انتظام ہے خواہ خود کرے یا کسی اور کے ذریعہ سے کرے تب تو امام متولی سے پوری تنخواہ لے گا اور دوسرے امام کو امام اول کی طرف سے سمجھا جاوے گا خواہ وہ متبرع ہو یا اس سے کچھ لے اور اگر امام اول سے یہ کہہ دیا گیا ہے کہ وہ امام ثانی بھی منجانب متولی ہوگا تو پھر امام اول اس تنخواہ کا مستحق نہ ہوگا بلکہ امام اول جس تنخواہ پر اس کو ٹھیرایا گیا ہے اتنی تنخواہ کا وہ امام ثانی ہی مستحق ہوگا بشرطیکہ متولی کی اجازت دادہ مقدار سے زیادہ نہ ہو۔ اور جس صورت میں متولی نے امام اول کو اس نیابت سے منع کر دیا ہے اگر وہ کسی کو مقرر کر جاویگا اگر

وہ متبرع ہے تو ظاہر ہے کہ اس کو کوئی استحقاق تنخواہ کا نہیں اور اگر تنخواہ دار ہے تو یہ تنخواہ امام اول کے ذمہ لازم ہوگی باقی اس نہی کی صورت میں امام اول کا مستحق تنخواہ ہونا اس میں شرط مصرح سوال نمبر ۶ پر عمل ہوگا جس کا بیان شروع جواب میں گزر چکا ہے۔ اور جس صورت میں خود متولیوں نے عوضی مقرر کیا ہے اس کا حکم ظاہر ہی ہے کہ وہی مستحق تنخواہ کا ہوگا اور اگر بعض امور کی تصریح نہیں ہے تو زمانہ عدم تصریح تک عرف پر عمل ہوگا اور جس وقت سے تصریح ہو جاوے گی جس کا اختیار متولیوں کو ہر وقت ہے اور جس کے بعد امام کو بھی اختیار ہے کہ اگر نوکری کرنا ہو تو قبول کرلے ورنہ نوکری چھوڑ دے اس تصریح کے وقت سے تصریح پر عمل ہوگا اور اس تقریر سے سب نمبروں کا جواب ظاہر ہو گیا۔ اور تفصیل مذکور جن کلیات شرعیہ پر مبنی ہے معلوم و مشہور ہیں۔ چنانچہ جابجا درمیان میں ان کی طرف اشارہ بھی کرتا گیا ہوں مگر تقویۃً و تائیداً بعض جزئیات خاصہ بالمقام بھی نقل کیے دیتا ہوں۔

فی الدرالمختار وهل ياخذ (اى المدرس) ايام البطالة كعيد و رمضان لم اره وينبغى الحاقه ببطالة القاضى والاصح انه ياخذ لانها للاستراحة اشباه من قاعده العادة محكمة و سيجئ مالو غاب فليحفظ فى ردالمحتار تحت قوله و ينبغى الحاقه بعد كلام طويل مانصه فحيث كانت البطالة معروفة فى يوم الثلاثاء والجمعة وفى رمضان والعيدين يحل الاخذ وكذا لو بطل فى يوم غير معتاد لتحرير درس الا اذا نص الواقف علٰى تقييد الدفع باليوم الذى يدرس فيه كما قلنا الخ قوله سيجئ اى عن نظم الوهبانية بعد قوله مات المؤذن والإمام۔ ج۳ ص۵۸۸ اقول يعتبر فى كل عقد عرف ذلك العقد فكمايعتبر فى التدريس عرف التدريس يعتبر فى الإمامة عرف الإمامة ثم فى الدرالمختار بعد قوله مات المؤذن والإمام الخ مانصه ونظم ابن الشحنة الغيبة الخ فى ردالمحتار تحت هذا القول مانصه قال الطرطوسى ومقتضاه ان المدرس ونحوه اذا اصابه عذر من مرض اوحج بحيث لا يمكنه المباشرة لايستحق المعلوم لانه ادار الحكم فى المعلوم علٰى نفس المباشرة فان وجدت استحق المعلوم والا فلا وهذا هو الفقه اهـ ملخصاً قلت ولا ينافى هذ امامر من المسامحة باسبوع ونحوه لان القليل مغتفر كما سومح بالبطالة المعتادة علٰى مامر بيانه فى محله ج:۳ ص: ۶۳۰ و ۶۳۱۔ وفى الدرالمختار عن المنظومة المحبية

لاتجز استنابة الفقيه لا　　　ولا المدرس لعذر حصلا

كذلك حكم سائر الارباب　　　اذ لم يكن عذر فذا من باب

فى ردالمحتار وسكت عما يعينه الاصيل للنائب كل شهر فى مقابلة عمله

والظاهر انه يستحقه لانها اجارة وقد و في العمل بناء علٰى قول المتاخرين المفتى به من جواز الاستيجار علٰى الامامة والتدريس و تعليم القران الٰى اٰخر ما قال واطال ج۳ ص۶۳۱و ص۶۳۲ الٰى ص ۶۳۳ وفيه التصريح لاكثر ماحررت

۱۹؍ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص:۱۰۴)

## بطلان وقف باشتراط بطلان او بحالت خاص

سوال (۷۴۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں باب کہ ذیل کی کیفیت وبیانات کے ساتھ جو بنام نہاد وقف یا ہبہ کیا گیا ہے بروئے فقہ حنفیہ جائز ہے یا نہیں اگر نہیں تو اس کا کیا اثر ہے (کیفیت رپورٹ وحکم) نواب ناصر احمد خاں ونواب فاخر احمد خاں نے حاضر ہوکر بشناخت ابوالحسن نمبردار کہا کہ ہم نے اراضی کھیوٹ نمبر ۱۴۰ میں سے منجملہ اپنے حصہ لہ لمــــگہ ۶ـ۱۳ کے صـعـــگہ ۸ـ۱۱ـ۱۱ مع حصہ چاہ سالم مندرجہ کھیوٹ نمبر ۱۴۰ جو بقدر لہ لمــــگہ ۶ـ۱۳ ہوتا ہے بلا حصہ شاملات دیہ بطور وقف بنام حالی مسلم ہائی اسکول پانی پت باہتمام خواجہ سجاد حسین صاحب ہبہ کردی ہے اور قبضہ دیدیا ہے۔ شرط یہ ہے کہ اراضی وقف شدہ پر عمارت مدرسہ بنائی جائے گی جب تک کہ یہ عمارت قائم رہے تب تک ہائی اسکول مذکور مالک ہوگا بصورت قائم نہ رہنے مدرسہ مذکور کے وارثان ہبہ کنندگان کو پہونچے گی۔ خواجہ سجاد حسین صاحب نے بھی تسلیم کیا مقابلہ جمع بندی سے ہوگیا داخل خارج منظور ہے۔؟

**الجواب۔** في الدرالمختار واذاوقته بشهر اوسنة بطل اتفاقا درر في ردالمحتار وهذا اذاشرط رجوعه بعد الوقت الٰى قوله اما اذا شرط رجوعه اليه بعد مضى الوقت فقد ابطل التابيد فيبطل الوقف وبعد اسطر هكذا لو قال ارضى هذه صدفة موقوفة شهرافاذا مضى شهر فالوقف باطل الٰى قوله باطل مطلقاً كما علمت انفا ج: ۳ ص: ۵۶۶ و ۵۶۷۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ وقف صحیح نہیں ہے۔ والتوقيت بانقطاع السكول كالتوقيت بالشهر والسنة لاشتراك العلة وهى ابطال التابيد وهو ظاهر۔ اور ہبہ اس لیے نہیں ہے کہ اسکول میں موہوب لہ ہونے کی صلاحیت نہیں۔ ولاهبة بدون الموهوب له۔ واللہ اعلم۔

۱۹؍ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص:۱۸)

## (وقف) عدم جواز منافع زائدہ الخ

سوال (۷۵۰) (۱) اراضی موقوفہ کا ماحصل از روئے پٹہ جو آتا ہے وہ تو متولی یا کارندہ اس کے مصرف میں صرف کردیتا ہے مگر دیگر حقوق اپنے اس اراضی کی جہت سے کاشتکار سے مقرر کرکے اپنا

حق المحنت سمجھ کر اپنے صرف میں وصول کر کے لاتا ہے اور کاشتکار بخوشی دے جاتا ہے جائز ہے یا نہیں۔

(۲) اور بروقت اٹھانے اراضی موقوفہ کے کاشتکار سے بھینٹ جس کو نذرانہ کہتے ہیں کبھی یہ پہلے سے قرار دیکر لیتا ہے اور کبھی پٹہ دینے کے وقت کاشتکار بخوشی خود دیتا ہے یہ رقم متولی یا کارندہ اپنے صرف میں لاسکتا ہے یا نہیں بجز ان مدات کے اراضی موقوفہ مذکور کے بعوض اہتمام کچھ نہیں لیتا۔

الجواب۔ (۱) یہ سب حقوق وابواب اصل اجرت کے ساتھ ملحق ہو کر منافع وقف میں شامل ہوں گے اور متولی کو اس میں سے کچھ لینا ایسا ہے جیسا اس اجرت میں سے لینا جہاں وہ جائز ہے یہ بھی جائز ہے ورنہ نہیں۔

(۲) یہ بھی بتاویل الحاق بالعقد کے جائز ہوسکتا ہے پس اس کا حکم بھی مثل نمبر ا کے ہے اور اگر اصل عقد کے ساتھ ان حقوق اور نذرانہ کو ملحق نہ کیا جاوے تو بوجہ رشوت ہونے کے خود ان کا تقرر کرنا ہی ناجائز ہوگا۔ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

## تحقیق حکم وقف علی الاولاد

سوال (۷۵۱) وقف علی الاولاد جائز ہے یا نہیں۔ اس کی بابت حضور والا کی کیا تحقیق ہے اگر جائز ہے تو باکراہت یا بلاکراہت۔؟

الجواب۔ وقف علی الاولاد جائز ہے بلاکراہت لیکن اگر نیت خالص نہ ہو تو کراہت ظاہر ہے اور اگر مبنی اس کا یہ خیال ہے کہ قانون میراث مضر اور نامناسب ہے تو پھر یہ فعل محض بددینی ہے۔

۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۴ھ (تتمۂ رابعہ ص: ۴۱)

## وقف مرہون وشرط ادائے زر رہن از وقف دیگر بعد بیع

سوال (۷۵۲) والد صاحب کی ایک حقیت دوسرے شخص کے پاس رہن دخلی ہے اور بعد رہن کے حقیت مذکورہ کو والد صاحب نے وقف علی الاولاد کر دیا ہے اور تاحیات والد صاحب جائداد موقوفہ پر خود قابض رہیں گے میرے پاس ایک اور حقیت ہے جس کی نسبت بوجہ بہت سے نقصانات کے میرا عرصۂ دراز سے یہ خیال ہے کہ اس کو علیحدہ کر کے دوسری اچھی اور موقع کی حقیت خرید کروں۔ اتفاق سے اس وقت میری حقیت کا ایک شخص خریدار ہو گیا ہے مگر دوسری حقیت اس وقت موقع کی موجود نہیں اور والد صاحب کی موقوفہ ومرہونہ حقیت شہر کے قریب بھی ہے اور زیادہ تر اس میں مسلمان ہی کاشتکار ہیں اور ہے بھی معافی مگر شرعی مسئلہ اور حضور والا کی رائے بغیر میں اس کام کو نہیں کر سکتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ:

(۱) والد صاحب کی موقوفہ ومرہونہ حقیت کی فک رہن تو والد صاحب یا جو شخص متولی ہو وہی موافق

شرائط وقف نامہ کے کراسکتا ہے مگر مرتہن سے رہن در رہن میں بھی کرسکتا ہوں اگر مرتہن کا روپیہ برضامندی والد صاحب دے کر اس حقیت کو قبضہ میں کروں تو اس کی آمدنی مجھے اپنے صرف میں لانا جائز ہے یا نہیں یعنی وہ آمدنی سود میں شامل ہوگی یا نہیں۔

(۲) اگر کسی وقت اس حقیت موقوفہ مرہونہ کا میں خود یا کوئی میری اولاد میں سے متولی ہوتو اس وقت وہ رقم جو مرتہن کو اس وقت زر رہن کے طور پر دی جاوے گی مجھے یا میرے قائم مقام کو حسب شرائط وقف نامہ اس حقیت کو خلاص کرنے اور اپنے متروکہ روپیہ کو واپسی کا شرعاً حق رہے گا یا نہیں۔ والد صاحب نے وقف نامہ میں اس حقیت کو فک کرانے کی یہ صورت تحریر کی ہے کہ ایک دوسری حقیت موقوفہ کو بیع کر کے اس حقیت کو فک کرایا جاوے اس وجہ سے اس وقت اس روپیہ سے فک کرانا تو ممکن نہیں دوسرے یہ کہ موقوفہ حقیت پر جو اپنے قابو کی نہیں اپنی ملک کا روپیہ جس کی مقدار بھی کسی قدر زیادہ ہے صرف کردینے کی ہمت نہیں ہے۔ ان وجوہات سے بعض احباب کا اصرار ہے کہ اسی حقیت کو کسی طرح واپس لے لوں اگر شرعاً جائز ہو اور ظاہری حالت میں حضور میرے لیے اس کاروائی کو نامناسب تصور نہ فرماویں تو اس معاملہ کو کرلوں کیونکہ مرتہن خود اپنا روپیہ لینا چاہتا ہے ورنہ میں کبھی پاس نہ جاؤنگا ؟

الجواب۔ فی الدرالمختار ولا (یکون الوقف ۱۲) بخیار شرط ولا ذکر معه اشتراط بیعه وصرف ثمنه لحاجة فان ذکره بطل وقفه بزازیة وفی ردالمحتار قلت ولو اشترط فی الوقف استبداله صح وسیأتی بیانه (ص ۵۵۷ ج۳) وفی الدرالمختار وجاز شرط الاستبدال به ارضا اخری حینئذٍ او شرط بیعه ویشتری بثمنه ارضا اخری اذا شاء فاذا فعل صارت الثانیة کالاولٰی فی شرائطها وان لم یذکرها ص ۵۹۹۔ فی الدرالمختار وبطل وقف راهن معسر الٰی قوله وان وقف المرهون فافتکه یجز فان مات عین تفیٔ لاینیرای والا فیبطل او للغلة یمهل فلیتأمل فی ردالمحتار قوله بطل وقف راهن معسر فیه مسامحة والمراد انه سیبطل ففی الاسعاف وغیره لو وقف المرهون بعد تسلیمه صح واجبره القاضی علٰی دفع غلته ان کان موسراً وان کان معسراً بطل الوقف وباعه فیما علیه اهـ وکذا لومات فان عن وفاء عاد الٰی الجهة والا بیع و بطل الوقف کما فی الفتح و فیه تحت قوله والا فیبطل مانصه وبحث فاضل فقال ینبغی ان لا یبطل الوقف ویؤخذ غلته لو فاء الدین کسعایة العبد اذالم یقدر بزمن والجامع بینهما التحریر فان الوقف تحریر عن البیع وتعلق حق الغیر یقتضی من ربعه کسعایة العبد بل انه امکن اذ قد یموت العبد قبل اداء السعایة والعقار باقی

رعاية للمصلحة فليتأمل اهـ مافی شرح الوهبانية ج:۳ ص: ۶۱۱ و ۶۱۲۔

ان روایات و درایات سے یہ امور مستفاد ہوئے (۱) مرہون کا وقف جائز ہے جب واقف ادائے زر رہن کا انتظام کر سکے۔ (۲) ایک انتظام یہ بھی ہے کہ اس کے ادا کے لیے کوئی چیز بیع کے لیے نامزد کر دے۔ (۳) بہ نسبت ایک جزو وقف کے بیع کرنے کے خود وقف کی آمدنی سے ادا کرنا اصلح للوقف ہے۔ پس اس کا جواز بالاولی ہے۔ (۴) جب مصلحت وقف کے لیے جزو وقف کا بیع کرنا جائز ہے جب وقف کے وقت کہد ے اسکے فک کی مصلحت کے لیے قرض لینا اولی بالجواز ہے۔ (۵) جب مصلحت وقف کے لیے جزو وقف کا بیع کرنا جائز ہے جب وقف کے وقت کہد ے تو خاص اس جزو وقف کا بیع کرنا جائز ہے جب وقف کے وقت کہد ے جو کہ وقت وقف کے مرہون تھا اور قرض لے کر فک رہن کر دیا گیا دوبارہ اس مقرض کے پاس رہن رکھدینا اولی بالجواز ہوگا۔ اور یہ امور خمسہ بعض تو روایات کے منطوق ہیں اور بعض مفہوم ہیں۔ اب بعد ان امور کے ممہد ہو جانے کے جواب سوال کا سمجھنا چاہئے کہ جب راہن کے اذن سے مرتہن کسی دوسرے کے پاس رہن رکھدے تو حقیقت اس عقد کی یہ ہوگی کہ اصل راہن نے مرتہن ثانی سے قرض لیکر اسی مرتہن ثانی کو وکیل بنا دیا کہ وہ مرتہن اول سے فک کرے پھر مرتہن اول کو وکیل بنا دیا کہ وہ مرتہن ثانی کے پاس رہن رکھدے پس شرعاً یہ رہن منجانب راہن اصلی کے ہوگا اور تمام احکام جو مرتہن اول کے لئے ثابت تھے مرتہن ثانی کے لیے ثابت ہو جاویں گے۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ اس عقد رہن در رہن کو کہ جس کی شریعت میں بدون اس توجیہ کے کچھ بھی اصل نہیں ہے یہ دونوں راہن اول اور مرتہن ثانی اسی عنوان سے اختیار کریں خواہ قانونی دستاویز میں یہ الفاظ لکھے جاویں لیکن زبانی کہہ لینا شرعاً کافی ہے اور اس اختیار کی مصلحت بلکہ ضرورت شرعیہ یہ ہے کہ پھر توجیہ کی ضرورت اور تاویل کی حاجت نہ رہے عقد ضمنی سے عقد صریح اقرب الی الصحۃ وابعد عن الشبہ ہوتا ہے پھر جب یہ مرتہن ثانی بجائے مرتہن اول کے بعقد صحیح بالطریق المذکور ہو گیا تو اب اس کا حق صرف زر رہن میں ہوگا خواہ وہ جزو وقف جو مشروط البیع تھا فروخت کر کے زر رہن ادا کیا جاوے جس وقت بھی ممکن ہو اور یا خود اس مرہون کی آمدنی سے یہ مرتہن اس کو پوا کرے یہ باختیار مرتہن ہی ہے اور انتفاع اس مرہون سے جس طرح مرتہن اول کو بحیثیت مرتہن ہونے کے ناجائز تھا اسی طرح اس مرتہن ثانی کو ناجائز ہے بلکہ اگر یہ مرتہن ثانی کو ناجائز ہے بلکہ اگر یہ مرتہن اس مرہون کی آمدنی سے زر رہن تدریجاً لینا قبول نہ کرے تو پھر آمدنی اس مرہون کی بھی مصارف وقف ہی میں صرف ہوگی البتہ یہ مرتہن بوجہ اس کے کہ اولاد واقف راہن میں ہے اور زوہ جائداد وقف علی الاولاد ہے اس حیثیت خاصہ سے یہ بھی مصارف وقف میں سے ہے اور خواہ حالاً خواہ مآلاً جو کچھ بھی مقتضی ان شرائط وقف نامہ کا ہو تو اس حیثیت

سے موافق شرط وقف کے اس مرہون کی آمدنی سے منقطع ہوسکتا ہے۔اس تقریر میں سوال کے ہر جزو کا جواب آ گیا ہے منطبق کرلیا جاوے اور اگر کسی سوال کا جواب مفہوم نہ ہوتو مکرر پوچھ لیا جاوے۔

۱۰ ربجمادی الاخریٰ ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص:۴۲)

## حکم وقفے کہ دراں از سرکار زمین یا روپیہ گرفتہ شامل کردہ شود ودوکس سرکاری شریک انتظام کردہ شود

سوال (۷۵۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بہت ہی مالدار ہے اس کا ارادہ ہے کہ اپنی زندگی میں ایک بہت بڑا وقف کروں جو پچاس ساٹھ لاکھ روپے کی مقدار میں ہو جس میں ایک بہت بڑا مدرسہ صرف یتیموں کی پرورش اور دینی تعلیم کے واسطے کھولا جاوے جس کی مقدار پانچ سو یتیم ہوں اس میں قرآن شریف ترجمہ کے ساتھ اور دینیات کے رسالے پڑھائے جاویں اور پندرہ سولہ سال تک ان کو اس میں رکھا جائے جب وہ اپنے مذہب سے واقف ہو جائیں تو ان کو اگر ضرورت سمجھی جائے تو ہنر سکھا دیا جائے لیکن یہ ضروری نہیں اور نہ وقف میں شرط۔صرف وقف دینیات کی تعلیم کے واسطے اور وہ بھی یتیم غرباء کے لیے جو سنّی مسلمان ہوں۔ہاں وہ یہ کرنا چاہتا ہے کہ ایک بہت بڑی زمین جو چند صد گز ہو سرکار ہند سے لے تاکہ اس میں بہت بڑا مکان بنادے جس میں مذکورہ بالا تمام انتظام مدرسہ وراہائش یتیماں وان کی خوردونوش اور مدرسین کا ہو سکے یہ زمین جو سرکار ہند سے لی جائیگی اس کی قیمت کچھ نہیں دینا ہوگی بلکہ وہ بطریق امداد دے گی اسی طرح یہ بھی کہ مثلاً پچاس ہزار روپیہ بطریق امداد سرکار ہند سے لے اور اس کو بھی مذکورہ روپیہ میں شامل کردے لیکن سرکاری کوئی حق اس پر نہیں۔ہاں جو اس کے متولی اور ٹرسٹی مقرر ہوں ان میں سے چار چھ تو مسلمان ہوں جن کو واقف مقرر کرے اور دو سرکاری آدمی بھی ہوں اس لئے کہ آئندہ کوئی اس وقف کو ضائع نہ کردے اور ہضم نہ کرجائے ان کو بھی منتظمین میں شریک کیا جائے اور سب مل کر کام کریں۔ساتھ ساتھ اس میں یہ بھی شرط ہے کہ سرکار کو اس میں کسی قسم کا دخل نہیں تاکہ اس کے روپے سے لون سود وغیرہ کا کام کرے اور اس کے روپے کو زیادہ کرے بلکہ واقف خود مکانات خریدے اور ان کو وقف کردے جو ان کا کرایہ آئے اس سے یتیم خانہ مذکورہ کا سب انتظام کیا جائے کسی کو یہ اختیار نہیں کہ کسی قسم کا سودی کوئی کام ان کی آمدنی سے کر سکے اگر کوئی شخص اس طرح سے وقف کرے تو خدا کے یہاں اس کا مواخذہ ہوگا یا نہیں۔یہ وقف مقبول ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب۔سرکار سے زمین یا روپیہ لینے سے جب یہ شخص مالک ہوگیا تو مثل دوسری مملوک چیزوں کے اس کا وقف بھی صحیح ہے اور حسن نیت کے بعد کوئی امر مانع مقبولیت بھی نہیں گو بلا ضرورت ایسا

کرنا متہم ہونا ہے اس لیے احتیاط بہتر ہے اور اتنا بڑا مال ہونے کی حالت میں ظاہراً ضرورت بھی نہیں لیکن تولیت کے لیے اسلام شرط ہے اگر وہ سرکاری آدمی مسلمان نہ ہوں وہ شرعاً متولی نہ ہوں گے۔ البتہ اگر متولی صرف مسلمان ہی ہوں اور سرکاری آدمی بضرورت ان کی نگرانی رکھیں اس کا مضائقہ نہیں۔
ہفتم شعبان ۱۳۳۹ھ (تتمۂ خامسہ ص:۱۹۲)

## عدم صحت وقف معلّق

سوال (۷۵۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی محمد مرنے کے وقت کہتے گئے جب تک میری بیوی نکاح ثانی نہ کرے میری تمام اشیاء پر قابض رہے اور نکاح کر لینے پر تمام چیزیں مسجد پر وقف ہیں چنانچہ مسماۃ رحمت ان کی زوجہ نے نکاح بھی کر لیا۔ اس صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ نہ یہ وصیت زوجہ کے لیے صحیح ہے اور نہ یہ وقف صحیح ہے۔ **لانہ لا وصیۃ للوارث فی حال ما ومن شرائط الوقف ان یکون منجزا لا معلقا الابکائن و لامضافا ولا مؤقتا الخ۔**
درمختار۔ ۲۴ محرم ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۱۲۱)

## در تصرف آوردن زر چندہ بطور قرض

سوال (۷۵۵) زید چندۂ بلقان کا خزانچی ہے اگر وہ کسی اپنے کام میں اس میں سے کوئی روپیہ صرف کر دے اور بجائے اس کے دوسرے وقت اپنے پاس سے اس کو پورا کر دے وہ عند اللہ گنہگار ہوگا یا نہیں۔ لیکن جب اس روپیہ کا منی آرڈر یا اس کو بذریعہ تار روانہ کیا جائے تو اصل روپیہ تو پہنچے گا نہیں بلکہ ڈاک خانہ سے ایک کاغذ جائے گا اور دوسرا ڈاک خانہ روپیہ دیدیگا۔ ایسی صورت میں علماء کرام کیا فرماتے ہیں۔ جواب باصواب سے مطلع فرمائیے۔؟

الجواب۔ اپنے کام میں اس کو صرف کرنا جائز نہیں اور قیاس اس کا منی آرڈر یا تار پر صحیح نہیں کیونکہ یہ تصرف تو باذن معطین ہے اور اپنے صرف میں لانا بلا اذن ہے اور ظاہر ہے کہ ایک کا قیاس دوسرے پر نہیں ہوسکتا۔ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ (حوادث اول و دوم ص:۱۶)

## چندہ جمع کرنا اس طور سے کہ بیس فیصدی کاٹ کر ان اہل چندہ کے ورثہ کو دینا جو فوت ہو جاویں۔

سوال (۷۵۶) ایک نیا قاعدہ جاری ہوا ہے۔ کچھ آدمیوں نے چندہ کھولا ہے وہ چندہ بیس

فیصدی کاٹ کر ماقبی ان ممبروں کے ورثاءکودیدیا جاتا ہے کہ جوفوت ہو گئے ہوں اوربیس فیصدی کاٹ کر ان اصحاب کے واسطے رکھا جاتا ہے کہ جوبیس سال تک زندہ رہیں اوراس سہ ماہی کا روپیہ بھی کہ جس میں کوئی فوت نہ ہواس مد میں جمع کر دیا جاتا ہےتو جوممبر پانچ سال تک چندہ دیتا رہا ہوپھر اتفاق زمانہ سے وہ نا قابل ہو جائے تو اس مد سے اس کی امداد کی جاتی ہےمتوفی کے وارث کو ملنے کی کوئی تعداد مقرر نہیں ہے وہ تعداد اموات اور چندہ دہندگان پر منحصر ہے۔جواب کافی سے آ گاہ فرمایئے۔؟

الجواب۔بالکل حرام ہے۔ ۳؍شعبان ۱۳۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۱۷۰)

# احکام المسجد

## ﴿مسائل اهل الخلة فی مسئلة الظلّة﴾

### یعنی حکم سائبان در مسجد

سوال (۷۵۷) بعد الحمد والصلوٰۃ اس احقر نے مسجد پیر محمد والی کی چار سہ دریوں کے سامنے ٹین کا سائبان ڈلوایا تھا ان میں ایک سہ دری جنوبی شمالی رویہ مسجد کے متصل ہے اس کے سائبان کے متعلق بعض حضرات اکابر سے بطور تحقیق کچھ خط وکتابت ہوئی اس کو اس غرض (۱) سے نقل کرتا ہوں کہ اہل علم سے اس باب میں مزید تحقیق کر لی جاوے اور میرے قول وفعل کو حجت نہ سمجھا جاوے میں نے اپنی فہم کے موافق کہا ہے اور کیا ہے۔ وسمیتها بما سمیتها اشارة الی الاسم السمی نوات الکابر نخبته الاکابر ۔

### مکتوب اوّل آں بزرگ

مکرم ومحترم سندی ادام اللہ تعالیٰ فیوضکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

(ایک اور مضمون کے بعد) آپ کی سہ دری کے سائبان کے متعلق مجھ کو خلجان ہے میں اس کو ناجائز سمجھ رہا ہوں اور آپ جائز مولوی...... کی تقریر کچھ فہم میں نہیں آئی اس لیے مکلف خدمت ہوں کہ مفصل کیفیت اس کی تحریر فرماویں کہ وہ جنوبی سہ دری داخل مسجد ہے یا خارج ۔ اور مسجد کے ساتھ اس کی تعمیر ہے یا بعد تعمیر کی گئی یا اس کا کوئی حصہ داخل مسجد ہے بعد تفصیلی علم کے اگر خلجان رہا تو عرض کروں گا۔ (پھر ایک اور مضمون ہے) والسلام۔ ۳۰ رشوال ۱۳۳۱ھ

### معروض احقر بجواب مکتوب اوّل

(بعد القاب (۲) وآداب ودیگر مضامین) مولوی...... سے جو مضمون ذکر کیا تھا وہ مطول تھا اس

---

(۱) اور اس لیے بھی کہ اس مکاتبت میں متعدد اصول وفروع فقہیہ مفیدہ اہل علم ہیں اور واقعات میں کام آسکتے ہیں اور ایک غرض اس امر کا بھی دکھلانا ہے کہ اظہار حق کے لئے مناظرہ کا کیا رنگ ہوتا ہے ۱۲ منہ۔

(۲) یہاں جو کاغذ رہ گیا تھا اس میں القاب وآداب منقول نہ تھا صرف خط جو گیا تھا اس میں لکھا گیا تھا۔ ۱۲ منہ

لئے بوجہ عدم انضباط کے ادا نہیں کر سکتے ملخص اس کا یہ ہے کہ یہ دیوار جس پر سائبان رکھا گیا ہے جزو مسجد ہے اور سائبان بھی بقصد مصلحت مسجد ڈالا گیا ہے اور وہ مصلحت یہ ہے کہ اکثر ایام میں ظہر کی جماعت باہر کے درجہ میں ہوتی ہے تو صف اول پر تو سائبان قدیم کا سایہ ہوتا ہے لیکن دوسری صف جو بچوں کی ہوتی ہے زیادہ بچے دھوپ میں ہوتے تھے گو بضرورت وہ اس دیوار کے سایہ میں کھڑے ہوتے تھے مگر وہ سایہ کافی نہ ہوتا تھا۔ اب وہ اس سائبان کے سایہ میں آرام سے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ البتہ اس دیوار میں ایک پرانی غلطی اکابر کے وقت کی ہے کہ اس سہ دری کی کڑیاں اس پر رکھی ہیں سو اس غلطی کے تدارک کا بھی خیال ہے اس لرح کی شرقی غربی دیوار پر ایک گاٹر رکھ کر کڑیوں کو اس پر ٹکا دیا جاوے۔ والسلام (تاریخ نقل کرنا یاد نہیں رہا)

## مکتوب دوم بجواب معروض بالا

مکرم و محترم دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

(بعد ایک مضمون کے) سائبان مسجد کے متعلق جناب نے دو مقدمے تحریر فرمائے ہیں۔ اول یہ کہ جس پر سائبان رکھا ہوا ہے جزو مسجد ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ کہ سائبان بھی بقصد مسجد ڈالا گیا ہے۔ ان دونوں مقدموں میں زیادہ اہم پہلا مقدمہ ہے یہ مقدمہ تاوقتیکہ دلیل سے ثابت نہ ہو تصفیہ نہیں ہو سکتا غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا خلاف اقویٰ ہے کیونکہ یہ دیوار جس پر سائبان رکھا گیا ہے یہ جزو مجموعہ سہ دری ہے جو خارج ہے اور جزو خارج [1] خارج علاوہ اس کے اس کا جزو مسجد ہونا غیر معقول ہے کیونکہ اگر یہ دیوار مسجد کی ہوتی تو اس میں تین در ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی پھر سہ در خود شہادت دے رہے ہیں کہ اس دیوار کو جس میں در ہیں مسجد سے کوئی علاقہ نہیں اور اس کے ساتھ جب یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ اس دیوار کا سلسلہ بلا انقطاع شرقی جانب میں دور تک [2] چلا گیا ہے جو یقیناً خارج مسجد ہے تو یہ حصہ بھی داخل مسجد نہیں ہو سکتا ماوراء اس کے میں نے یہ عرض کیا تھا کہ یہ دیوار مسجد کے ساتھ تعمیر ہوئی ہے یا بعد میں۔ پس اگر یہ دیوار اب فرش مسجد پر بنائی گئی ہو تو بھی داخل نہیں ہو سکتی ہاں اگر یہ امر ثابت ہو جاوے کہ اول یہ دیوار لب فرش مسجد پر احاطہ مسجد پر احاطہ مسجد کے لئے قائم کی گئی تھی اور بعد ازاں اس میں در بنائے گئے تو البتہ یہ دیوار دیوار مسجد ہو سکتی ہے لیکن اس صورت میں بھی شرعاً یہ امر ضروری ہوگا کہ اس کے در بند کئے جاویں اور اس کو سہ دری کی دیوار نہ قرار دی جاوے کہ جو خارج از مسجد ہے۔ بالجملہ حضرت غور

---

(۱) فی هذه المقدمة کلام لان بعض اقسام الخارج مایکون مرکباً من الداخل والخارج فکیف یحکم علیٰ جمیع اجزائه التی بعضها داخل بکونها خارجاً ۱۲ منہ

(۲) یہ دیوار تک نہ تھی صرف حد مسجد تک تھی بہت بعد میں ایک نئی دیوار بنا کر اس سے متصل کر دی گئی تھی ۱۲ منہ

فرما دیں یہ کسی طرح معقول نہیں ہے کہ یہ دیوار جزو مسجد ہے اور درحقیقت یہ اکابر کی غلطی نہیں ہے انہوں نے اس دیوار کو خارج خیال فرما کر اس پر کڑیاں رکھی ہیں اور یہ خیال ان کا صحیح تھا کہ یہ دیوار خارج مسجد ہے کیونکہ خارجی سہ دری کی دیوار ہے اس پر سائبان کا ڈالنا بھی غلطی ہے۔ دوسرا مقدمہ جو تحریر فرمایا اس میں کلام کی چنداں ضرورت نہیں اور نہ اس سے اشکال رفع ہو سکے۔ فقط والسلام (تاریخ نہ تھی)

## معروض احقر بجواب مکتوب دوم

(بعد آداب والقاب کے) دیوار کو جو میں نے جزو مسجد لکھا وہ اس بناء پر کہ وہ فرش مسجد پر بنی ہوئی ہے جیسا حدود متقابلہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے گو بعد میں بنائی گئی۔ چنانچہ ایک بار میں نے حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں بھی یہی شبہ پیش کیا تھا کہ صورت مسجد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیوار حدود مسجد کے اندر داخل ہے پھر خارج مسجد کی کڑیاں اس پر کیسے رکھی گئی ہوں گی۔ حضرت نے فرمایا ہاں اب غور سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کسی کو بھی خیال نہیں ہوا۔ اس ارشاد سے وہ خیال دل میں متمکن ہو گیا تھا پس اگر اس بناء پر یہ دیوار جزو مسجد ہو تو کڑیوں کا اس پر رکھا جانا پرانی غلطی ہوگی جس کو میں نے عریضۂ سابقہ میں عرض کیا تھا مگر اس صورت میں سائبان مسجد کا رکھا جانا کچھ بھی حرج نہ ہوگا اور اگر اس سے قطع نظر کر کے دیوار کو خارج مسجد کہا جاوے (بناء علی القرائن المذکورۃ فی المکتوب السامی) تو اس وقت پھر سائبان کا بمصلحت مسجد اس پر رکھا جانا اور بھی سہل ہوگا۔ کیونکہ غیر مسجد کو مسجد کے لئے مشغول کرنے میں کوئی وجہ منع کی نہیں معلوم ہوتی اور کڑیوں کا رکھا جانا بھی غلطی نہ ہوگی۔ البتہ اس تقدیر پر صرف یہ اشکال باقی رہے گا کہ جو دیوار جزو مسجد نہیں ہے اس کو فرش مسجد پر بنانے سے غیر مسجد کے ساتھ مسجد کو مشغول کیا جس کا احداث گزشتہ غلطی ہے اور ابقاء حالی غلطی ہے تو اس کی تلافی میرے خیال میں یہ آتی ہے کہ اس وقت سب اہل محلہ مل کر اس دیوار کو مسجد کا جزو قرار دیدیں اور سہ دری کی کڑیوں کے لئے ایک گاٹر شرقی و غربی دیوار پر رکھدیا جاوے کیونکہ دیوار کے ہدم میں وقف کا حرج عظیم ہے۔ اسی طرح در بند کر کے سہ دری کی تعطیل میں بھی یہی اضرار بالوقف ہے۔ والسلام۔ ۶؍ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

## مکتوب سوم بجواب معروض مذکور

مکرم و محترم مصدر مکارم دام فضلکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

گرامی نامہ موجب برکت ہوا۔ کئی روز تک تو یہ خیال رہا کہ مسئلہ کے متعلق کچھ عرض کروں یا نہ کروں مبادا تکرار موجب بار ہو۔ بالآخر یہ خیال ہوا کہ اپنا خیال ایک دفعہ اور عرض کر دوں۔ اس وقت مجھ کو دو امر عرض کرنے ہیں۔ ایک تو دیوار کے متعلق کہ مسجد ہے یا نہیں۔ دوسرے سائبان کے متعلق کہ

اگر دیوار کو دیوار مسجد قرار دیا جاوے تو سائبان اس پر ڈالنا جائز ہے یا ناجائز۔ حضرت گنگوہیؒ کے یہاں دیوار کے متعلق جو تذکرہ ہوا اس سے اتنا معلوم ہوا کہ بظاہر دیوار بعد میں فرش مسجد پر بنائی گئی ہے جس کا اس وقت کسی کو بھی خیال نہیں ہوا اور اب بظاہر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ مسجد پر خارجی دیوار کا بنانا قدیم غلطی ہے پس واقعی سہ دری کی دیوار جب مسجد پر بنائی گئی تو وہ بوجہ اس کے کہ خارجی سہ دری کی دیوار ہے مسجد پر اس کا ہونا ناجائز تھا تو صرف کڑیوں کا اس پر رکھا جانا یہ پرانی غلطی نہیں بلکہ غلطی تو یہ ہوئی کہ خارجی دیوار مسجد پر بنائی گئی۔ اب یہ بات کہ اگر اس دیوار کو اہل محلہ متفق ہو کر مسجد میں داخل کرنا چاہیں تو جزو مسجد ہو سکتی ہے یا نہیں مجھ کو اس پر شرح صدر نہیں ہوا مگر ہاں اس قدر خیال ضرور ہے کہ محض گاٹر ڈالکر اور کڑیوں کو اس پر ٹھیرا کر جدا کر دینے سے داخل مسجد نہ ہو سکے گی تاوقتیکہ اس دیوار کا اتصال تربیع جو دونوں جانبوں شرق وغرب (۱) میں ہے وہ غیر مسجد سے منفصل نہ ہو جاوے ہاں اگر گاٹر ڈال کر کڑیاں اس پر رکھدی جائیں اور اتصال تربیع بھی منفک کر دیا جائے تو اس وقت کیا عجب ہے کہ وہ دیوار باتفاق اہل محلہ دیوار مسجد قرار پا سکے۔ اب رہی دوسری بات کہ جب یہ دیوار دیوار مسجد ہو جاوے تو اس پر سائبان ڈالنا جائز ہو گا یا نہیں۔ میرے نزدیک سائبان ڈالنا اس وقت بھی جائز نہ ہو گا کیونکہ عرفاً سائبان محض دیوار کیلئے نہیں ڈالا جاتا نہ تابع دیوار ہوتا ہے بلکہ تابع مجموعہ مکان ہوتا ہے جس مکان پر سائبان ڈالا جاتا ہے پس صورت موجودہ میں سائبان سہ دری کا تابع ہے نہ کہ دیوار مسجد کا۔ لہٰذا ناجائز ہونا چاہئے اور اگر منفعت پر نظر کی جائے تو بہ نسبت منفعت مسجد منفعت سہ دری اقویٰ اور اہم ہے کیونکہ سہ دری کے بیٹھنے والوں کی بھی راحت مدنظر ہے اور مسجد کے نمازی بچوں کی بھی راحت کا خیال ہے لیکن اس غرض کے حصول میں مقصود اہم جماعت یعنی توسط امام کی مخالفت لازم آتی ہے لہٰذا یہ مقصود بھی اس قابل ہے کہ ملحوظ نظر نہ ہو۔ اور اصل یہ ہے کہ اغراض کو اس میں دخل نہیں کیونکہ مسجد کو غیر مسجد کے استعمال میں لانا گو کسی غرض مسجد ہی کے لئے ہو جائز نہیں ہے۔ فقط والسلام خیر ختام (تاریخ نہ تھی)

## معروض احقر بجواب مکتوب سوم

(بعد القاب وآداب) والا نامہ نے مشرف فرمایا اظہار حق کا تکرار حاشا وکلا کہ قلب پر بار ہو۔ اور بحمد اللہ مجھ کو تو عادت ہے کہ جب کسی امر کا حق ہونا واضح ہو جاتا ہے پھر اپنی رائے پر اصرار نہیں ہوتا۔ سو اب تک اس کا انتظار ہے جو نہیں ہوا اور مجھ کو بھی تکرار فی الجواب خلاف ادب معلوم ہوتا ہے مگر تحقیق نے اس پر جری کیا۔ قبل سائبان بننے کے تو وجدان سامی کو بجائے دلیل سمجھ کر اس کا اتباع کرتا مگر مجھ تک اس مضمون کا زبانی پیام صرف بدیں عنوان پہنچا کہ خارج مسجد کا پانی مسجد میں لینے کا محذور لازم آوے گا

(۱) غرب میں تو اس کی اس لیے حاجت نہیں کہ اس جانب اتصال مسجد ہی سے ہے البتہ شرق میں جدید دیوار سے اتصال اس کا حادث ہو گیا جیسا کہ حاشیہ مکتوب دوم میں مذکور ہے ۱۲ منہ۔

چونکہ یہ بناء مقصود تھی کیونکہ سائبان کہ جس کا پانی مسجد میں گرتا مسجد کا جزو بنایا جاتا تھا سو اس کا پانی مسجد ہی کا پانی تھا اس لئے وہ بنالیا گیا اب بعد بننے کے اس کی تفکیک میں خود شبہ تصرف فی المسجد بالہدم والخراب کی وجہ سے عدم جواز کا احتمال ہو گیا سو اس احتمال کے رفع کے لیے نہایت صریح دلیل کی جو کافی شافی ہو ضرورت ہے جو اب تک نہیں ملی دیوار کے متعلق جو کچھ میں نے عرض کیا تھا وہ محض تبرعاً تھا جس کے لکھنے کی اصل وجہ تو استفسار گرامی کا جواب تھا اور ساتھ ہی یہ خیال بھی شامل ہو گیا تھا کہ اس کی بھی تحقیق ہو جاوے گی شاید کوئی صورت اس پرانی غلطی کی اصلاح کی نکل آئے باقی نفس مسئلہ واقعہ میں اس کو کوئی دخل نہیں اور سائبان کا جواز اس پر موقوف نہیں کیونکہ اگر وہ جزو مسجد نہ ہو تو اس کو مسجد کے کام میں لانا بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا جیسا کہ عریضۂ سابقہ (۱) میں عرض کیا ہے۔ اور ظاہر بھی ہے کہ اگر مسجد میں شامیانہ کھڑا کیا جاوے اور اس کی طنابیں محلّہ کے مکان میں باندھ دی جاویں تو بلاشبہ درست ہے یا فناء مسجد کی کسی عمارت میں باندھ دی جاویں تو اس کا جواز اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے اس لئے دیوار کے قصہ کو چھوڑ کر نفس مسئلہ کے متعلق عرض کرتا ہوں سو عرفاً اس کا تابع سہ دری ہونا اور تابع بہ حکم متبوع ہوتا ہے سو میرے خیال میں اس عرف کی مزاحم نیت بانی کی ہو سکتی ہے اس کی نظیر یہ کہ اگر کوئی بانی مسجد فرش مسجد کے حصہ اخیرہ کو یہ سمجھ کر (کہ لوگ یہاں وضو کریں گے اور مسجد میں غسالہ کا گرانا جائز نہیں) مسجد سے خارج رکھنے کی نیت کر لے اور امتیاز کے لئے ہیئت تعمیر کی بھی کچھ بدل دے تو یقیناً جائز ہے اور مساجد قدیمہ میں وضو کرنے کی یہی تاویل ہو بھی سکتی ہے ورنہ عامہ مسلمین کا بے حرمتی مساجد میں مبتلاء ہونا لازم آتا ہے حالانکہ حساً وصورۃً وہ حصہ تابع مسجد بلکہ جزو مسجد ہے اور تابع بحکم متبوع ہوتا ہے تو چاہئے کہ اس وضع عرفی کے اعتبار سے اس کو جزو مسجد کہہ کر اس پر وضو کو جائز نہ کہا جاوے پس حکم جواز سے صاف ثابت ہوا کہ نیت بانی کی اس عرف کی مزاحم ہو جاوے گی پس یہاں بھی بانی ظلہ نے اس کو سہ دری کا جزو بنانے کی نیت نہیں کی اور یہ امر کی منفعت جالسین سہ دری کو بھی ہوگی سو گو وقوعاً ایسا ہوگا مگر میرے نزدیک یہاں بھی اس وقوع پر نیت کو رجحان ہوگا اور نیت ہے منفعت مسجد کی۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ تقلیل نزو (نمی) کے لیے غرس اشجار کو مسجد میں جائز کہا گیا ہے اور دوسری اغراض کے لئے ناجائز حالانکہ وقوعاً دوسری اغراض بھی متحقق ہوں گی۔ رہا منفعت سہ دری کا اقویٰ اور اہم ہونا سو اس کا اندازہ پورا پورا حالت سابقہ کے تجربہ پر موقوف ہے کہ بچوں کو زیادہ تکلیف تھی یا جالسین سہ دری کو تو واقعی سہ دری والوں کو کچھ بھی تکلیف نہ تھی دھوپ تو وہاں آتی ہی نہ تھی برسات میں کبھی کبھی بوچھاڑ آتی تھی تو سالہا سال سے اس کے لیے پردوں کا کافی انتظام چلا آتا تھا اور میں نے ہمیشہ سے التزام کر رکھا ہے کہ مصالح سہ دری کے لئے جو چیز بنی اس کے دام اپنے پاس سے دیتا ہوں چنانچہ پردے اور فرش یہ سب میرے ہی داموں کے ہیں اور اسی

(۱) یعنی مکتوب دوم کے جواب میں بقولہ اور اگر اس سے قطع نظر کر کے الی قولہ اور بھی سہل ہوگا ۱۲ منہ

لئے باوجود ہزاروں روپیہ مسجد و مدرسہ میں صرف ہوجانے کے سہ دری میں کبھی لپائی نہیں کرائی باوجود ضرورت کے۔ پس اگر سائبان میں مصالح سہ دری کا قصد ہوتا تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کو اپنے پاس سے بناتا بلکہ اس سائبان سے سہ دری میں روشنی کسی قدر کم ہوجانے سے بعض لکھنے (۱) پڑھنے والوں کو ان کے کام میں ایک گونہ تکلف ہوگیا اسی لئے بناء کے قبل سہ دری کے مصالح کا دوسہ بھی نہیں بلکہ میں نے تو ان مصالح کے مشورہ پیش کئے جانے کے وقت تصریحا ان کو رد کردیا کیونکہ بعض نے پیش بھی کیا تھا۔ البتہ اول مصلحت ذہن میں یہ آئی تھی کہ اس کے مقابل (۲) شمالی سہ دری کے سائبان کے بعد اگر یہ سائبان نہ ہوا تو تقابل کی خوشنمائی جاتی رہے گی لیکن اس کے ساتھ ہی اس مصلحت کو ناکافی سمجھ کر تردد تھا کہ اس کے بعد یہ مصلحت ذکر کی گئی اس کو البتہ معتد بہ مصلحت سمجھ کر کام جاری کردیا۔ رہا توسیط امام کی مخالفت تو عذر حر و مطر میں عفو ہوسکتا ہے خصوص غیر مکلفین کے لئے اس کی نظیر یہ ہے کہ صلوٰۃ خلف الصف منفرداً مکروہ ہے مگر اب فقہاء نے احتمال تجاذب عوام کے سبب اجازت دی ہے کہ اول صف میں سے کسی کو نہ کھینچے تنہا کھڑا ہوجائے تو اس عذر کو رافع کراہت قرار دیا۔ رہا یہ کہ مسجد کو غیر مسجد کے استعمال میں لانا گو کسی غرض مسجد کے لئے ہو جائز نہیں واقعی اگر ایسا قصداً کرے تو یہ حکم سمجھ میں آتا ہے لیکن اگر اس کا قصد نہ ہو گو کوئی خاص نفع حاصل ہوجاوے تو اس صورت میں اس کا عدم جواز سمجھ میں نہیں آتا اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک شخص مسجد کی پشت پر مکان بناوے اور وہ جانب شرق میں اس لیے اپنی دیوار نہ بناوے کہ مسجد کی دیوار غربی پردہ کے لیے کافی ہے تو کیا اس کو ناجائز کہا جائے گا حالانکہ مسجد کا جزو غیر مسجد کے کام میں آیا۔ یا اگر ایسے ہی مکان کی دیوار شرقی بھی ہو لیکن ذرہ پست ہو کے کہ محلے کے بعض ایسے مکانات کی چھت سے سامنا ہوتا ہو جن میں اور اس مکان میں مسجد مذکور حائل ہو اور فرض کیا جاوے کہ بمصلحت راحت نمازیان اس مسجد کی چھت اونچی کرنے کی رائے قرار پاوے اور اس وجہ سے دیواریں بھی اونچی کرنے کی ضرورت پڑے اور پھر اس اونچائی کے بعد اس مکان کا پورا پورا پردہ ہوجاوے اور پھر اس کی دیوار اونچی نہ کرنی پڑے اور اتفاق سے وہ مکان والا ہی اس مسجد کا بھی متولی ہو تو کیا اس کو یہ جائز نہ ہوگا کہ اس مسجد کے اونچی کرنے پر کفایت کرے اور اپنی دیوار کو اونچا نہ کرے حالانکہ یہاں خود اپنی دیوار کو بھی اونچا کرے مکان کو اس منفعت دیوار مسجد کے اثر سے بچا سکتا ہے مگر پھر بھی تنگی نہیں کی جاوے گی اور صورت واقعہ میں تو کوئی ایسی تدبیر بھی نہیں کی کہ سہ دری کو اس سائبان کے اثر سے بچایا جاسکے تو ایسے تعذر میں تو بدرجۂ اولیٰ تنگی نہ ہوگی۔ والسلام خیر ختام۔ ۱۲ رذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

تمت المکاتبۃ

---

(۱) اور کبھی مجھ کو بھی سہ دری سے باہر بیٹھ کر لکھنا پڑھنا پڑا۔ ۱۲ منہ

(۲) یہ سہ دری مسجد سے فصل پر ہے ۱۲ منہ

**تنبیہ**: گو پھر اس معروض کا جواب نہیں آیا۔ مگر اس جواب نہ آنے کو حجت نہ سمجھا جاوے کیونکہ اس کا سبب کوئی عارض بھی ہو سکتا ہے مثلاً وہی امر جو کہ مکتوب سوم کے شروع میں مذکور ہے۔ اس لئے اب بھی ضرورت ہے کہ اس باب میں اہل علم سے مزید تحقیق کر لی جاوے جیسا کہ تمہید میں عرض کیا گیا۔ فقط (ترجیح ثانی ص ۱۸۲ تا ۱۹۰)

## کلام فضول در مسجد

سوال (۷۵۸) کیا حکم ہے شریعت کا اس میں کہ مسجدوں میں فضول باتیں کرنا اور شور وغل مچانا اور لڑنا جھگڑنا اور لغویات بکنا کیسا ہے۔؟

الجواب۔ مسجدیں عبادت کے لیے بنائی گئی ہیں ان میں آ کر عبادت میں لگا رہنا چاہئے یا کوئی دین کی بات ہو اس کا بھی مضائقہ نہیں وہ بھی عبادت ہے مگر ایسی واہیات باتوں کے واسطے بیٹھکیں ہوتی ہیں پس مسجد کو[1] بیٹھک ٹھیرانا بہت بری بات ہے۔ یہ لوگ قابل سزا کے ہیں۔

**فی صحیح البخاری[2] عن السائب ابن یزید قال کنت قائما فی المسجد فحصبنی رجل فنظرت الیه فاذا عمر ابن الخطاب فقال اذهب فائتنی بهذین فجئته بهما فقال ممن انتما او من این انتما قال من اهل الطائف قال لو کنتما من اهل البلد لاوجعتکما ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول الله صلی الله علیه وسلم اقول المساجد کلها متساویة فی هذا الحکم فقط**[3] ۱۲ رذی الحجہ ۱۳۰۰ھ (امداد اول ص: ۹۱)

## حکم مکالمہ در مسجد

سوال (۷۵۹) جامع مسجد میں جب نمازی لوگ جمع ہوتے ہیں تو باہم دنیا کی باتیں دیر دیر تک کیا کرتے ہیں ان باتوں میں دو ایک باتیں خدا اور رسول کی بھی ہو جاتی ہیں مگر دنیا کی باتیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔ ایسا چاہئے یا نہیں اور ایسی باتیں کرنے والے گنہگار رہوں گے یا نہ۔؟

الجواب۔ اگر اس میں کوئی معصیت کی بات نہ ہو اور خاص باتیں کرنے کی نیت سے مسجد میں نہ آئے ہوں تو گناہ نہیں لیکن اس کا غالب کرنا ادب مسجد کے خلاف ہے۔ ۶ رصفر ۱۳۳۳ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۳۲۲)

---

(۱) یہ مطلب نہیں کہ بیٹھک میں یہ علی الاطلاق جائز ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ علاوہ قباحت ذاتیہ کلام فضول کے یہ عارضی قباحت مزید ہے ۱۲ منہ

(۲) وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم یاتی علی الناس زمان یکون حدیثهم فی مساجد هم فی امر دنیا هم فلا تجالسوهم فلیس لله فیهم حاجة رواه بیقهی ۱۲ منه.

(۳) نعم المسجد النبوی اولی واحوی باعتبار کون المتحدثین بقرب النبی صلی الله علیه وسلم لکن التساوی باعتبار اصل الحکم ثابت ۱۲ منه

## جلوس در مسجد برائے تحدث

سوال (٧٦٠) مسجد میں بعد اختتام نماز علاوہ عبادت ونفل کے مثل اپنی ایک نشست کے بیٹھنا جائز ہے کہ نہیں۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار والکلام المباح وقید فی الظهیریة بان یجلس لاجله لکن فی النهر الاطلاق اوجه و تخصیص مکان لنفسه و فی ردالمحتار عن الطحاوی انه صلی الله علیه وسلم نهی ان تنشد الاشعارفی المسجد وان تباع فیه السلع وان یتحلق فیه قبل الصلوٰة وفیه ثم وفق بینه وبین ماوردانه صلی الله علیه وسلم وضع لحسان منبراً ینشد علیه الشعر بحمل الاول علیٰ ماکانت قریش تهجوه به ونحوه مما فیه ضررا وعلیٰ ما یغلب علی المسجد حتیٰ یکون اکثر من فیه متشاغلابه الیٰ قوله مما غلب علیه کره وما لافلا۔ ج ١ ص ٦٩٠ و ٦٩٢۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں باتوں کی غرض سے بیٹھنا اور غیر وقت صلوٰۃ میں بھی حلقہ و اجتماع کرنا اور خصوص جبکہ نشست کی جگہ بھی خاص کرلی جاوے یہ سب ناجائز ہے اگر اس کی عادت کرلی جاوے اور اگر نہ اس غرض کے لئے مسجد میں گیا اور نہ اس کی عادت کی بلکہ عبادت کے لیے مسجد میں داخل ہوا تھا لیکن اتفاق سے کوئی بات چیت مباح بھی کرلی یا اس کے لیے احیاناً بیٹھ گیا تو کچھ حرج نہیں۔

٢٧ رذیقعدہ ١٣٣٢ھ (تتمہ ثانیہ ص: ١٩٠)

## صحن مسجد وسقف

سوال (٧٦١) (رقم زدہ صدر الافاضل حضرت مولانا سید مہدی حسن صاحب قبلہ مفتی راندیر ضلع سورت)

ناظرین کرام مسلمہ قاعدہ ہے الناس اعداء لما جهلوا۔ انسان کو جس چیز کا علم نہ ہو اسی کا دشمن ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اس کو اگر اس مجہول چیز کی ممانعت بھی کردی جائے تو پھر اس کی دشمنی میں اور اضافہ ہوجاتا ہے پھر اس کے متعلق اگر کسی سے کوئی غلط خبر بھی سن لے تو فوراً عدم علم کی بناء پر اس کو حقیقت پر محمول کرکے اپنا زعمی حکم اس پر لگا دیتا ہے اور ہوا کی صورت میں پیش کرکے دوسرے لوگوں کو بھی اس سے ڈرا دیا جاتا ہے یہی حال فقہ اور اہل حدیث زمانہ کا ہے جہاں کسی نے کوئی مسئلہ فقہ حنفی کی طرف سے منسوب کردیا بس اہل حدیث کے دارالافتاء سے تحقیق سے قبل ہی اس پر یہ حکم لگا دیا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ کیا۔ اسی طرح فقہ احناف کے اور بہت سے مسائل بے دلیل وغلط ہیں تاکہ پہلے ہی وہلہ میں سننے والے کے کان کھڑے ہوجائیں کہ یہ کیا مصیبت کہ میں تو ایک مسئلہ پیش کررہا تھا اور یہاں ضغث

علی ابالہ کی صورت ہے اس تحقیق کی ضرورت ہی نہیں کہنے والا۔خبر دینے والا سوال کرنے والا کسی کتاب معتبر سے نقل کررہا ہے یا ایسی ہی سنی سنائی خبر دے رہا ہے جس مسئلہ کی نسبت فقہ حنفی کی طرف کی گئی ہے واقعی وہ کتب معتبرہ حنفیہ میں ہے بھی یا یوں نہیں شنیدہ کے بود مانند دیدہ کا مصداق ہے اس کے متعلق ان کے یہاں کوئی خاص حکم ہے یا نہیں انہوں نے تحقیق کی ہے یا ان کی معتبر کتابوں میں ہے یا نہیں۔

بس یہ کہد ینا کافی ہوتا ہے جس طرح اور بہت سے مسائل بے دلیل ہیں فقہ احناف کا یہ مسئلہ بھی بے دلیل وغلط ہے اہل علم بلکہ بزعم قائل اہل تحقیق سے یہ فعل بسا بعید ہے۔

گو یہ کہد ینا بھی ایک حد تک کافی ہوتا کہ فقہ حنفی کا یہ مسئلہ صحیح نہیں۔لیکن اس کے ساتھ جواب میں یوں فرمانا کہ فقہ احناف کے جس طرح اور بہت سے مسائل بے دلیل ہیں یہ مسئلہ بھی بے دلیل ہے۔ ایک خاص رنگ میں رنگا ہوا فرمان ہے جو گل ست سعدی و در چشم دشمنان خار است کا مرقع ہے۔

اس وقت میرے سامنے اخبار اہلحدیث مجریہ ١١ر جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ رکھا ہوا ہے جس کے چوتھے صفحے کے پہلے کالم پر ایک سوال وجواب کی یہ سرخی ہے "مسجد کا دالان اور صحن برابر ہیں" سائل نے یہ بیان کیا ہے کہ بعض فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ چھت دار حصہ مسجد ہے بلا چھت والا جو صحن کہلاتا ہے خارج مسجد مثل گھر ہے۔اگر اس میں فرض نماز پڑھی جائے تو گھر کا ثواب ملے گا۔نہ مسجد کا بعض اہل حدیث جو امام مسجد ہیں اس فقہی مسئلہ پر نہایت سختی سے جامد وعامل ہیں اور دوسروں کو بھی صحن مسجد میں فرض نماز پڑھنے سے بہت شدت کے ساتھ منع کرتے ہیں۔سوال یہ ہے کہ صحون مساجد داخل مساجد ہیں یا خارج۔اگر اس میں فرض نماز پڑھی جاوے تو مسجد کا ثواب ملے گا یا گھر کا۔؟

**الجواب۔فاقول بحول الله وقوته**۔فقہ احناف میں جس طرح اور بہت سے مسائل بلا دلیل ہیں اسی طرح یہ مسئلہ بھی بلا دلیل ہے۔صحن مسجد داخل مسجد ہے نہ خارج ( کالم ٢ تا ٦ ) پس فقہ کا یہ مسئلہ غیر مدلل ہے کہ صحون مساجد مثل گھر ہیں اگر اس میں فرض نماز پڑھی جائے تو مسجد کا ثواب نہ ملے گا بلکہ گھر کا ثواب ملے گا بالکل غلط بے اصل بلا دلیل وخلاف طریقۂ انبیاء وسلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم ہے۔( کالم ٣ از سطر ٢١ تا ٢٥ ) اس کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے کوئی کہے اہل حدیث کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ رام چندر لچھمن کشن جی زرا تشت نفسیوس بدھا۔سقراط۔فیثا غورث انبیاء وصلحاء ہیں ہم ان کی نبوت کا انکار نہیں کرتے۔**ونحن له مسلمون ونبرئهم عما ينسب اليهم اهل الكفر من الشرك والكفر والطغيان**۔(ھدیۃ المھدی ج ص ٨٥٥) یا کوئی کہنے لگے کہ اہل حدیث کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ عورتوں یا لونڈیوں سے دبر میں وطی کرنے پر انکار کرنا جائز نہیں۔اس لیے کہ مختلف فیہ مسئلہ ہے۔(ہدیہ ص:١١٨ ج:١) اور کوئی مجیب یوں جواب دے کہ یہ کیا ان کے یہاں کے

بیسیوں مسئلے غلط اور بے دلیل ہیں تو مذکور مجیب صاحب کے قاعدہ کے مطابق بیجا نہ ہوگا۔ یہ صحیح ہے کہ صحن مسجد داخل مسجد ہے اور اس پر مسجد کے احکام جاری ہیں اور یہی کتب فقہ احناف کا حکم ہے۔ یہ صحیح نہیں کہ فقہاء حنفیہ اس کے خلاف کے قائل ہیں یا ان کی معتبر کتابوں میں اس کے خلاف حکم ہے یا فقہ حنفی صحن مسجد کو خارج مسجد بتاتا ہے نہ سائل نے اس کی تحقیق کی اور نہ مجیب صاحب نے تحقیق کی تکلیف گوارا فرمائی جواب میں اس کا امکان تھا کہ کہہ دیا جاتا کہ اگر فقہ حنفی میں اسی طرح ہے تو یہ صحیح نہیں ہے بلکہ صحن مسجد داخل مسجد ہے۔ اس پر اس زیادتی کی ضرورت نہ تھی کہ اور بھی بہت سے مسائل بلا دلیل ہیں۔ کیونکہ سوال سے اس کا تعلق ہی نہیں اور نہ سائل کا بظاہر مقصود۔ نیز جواب میں اس کا بھی امکان تھا کہ لکھدیا جاتا کہ فقہ حنفی میں صحن کو مسجد میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں اس لیے کہ ان کی کتابیں اس کے خلاف شاہد ہیں (بشرطیکہ مجیب صاحب مطالعہ کر لیتے) لیکن آسان وسہل طریقہ یہی تھا کہ جہاں اور بہت سے مسائل فقہ احناف کے بے دلیل ہیں یہ مسئلہ بھی (اگر فقہ حنفی میں ہو) بے دلیل و غلط ہے اس آسان صورت کو چھوڑ کر صعوبت مطالعہ کیوں اختیار کی جاتی اور عوام کو کیوں بتایا جاتا کہ ان کا یہ مسئلہ نہیں ہے اور ان کے یہاں صحن مسجد بھی مسجد میں داخل اور مسجد ہی ہے مقصود اصلی اور بہت سے مسائل کو بے دلیل بیان کرنا تھا وہ اس جواب سے حاصل ہوگیا۔ تاکہ عوام فقہ احناف سے کنارہ کش رہیں اور سوء ظنی پر عمل پیرا ہوں اور جو شایان شان اہل علم ہے ماشاء اللہ وچشم بددور لہٰذا تکلیف فرمانے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔

مسجد ایسی زمین ایسی جگہ ایسے مکان کا نام ہے جس کو کسی مسلمان نے عبادت نماز کے لیے وقف کر دیا ہو۔ اپنی ملک سے نکال کر خدا کی ملک میں اس لیے دیدے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی خاص عبادت نماز وفرض ادا کی جائے اس میں اس کی ضرورت نہیں کہ اس پر عمارت بنی ہوئی ہو یا نہ ہو بس اس زمین کی جو حدود معینہ ہیں اس کے ہر ہر جزو پر مسجد ہونا صادق ہے اس کا ہر حصہ مسجد ہوتا ہے جو مسجد کے احکام ہیں وہ اس پر صادق ہیں چونکہ موسم کا اختلاف رہتا ہے اور نماز ہر موسم میں فرض ہے جس کو اسلامی شان وشعار کی وجہ سے مسجد میں ادا کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے اس وقف شدہ زمین پر سردی گرمی بارش سے محفوظ رہنے کے لیے عمارت بنانی ضروری ولازمی ہے اس لحاظ سے عرف میں اس زمین اور عمارت کو مسجد کہا جاتا ہے اور شرعاً بھی دونوں پر مسجد کا اطلاق ہوتا ہے اس چہار دیواری کے اندر جس سے وقف شدہ زمین کو گھیرا ہے جو خاص اس وقف شدہ زمین کی حدود کو معین کرتی ہے جتنی زمین ہوگی اس پر عمارت ہو یا نہ ہو مسجد کہلائے گی۔ دالان صحن سب اس میں داخل ہیں۔

اعلم انه لا يشترط فى تحقق كونه مسجد البناء لما فى الخانية لو كان له ساحة لا بناء فيها امر قومه بالصلوٰة فيها بجماعة قالوا ان امرهم بالصلوٰة ابداً او امرهم

**بالصلوٰۃ فیھا بالجماعۃ ولم یذکر الابد لانہ ارادبھا الابدثم مات لایکون میراثامنہ (طحطاوی علی الدرالمختار ص۵۳۶ ج۲)۔لا یجوز لقیم المسجد ان یبنی حوانیت فی حد المسجد اوفی فنائہ (طحطاوی ص مذکورہ)**

اس عبارت نے تصریح کردی کہ مسجد ہونے کے لیے یہ شرط نہیں کہ اس پر عمارت ہی بنی ہو بلکہ بغیر عمارت کی زمین بھی مسجد ہوتی ہے۔ساحت بمعنی میدان وقف ہے جس میں کچھ عمارت نہ ہواور یہی لفظ آنگن اور صحن مکان کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جس زمین کو مسجد قرار دیا ہے اسکے اطراف کو جس چیز نے معین کیا ہے وہ مسجد کی دیواریں اس چہار دیواری میں جو کام ہوگا اس کے لیے یہ کہا جائے گا کہ یہ کام حد مسجد میں ہوا ہے حد مسجد مسجد ہے اسی لیے اس کی تصریح کردی گئی منتظم مسجد کو حد مسجد میں دوکانیں بنانی جائز نہیں کہ ان کی وجہ سے مسجد کی حرمت باقی نہیں رہتی۔

فقہائے احناف نے ہر اس حصۂ مسجد کو جو حد مسجد میں داخل ہے مسجد سمجھا اور مسجد کے احکام اس پر جاری کیے اس لیے انہوں نے اکثری حالت میں مسجد کے حصص ودرجات کی تفریق نہ کی بلکہ مسجد ہونے کے اعتبار سے ہر حصہ کو مسجد ہی کے نام سے پکارا۔اوراس پر مسجد کا لفظ اطلاق کیا جو اس امر کی بین دلیل ہے کہ حد مسجد میں جتنی زمین ہے سائبان والی ہو یا بغیر سائبان کے سب مسجد ہے۔

**افضل المساجد مکۃ ثم المدینۃ ثم القدس ثم قبا ثم الا قدم ثم الاعظم ثم الاقرب اھ (درمختار) ای مسجد مکۃ وکذا ما ابعدہ الیٰ قولہ الاقدم وفی تسھیل المقاصد للعلامۃ احمد بن العماد ان افضل مساجد الارض الکعبۃ لانہ اوّل بیت وضع للناس ثم المسجد المحیط بھا لانہ اقدم مسجد بمکۃ ثم مسجد المدینۃ اھ**

(ردالمحتار ص ۴۱۴ ج۱)

اس عبارت سے افضلیت مساجد کو بیان کیا گیا ہے اور وہ بھی عموم کے ساتھ کہ جس میں صحن یا دالان کی تخصیص نہیں کی گئی **ثم المسجد المحیط بھا** اس کی بین دلیل ہے۔اسی سے ثابت ہے کہ حنفیہ کے نزدیک صحن مسجد مسجد میں داخل ہے اس لیے کون نہیں جانتا کہ جو مسجد بیت اللہ کو محیط ہے اس کے اندر چاروں طرف میدان اور کھلی جگہ ہے جس پر کچھ عمارت نہیں ہے جو بیت اللہ کا صحن کہلاتا ہے اس کو مذکور عبارت میں مسجد قرار دیا ہے اوراس زمین پر مسجد کا اطلاق کردینا جس کو مسجد کی دیواریں محیط ہیں جن کو حد مسجد کہا جاتا ہے صحن کے مسجد ہونے کی دلیل ہے خارج ہونے کی حالت میں **ثم المسجد المحیط بھا** بقول قائل صحیح نہیں۔

**وکرہ غلق باب المسجد الالخوف علیٰ متاعہ بہ یفتی (درمختار) قال فی البحر وانما کرہ لانہ یشبہ المنع من الصلوٰۃ قال تعالیٰ ومن اظلم ممن منع مساجد اللّٰہ ان**

یذکر فیھا اسمه (ردالمحتار ص ٤٦ ص ۱)

فقہائے کرام کا مسجد کے دروازہ کے بند کرنے پر ممانعت وکراہت کا حکم لگانا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ حد مسجد میں جتنی جگہ ہے سب مسجد ہے ورنہ باب مسجد نہ کہتے بلکہ جماعت خانہ یا دالان یا سقف عمارت کے دروازہ کے بند کرنے کی ممانعت فرماتے ہیں کہ بزعم زاعم ان کے نزدیک وہی مسجد ہے عرف میں عام طور پر مسجد کا مفہوم ہر شخص مسلمان کے ذہن میں ہے اس لئے کسی حصہ کی تخصیص کرنا چہ معنی دارد کا مضمون ہو جاتا۔ ہر شخص سمجھتا ہے کہ صحن میں نماز پڑھی گئی تو مسجد ہی میں پڑھی گئی۔ جب دروازہ کو بند کیا جو حد مسجد میں لگا ہوا ہے مسجد کے دروازہ کو بند کیا گیا جس میں صحن اور دالان دونوں داخل ہیں واتخاذہ طریقا بغیر عذر وصرح فی القنیة بفسقه باعتیاد (درمختار) مسجد کی آمد و رفت کے لیے گزرگاہ اور راستہ مقرر کرنے کی ممانعت فقہ حنفی میں موجود ہے اور ظاہر ہے کہ یہ وہیں ہوگا جہاں مسجد کے دو تین دروازے ہوں گے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عموماً مساجد کے دالانوں میں یا جسے جماعت خانہ کہا جاتا ہے اس میں پیچھے سے نکل جانے کے لیے دروازے لگائے نہیں جاتے بلکہ یہ صورتیں بڑی مسجدوں میں ہوتی ہیں جن میں زمین وافر کشادہ اور صحن وغیرہ ہوتے ہیں اور بقول زاعم اگر صحن مسجد سے خارج ہوا اور فقہ حنفی اس کو خارج شمار کرتی ہو تو ایک دروزے سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے نکل جانے پر اعتیاد کی حالت میں فسق کا حکم نہ لگایا جاتا اس لیے کہ صحن کو مسجدیت سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن ممانعت کر دی گئی اس لیے کہ صحن بھی مسجد ہے اس کو گزرگاہ بنانا مسجد ہی کو گزرگاہ بنانا ہے کیونکہ حد مسجد میں داخل ہے۔

والوضوء الا فیما اعد لذلك (درمختار) وفی الخلاصة وغیرھا یکرہ الوضوء والمضمضة فی المسجد الا ان یکون موضع فیه اتخذ للوضوء ولا یصلی فیه اھ (بحرالرائق ص ٣٤ ج ٢)

فقہ حنفی میں عام طور پر مسجد میں وضو کرنے کلی کرنے سے منع کر دیا گیا ہے اور کون عقلمند نہیں جانتا کہ وضو کرنا یا وضو جیسے اور کوئی کام کرنا اس جگہ نہیں ہوتے جہاں چھت بنی ہوئی ہے جو کہ مسقف حصہ کہلاتا ہے جس کو دالان کہا جاتا ہے جہاں حسب حیثیت نمازیوں کے لیے فرش بچھا ہوتا ہے بلکہ ایسے کام اگر ہوں گے تو ایسی جگہ ہوں گے جو کھلی ہوئی ہو جس کو آج کل صحن کہتے ہیں چونکہ فقہاء کے نزدیک صحن بھی مسجد ہے اس لیے اس میں وضو وغیرہ کرنے سے منع کر دیا تا کہ مسجد قاذورات سے پاک وصاف رہے ہاں اگر اس میں سے کسی حصہ کو وضو ہی کے لیے مقرر کر دیا گیا ہے جس میں نماز نہیں پڑھی جاتی ہے اس جگہ وضو کی اجازت ہے جو اس امر کی صریح دلیل ہے کہ صحن مسجد میں داخل ہے اس سے زیادہ صریح عبارت یہ ہے۔

وفی حاشیة المدنی عن الفتاویٰ المعفیفیة ولا یظن ان ماحول بیر زمزم یجوز

الوضوء والغسل من الجنابة لان حريم زمزم يجرى عليه حكم المسجد فيعامل معاملتها من تحريم البصاق والمكث مع الجنابة فيه ومن حصول الاعتكاف فيه واستحباب تقديم اليمنى بناء علىٰ ان الداخل من مسجد لمسجد ليس له ذالك اهـ (ردالمحتار ص ٤٦٤ ج ١.

اس عبارت فقہی میں تصریح ہے کہ چاہ زمزم کے گرداگرد اور اس کے حریم و ماحول میں حدث و جنابت کا وضو و غسل کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس پر مساجد کے احکام جاری ہیں اس جگہ تھوکنا جنابت کی حالت میں ٹھیرنا حرام ہے۔ اس جگہ اعتکاف کرنا جائز ہے۔ داہنے پاؤں کو پہلے رکھنا مستحب ہے کیونکہ داخل مسجد کے لیے مسنون یہی ہے۔ اور دنیا جانتی ہے کہ چاہ زمزم کی جگہ صحن مسجد اور حد مسجد میں واقع ہے حد مطاف سے باہر ہے اگر فقہ حنفی میں صحن مسجد مسجد نہ ہوتا تو یہ احکام مذکورہ حریم زمزم پر جاری نہ کرتے۔

مگر چونکہ فقہاء کے نزدیک جب کسی جگہ کا مسجد ہونا ثابت ہوجائے تو اس کے ہر حصہ کو مسجد کے لفظ سے ذکر کیا کرتے ہیں۔ اس مجموعی جگہ کو مسجد ہی کہتے ہیں۔ اس لیے احکام مسجد کے بیان کرنے میں اسی لفظ مسجد کو استعمال کرتے ہیں۔ اس میں تفریق نہیں کرتے اور صحن وغیرہ کو علیحدہ علیحدہ بیان نہیں کرتے۔

وغرس الاشجار الالنفع كتقليل نزو تكون للمسجد اهـ (درمختار) قال فى الخلاصة غرس الاشجار فى المسجد لاباس به اذا كان فيه نفع للمسجد بان كان المسجد ذانزو والاسطوانات لاتستقر بدونها وبدون هذا لايجوز اهـ وفى الهندية عن الغرائب ان كان لنفع الناس بظله ولا يضيق علىٰ الناس و لايفرق الصفوف لا باس به وان كان لنفع نفسه بورقه اوثمره او يفرق الصفوف اوكان فى موضع تقع به المشابهة بين البيعة والمسجد يكره اهـ (ردالمحتار ص ٤٦٤ ج٢) وبحر عن الظهيرية وغيرها ص ۳۵ ج ۲۔ ومنحة الخالق ص ۳۵ ج ۲۔ وعالمگیری عن فتاویٰ قاضی خان ص ۱۱۱ ج ۲)

ظہیریہ۔ خلاصہ فتاویٰ قاضی خان۔ عالمگیری۔ درمختار۔ ردالمحتار۔ بحرالرائق وغیرہ کتابوں میں مصرح ہے کہ مسجد میں درخت لگانا جس سے مسجد کو یا نمازیوں کو کسی قسم کا نفع نہیں ہے جائز نہیں ہے ہاں اگر مسجد کے مصالح کے لیے درخت لگائے تو جائز ہے۔ مثلاً زمین مسجد میں اتنی نمی اور تری ہے جس کی وجہ سے مسجد کے ستون یا دیواریں قائم نہیں رہتی ہیں اور مسجد میں درخت لگادینے سے اس نمی میں کمی ہوجاتی ہے تو جائز ہے یا نمازیوں کے سایہ کے لیے لگادیا تو جائز ہے۔ بشرطیکہ صفوں میں تفریق نہ واقع ہو۔ لوگوں پر تنگی نہ ہوجاوے۔ غیر مسلم کے عبادت خانوں، گرجہ، کنیسہ کے ساتھ مسجد کو مشابہت نہ ہو۔

دنیا جانتی ہے کہ درخت واشجار کھلی ہوئی جگہ میں لگائے جاتے ہیں۔ مسقّف اور سائبان والی زمین اور دالان میں شجر درخت نہیں لگائے جاتے فقہاء کہتے ہیں۔ بغیر ضرورت کے مسجد میں درخت لگانا

جائز نہیں۔ اس لفظ مسجد سے صحن ہی مراد ہے کہ وہ کھلی ہوئی جگہ ہوتی ہے اور لنفع الناس بظلہ نے اس کو اور بھی واضح کر دیا کہ اس سے صحن میں درخت لگانا مراد ہے جہاں سایہ کی کوئی چیز باعتبار عرف نہیں ہوتی ورنہ دالان میں تو خود سایہ ہوتا ہے وہاں درخت کے سایہ کی ضرورت نہیں ہوئی۔ چونکہ فقہاء کرام حد مسجد کے اندر جو زمین ہوتی ہے۔ سائبان والی ہو یا بغیر سائبان کے سب کو مسجد ہی کہتے ہیں۔ اس لیے احکام مسجد کے بیان کرنے میں حصص کی تفریق نہیں کرتے صحن بولنے کی جگہ پر بھی مسجد کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اسی لئے فرمادیا کہ مسجد کا ہر حصہ محترم ہوتا ہے۔ اس میں کوئی ایسا کام نہ ہونا چاہئے جو شان مسجد کے خلاف ہو۔ لہٰذا بغیر ضرورت کے مسجد میں درخت بھی نہ لگانا چاہئے شجر سے بڑے بڑے درخت ہی مراد ہیں جن سے سایہ حاصل کیا جا سکے۔ جن کی جڑیں زمین میں پیوست ہو کر زمین کی نمی کو جذب کر لیں۔ پھولوں وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے درخت مراد نہیں۔ جو گملوں وغیرہ میں رکھے جاتے ہیں گو اس عرض کی ضرورت نہ تھی۔ مگر دنیا عقل مندوں سے خالی نہیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ کوئی عقل منداپنی ذہنی جدت سے عبارت مذکورہ کو کسی دوسری شکل میں ڈھالنے لگے اور کوئی وہمی شبہ پیش کر دے۔ لہٰذا پہلے ہی متنبہ کر دیا گیا ہے کہ اس جدت کی یہاں حاجت نہیں۔

مسجد میں درختوں کی کثرت ہوگی تو نمازیوں کو ضرور تنگی پیش آئے گی جس کی وجہ سے نماز پڑھنے میں تکلیف ہوگی۔ اور یہی کثرت صفوں کی بھی تفریق کر دے گی۔ جو بڑی جماعتوں میں نمایاں طور پر ظاہر ہوگی جن میں مقتدیوں سے صحن مسجد بھی بھر جاتا ہے اور گرمی کے زمانہ کی نمازوں میں جن کے لیے عموماً صحن کو استعمال کیا جاتا ہے۔ درختوں کی کثرت کا اثر تفریق صفوف اور ضیق ناس کی صورت میں ظاہر ہی ہو کر رہے گا۔ بلکہ ایک درخت بھی بعض اوقات اقامت صف میں مانع ہوگا۔ بغیر ضرورت کے بعض درخت لگانے کی اجازت دیدی تھی مسجد وسیع ہونے کی صورت میں اس کی بھی تردید کر دی گئی۔

فرد علیہ بانہ لایلزم من ذلک حل الغرس الا للعذر المذکور لان فیہ شغل ما اعد للصلٰوۃ ونحوھا وان کان المسجد واسعاً وکان فی الغرس نفع بثمرتہ والالزم ایجار قطعۃ منہ ولا یجوز ابقائہ ایضاً لقولہ علیہ الصلٰوۃ والسلام لیس لعرق ظالم حق لان الظلم وضع الشیئی فی غیر محلہ وھذا کذلک الخ (ردالمحتار نقلا عن رسالۃ العلامۃ ابن امیرحاج ص ۴۶۴ ج ۱) قولہ والا فلادلیل علٰی انہ لایجوز احداث الغرس فی المسجد ولا ابقائہ بہ لغین ظل العذر ولو کان المسجد واسعاً کمسجد القدس الشریف ولو قصد بہ الاستغلال للمسجد لان ذلک یؤدیٰ الٰی تجویز احداث دکان فیہ او بیت للاستغلال او تجویز ابقاء ذلک بعد احداثہ ولم یقل بذلک احد الا بضرورۃ داعیۃ ولان فیہ ابطال مابنی المسجد لاجلہ من صلٰوۃ واعتکاف و نحوھما اھ (منحۃ الخالق ص ۳۷ ج ۲)

جس شخص کی نظر اس عبارت پر ہوگئی وہ کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فقہ حنفی میں صحن کو مسجد سے خارج کر دیا گیا ہے مسجد اقصیٰ کوئی چھوٹی سی مسجد نہیں ہے بڑی اور بہت بڑی مسجد ہے۔ جب اس میں بغیر ضرورت مسجد کے درخت لگانے کی اجازت نہیں تو اس جیسی وسیع مسجدوں میں بھی نہیں۔ اس لئے کہ جواز احداث دکان وغیرہ کو مستلزم ہے جو بغیر ضرورت داعیہ اور بغیر اشد مجبوری کے جائز نہیں ہے۔ بلکہ درخت لگادینے سے مسجد کی مسجدیت باطل ہوئی جاتی ہے کہ مسجد کو نماز و اعتکاف وغیرہ کے لیے بنایا گیا ہے۔ اب اس میں درختوں کی کاشت شروع کر دی گئی۔ ان جملہ امور سے روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ فقہاء صحن پر مسجد کا حکم لگا رہے ہیں۔ اور ان جملہ امور کو صحن مسجد میں احداث کرنے سے منع کرتے ہیں کہ وہ مسجد ہے اس کی بھی حرمت اسی طرح کی ہے جس طرح مسقف اور دالان کی حرمت ہے لیکن صحن کا لفظ نہیں استعمال کیا۔ اس پر لفظ مسجد اطلاق کر دیا تاکہ مسجدیت کے لحاظ سے جو تفریق کا وہم ہوتا ہو وہ مٹ جائے۔

**قالوا ولا یتخذ فی المسجد بیر ماء لانہ یخل بحرمۃ المسجد فانہ یدخلہ الجنب وان حفر فھو ضامن بما حفر الا ان ما کان قدیماً فیترک کبئر زمزم فی المسجد الحرام اھ** (بحر الرائق ص ۳۵ ج ۲۔ رد المحتار ص ۳۸۲ ج ۳) فقہاء نے مسجدوں میں کوئیں کھودنے سے بایں وجہ منع کر دیا کہ اس سے مسجد کا احترام باقی نہیں رہتا اگر مسجد میں کنواں ہوگا۔ تو پانی کے لیے جنبی حائضہ وغیرہ سب ہی پانی بھرنے کے لیے مسجد میں آمد و رفت کریں گے جس سے حرمت مسجد جاتی رہے گی ہاں اگر کوئی کنواں قدیم زمانہ سے مسجد میں موجود ہے۔ چنانچہ مسجد حرام میں چاہ زمزم ہے تو اس کو اسی طرح باقی رکھا جائے گا۔

ہر ادنیٰ عقل والا جانتا ہے کہ اکثری حالت میں عام طور پر مساجد کے دالانوں اور مسقف عمارتوں میں کنواں نہیں بنوایا جاتا۔ بلکہ کھلی ہوئی جگہ میں جو صحن مکان یا صحن مسجد یا فناء مسجد ہوگی۔ فقہاء مسجد میں کنواں کھودنے کو منع کرتے ہیں اور وہ صحن میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے معنی یہ ہوئے کہ صحن میں کنواں نہ کھودو۔ کیونکہ مسجد ہے۔ اور اس کی وجہ سے مسجد کا احترام جاتا رہے گا۔ مثال میں چاہ زمزم کو بیان کرنا دلیل روشن ہے کہ فقہاء کے کلام میں مسجد سے صحن مسجد مراد ہے۔ ورنہ چاہ زمزم کو دنیا جانتی ہے کہ صحن مسجد حرام میں ہے۔ اور جب یہ کہہ دیا **کبیر زمزم فی المسجد الحرام**۔ تو کہہ دیا کہ صحن مسجد میں داخل ہے۔ اس میں نماز پڑھنے سے مسجد ہی کا ثواب ملتا ہے۔ اس کو مجنونوں، بچوں، ناپاکوں، حائضہ و نفاس والی وغیرہ عورتوں سے پاک و صاف رکھنا چاہئے۔

**نعم یوجد فی اطراف صحن الجوامع رواقات مسقوفۃ للمشی فیھا وقت المطر ونحوہ لاجل الصلوٰۃ اوللخروج من الجامع لالمرور المارین مطلقاً کالطریق العام فلعل ھذا ھو المراد فمن لہ حاجۃ الی المرور فی المسجد یمرفی ذلک**

الموضع فقط لیکون بعیدا عن المصلین ولیکون اعظم حرمة لمحل الصلوٰةفتأمل (ردالمحتار ص ۳۵۵ ج۳)۔

اس عبارت میں صحن کا بھی ذکر آ ہی گیا۔ اور اس نے تصریح کردی کہ صحن مسجد ہے اور مسجد میں داخل ہے اور اطراف مسجد کے صحن جو صحنچیاں دالان مسقف بارش ودھوپ وغیرہ کے وقت چلنے اور نماز پڑھنے اور جامع مسجد سے باہر جانے کے لیے بنادیے جاتے ہیں جب وہ مسجد ہیں تو صحن جو وسط میں ہوتا ہے بطریق اولیٰ مسجد ہے۔ حاجت کے وقت ان رواقات میں مرور کی اجازت دینی اور صحن کو گزرگاہ نہ بننے دینا اس سے بچ کر جانے کا حکم دینا صحن کو مسجد بناتا ہے اور یہ کیوں کیا گیا اس لیے کہ اس کا مرور نمازیوں سے بعید واقع ہو۔ اور محل صلوٰۃ کی حرمت برقرار رہے۔ بلکہ اعظم حرمت ہو جائے۔ ان رواقات میں سے بھی ایسے وقت گزرے کہ جنبی اور حائضہ وغیرہ نہ ہو۔ وجاز لکل احدان یمر فیه حتٰی الکافر الا الجنب والحائض والدواب۔ زیلعی اھ (درمختار ص ۳۹۵) جنبی حائض کو اس میں گزرنے سے منع کردینا باعلیٰ ندا پکارتا ہے کہ صحن مسجد ہے اس کے اوقات میں سے ایسی حالت میں گزرنا جائز نہیں کہ مسجد کی حرمت میں کچھ فرق آئے۔

قلت وبهذا علم ایضاً حرمة احداث الخلوات فی المساجد کالتی فی رواق المسجد الاموی ولا سیما مایترتب علیٰ ذلك من تقدیر المسجد بسبب الطبخ والغسل ونحوه اھ (ردالمحتار ص ۳۸۲ ج۳)۔

مساجد میں احداث خلوات کی حرمت کی تصریح کرنی اور مثال میں رواق مسجد اموی کے خلوت کو پیش کرنا جو اطراف صحن میں ہوتا ہے اس کو بتلاتا ہے کہ رواق مسجد ہے اور جب صحن کے اطراف مسجد ہیں تو وسط مسجد جس کو صحن کہا جاتا ہے مسجد ہو کر ہی رہے گا اور طبخ وغسل وغیرہ اس کے مسجد ہونے کو اور واضح اور روشن کردے گا جس کی وجہ سے مسجد قاذورات کا محل بن جاتی ہے۔

رواق جس طرح مقدم البیت (چھجا) اور چھت گیری اور سقف (چھت) کو کہتے ہیں اسی طرح اس دالان کو بھی کہتے ہیں جو بڑی مسجدوں کے اطراف میں ہوتا ہے جس کو صحنچی کہتے ہیں۔ غرض جو شخص ان موٹے موٹے جزئیات فقہیہ پر سرسری نظر ڈالے گا۔ وہ یقیناً آسانی اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ فقہ حنفی میں صحن مسجد ہے اور فقہاء حنفیہ احکام مسجد کے بیان کے وقت حد مسجد میں جتنی جگہ ہے سب کو مسجد ہی کے نام سے پکارتے ہیں۔ ہاں کبھی کبھی کسی خاص حکم کے بیان کرنے کے وقت خاص خاص حصوں کو متعین کردیتے ہیں لیکن مسجدیت سے باہر نہیں کرتے جہاں کہیں فقہاء سنت فجر کے ادا کرنے کو بیان فرماتے ہیں وہاں اس تفریق کو ذکر کرتے ہیں۔

لما فی المحیط ولو صلاهما فی المسجد الخارج والإمام یصلی فی الداخل

قيل لايكره لانه لايتصور بصورة المخالفة للقوم لاختلاف المكان حقيقة اهـ ثم السنة في السنن ان ياتي بها في بيته اوعند باب المسجد و ان لم يمكن ففي المسجد الخارج وان كان المسجد واحدا فخلف الاسطوانة ونحوذلك اواخر المسجد بعيدا عن الصفوف في ناحية منه اهـ (البحرالرائق ص ۷٤ ج۲) ثم السنة في سنة الفجر ان ياتي بها في بيته او عند باب المسجد وان لم يمكن ففي المسجد الخارج وان كان المسجد واحدا فخلف الاسطوانة ونحو ذلك اهـ (منية المصلى ص ۳۹٤) والا صلاها في الشتوى اوالصيفي ان كان لمسجد موضعان (ردالمحتار ص۵۰۳ ج۱) فان كان الإمام في الصيفي فصلاته اياها في الشتوى اخف من صلوتها في الصيفي و عكسه اهـ (فتح القدير)۔

ان عبارتوں میں مسجد شتوی اور مسجد داخل اور مسجد صیفی اور مسجد خارج چار لفظ موجود ہیں ان سے ثابت ہے کہ مسجد کے کبھی دو حصے بھی ہوتے ہیں جو حصہ بارش اور سخت دھوپ اور سردی وغیرہ سے بچنے کے لیے نماز کے واسطے مقرر کیا جائے اس کو مسجد شتوی اور مسجد داخلی کہا جاتا ہے اسی کو مسقف اور چھت والا مکان سایہ دار جگہ جماعت خانہ اور کبھی دالان مسجد کہا جاتا ہے اور کبھی دالان مسجد مسجد شتوی سے علیحدہ چیز ہوتی ہے۔ جبکہ مسجد کے تین درجے ہوں جسے برآمدہ اور کسی جگہ برانڈہ بھی کہتے ہیں۔

اور جو حصہ گرمی کے زمانہ میں ہوا وغیرہ نہ ہونے کے وقت نماز کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اس کو مسجد صیفی اور مسجد خارجی کہا جاتا ہے اسی کو صحن مسجد کہتے ہیں۔ یہ میں نہیں کہتا بلکہ کتب فقہ احناف میں اس کی تصریح ہے۔ان ياتي بالسنة عند باب المسجد ان امكنه بان وجدهناك مكانا يصلح للصلوٰة وان لم يتيسرله ذلك ففي المسجد الخارج يعني في صحن المسجد اذاكان الامام والقوم في داخله الخ (التعليق المجلى نقلا عن الحيلة لا بن الامير الحاج ص۳۹٤)

جب یہ تصریح موجود ہے تو یہ کہنا کہ فقہ احناف میں صحن کو مسجد سے خارج کر دیا ہے اور جو صحن مسجد میں نماز پڑھے اس کو مسجد میں پڑھنے کا ثواب نہیں ملتا غلط اور بالکل غلط ہے فقہائے کرام تو حد مسجد کی مجموعی زمین کو مسجد کہتے ہیں۔ صحن تو وسط مکان کا نام ہے۔ اس کو مسجد سے کس طرح خارج کر سکتے ہیں۔ صحن الدار وسطها وصحن الفلاة هو ما اتسع منها (المصباح المنير ص ۱۵۲ ج۱) صحن الدار واسطها (مختار الصحاح ص۳۵۷) صحن الدارساحتها اووسطها المنجد ص۲۷۵۔ صحن میان خانہ (منتخب ص۷ ۲۳ صحن خانہ وزمین ہموار (غیاث ص۳۰۵) اکثری حالت میں صحن وسط مکان کے معنی میں آتا تھا اس لئے فقہاء نے ہر جگہ مسجد کے بیان میں لفظ صحن استعمال نہیں کیا۔ کیونکہ وسط مکان مکان ہی میں داخل ہوتا ہے پھر صحن مسجد کو علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اب چونکہ عرف کے اعتبار سے صحن اسی خاص جگہ کو بولنے کہنے لکھنے لگے جو حد مکان میں کھلی ہوئی بے سائبان

والی جگہ ہوتی ہے اس لئے کتب میں کہیں کہیں خصوصیت کے ساتھ اس لفظ کی تصریح کر دینی پڑی۔ ورنہ فقہاء کے نزدیک مسجدیت کے اعتبار سے اس کا کوئی حصہ کسی خاص نام کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ ممتاز نہیں ہے ہاں کسی خاص حکم کے بیان کرنے کے وقت کبھی کسی خاص لفظ کو استعمال کر دیتے ہیں۔ اسی صحن کو لیجئے کہ کبھی تو یہی لفظ صحن لکھتے ہیں اور کبھی اس کو فضاء سے تعبیر کرتے ہیں۔

وفی النوازل جعله كالمسجد والمسجد وان كبر لا يمنع الفاصل الا فى الجامع القديم بخوارزم فان ربعه كان علىٰ اربعة الاف اسطوانة وجامع القدس الشريف اعنى مايشتمل علىٰ المساجد الثلاثة الاقصى والصخرة والبيضاء كذا فى البزازية ومثله فى شرح المنية واما قوله فى الدر ولا يمنع من الاقتداء الفضاء الواسع فى المسجد وقيل يمنع اهـ فانه وان افادان المعتمد عدم المنع لكنه محمول علىٰ غير المسجد الكبير جدا كجا مع خوارزم والقدس بدليل ماذكرنا اهـ (ردالمحتار ص ۴۱۱ ج ۱)

عبارت مذکورہ میں الفضاء الواسع فی المسجد ہے جو صحن کا عنوان وبیان ہے۔ چونکہ بہت بڑی مسجدوں میں صحن بھی انہیں کی حیثیت کا ہوتا ہے اس لیے اس کو فضاء واسع سے تعبیر کر دیا کبھی اس کو رحبۃ المسجد اور ساحۃ المسجد اور عرصۃ المسجد سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ایسے شخص پر مخفی نہیں جس نے کتب فقہ کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے۔

ہاں اس کا بھی خیال رہے کہ فقہائے احناف کے یہاں ایک مسجد ہوتی ہے اور ایک ایسی چیز ہوتی ہے جو مسجد تو نہیں ہے لیکن بعض اوقات اس کو مسجد کے حکم میں شمار کرتے ہیں جس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس پر مسجد کے احکام جاری ہیں۔

كفناء مسجد هو المكان المتصل به ليس بينه وبينه طريق فهو كالمتخذ بصلوٰة جنازة وعيد فيما ذكر من جواز الاقتداء وحل دخوله بجنب ونحوه كما فى اخر شرح المنية (ردالمحتار ص ۴۶۱ ج ۱) جس کو فناء مسجد کہا جاتا ہے جو حد مسجد سے خارج جگہ ہوتی ہے اس میں جنبی وغیرہ کا داخل ہونا جائز ہے لیکن اقتداء وغیرہ کی حالت میں اس کو مسجد کے حکم میں کر دیا ہے۔ نیز اس میں بھی ایسے کام کرنے سے بعض وقت فقہاء منع کر دیا کرتے ہیں جس سے شان مسجد میں فرق آئے۔ اور اس کی حرمت برقرار نہ رہے۔

فناء المسجد ماكان عليه ظلة المسجد اذا لم يكن ممرا لعامة المسلمين اهـ (بحر ص ۲۴۹ ج ۵ وطحطاوى على الدرالمختار ص ۵۳۶ ج ۲) فناء الدار ما امتد من جوانبها والجمع افنية اهـ (مختار الصحاح ص ۵۱۳) الفناء للوصيد وسعة امام البيت وقيل ماامتد من جوانبها (الصحاح ص ۶۱ ج ۲) الساحة امام البيت (المنجد ص ۶۴

بکسر اول بمعنی حوالی ونواحی بمعنی گرداگرد خانہ وپیش سرائے کہ کشادہ وفراخ باشد (غیاث ص ۳۷۹) پیش خانہ کہ فراخ وکشادہ باشدو گرداگرد خانہ (منتخب ص ۲۶۔ فناء حوالی وگرداگرد مکان کاخ مکان کے دروازہ کے آگے کشادہ صحن (لغات کشوری ص ۳۹۳۔)

غرض فناء مسجد وہ جگہ ہوتی ہے کہ حد مسجد سے خارج ہو۔ مسجد کے چاروں طرف ہو۔ یا صرف مسجد کے سامنے ہو۔ مگر فقہاء اس میں بھی بغرض اشد ضرورت وحاجت کے کوئی کام نہیں ہونے دیتے جس سے مسجد کی شان میں فرق پیدا ہو اور مسجد کی حرمت باقی نہ رہے۔

**لایجوز لقیم المسجد ان یبنی حوانیت فی حد المسجد اوفنائه الخ** (بحر ص ۲۴۹ والطحطاوی ص ۵۳۶ ج ۲) حد مسجد اور فناء مسجد میں دوکانیں بنانے کی اسی لیے ممانعت کردی کہ ان کی وجہ سے عوام کی آمدورفت ہوگی اور پھر مسجد میں اور بازار میں کچھ فرق نہ ہوگا اور ان دوکانوں کی وجہ سے مسجد کی صفائی بھی باقی نہ رہے گی۔ اس میں پاک وناپاک سب ہی قسم کے لوگ آنے جانے لگیں گے مگر باایں ہمہ مسجد میں داخل نہیں اور اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں۔ ہاں نماز وغیرہ کے وقت اتصال صفوف واقتداء بالامام میں حکم مسجد دیا ہے۔

**بنی فی فنائه فی الرستاق وکانا لاجل الصّلٰوة یصلون فله حکم المسجد** (بحر ص ۲۵۰ ج۵) **ذکر فی البحر عن المجتبیٰ ان فناء المسجد ثم قال وبه علم ان الاقتداء فی کل وقت من صحن الخانقاہ الشیخونیة بالإمام فی المحراب صحیح وان لم تتصل الصفوف لان الصحن فناء السمجد وکذا اقتداء من بالخلاوی السفلیة صحیح لان ابوابها فی فناء المسجد الخ ویاتی تمامه وفی الخزائن ان فناء المسجد هو مااتصل به ولیس بینه وبینه طریق اهـ قلت یظهر من هذا ان مدرسة الکلاسة والکاملیة من فناء المسجد الاموی فی دمشق لان بابها فی حائطه وکذا المشاهد الثلثة التی فیه بالا ولی وکذا ساحة باب الجرید والحوانیت التی فیها اهـ** ردالمحتار (ص ۴۱۱ ج ۱)

فقہاء کبھی صحن کو لفظ خلاء سے تعبیر کرتے ہیں۔

**قوله کمسجد وبیت خان المسجد مکان واحد ولذالم یعتبر فیه الفصل بالخلاء الا ذاکان المسجد کبیراً جدا** (ردالمحتار ص ۴۱۲ ج ۱) **الخلاء ایضاً للمکان الذی لا شیئی به** (مختار الصحاح ص ۱۸۸ ج ۱) **اوخلا ای فضاء فی مسجد کبیر جدا کمسجد القدس** (درمختار)

عبارت مذکورہ میں خلاء سے صحن مسجد مراد ہے جس میں کوئی عمارت وسائبان وغیرہ کچھ نہیں ہوتا اور اس پر قرینہ **لم یعتبر فیه الفصل بالخلاء** ہے کہ گو فضاء اور خلاء بھی ہو جب بھی اقتداء صحیح ہے اس لیے کہ مسجد مکان واحد ہے اور یہ خلاء مسجد ہی ہے۔ لہٰذا اتصال کو مانع نہیں ہے اور درمختار کی عبارت اس

کے لیے شاہد عادل ہے۔

وقد وقعت حادثة سئلت عنها فی امیر اراد ان ینقل بعض احجار مسجد خراب فی صفع قاسیون بدمشق لیبلط بها صحن الجامع الاموی فافتیت بعدم الجواز متابعة للشرنبلالی (ردالمحتار ص ۳۸۳ ج ۳) یہ عبارت صریح دلیل ہے کہ صحن مسجد ہے کیونکہ بحث اس میں ہے کہ ایک مسجد کا اسباب دوسری مسجد میں لگ سکتا ہے یا نہیں۔

یاد رکھنا چاہئے کہ جب شروط مسجد کا وجود و تحقیق کامل طور پر ہو جائے گا فقہاء کے نزدیک وہ مسجد ہو جائے گی۔ اور جب شروط کا تحقیق نہ ہو وہ مسجد نہیں ہو سکتی لان المسجد لایخرج عن المسجدية ابدا۔ (ردالمحتار ص ۳۴۵ ج ۳)

لہٰذا اگر کسی جگہ پر کسی عبارت فقہی سے شبہ پیدا ہونے لگے تو اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس میں بیان کردہ شروط متحقق ہیں یا نہیں بغیر سوچے سمجھے اور بغیر غور و فکر کے اعتراض مقبول نہ ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ فقہ احناف میں مسجد کا صحن مسجد ہے اس کو خارج مسجد نہیں شمار کیا جاتا ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ فقہ حنفی اس کو خارج سمجھتی ہے اس کا قول غلط ہے۔

لیکن اب مجھے یہ ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی صاحب اہل تحقیق یہ نہ فرماویں کہ چونکہ صحن مسجد کا مسجد ہونا فقہ احناف سے ثابت ہے اس لیے جہاں اور بہت سے مسائل بے دلیل ہیں۔ صحن کا مسجد ہونا بھی بے دلیل ہے فقہ احناف میں اور بھی عبارتیں ہیں۔ اگر ان سب کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو ایک کتابی صورت ہو جائے گی۔ چنانچہ عرض کر چکا ہوں اگر ضرورت ہوگی تو پیش کر دونگا۔

فقہ میں رحبۃ المسجد۔ ساحۃ المسجد اور عرصۃ المسجد کے الفاظ بھی مستعمل ہیں۔ ایک لفظ حریم بھی کسی وقت استعمال کیا جاتا ہے۔ ان سب کے معانی اور محل استعمال پر بھی غور کر لینا چاہئے میں نے جو لفظ ذکر کیے ہیں وہ فضاء واسع خلاء فناء مسجد خارجی مسجد صیفی وغیرہ ہیں جو حد مسجد کے اندر کی جگہ کو جوف مسجد بھی کہہ دیتے ہیں۔ والسلام۔ (تتمۂ خامسہ ص ۴۷۵)

سوال (۷۶۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ تقریباً صوبہ گجرات بالخصوص ضلع سورت میں عام دستور یہ ہے کہ جب مسجد بناتے ہیں تو اس کے مسقف (چھت والے) حصے کو نماز پڑھنے کے لیے مخصوص کر دیتے ہیں اسی وجہ سے اس کو جماعت خانہ کہتے ہیں اسی کے ساتھ کچھ کھلا ہوا حصہ بطور صحن کے بناتے ہیں اس لیے کہ اس میں اس قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہیں جو مسجد کے احترام کے خلاف اور ممنوع ہیں مثلاً ہر وقت اٹھنا بیٹھنا اور وہیں سونا اور دنیاوی باتیں کرنا یہاں تک کہ حالت جنابت میں بھی اس صحن میں رہتے ہیں کیونکہ اس کو خارج از مسجد شمار کیا جاتا ہے۔ نیز اس میں

جماعت خانہ کی طرح کبھی نماز باجماعت بھی نہیں ہوتی پس راندیر کی مسجد چناروا ڑہ بھی اسی طرح پہلے کچھ مختصر بنی ہوئی تھی اور اس کے صحن کے ساتھ بالکل غیر مسجد کا سا برتاؤں کیا جاتا تھا تقریباً ۱۲۹۰ھ المقدس میں یہاں کے بزرگوں نے اس مسجد کو از سر نو بنایا اور ایک زمین خرید کر اس میں شامل کر کے وسیع کیا جس طرح اس کے جماعت خانہ کو بڑھایا ہے اسی طرح اس کے صحن کو بھی وسعت دی چنانچہ جس جگہ قدیم مسجد کا حوض تھا اس جگہ کو ٹانگہ بنا کر اس کے بعض حصہ کو صحن میں شامل کر لیا اور حصہ جنوبی جانب کا برآمدہ کے طریق پر ضروریات وضو کے لیے مخصوص رکھا جدید تعمیر کرنے والے اصحاب کے زمانہ سے اب تک بھی اس صحن کے ساتھ خارج مسجد کا برتاؤ تھا اور وہ لوگ اہل علم اور سمجھ دار تھے جو داخل مسجد اور خارج مسجد کو خوب سمجھتے تھے پھر بھی انہوں نے اس صحن کو مسجد میں شامل نہ سمجھا۔ اس کے علاوہ ایک عام رواج یہ بھی ہے کہ اکثر مسجدوں کے صحن میں قبریں بناتے ہیں چنانچہ اس نواح کی کوئی مسجد ایسی مشکل سے ملے گی جس کے صحن میں کسی پرانی قبر کا نشان نہ پایا جاتا ہو پس یہ صورت بھی اس کا کھلا ہوا قرینہ ہے کہ صحن مسجد کو مسجد میں داخل نہیں سمجھتے بعض حضرات تھوڑے عرصہ سے یہاں کی مسجدوں کو دہلی وغیرہ کی مسجدوں پر قیاس کرتے ہیں یہ قیاس صحیح نہیں ہے اس لیے کہ وہاں کی مسجدیں اکثر ایسی بنائی جاتی ہیں کہ ہوادار کم ہوتی اس وجہ سے وہاں گرمی کے موسم میں صحن میں نماز پڑھنا اور صحن کو مسجد میں داخل سمجھنا ضروری ہوتا ہے اس کے برخلاف یہاں کی مسجدیں نہایت ہوادار اور کشادہ ہوتی ہیں۔ ہوا کی آمد کے لیے خاص طور پر چاروں طرف دریچیاں وغیرہ بنائی جاتی ہیں اس وجہ سے کبھی صحن میں نماز پڑھنے کی ضرورت واقع نہیں ہوتی اور اس صحن کو داخل مسجد کرنے کا اب تک کوئی ثبوت بھی باقاعدہ نہیں پس ایسی صورت میں مسجد چناروا ڑہ کا صحن شرعاً مسجد سے خارج سمجھا جائے گا یا نہیں اور جنازہ کی نماز صحن میں پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں۔ جواب مفصل مدلل ارشاد فرمایئے۔ جزاکم اللہ۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ مدار مسجدیت کا وضع بقعة للصلوٰة ذات اذان و اقامة ہے جس کی ظاہری علامات فعلیہ افرازها عن الملک بطریقها و اذن لعامة الناس بالصلوٰة فیها اور قولیہ قول واقف جعلتها مسجداً ہیں اور وضع للصلوٰة ایک نیت مخفیہ ہے جب تک بانی سے اس نیت کی نفی تصریح ثابت نہ ہو علامات مذکورہ قائم مقام نیت مذکورہ کے ہوں گے پس صحون مذکورۂ سوال کے باب میں اگر واقف وبانی کی تصریح نفی نیت مسجدیت کی سند صحیح سے ثابت ہو تو ان پر حکم مسجدیت کا نہ کیا جاوے گا ورنہ مسجدیت کا حکم کیا جاوے گا وهذا ظاهرٌ جداً۔ واللہ اعلم۔ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ (تتمۂ خامسہ ص:۵۳۴)

## داب المساجد علیٰ آداب المساجد

سوال (۷۶۳) بعد الحمد والصلوٰۃ آداب المساجد ایک رسالہ ہے مؤلفہ مفتی محمد شفیع صاحب

دیوبندی سلمہٗ کا اس کے طبع مکرر کے وقت مولوی صاحب نے رسالہ کے بعض مقامات پر نشان بنا کر مجھ سے نظر ثانی کی استدعا فرمائی ان مقامات پر میں نے جو لکھا ہے اس کا نام داب المساجد (بمعنی النشان کما فی القاموس بابدال الھمزۃ کما قرأہ السوسی) رکھدیا اول مقام کے عنوان کا حوالہ دیکر قولہ سے رسالہ کی نشان کردہ عبارت نقل کی گئی اور جہاں کچھ استفساری عبارت تھی اس کے بعد وہ لکھدی پھر اقول سے اپنا مشورہ لکھدیا اور دو مقام پر بلا درخواست کچھ مضمون ضروری سمجھ کر لکھدیا اور اسی زمانہ میں دو سوال دوسری جگہ سے آ گئے تھے اس کا جواب بھی بمناسبت رسالہ بطور ضمیمہ کے اس کے ساتھ ملحق کردیا و باللہ الاستعانۃ والیہ الالتجاء والاستکانۃ۔ کتبہ اشرف علی۔ ۱۳؍رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ

عنوان:۔ ان کاموں کا بیان جو مسجد میں ناجائز یا مکروہ ہیں۔

قولہ مسئلہ:۔ کسی مصیبت کی وجہ سے مسجد میں بیٹھنا مکروہ ہے (اشباہ)

اقول:۔ فقہاء کے اقوال سے اس باب میں جو احقر سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ طاعت کی تو مطلقاً مسجد میں اجازت ہے الا لعارض اور معصیت کی مطلقاً ممانعت ہے خواہ خاص اس طاعت و معصیت ہی کی نیت سے مسجد میں گیا ہو خواہ پہلے سے مسجد میں موجود ہو اور اتفاقاً اس طاعت و معصیت کا صدور ہو گیا ہو اور جو امر نہ طاعت ہو نہ معصیت بلکہ مباح ہو اس کے لیے خاص مسجد میں جانا تو مکروہ ہے اور اگر پہلے سے مسجد میں حاضر ہے اور اتفاقاً اس مباح کی حاجت پیش آ گئی یا حاجت پہلے سے پیش آئی لیکن اس کی نیت سے مسجد میں نہیں گیا بلکہ کسی طاعت کے لیے گیا اور وہاں اس مباح میں بھی اشتغال ہو گیا تو بشرط عدم اکثار جائز ہے۔ پس اس مسئلہ کا محل وہ صورت ہے کہ خاص اسی غرض سے مسجد میں جا کر بیٹھا کہ اہل تعزیت آ کر مجھ کو میت کی تعزیت دیں گے اور بعض روایات میں جو ایسے ہی موقعہ پر حضور اقدس ﷺ کا مسجد میں تشریف رکھنا منقول ہے اس کا محمل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا نشر احکام و فصل خصومات کے لئے مسجد میں تشریف رکھنے کا معمول پہلے سے تھا اس روز بھی اسی غرض سے بیٹھے۔ چونکہ وہی جگہ بیٹھنے کی تھی اہل تعزیت وہاں ہی حاضر ہوتے رہے۔

**قولہ مسئلہ:۔** مسجد میں عقد نکاح مستحب ہے۔

**استفسار:۔** موجودہ زمانہ میں شور و شغب کی وجہ سے منع کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

**اقول:۔** لعب حبشہ بالحراب سے زیادہ اس میں عادۃً شور و شغب نہیں ہوتا۔ اس عارض کا وہاں اعتبار نہیں کیا گیا تو یہاں کیوں کیا جاوے البتہ جس مندوب مطلوب میں ایسا مفسدہ محتمل ہو وہاں خود مفسدہ کا انسداد کر دینا ضروری ہے بخلاف ایسے امر مباح یا مندوب کے جو خود شرعاً مطلوب نہ ہو وہاں خود اس مندوب و مباح ہی کو روکیں گے اور مطلوبیت نکاح فی المساجد کی خود منقول ہے۔

**قولہ مسئلہ:** اگر جنازہ مسجد سے باہر ہو اور جماعت مسجد کے اندر پڑھی جاوے تو یہ بھی مکروہ ہے لیکن بضرورت کیا جاوے تو جائز ہے۔

**استفسار:** یہ فتویٰ علیٰ احد القولین عند الضرورت قابل غور ہے تصویب یا تردید تحریر فرمائی جاوے۔

**اقول:** قواعد سے بحالت عذر اس پر عمل جائز معلوم ہوتا ہے۔ کما فی ردالمحتار انما تکرہ فی المسجد بلاعذر فان کان فلا الیٰ قولہ واذا ضاق الامر اتسع (قلت وھذا ھو مرادی بالقاعدۃ) ج ۱ ص ۹۲۶۔

**قولہ مسئلہ:** مسجد میں ذکر جہر کرنا اور آواز سے تلاوت قرآن کرنا وغیرہ سب ناجائز ہیں۔ (خلاصۃ الفتاویٰ) الیٰ قولہ ناجائز فرمایا ہے۔

**اقول:** اس میں اقوال بہت مختلف ہیں فیصلہ وہ ہے جو شامی نے حاشیہ حموی سے امام شعرانی کا قول نقل کیا ہے۔ اجمع العلماء سلفا وخلفا علیٰ استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرھا الا ان یشوش جھرھم علیٰ نائم او مصل او قارئ الخ ج ۱ ص ۶۹۱۔ اس فیصلہ سے سب اقوال جمع ہو جاتے ہیں اور جنہوں نے علی الاطلاق منع کیا ہے غالب یہ ہے کہ سد باب کے طور پر ہے یہ تو کلام ہے خصوصیت مسجد کے اعتبار سے اور ایک کلام نفس جہر بالذکر اور انصات لقراءۃ القرآن میں ہے اس میں ارجح یہ ہے کہ اگر جہر مفرط نہ ہو تو جائز ہے اور وجوب انصات خارج صلوٰۃ اس وقت ہے جب قراءت تبلیغ کے لیے ہو اور اس میں قرآن کی بھی تخصیص نہیں مطلق تذکیر کا بھی یہی حکم ہے۔ واللہ اعلم۔

**قولہ مسئلہ:** اگر مسجد کی چھت یا دیوار وغیرہ میں چمگاڈر یا کوئی جانور گھونسلہ بنائے تو اس کا گرا دینا جائز ہے لیکن مسجد کے علاوہ اور جگہ میں نہ گرایا جاوے۔ کیونکہ حدیث میں ہے اقروا الطیر علیٰ مکنتھا الخ۔

**اقول:** اس حدیث سے استدلال مشکل ہے۔ اس میں دوسرے محمل کا بھی احتمال ہے وہ یہ کہ جاہلیت میں پرندے کو اڑا کر دیکھتے تھے کس سمت کو گیا اور اس سے شگون لیتے تھے۔ آپ نے اس سے منع فرمایا باقی گھونسلوں کا گرانا ظاہراً اگر کسی جانور کے رہنے سے مکان گندہ ہوتا ہو اس کا گرا دینا جائز معلوم ہوتا ہے البتہ اگر ان بچوں کے زمانہ میں کچھ انتظار کرے تو اقرب الی الترحم ہے۔ وھذا زدتہ ولم یستفسر منی۔

عنوان: مساجد چند مخصوص احکام۔

**قولہ مسئلہ:** فاحشہ عورت نے اگر اپنی حرام آمدنی سے مسجد بنادی تو وہ مسجد نہیں ہے اور نہ اس کو اس کا کوئی ثواب ہوگا۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ)

قولہ: اس میں دو حکم ہیں ایک ثواب نہ ملنا اس کی دلیل تو نص حدیث ہے ان اللہ طیب لا یقبل الا الطیب او کما قال۔ دوسرا حکم اس کا مسجد نہ ہونا۔ اس میں دلیل کی حاجت ہے صرف

مولانا عبدالحی ؒ کا قول حجت نہیں۔ مسجد کے احکام میں مسجد کا ہونا مسئلہ فقہیہ ہے۔ سو کتب فقہ میں تحقق مسجدیت کے لیے مال کا حلال ہونا کہیں مذکور نہیں جیسے کوئی شخص بہ نیت ریا وقف کرے تو گو وہ مقبول نہ ہو بلکہ خوف معصیت ہے لیکن وقف صحیح ہو جاتا ہے اسی طرح یہ مسجد گو مقبول نہ ہو۔ بلکہ خوف معصیت ہے لیکن احکام میں مسجد ہو جاوے گی مثلاً اس کی بیع جائز نہیں اس میں حائض وجنب کا داخل ہونا جائز نہیں۔ اس میں بول وتغوط درست نہیں۔ اب صرف یہ سوال باقی ہے کہ اس کو کیا کیا جاوے سو اس کا حکم کہیں منقول نظر سے نہیں گزرا لیکن قواعد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بند کر کے محفوظ کر دیا جاوے نہ اس میں نماز پڑھیں نہ اس کی بے حرمتی کریں البتہ اگر زمین حلال ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے اور صرف ملبہ حرام ہے تو بجائے اس کے دوسرے ملبہ سے اس کی تعمیر کرا دینا جواز انتفاع کے لئے کافی ہو جاوے گا اور ایسی مسجد مذکور کی جو کہ حرام مال سے بنا ہوئی ہے ایسی مثال ہے جیسے نعوذ باللہ کوئی شخص ناپاک سیاہی سے قرآن مجید لکھ لے اس میں نہ تلاوت جائز ہے اور نہ اس کی بے ادبی جائز ہے بلکہ دفن کر دیا جاوے باقی مسئلہ نازک ہے دوسرے علماء سے بھی اس میں نظر کرالی جاوے۔

**قولہ مسئلہ:۔** اگر کوئی مسجد ایسی بنائی جاوے کہ نیچے دو کانیں یا تہ خانہ وغیرہ بنا کر الی آخر المسئلة التی تلیها۔

**اقول:۔** اس باب میں بعد تتبع وتفحص بالغ روایات فقہیہ کے جو میں سمجھا ہوں وہ معروض ہے۔

**(نمبر ۱)** ماخذ اس مسئلہ کا بیت المقدس کے سرادیپ ہیں جن پر خیر القرون میں کسی نے نکیر نہیں کی اس سے سمجھا گیا کہ مصالح مسجد کے لیے دوسرا درجہ جو بناء میں مسجد کے تابع ہو مشروع ہے۔

**(نمبر ۲)** یہ حکم تعبدی نہیں بلکہ باشتراک علت تبعیت قیاساً متعدی ہو سکتا ہے۔

**(۳)** اگر مصالح ویسے ہی ہوں جو سرادیپ مذکورہ سے متعلق ہیں اور تبعیت کی وہی ہیئت ہو جو ان سرادیپ میں ہے تب تو قیاس جلی ہے اور اگر مصالح دوسری قسم کے ہوں جیسے وقف **لاستغلال المسجد** یا ہیئت تبعیت دوسرے طور کی ہو جیسے مسجد کا علو پر ہونا یا مسجد پر علو کا ہونا اس کا الحاق خفی ہے چنانچہ بہت روز تک مجھ کو اس میں تردد رہا۔ لیکن شامی نے کتاب الوقف میں اسعاف سے ایک عبارت نقل کی ہے اذا كان السرداب او العلو لمصالح المسجد او كان وقفا عليه صار مسجدا آه شرنبلالية اس میں او کان وقفا علیہ کا عطف کان لمصالح المسجد پر ہے اس سے ظاہر ہے کہ استغلال للمسجد کا حکم بھی یہی ہے خواہ اس کا نام مصالح مسجد رکھا جاوے خواہ فی حکم مصالح المسجد رکھا جاوے بہر حال حکم مشترک ہے اور ہدایہ میں ہے وروى الحسن عنه (اى عن ابى حنيفة) انه قال اذا جعل السفل مسجدا وعلى ظهره مسكن فهو مسجد وعن محمد عكس هذا (اى جعل العلو مسجدا يصح ۱۲ ب) وعن ابى يوسف انه جوز فى الوجهين وعن محمدؒ انه حين

دخل الری اجاز ذلک کله لما قلنا (من الضرورة) ملخصاً اس سے ظاہر ہے کہ سب ہیئیں تبعیت کی مقیس علیہ کے ساتھ ملحق ہیں۔

**(نمبر ۴)** یہ الحاق بالقیاس بضرورت ہے چنانچہ ہدایہ کی مذکورہ عبارت میں ضرورت کا بناء الحاق ہونا مصرح ہے۔

**(نمبر ۵)** اس دوسرے درجہ کی بناء مشروط ہے اس کے ساتھ کہ مسجد کی مسجدیت کے قبل بانی نیت اس بناء کی ہو اور بعد تمامیت مسجد کے اب کوئی تصرف جائز نہیں۔

**(نمبر ۶)** فقہاء نے جو مسجد کو عنان السماء و تحت الثریٰ تک مسجد کہا ہے یہ مقید ہے اس صورت کے ساتھ جبکہ بناء مسجد کے وقت دوسرے درجہ فوقانی یا تحتانی کے بنانے کی نیت نہ ہو۔

**(نمبر ۷)** ونبهت عليه لغفلة كثير من الناس عنه حتى المنسوبين الى العلم۔ ان سب احکام میں فناء مسجد بھی یعنی حصہ متعلقہ مسجد مسجد ہی کے حکم میں ہے۔ فی البحر الرائق فی المجتبیٰ۔ لایجوز لقیم المسجد ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فنائه۔ (ج۵ ص۲۶۹)

از تتمۂ ثانیہ امداد الفتاویٰ ص۹۱ قلت لعل وجهه ان فيه مخالفة نية الواقف۔

**عنوان:۔** مسجد ضرار کی تعریف اور اس کا حکم۔ قولہ مسجد ضرار اصل میں وہ مسجد تھی الیٰ قولہ مسجد ضرار کے مشابہ ہوگی۔

**اقول:۔** ماشاء اللہ مؤلف سلمہ نے اس تعبیر میں کہ مسجد ضرار کے مشابہ ہوگی نہایت احتیاط کا استعمال کیا ہے ورنہ اکثر اہل جرأت ایسی مسجد کو جس کی بناء ریاء یا مراء پر ہو مسجد ضرار ہی کہدیتے ہیں جس سے ایہام ہوتا ہے کہ وہ مسجد ہی نہیں جیسے مسجد ضرار مسجد ہی نہ تھی اور ایہام ہوتا ہے کہ اس کا ہدم یا تحرمتی بھی جائز ہے جیسے مسجد ضرار کے ساتھ یہی عمل کیا گیا تو مشابہ لفظ بڑھا کر ان سب محذورات کو دفع کر دیا یعنی انتفاء ثواب وفساد غرض میں اس کے مشابہ ہے نہ کہ انتفاء مسجدیت میں بھی۔ کیونکہ منافقین کی تو نیت ہی مسجد بنانے کی نہ تھی تلبیس وتدسیس کے لیے اس کا نام مسجد رکھدیا تھا اور مسلمان خواہ کسی غرض سے مسجد بناوے نیت اس کی مسجد ہی بنانے کی ہوتی ہے اس لیے اس کے سب احکام مثل صحت صلوٰۃ ووجوب احترام وغیرہما مسجد کے ہوں گے پس عدم قبول میں اس کے لیے حکم وہی ہوگا جیسا ابھی مال حرام سے بنائی ہوئی مسجد کا مذکور ہوا البتہ اتنا تفاوت ہوگا کہ اس کی اصلاح کی کوئی صورت ہی نہیں اور اس کی اصلاح توبہ سے ہوسکتی ہے یعنی بعد توبہ کے وہ بناء مقبول بھی ہوجاوے گی۔ وهذا ايضاً زدته ولم يستفسر مني۔

**عنوان۔ عیدگاہ کا حکم۔ قولہ:۔** اکثر احکام میں عیدگاہ کا حکم مسجد کے خلاف ہے مثلاً غسل کی حاجت والا آدمی اور حیض ونفاس والی عورت اس میں داخل ہوسکتی ہے۔

**اقول:** اس کے خلاف کوئی قول نظر سے نہیں گزرا پس یہ حکم صحیح ہے البتہ اس کی بھی تنظیف و تطییب کا اہتمام رکھنا اولیٰ ہے اور یہی محمل ہے۔ حدیث امر رسول الله صلى الله عليه وسلم ان تبنى المساجد في الدور وان تطيب و تطهراو كما قال اذا اريد بالدار مايسكنون فيها لا المحلة لان مسجد المحلة مسجد حقيقي۔ اور اگر اصل مسئلہ پر کسی کو مخالفت حدیث کا شبہ ہو کہ يعتزلن الحيض المصلي۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس اعتزال کی وجہ سے حرمت دخول مصلی نہیں بلکہ قطع صف مصلیات بالتخلل یتیمن ہے خوب سمجھ لو۔ ۱۳؍ رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۵۸۵)

## بعض اجزاء مسجد کو طریق بنانے کا حکم (۱)

سوال (۷۶۴) الحکم الاوّل۔ وفيه مقامات المقام الاوّل و يتحصل من عبارات في الدر المختار۔ العبارة الاولىٰ۔ اى كجواز عكسه وهوما اذاجعل في المسجد ممرلتعارف اهل الامصار في الجوامع في ردالمحتار قوله كعكسه فيه خلاف كما ياتي تحريره وهذا عند الاحتياج كما قيده في الفتح قوله لتعارف اهل الا مصار في الجوامع لا نعلم ذلك في جوامعنا نعم تعارف الناس المرور في مسجد له بابان وقد قال في البحر وكذا يكره ان يتخذ المسجد طريقا وان يدخله بلا طهارة اهـ نعم يوجد في اطراف صحن الجوامع رواقات مسقوفة للمشي فيها وقت المطر ونحوه لاجل الصلوٰة وللخروج من الجامع لالمرور المارين مطلقاً كالطريق العام ولعل هذا هوالمراد (اى بقوله لتعارف اهل الامصارفي الجوامع ۱۲ ناقل) فمن كان له حاجة الى المرور في المسجد يمرفي ذلك الموضع فقط ليكون بعيداً عن المصلين وليكون اعظم حرمة لمحل الصلوٰة فتأمل۔

العبارة الثانية...... وجاز لكل احدان يمرفيه حتىٰ الكافر الا الجنب والحائض والدواب زيلعي۔

العبارة الثالثة...... كما جاز جعل الإمام الطريق مسجداً لا عكسه لجواز الصلوٰة في الطريق لا المرور في المسجد في ردالمحتار فيه نوع مدافعة لما تقدم الى قوله ولايخفىٰ ان المتبادر انهما قولان في جعل المسجد طريقا بقرينة التعليل المذكور ويؤيده ما في التتارخانية عن فتاوىٰ ابى الليث وان اراد اهل المحلة ان يجعلوا شيئا

---

(۱) اصل کتاب میں یہ سرخی بزبان عربی لکھی ہے الفصل الثاني في ردما اشاعه بعضهم في الاحكام المتعلقة بجعل بعض اجزاء المسجد طريقا وشرائط القاضي الآمربه ۱۲ محمد شفيع۔

من المسجد طریقا للمسلمین فقد قیل لیس لهم ذلك وانه صحیح ثم نقل عن العتابیة عن خواهر زاده اذاکان الطریق ضیقا والمسجد واسعا لایحتاجون الیٰ بعضه تجوز الزیادة فی الطریق من المسجد الخ ثم فیه قوله لجواز الصلوٰة فی الطریق الی قوله بخلاف جعل المسجد طریقا لان المسجد لایخرج عن المسجدیة ابدا فلم یجز لانه یلزم المرور فی المسجد ولا یخفی ان المتبادر مرورای مارولوغیرجنب وهذا یؤید ان هذا قول اخر وقد علمت ترجیح خلافه وهو جواز جعل الشیئی منه مسجداوتسقط حرمة المرور فیه للضرورة لکن لاتسقط عنه جمیع احکام المسجد فکذا لم یجز المرور فیه لجنب ونحوه کما مرفافهم ۔ج:۳ ص:۵۹۲ و۵۹۳ و ۵۹۴۔

الحکم الثانی......ویتحصل من هذه العبارات فی الدرالمختار وجاز شرط الاستبدال به ارضا اخریٰ الخ فی ردالمحتار اعلم ان الاستبدال علیٰ ثلثة وجوه الاول ان یشترطه الواقف لنفسه او لغیره فالاستبدال فیه جائز علی الصحیح وقیل اتفاقا والثانی ان لا یشترطه سواء شرط عدمه او سکت لکن صاربحیث لاینتفع به بالکلیة بان لایحصل منه شیئی اصلا اولا یفی بمؤنة فهو ایضًا جائز علیٰ الاصح اذا کان باذن القاضی ورایه المصلحة فیه والثالث ان لایشترط ایضًا لکن فیه نفع فی الجملة وبدله خیر مریعا ونفعا وهذا لا یجوز استبداله علیٰ الاصح المختار کذا حرره العلامة قنالی زاده فی رسالة الموضوعة فی الاستبدال ثم بعد اسطر من البحران الخلاف انما هو فی الارض اذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار اذا ضعفت بخراب بعضها ولم تذهب اصلا فانه لایجوز حینئذٍ الاستبدال علیٰ کل الاقوال قال ولا یمکن قیاسها علیٰ الارض فان الارض اذا ضعفت لایرغب غالبا فی استیجارها بل فی شرائها اما الدار فیرغب فی استیجارها مدة طویلة لاجل تعمیرها للسکنی علیٰ ان باب القیاس مسدود فی زماننا وانما للعلماء النقل من الکتب المعتمدة کما مرجوابه ۔ج۳ ص۵۹۹ وفی ردالمحتار عن فتح القدیر والحاصل ان الاستبدال اما عن شرط الاستبدال اولا عن شرطه فان کان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف علیهم فینبغی ان لا یختلف فیه وان کان لا لذلك بل اتفق انه امکن ان یوخذ بثمنه ماهوخیر منه مع کونه منتفعا به ینبغی ان لایجوز لان الواجب ابقاء الوقف علی ماکان علیه دون زیادة ولانه لاموجب لتجویزه لان الموجب فی الاول الشرط وفی الثانی الضرورة ولا ضرورة فی هذا اذ لاتجب الزیادة بل بتبقیته کما کان اهـ اقول

ما قاله هذا المحقق هو الحق الصواب اهـ كلام البيرى وهذاما ماحرره العلامة القنالى كما قدمناه ج٣ ص ٦٠٢ و٦٠٣ وفى ردالمحتار وكذا ليس للقيم الاستبدال الا ان يخص له عليه ج٣ ص ٦٠٠ و فى الدرالمختار وشرط فى البحر خروجه عن الانتفاع بالكلية وكون البدل عقاراً والمستبدل قاضى الجنة المفسر بذى العلم والعمل وفى النهران المستبدل قاضى الجنة فالنفس به مطمئنة الخ وفى ردالمحتار و افاد فى البحر زيادة شرط سادس وهو ان لا يبيعه ممن لاتقبل شهادته له ولا ممن له عليه دين الخ ج٣ ص ٦٠٠۔

الحكم الثالث...... وفيه مقامان المقام الاوّل فى الدرالمختار واهله (اى القضاء) اهل الشهادة اى اداؤها علٰى المسلمين فى ردالمحتار وحاصله ان شروط الشهادة من الإسلام والعقل والبلوغ والحرية وعدم العمى والحد فى القذف شروط لصحة تولية و لصحة حكم بعدها ج٤ ص ٤٦٢ و٤٦٣ وفى ردالمحتارظهر من كلامهم حكم القاضى المنصوب فى البلاد الدروزفى الفطر الشامى ويكون درز يا ويكون نصرانيا فكل منهما لايصح حكم علٰى المسلمين فان الدرزى لاملة له كالمنافق والزنديق وان سمى نفسه مسلما ج٤ ص٤٦٣ وفيه كتاب الجمعة فى معراج الدراية عن المبسوط البلاد التى فى ايدى الكفار بلادالإسلام لا بلاد الحرب لانهم لم يظهروا فيها حكم الكفر بل القضاة والولاة مسلمون يعينونهم عن ضرورة اوبدونها ج١ ص ٨٤٢ وفى الدرالمختار وقضاء كافرعلٰى مسلم ابداً ونحو ذلك كالتفريق بين الزوجين بشهادة مرضعة لاينفذ فى ردالمحتار قوله ابداً محل ذكره بعد قوله لاينفذ كما فى عبارة الغرر ج٢ ص ٥١٢ وفيه الاما عرى عن دليل مجمع اوخالف كتاباً او سنة مشهورة اواجماعاً الٰى قوله لاينفذ اهـ مختصراً فى ردالمحتار قوله مجمع قال ط والمرادبه كما رأيتها من نحو القضاء وبسقوط الدين عند ترك المطالبة به سنين ج٤ ص ٥١٠۔ ۲۲ شوال ۱۳۳۱ھ (ترجیح ثانی ص ۱۷۹)

## جامع مسجد میں نماز پنجگانہ افضل ہے یا مسجد محلّہ میں اور جامع مسجد کی فضیلت جمعہ کے ساتھ مختص ہے یا عام

سوال (۷۶۵) (۱) جامع مسجد میں پنجوقتی نماز باجماعت پڑھنا افضل ہے یا محلّہ کی مسجد میں پڑھنا باجماعت افضل ہے۔؟ (۲) اور یہ فضیلت مختص بصلوۃ جمعہ ہے۔ (۳) یا عام ہے۔؟

الجواب۔(۱) محلہ کی مسجد میں۔(۲) ہاں غیر اہل محلہ کے لیے۔(۳) ہاں اہل محلہ کے لیے۔فقط
۲ رمضان ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۴۲)

## عدم جواز اجازت طبل و باجہ وغیرہ کفار ر ا لقرب مسجد

سوال (۷۶۶) جناب مقام صدر بدنور ضلع بیتول جو ریلوے اسٹیشن ہے وہاں ایک بازار نیا گنج تیار ہوا ہے اور بفضل خدا چند مسلمانان وہاں جمع ہو گئے اور شہر بدنور سے اسٹیشن ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہے اور مسجد شہر میں ہے گنج سے مسجد شہر آنے میں سخت دقت پڑتی ہے اس لیے مسلمانان گنج وشہر والوں نے ایک درخواست دوسری مسجد گنج میں بنانے کو صاحب ضلع بہادر کو دی اور اجازت مسجد دے کر بنوانے کا حکم بھی اس شرط پر ہو گیا کہ باجا بجنا مسجد سے کتنے فاصلہ پر سے بند کیا جائے کہ جس میں تشویش نماز میں مصلیوں کو نہ ہو فتویٰ ہندوستان سے کسی مولوی و مفتی کا منگوادو صاحب ضلع بہادر نے مانگا ہے۔؟

الجواب۔فی ردالمحتار فی حاشیة الحموی عن الإمام الشعرانی اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرها لا ان یشوش جهرهم علی نائم او مصل او قارئ الخ (ص ۶۹۱) اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب پکار کر ذکر کرنا باوجود یکہ فی نفسہ مستحب ہے جس وقت اس سے کسی نماز پڑھنے والے یا قرآن پڑھنے والے کو تشویش ہو وہ ناجائز ہو جاتا ہے تو باجا جو کہ فی نفسہ بھی ناجائز ہے جب اس سے ایسی تشویش پیدا ہو ضرور اس سے روکا جاوے گا اور تشویش میں یہ بھی داخل ہے کہ جماعت ہو رہی ہو اور باجہ کی آواز سے امام کی آواز قرأت یا تکبیر کی مقتدیوں تک نہ پہنچے اور اس لیے ان کی نماز اس طرح خراب ہو کر امام مثلاً سجدہ سے اٹھا اور مقتدی بوجہ آواز نہ پہونچنے کے سجدہ ہی میں پڑے رہے تو ایسی تشویش کسی قدر دور کے باجہ سے بھی ہو سکتی ہے جب تک بہت دور نہ ہو اور یہ بات تجربہ سے معلوم کر کے اندازہ فاصلہ کا مقرر کیا جا سکتا ہے شریعت میں اس کی کوئی خاص حد نہیں۔فقط۔ ۸ ر جمادی الاولی ۱۳۳۵ھ (حوادث خامس ص:۷)

# سد الغلط والمفاسد فی حکم اللغط عند المساجد

سوال (۷۶۷) یہاں کے ایسوسی ایشن کے چند مقتدر لیڈروں کی طرف سے ایک استفسار خدمت عالیہ میں روانہ ہے امید ہے کہ جناب رائے گرامی سے مطلع فرما کر ممنون فرمادیں۔

جناب پر روشن ہے کہ آئے دن مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان مساجد کے سامنے باجہ بجانے کے متعلق کس قدر کشت وخون ہوتے رہتے ہیں چنانچہ بمبئی کے خونی ہنگامہ سے یہاں کے ایسوسی ایشن کے چند لیڈر بہت متاثر ہوئے اور اب وہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے معزز علماء عوام کو سمجھائیں کہ

ان باتوں پر لڑنا خواہ مخواہ کے جانی و مالی نقصانات کا شکار ہوتا ہے۔

**الجواب**۔اس میں تو کچھ شک ہی نہیں کہ گانا بجانا مطلقاً اور مساجد کے قریب خصوصاً فی نفسہ امر منکر ہے واجب الانسداد ہے جزو اول کی دلیل نصوص عامہ ہیں۔اور جزو ثانی کی دلیل یہ آیت ہے **وما کان صلاتهم عند البيت الامكاءً وتصدية الخ (انفال) فی روح المعانی مكاء ای صفيراو تصدية ای تصفيقاً وهو ضرب اليد باليد بحيث يسمع له صوت .يروی انهم كانوا اذا اراد النبی صلی الله عليه وسلم ان يصلی يخلطون عليه بالصفير و التصفيق الٰی قوله والماثور عن ابن عباس وجمع من السلف ماذكرنا ه الخ. ملخصاً**۔اور ظاہر ہے کے سیٹی بجانا اور تالی بجانا ڈھول وغیرہ بجانے اور مجمع کے مل کر گانے سے بدرجہا اہون اور ادون ہے جب اخف واہون پر نکیر کیا گیا تو اثقل واشد پر تو بدرجہ اولیٰ نکیر ہوگا۔اگر چہ اس میں بجز تلہی وتلعب کے اور کوئی غرض ونیت فاسد معارض مقاصد اسلامیہ کے بھی نہ ہو **لاطلاق النصوص وللزوم التخليط والتشويش علی المصلين فی فعلها عندالمساجد**۔اور بعلت تلہی مطلقاً اور بعلت تخلیط و تلبیس خصوصاً مسلمانوں کو بھی اس سے روکا جائے گا گو اس میں کوئی اور غرض فاسد بھی نہ ہو اور اگر کوئی غرض فاسد بھی منافی مقاصد اسلام کے ہو جیسے مشرکین مکہ کی نیت تھی یعنی اہانت واستخفاف اسلام واخاطت اہل اسلام اور جیسے اب بھی بعض مقامات پر قرائن قویہ سے کفار کی ایسی ہی اغراض معلوم ہوتی ہیں تو اس حالت میں اس فعل کی شناعت اور بڑھ جائے گی حتیٰ کہ ایسے امور سے جن کا اثر اس قسم کا ہو ذمیوں کو بھی باوجود اس کے کہ ان کے ساتھ قانون اسلامی میں بہت رواداری ہوتی جاتی ہے روکا جاتا ہے کہ اگر چہ وہ اثر ان کی نیت میں بھی نہ ہو منع کے لیے لزوم کافی ہے التزام شرط نہیں چنانچہ اہل ذمہ کے احکام میں سے یہ بھی ہے **الاحق ان لايتركوا ان يركبوا الا للضرورة واذا ركبوا للضرورة فلينزلوا فی جامع المسلمين وفی نسخة فی جامع المسلمين (هداية فصل فی ما ينبغی الذمی )** اور یہ فعل محوث عنہ تو اعزاز وتنویہ کفر واستخفاف واخماد اسلام میں اس سے بھی اشد ہے تو اس سے کیوں نہ روکا جائے گا لیکن یہ سب وجوب منع وغیرہ اس وقت ہے جب منع پر قدرت ہو خواہ بلاواسطہ جیسے اسلامی حکومت کی حالت میں ہوتی ہے خواہ بواسطہ جیسے اسلامی حکومت نہ ہونے کی حالت میں حاکم وقت سے استعانت کی صورت میں ہوتی ہے اور قدرت سے مراد قدرت حسیہ نہیں بلکہ قدرت شرعیہ ہے یعنی جس کا شریعت نے احکام میں اعتبار کیا ہے اور وہ قدرت وہ ہے کہ اس کے استعمال کے بعد کوئی ضرر ایسا لاحق نہ ہو جو نہ قابل تحمل ہو نہ وجوباً یا استحباباً مامور بہ ہو دلیل اس کی یہ حدیث ہے۔

**من رأی منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه**

الحدیث ۔ظاہر ہے کہ اگر قدرت حسیہ مراد ہوتی تو ید سے اکثر حالات میں اور لسان سے جمیع حالات میں استطاعت حاصل ہے پھر فان لم یستطع کے کیا معنی اس سے واضح ہوگیا کہ عدم استطاعت کے معنی یہ ہیں کہ اس کے استعمال سے کوئی ایسا ضرر لاحق ہو جاوے۔ جو نا قابل تحمل ہو اور نہ وجوباً یا استحباباً ما مور بہ ہو۔ کما ذکر۔ اسی قدرت کی دو قسمیں ہیں جو مذکور ہوئیں ایک بلا واسطہ ایک بواسطہ اور اگر دونوں قسموں میں سے ایک قسم کی بھی قدرت نہ ہو تو وجوب تو یقیناً ساقط ہے باقی جواز سو فقہاء نے اباحت جہاد میں یہ شرط بھی لگائی ہے۔

ان یرجو القوة والشوكة والقوة باجتهاده اوباجتهاد من يعتقد في اجتهاده اور آية وان كان لايرجو القوة والشوكة للمسلمين في القتال فانه لايحل له القتال لما فيه من القاء نفسه في التهلكة اهـ (الباب الاوّل من کتاب السیر من العالمگیریۃ) اسی طرح دوسری روایت ہے۔قال محمد لاباس بان يحمل الرجل وحده علىٰ المشركين وان كان غالب رايه انه يقتل اذا كان في غالب رأيه انه ينكي فيهم نكاية بقتل اوجرح او هزيمة وان كان غالب رأيه انه لاينكي فيهم اصلا لاتقبل ولا يجرح ولا هزيمة ويقتل هو فانه لايباح له ان يحمل وحده اهـ (الباب السابع عشر كتاب الكراهية من العالمگيرية)۔

اور یہ ظاہر ہے کہ اس وقت ایسے منکرات کے روکنے کی قدرت مسلمانوں کو بلا واسطہ تو حاصل نہیں پس اگر حاکم سے مدد حاصل ہو جاوے ایسا کریں ورنہ صبر کریں۔ باقی جن کو یہ تفصیل معلوم نہ ہو اور وہ مقابلہ ومقاتلہ میں ہلاک ہو جائیں تو وہ معذور اور گناہ سے بری ہیں۔

كما في كتاب الإكراه السلطان اذا اخذ رجلاً وقال لاقتلنك اولتشربن هذا الخمر او تاكلن هذه الميتة او لتاكلن لحم هذا الخنزير كان في سعة من تناوله بل يفترض عليه التناول اذاكان في غالب رأيه انه لو لم يتناول يقتل فان لم يتناول حتىٰ قتل كان اثما في ظاهر الرواية عن اصحابنا وذكر شيخ الإسلام انه آثم ماخوذ فيه الا ان يكون جاهلا بالإباحة حالة الضرورة فلم يتناول حتىٰ قتل يرجي ان يكون في سعة من ذلك فاما اذاكان عالما بالإباحة كان ماخوذ اكذا قال محمدؒ (الباب الثاني من كتاب الإكراه من العالمگيرية) ۲۴ رشعبان ۵۵ھ (النور رمضان ۵۶ھ ص: ۹)

جواب دوم:۔ارشاد ہے وما كان صلاتهم عند البيت الامكاء وتصدية فذوقوا العذاب بما كنتم تكفرون۔اس آیت سے نصاً معلوم ہوا کہ معازف ومزامیر جو مرادف ہے مکاء وتصدیہ کا یعنی ملاہی کا اشتغال مسجد کے قریب جو مرادف ہے عند البیت کا اگر موجب استخفاف واذلال دین یا اغاظت واشتغال اہل دین من حیث الدین ہوتا ہو کفر ہے اور ارشاد ہے وان نكثوا ايمانهم من بعد

**عهدهم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمة الکفر انهم لاایمان لهم لعلهم ینتهون** ط۔ اس آیت سے نصاً معلوم ہوا کہ جس کفر سے دین کا استخفاف واذلال یا اہل دین من حیث الدین کا غیظ واشتغال مقصود ہو وہ موجب نقض عہد ہے یعنی کافر ذمی یا مستامن یا معاہد یا مصالح عہد آزادی مذہب و تقریر علی الکفر میں یہ داخل نہیں بلکہ قدرت کے وقت مسلمانوں کو حق ہے کہ کافر کو اس سے روکیں خواہ حکومت سے اگر حکومت حاصل ہو یا حکام سے مدد لیکر اگر خود حکومت حاصل نہ ہو اور عجز کی حالت میں معذوری ہے۔ رہا قصد استخفاف واذلال یا اغاظت واشتغال اس کا مدار قرائن مقالیہ یا حالیہ پر ہے جیسے طعن کے طعن ہونے کا یہی مدار ہے ورنہ کفر کا موجب نقض ذمہ نہ ہونا ظاہر ہے اور اسی سے جواب ہو گیا اس شبہ کا کہ مسلمان بھی تو ایسی حرکت کرتے ہیں اور اس شبہ کا بھی کہ مسجد کی پشت پر بجانے سے کیوں ناگواری نہیں ہوئی جواب ظاہر ہے کہ وہاں قصد اذلال یا اشتغال نہیں ہوتا البتہ قرائن کی تحکیم میں احتیاط شدید کی ضرورت ہے کیونکہ بعض اوقات محض سادگی وخلو ذہن کے ساتھ ایسا واقعہ ہوتا ہے وہ اس میں داخل نہیں ایسی ہی احتیاط اس کی نظائر میں ارشاد ہے **ان تصیبوا قوماً بجهالة فتصبحوا علیٰ مافعلتم نادمین**۔ اور اس احتیاط کی سبیل متعین صرف یہ ہے کہ اس کا فیصلہ عوام اپنی رائے سے نہ کیا کریں اہل علم واہل حلم واہل فہم پر مدار رکھیں جیسا اس کی نظیر میں یہ ارشاد ہے۔ **ولو ردوه الی الرسول والیٰ اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم**۔ واللہ اعلم۔ ۲۲؍شعبان ۱۳۴۹ھ

## عدم گزاشتن مسجد حی برائے جماعت

سوال (۷۶۸) کسی مسجد کا امام یا مقیم مسجد اپنی مسجد میں ظہر کی جماعت نہ ہونے کی وجہ سے کسی دوسری مسجد میں محض بلحاظ جماعت چلا جاتا ہے تو اس کے لیے دوسری مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنا اولیٰ ہوگا یا اپنی ہی مسجد میں تنہا نماز پڑھنا بشرطیکہ اذان اس مسجد میں ہوتی ہو صرف جماعت کی پابندی نہیں ہے۔ جواب مع سند شرعی مرحمت ہو۔؟

الجواب۔ **فی الدرالمختار۔ مسجد حیة افضل من الجامع فی ردالمحتار وما هنا جزم به فی شرح المنیة کما مر وکذا فی المصفی والخانیة بل فی الخانیة لو لم یکن لمسجد منزله مؤذن فانه یذهب الیه ویؤذن فیه ویصلی ولو کان وحده لان له حقاعلیه فیؤدیه** ج ۱ ص ۶۹۰۔ اس روایت میں تصریح ہے کہ گو مسجد محلہ میں جماعت نہ ہوتی ہو تب بھی اسی میں نماز پڑھنا چاہیے گو تنہا پڑھنا پڑے۔ ۲۷؍رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص: ۸۳)

## حق مسجد محلہ

سوال (۷۶۹) اگر محلہ کی مسجد میں نماز جماعت سے نہ ہوتی ہو اور آدمی کہنے سے بھی جمع نہ ہوں

تو دوسرے محلہ کی مسجد میں جماعت پڑھنے کے واسطے جانا درست ہے یا نہیں۔ ۳؍فروری ۱۹۲۱ء

الجواب۔ مسجد محلہ کا یہی حق ہے کہ وہاں نماز پڑھے اگر چہ تنہا پڑھنا پڑھے۔

## استعمال شطرنجی دادہ ہندو محبّ اسلام در مسجد

سوال (۰۷۷) عرض ہے کہ ہم ایک ہندو ہیں جناب من ہم نے ایک عدد شطرنجی مسجد موضع فلاں ملک بنگال میں دی خدا کے واسطے پر نماز پڑھنے کو اور وہ کچھ روز کے بعد ہم کو واپس مل گیا وجہ کہ ہم تو کسی قسم کی بدعت یا شرک نہیں کرتے ہیں ہمارا جو اصل حال ہے وہ تو خداوند کریم ہی جانتا ہے جو کہ لاشریک ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے براہ مہربانی خدا کے واسطے انصاف کر کے فتویٰ دینا اور ہم سود بھی کھاتے نہیں کیونکہ حرام ہے جب ہمارے خالق نے منع کیا ہے کہ سود حرام ہے تو پھر ہم کس طرح کھا سکتے ہیں اور براہ مہربانی یہ بھی انصاف کر کے فتویٰ دینا کہ قرآن شریف پڑھ کر پیسہ روپیہ لینا یہ درست ہے یا نہیں۔ اور جس مسجد میں سود والے کا روپیہ خرچ ہوا اس میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں اور جو مسلمان سود کھائے اس کے واسطے کیا حکم ہے اور جو مولوی سود والے کی ضیافت کھائے یا اور مسلمان تو ان کو کھانا درست ہے یا نہیں باقی حال یہ ہے کہ آپ کو خداوند کریم کا واسطہ اڈالتا ہوں اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ جواب ضرور ملے خدا کے واسطے مہربانی کر کے جواب عنایت فرمائیے۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار کتاب الوقف بدلیل صحته من الکافر۔ فی ردالمحتار حتی یصح من الکافر کالعتق والنکاح الی قوله بخلاف الوقف فانه لا بدفیه من ان یکون فی صورة القربة وهو معنی مایأتی فی قوله ویشترط ان یکون قربة فی ذاته اذ لو اشترط کونه قربة حقیقة لم یصح من الکافر اھ ج۳ ص ٥٥٤۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ہندو ہونا صحت وقف سے مانع نہیں خواہ للمسجد ہو یا بغیر المسجد ہو للاطلاق اور اگر آیت مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ الخ سے شبہ ہو تو وہ شبہ اس کی تفسیر کے ملاحظہ سے رفع ہو سکتا ہے بندہ کی تفسیر بیان القرآن کو دیکھ لیا جاوے البتہ جہاں احتمال منت رکھنے اور احسان جتلانے کا ہو وہاں یہ عارض مانع اجازت ہوگا لیکن صورت مسئولہ میں قرائن سے اس کا بھی احتمال نہیں وھی قولہ ہم کسی قسم کی بدعت یا شرک نہیں کرتے الیٰ قولہ جس کا کوئی شریک نہیں۔ دَلَّ هذا القول علی کونه قائلاً للتوحید۔ وقولہ ہم سود بھی کھاتے نہیں الیٰ قولہ جب ہمارے خالق نے منع کیا ہے۔ دَلَّ هذا علی اعتقاده حقیقة القران۔ وقولہ آپ کو خداوند کریم کا واسطہ ڈالتا ہوں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دَلَّ هذا علی اعتقاده رسالة النبی صلی الله علیه وسلم فهذا الرجل امامسلم کما یشعر به۔ قولہ ہمارا جو اصل حال ہے وہ تو خداوند کریم ہی جانتا ہے۔ واما محب للإسلام حقیق

بالتالیف و بکل حال لا یحتمل من مثل هذا الرجل وعلیٰ ظن اسلامه مخفیا لم یوجد المانع الاوّل من کفره لو فرض مانعا۔ پس جب یہاں کوئی امر مانع نہیں تو ایسے شخص کی دی ہوئی شطرنجی مسجد میں لے لی جاوے کچھ حرج نہیں اور اگر کسی خاص مسجد والے نہ لیں دینے والے کو دوسری مسجد میں دیدینا چاہئے اگر کہیں قبول نہ ہو یہاں بھیجدی جاوے مسجد میں بچھادی جاوے گی۔

کمانص الفقهاء فیما اذا استغنی مسجد عن الوقف صرف الیٰ الاقرب فالا قرب والجامع تعذر الصرف الیٰ الاصل فی الدر المختار ومثله حشیش المسجد وحصیره مع الاستغناء عنهما والرباط والبئر الیٰ اقرب مسجد او رباط او بئر الیه اهـ ج ۳ مع ردالمحتار ص ٥٧٤۔ اوراس کے ضمن میں جو اور سوالات کئے ہیں ان کا منشاء محض غصہ ہے نہ کہ تحقیق اس لیے جواب نہیں دیا گیا۔ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (حوادث رابعہ ص:۶۷)

## چندہ ہنود در مسجد یا صرف مسجد مال حرام در تعمیر مسجد

سوال (۷۷۱) علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مقام پاتھرڑیہ ضلع مان بھوم میں ایک مسجد نئی تیار ہوئی ہے اور اس میں ہندو لوگ چندہ دینا چاہتے ہیں۔وہ روپیہ ہندو لوگوں کا مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔اگر یہ احتمال نہ ہو کہ کل کو اہل اسلام پر احسان رکھیں گے اور نہ یہ احتمال ہو کہ اہل اسلام ان کے ممنون ہو کر ان کے مذہبی شعائر میں شرکت یا ان کی خاطر سے اپنے شعائر میں مداہنت کرنے لگیں گے اس شرط سے قبول کر لینا جائز ہے۔ ۲۰ رجمادی الاخریٰ ۱۳۳۹ھ (تتمۂ خامسہ ص ۱۹۰)

## تعمیر کافر مسجد را

سوال (۷۷۲) آیت ماکان للمشرکین ان یعمروا مساجدالله شاهدین علیٰ انفسهم بالکفر کے ذیل میں امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں ۔ قال الواحدی دلت هذه الأیة علیٰ ان الکفار ممنوعون من عمارة مسجد من مساجد المسلمین ولو اوصی بها لم تقبل وصیته اهـ اور عدم جواز کی یہ وجہ لکھتے ہیں والکافر یهینه، ولا یعظمه۔ اور یہ بھی لکھتے ہیں۔وایضا اقدامه علیٰ مرمة المسجد تجری مجری الانعام علیٰ المسلمین ولا یجوزان یصبر الکافر صاحب المنة علیٰ المسلمین اهـ اور تفسیر خازن میں ہے واختلفوا فی المراد بالعمارة علیٰ قولین احدهما ان المراد بالعمارة العمارة المعروفة من بناء المسجد وتشییدها ومرمتها عند خرابها فیمنع من الکافر حتیٰ لو اوصی بناء مسجد

لم تقبل وصیته اھ۔

پس حسب قول واحدی ہندوؤں کا مال تعمیر مسجد میں صرف کرنا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ مولوی عبدالحئی صاحب لکھنوی نے اپنے مجموعۂ فتاویٰ میں اسی کو اختیار کیا ہے اور استاذنا مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کے مجموعۂ فتاویٰ میں جلد ۲ ص ۳۰ میں ہے۔ تعمیر ومرمت مسجد میں شیعہ وکافر کا روپیہ لگانا درست ہے اھ وایضًا فیہ جس کافر کے نزدیک مسجد بنانا عبادت کا کام ہے اس کے مسجد بنانے کو حکم مسجد کا ہوگا۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر ہندو بخوشی تعمیر مسجد کے لیے چندہ دیں تو لینا درست ہے یا نہیں اگر درست ہے اور یہی قول صحیح وراجح ہے تو جواب مع ماخذ تحریر فرمایئے۔؟

الجواب۔ یہاں دو مقام ہیں ایک تحقیق حکم کی فی نفسہ دوسرے تحقیق حکم کی باعتبار خارج عارض کے۔ سو تقریر اوّل کی یہ ہے کہ ہدایہ وغیرہ کتب فقہ کی کتاب الوصیۃ میں مصرح ہے کہ کافر کی وصیت ایسے امر کے ساتھ ہو جو اس کے اور ہمارے نزدیک قربت ہے جائز ہے پس اس بناء پر اگر کوئی ہندو اپنے اعتقاد میں اس کو قربت سمجھتا ہے تو اس قاعدہ کلیہ کے اقتضاء سے اس کا چندہ لینا جائز ہونا چاہئے البتہ اگر اس مسئلہ کی تفسیر یہ ثابت ہو جائے کہ اس کے مذہب کی رو سے وہ قربت ہو اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ اس طور پر یہ قربت نہیں ہے تب البتہ عدم جواز کا حکم دیا جاوے گا والظاہر ھو الاول۔ اور مفسرین کا استنباط کرنا عدم جواز کو اس آیت سے فقہاء کے مقابلہ میں درست نہیں کیونکہ لکل فن رجال اور آیت کے یہ معنی بھی نہیں بلکہ سیاق وسباق وسبب نزول میں نظر کرنے سے مطلب آیت کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں رد ہے افتخار مشرکین کا عمارت مسجد حرام اور سقایہ حاج پر اس طور پر کہ مشرکین میں بوجہ فقدان ایمان کے کہ شرط ہے قبول عمل صالح کی اس عمل کی اہلیت شرعیہ نہیں پس یہ عمل ان کا مقبول نہیں بلکہ کالعدم ہے اور عمل غیر مقبول پر فخر کرنا محض لغو ہے البتہ ایمان والوں سے یہ عمل مقبول ہے پس اس میں جواز اور عدم جواز سے تعرض ہی نہیں اور للمشرکین لازم جواز کا نہیں بلکہ لام استحقاق وصلاحیت کا ہے۔ وقد بسطتہ فی تفسیری للقرآن اور تقریر ثانی کی یہ ہے کہ بوجہ احتمال منت علی المسلمین فی امر الدین کے اس سے بچنا چاہیے جیسا کہ سوال میں بھی نقل کیا ہے اور جو شیعہ حد کفر تک نہ پہنچا ہو اس کا حکم کافر کا سا نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ ۲۳ رمضان شریف ۱۳۲۵ھ یوم پنجشنبہ (امداد ثانی ص:۱۱۰)

## صحیح بودن وقف ہندو برائے مسجد

سوال (۷۷۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ہندو نے ایک جائداد صحرائی بنام مسجد وقف کر کے وقف نامہ باضابطہ بتاریخ ۱۹ ر شوال ۱۳۳۵ھ مطابق ۵ ر اگست ۱۹۱۷ء رجسٹری کرادیا۔ اس کے بعد درخواست داخل خارج بنام مسجد عدالت میں

دی گئی۔ عدالت میں واقف نے بیان کیا کہ میری اراضی ہندو مالکانہ موضع ہذا نے کئی جگہ چھین لی ہے اور دس بھینس اور چھ بیل زبردستی لے لیے ہیں۔ نیز مکان بھی جبراً دبا لیے ہیں۔ مالکان کے خوف سے میں نے یہ اراضی مسجد کے نام خیرات کردی ہے۔ میرا یہ اقرار ہے کہ یہ زمین مسجد کے نام ہے بیع رہن نہ ہووے اور وقف نامہ میں یہ عبارت نہیں ہے بلکہ حسب قاعدہ جو عبارت ہونی چاہئے وہ ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

''میں اپنا مذہب ہندو رکھتا ہوں۔ مگر خیالات مستقل صوفیانہ ہیں۔ جن کی وجہ سے میں خداوند عالم کے سوا اور کسی پر اعتقاد نہیں رکھتا۔ اس لیے میرے نزدیک جس قدر عبادت خانے دنیا میں خداوند عالم کی پرستش کے لیے ہیں خواہ وہ کسی مذہب وملت کے ہوں میں ان کو ہر طرح متبرک اور مساوی سمجھتا ہوں اور ان کی بہبودی واستحکام کے واسطے دینا ثواب آخرت اور ذریعۂ نجات جانتا ہوں اس لئے میں نے حقیقت مفصلہ ذیل فی سبیل اللہ بنام جامع مسجد کیرانہ دواماً قطعی وقف کردی میرا کچھ واسطہ جائداد یا اس کے حقوق یا قبضہ سے نہیں رہا۔''

واقف کے بیان مندرجہ بالا سے جو عدالت میں بیان کیا کہ میری اراضی وبیل وغیرہ چھین لیے ہیں ان کے خوف سے میں نے یہ اراضی خیرات کردی ہے وقف قائم رہا یا نہیں اور واقف کے اس بیان سے جو بعد تکمیل وقف نامہ عدالت میں بوقت داخل خارج ہوا واقف میں کوئی نقص تو واقع نہیں ہوا۔؟

سوال دوم۔ یہ اراضی جو وقف کی ہے پنجاب یعنی ضلع کرنال میں واقع ہے۔ اور وہاں کے قانون کے موافق کوئی شخص اپنی جدی جائداد بیع وغیرہ نہیں کرسکتا۔ البتہ ایک جزو جائداد واسطے فائدہ روحانی کے وقف کرسکتا ہے۔ چنانچہ واقف نے ایک جزو جائداد وقف کیا ہے تو کیا شرعاً اس واقف کو کوئی فائدہ روحانی ہوسکتا ہے۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب عن السوال الاول۔ **فی العالمگیریة واما سببه (ای الوقف) فطلب الزلفی هکذا فی العنایة واما حکمه فعندهما زوال العین عن ملکه الی اللّٰه تعالٰی وفیها واما الاسلام فلیس بشرط**۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ یہ وقف صحیح ہوگیا۔ اور جب وقف ہونے کے سبب واقف کی ملک زائل ہوگئی تو بعد کے بیان سے وقف میں کوئی خلل نہیں آسکتا۔ کیونکہ یہ کہنا تصرف ہے غیر مملوک میں جو شرعاً باطل ہے۔

الجواب عن السوال الثانی۔ اوپر کی روایت میں سبب وقف کا طالب زلفی ہے نہ کہ خود زلفی سو صحت وقف میں اس سے بحث نہیں ہے کہ اس سے واقف کو کوئی روحانی فائدہ ہوسکتا ہے یا نہیں۔ یہ ایک مستقل مسئلہ ہے صرف واقف کا قصد ثواب صحت ولزوم وقف کے لیے کافی ہے اور یہ اس وقف میں مصرح ہے۔ ۲۱ر رمضان المبارک ۴۲ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۳۰۲)

سوال (۴۷۷) ایک عورت تھی کہ جو دریوزہ گری اور حرام کے حمل کو اسقاط کرایا کرتی تھی اس

نے مرتے ہوئے وصیت کی کہ میری سب ملکیت کو فروخت کر کے فلاں مسجد کی تعمیر میں لگا دیا جاوے اور اس میں کنواں بنوا دیا جاوے وارثوں نے ویسا کر دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس مسجد میں نماز درست ہے یا نہیں اور درست ہونے کی صورت میں ثواب نماز مسجد ہوگا یا نہیں۔ ایسے مال سے جدید مسجد جگہ لیکر بنانا درست ہے یا نہیں۔ مسجد نام دیوار کا تو ہے نہیں نہ سقف نہ فرش گچ کا۔ لہٰذا اگر ایسا مال کسی نے چنائی میں لگا دیا تو مسجد کی مسجدیت میں تو قصور نہیں آتا یا آجاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر کافر بہ نیت ثواب محض خدا کے واسطے تعمیر مسجد میں چندہ دے تو لینا درست ہے یا نہیں۔

الجواب۔ یہ کئی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مسجد قدیم ہے اور اس کی مرمت میں مال حرام لگایا گیا سو اگر اس سے فرش کی مرمت نہیں ہوئی تو صلوٰۃ میں استعمال مال حرام کا لازم نہیں آیا اس لیے صلوٰۃ میں کوئی کراہت نہیں ہوئی گو ایسے مال کا ایسی جگہ لگانا معصیت ہوگا اور اگر فرش میں بھی لگایا گیا ہے تو اس پر نماز پڑھنے سے استعمال مال حرام کا لازم آتا ہے اور مال حرام سے انتفاع بالاجماع حرام ہے اس لیے اس پر نماز پڑھنا ممنوع ہوگا۔ البتہ اس کا تدارک اس طرح ممکن ہے کہ اس فرش کو اکھاڑ کر بدل دیا جاوے پھر کراہت زائل ہو جائے گی۔ دوسری صورت یہ کہ ایسے مال سے زمین خرید کر مسجد جدید بنائی گئی ہے سو چونکہ مسجد کا مسجد ہونا الگ چیز ہے اور اس کا مقبول ہونا الگ چیز ہے سو ہر چند کہ یہ مسجد مقبول نہ ہو۔ لحدیث ان اللہ طیب لایقبل الاطیبا لیکن مسجد ہونے کے لیے چونکہ وقف للصلوٰۃ ہونا اور صحت وقف کے لیے فارغ عن ملک الغیر ہونا شرط ہے وبس اس لیے یہ مسجد ضرور ہوگئی۔ اور کشاف ومدارک میں تحت قصہ مسجد ضرار جو مرقوم ہے قیل کل مسجد بنی مباھاۃ اوریاء وسمعۃ اولغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ اوبمال غیر طیب فھو لاحق بمسجد الضرار۔ اگر قیل کی تضعیف سے بھی قطع نظر کی جاوے تو قبول وعدم قبول پر محمول کرنا واجب ہے نہ یہ کہ وہ مسجد ہی نہ ہوگی مگر باوجود مسجدیت کے چونکہ اس میں نماز پڑھتے ہیں استعمال مال حرام کا لازم آتا ہے اس لئے صلوٰۃ مکروہ ہوگی کما ہو ظاہر۔ اور اس کا کوئی تدارک خیال میں نہیں آتا ہے اس لیے کہ وقف ہونے کے بعد استرداد بیع ممکن نہیں کہ اس فسخ سے اور دوبارہ اشتراء بمال طیب سے اس کا تدارک ہو جاتا غرض یہ سخت اشکال کا محل ہے کہ نہ اس مسجد میں نماز جائز اور نہ اس کی بے حرمتی بوجہ مسجد ہونے کے جائز[1] اور نہ تدارک ممکن۔ اس صورت کو علماء سے پیش کر کے حکم دریافت کیا جاوے اور ان دونوں صورتوں میں بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ...... احکام مذکورہ اس وقت ہیں جب زمین یا ملبہ نقد مال حرام سے خریدا ہو یعنی یا تو ثمن پہلے

---

(۱) جیسے کہ اگر دوسری مسجد قریب ہو تو اور مسجد بنانا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس سے پہلے مسجد کی اضاعت لازم آتی ہے لیکن اگر بن جاوے تو اس کا منہدم کرنا اور بے ادبی کرنا جائز نہیں اور ایسی مسجد کی مثال ایسی ہے جیسے مغصوب کاغذ پر اگر قرآن لکھا جاوے تو نہ اس کی بے ادبی درست ہے نہ اس میں تلاوت درست ہے۔ ۱۲ منہ

دیدیا ہو یا وقت شراء اس ثمن کی طرف اشارہ کیا ہو اور اگر دونوں امر نہ ہوئے ہوں بلکہ ادھار لیا ہو اور بعد میں قیمت دیدی ہو تو مال کی حرمت وخباثت مؤثر نہیں ہوتی اور یہ کرخی کا قول ہے اور بعض نے اس کے خلاف کی تصحیح کی ہے۔ هذا كله في كتاب الغصب من الدر المختار۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کافر مسجد میں چندہ دے اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کافر اس کو قربت سمجھتا ہے تو لینا درست ہے اور اگر قربت نہیں سمجھتا تو درست نہیں ہدایہ کی کتاب الوصیۃ میں یہ تفصیل ہے مگر گفتگو اس میں ہے کہ آیا صرف دینے والے کی رائے معتبر ہے یا اس کے مذہب کا حکم مشہور اول ہے اور احقر کے نزدیک راجح ثانی ہے۔ یہ حکم تو نفس اعطاء کا ہے لیکن۔ نظراً الى بعض العوارض الخارجية كالا متنان على اهل الاسلام من اهل الكفر قبول کرنا مناسب نہیں۔ فان الإسلام يعلو ولا يعلى واليد العليا المعطية والسفلى السائلة هذا ماعندي والله تعالى عنده علم الصواب۔ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص:۱۲۹)

## ضرورت سے زیادہ مسجد کی زینت کرنے کا حکم

سوال (۷۷۵) مسجد میں برائے زینت اشیاء مزینہ بغرض تکثیر جماعت لٹکانا جائز ہے یا نہیں۔ دیگر اگر مسجد کے لیے اشیاء مزینہ خرید کر بعد چند مدت پھر بخوف عدم جواز یا فضول صرف سمجھ کر فروخت درست ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ في الدر المختار۔ قبيل باب الوتر و النوافل ويكره التكلف بد قائق النقوش ونحوها اه عموم نحوها سے ان اشیاء کی کراہت ثابت ہوتی ہے اور ایسے زائد اشیاء کا فروخت کرکے مسجد کے ضروریات میں صرف کر دینا جائز ہے۔ قياساً على بيع انقاض المسجد المصرح جوازه في ردالمحتار۔ ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص:۱۸)

## حرمت منع از مسجد شخصے را کہ مدتے در خانہ خود نماز ادا کردہ باز در مسجد آمدہ نماز ادا کند

سوال (۷۷۶) کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں مفتیان شرع متین کہ ایک شخص ہمیشہ اپنے گھر میں سال دو سال نماز پڑھتا رہے اور پھر مسجد میں آ کر نماز پڑھنے لگے تو کیا ایسے شخص کو مسجد میں نماز نہ پڑھنے دینا جائز ہے۔؟

الجواب۔ جو شخص اس کو مسجد میں آنے سے روکے گا سخت گنہگار ہوگا۔؟

ربیع الاول ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص:۴۸)

## حکم نماز در مسجد یکہ بغرض فاسد تعمیر کردہ شد

سوال (۷۷۷) ماقولكم رحمكم الله بیچ اس مسئلہ کے کہ زمانہ قدیم سے ایک کا ہی مسجد

ضلع ہوڑا تھانہ شام پور محلّہ بارگاؤں میں وقف کی زمین پر قائم ہے اور وہ پانچ متولیوں کی زیر نگرانی میں تھی ان میں سے ایک متولی بلا ضرورت اور بلا کسی عیب علیحدہ ہوکر کاہی مسجد سے پچاس یا ساٹھ ہاتھ کے تفاوت پر ایک نئی مسجد پختہ بنائی پس کاہی مسجد کی جماعت سے کچھ لوگ بغرض طمع مال نئی مسجد میں آئے تو اس مسجد میں نماز درست ہے یا نہیں اور وہ مسجد جائز ہے یا نہیں اور وہ مسجد ضرار کہلائے گی یا نہیں۔ اگر کاہی مسجد کا قبر گاہ میں ہونا ثابت ہو تو اس میں نماز جائز ہے یا نہیں اس صورت میں کون مسجد افضل ہے اگر کاہی مسجد کے قبرستان میں ہونے کا شبہ ہو تو اس حالت میں کاہی مسجد میں درست ہے یا نہیں اور اگر کسی میں کوئی عیب نہ ہو تو کون مسجد کی فضیلت زیادہ ہوگی۔؟

الجواب۔ اگر کسی مصلحت شرعی سے یہ پختہ مسجد بنائی گئی ہے تب تو کچھ حرج ہی نہیں۔ اور اگر کسی نفسانی غرض سے بنائی گئی ہے تو بنانا مکروہ ہے لیکن نماز پڑھنا اس میں اگر خلوص سے ہو درست ہے ورنہ مکروہ۔ اور مسجد ضرار کسی حال میں نہیں مسجد ضرار اس وقت ہوتی جبکہ اس کی بناء مسجد کی نیت سے نہ ہوتی محض صورت مسجد کی ہوتی جیسے منافقین نے بنائی تھی اور جبکہ نیت مسجد بنانے کی ہو گو خود بنانے میں نیت خالص نہ ہو تو وہ مسجد ضرار نہیں ہے اور اگر کاہی مسجد کا قبرستان میں ہونا ثابت ہو تو اس میں تفصیل ہے اگر وہ قبرستان مملوک خاص ہے اور قبلہ کی سمت میں کوئی قبر نمایاں نہیں یا اگر نمایاں ہے تو مسجد اور اس قبر کے درمیان دیوار وغیرہ حائل ہے تب تو کچھ حرج نہیں ورنہ مکروہ ہے اور اگر قبرستان وقف ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو اب بھی وہاں قبریں بنائی جاسکتی ہیں تو اس صورت میں بھی وہاں مسجد بنانا مکروہ تھا لیکن باوجود مکروہ ہونے کے اگر بنائی گئی تو اس کا کیا حکم ہے اس کی تحقیق مجھ کو نہیں۔ کہیں اور جگہ پوچھ لیا جاوے اور اگر وہاں اب قبریں بنانے کی قانونی ممانعت ہوگئی ہے تو اس میں مسجد بنانے کا حکم وہی ہے جو مملوک زمین میں بنانے کا مذکور ہوا۔ اور اگر دونوں مسجدیں صحیح ہوں تو اقدم واقرب کے تفاضل میں اختلاف ہے۔ کما یفھم من الدر المختار۔ پس جس قول پر چاہے عمل کرے۔

۲۳ رجمادی الثانی ۱۳۴۰ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۲۲۰)

سوال (۸۷۷) بخدمت علمائے کرام نہایت مؤدبانہ عرض ہے کہ چھاؤنی ہذا کی آبادی اہل اسلام کے لحاظ سے ایک مسجد قدیم الایام سے کافی دوافی آباد ہے جس میں نماز پنجگانہ و جمعہ و جماعت بروقت ادا ہوتی ہے لیکن دس بارہ حضرات ساکنان چھاؤنی مسجد مذکور کی قدیم انتظامی حالت میں غیر ضروری تبدیلی کرنا چاہتے ہیں جس پر اہل اسلام چھاؤنی راضی نہ ہوئے اسی بناء پر حضرات موصوف نے عدالت مجاز میں دعویٰ دائر کیا جس پر عدالت نے بھی ان کے خلاف رائے فیصلہ فرما کر قدیم انتظام کو جو سالہا سال سے جاری ہے بجنسہ بحال رکھنے کے لیے حکم صادر فرمایا۔ اس لیے حضرات مذکور علیحدہ ایک

مسجد بنانے کی کوشش کر رہے ہیں باوجودیکہ موجودہ مسجد میں ان حضرات کو نماز ادا کرنے کے لیے کوئی شخص مانع نہیں ہے اور نہ آئندہ ہوسکتا ہے ایسی حالت میں ایک جدید مسجد کی تعمیر کی کوشش وہ بھی بے ضرورت۔ محض اہل اسلام میں تفرقہ ڈالنے اور اگر وہ اہل اسلام کو دوفریق کرنے اور قدیم مسجد کی جماعت کو کم کر کر ویران کرنے کی نیت سے کی جارہی ہے بناء بریں عرض ہے کہ یہ فعل ان حضرات کا از روئے قانون شریعت اسلام جائز ہے یا نہیں اور یہ نیت مذکورہ مسجد بنانا داخل حکم مسجد ضرار ہے یا نہیں۔ اور ایسی مسجد کے لیے کسی قسم کی مدد کرنا داخل ثواب ہے یا باعث عذاب۔ خلاصۂ عطاء فرمایا جاوے۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ جس مسجد ضرار کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ وہ ہے جس کی نسبت قطعی دلیل سے ثابت ہے کہ وہاں مسجد ہی بنانے کی نیت نہ تھی محض صورت مسجد اضرار اسلام کی نیت سے بنائی تھی سو جس مسجد کا بانی دعویٰ نیت بناء مسجد کا کرے اور کوئی قطعی دلیل سے ثابت ہے کہ وہاں مسجد ہی بنانے کی نیت نہ تھی محض صورت مسجد اضرار اسلام کی نیت سے بنائی تھی سو جس کا بانی دعویٰ نیت بناء مسجد کا کرے اور کوئی قطعی دلیل اس کی مکذب نہ ہو اس کو مسجد ضرار کیسے کہا جاسکتا ہے۔ ورنہ لازم آتا ہے کہ ایسی مسجد کے انہدام اور اس میں القاء کناسہ کو جائز کہا جاوے۔ لان الشیئ اذ اثبت ثبت بلوازمه اور اس کا کوئی قائل نہیں پس ثابت ہوا کہ ایسی مساجد مسجد ضرار میں تو داخل نہیں البتہ خود یہ قاعدہ متقرر ہے کہ اگر طاعت میں غرض معصیت ہو جیسے مسجد بنانے سے غرض تعصب اور تفریق مقصود ہو تو اس فعل میں عاصی ہوگا لیکن مسجد مسجد ہی ہوگی مع اپنے جمیع احکام لازمہ کے۔ باقی اس نیت کا حال اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے دوسروں کو اس پر حکم جازم لگانا جائز نہیں۔ ۱۰ رذیقعدہ ۱۳۳۸ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۱۶۵)



## نقل انقاض مسجدے بدیگرے وقت استغناء

سوال (۷۷۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد دیرینہ قصبہ سے دور عرصہ سو برس سے مردمان بود و باش کرنے لگے اور ایک مسجد جدید ناتمام بفاصلہ تیس قدم مسجد مذکور سے ہے اگر مسجد کہنہ کو مسمار کرا کر مسجد جدید میں جو آباد ہے اس میں اس کی خشت وغیرہ لگائی جائیں جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ اگر مسجد کہنہ سے استغناء ہوگیا ہے تو اس کا ملبہ مسجد جدید میں لگانا جائز ہے، نہیں تو وہ ملبہ بالکل ضائع جائے گا اس سے بہتر ہے کہ اس مسجد جدید میں لگادیں۔

والذی ینبغی متابعة المشائخ المذکورین فی جواز النقل بلا فرق بین مسجد او حوض کما افتی به الامام ابو شجاع والإمام الحلوانی وکفی بهما قدوة ولا سیما فی زماننا فان المسجد او غیره من رباط وحوض اذالم ینقل یاخذ انقاضه اللصوص

والمتغلبون کما ھو مشاھد وکذلک او قافه ویاکلھا النظار اوغیرھم ویلزم من عدم النقل خراب المسجد الأخر المحتاج الیٰ النقل الیه۔ شامی جلد ثالث ص ۳۷۲۔ واللہ اعلم۔
۱۵رشعبان ۱۳۲۱ھ (امدادثانی ص:۸۹)

## حکم اتلاف اشیائے مسجد

سوال (۷۸۰) اگرکوئی شخص بعض اشیاء مسجد کومثل فرش وظروف وغیرہ وغیرہ کوبخیال غصب تلف کردے تومتولی اورنمازیان مسجد کومعاوضہ بجبر یابلاجبر جائز ہے یانہیں۔؟

الجواب۔فی ردالمحتار ج۳ ص ۵۷۴۔ قال الزیلعی وعلیٰ ھذا حصیر المسجد وحشیشه اذا استغنی عنھما الیٰ قوله ینقل الیٰ مسجد اٰخر ۔پس باجوداستغناء کےبھی خودانتفاع کسی کوجائزنہیں تواحتیاج وضرورت کے وقت توکب درست ہوجوشخص قادرہواس کوعوض لینے پرجبر جائز ہے واللہ اعلم۔ ۲رذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امدادثانی ص:۹۵)

## اگربعض اشرار وقف جائداداوراملاک الخ

سوال (۷۸۱) اگربعض اشرار وقف جائداداوراملاک مسجدکوضائع اورتلف اورغصب کریں تو مسلمان اس کے واسطےکسی قسم کی تدبیراستخلاص اوروصول کی کریں یااس پرصبرکریں اگرچہ نمازیان مسجدکو تکلیف ہواوراس کی وجہ سےنمازمسجدمیں ادانہ کرسکیں۔

الجواب۔فی الدرالمختار وکذا الرباط والبیر اذالم ینتفع بھما فیصرف وقف المسجد والرباط والبیرو الحوض الیٰ اقرب مسجد او رباط اوبئراوحوض الیه ج۳ ص ۵۷۴ یہاں بھی یہی سمجھنا چاہئے کہ جب باوجودعدم احتیاج کےکوئی اس کواپنے صرف میں نہیں لاسکتاتومسجدکی حاجت ہوتے ہوئے یہ فعل کب حلال ہوگااس میں بھی قادرکوتدبیروسعی استخلاص کی کرنا جائزبلکہ واجب ہےاورسکوت ناجائز۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۳رذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

## حکم مسجد بنا کردہ بمال حرام

سوال (۷۸۲) رنڈی کی بنوائی ہوئی مسجدشرعی ہے یانہیں۔؟

الجواب۔چونکہ مال حرام سےانتفاع جائزنہیں توآلہ قربت توبدرجۂ اولیٰ نہ ہوگی لہٰذاایسی مسجد شرعاً مسجدنہیں۔وہذاظاہر۔واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ یوم الاضحیٰ ۱۳۲۲ھ (امدادص۹۵ج۲)

## طوائف کی زمین میں مسجد بنانے کاحکم

سوال (۷۸۳) ایک مسجدطوائف (یعنی جوناجائزفعل سےگزراوقات کرتی ہیں) کے نام

سے مشہور ہے لیکن وہ جائے کسی ہندو راجہ نے ایک طوائف مسمی چھوٹم بھاگا کو تعزیہ بنانے کے واسطے مفت دی۔ اور راجہ کو سوائے گانے بجانے کے اور کوئی تعلق ناشائستہ نہ تھا یعنی طوائف اس کو گانا بجانا سنایا کرتی تھی لہٰذا خوش ہو کر اس کو دیا تھا بلکہ اور کھیت وغیرہ بھی دیا ہے اس جائے پر تعزیہ بھی بنتا تھا اور اب بھی بنتا ہے لیکن کسی زمانہ میں وہی قوم نماز بھی پڑھا کرتی تھی اس سبب سے مسجد مشہور ہے کسی وقت میں وہ مسجد (یعنی امام باڑہ) پانی کے سیلاب سے بہہ گیا تھا پھر شہر کے سنی مسلمانوں نے مسجد باندھا یعنی بنایا لیکن نماز نہیں پڑھی گئی اب وہ جائے طوائفوں کے قبضہ میں ہے وہ یہ چاہتی ہیں کہ کوئی مسلمان مسجد باندھے ہم وہ جائے مفت دیتے ہیں اور جو کچھ ہماری مسجد کی عمارت ہے ہم لے جاتے ہیں ایسا وہ کہتی ہیں آیا اس پر مسجد باندھی جاوے تو نماز جائز ہوگی یا نہیں اگر نہیں جائز ہے تو کوئی صورت بھی جائز ہونے کی ہے یا نہیں۔ امید کہ کوئی حیلہ شرعی بیان فرماویں جس سے مسجد کے جواز کی صورت ہو جاوے۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ چونکہ گانا بجانا بھی معصیت ہے اور معصیت کے عوض جو چیز حاصل ہو اس سے انتفاع جائز نہیں اس لیے وہ زمین مسجد کے قابل نہیں ہے البتہ اگر یہ تاویل کی جاوے کہ اس معصیت کا عوض تو جدا ملتا تھا مثلاً تنخواہ ملتی ہوگی مزید براں انعام و اکرام ملتا تھا اس لیے یہ زمین اس معصیت کا عوض نہ تھا بلکہ ابتداء ایک تبرع تھا اور اس طرح سے اس سے انتفاع ہو سکتا ہے تو البتہ گنجائش ہے بشرطیکہ موافق فرائض کے جو اس اوّل طوائف کا وارث اور اس زمین کا مالک ہو وہ اجازت دیدے یا یہ ثابت ہو جاوے کہ اس طوائف نے مسجد کے لیے اس کو وقف کر دیا تھا اور اس کے روبرو لوگ اس میں نماز پڑھنے لگے تھے۔ فقط۔ ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۱۲۱)

## تحقیق معاملہ اوقاف متعلقہ جامع مسجد کیرانہ

سوال (۷۸۴) قاضی امین الدین نے ایک جامع مسجد بادشاہی جو منہدم ہو گئی تھی از سرنو تعمیر کی اور چھیالیس دوکانیں بنائیں منجملہ ان دوکانوں کے چودہ زیر مسجد اور چھبیس دوکانیں ایسے قطعۂ آراضی جو دیگر اشخاص نے وقف اور ملک جامع مسجد کر کے حوالۂ قاضی امین الدین اس شرط سے کی کہ ان قطعوں پر دوکانیں بنا کر ان کی آمدنی مصارف مسجد میں صرف کرتے رہیں بنائیں۔ اور نو دوکانیں ایسے قطعہ پر بنائیں کہ جو قاضی امین الدین کے بھائی کے نام بیع تھا بعد ان کی وفات لاولد کے وہ وارث ہوئے عبارت ہر سہ وقف نامہ جات جو دیگر اشخاص کی طرف سے لکھی گئی تھی حسب ذیل ہے۔ برضاء و رغبت خود با جمیع حدود و حقوق و مرافق آں بکل قلیل و کثیر مما یضاعف وینسب الیہا حسبۃً للہ برائے حصول ثواب عقبیٰ و ذخیرۂ آخرت وقف نمودہ ملک و مملوک خاص مسجد جامع موصوف کردیم واز ملک خود برآوردہ

برائے تیار کردن دوکانہا بر اراضی مذکورہ سپرد قاضی امین الدین قاضی پرگنہ نمودیم تا قاضی موصوف مذکورہ دوکانہا تیار کردہ آمدنی کرایہ آنہا را در مصارف مسجد موصوف صرف می نمودہ باشند اس کے بعد انہوں نے ایک وقف نامہ تحریر کیا جس کی عبارت بجنسہ حسب ذیل ہے۔ شرعاً بریں وجہ کہ چہاردہ درد کاکین تحت جامع وسی و دو درد کاکین ذیل جامع مسجد واقع آبادی قصبہ مذکور کانتھ در بازار کہنہ محدودہ مفصلہ ذیل حق وملک وقبض وتصرف مقر مذکورہ بودوہست تا ایں زمان خالیاً عن حق الغیر وعما یمنع جواز التصرف ونفاذہ در بیناولا مقر مذکور چہل (۱) وشش دکانین مذکورہ را با جمیع حدود وحقوق ومرافق آں بکل قلیل وکثیر مما یضاف وینسب الیہا ومحاصل اواز ملک خود برآوردہ تصدقاً وحسبۃً للہ علیٰ وجہ الخیر دوامأ برائے مصارف جامع مسجد تعمیر کردہ خود واقع کیرانہ مثل درماہہ امام ومؤذن وسقہ ومرمت شکست وریخت مسجد مذکور دکاکین موقوفہ واطعام وادصادر مسافرین ومبلغ سی وشش (۳۶) روپیہ برائے مصارف مسجد فتح پور مضاف صوبہ دار الخلافہ لکھنؤ وما بقی برائے نفقہ مسماۃ سلیمہ نواسی خود کہ شرعاً بعد وفات مقر از ترکہ مقر محجوب است ثم لولد ہاشم لولد ولد ہاشم لولد ولد ولد ہاذکوراً نسلاً بعد نسلٍ ابداً دائماً وقف نمودہ بتولیت خود درآوردم اقرار معتبر مے نمایم ونوشتہ می دہم کہ بعد تاریخ ایں خط مقر مذکور محاصلش را تاحین حیات خود از دست خود در مصارف مذکور صرف می نمودہ باشم وبعد وفات من مقر مذکور باہتمام مسماۃ سلیمہ مذکورہ بطریق مذکورہ بالا وبعدہ اولادش نسلاً بعد نسلٍ مصارف مذکورہ بتولیت خود صرف می نمودہ باشند۔ واگر خدانخواستہ نسل مسماۃ سلیمہ منقطع شود بقیہ نفقہ موقوف لہم حسبۃً للہ عامہ مسکین است واہتمام بذمہٴ مرد متدین صاحب علم باشندہٴ قصبہ واجب است۔ آیا شرعاً جب ہر سہ قطعہ اراضیات وقف کرکے حوالہٴ قاضی صاحب واسطے بنانے دکاکین اور صرف کرنے آمدنی کرایہ دکانات مصارف مسجد کی گئیں اور قاضی صاحب نے بصرف زر کثیر دوکانات بنائیں تو اس صرف زر کثیر سے ان کو کوئی حق ذاتی دوکانات میں حاصل ہوا یا نہیں اور شرعاً وہ جز وآمدنی دوکانات مذکورہ اور چودہ دوکانات زر مسجد سے اپنے کسی وارث کے واسطے مقرر کر سکتے تھے یا نہیں اور اگر کر سکتے تھے تو کل دوکانات یا بعض سے؟

سوال دوم۔ قاضی امین الدین بعد وقف کرنے دوکاکین کے خود متولی ہوئے اور اپنے بعد کے لیے اپنی نواسی سلیمہ کو اور اس کی اولاد ذکور کو متولی قرار دیا بعد انتقال قاضی امین الدین مسماۃ سلیمہ متولیہ ہوئی اور اس نے بذریعہ اپنے شوہر قاضی خلیل الدین مختار عام دوکاکین موقوفہ میں تصرف کرنا شروع کیا یعنی اپنی کل جائداد مع دکاکین وقف کے علاوہ زیر مسجد رہن کی۔ اس کے بعد مابین فضل اللہ جو قاضی

(۱) چھیالیس (۴۶) دوکانیں بروقت تحریر وقف نامہ بن چکی تھیں اور تین دوکانیں منجملہ چھبیس دوکانوں مذکور کے اس وقف پر بعد کو بنائیں جس کا وقف ہونا بذریعہٴ اعلان اور وصیت نامہ ثابت ہے ۱۲

امین الدین کے برادرزادہ کا بیٹا تھا اور سلیمہ میں بذریعہ ثالث جائداد علاوہ دوکانات تقسیم ہوئی اور ثالث نے فیصلہ ثالثی میں یہ لکھا کہ قاضی امین الدین جامع مسجد کیرانہ اور مسجد شاملی کے متولی تھے اور ان مساجد میں بہت کچھ اپنے پاس سے صرف کرتے تھے جامع مسجد کیرانہ کے زیر مسجد جو چودہ دوکانیں تھیں اس کی آمدنی اس کے مصارف کو کافی نہ تھی اور نہ اب ہے قاضی صاحب دوکانات تعمیر کردہ اپنے کو متعلق جامع مسجد کر گئے ہیں اور اس کے آباد رکھنے کی وصیت کر گئے ہیں میں نے وہ وصیت دیکھا ہے میں موافق اسی وصیت نامہ کے دوکانات کو تقسیم نہیں کرتا ہوں اور فریقین پر لازم کرتا ہوں کہ بعد کل خرچ اخراجات ومرمت شکست وریخت جو بچے وہ فریقین باہم نصفا نصف تقسیم کرلیا کریں یہ وصیت نامہ جس کو ثالث لکھ رہا ہے درحقیقت ایک علیحدہ دستاویز تھی کہ جس کی رو سے اپنی نواسی مسماۃ سلیمہ محجوب الارث کو نصف جائداد کا مالک کیا جس کی عبارت یہ ہے۔ ثانیاً خصوصاً نورچشم مولوی حکیم ظہیرالدین راوصیت می کنم کہ بلا لحاظ حجب نصف متروکہ من برائے نور دیدہ بی بی سلیمہ صانہا اللہ تعالیٰ عن الآفات واگزارند وثالثاً دوکانات بازار جامع مسجد کیرانہ کہ از مصارف خالص خودم بنانہادہ دواماً علیٰ وجہ الخیر وقف کردہ ام حسب اہتمام مصرحہ وقف جاری دارند وہم مبلغ سی وشش (۳۶) روپیہ سالانہ تنخواہ مؤذن مسجد فتح پور ومبلغ شش روپیہ سالانہ تنخواہ مؤذن مسجد خورد متصل مسجد موصوف بدستور از آمدنی دوکانات مسطور صرف نمودہ باشند۔

اور وقف نامہ جس کی عبارت سوال اول میں نقل کی گئی وہ مسماۃ سلیمہ نے بہ ثبوت اس امر کے کہ بعد کل مصارف جو پس انداز ہو وہ واقف نے تنہا میرا حق مقرر کیا ہے اور اس میں فضل اللہ کا کوئی حق نہیں ثالث کے سامنے پیش نہیں کیا اور ثالث نے اپنے فیصلہ ثالثی میں اس کا تذکرہ کیا بلکہ ثالث نے پس انداز کو مابین ان کے پس انداز بالمناصفہ تقسیم ہوا تھا دکاکین کو بھی نصفا نصف اپنی ملکیت تصور کرلیا جیسا کہ عملاً ظاہر ہوا۔ اس کے بعد مسماۃ سلیمہ کا انتقال ہوگیا اور مرتہن نے ورثاء سلیمہ پر نالش دائر کی ورثہ سلیمہ نے عذر کیا کہ جائداد یعنی دکاکین وقف ہیں مگر کوئی دستاویز عدالت میں پیش نہیں کی حتیٰ کہ مدعا علیہم یعنی ورثاء سلیمہ کا وقف خود پیش کرنے کا نہ رہا اس کے بعد اپنے ایک گواہ سے وقف نامہ جس کی عبارت سوال اول میں درج ہے اقراری قاضی امین الدین پیش کردیا علاوہ اس وقف نامہ اور کوئی ثبوت وقف پیش نہ کیا اور فضل اللہ مدعا علیہ نے وقف سے انکار کیا کہ چودہ دوکانیں جو زیر مسجد ہیں وہ وقف ہیں باقی وقف نہیں۔ عدالت نے اس وقف نامہ کو جعلی قرار دیا اور دعویٰ مدعی ورثاء سلیمہ پر ڈگری کردیا من بعد ورثہ سلیمہ نے عدالت ہائی کورٹ میں اپیل کیا مگر وقف نامہ ضبط شدہ طلب نہ کرایا اور نہ اس کی بابت کوئی بحث کی بلکہ اس کو بالکل نظر انداز کردیا اور اس عدالت سے بھی کامیابی نہ ہوئی قبل اس کے کہ مقدمہ عدالت ہائی کورٹ سے فیصل ہو مدعی نے ڈگری جاری کرائی ورثاء سلیمہ نے عذر کیا کہ تصفیہ اپیل اجراء ملتوی ہو وہ عذر منظور ہوا بعد اس کے قبل تصفیہ اپیل برضامندی فریقین یعنی ڈگری دار اور ورثہ ڈگری دار

اور ورثہ سلیمہ درخواست اجرائے ڈگری اس مضمون کی عدالت میں گزری کہ اول لاٹ نیلام پر دکا کین نیلام پر دکا کین نیلام کردی جائیں چنانچہ حسب درخواست مدعی اور مدعا علیہم کل دکا کین کا نصف نیلام ہوگیا اور اپنی کل جائداد ذاتی جو شمول دوکانات کفول تھی بچالی بعد نیلام کل دوکانات کا نصف باقیماندہ فضل اللہ نے بھی فروخت کردیا جن کو اب عرصہ قریباً بارہ سال ہوگیا اس عرصہ میں کوئی کارروائی منجانب ورثہ سلیمہ دربارہ بازیافت جائداد موقوفہ منفرداً یا مشترکہ ظہور میں نہ آئی بلکہ تین قطعہ جو دیگر اشخاص نے وقف کئے تھے منجملہ ان کے ایک قطعہ معروف بسرائے کہنہ تھا اس میں آٹھ دوکانیں بنائی تھیں اور اس کے ایک جزو میں قبر قاضی امین الدین کی ہے اور ایک جزو میں سقے آباد ہیں اور نو جزو نیلام سے مستثنیٰ تھے جس جزو میں قبر قاضی صاحب کی تھی اس کو ورثہ سلیمہ نے ۱۹۰۲ء میں فروخت کردیا بعد منقضی ہونے گیارہ سال کے چند اہل اسلام قصبے کو اس کا خیال ہوا کہ اس میں توکلا علی اللہ تعالیٰ سعی وکوشش کرنی چاہئے اگر خدانخواستہ بارہ سال پورے ہوگئے تو پھر ہمیشہ کو مایوسی ہوجائے گی اور چونکہ وہ علی کل شیئی قدیر ہے کیا عجب ہے کہ وہ اپنی قدرت کاملہ کا ظہور فرمائے اور ازسرنو جامع مسجد کو مثل سابق غنی کردے کوشش شروع کی اور بعد اجازت ایڈوکیٹ مقیم الہ آباد دعویٰ رجوع کیا اور مناط دعویٰ انہیں ہرسہ وقف ناموں جات جو دیگر اشخاص کی جانب سے تھے اور وصیت نامہ اور درخواست قاضی امین الدین جو ضلع کرنال سے حاصل کی تھی جس میں انہوں نے ان دوکانات کے وقف کا ذکر کیا تھا اور فیصلہ ثالثی اور شہادت لسانی کو گردانا اور وقف نامہ کو جعلی قرار دیا گیا تھا ترک کردیا اگرچہ اس وقف نامہ ضبط شدہ کو حسب ہدایت عدالت طلب کرایا مگر وہ عدالت سے نہ آیا اور معلوم ہوا کہ وہ روبکارات میں تلف کردیا گیا سب اہل اسلام نے علاوہ ورثاء سلیمہ چندہ کے دینے میں اور دیگر امور میں جو اس کے متعلق تھے کوشش کی مگر ورثاء فضل اللہ نے اور بعض ورثاء سلیمہ نے وقف کے خلاف جواب دہی کی اور بعض ورثہ سلیمہ نے وقف ہونے کا تو اقرار کیا مگر اپنی موروثہ مسماۃ سلیمہ کی بدنیتی سے انکار کیا اس قادر علی الاطلاق نے اپنے فضل سے اہل اسلام کو پوری فتح اور کامیابی عطاء فرمائی یعنی سب دوکانات وقف ثابت ہوگئیں اب اپیل جو منجانب مدعا علیہم ہوا اور نالش دخل منجانب متولیان باقی ہے جس میں بہت زیادہ صرف ہے اب ورثاء سلیمہ اپنا حق مانگتے ہیں اور جھگڑا کرتے ہیں اس وجہ سے نالش دخل میں تعویق ہے حالانکہ ابھی تک محض وقف ثابت ہوا ہے مقدمات اور صرف کثیر باقی ہے۔ اہل اسلام کہتے ہیں کہ ہم نے جو روپیہ دیا وہ واسطے مسجد کے دیا نہ کہ واسطے حق سلیمہ کے اب شرعاً ورثاء سلیمہ کا کوئی حق تھا یا نہیں اور اگر تھا تو وہ ان کے افعال بالا سے ساقط ہوگیا یا نہیں اور جب ورثاء نے بذریعہ نیلام نصف دکا کین اپنے دین سے سبکدوشی حاصل کرلی اور فضل اللہ نے بذریعہ بیع نصف دکا کین سے روپیہ حاصل کرکے اصلی شیئ کو تلف کردیا تو کیا پھر بھی کچھ حق شرعاً باقی رہا اور جو نقصان متعلق آمدنی کے مسجد کو اندر گیارہ سال کے پہنچا اس کا اعادہ مسجد ورثاء

سلیمہ سے جو متولیہ بھی کرسکتی ہے یا نہیں اور جب کل دوکانیں پورے طور سے مسجد کی ہوکر قبضہ اہل اسلام میں آ جائیں تو ورثہ سلیمہ اس میں کسی جزو آمدنی کے شرعاً پانے کے مستحق ہیں یا نہیں اور حق تولیت ورثاء مسماۃ سلیمہ کا بھی باقی رہا یا نہیں اور نیز واضح رہے کہ کل معیاد نالش دخل کی قریباً دو ماہ باقی ہیں اگر اسی نزغہ میں دو ماہ گزر گئے اور چندہ کی سبیل ہوکر نالش نہ ہوئی تو پھر ہمیشہ کو مایوسی اور بالکل امید منقطع ہوجائے گی۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔فی الدرالمختار ج۳ ص ٦٦٤۔اعلم ان البناء فی ارض الوقف فیه تفصیل فان کان البانی المتولی علیه فان کان بمال الواقف فهو وقف سواء بناه للوقف او لنفسه او اطلق وان من ماله للوقف اطلق فهو وقف الااذا کان هو الواقف واطلق فهو له کما فی الذخیرة وان بناه من ماله لنفسه واشهد انه له فهو له کما فی القنیة والمجتبی۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ قاضی صاحب چونکہ ان ہرسہ قطعات موقوفہ کے محض متولی تھے ولم یقع الاشهاد علی البناء لنفسه۔اس لیے ان قطعات مذکورہ پر جو دوکانات بنائی گئی ہیں گو اپنے ہی مال سے سہی وہ سب بجر د بناء کے تبعاً للارض وقف ہوگئیں پس جس طرح اصل قطعات صرف جامع مسجد کے لیے وقف ہیں جیسا کہ واقفین کی تحریر میں مصرح ہے اسی طرح یہ دوکانات بھی خالصاً جامع مسجد کے لیے وقف رہیں گی پس قاضی صاحب کا اس کی آمدنی میں مدات کی تفصیل کرنا شرعاً صحیح نہ ہوگا کیونکہ واقف ہونے کی شرائط میں سے مالک ہونا ہے قاضی صاحب کسی وقت ان دوکانات کے مالک ہی نہیں ہوئے البتہ جو قطعہ قاضی صاحب کے بھائی کے نام بیع تھا اور وہ ان کو میراث میں پہنچا یہ اس کے بیشک مالک ہوئے اور اس میں جو نو عدد دوکانات اپنے روپیہ سے بنائیں ان کے بھی مالک ہوئے اور ان کے وقف کرنے والے بھی یہی ہوئے اس لیے ان خاص دوکانات میں وہ تفصیل مدات کی صحیح اور معتبر ہے اور قاضی صاحب کا علی الاطلاق وقف نامہ میں یہ لکھدینا کہ حق وملک وقبض وتصرف مقرر مذکور بود وہست الخ شرعاً صحیح نہیں پھر چونکہ یہ مدات مجموعہ دوکانات میں مقرر کی ہیں جن میں بعض کے اعتبار سے یہ مقرر کرنا صحیح ہے اور بعض کے اعتبار سے غیر صحیح اس لیے ان دوکانات نہ گانہ کے مقابلہ میں جس قدر حصہ ان مدات کا آئیگا اس حصہ کی نسبت سے خاص ان دوکانات نہ گانہ کے متعلق یہ مقرر کرنا صحیح ہوگا اور جس قدر حصہ ان مدات کا بقیہ دوکانات کے مقابلہ میں آئے گا اس حصہ کا ان بقیہ دوکانات کے متعلق مقرر کرنا صحیح نہ ہوگا مثلاً فرض کیا جائے کہ ان دوکانات نہ گانہ کی آمدنی کو مجموعہ دوکانات کی آمدنی سے مضاعف ہے اور ان دوکانات نہ گانہ کی آمدنی ان بقیہ دوکانات کی آمدنی سے نصف ہے تو جامع مسجد میں جس قدر اخراجات ہوں گے اس کے دو حصے تو بقیہ دوکانات کی آمدنی سے لیں گے اور اس کا ایک

حصہ ان دوکانات نہ گانہ کی آمدنی سے لیں گے پھران دوکانات نہ گانہ کی آمدنی میں جو دوثلث باقی رہے گا اس کے مجموعہ سے چھتیس روپیہ کا ایک ثلث یعنی بارہ روپیہ تنخواہ مؤذن مسجد فتح پور میں دیں گے اور چھ روپیہ کا ایک ثلث یعنی دوروپیہ تنخواہ مسجد خورد متصل جامع مسجد کیرانہ میں دیں گے اور اس کے بعد جو اس مذکور دوثلث باقی سے بچے گا وہ سلیمہ کا اور اس کے بعد حسب شرط قاضی صاحب اس کے ورثہ کو ملے گا اور اگر بجائے نسبت ثلث کے دوکانات نو گانہ اور بقیہ دوکانات میں ربع اور تین ربع کی نسبت ہوگی تو اسی نسبت سے سب مدات مذکورہ میں تفاوت ہوجائے گا لیکن بقیہ دوکانات کی جو آمدنی ہے وہ خالص جامع مسجد کی ہوگی۔ یہ تفریع روایت منقولہ پر بالکل ظاہر ہے۔

جواب سوال دوم۔ فی الدر المختار۔ وولایة نصب المقیم الی الواقف ثم لوصیه وفیه بعد اسطر ثم اذامات المشروط له بعد موت الواقف ولم یوص لاحد فولایة النصب للقاضی ج:۳ ص:۶۳۳ و ۶۳۵۔وفی ردالمحتار قال فی البحر قدمنا ان الولایة للواقف ثابتة مدة حیاته وان لم یشترطها وان له عزل المتولی وان من ولاه لا یکون له النظر بعد موته ای موت الواقف الا بالشرط علیٰ قول ابی یوسف ثم ذکر عن التتارخانیة ما حاصله ان اهل المسجد لو اتفقوا علیٰ نصب رجل متولیالمصالح المسجد فعند المتقدمین یصح ولکن الافضل کونه باذن القاضی ج۳ ص۶۳۳۔وفیه عن الخانیة انه (ای المتولی) بمنزلة الوصی وللوصی ان یوصی الیٰ غیره اھ ج۳ ص۳۳۷۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ واقف کے مرنے سے متولی معزول ہوجاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ متولی بمنزلہ وصی کے ہے اور وصی کو صرف یہ اختیار ہوتا ہے کہ اپنی جگہ کسی کو وصی مقرر کردے لیکن یہ اختیار نہیں ہوتا کہ مسلسل دور تک اسی طرح کسی کو وصی مقرر کرے کہ میرے بعد فلاں ہوگا اس کے بعد فلاں۔ البتہ واقف کو اختیار ہوتا ہے کما صرحوا۔ بلکہ اگر متولی کسی کو کہہ کر مرجائے تو پھر جب دوسرا متولی مرے گا تو حاکم یا عامۂ اہل اسلام کو اختیار ہوگا جس کو مناسب سمجھیں متولی مقرر کرلیں پس دوکانات نہ گانہ میں قاضی صاحب واقف ہیں ان کی نسبت یہ لکھدینا کہ بعد وفات من مقر مذکور باہتمام سلیمہ بعدہ اولادش بتولیت خود انخ ملخصاً صحیح ومعتبر ہوگا لیکن بقیہ دوکانات میں قاضی صاحب متولی ہیں جیسا اوپر ثابت ہوا تو اگر قاضی صاحب کا ان قطعات کے وقف کرنے والوں سے قبل انتقال ہوگیا ہو تب تو قاضی صاحب کی وصیت بھی صحیح نہیں کیونکہ واقف کے ہوتے ہوئے متولی کو اس کا اختیار نہیں جیسا روایت اولی میں ثم کی ترتیب سے معلوم ہوا اور اگر قاضی صاحب کا انتقال ان قطعات کے وقف کرنے والوں سے بعد ہوا ہے اور ان وقف کرنے والوں نے اپنے مرنے کے بعد کے متعلق درباب تولیت قاضی صاحب

کچھ نہ کہا ہوتب تو قاضی صاحب تولیت سے معزول ہو گئے جب بھی ان کی وصیت صحیح نہیں۔اور اگر ان وقف کرنے والوں نے اپنے بعد کے لیے بھی ان کو متولی قرار دیا ہو تو البتہ سلیمہ کو متولی مقرر کرنا صحیح ہو گا اور مابعد والوں کو غیر صحیح ہو گا اور جن دوکانات نہ گانہ میں ان کی تحریر مذکور صحیح ہے معنی اس کے یہ ہیں کہ فی نفسہ صحیح و معمول بہ ہے لیکن اگر مانع تولیت ان متولیوں سے واقع ہو تو تولیت درست نہ ہو گی اور منجملہ موانع شرعیہ کے متولی کا غیر مامون ہونا ہے۔

فی الدرالمختار وینزع وجوبا لو غیرمامون اوعاجز الٰی قوله وان شرط عدم نزعه۔ ج ۳ ص ۵۹۵۔اور واقعات سے غیر قابل اطمینان ہونا سلیمہ اور اس کے ورثہ کا اور نیز عاجز ہونا احیاء حقوق وقف سے ظاہر ہے اس لیے خاص ان دوکانات نہ گانہ کی تولیت بھی جاتی رہے گی پس اب عامۂ اہل اسلام جس کے متولی ہونے پر رضامند ہوں وہ سب دوکانات ہر دو قسم کا متولی ہو جائے گا اتنا فرق ہے کہ بقیہ دوکانات کی تولیت میں تو وارثان سلیمہ کا کبھی حق نہ ہو گا اور دوکانات نہ گانہ میں جب نسل سلیمہ سے جب کوئی شخص ایسا پایا جائے گا جس پر عامۂ اہل اسلام قرائن قویہ سے مطمئن ہوں اور اہتمام وقف کا حسب شرائط واقف کے پورا پورا کرے اس وقت ان خاص دوکانات نہ گانہ کی تولیت اس کا حق سب سے مقدم ہو گا۔

فی ردالمحتار واذاصارا هلا بعده تردالولایة الیه وکذا لولم یکن فیهم اهل اقام القاضی اجنبیا الی ان یصیرفیهم اهل ج ۳ ص ۶۶۲ اور گو ان کارروائیوں سے سلیمہ یا وارثان سلیمہ کا حق تولیت باقی نہ رہے لیکن واقف نے ان کا جو حق آمدنی میں بعد پس انداز ہونے کے ٹھیرا دیا ہے وہ باطل نہ ہو گا۔ فی الدرالمختار فلا عمارة علٰی من له الاستغلال لانه لاسکنی له فلوسکن هل نلزمه الاجرة الظاهر لالعدم الفائدة فی ردالمحتار لعدم الفائدة لانه اذا اخذت منة دفعت الیه ج ۳ ص ۵۹۰۔ قلت فانظر کیف بقی حق هذا الرجل فی الغلة مع انه خالف شرط الواقف۔

البتہ جو سلیمہ کی اولاد نہ ہو جیسے فضل اللہ یا اس کے ورثہ ان کا اس وقت میں کوئی استحقاق نہیں اور ثالث کا فیصلہ خلاف شرع قابل عمل البتہ یہ جو کہا گیا کہ سلیمہ یا اس کے ورثہ کا حق آمدنی میں باطل وساقط نہ ہو گا اس آمدنی کے دینے کی ابتداء اس وقت سے ہو گی کہ جس قدر سلیمہ یا اس کے ورثہ نے مسجد کی آمدنی بلا استحقاق اپنی ذات پر صرف کی ہے وہ سب ان کے خاص حصہ سے اور اسی طرح اس وقت اثبات واحیاء وحفاظت وقف کی کوشش میں جو کچھ صرف ہوا اس میں سے جس قدر ان دوکانات نہ گانہ کے حصہ میں آئی ہے وہ ان دکانات نہ گانہ کی آمدنی سے غرض یہ ہر دو رقم اول وصول ہو جائیں اس کے بعد سے حسب شرط واقف حسب تصریح جواب و سوال اول ان کو بھی ان کا حق ملا کرے گا۔

کیونکہ اول رقم تو غصب ہے اس کا ضمان لازم ہی ہے اور دوسری رقم اس لیے کہ یہ سلیمہ یا اس کے ورثہ باعتبار آمدنی کے مثل شریک کے ہے اور ایک شریک کی جگہ عامۂ اہل اسلام ہیں اور مشترک عبارت میں جو کچھ ایک شریک مجبوری کو صرف کرے اور دوسرے شریک کی جگہ عامۂ اہل اسلام ہیں اور مشترک دوسرے پر نہ جبر ہو سکے نہ وہ خوشی سے شریک ہو تو اس سے اس کے حصے کا خرچہ لینے کا اس کو حق حاصل ہے۔

فی ردالمحتار .وان اضطر کان شریکه لا یجبر فان انفق باذنه اوبامر القاضی رجع بما انفق والا فبالقیمة۔ ج۳ ص۸ ٥٤ ۔وفی الدرالمختار فلا عمارة علٰی من له الاستغلال الٰی قوله ولو هو المتولی ینبغی ان یجبره القاضی علٰی عمارتها مما علیه من الاجرة فان لم یفعل نصب متولیا لیعمرها ج۳ص ۵۹۰ قلت وبه جموع الروایتین ظهر المطلوب ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم ۔۱۸ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ثانی ص ۹۸)

## بنائے دوکان زیر مسجد

سوال (۷۸۵) فقہاء کی روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کے مسجد ہونے کے لیے شرط ہے کہ حقوق عبد اس سے منقطع ہو جائیں اور نیز مسجد تحت الثریٰ سے آسمان تک مسجد ہے اور ان ہی دو وجہوں سے مسجد کے نیچے دکانیں بنوانا جائز نہیں (جیسا کہ متعارف ہے) اور اس وجہ سے اس کی چھت داخل مسجد سمجھی نہیں جاتی لیکن درمختار کی ایک روایت سے اس کی نسبت شبہ پڑتا ہے۔ درمختار کے کتاب الوقف میں ہے۔

واذا جعل تحته سردابالمصالح جاز ولو جعل لغیرها اوجعل فوقه بیتا وجعل باب المسجد الٰی طریق وعزله عن ملکه لایکون مسجدا اس پر شامی لکھتے ہیں۔ ظاهره انه لا فرق بین ان یکون البیت للمسجد اولا الا انه یوخذ من التعلیل ان محل عدم کونه مسجدا فیما اذالم یکن وقف علٰی مصالح المسجد وبه صرح فی الاسعاف فقال واذا کان السرداب والعلولمصالح المسجد اوکان وقف علیه صار مسجد کونه مسجدا ان یکون سفله وعلوه مسجدا لینقطع حق العبد لقوله تعالٰی وان المساجد لله بخلاف اذاکان السرداب اوالعلوموقوفالمصالح المسجد فهو کسرداب بیت المسجد المقدس هذا هو ظاهر الروایة الخ اور فتح القدیر میں کتاب الوقف میں ہے۔ بخلاف مااذاکان السرداب او العلولصاحب المسجد فانه یجوز اذ لاملك فیه لاحدبل هو من تتمیم مصالح المسجد فهو کسرداب مسجد بیت المقدس هذا هو ظاهر المذهب اھ۔ شامی میں باب مکروہات الصلوٰۃ میں ہے تحت قول درمختار لانه

**مسجد إلى عنان السماء بفتح العين و كذا الى تحت الثرىٰ كما فى البيرى عن الاسبيجابى بقى لو جعل الواقف تحته بيتا للخلاء هل يجوز كما فى مسجد محلة الشحم فى دمشق لم اره صريحا نعم سياتى متناانه لو جعل تحته سردابا لمصالحه جاز تأمل اهـ۔**

پہلی روایت میں جو اسعاف سے نقل کی ہے او **كان وقفا عليه** کا عطف **كان لمصالح المسجد** پر ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر مسجد پر وقف ہو تو اگر مصالح مسجد کے لیے نہ ہو لیکن مسجد مسجد ہو جائے گی اور علو اور سفل میں کوئی وجہ فرق نہیں صورت مذکورہ میں دکانوں کا وقف علی المسجد ہونا ظاہر ہے اس لئے مسجد ہو جانا اس کی سطح کا ثابت ہے اس لئے کہ علت سرداب وعلو موقوف علی المسجد کی اس میں بھی پائی جاتی ہے۔ علیٰ ہذا بحر الرائق سے جو عبارت نقل کی ہے اور فتح القدیر کی عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ شامی کی جو عبارت کتاب الصلوٰۃ میں ہے اس میں تو بیت الخلاء کو بھی مسجد کے نیچے ہونے کا جائز کر دیا ہے۔ اگرچہ آخر میں تامل بھی کہہ دیا ہے۔ لیکن اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مسجد الیٰ عنان السماء والی تحت الثریٰ کے وہ معنی نہیں سمجھے جو ہم لوگ سمجھتے ہیں ورنہ اس کے ناجائز ہونے میں کیا شبہ تھا۔ اس لیے کہ جب تحت الثریٰ تک مسجد ہے تو بیت الخلاء کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ بحر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حق العبد منقطع ہو جانا کافی ہے اس لیے اگرچہ نیچے یا اوپر مسجد نہ ہو لیکن وقف ہو تو کافی ہے اس سے بھی دکانیں بنانے کے جواز کی تائید ظاہر ہے۔ مولانا عبدالحئی صاحب مرحوم نے اپنے مجموعہ فتاویٰ کی جلد دوم استفتاء نمبر ۲۰۱ میں ان روایات سے استشہاد کر کے دکانیں بنانے کی اجازت دی ہے اور اس سطح کو حکم مسجد دیا ہے۔ ان روایتوں کے علاوہ اسی کے قریب قریب اور روایتیں زیلعی شرح کنز اور عینی شرح کنز سے نقل کی ہیں اگر وہاں فتاویٰ موجود ہو تو ملاحظہ فرمایا جائے ورنہ یہاں سے نقل بھیجی جا سکتی ہے باقی۔ **سفله وعلوه مسجدا** کے معنی انہوں نے بھی بیان کیے ہیں کہ حق العبد باقی نہ رہے یہ تاویل عبارت کے الفاظ کے خلاف ہے۔ غرضکہ اس کی نسبت کچھ تشفی نہیں ہوتی ہے۔؟

الجواب۔ اس مسئلہ میں یوں سمجھ میں آتا ہے کہ اصل مذہب تو یہی ہے کہ عنان سماء اور تحت الثریٰ تک سب مسجد ہے لیکن ضرورت میں اصل مذہب سے عدول کیا گیا ہے گو اس عدول کی مختلف توجیہیں کر کے اصل مذہب پر منطبق کرنا چاہا ہے لیکن اقرب یہی ہے کہ انطباق مشکل ہے اور اصل توجیہ ضرورت ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں صاحبینؒ سے بغداد اور رے میں داخل ہونے کے وقت اجازت کی روایت اس کی شاہد ہے۔ ۷/رجب ۱۳۲۴ھ (امداد ثانی ص ۱۰۵)

سوال (۷۸۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر مسجد بالائی منزل پر ہو اور اس کے نیچے کا خلاء ضروریات ومنافع ومصالح مسجد کے لیے مستعمل ہو تو مسجد مسجد کا حکم

رکھتی ہے یا نہیں۔ اور اس طرح مسجد کی تعمیر جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار ان جعل تحته سردابالمصالح المسجدجاز کمسجد القدس ولو جعل بغیرها او جعل فوقه بیتاً وجعل باب المسجد الٰی طریق وعزله عن ملکه لا الٰی قوله مالو تمت المسجدیة ثم ارادالبناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق (تاتارخانیة) فاذا کان هذا فی الوقف فکیف بغیر فیجب هدمه ولو علٰی جدار المسجد ولا یجوز اخذ الاجرة منه ولا ان یجعل شیئا منه مستغلا ولا سکنٰی. بزازیة۔اهـ (ص ۵۷۲ ج۳)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر مسجدیت کے مکمل ہونے کے قبل ایسا کیا جاوے تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ ۲۴؍ رجمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۴۴)

سوال (۷۸۷) حسب ذیل روایات کی تطبیق مزید تسلی بندہ کے لیے امید کہ ارقام فرمائی جاوے درمختار کے کتاب الوقف میں ہے۔

واذا جعل تحته سردابالمصالح جاز الخ۔ اس پر شامی لکھتے ہیں۔ ظاهره انه لافرق بین ان یکون البیت للمسجد اولا الاانه یؤخذ من التعلیل ان محل عدم کونه مسجدا فیما اذالم یکن وقفا علٰی مصالح المسجد وبه صرح فی الاسعاف فقال واذاکان السرداب اوالعلو لمصالح المسجد اوکانا وقفا علیه صار مسجداً اهـ شرنبلالیة قال فی البحر وحاصله ان شرط کونه مسجداً ان یکون سفله وعلوه مسجداً لینقطع حق العبد عنه لقوله تعالٰی وان المساجد لله بخلاف ماذا کان السرداب والعلوموقوفا لمصالح المسجد فهو کسرداب بیت المقدس هذا هو ظاهر الروایة الخ ص ۵۷۳ ج۲۔ ونیز شامی میں باب مکروہات الصلوٰۃ میں ہے تحت قول مختار درمختار لانه مسجد الٰی عنان السماء بفتح العین وکذا الٰی تحت الثریٰ کما فی البیری عن الاسبیجابی بقی لو جعل الواقف تحته بیتا للخلاء هل یجوز الخ الٰی قوله تأمل اهـ ص ۶۸۶ ج۱۔

(۱) صار مسجداً کے معنی کیا صرف یہ ہوں گے کہ حق العبد اس قطعۂ زمین سے یعنی اس کے تحت الثریٰ سے لے کر عنان السماء تک منقطع ہو گیا اور فوق وتحت پر مسجد کے احکام شرعیہ نہ جاری ہوں گے یعنی بول وتغوط وغیرہ جائز ہوں گے حالانکہ اسی جگہ شامی میں لکھتے ہیں کہ فوق مسجد پر ایسے امور جائز نہیں اور اس کے نیچے خلاء وغیرہ کی اجازت دیتے ہیں۔

(۲) کیا فوق مسجد ونیز سقف دوکانات جو مسجد کا فرش ہے ان پر فرض جماعت کا ثواب مثل

جماعت کے نہ ہوگا یعنی فوق مسجد پر جماعت کی نماز پڑھنا و نیز وہ حصہ مسجد کا جو دکانوں کی سقف ہے اس پر جماعت کرنا مکروہ تو نہ ہوگا اور ثواب مسجد کا ادائیگی فرض نماز میں وہاں ہوگا یا نہیں۔

(۳) اگر سقف دکانان پر مسجد کا ثواب ملے گا تو مسجد کے نیچے دکانوں کا بنانا گو اسی کے مصالح کے لیے وقف ہو کیا جائز ہے اگر جائز ہے تو مسجد کی چھت پر ایسی دکانیں بنانا بھی جائز ہونا چاہئے کیونکہ اصل مسئلہ سے تجاوز ہے وہ دونوں صورتوں میں یکساں معلوم ہوتا ہے۔ امید کہ جواب مفصل وشافی ارقام فرمایا جاوے۔ اللہ تعالیٰ ثواب جزیل عطاء فرماوے۔؟

الجواب۔ غالباً آپ نے مرجع ضمیر صار کا سرداب وعلو کو سمجھا ہے سو یہ مرجع نہیں ہے اور اس کو مسجد نہیں کہہ رہے بلکہ مرجع اس کا وہ مسجد ہے جس کے مصالح کے لے سرداب وعلو بنی یا وقف کیا گیا مطلب یہ کہ اگر کوئی مسجد بنائی اور اس کے سرداب یا علو کو اپنا مملوک رکھا مسجد کے متعلق نہیں کیا تو یہ مسجد بھی مسجد نہ ہوگی۔ یہ مسجد اس وقت مسجد ہوگی جب اس سرداب وعلو کو مصالح مسجد کے لیے بناوے یا مسجد پر وقف کردے اور حاصل عبارت بحر کا یہ ہے کہ یہ جو فقہاء کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ مسجد اس وقت مسجد ہوتی ہے کہ اس کا علو وسفل سب مسجد ہو۔ سو اس کلام سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ علو وسفل بھی مسجد ہی ہو بلکہ اس اشتراط سے اصل مقصود یہ ہے کہ اس سے حق عبد منقطع ہو جاوے خواہ مسجدیت کی وجہ سے یا وقف علی المسجد کی وجہ سے پس اشتراط مسجدیت تمثیلاً ہے نہ کہ حصراً اور اصل اشتراط انقطاع حق العبد ہے۔ اور اگر تمثیلاً نہ ہو تو تعلیلاً ہے تو اشتراک علت سے کہ وہ انقطاع حق عبد ہے حکم معلول بھی عام ہوگا اور جہاں انقطاع نہ ہو وہ مسجد نہ ہوگی اور کینقطع الخ سے چونکہ اس عدم انقطاع کی صورت بھی مفہوم ہوتی تھی اس اعتبار سے آگے بخلاف کہہ رہے ہیں اور یہ قول لانہ مسجد الیٰ عنان السماء وکذا الیٰ تحت الثریٰ۔ یہ اس صورت میں جب پہلے سے اس کے نیچے ہے اب نہ بنایا ہو پس تبعاً سب مسجد ہو جاوے گا اور جب اول ہی سے اس کے نیچے سرداب بنالیا ہو تو قصد سے وہ جزو مستثنیٰ ہو جاوے گا وللقصد ترجیح علی التبع۔ امید ہے کہ اس تقریر سے سب اجزاء سوال کا جواب ہو گیا ہوگا اگر کچھ باقی رہا مکرر واضح عبارت سے پوچھ لیجئے۔ ۱۷ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص: ۳۱)

سوال متعلق مسئلہ بالا (۷۸۸) جواب مسئلہ کا معلوم کر کے بالکل تشفی ہوگئی واقعی غلطی وہی تھی جو جناب نے معلوم فرمایا سارے شبہات اسی غلطی پر متفرع تھے اب بالکل کافور ہو گئے اللہ تعالیٰ ثواب جزیل واجر عظیم عطاء فرماویں۔ مزید تسلی کے لیے یہ بات اور دریافت طلب ہے کہ تحت مسجد بیت الخلاء کو سرداب پر قیاس کر کے بنوا سکتے ہیں یا نہیں۔ شامی نے اس کے متعلق صرف تامل کا لفظ لکھا ہے۔؟

الجواب۔ سرداب میں یہ قید لگائی ہے لمصالح المسجد اور پاخانہ کو ظاہر ہے کہ مصالح

مسجد سے نہیں کہہ سکتے وہ ایک حاجت طبعیہ ہے جس کو تتمیم اغراض مسجد میں کوئی دخل و تعلق قریب نہیں اور بعید بوسائط کا اعتبار نہیں ورنہ یہ قید ہی بیکار ہوگی کیونکہ ہر فعل کا بوسائط بعیدہ مسجد سے تعلق نکل سکتا ہے اس لئے میرے نزدیک اس میں جواز نہیں معلوم ہوتا نیز عرفاً خلاف احترام بھی ہے نیز موجب تأذی مصلین بھی ہے۔ اور حدیث میں پیاز خام کھانے والے کے حق میں فلا یقربن مصلانا۔ آیا ہے جو دخول سے عام ہے جس سے ظاہراً عفونت کی چیز قصداً مسجد کے قریب بنانے کی بھی مذمت معلوم ہوتی ہے۔

یکم جمادی الثانیہ ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص: ۳۲)

## عدم جواز ساختن حوض کہ جزوے ازاں زیر مسجد باشد

سوال (۷۸۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک محلّہ میں ایک مسجد قدیم ہے اس کے آگے ایک دوسری زمین فنائے مسجد ہے اس میں حوض بنانا چاہتے ہیں مصالح مسجد کے لیے مگر حوض کے لیے وہ جگہ کافی نہیں اگر وہ حوض کسی قدر مسجد کے نیچے آوے اور اس کے اوپر سے ویسی ہی چھت ڈالی جاوے جیسے کہ پہلے تھا تو آیا یہ درست ہے یا نہیں اس صورت میں مسجد بھی کم نہ ہوگی اور حوض بھی بقدر دو گز کے مسجد کے نیچے کو آجاوے گا اور اوپر سے چھپا ہوا ہوگا بہ مثل سابق لوگ اس پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ بینوا توجروا۔؟

**الجواب۔** درست نہیں۔ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۱۸۳)

## عدم جواز ساختن حوض کہ جزوے ازاں زیر مسجد الخ

سوال (۷۹۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ جامع مسجد حسن پور میں حوض نہیں ہے جس کی وجہ سے وضو آسانی سے نہیں ہوسکتا اور مسجد کے صحن کے علاوہ حوض بنانے کے واسطے اراضی حاصل نہیں ہوسکتی اگر صحن مسجد میں حوض بشکل مستطیل جس کا طول ۲۴ ذرعہ اور عرض ۴ گز چار تسو جس کا رقبہ سو گز ہوگیا بنا کر اوپر پاٹ دی جاوے تاکہ نماز کی جگہ میں کچھ کمی نہ ہو اور وضو کرنے کے واسطے جو اس وقت نالی وضو کی موجود ہے اور دیوار فصیل مسجد جن دونوں کا مجموعہ سو گز ہے کافی ہے بنالینا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔؟

**الجواب۔** فی الدر المختار فی دلیل بعض الفروع لانه مسجد الی عنان السماء فی ردالمحتار وكذا الى تحت الثرى الخ ج ۱ ص ۶۸۶ وفی الدرالمختار واما المتخذ لصلاة جنازة او عيد فهو مسجد فی حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقا بالناس لا فی حق غيره به يفتى فی ردالمحتار قوله به يفتى لكن قال فی البحر انه

یجوز الوطئ والبول والتخلی فیه ولایخفی ما فیه فان البانی لم یعده لذلك فینبغی ان لایجوز وان حکمنا بکونه غیر مسجد الخ ص۶۸۷ ج۱۔ وفی الدر المختار محرمات المساجد والوضوء الا فیما اعد لذلك وغرس الاشجار الالنفع کتقلیل نزو فی ردالمحتار قوله الوضوء لان مائه مستقذر طبعًا فیجب تنزیه المسجد عنه کما یجب تنزیه عن المخاط والبلغم بدائع قوله کتقلیل نزو قال فی الخلاصة غرس الاشجار فی المسجد لابأس به اذاکان فیه نفع للمسجد بان کان المسجد ذانزو والاسطوانات لا تستقربدونها وبدون هذا لایجوز اھ وفی الهندیة عن الغرائب ان کان لنفع الناس بظله ولا یضیق علی الناس ولا یفرق الصفوف لابأس به وان کان لنفع نفسه بورقه اوثمره او یفرق الصفوف اوکان فی موضع تقع به المشابهة بین البیعة والمسجد یکره اه وبعد اسطر لان فیه شغل ما اعد للصلوٰة ونحوها وان کان المسجد واسعا اوکان فی الغرس نفع بثمرته اھ ج۱ ص ۶۹۱۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ حوض بطریق مذکور فی السوال بنانا جائز نہیں اولاً اس لیے کہ بانی نے فرش مسجد کا اس غرض کے لیے نہیں بنایا انظر الیٰ قوله فان البانی لم یعده لذلک الخ دوسرے اس لیے کہ حوض کے اندر کم وبیش غسالہ وضو کا ضرور گرتا ہے اور اس کا مسجد میں گرانا جائز نہیں۔ انظر الیٰ قوله لان مائه مستقذر الخ۔ تیسرے اس لیے کہ اس سے نماز کی جگہ تنگی اور تفریق صفوف واقع ہوگی اور یہ جائز نہیں۔ انظر الیٰ قوله ولا یضیق علی الناس الخ۔ اور تقلیل نزو پر قیاس نہ کیا جاوے کیونکہ وہ ضرورت شدیدہ میں ہے اور یہاں ضرورت شدیدہ نہیں انظر الی قوله والاسطوانات لاتستقر الخ۔ اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ اس کے پاٹ دینے سے ضیق وتفریق نہ ہوگی کیونکہ اولاً پاٹنے تک تو یہ محذور لازم ہی رہے گا دوسرے پاٹنے میں بھی ہر چہار طرف نالی کے قریب قریب تو ضرور کچھ کچھ خالی چھوڑا جاوے گا اس قدر اتصال میں خلل پڑے گا اور یہ بھی شبہ نہ کیا جاوے کہ پانی وضو کا اگر گرے گا تو پانی کی سطح پر گرے گا فرش مسجد پر نہ گرے گا۔ جواب یہ ہے کہ وہ سطح بھی مسجد ہے۔ انظر الی قوله لانه مسجد الی عنان السماء الخ۔ ۲۶؍رجب ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۵۸)

## منع بناء دوکان وطریق زیر فنائے مسجد

سوال (۷۹۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی مسجد کا کوئی جزو کسی غلط فہمی یا جبر یہ حاکم وقت کی طرف سے اگر شہید کر دیا گیا ہو اور بعد میں پھر اس جزو منہدمہ مسجد کی تعمیر کی اجازت حاصل ہو تو از روئے شرع شریف عامۂ مسلمین کو جدید تعمیر میں ایسے طریقہ پر ترمیم کہ

عمارت جو مسجد کے نمازیوں وغیرہ کے واسطے کارآمد تھی اپنی قدیم حالت پر بجنسہ قائم ہوجاوے اور اس جزوعمارت کی کرسی میں بلحاظ آسائش خلق اللہ ومصلحت وقت دوکان یا ممر (گزرگاہ ۱۲) بھی قائم کردیا جائے جوقبل ازانہدام مٹی سے پرشدہ چبوترہ تھا۔ جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی العالمگیریة قیم المسجد لایجوزله ان یبنی حوانیت فی حد المسجد اوفی فنائه لان المسجداذاجعل حانوتا ومسکنا تسقط حرمته وهذا لایجوز والفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد کذا فی محیط السرخسی (ج۳ ص ۲۴۱) وفی البحر الرائق فی المجتبی لایجوز لقیم المسجذ ان یبنی حوانیت فی حد المسجد اوفنائه (ج۵ ص ۲۶۹) وفی فتح القدیر عن المصنف من کتاب التجنیس قیم المسجد اذا ارادان یبنی حوانیت فی المسجد اوفی فنائه لایجوز له ان یفعل لانه اذا جعل المسجد مسکنا تسقط حرمة المسجد واما الفناء فلانه تبع للمسجد (ج۵ ص ۴۴۶)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ مسجد میں بھی اور فناء مسجد (یعنی حصہ متعلقہ مسجد مثل وضوخانہ وغیرہ) میں بھی دکانیں بنانا جائز نہیں۔ اور اسی سے ثابت ہوگیا کہ ممر (گزرگاہ) بنانا بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہے دووجہ سے۔ ایک اس لیے کہ دکانوں کا تعلق تو مسجد سے بھی رہ سکتا ہے اور اس میں بعض اوقات مصلحت مسجد کی بھی ہوسکتی ہے جب وہ بھی ناجائز ہے تو ممر جس میں نہ مسجد کی کوئی مصلحت ہے اور نہ اس کا مسجد سے کوئی تعلق ہے کیسے جائز ہوگا۔ دوسرے اس لیے کہ روایات بالا میں اس کے احترام کو بناء حکم قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ ممر میں احترام زیادہ ضائع ہوگا بہ نسبت دکان کے کیونکہ دکان کی نسبت ممر میں زیادہ عموم ہے۔ اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ یہاں فناء میں نہیں بناتے بلکہ فناء کے تحت میں بناتے ہیں بات یہ ہے کہ روایات بالا سے اس باب میں فناء مسجد کا تبعاً حکم مسجد میں ہونا معلوم ہوا اور روایت ذیل سے مسجد کے تحت میں دکانوں کا بنانا ناجائز ثابت ہوتا ہے پس فناء کے تحت میں بھی ناجائز ہوگا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مسجد اور فناء مسجد آسمان سے تحت الثریٰ تک مسجد اور فناء مسجد ہے وہ روایت یہ ہے۔ اراد ان یتخذ تحت المسجد حوانیت غلة لمرمة المسجد او فوقه لیس له ذلک کذا فی الذخیرة عالمگیری ج:۳ص:۲۳۸) البتہ ابتداء میں مسجد کی تعمیر کے ساتھ قبل مسجد ہونے کے اوپر یا نیچے عمارات متعلقہ مصالح مسجد بنانے کا فقہاء نے ذکر کیا ہے۔ ۴رذیقعدہ ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۹۱)

## ادخال طریق در مسجد

سوال (۷۹۲) مسجد کے سامنے راستے کے متصل افتادہ زمین بعض اہل محلہ مسجد میں شامل کرنا چاہیں اور کمیٹی سے اجازت لے لیں تو یہ حکم مسجد میں داخل اور لینا صحیح ہوجائے گا یا نہیں طریق کی مقدار

شرعی وقانون سبعہ بلکہ سابق اضیق طریق سے دوانگشت چھوڑ کر یہ حصہ لیا جاتا ہے کیا اس میں جمیع اہل محلّہ کی صراحۃً رضا ضروری ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ گورنمنٹ کے مملوک ہے اور کمیٹی کو سرکاری مملوکہ کا مجاز نہیں ہاں دیدینے پر مزاحمت بھی نہیں ہوتی پس مسلمان ممبر کمیٹی کو اجازت دینے اور بلا خاص اجازت لندن کے اس افتادہ قطعہ کا ہبہ صحیح نہیں اور نہ اس حصہ کو مسجد میں داخل کرنا یا نماز پڑھنی صحیح ہے مختصراً مگر مدلل اور مسکن جواب کی حاجت ہے۔

الجواب ۔في الدرالمختار جعل شيئ من الطريق مسجدا لضيقه ولم يضر بالمارين جاز وفي ردالمحتار عن التاتارخانية سئل ابو القاسم عن المسجد اراد بعضهم ان يجعلوا المسجد رجة والرجة مسجدا او يتخذوا له بابا اويجروا ابابه عن موضعه وابى البعض ذلك قال اذا اجتمع اكثرهم وافضلهم ليس للاقل منعهم اھ. ج۳ ص ۵۹۳ في الدرالمختار باب استيلاء الكفار ولو سبى اهل الحرب اهل الذمة من دارنا لايملكونهم لأنهم احرار وبعد اسطرولو غلبوا علىٰ اموالنا واحرزوها بدارهم ملكوها.

ان روایات سے ثابت ہوا کہ طریق عام بادشاہ وقت کا مملوک نہیں بلکہ حق عامہ ہے اور اگر مسجد میں حاجت ہو اور راہ گیر کو تنگی نہ ہو تو اہل محلہ کے اکثر یا افضل لوگوں کی رائے سے مسجد میں ملا لینا جائز ہے اور کمیٹی کی اجازت کی ضرورت بمصلحت ہے اور وہ تملیک نہیں ہے جو اس پر شبہات پیدا ہوں اور حدیث میں جو سبعۃ اذرع آیا ہے وہ تحدید کے لیے نہیں بلکہ اس وقت اس سے حاجت مرتفع ہو جاتی تھی۔ فقط واللہ اعلم۔ ۳ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (امداد ثانی ص ۱۰۹)

سوال (۷۹۳) قریب کے ایک گاؤں میں ایک مسجد ہے جس کے جانب جنوب قدیم الایام سے شارع عام واقع ہوا ہے جس میں آمدورفت لوگوں کی وبہلی وغیرہ کی ہمیشہ سے ہوتی چلی آتی ہے اب لوگوں نے اسی جانب سے ازدیاد مسجد کا قصد کیا اور اس سڑک کا کچھ حصہ دبا لیا۔ اب سوال یہ ہے کہ شارع عام کا حصہ دبا لینا زیادتی مسجد کے واسطے جائز ہے یا نہیں سڑک پہلے تو دس ہاتھ کی تھی اب پانچ ہاتھ رہ گئی جس میں آمدورفت گاڑیوں کی معاً ہونہیں سکتی البتہ نوبت بہ نوبت ہوا کرے گی اس میں گونہ ہرج ہونا ظاہر ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر کوئی سڑک دس بیس ہاتھ کی قدیم سے ہو تو بغرض زیادتی مسجد وغیرہ سات ہاتھ چھوڑ کر باقی دبا لیا جاسکتا ہے یا نہیں اور حدیث اذا خالفتم في الطريق الخ۔ اس کے لیے محل استناد ہوسکتا ہے یا نہیں۔ طحاوی نے تو اس کو بیان کیا ہے کہ بلاد مفتوحہ میں ابتداءً جو طریق بنائے جائیں تو رفع اختلاف کے واسطے یہ حدیث کذا في حاشية البخاري۔؟

الجواب ۔ (۱) في الدرالمختار جعل شيئ من الطريق مسجدالضيقه ولم يضر

**بالمارین جاز۔ فی ردالمحتار قولہ۔ لضیقه ولم یضر بالمارین افاد ان الجواز مقید بھذین الشرطین۔**

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر طریق کا کوئی جزو مسجد میں داخل کردینے سے اہل طریق کو ضرر ہوتو جائز نہیں اور ضرر کا مدار عرف پر ہے اور یقینی بات ہے کہ بجائے اس کے کہ دو گاڑیاں آمنے سامنے آنے والیاں نکل جائیں ایک ہی گاڑی کی جگہ رہنا عرفاً ضرر اور موجب حرج ہے جیسا کہ اہل ذوق سلیم پر مخفی نہیں اس لیے صورت مسئولہ میں راستہ کا مسجد کے اندر دبالینا جائز نہیں اور اگر مسجد میں بالفعل تنگی نہ ہوتو عدم جواز کی دو علتیں جمع ہوجائیں گی۔

**(۲) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اختلفتم فی الطریق جعل عرضہ سبعۃ اذرع رواہ مسلم قولہ سبعۃ اذرع یعنی اذا کان طریق بین ارض قوم ارادوا عمارتھا فان اتفقوا علیٰ شیئی فذاك وان اختلفوا فی قدرہ جعل سبعۃ اذرع ھذا مرادالحدیث واما اذا وجد طریق مسلوك وھو اکثر من سبعۃ اذرع فلا یجوز لاحدان یستولی علیٰ شیئ منه له لکن له عمارۃ ماحوالیه من الموات وتملکه بالاحیاء بحیث لا یضر بالمارین اھ لمعارف وطیبی وسید۔**

تفسیر مذکور سے حدیث کی مراد معلوم ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مسئلہ مبحوث عنہا میں اس سے استناد نہیں ہوسکتا باقی اس کا جواز وناجواز ضرر وعدم ضرر پر دائر ہے جیسا کہ سوال اول کے جواب میں لکھا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ثانی ص: ۱۷۴)

## نابالغ کی زمین میں مسجد بنانے کا عدم جواز

سوال (۷۹۴) ایک قریہ ہے کہ جس کی آبادی قریب ساٹھ گھر کے ہے جس میں صرف بیس آدمی نمازی ہیں اور باقی کچھ عورتیں ہیں اور نابالغ لڑکے لڑکیاں ہیں اور قریہ میں مسجد قدیم ہے اور اس کے قریب تخمیناً پچیس قدم کے فاصلے پر ایک مکان گراہوا تھا اور کھانہ اس کا مشترک تھا جس کے کچھ وارث بالغ ہیں اور کچھ نابالغ ہیں یتیم بھی اب بعض لوگوں نے اس مکان مشترکہ کی جائے میں بغیر اجازت یتیموں کے جو کہ اس میں شریک تھے مسجد جدیدہ محض بوجہ عداوت مسجد قدیم کے اور واسطے ازالہ حق امام جی کے بنائی ہے اور مسجد قدیم سے قرأت کا آواز مسجد جدید میں بخوبی جاتا ہے وقت بنائے مسجد جدید کے ڈھول بجاتے رہتے ہیں شرعاً اس مسجد جدید کا کیا حکم ہے مسجد ضرار کا حکم ہے یا نہیں اور مسجد قدیم کو چھوڑ کر مسجد جدید میں عداوت سے نماز پڑھنی اور جماعت کرانی جائز ہے یا نہیں بحوالۂ کتب جواب عنایت فرمادیں اور جواب کے منتظر ہیں آپ کے جواب پر فیصلہ ہوگا۔ فقط۔؟

الجواب۔ اول تو اس مسجد ثانی کی بناء نیت خالصہ پر نہیں دوسرے حق غیر میں ہے اور غیر بھی ایسا ہے کہ جس کا اذن شرعاً غیر معتبر ہے لہٰذا یہ مسجد کے حکم میں نہیں اور اس میں نماز پڑھنا اور مسجد قدیم کو چھوڑنا جائز نہیں۔ والمسئلة ظاهرة۔ واللہ اعلم۔ ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۱۲۲)

## عدم جواز ہدم مسجد بغرض مرمت وقت منع بانی

سوال (۷۹۵) ایک مسجد مقام اکلترہ ضلع بلاسپور میں میرے بھائی حاجی الٰہی بخش صاحب نے پانچ چھ سال کا عرصہ ہوتا ہے تیار کی ہے مگر اب کچھ لوگ بالکل شہید کر کے دوبارہ پتھر کی بنوانا چاہتے ہیں اور اس وقت مسجد میں صرف شکایت یہ ہے کہ ایام بارش میں کچھ پانی چھت کی وجہ سے آتا ہے۔ اب حاجی صاحب شہید کرنے سے روکتے ہیں اور وہ لوگ نہیں مانتے اس حالت میں اگر حاجی صاحب خرچ تعمیر مسجد کا ان لوگوں سے لینا چاہیں تو اس کا کیا مسئلہ ہے جو کچھ حدیث فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مناسب ہو تحریر فرمایئے۔؟

الجواب۔ اگر چھت کی شکایت ہے تو چھت کی مرمت کافی ہے بلاضرورت پوری مسجد شہید کرنا درست نہیں اور چونکہ بانی مسجد متولی ہونے میں سب سے مقدم ہے لہٰذا بانی مسجد اس فعل سے روک سکتا ہے اور منہدم کرنے والوں سے تاوان لاگت کا لے سکتا ہے لیکن اس کو اپنے خرچ میں نہیں لاسکتا۔ بلکہ مسجد میں لگانا واجب ہوگا۔ ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ثانی ص: ۱۱۱)

## گورنمنٹ کا مسجد کے لیے زمین دینا اور اس میں مسجد بنانا

سوال (۷۹۶) گورنمنٹ (یعنی انگلش گورنمنٹ جو حکومت غیر مسلمہ تھی) اگر مسجد کے لیے زمین بالکل دیدے اور اس کو واپس نہ لے اور اس پر لوگ نماز پڑھنے لگیں تو آیا یہ وقف گورنمنٹ کا مسجد کے لیے درست ہوگا اور اس زمین پر مسجد کا حکم شرعاً جاری ہوگا یا نہ۔ ظاہری آیت تو اس کے منافی ہے اور اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے عزاسمہ یہ ہے کہ انما يعمر مساجدالله من امن بالله واليوم الأخر الخ۔

الجواب۔ وقف علی المسجد حکم میں وصیت للمسجد کے ہے اور غیر مسلم اگر مسجد کے لیے وصیت کرے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ اس کو قربت سمجھے تو صحیح ہے ورنہ نہیں پس اگر گورنمنٹ کے اعتقاد میں یہ قربت ہو تب تو ظاہر ہی ہے کہ صحیح ہے اور اگر اس کا یہ اعتقاد نہ ہو تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ یہ زمین جو گورنمنٹ دیتی ہے وہ حقیقت میں رعایا کی ہوتی ہے اور ممبران میونسپلٹی کے مشورہ سے دیتی ہے اور ممبران میونسپلٹی وکیل ہوتے ہیں رعایا کے اور ہر چند کہ ہر ہر شخص رعایا میں سے ان کو توکیل پر اپنی رضامندی ظاہر نہیں کرتا مگر اہل حل وعقد کی رضا تمام قوم کی رضا ہے اور رعایا میں یا ہندو ہیں یا مسلمان اور

اکثر ہندو بھی ایسے مصارف کو قربت اعتقاد کرتے ہیں لہٰذا یہ وقف جائز ہے اور مسجد جو اس سرزمین میں بنی ہے مسجد ہے اور آیت کا مطلب دوسرا ہے جو بندہ کی تفسیر میں مذکور ہے۔ ۹ رجمادی الاخریٰ ۲۸ ۱۳۳۴ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۱۲۸)

## گورنمنٹ اپنی مملوکہ اراضی میں رفاہ عام کے لیے الخ

سوال (۷۹۷) گورنمنٹ اپنی مملوکہ اراضی میں رفاہ عام کے لیے ایک شفاخانہ بنانا چاہتی ہے اس اراضی میں بعض منہدم مساجد بھی ہیں ان کو گورنمنٹ اپنے خرچ سے بنانے کا وعدہ کرتی ہے مگر عام لوگوں کو وہاں آنے کی اجازت دینا مشکل ہے البتہ شفاخانہ کے مریضوں اور ملازموں کو ہر وقت اجازت ہے اور ایک مسجد کو بنانے سے کسی وجہ سے عذر کرتی ہے مگر اس کے تحفظ کے لیے احاطہ اس کا بھی بنا دینے کو کہتی ہے سوال یہ ہے اس صورت کو اگر مسلمان منظور کرلیں جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ احکام شرعیہ دو قسم کے ہیں ایک اصلی دوسرے عارضی۔ صورت مسئولہ میں حکم اصلی یہی تھا کہ مسجد ہر طرح آزاد ہیں ان میں کسی وقت کسی کو نہ نماز پڑھنے سے ممانعت کی جاوے نہ آنے جانے سے الا لمصلحة المساجد اور یہ حکم اس وقت ہے جب مسلمان بدون کسی شورش کے (یعنی بدون وقوع فی الخطر یا لحوق ضرر بالمسلمین کے) اس پر قادر ہوں اور حکم عارضی یہ ہے کہ جس صورت پر صلح کی جاتی ہے اور اس پر رضا مند ہو جاویں اور یہ حکم اس حالت میں ہے جب مسلمان حکم اصلی پر قادر نہ ہوں نظیر اس کی مسجد الحرام ہے جب تک اس پر مشرکین مکہ مسلط رہے حضور اقدس ﷺ وہاں نماز بھی پڑھتے رہے بیت اللہ کا طواف بھی فرماتے رہے اسی درمیان میں وہ زمانہ بھی آیا کہ حضور اقدس ﷺ مدینہ منورہ سے عمرہ کے لیے مکہ میں تشریف لائے اور مشرکین نے نہیں آنے دیا پھر اس پر صلح ہوئی کہ تین روز کے لیے تشریف لاویں اور عمرہ کر کے چلے جاویں آپ نے اس صلح کو قبول فرمایا اور وقت محدود تک قیام فرما کر واپس تشریف لے گئے یہ سب اس وقت ہوا جب تسلط نہ تھا عذر کی حالت میں آپ نے اس حکم عارضی پر عمل فرمایا پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو باقاعدہ مسلط فرمادیا اس وقت اصلی حکم پر عمل فرمایا گیا پس یہ تو تفصیل ہے اس صلح کے منظور کر لینے میں اور گورنمنٹ کا مساجد مذکورہ کی مرمت کا وعدہ کر لینا اس کی بھی اسی مسجد حرام میں ایک نظیر ہے کہ مشرکین نے اس کی تعمیر کی اور آپ نے قدرت کے وقت بھی اس تعمیر کو باقی رکھا البتہ اس وعدہ میں اتنی ترمیم کی درخواست مناسب ہے کہ جس مسجد کو صرف احاطہ سے محفوظ کر دینا چاہتے ہیں اس کو بھی مسجد کی ہی صورت پر بنا دیں گو چبوترہ ہی بنا دیں۔ اور اگر کوئی قوی مجبوری ہو تو احاطہ پر قناعت کریں لیکن ایک پتھر کندہ کر کے نصب کر دیں۔ عاشر رجب ۱۳۴۹ھ

## نئی مسجد میں پرانی شامل کرنے سے پرانی کی آبادی ہو گی یا نہیں

سوال (۷۹۸) پرانی مسجد نئی مسجد کے صحن میں شامل کر دی گئی اس میں کوئی عمارت نہیں بنائی

گئی تو کیا نئی مسجد کے سامنے کے صحن میں یا اندر نماز پڑھنے سے پرانی مسجد بھی آباد سمجھی جائے گی یا خاص پرانی مسجد کی زمین میں نماز ضروری ہے۔؟

الجواب۔ اس سے وہ بھی آباد ہوگئی الحمدللہ۔ فقط ۲۸ رصفر ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص: ۱۳۲)

## تغیر ہیئت مسجد

سوال (۷۹۹) ہمارے محلّہ کی مسجد پرانی عمارت اور نشیب میں واقع ہے لہٰذا اس کی کرسی ہم کسی قدر اونچی کر کے اس کی قدیم بنیاد پر نئی مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں اور چونکہ جماعت خانہ عرض وطول میں زیادہ ہے اور صحن کم ہے۔ اب ارادہ یہ ہے کہ جانب جنوب تھوڑا حصہ جماعت خانے کا خارج کر کے جماعت خانہ سے لیکر صحن میں لے لیا جاوے یا اس خارج حصہ کو دو تین کمان لیکر بشکل سہ دری کر دیا جاوے اطلاعاً عرض ہے کہ اس میں اس طرح کے تغیر وتبدل سے کچھ شرع مانع تو نہیں ہے۔ اس کے اوامر ونواہی سے جیسا ہو حکم نافذ فرما کر مشکور فرماویں۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ سنا گیا ہے کہ ان اطراف میں صحن مسجد کے ساتھ معاملہ مسجد کا سا نہیں کرتے۔ اگر یہ صحیح ہے تو جماعت خانہ کا کوئی حصہ صحن میں شامل کرنا درست نہیں ورنہ اس کو لوگ مسجد سے خارج سمجھیں گے اسی طرح سہ دری یا ایسی کوئی چیز بنانا جس کے بننے کے بعد دیکھنے والے اس حصہ کو مسجد سے خارج سمجھیں جائز نہیں اور اگر یہ بات نہ ہو تو صرف نیچے سے اونچی کر دینا یا زائد کر دینا مضائقہ نہیں خلاصہ یہ ہے کہ جس قدر زمین اب مسجد سمجھی جاتی ہے اس کا کوئی جزو خارج مسجد کی شکل بنانا درست نہیں۔

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص: ۲۲)

## مال تجارت داشتن در مسجد

سوال (۸۰۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفضلاء شرع متین اس مسئلہ میں کہ کوئی تاجر قرآن شریف اور عربی وفارسی واردو درسیہ وغیرہ کتابیں تجارت کی مسجد میں بکس میں بند کر کے رکھتا ہے اور مسجد سے نکال کر باہر کو فروخت کر کے باقی مال پھر بکس میں رکھتا ہے اور تاجر مذکور کی اس میں یہ غرض ہے مسجد میں جماعت سے نماز پڑھا کرے دوسری جگہ میں اگر رکھا جائے تو جماعت میسر نہیں ہوتی پس اس صورت میں بکس میں رکھنا درست ہے یا نہیں اور تاجر مسطور مرتکب گناہ ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ احضار سلعہ جب معتکف ہی کے لیے ناجائز ہے تو دوسروں کے لیے کب جائز ہے اگر مسجد کے قریب کسی مکان میں یا حجرہ میں رکھا جاوے تو باذن متولی جائز ہے خواہ بکرایہ یا بلا کرایہ۔

یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص: ۲۵)

## تسلیم ثمن در مسجد الخ

سوال (۸۰۱) ایک شخص کوئی چیز خارج مسجد فروخت کر کے مسجد میں چلا آیا نماز کے لیے یا یوں ہی تو اس کی قیمت میں مسجد ملے تو لے سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب۔فی الدرالمختار احکام السمجد و کل عقد الاالمعتکف فی ردالمحتار الظاهر ان المرادبه عقد المبادلة ۔چونکہ یہ عقد نہیں ہے عقد سے جو واجب ہوا تھا اس کا تسلیم کرنا ہے اس لیے یہ جائز ہوگا۔ ۱۱ رمحرم ۱۳۳۳ھ

## مساجد میں بجلی کی روشنی کا حکم

سوال (۸۰۲) خادم آتش پرستوں کو دیکھتا ہے کہ لالٹین کے سامنے شب کو کھڑے ہو کر پرستش کرتے ہیں اب عام طور پر مسجدوں میں بجلی کی روشنی سر پر رہتی ہے یا سامنے کہا جاتا ہے تو جواب ملتا ہے کہ اس سے مسجد کی زینت ہے حالانکہ زینت مسجد کی نماز پڑھنے والوں سے ہے جو بہت مشکل سے مسجد میں آتے ہیں خیر۔خادم ایک کونے میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ لیتا ہے امام کے پیچھے اب نہیں کھڑا ہوتا سب سے کہا ہے کہ روشنی بجلی کی ایک جانب مسجد کے کر دی جاوے کہ کسی قسم کا شک شبہ نہ رہے۔حضور دعاء فرماویں اور خادم اس روشنی سے علیحدہ رہے یا نہیں۔جو حکم ہو۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار مکروهات الصلوٰة او شمع او سراج او نار توقد لان المجوس انما تعبد الجمر لا النار الموقدة قنیة فی ردالمحتار تحت قوله۔ او شمع وعدم الکراهة هو المختار کما فی غایة البیان الٰی اخر ما قال ۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف ہے اور مختار عدم کراہت کو لکھا ہے لیکن جب علت کراہت کی عبادت ہے اور سوال میں عبادت سراج کا مشاہدہ ظاہر کیا ہے تو احتیاط راجح ہے لیکن ضرورت بھی جالب تیسیر ہوتی ہے اگر اس سے تحرز دشوار ہو گنجائش کا حکم دیا جاوے گا اور اگر آسانی سے انتظام ہو جاوے تو اختلاف واشتباہ سے بچنا عزیمت ہے۔واللہ اعلم۔

سلخ شوال ۱۳۵۴ھ (النور ص۱۹۔ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ)

## عدم جواز ہدم مسجد برائے تعمیر مسجدے دیگر کہ وسیع تر باشد

سوال (۸۰۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد اہل محلہ پر تنگ ہے اور اس کے گرداگرد جگہ نہیں ملتی یا مل سکتی ہے لیکن لوگوں میں اس قدر طاقت نہیں کہ وہ اتنا

روپیہ دے سکیں اور پھر مسجد بنوادیں کیونکہ روپیہ بہت خرچ ہوتا ہے اور وہ طاقت نہیں رکھتے اور وہ دوسری جگہ مسجد وسیع تیار کرسکتے ہیں بشرطیکہ پہلی مسجد کی لکڑی وغیرہ دوسری مسجد میں لگادیں وگرنہ دوسری بھی بہ مشکل تمام نہیں ہوسکتی کیا اس صورت میں اہل محل دوسری جگہ نئی مسجد اپنے محلہ میں پہلی مسجد کے سامان اور زائد روپیہ لگا کر تیار کرسکتے ہیں یا نہ۔ اگر کرسکتے ہیں تو پہلی مسجد کی جگہ کی کس طور سے حفاظت رکھی جاوے مدلل و مبرہن طور سے بیان فرمایا جاوے۔؟

الجواب۔ ایک مسجد کا قصداً منہدم کرنا دوسری مسجد کے لیے کس طرح جائز ہوسکتا ہے دوسری مسجد سادہ خالی از تکلفات بنالیں جس قدر کی وسعت ہو۔ تاکہ سہولت سے تیار ہو جاوے مسجد نبوی کی تعمیر خود حضور ﷺ نے کس قدر سادہ فرمائی تھی اس طرح اب بھی کچی خس پوش بناسکتے ہیں۔ پھر خدائے تعالیٰ کسی کو توفیق دے گا وہ پختہ کرلے گا جس طرح مسجد نبوی کو حضرت عثمانؓ نے بعد میں مستحکم و رفیع الشان بنادیا۔ یکم صفر ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص:۱۲۲)

## حکم زمین کہ جزو مسجد منحرف بود بعد راست کردن خارج ماند

سوال (۸۰۴) (۱) ایک مسجد تیار شدہ رخ بقبلہ نہ تھی اور شہید کرا کر از سرنو رخ بہ قبلہ بنایا گیا تو ایک گوشہ تخمیناً دو گز لمبا اور سوا گز چوڑا مع آثار ایک جانب بچ گیا اس گوشہ کو کسی مکان یا دوکان میں کہ جس کی آمدنی خرچ مسجد ہی میں صرف ہوتی رہے لے لینا درست ہے یا نہیں۔

(۲) کیونکہ مسجد تیار شدہ جدید میں اس کا شریک ہونا اب ممکن نہیں ہے۔؟

(۳) اور چھوڑنے میں احتمال بے ادبی وغیرہ کا ہوسکتا ہے اگر اس صورت میں اس گوشہ کو کسی مکان یا دوکان مسجد میں شامل کرلیا جاوے کہ جس کی آمدنی مسجد ہذا ہی کے واسطے ہوتی ہے جائز ہوگا یا نہیں۔؟

(۴) اور بصورت عدم جواز اس کو کیا کیا جائے۔؟

الجواب۔(۱) نہیں۔

(۲) کیوں ممکن نہیں بہت سے بہت اس میں صفیں نہ کھڑی ہوں باقی منفرد کے فرائض کے لیے اور سنن کے لیے اس کو رکھا جاوے اور مسجد کا جزو بنادیا جاوے۔

(۳) اور اس میں کیا بے ادبی نہ ہوگی۔

(۴) اوپر لکھدیا ہے۔ ۲۸/ جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص:۱۵۰)

## حکم دفن باجرت در زمین وعدم صحت مسجد بزمین غیر بلا اذن او اگرچہ از قانون الخ

سوال (۸۰۵) بعد سلام مسنون عرض ہے زید نے ایک زمین خرید کیا بعض میں مسجد بنایا اور

بعض میں قبرستان مگر قبرستان اس شرط پر لیا ہے کہ جو آدمی یہاں مردہ دفن کرے گا وہ پچاس روپے دے گا مسجد کے خرچ کے واسطے۔ اور اس جگہ میں مردہ کے وارث کو کسی قسم کا دعویٰ نہیں یعنی جب چار یا پانچ سال گزر جانے کے بعد قبر سابق گر جانے سے پھر زید وہ جگہ دوسرے شخص کو دے گا۔ پچاس روپے سے مسجد کے خرچ کے واسطے زید اپنے تصرف میں یہ روپیہ نہیں لاتا محض مسجد کے واسطے یہ طریقہ نکالا ہے اور زید کہتا ہے میں تو زمین بکری نہیں کرتا بلکہ مردہ کے دفن کرنے سے پچاس روپیہ لےلوں گا یکے بعد دیگرے ایسا کروں گا اور مسجد کی آمدنی زیادہ ہوگی یہ ماذکرہ شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔؟

اور اس ملک میں مالک زمین ہندو ہیں اور قابض مسلمان ہے مگر مسلمان ایسا قابض ہے کہ ہندو اس کو بیدخل نہیں کرسکتا قانون انگریزی کے ذریعے سے مسلمان کو اختیار تام ہے وہ اس زمین میں مکان۔ قبرستان۔ مسجد یہ سب بنا سکتا ہے مگر اس مالک ہندو کو ضرور خزانہ دینا ہوگا۔ جو پہلے سے مقرر رہا ہے۔ اب مسلمان اس ماذکرہ زمین کو قبرستان وغیرہ کے واسطے وقف کرسکتا ہے یا نہیں شریعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ صحت کے وقف کے شرائط میں سے واقف کا مالک ہونا بھی ہے اور یہاں معدوم ہے لہٰذا یہ وقف جائز نہیں اور بلکہ کوئی تصرف واستعمال بھی بدون مالک کی خوشی کے درست نہیں اور اگر اپنی زمین مملوکہ کو بھی کوئی وقف کرکے اس طرح مردہ کے دفن ہونے پر روپیہ لے کر مسجد میں لگادے یا بدون وقف ہی کے اس طرح سے کوئی روپیہ لیا کرے وہ بھی جائز نہیں کیونکہ حقیقت اس کی کرایہ لینا ہے دفن مردہ پر اور کرایہ کے لیے لازم ہے بیان مدت اور یہاں یہ ممکن نہیں لہٰذا یہ عقد حرام اور خلاف شرع ہے۔
۱۲ ر رمضان ۱۳۳۱ھ (حوادث اول وثانی ص:۱۱۸)

## زیادتی ثواب صلوٰۃ در مسجد نبوی و مسجد حرام عام است با جماعت ادا کنندہ یا منفرداً

سوال (۸۰۶) یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسجد حرام میں ایک لاکھ کا ثواب اور مسجد نبوی میں پچاس ہزار کا تو یہ ثواب جماعت کے ساتھ مخصوص ہے یا منفرد کو بھی اگر منفرد کو ہے جماعت کے ساتھ کس قدر کا ثواب ملے گا۔

الجواب۔ عام ہے اور جماعت کا اجر جدا ہے۔ ۱۲ ر ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص:۹۹)

## تفرج و مشی در مسجد

سوال (۸۰۷) مسجد کے اندر ٹہلنا جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ مسجد میں عمل غیر موضوع لہ المسجد کرنا قصداً واعتیاداً ناجائز ہے اور یہ شی بھی ایسی ہی ہے لہٰذا منع کیا جاوے گا۔ ۹ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص ۱۷)

## سوختن روغن گل وگُل کردن چراغ در مسجد

سوال (۸۰۸) مسجد میں مٹی کا تیل جلانا جائز ہے یا نہیں۔ چونکہ لالٹین کی وجہ سے بو کا ازالہ ہوجاتا ہے۔ اور اگر بو کی وجہ منع ہے تو بو تو چراغ میں جو دین (یعنی روغن تلخ ۱۲) کا تیل جلتا ہے اس میں بھی ہوتی ہے اور اس کے بجھانے کے وقت بھی ہوتی ہے۔؟

الجواب۔ لالٹین کے اندر بھی بدبو محسوس ہوتی ہے لہٰذا اس طرح بھی منع کیا جائے گا اور چراغ میں جو تیل عادۃً جلتے ہیں ان میں بدبو نہیں ہوتی اور بجھانے سے جو بدبو پھیلنا لکھا ہے اول تو وہ ایسی بدبو نہیں دوسری ضرورت ہے۔ فلایصح القیاس۔ ۹ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص ۱۷)

سوال (۸۰۹) (۱) فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۶۱ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ مٹی کا تیل جلانا اور دیا سلائی مسجد میں حرام ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ مسجدوں میں چراغ بغیر دیا سلائی جلانے کی کوئی صورت نہیں اور چراغ جلانا بھی ضروری ہے لہٰذا اس کی کیا صورت ہے۔؟

الجواب۔ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ باہر چراغ روشن کر کے مسجد میں لاکر رکھدیں۔

تتمہ (۱) بوجہ ضرورت اس میں گنجائش ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ جس شخص کو انتظام بالا میں دشواری وتنگی ہو اس کے لیے اجازت ہوسکتی ہے۔

تتمہ (۱) اور بصورت عدم گنجائش دیا سلائی مسجد میں دینے والا بسبب اعانت حرام کے حرام کا مرتکب ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب۔ یہ اعانت نہیں کیونکہ درمیان میں فاعل مختار کا فعل متخلل ہے۔

۲۶ رجمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ (النور ص: ۸ جمادی الثانیہ ۱۳۵۴ھ)

## نقل مسجد از مکانے بمکان دیگر بضرورت

سوال (۸۱۰) ضلع اکیاب علاقہ تھانہ راسیدنگ سرا پرنگ نام ایک گاؤں میں پچاس ساٹھ گھر مسلمان بستے ہیں اسی ایک مختصر بستی میں دو مسجدیں ہیں ایک میں پنجگانہ اور جمعہ کی نماز ادا ہوتی ہے وہ مسجد بستی کے اندر ہے اور ایک مسجد بستی سے خارج ہے پنجگانہ نہیں ہوتی فقط جمعہ پڑھا جاتا ہے بستی سے کسی قدر فاصلہ اور برسات میں آنے جانے میں تکلیف ہوتی ہے اس لیے لوگ جمع نہیں ہوتے بلکہ عشاء کی اذان ہونے میں بھی اندھیرے اور تنہائی کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے اس لیے بانی مسجد چاہتا

ہے کہ اس مسجد کو مع آلات واسباب اٹھا کر اپنے خرچ سے محلہ اور بستی کے اندر مناسب مقام میں لادے یہ نقل مسجد مع اسباب وآلات جائز ہے یا نہیں۔

(الف) مسجد کی دیوار تختہ لکڑی کی ہے چھت ٹین کی پختہ کوئی کام نہیں۔

(ب) مسجد کے نقل کرنے میں مسجد کے متعلق سب لوگ خوش ہیں کسی کا کسی طرح اعتراض نہیں۔

(ج) اگر مزعوم مقام میں نقل کی جائے پنجگانہ ادا ہوکے اور ہر طرح رونق اسلام کی ترقی میں کچھ شبہ نہیں۔

(سوال) اگر اسی مسجد میں کچھ جائداد وقف کردہ شدہ ہو اس کی آمدنی سے اس کی نقل وحرکت کے خرچ اور مسجد جدید کے اخراجات مانند مسجد اول کے ادا کرنا واقف یا اس کے متولی کو جائز ہوگا یا نہیں اگر کوئی روایت فقہی نقل کی جاسکے تو بہت بہتر ہے یہ سوال فرضی نہیں ہے بلکہ واقعی ہے بعض مولوی منع کرتے ہیں بانی مسجد ومتولی سخت پریشان ہیں احناف کے مذہب کے مطابق اس بستی میں جمعہ نہیں ہوگا اگر پنجگانہ بھی نہ ہو تو وہ مسجد کس کام کی۔؟

الجواب۔فی ردالمحتار وفی جامع الفتاویٰ لهم تحويل المسجد الى مكان اخران تركوه بحيث لا يصلى فيه ولهم بيع مسجد عتيق لم يعرف بانيه وصرف ثمنه فی مسجد اخراه سائحانی ج۳ ص ۵۷۲ فی الدرالمختار (فی صورة الاستغناء) فيصرف وقف المسجد والرباط والحوض الى اقرب مسجد او رباط او بئراو حوض وفی ردالمحتار لكن علمت ان المفتى به قول ابى يوسف انه لا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد اخر كما مرعن الحاوی ج۳ ص ۵۷۴۔

روایات بالا سے معلوم ہوا کہ اصل اور راجح تو عدم جواز نقل ہے لیکن بعض علماء ضرورت میں جواز کے قائل ہوئے ہیں۔سو بلا ضرورت شدیدہ تو اصل مذہب کو چھوڑنا جائز نہیں اور ضرورت شدیدہ میں گنجائش ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب ایک مسجد مستغنی عنہ ہوجاوے اس کا وقف دوسری مسجد میں صرف کرنا بھی جائز ہے۔ ۱۳ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص:۲۶)

## جائز بودن ممانعت از درآمدن در مسجد شخصے را کہ موجب فساد باشد

سوال(۸۱۱) بوجہ خوف فتنہ (جیسا کہ اکثر مشاہدہ میں آتا ہے) ان کا مساجد مقلدین میں آنے دینا شرعاً ممنوع ہے یا نہیں۔؟

نوٹ:۔ یہاں غیر مقلدین مساجد احناف میں باوجودیکہ ان (مقلدین) کو مشرک اور بدعتی سمجھتے ہیں آکر ان کی (مقلدین کی) جماعت میں شامل ہوتے ہیں اور اگر مقلدین میں سے کسی نے ذرا

بھی چوں کی تو پندرہ بیس منتظمین مسجد پر جھوٹے دعوے عدالت غیر مسلم میں دائر کرتے ہیں اور جھوٹے گواہ پیش کر کے جھوٹی گواہی دلواتے ہیں اس طرح پر فساد برپا کرتے ہیں جس کا نتیجہ اکثر مواقع میں یہ ہوا کہ مساجد ویران ہوگئیں اور لوگوں نے بخوف جھگڑا وفساد مسجد میں آنا اور نماز پڑھنا چھوڑ دیا۔

(۲) ایک کتاب فتح المبین مصنفہ مولانا منصور علی صاحب مراد آبادی مطبوعہ آسی پریس لکھنؤ میں ان غیر مقلدین کے حالات پر مفصل بحث کی گئی ہے اور جملہ مشاہیر علمائے عرب وعجم (مکہ معظمہ و مدینہ منورہ) اور ہند کے دستخط ومواہیر ثبت ہیں اس میں مولانا مقتدانا جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی مرحوم ومغفور رحمۃ اللہ علیہ ودیگر علماء وفضلاء مثلاً مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرحوم ومغفور ومولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی وغیرہ کے دستخط ومواہیر ثبت ہیں اور ایک عبارت بقلم مولانا محمد یعقوب صاحب درج ہے اور مواہیر تائیدی علماء موصوفین کے ثبت ہیں وہو ہذا۔ عقائد اس جماعت کے جبکہ خلاف جمہور اہل سنت ہیں تو بدعتی ہونا ان کا ظاہر ہے اور مثل تجسیم وتحلیل چار سے زیادہ ازواج کے اور تجویز تقیہ اور برا کہنا سلف صالحین کا فسق یا کفر ہے۔ تو اب نماز اور نکاح اور ذبیحہ میں ان کی احتیاط لازم ہے جیسے روافض وخوارج کے ساتھ انتہی اس کتاب پر جناب والا کے بھی دستخط ومہر ثبت ہے۔ اور تقریر بھی درج ہے اور ایک کتاب اور بھی موسومہ بہ الاقتصاد مصنفہ جناب والا نظر سے گزری ہے لہٰذا استدعاء ہے کہ ان ہر دو کتابوں کی بھی تصدیق وتوثیق فرمائی جائے۔؟

الجواب عن السوال الاول والثانی۔ فی الدر المختار احکام المسجد ویمنع (اکل ثوم) منہ (من المسجد) وکذا اکل موذ ولو بلسانہ اھ) اس روایت سے معلوم ہوا کہ جو شخص مسجد میں آکر ایذاء دیتا ہے ہو یا فساد کرتا ہو اس کو مسجد میں آنے کی ممانعت کر سکتے ہیں خواہ کسی فرقہ کا ہو۔ مگر ممانعت ایسا شخص کر سکتا ہے جس کی ممانعت سے فساد میں زیادتی نہ ہو جاوے۔ ورنہ فر من المطر ووقف تحت المیزاب کا مصداق ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ یہ مصلحت اس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب منع کرنے والا صاحب قدرت ہو۔ اور فتح المبین اس وقت میرے سامنے نہیں مدت کی دیکھی ہوئی یاد نہیں البتہ اقتصاد میری تالیف ہے۔ اس میں میرا مسلک اس مسئلہ میں مذکور ہے۔

۳۰ رذیقعدہ ۱۳۴۰ھ (تتمہ خامسہ ص: ۲۲۷)

## حکم سرقۂ مال مسجد وتلف کردن آں

سوال (۸۱۲) زید نے مسجد کی ایک چیز چرائی اور اپنے استعمال میں لا کر ضائع کر دی اب اگر اس کی قیمت زید متولی مسجد کو دیدے تو بری الذمہ ہو جائے گا یا نہیں اور تخمینہ قیمت میں وقت سرقہ کا خیال ہوگا یا ادا کرنے کے وقت کا لحاظ ہوگا کیونکہ اختلاف اوقات سے اختلاف قیمت میں بھی ہو جایا کرتا ہے۔

**الجواب۔** اگر متولی مسجد متدین وامین ہے تو اس کو دیدینے سے بری ہو جائے گا ورنہ خود کسی طریق سے اس مسجد میں صرف کردے اور قیمت یوم ضیاع کی معتبر ہے۔ ۲۰؍شعبان ۱۳۴۰ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۲۲۴)

# رسالہ القول الاھلی فی وقف جامع دہلی (۱)

## مصارف وقف مسجد

سوال (۸۱۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جامع مسجد دہلی کا انتظام بذریعہ ایک مجلس شوریٰ کے ہوتا ہے جس میں دہلی کے دس معززین رؤساء اسلام شامل ہیں اور اس کا نام مجلس منتظمہ جامع مسجد ہے۔ اس مجلس منتظمہ جامع مسجد دہلی کو حسب ذیل اقسام کی آمدنی ہوتی ہے۔

(الف) کرایہ دکاکین متعلق جامع مسجد۔

(ب) کرایہ ٹھیکہ اراضی افتادہ اطراف جامع مسجد مملوکہ جامع مسجد۔

(ج) کرایہ دیگر جائداد سکنی واقع مختلف جامع مسجد ومقامات شہر دہلی جو کہ آمدنی مسجد مذکور کی پس انداز رقم سے وقتاً فوقتاً خرید ہو کر ملکیت جامع مسجد ہے۔

(د) متفرق قلیل آمدنی جو بعض اشخاص مسلمان بنام نہاد روشنی وآب وضو وظروف وغیرہ دیتے ہیں۔ جس کی مقدار دس پندرہ روپیہ سالانہ سے زائد نہیں۔

(ھ) بعض مقامی مصالح اور قومی وملکی ضروریات کے لحاظ سے بمشورہ مجلس منتظمہ غیر مسلم اقوام کے زائرین کے لیے جو مسجد مذکور کو دیکھنے آتے ہیں فی کس دو پیسہ کا پاس مقرر کیا ہوا ہے اور ایک محرر اس کام پر ملازم ہے۔ اور اس پاس سے یہ بھی غرض ہے کہ کوئی غیر مسلم شخص کوئی ایسی شے مسجد میں نہ لے جاوے جو ناجائز ہو۔ یا از راہ تعصب کوئی فعل موجب توہین مسجد نہ کرے اور اس سے جو کچھ آمدنی ہوتی ہے وہ تنخواہ محرر پاس اور کاغذ وچھپائی پاس ہوئے وغیرہ میں خرچ ہو کر بہت قلیل رقم رہ جاتی ہے ان جملہ اقسام آمدنی مذکورۂ بالا سے جس قدر رقم وصول ہو جاتی ہے وہ حسب ذیل امر میں خرچ ہوتی ہے:۔

(۱) تنخواہ عملہ:۔ عملہ مسجد امام صاحب ومؤذنان ودربانان ومحرران۔

(۲) فراہمی:۔ آب وضو در حوض مسجد بذریعہ چاہ۔

(۳) فراہمی:۔ آب نوشیدنی برائے نمازیان ومسافران وزائرین اہل اسلام۔

(۴) فرش:۔ دری جائے نماز فرش ٹاٹ ودیگر سامان متعلقہ فرش اندرونی وبیرونی۔

---

(۱) ای الحکم الشرعی المنسوب باعتبار النقل الی الاھل ای اھل المذھب بمعنی من یدین به کذا فی القاموس ۱۲۔

(۵)صفائی:۔ مسجد بذریعہ ملازمان واطراف مسجد بذریعہ خاکروبان۔
(۶)وظائف:۔ طلبہ دینیات وطلبہ دیگر مدارس جوعربی کے ہیں تعلیم پاتے ہیں اور دیگر طلبہ فنون شرعیہ اور یہ سب مسلمان ہیں۔
(۷)اخراجات روشنی:۔ بجلی بذریعہ الکٹرک کمپنی نمازیان
(۸)روشنی:۔ تیل گلی
(۹)اخرجات:۔ سامان روشنی ہردو قسم مذکورہ۔
(۱۰)سائبان:۔ وشامیانے ہائے جوموسم گرما میں بوجہ سخت تمازت آفتاب نمازیوں کی آسایش کے لیے صحن مسجد میں نصب کیے جاتے ہیں۔
(۱۱)خرید ظروف:۔ گلی مٹکے بدھنیاں آب خورہ وغیرہ بہ تعداد کثیر۔
(۱۲)جائداد سکنی:۔ مملوکہ جامع مسجد کا ہاؤس ٹیکس وغیرہ جوحکومت کی طرف سے مقرر ہے۔
(۱۳)محصول:۔ آبیانہ نل آب۔
(۱۴)مقدمات:۔ متعلقہ تنازعات کرایہ وغیرہ جائداد مملوکہ جامع مسجد۔
(۱۵)تعمیرات ومرمت:۔ خاص جامع مسجد جوکہ ہمیشہ کرائی جاتی ہے اور چونکہ عمارت جامع مسجد بہت بڑی سنگین اور عجیب وغریب ہے اس لیے اس کی معمولی مرمت بھی جوقیام اور بقاء مسجد کے لیے اشد ضروری ہے رقم کثیر میں ہوتی ہے۔
(۱۶)تعمیر مرمت:۔ وترمیم وغیرہ متعلق جائداد مملوکہ مسجد مذکور۔
(۱۷)اخراجات:۔ خرید ہیزم وغیرہ برائے آب گرم بموسم سرما۔
(۱۸)اخراجات:۔ متعلق دفتر جامع مسجد۔
(۱۹)امداد یتیماں:۔ جوکہ یتیم خانہ انجمن مؤید اسلام دہلی میں پرورش پاتے ہیں۔
(۲۰)اخراجات:۔ نومسلمان جو جامع مسجد میں مسلمان ہوتے ہیں خوراک ومکان ومعلمان جہاں نومسلموں کوتقریباً دوماہ تک ضروری تعلیم دی جاتی ہے اورارکان اسلام سکھائے جاتے ہیں۔
(۲۱)امداد غرباء:۔ بذریعہ نقد وتقسیم کمبل ولحاف وکمری ہائے موسم سرما۔
(۲۲)امداد مرمت:۔ وتعمیر بعض دیگر مساجد۔
(۲۳)اخراجات:۔ رمضان شریف مثلاً برف وغیرہ جوکہ بوقت افطار ونماز تراویح روزہ داروں اورنمازیوں کے لیے روزانہ مہیا کیا جاتا ہے۔
(۲۴)پیشکش:۔ حافظ قرآن جومنجانب جامع مسجد رمضان شریف میں نماز تراویح میں ختم قرآن

شریف کرتے ہیں اور حافظ سامع کو بھی دیا جاتا ہے۔

(۲۵) تقسیم شرینی:۔ بروز ختم قرآن شریف جملہ نمازیان جامع مسجد جس میں کئی من شرینی تقسیم ہوتی ہے۔

(۲۶) ملازمان:۔ ومتعلقین جامع مسجد جو تمام ماہ رمضان شریف میں محنت کے ساتھ کام کرتے ہیں اور غیر معمولی خدمت انجام دیتے ہیں بطور حق الخدمت نام نہاد انعام وغیرہ دیا جاتا ہے۔

(۲۷) اخراجات:۔ وردی وغیرہ جو دربانان وجمعدار جامع مسجد کے لیے تیار ہوتی ہے۔

(۲۸) اخراجات:۔ گولہ ہائے آتش بازی جو ماہ رمضان المبارک میں بوقت افطار روزہ اور بوقت ختم سحری بغرض اطلاع عام مسلمان شہر دہلی اور بوقت ختم نماز جمعۃ الوداع اور نماز عیدین بغرض اظہار شوکت اسلام چلائے جاتے ہیں۔

(۲۹) اخراجات:۔ شامیانہ ہائے وڈیرہ وخیمہ جات قنات وفرش وغیرہ جو یوم جمعۃ الوداع جس میں کثرت سے نمازی اطراف ملک سے آتے ہیں اور جامع مسجد کا فرش تمازت آفتاب سے مثل آگ کے ہو جاتا ہے۔ اس لیے غیر معمولی فرش اور شامیانہ وغیرہ۔ آسایش نمازیان کے لیے کرایہ پر لگائے جاتے ہیں۔ اور چونکہ مسجد مذکور میں اتنی گنجائش نہیں ہوتی تو مسجد کے باہر ہر سہ اطراف میں کثرت سے نمازی کھڑے ہو جاتے ہیں اس لیے یہ انتظام کرنا پڑتا ہے۔

(۳۰) بعض دیگر۔ اخراجات متفرق معمولی وغیر معمولی۔

مثال نمبر (۳۰)۔ یعنی اخراجات متفرق۔

(۱) بعض قومی انجمن ہائے اسلامی ومدارس اسلامی مختلفہ خلافت یا قومی مسلم یونیورسٹی وغیرہ وغیرہ۔

(۲) بعض اخراجات۔ بموجب احکام حکومت مثلاً ملک معظم کی تشریف آوری یا وایسرائے کے مسجد میں تشریف لانے پر ضروری مراسم یا بعض مواقع فتح بر بحکم گورنمنٹ روشنی کرنا۔

(۳) ترکوں یا دیگر مسلمان بادشاہوں کی فتوحات پر جامع مسجد میں روشنی کرنا۔

یہ مندرجہ بالا اخراجات وہ ہیں جو موجودہ وقت میں ہوتے ہیں اور سالہا سال سے کیے جارہے ہیں ان کی بابت یہ تحریر فرمایا جائے کہ ان اخراجات مذکورۂ بالا میں کونسا خرچ از روئے شرع جائز ہے اور کونسا ناجائز ہے۔ اور براہ مہربانی ہر ایک کی بابت بروئے مذہب حنفیہ جوابات تحریر فرماویں۔ نیز حسب ذیل امور اس قسم کے ہیں کہ جن کی بابت مجلس منتظمہ جامع مسجد سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ جامع مسجد کی آمدنی میں سے فلاں فلاں امر میں امداد کی جاوے مثلاً دہلی کے نواح ملحقہ میں جہاں حکومت ہند اب جدید شہر آباد کر رہی ہے بہت سی مساجد ومقابر زمانہ قدیم کی غیر آباد پڑی ہوئی ہیں اور مسلمانان دہلی ان مساجد کے قائم وآباد رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں چنانچہ وہ کامیاب ہو رہے ہیں اور اکثر مساجد

غیر آباد ہیں امام ومؤذن مقرر کردیئے ہیں اور چونکہ ایسی مساجد کی تعداد اطراف دہلی میں بہت زیادہ ہے اس لیے ہر ایک مسجد میں امام ومؤذن کا مقرر کرنا بلاصرف کثیر ناممکن ہے اس لیے مسلمانان دہلی جو اس کام کو کررہے ہیں ان مسجدوں کی آبادی ومرمت کے لیے جامع مسجد کی آمدنی سے روپیہ طلب کرتے ہیں۔ دویم شعبۂ تبلیغ اسلام بھی نومسلموں کی امداد کے لیے روپیہ طلب کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام امور کے متعلق تحریر فرماویں کہ جامع مسجد کی آمدنی سے اگر وہ پس انداز ہوتو کس کس قسم کے اخراجات میں خرچ کرنا شرعاً درست ہے ایک یہ امر بھی قابل غور ہے اور اس پر ضرور لحاظ رکھنا چاہئے کہ جامع مسجد کی عالی شان عمارت اسلامی بادشاہوں کی یادگار ہے اور اس کا قائم رکھنا مقدم اور فرض ہے اس عظیم الشان عمارت کی معمولی سے معمولی مرمت میں بھی ہزار ہا روپیہ خرچ ہوجاتا ہے اور آئندہ زیادہ مرمت اور درستی کی ضرورت پیش آرہی ہیں کیونکہ جس قدر عمارت کہنہ ہوتی جاتی ہے اسی قدر زیادہ مرمت طلب ہوتی جاتی ہے اس خاص اور ضروری کام کے لیے جب تک ہمیشہ ایک رقم پس انداز میں نہ رکھی جاوے تو قیام مسجد خطرے میں پڑجائے۔

الجواب۔ الروایات الاولیٰ۔ الذی یبدأ من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف ام لاثم الیٰ ماهو اقرب إلیٰ العمارة واعم للمصلحة کالامام للمسجد والمدارس للمدرسة (یعنی اذاکان وقفا علی المدرسة) یصرف الیهم بقدر کفایتهم ثم السراج والبسط کذلك الیٰ اٰخر المصالح هذا اذا لم یکن معینا (وغیر المعلوم فی حکم غیر المعین) فان کان الواقف معینا علیٰ شیئ یصرف الیه بعد عمارة البناء کذا فی الحاوی القدسی ج:۳ ص:۲۰٤

الثانیة۔ رباط علیٰ بابه قنطرة علیٰ نهر کبیر لایمکن الامتاع بالرباط الا بمجاوزة القنطرة ولیس للقنطرة غلة یجوز ان یصرف من غلة الرباط علیٰ عمارة القنطرة ان کان الواقف شرط من الوقف انه یصرف غلته الیٰ ما فیه مصلحة للرباط وان لم یشترط ذلك بل ذکر مرمته لا غیر لایجوز ذلك (قیاسا) لان هذا لیس من مرمة الرباط حتیٰ لوکان الرباط بحال لو لم یصرف الغلة الیٰ عمارة القنطرة لخرب الرباط استحسنوا انه یجوز فیعمل بالاستحسان دون القیاس کذا فی محیط السرخسی ج:۳ ص:۲۰٤۔

الثالثة۔ ولو ارادان یقف ارض علیٰ المسجد وعمارة المسجد وما یحتاج الیه من الدهن والحصیر وغیر ذلك علیٰ وجه لایرد علیه الابطال (فطریقه ان) یقول وقفت ارضی هذه ویبین حدودها بحقوقها ومرافقها وقفا مؤبداً فی حیوتی وبعد

وفاتی علیٰ ان یستغل ویبدأ من غلاتها بما فیه من عماراتها واجور القوام علیها واداء مؤنتها فما فضل من ذلك یصرف الیٰ عمارة المسجد ودهنه وحصیره وما فیه مصلحة للمسجد علیٰ ان للقیم ان یتصرف فی ذلك علیٰ ما یری (ویقول ایضاً فی الشرائط) واذا استغنی هذا المسجد یصرف الیٰ فقراء المسلمین فیجوز ذلك (لاشتراط الواقف) کذا فی الظهیریة۔ ج:۳ ص:۲۴۰۔

الرابعة۔ الفاضل من وقف المسجد هل یصرف الیٰ الفقراء قیل لا یصرف وانه صحیح ولکن یشتری به مستغلا للمسجد۔ کذا فی المحیط۔ ج:۳ ص:۲۴۱۔

الخامسة۔ ارض وقف علیٰ مسجد صارت بحال لا تزرع فجعلها رجل حوضا للعامة لایجوز للمسلمین انتفاع بماء ذلك الحوض کذا فی القنیة ج:۳ ص:۲۴۱۔

السادسة۔ مال موقوف علیٰ المسجد الجامع واجتمعت من غلتهما (ای الموقوف علیٰ المسجد والموقوف علیٰ الفقراء المذکورین سابقا) ثم نابت الإسلام نائبة مثل حادثة الروم واحتیج الیٰ النفقة فی تلك الحادثة اما المال الموقوف علیٰ المسجد الجامع ان لم یکن للمسجد حاجة للحال فللقاضی ان یصرف فی ذلك لکن علیٰ وجه القرض فیکون دینا فی مال الفیٔ الخ کذا فی الواقعات الحسامیة ج:۳ ص:۲۴۲۔

السابعة۔ واذا جعل السقایة للشرب واراد ان یتوضأ منها اختلف المشائخ فیه واذا وقف للوضوء فلا یجوز الشرب منه وکل ماعد للشرب حتیٰ الحیاض لایجوز منها الوضوء کذا فی خزانة المفتین ج:۳ ص:۲۴۲۔

الثامنة۔ فی فتاویٰ اهل سمرقند مسجد فیه شجرة تفاح یباح للقوم ان یفطروا بهذا التفاح قال الصدر الشهیدؒ المختار انه لا یباح کذا فی الذخیرة۔ ج:۳ ص:۲۴۴۔

التاسعة۔ سئل شمس الائمة الحلوانی عن مسجد او حوض خراب ولا یحتاج الیه لتفرق الناس هل للقاضی ان یصرف اوقافه الیٰ مسجد اٰخر اوحوض (فیه لف و نشر مرتب) قال نعم (لکونهما متجانسین) (وسئل ایضاً) لو لم یتفرق الناس ولکن یستغنی الحوض عن العمارة وهناك مسجد محتاج الیٰ العمارة او علیٰ العکس هل یجوز للقاضی صرف وقف ما استغنی عن العمارة الیٰ عمارة ماهو محتاج الیٰ العمارة قال لا (لکونهما غیر متجانسین) کذا فی المحیط۔(ثم فی المتجانسین یعتبر الاقرب فالا قرب ولعله المراد بقوله هناك لدلالة جزئیات القنطرة والرباط المذکورة فی السباق والسیاق علیٰ ذلك) هذه کلها من العالمگیریة الا مابین القوسین فمن الکاتب بطریق الشرح۔

العَاشرة۔ فی الدرالمختار امر السلطان اکراہ وان لم یتوعد.

ان روایات سے مسائل ذیل ثابت ہوئے۔ اول مصارف نمبر ۱ و ۲ و ۴ و ۵ و ۷ و ۸ و ۹ و ۱۰ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۵ و ۱۶ و ۱۷ و ۱۸ و ۲۴ و ۲۶ و ۲۷ و ۲۹ میں صرف کرنا علی الاطلاق جائز ہے۔ للروایۃ الاولی

دوم۔ نمبر ۳ و نمبر ۱۱۔ یعنی آب نوشیدنی وظروف گلی چونکہ مصالح ضروریہ مسجد سے نہیں یعنی اس کو مسجد کی آبادی میں دخل نہیں اس میں صرف کرنا نہیں۔ للروایۃ الخامسۃ والسابعۃ

البتہ اگر غالب گمان ہو کہ اگر آب نوشیدنی کا انتظام نہ کیا جاوے گا تو جماعت مصلیوں کی کم ہو جاوے گی اس وقت درست ہے۔ للروایۃ الثانیۃ قیاسا

سوم۔ نمبر ۶۔ یعنی وظائف طلبہ و نمبر ۱۹ یعنی امداد یتامی و نمبر ۲۰ یعنی امداد نومسلمان و نمبر ۲۱ یعنی امداد غرباء کا بھی مصالح ضروریہ مسجد سے کچھ تعلق نہیں ان میں بھی صرف کرنا درست نہیں۔ للروایۃ الرابعۃ

چہارم۔ نمبر ۲۳۔ یعنی اخراجات افطاری و نمبر ۲۵ یعنی شیرینی ختم یہ بدرجۂ اولیٰ جائز نہیں اس لیے کہ ان میں تو فقراء کو بھی تخصیص نہیں جب فقراء میں صرف کرنا درست نہیں جیسا اوپر کے نمبر میں ذکر ہوا تو غیر فقراء میں کیسے جائز ہوگا۔ للروایۃ الثامنۃ ایضًا

پنجم۔ نمبر ۲۸۔ یعنی گولہ آتشی یہ بھی سابق سے بدرجۂ اولیٰ اور سابق علی السابق سے درجۂ اولیٰ سے بھی درجۂ اولیٰ میں جائز نہیں کہ یہ نہ مسجد میں صرف ہوں نہ کسی کو دیئے جائیں۔

ششم۔ نمبر ۲۲۔ یعنی تعمیر دیگر مساجد

اس میں تفصیل ہے اگر کوئی رقم ایسی فاضل ہو کہ بگمان غالب جامع مسجد کو اس کی حاجت نہ ہوگی نہ مرمت میں نہ دیگر ضروری مصالح میں تب تو جائز ہے پھر اس میں بھی یہ ترتیب ہے کہ اگر کئی مسجدیں حاجت مند ہوں تو اول قریب کی مسجد میں پھر اس کے بعد جو قریب ہو۔ وعلی ھذا للروایۃ التاسعۃ اور اگر غالب احتمال ہو کہ جامع مسجد کی مرمت میں اس کی ضرورت ہوگی تو پھر جائز نہیں۔ للروایۃ الاولیٰ

ہفتم۔ نمبر ۳۰۔ اخراجات متفرقہ کی مثال میں تین مصرف لکھے ہیں سو تینوں کا مصلحت مسجد سے کوئی تعلق نہیں اس لیے درست نہیں البتہ اگر مثال دوم حکم شرعی کے عذر کو جس کو باقاعدہ پیش کرنا چاہیے گورنمنٹ قبول نہ کرے اور حکماً مجبور کرے تو متولی شرعاً معذور ہوں گے۔ للروایۃ العاشرۃ

یا اگر کسی مصلحت سے منتظمین گورنمنٹ کے سامنے عذر پیش کرنے کا مناسب وقت نہ سمجھیں تو اس وقت منتظمین اس کے اخراجات کو خود اپنے ذات خاص پر برداشت کرلیں اور اس حالت میں بھی اگر جامع مسجد سے اس کا تعلق ظاہر کرنے کی ضرورت سمجھیں تو بعد صرف کر چکنے کے اس کا آمد و خرچ مسجد

کے حساب میں درج کردیں یعنی آمدنی کو دوسری آمدنیوں کے ساتھ اور خرچ کو دوسرے خرچ کے ساتھ جمع کردیں اسی طرح مثال سوم میں اگر علماء اس روشنی کو قواعد شرعیہ سے جائز بتلادیں (کیونکہ مجھ کو اس کا جواز ثابت نہیں ہوا) اس میں بھی یہی طریقہ اختیار کریں یعنی خود برداشت کرلیں اور یہ مصارف کچھ ایسے کثیر نہیں جس کا تحمل تکلیف مالا یطاق ہو اور یہ سب اس وقت ہے جب جائداد یا رقم موقوف صرف مسجد کے لیے وقف ہو یا ایسے وقف کی آمدنی یا ایسی رقم سے خریدی گئی ہو اور اگر واقف نے علاوہ مسجد کے لیے دوسرے جائز اخراجات کی بھی اجازت وقف میں دی ہے تو اس وقت اس میں بھی صرف کرنا درست ہے۔ **للروایة الثالثة ای الجزء الاخیر منها**

اب رہے وہ امور جن میں صرف کرنے کا مجلس انتظامی سے مطالبہ کیا جاتا ہے سو اس کی دو مثالیں لکھی ہیں۔ مثال اول جدید آبادی کی مساجد سو اس کا حکم اوپر مسئلہ ششم میں مذکور ہو چکا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان سب مصارف میں مقدم خود جامع مسجد کی مرمت ہے جس کا احتمال روزانہ غالب اور قوی ہو جاتا ہے اس لئے ایک کافی رقم پس انداز میں رہنا ضروری ہے اگر اس کے بعد گنجائش نہ رہی تو دوسری مساجد میں صرف کرنا جائز نہیں۔ **للروایة الاولیٰ**

اور اگر گنجائش رہی تو بترتیب مذکور مسئلہ ششم صرف کرنا جائز ہے۔

## دوسری مثال شعبۂ تبلیغ

سو ایسے امور میں صرف کرنے کی تین شرطیں ہیں ایک یہ کہ مسجد کو اس فاضل کی حاجت نہ رہے دوسری یہ کہ حاکم اسلام صرف کی اجازت دے۔ تیسرے یہ کہ بطور قرض کے صرف کیا جاوے پھر وہ قرض مال فئی سے ادا کردیا جاوے۔ **للروایة السادسة**

یہاں اول تو ایک بھی شرط نہیں اور اگر کسی شرط کے تحقق کا کسی تاویل سے دعویٰ کیا جاوے تو مجموعہ شروط تو یقیناً منتفی ہے جب شرط جواز نہیں تو جواز بھی نہیں اور یہ مسئلہ ہشتم ہے البتہ اگر کسی وقت میں منتظمین متدین نہ ہوں اور مسجد کی رقم کے ضائع کردینے کا اندیشہ ہو تو اس وقت ایسے مصارف میں صرف کرنے کی اجازت دی ہے اس کا محمل یہی ہے۔ **ونظیره فی الدر المختار احکام المسجد وضمن متولیه لو فعل النقش او البیاض الا اذا خیف طمع الظلمة فلا بأس به کافی۔**

اور اس نمبر میں معمولی اور غیر معمولی لفظ مبہم ہے اور اس کی تفسیر کے بعد حکم شرعی بتلایا جاسکتا ہے۔

## ناجائز بودن تقسیم شیرینی از مال وقف

سوال (۸۱۴) جامع مسجد قصبہ کیرانہ میں جو کرایہ نامجات لکھائے جاتے ہیں ان میں بقدر کرایہ

۲ر یا ۴ر یا ۸ر واسطے شرینی ختم کلام مجید کے لکھائے جاتے ہیں جو تخمیناً مبلغ نو یا دس ہوتے ہیں اور شیرینی ۲۵ یا ۲۶ یا ۲۷ روپے کی تقسیم ہوتی ہے جو آمدنی مسجد سے ماقبی رقم دی جاتی ہے اور واقف نے آمدنی واسطے مصارف مسجد اور وارد و صادر کے وقف کی ہے تو یہ مبلغ ۱۶ یا ۱۷ روپے علاوہ رقم کرایہ داران جو رقم مسجد سے شیرینی میں صرف کیے جاتے ہیں وہ منجملہ مصارف مسجد کے شمار ہوں گے یا نہیں اور شرعاً یہ صرف جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ یہ شیرینی مصارف مسجد میں داخل نہیں لہٰذا وقف مسجد سے اس میں صرف کرنا جائز نہیں۔ بلکہ یہ نو دس روپے جو کرایہ کے ساتھ آتے ہیں اگر ان کو جزو کرایہ نہ کہا جاوے تب تو عقد اجارہ میں یہ شرط فاسد ہے وہ رقم قابل واپسی کے ہے اور اگر جزو کرایہ کہا جاوے تو شرط جائز ہے۔ مگر اس کا مصرف مثل مصرف کرایہ کے ہوگا اور یہ شیرینی میں صرف کرنا جائز ہوگا۔

## حکم سائلان در مسجد و خوردن و آشامیدن در مسجد وغیرہ

سوال (۸۱۵) علاوہ امور مندرجۂ بالا کے سوالات ذیل کا بھی جواب بروئے فتویٰ شرعی تحریر فرمایا جاوے۔

جامع مسجد کے اندر ہمیشہ عموماً اور جمعہ کے روز خصوصاً فقراء و مساکین بھیک مانگتے ہیں اور نمازیوں کو سخت پریشان کرتے ہیں۔ رات کے وقت عشاء کو زیادہ اور دن میں اس سے کم شہر دہلی کے مرد و عورتیں اور باہر کے مسافر مرد و زن جامع مسجد میں بطور تفریح و سیر و تماشہ آتے ہیں اور مسجد کے اندر دالان ہائے میں بیٹھ کر بازار سے اشیاء خوردنی منگا کر کھاتے ہیں اور بعض اوقات میلہ ہائے فرش کو ناپاک کرتی ہیں بعد میں اس کو بذریعۂ ملازمان مسجد پاک کرایا جاتا ہے۔ عورتیں مسجد میں چراغ جلانے آتی ہیں اور بطور منت چراغ روشن کرتی ہیں اور یہ عمل عرصۂ دراز سے جاری ہے۔ فریدالدین منتظم جامع مسجد دہلی۔

الجواب۔ فی الدرالمختار احکام المسجد۔ ویحرم فیه السوال ویکره الإعطاء مطلقا وقیل ان تخطی وانشاد ضالة او شعر الا مافیه ذکر و رفع صوت بذکر الخ فی ردالمحتار عن الغزالی استحبابه الا ان یشوش جهرهم علٰی نائم ومصل اوقارئ الخ ثم فی الدرالمختار واکل ونوم الا لمعتکف وغریب الٰی قوله والکلام المباح وقیده فی الظهیریة بان یجلس لاجله وفیه واتخاذه طریقًا بغیر عذر وصرح فی القنیة بفسقه باعتیاده وادخال نجاسة فیه الٰی قوله ویحرم ادخال صبیان ومجانین حیث غلب تنجیسهم والا فیکره وفیه باب الامامة ویکره حضورهن بجماعة ولو جمعة وعید ووعظ مطلقا ولو عجوزالیلا علٰی المذهب المفتی به لفساد الزمان الخ۔

ان روایات سے ان سب امور مذکورۂ سوال کا ممنوع اور مذموم ہونا ثابت ہوا۔ پس جو شخص ان کے انسداد پر بدون کسی فتنہ کے قادر ہو اس پر واجب ہے کہ اس کا انتظام کرے۔

۶ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ تمت الرسالة المسماة بالقول الاهلی۔ (تتمۂ خامسہ ص: ۲۵۸)

## سوال در مسجد

سوال (۸۱۶) وہ اشخاص جن کی حقیقت کچھ معلوم نہیں آپ کو فقیر بتا کر اور گدا گر بن کر جمعہ اور عیدین وشب قدر وشب معراج کی جماعت کے وقت مسجد میں سوال کرتے ہیں اور مانگتے ہیں اور ان کا چندہ ہوتا ہے اور لوگ ان کو دیتے ہیں یہ شرعاً درست ہے کہ نہیں اور ان کو اس صورت میں دینا جائز ہو کر داخل خیرات ہے کہ نہیں۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار ويحرم فيه السوال ويكره الاعطاء وقيل ان تخطى الٰى قوله ورفع صوت بذكر الا للمتفقهة الخ فی ردالمحتار تحت قوله و رفع صوت بذكر الخ بعد بحث طويل الا ان يشوش جهرهم علٰى نائم او مصل او قارئ۔ ج:۱ ص: ۶۹۰۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ مانگنا مسجد میں علی الاطلاق اور دینا بعض کے نزدیک علی الاطلاق اور بعض کے نزدیک جبکہ وہ سائل گردنوں پر پھاندتا ہو نا جائز ہے اور اگر اس سے کسی نمازی یا قرآن ووظیفہ پڑھنے والے کا دل بٹتا ہو تب بلا اختلاف نا جائز ہے۔ ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص: ۱۹۰)

## خوردن در مسجد

سوال (۸۱۷) مسجد میں بعد اختتام وعظ شیرینی تقسیم کرتے ہیں اور کھاتے ہیں یہ شرعاً درست ہے کہ نہیں۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار مع ردالمحتار واكل ونوم الالمعتكف وغريب ص ۶۹۱: ج:۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ کھانے کی بھی عادت کرنا مسجد میں نہ چاہئے اور اس کے قبل کے سوال کے جواب کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اکثر حاضرین کھانے میں مشغول ہو جاویں تب بھی ممنوع ہے۔ ۲۷ ذیقعدہ ۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص: ۹۱)

## خفتن در مسجد

سوال (۸۱۸) وہ دنیا دار جس کے گھر بار موجود ہے ان کو مسجد میں کسی وقت سونا جائز ہے کہ نہیں۔

الجواب۔ اس سے سابق سوال کے جواب کی روایت سے اس کا حکم بھی معلوم ہوا کہ بجز معتکف یا

پردیسی کے دوسروں کو مسجد میں سونا جائز نہیں۔ ۲۷ ذیقعدہ : ۳۲ھ

## جائز بودن گرفتن شامیانہ بکرایہ برائے مسجد

سوال (۸۱۹) جامع مسجد میں تین شامیانے ہیں جو بعد کامیابی مقدمہ بنوائے گئے ہیں۔ ماہ رمضان المبارک میں چونکہ مصلیان کی کثرت ہوتی ہے اور وہ سہ شامیانے کافی نہیں ہوتے اور دھوپ کی شدت ہوتی ہے۔ اس لیے دو یا تین اور آخر جمعہ کو چار شامیانے کرایہ پر منگائے جاتے ہیں معمولی کرایہ فی شامیانہ ۸ر ہے مگر اس موقع پر بہت زیادہ کرایہ لیتے ہیں فی شامیانہ ایک روپیہ یا دو روپیہ ۸ر یہ مصارف مسجد میں شامل ہو کر جائز ہے یا نہیں۔؟ درصورت خلاف ہر دو سوال بیجد شور وغل برپا ہوتا ہے اور متولیان کی نسبت خصوصاً متولی منتظم کی بہت کچھ گفت وشنید اور الزام لگائے جاتے ہیں۔ بینوا ماہو الحق توجروا عند اللہ۔؟

الجواب۔ یہ ضرورت اغراض مسجد سے ہے اس لیے جائز ہے۔ ۲۱ رشعبان ۳۲ھ (تتمہ خامسہ ص: ۳۰۳)

## مروحہ بستن در مسجد (مسجد میں پنکھا لگانا)

سوال (۸۲۰) ما قولکم رحمکم اللہ۔ پنکھا لگانا مسجد میں بہ نیت ترویح مصلیان یا بارادۂ تزئین مسجد درست ہے یا نہیں اگر درست ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حر رمضان کی شکایت کیوں نہ دفع کی اور نہیں تو طرق مباحہ ملابس ومساکن ومطاعم وغیرہ وقنادیل وشامیانہ وغیرہ اشیائے تزئین میں اور اس میں کیا فرق ہے حاصل یہ ہے کہ یہ امر منجملہ بدعات قبیحہ ہے یا نہیں نصوص واشارات کتاب وسنت وروایات فقہیہ سے جواب عنایت ہو۔ بینوا توجروا من عند اللہ۔؟

الجواب۔ مسجد حقیقت میں ایک دربار شاہنشاہی خداوندی ہے اور اس میں نماز پڑھنی حاضری دربار شاہی ہے جیسے درباروں میں حاضر ہو کر بادشاہ کو آداب ومجرا بجالاتے ہیں اور آکر اظہار بندگی و پرستندگی کرتے ہیں اسی طرح مسجد میں حاضر ہونے سے یہی مقصود ہے کہ خداوند عالم کے روبرو دست بستہ کھڑے ہو کر اپنی عبودیت کا اظہار کریں حقیقت نماز کی یہی ہے اور اسی وجہ سے اس میں خشوع و خضوع پر نظر ہے جس قدر خشوع وخضوع بجالائے گا اتنی ہی اس کی بندگی پسند آئے گی جب یہ معلوم ہو چکا کہ مسجد ایک دربار ہے اور اس کے حاضرین درباری ہیں تو اب سمجھنا چاہئے کہ دربار کی رونق وعلو کو کوئی مکروہ وغیر مستحسن نہیں سمجھتا اور نہ درباریوں کی زیب وزینت کو کوئی مذموم وقبیح جانے مگر جو درباری صورت تکبر کی جو کہ منافی علت غائی حاضری یعنی بندگی کی ہے بنا کر آویں۔ نیز بادشاہ نیز اہل عقل کو

زشت و منکر معلوم ہوگا۔ اسی طرح جب مسجد دربار خداوندی ٹھیرا اور حاضرین درباری قرار دیئے گئے تو مسجد و اہل مسجد کی رونق و زینت کو تو عقل و نقل جائز رکھتی ہے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ فی بیوت اذن اللّٰہ ان ترفع [1] الایۃ وقال تعالیٰ خذوا زینتکم [2] عند کل مسجد الایۃ۔ البتہ حاضران دربار اگر صورت فخر و تکبر کی بنا کر حاضر ہوں بے شک مواخذ و معاتب ہوں گے۔ پس اب دیکھنا چاہئے کہ کون سی چیز زینت دربار اہل دربار ہے وہ درست ہوگی اور کون سی چیز فخر و تکبر کی ہے وہ قبیح ہوگی پس شامیان و قنادیل و فروش وغیرہا کہ مقصود ان سے زینت مسجد ہے برمحل ہوں گے اور مسجد میں پنکھا لگانا کہ بڑا مقصود اس سے ترویح مصلیان ہے بے موقع ہوگا کہ خود تو شاہنشاہ مطلق کے روبرو دست بستہ کھڑے ہیں اور خادم پنکھا کر رہا ہے کیسی نازیبا صورت ہوگی ادھر تو ارشاد ہے قوموا للّٰہ قانتین الأیۃ۔ اور یہ صورت قنوت و تواضع سے کس قدر درجہ دور ہے ع

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

اگر کوئی ادنیٰ حاکم کے دربار میں جائے کیسے ہی زیب و زینت کرے اور عمدہ کپڑے پہنے ہو وہ ناخوش نہ ہوگا اور جو ایک خادم ساتھ پنکھا کرتا جائے بے شک مورد عتاب حاکم ہوگا۔ پھر کیا خداوند جل شانہ کا اتنا بھی لحاظ و خیال نہیں صدق تعالیٰ وَمَا قدروا اللّٰہ حق قدرہ الأیۃ۔ پھر یہ کہ اس وقت کون کھینچے گا اگر کسی مسلمان سے کھچوایا تو اس کی نماز نہ پڑھنے پر راضی ہوئے اور اس کو ترک جماعت کا امر کیا اور جو کسی کافر سے کھچوایا تو بلا وجہ کافر کو مسجد [3] میں داخل کرنا کیا ضرور ہے [4] اور اگر نماز میں پنکھا نہ بھی کیا اور خارج نماز کیا تو کیا ہوا اول تو لگاتے اسی واسطے ہیں خارج نماز کے دستی پنکھے سے بھی ضرورت دفع ہو سکتی ہے پھر اتنا تکلف کرنا سوائے وقت نماز کے اور کس وقت کے لیے ہے دوسرے پھر بھی اس میں صورت فخر و تکبر کی ہے یہی وجہ ہے کہ پہلے لوگوں نے مساجد میں سب کچھ تکلف کیے مگر یہ کبھی نہیں سوجھی کیا وہ لوگ کر نہ سکتے تھے مگر یہی ہے کہ اس کی صورت ہی نہایت مکروہ ہے مساجد کیا دیوان خانے ہو جائیں گے رہے اور تکلفات مثل شامیانہ و قنادیل و فروش کہ محض زینت مکان کے لیے ہیں یہ چنداں

---

(۱) استدلال بعموم اللفظین ۱۲ منہ

(۲) کماتمس الحاجۃ الیہ غالباً ۱۲ منہ

(۳) کماتمس الحاجۃ الیہ غالباً ۱۲ منہ

(۴) بلکہ فتاویٰ مجمع برکات میں لکھا ہے کہ اگر دوسرا شخص نمازی کو پنکھا جھلے اور یہ نمازی اس سے راضی ہو تو نماز فاسد ہو جاوے گی عبارت اس کی یہ ہے۔ فی الجامع لو روح غیر المصلی مصلیا ورضی بروحہ تفسد صلوتہ عند مشائخنا وھو الاحوط لانہ یصیر مروحا فی الصلوٰۃ کذا فی خزانۃ الجلالیۃ انتہٰی۔ از رسالہ احکام التراویح اگرچہ یہ روایت مرجوح ہے لیکن غایت درجہ کی اس میں قباحت و شناعت ہوگی جو بعض بزرگوں نے اس کو مفسد سمجھا۔ ۱۲ منہ عفی عنہ

قبیح نہیں اگر چہ زائد از حاجت یہ بھی فضول ہیں اور اس قدر تزین واہیات ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ماامرت بتشیید المساجد اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما[1] فرماتے ہیں لتزخرفتها كما زخرفت اليهود والنصارىٰ۔ ابوداؤد۔ تو فی الواقع جس قدر تکلفات مساجد میں بڑھ گئے ہیں جو زائد حاجت سے ہیں سب فضول ہیں مگر چونکہ اصل سب کی محتاج الیہ ہے اگر چہ لوگوں نے اس پر زیادتیاں کرلی ہیں اس وجہ سے کسی درجہ کم بری ہیں مثلاً شامیانہ کہ حقیقت میں دھوپ سے بچنے کے لیے مثل چھت کے ہے اصل میں ایسی چیز محتاج الیہ ہے مگر اس پر یہ تکلفات کہ کپڑا اس کا رنگین ومنقش وبیش قیمت ومکلّف ہو یہ فضول ہے۔ فرش ہے اصل میں اس کی احتیاج ہے تاکہ کپڑے اور بدن خاک مٹی سے بچیں مگر اس میں یہ افراط کہ بیش بہا شطرنجیاں اور قالین اس پر اقسام اقسام بیل بوٹے یہ لغو۔ قندیل ہے اصل میں اس کی حاجت ہے تاریکی میں مسجد روشنی ضرور ہے مسجد کی دیواریں تیل سے بچانے کے لیے اور نیز چراغ کو ہوا سے بچانے کے لیے اگر چراغ کسی قندیل میں رکھدیا کچھ حرج نہ تھا مگر اس پر یہ زیادتی کہ ضرورت ایک کی وہاں بیسوں لٹک رہی ہیں کہیں چمنی کہیں فانوس کہیں گلاس کہیں ہانڈی کہیں جھاڑ کہیں لالٹین پھر اس میں موم اور چربی کی بتیاں حاجت سے زائد۔ یہ واہیات دیواریں ہیں پائداری کے لیے چونہ وگچ کافی ہیں پھر اس میں یہ تکلف کہ بیل بوٹے رنگ برنگ سرخ وزرد یہ سب فضول ہے اس لئے متولی کو فضولیات کا وقف سے بنانا جائز نہیں اگر بناوے گا ضمان آوے گا۔ اما المتولي يفعل من مال الوقف مايرجع الى احكام البناء دون ما يرجع الى نقش حتىٰ لوفعل يضمن۔ واللہ اعلم بالصواب ہدایہ جلد اول ص ۱۲۴۔

پس یہ سب تکلفات فضول اور واہیات ہیں اور ترک ان کا ضروری ہے مگر چونکہ اصل ان سب اشیاء کی محتاج الیہ ہے اس لیے ان میں چنداں قباحت نہیں بخلاف پنکھے کے کہ اصل میں اس کی کوئی حاجت شدید نہیں۔ ہوا سب جگہ آتی ہے مگر پھر بھی جس قدر تھوڑی بہت حاجت ہے اس کے لیے دستی

---

(۱) في صحيح البخاري امر عمر رضي الله عنه بناء المسجد وقال اكن الناس من المطر واياك ان تحمر او تصفر فتفتن الناس قال انس يتباهون بها ثم لا يعمرونها الا قليلا ج اول :ص: ٦٤ : ١٢ منه وايضا قال النبي صلى الله عليه وسلم في ذم الزمان الآتي مساجد هم عامرة وهي خراب ١٢ وقال الشامي في اقسام البدعة ناقلا عن الشرح الجامع الصغير للمناوي عن تهذيب النووي وقال مثله في الطريقة المحمدية للبركلي ومكروهة زخرفة المساجد انتهى ج اول ص:٢٧٦ لفظ منه

پنکھا کافی ہے۔ اب اس پر قناعت نہ کرنا اور گرجا گھر کی طرح پنکھا باندھنا مسجد کی صورت اور اپنی سیرت خراب کرنا ہے پھر شاید اپنے خادموں کو ساتھ لا کر نماز میں پاؤں دبوانے لگیں کہ یہ بھی ایک قسم کی راحت (۱) ہے۔ مگر جس شخص کو ذرا عقل سے بہرہ ہو وہ اس بات کو بے شک قبیح مستہجن سمجھے گا بندگی کرنے آیا ہے یا بندگی کرانے حضرت مولانا اسحاق محدث رحمۃ اللہ علیہ جب مسجد میں تشریف لاتے تھے جوتہ اپنے ہاتھ سے اٹھاتے اور کسی کو نہ دیتے تھے۔ خیر اس قدر احتیاط ہم ناکاروں سے نہیں ہو سکتی مگر جتنی بے احتیاطی ہو چکی چاہئے تو اس کی بھی درستی کریں جو یہ بھی نہ ہو سکے تو اور نئی تو نہ تراشیں۔ نقل مشہور ہے گزشتہ را صلوات آئندہ را احتیاط۔ **هذا مايحكم به (۲) العقل الصحيح ومضمار البحث والاستدلال فسيح**۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم ۱۲ / ذیقعدہ: ۱۳۰۰ھ (امداد ثانی ص: ۱۲۱)

## بادکشی وروشنی برقی در مسجد

سوال (۸۲۱) یہاں بجلی کا انجن منگایا گیا ہے جس سے روشنی اور پنکھے کا کام لیا جاوے گا اگر مسجد میں اس کی روشنی کی جاوے یا اس کا پنکھا لگایا جاوے جو خود بخود چلے گا اور کسی قسم کا شور یا بدبو نہ ہوگی تو جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ جائز ہے۔ ۷/ رجب: ۱۳۳۱ھ (حوادث اول وثانی ص: ۱۰۲)

## منع متولی عوام را از چاہ مسجد

سوال (۸۲۲) مسجد کا کنواں متولی مسجد بزعم خود احتیاط وطہارت کے لیے سفید پوش نمازیوں کے سقاء وشرب ووضو غسل کے لئے مخصوص کرتا ہے کہتا ہے کہ عام اہل محلّہ کے گھروں پر لیجانے کے لیے بھی نہیں ہے عوام کے ظروف جو بھرنے کو لاتے ہیں پھوڑ دیئے جاتے ہیں۔؟

الجواب۔ منع کرنا تو تنظیف وتطہیر مسجد کے لئے جائز ہے جبکہ قریب دوسرا ایسا ہو جس سے عوام کی رفع احتیاج ہو سکے لیکن گھڑے پھوڑ دینا ظلم اور حرام ہے اسی طرح اگر دوسرا کوئی کنواں نہ ہو تب بھی منع کرنا حرام ہے۔ واللہ اعلم۔ ۳۰/ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد ثانی: ۱۸۲)

## جواز تربع در مسجد

سوال (۸۲۳) زید کہتا ہے کہ مسجد میں چارزانو بیٹھنا سخت بے ادبی ہے اور سخت بے ادبی

---

(۱) یا مسند تکیے لگنے لگیں یا میز کرسی بچھنے لگیں اس میں بھی آسائش ہے ۱۲ منہ عفی عنہ۔
(۲) ان سب کا حاصل لزوم مفاسد لغیرہ ہے پس اگر بعض اکابر سے اس کی اجازت منقول ہو اس کا حاصل اباحت فی نفسہ ہے فلا تعارض ۱۲ منہ

ہونے کی وجہ سے ناجائز۔ حتی الامکان دوزانو بیٹھے اور مجبوری سے چارزانو بیٹھنے کی اجازت ہوسکتی ہے اور جو شخص چارزانو بیٹھتا ہے خواہ خالی بیٹھے یا کچھ قرآن مجید یا وظیفہ پڑھنے کے لیے بیٹھے تو اس سے ناراض ہوتا ہے اور اس کو ملامت کرتا ہے علیٰ ہذا القیاس اس طرح بیٹھنے کو سخت گستاخی سمجھتا ہے کہ آدمی بعد نماز اپنے داہنے پاؤں کو کھڑا کرلے اور پاؤں کو جو قعدہ میں بچھا تھا بچھا رکھے علیٰ ہذا القیاس اس طرح بیٹھنے کو بھی ناجائز بتاتا ہے کہ آدمی اپنے سرین اور دونوں قدموں پر بیٹھے اور دونوں پنڈلیوں کو دونوں ہاتھوں کے حلقے میں لے لے خلاصہ یہ ہے کہ زید دوزانو بیٹھنے کے سوا مسجد میں ہر نشست کے بے ادبی کے سبب ناجائز بتاتا ہے بلکہ مسجد کے باہر بھی قرآن یا وظیفہ پڑھنے کے وقت دوزانو بیٹھنے کے سوا ہر نشست کو جناب باری جل جلالہ میں بے ادبی و گستاخی سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ حضرت سفیان ثوریؒ مسجد میں ایک بار اپنے سرین اور دونوں قدموں پر بیٹھے تھے کہ جناب باری جل جلالہ کی طرف سے عتاب ہوا اور غیب سے آواز آئی کہ او ثور (بیل) یہ کیا بے ادبی و گستاخی ہے اسی دن سے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام کے ساتھ ثوری کا لفظ اضافہ ہوگیا۔ عمرو کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد نماز صبح چارزانو ہی بیٹھے ہوئے ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے جب آفتاب بلند ہوتا تو دو رکعت یا چار رکعت نماز اشراق ادا فرماتے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چارزانو بیٹھنا بھی مسنون ہے نہ بے ادبی و گستاخی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اللہ جل شانہ کا ادب اور خوف کسی کے دل میں نہیں ہوسکتا جب آپ نے یہ نشست اختیار فرمائی تو صاف ظاہر ہے کہ اس میں عین ادب ہے نہ گستاخی و بے ادبی علیٰ ہذا القیاس سرین اور قدموں پر بیٹھنا بھی بعض احادیث میں آیا ہے۔ البتہ نماز میں بلا عذر اس طرح بیٹھنا ضرور خلاف ادب ہے خارج نماز بعض اوقات اس طرح بیٹھنا مسنون ہے۔ علیٰ ہذا القیاس بعد نماز داہنا پاؤں کھڑا کرلینا بھی بعض اکابر سے ثابت ہے جو کم از کم جائز ضرور ہے اور کسی طرح قابل ملامت نہیں رہا حضرت سفیان ثوریؒ کا قصہ وہ بے بنیاد ہے سند صحیح سے ثابت نہیں کتب تصوف سے معلوم ہوتا ہے چارزانو بیٹھنا خلاف ادب نہیں بلکہ ادب کے موافق ہے کیونکہ تسبیح دوازدہ کے وقت اول چارزانو ہی بیٹھتے ہیں اور رگ کیماس کو دبا کر ضربیں لگاتے ہیں اگر یہ نشست اللہ تعالیٰ کو مبغوض و ناپسند ہوتی تو اہل تصوف جو کہ کمال ادب جناب باری جل جلالہ کا ہر وقت ملحوظ رکھتے ہیں کبھی اس کو اختیار نہ فرماتے پھر لطف یہ کہ اول ہی میں اختیار فرماتے ہیں یہ بھی نہیں کہ آرام لینے کی غرض سے آخر میں چارزانو بیٹھتے ہوں۔ اس کے علاوہ قراء اکثر چارزانو ہی بیٹھنا پسند فرماتے ہیں کیونکہ چارزانو بیٹھنے میں سینہ سے آواز بہ آسانی نکلتی ہے اور قرآن پڑھنے میں تکلف نہیں کرنا پڑتا۔ زید و عمرو کے خیالات ظاہر کرنے کے بعد یہ بات دریافت طلب ہے کہ جو بات صحیح اور موافق حدیث وفقہ وتصوف ہو اس سے اطلاع فرمایئے تاکہ اس کے موافق اعتقاد وعمل رکھا جائے۔؟

الجواب۔ عمرو کا قول صحیح ہے۔ حدیث تو سائل نے لکھدی ہے۔ قاضی خان میں ہے۔ وھو کالتربع فی الجلوس والاتکاء قالوا ان کان ذلك علیٰ وجه التجبر یکرہ وان کان لحاجة ضروریة لایکرہ اھ قلت ومن الحاجة طلب الراحة۔ اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ محض کسی کا تراشیدہ خلاف نقل وخلاف لغت ہے۔ فی القاموس۔ وثور ابو قبیلة من مضر منهم سفیان بن سعید اور خلاف نحو بھی کیونکہ ثوری پر الف لام آتا ہے الثوری اگر ثوری کے وہ معنی ہوتے جو زید نے دعویٰ کیا ہے تو اس ترکیب میں اضافہ معنویہ ہوتے ہوئے الف لام کا داخل ہونا اس پر کس طرح جائز ہوتا۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ثانی ص: ۱۸۷)

## حکم شامل کردن زمین نابالغ در مسجد

سوال (۸۲۴) جس زمین کو مسجد میں شامل کرنا چاہتا ہوں اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ جو صورت شرعاً درست ہو ویسا کیا جاوے یعنی مسجد کے پچھم جانب ۴ بسوہ زمین افتادہ ہم ہی لوگوں کی ہے جس میں سے تقریباً ایک بسوہ زمین مسجد میں شامل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے سب شرکاء راضی ہیں صرف یتیم نابالغ کی وجہ سے گڑبڑی ہے جو صورت شرعاً تجویز کی جاوے ویسا انتظام کیا جاوے مفتی ......صاحب نے تو لکھا ہے کہ مبادلہ نہیں ہوسکتا کیونکہ بھائی ایسا ولی نہیں جو اس قسم کا تصرف کر سکے اس لیے سخت وقت پیش آ رہی ہے۔ میرا خاص حصہ اس زمین مین ۱۷۶ سہم ۲۸ سہم ہے باقی شرکاء زمین کے دینے پر راضی ہیں کوئی تردد نہیں جواب جلد مرحمت فرمایا جاوے کیونکہ سب امور طے ہوگئے ہیں۔؟

الجواب۔ اس کو تصریحاً لکھئے کہ اگر بجز نابالغ کے دوسرے سب شرکاء اس زمین ملحق بالمسجد سے اپنا حصہ تقسیم کر کے لے لیں تو جو حصہ نابالغ کا بچ جاوے وہ اس سے منقطع ہوسکتا ہے یا نہیں۔

رجب ۱۳۳۶ھ (تتمۂ خامسہ ص: ۶۰)

## بیع متولی اسباب مسجد را

سوال (۸۲۵) متولی مسجد، مسجد کی کوئی شئی کسی وجہ سے فروخت کرسکتا ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ یہ شئی جس کا بیچنا چاہتے ہیں اگر فرش وجاء نماز وغیرہ ہے یعنی ایسی چیز ہے جو مسجد کی عمارت میں متصل نہیں اور منقول ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ جس نے یہ شئی مسجد میں دی ہے وہ اس کو بیچ سکتا ہے اگر وہ نہ ہو اس کا وارث اور جب وہ بھی نہ ہو تو باجازت قاضی اسلام یا باتفاق اکثر اہل اسلام بیع جائز ہے اور اگر وہ شئے ایسی ہے جو مسجد کے اندر بطور جزو کے لگ چکی تھی پھر جدا ہوگئی جیسے کڑی تختہ وغیرہ یا اینٹیں بعد انہدام کے تو قاضی یعنی حاکم اسلام کی اجازت سے۔ اور اگر وہ نہ ہو تو اکثر اہل اسلام کے

اتفاق سے اس کی بیع جائز ہے اور اگر وہ شئے از قسم جائداد غیر منقول ہے جو مسجد کے لیے وقف ہے تو اس کا بیچنا کسی طرح جائز نہیں۔

فی العالمگیریة من کتاب الوقف ذکر ابو اللیث فی نوازله حصیر المسجد اذا صارت خلقا واستغنی اهل المسجد عنها وقد طرحها انسان ان کان الطارح حیا فهوله وان کان میتا ولم یدع وارثا اجوان لاباس بان یدفع اهل المسجد الٰی فقیر او ینتفعوا به فی شراء حصیر اخر للمسجد والمختار انه لایجوز لهم ان یفعلوا ذلك بغیر امر القاضی کذا فی المحیط السرخسی وفی المنتقی بواری المسجد اذا خلقت فصارت لا ینتفع بها فاراد الذی بسطها ان یاخذها ویتصدق بها بعد ماخلقت لم یکن لهم ذلك اذا کانت لها قیمة وان لم یکن لها قیمة لاباس بذالك کذا فی الذخیرة وایضاً فیها اهل المسجد لو باعوا غلة المسجد او نقض المسجد بغیر اذن القاضی الاصح انه لا یجوز کذا فی السراجیة وایضًا فیها وفی الفتاویٰ النسفیة سئل عن اهل المحلة باعوا وقف المسجد لاجل عمارة المسجد قال لایجوز بامر القاضی وغیره کذا فی الذخیرة اهـ قلت قد سمعت استاذی ان عامة اهل الإسلام بمنزلة القاضی قلت لان ولایته مستفاد منهم فکانه هم وکانهم هو۔ فقط والله اعلم۔

(امداد ثانی ص: ۹۰)

## مسجد میں گھنٹہ رکھنے کا جواز

سوال (۸۲۶) مساجد میں گھنٹہ دار گھڑی لگانا جیسا عموماً رواج ہوتا جاتا ہے بوجہ عدم نقل از سلف وفی الجملہ مشابہت آواز جرس کچھ مکروہ نہیں۔؟

الجواب۔ خلاف اولیٰ کہنے کی تو گنجائش ہے لیکن ناجائز نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ وہ جرس ممنوع نہیں بلکہ آلۂ مفیدہ معرفت وقت کا ہے فقہاء نے خود طبل سحر کی اجازت لکھی ہے اور مسجد میں ہونا اس لیے مصلحت ہے کہ وہاں معرفت اوقات نماز کی زیادہ حاجت ہے۔ ۲۶؍شوال ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص: ۱۴۳)

سوال (۸۲۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے اندر ایسی گھڑی رکھنا جو آواز زور سے آدھ گھنٹے کے بعد دیتی ہے اور ہر وقت تھوڑی تھوڑی آواز بدلی وغیرہ کے دنوں میں وقت نماز کے پہچاننے کے لیے جائز ہے یا نہیں۔ اور اگر گھڑی مذکور مسجد سے خارج ہو مگر آواز مسجد کے اندر جاتی ہو تو اس صورت میں بھی رکھنا جائز ہے یا نہیں اور ان دونوں صورتوں کی آواز سے نماز میں کراہت ہوگی یا نہیں۔؟

الجواب۔ مسجد کے اندر گھنٹہ دار گھڑی بغرض اعلام وقت کے جائز ہے اور چونکہ بعض لوگ بینائی کم رکھتے ہیں بعضے نمبر نہیں پہچانتے اور بعض دفعہ روشنی کم ہوتی ہے اس لیے ضرورت ہوتی ہے آواز دار گھڑی کی تو اس مصلحت سے یہ جرس ممنوع سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ عالمگیریہ میں بعض فروع اس قسم کی لکھی ہیں اور حدیث میں تصفیق کی اجازت عین صلوٰۃ میں مصلحت کے لیے دلیل بین ہے مشروعیت صوت جس میں متقارعین لمصلحۃ الاعلام المتعلق بالصلوٰۃ کی۔ ۳؍شعبان ۱۳۳۱ھ (حوادث اول وثانی ص: ۱۰۹)

## نقش کردن آیات در محراب مسجد وغیرہ

سوال (۸۲۸) مساجد میں سنگ مرمر پر آیات قرآنی کندہ کرا کر لگانے کا کیا حکم ہے اگر جائز ہے تو اچھا ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فقہاء نے مکروہ لکھا ہے بوجہ احتمال بے ادبی کے۔ لیکن اگر کندہ ہو کر لگ گئے ہوں تو اب اس کا اکھاڑنا بے ادبی ہے۔ لہٰذا اس کی حالت پر چھوڑ دیا جاوے۔ ۷؍جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص: ۲۶)

## روشن داشتن چراغ در مسجد غیر وقت نماز

سوال (۸۲۹) مغرب وعشاء کے مابین اندرون مسجد چراغ روشن رکھنا اگرچہ نمازیوں کی آمدورفت نہ ہو کیا ضروری ہے یعنی چراغ جلانا نمازیوں کے آسائش کے لیے یا فی نفسہ مسجد کی کوئی تعظیم ہے کہ ضرور روشن ہی ہو۔؟

الجواب۔ یہ وقت ایسا ہے کہ کسی کا مسجد میں آ جانا تلاوت کے لیے یا نوافل کے لیے بعید نہیں بعضے آ بھی جاتے ہیں نیز مسجد کی اس میں حفاظت بھی ہے کہ کوئی جانور وغیرہ آ جاوے تو دیکھ کر دفع کر دیا جاوے بلکہ روشنی میں آتے بھی کم ہیں اس لیے بلانکیر ایسے وقت میں مساجد میں روشنی رہنا شائع ومعتاد ہے۔ ۲۹؍جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص: ۳۳)

## حکم دخول کافر در مسجد

سوال (۸۳۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قنوج میں جامع مسجد شاہی واقع ہے اس کو تعمیر ہوئے ساڑھے پانچ سو سال کا عرصہ گزرا اس سے قبل ہندوؤں کا دیول یعنی بت خانہ تھا لہٰذا مسجد کی تعمیر کو اتنا زمانہ ہوا مگر ہندو اب تک اس کو سیتا کی رسوائی سمجھ کر دیکھنے آتے ہیں تو ان کو مسجد کے اندر جس جگہ نماز پڑھی جاتی ہے مؤذن وغیرہ لالچ کی وجہ سے جانے کی اجازت دیدیتے ہیں وہ لوگ ننگے پیر ہوتے ہیں اور زانو کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور عورتیں لہنگا پہنے ہوتی ہیں۔ لہٰذا ایسی حالت میں ان

کو مسجد کے اندر جس جگہ نماز پڑھی جاتی ہے داخل ہونے کی اجازت ہے یا نہیں۔ اور مشرک لوگ ناپاک ہیں اس وجہ سے ہم ان کو مسجد کے اندر داخل ہونے سے منع کرتے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ ظاہر میں نجاست نہ ہو تو داخل ہونا جائز ہے۔ میرا یہ سوال ہے کہ جب مشرکوں کے ناپاک ہونے کا ثبوت ہے تو ان کی ظاہر و باطن نجاست میں کیا فرق ہے۔ اور اگر مشرکوں کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے اور جو صاحبان مسجد کے اندر مشرکوں کو داخل ہونے کی اجازت دیتے ہیں ان کو کیا ثواب ملتا ہے اور میرے منع کرنے سے کیا مجھ کو عذاب حاصل ہوتا ہے اور ہندو مسلمانوں کو اپنے مندروں اور بت خانوں میں جانے سے منع کرتے ہیں اس خیال سے اگر ہم بھی منع کریں تو کیا مضائقہ ہے۔ اور ان کے پیر ننگے ہونے کی وجہ سے گرد و غبار میں آلودہ ہوتے ہیں اگر ان سے پیر دھونے کے واسطے کہا جاوے تو کیا حرج ہے۔ پیر میلے ہونے کی وجہ سے داخل ہونا ناگوار گزرتا ہے۔ جواب شافی سے مطلع فرمائیے۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار احکام المسجد قبیل باب الوتر والنوافل ما نصه وادخال نجاسة فيه وعليه فلا يجوز الاستصباح بدهن نجس فيه ولا تطيينه بنجس ولا البول والفصد فيه ولو في اناء ويحرم ادخال صبيان ومجانين حيث غلب تنجيسهم والا فيكره اهـ في ردالمحتار تحت قوله وادخال نجاسة فيه عن الفتاویٰ الهندية لايدخل المسجد من على بدنه نجاسة اهـ

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مشرکوں کے ابدان یا بواطن کے نجس و غیر نجس ہونے کی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ جب مسلمان بچوں کا جب کہ غالب احوال میں ان کا بدن نجس ہوتا ہے مسجد میں داخل کرنا حرام ہے تو بالغین کفار جہاں علاوہ نجاست غالبہ کے دوسرے موانع بھی ادخال مسجد کے مجتمع ہیں ان کو مسجد میں داخل ہونے کی کیسے اجازت دی جاوے گی اور نجاست کا ان پر غالب ہونا ظاہر ہے خصوص پاخانہ کے بعد ازالہ نجاست کا اہتمام نہ ہونا ان کا یقینی ہے اور دوسرے موانع میں سے بڑا مانع یہ ہے کہ وہ مندروں میں مسلمانوں کو نہیں جانے دیتے تو غیرت اسلامی ضرور مانع ہونا چاہئے۔

۱۰ رصفر ۱۳۵۳ھ (النور ص:۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ)

## حکم مسجد ساختن در جائیکہ بعد ایک مدت ویراں شود

سوال (۸۳۱) آستانہ شہر سے ۴ میل فاصلہ پر ہے اور ہر چہار طرف ایک ایک میل تک کو آبادی کسی طرح کی نہیں ہے میرے ساتھ چند خادم رہتے ہیں نماز با جماعت ہوتی ہے آستانہ میں ایک جگہ نماز کے لئے مخصوص رہتی ہے جو موسم کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے اسی طرح رمضان المبارک میں تراویح کا انتظام ہے کبھی شہر سے زیادہ آدمی آجاتے ہیں تو مجبوراً میدان میں جماعت ہوتی ہے۔

میں نے ارادہ کیا ہے کہ آستانہ سے متصل مسجد بناؤں مختصر تعمیر ہوگی بعض اہل علم حضرات نے کہا جب تک تم یہاں ہو مسجد آباد رہے گی تمہارے بعد ویران ہو جائے گی کیونکہ ایسی پرخطر وغیر آباد جگہ میں کون قیام کرے گا اس لئے یہاں مسجد بنانا خواہ وہ بالکل مختصر ہو مناسب نہیں۔ حضرت کے ارشاد کا طالب ہوں۔؟

الجواب۔ میں وجداناً بھی اور دلیل سے بھی ان اہل علم حضرات سے متفق ہوں وجدان کا علم تو مجھ ہی کو ہے اور دلیل یہ ہے کہ مقصود مسجد بنانے سے تو تضاعف اجر ہے جس کی توقع غیر مسجد میں نہیں لیکن احادیث سے ثابت ہے کہ خود صحراء میں نماز پڑھنا گو بغیر مسجد کے ہو اور گو بغیر جماعت کے ہو موجب تضاعف اجر ہے جب مسجد کی غرض بغیر مسجد کے بھی حاصل ہے پھر مسجد بنا کر اس کو خطرۂ ویرانی و بےحرمتی میں کیوں ڈالا جائے وہ احادیث یہ ہیں۔

فی الترغیب والترهیب للحافظ عبدالعظیم المنذری مانصه الترغیب فی الصلوٰة فی الفلاة قال الحافظ رحمه الله قد ذهب بعض العلماء الیٰ تفضیلها علیٰ الصلوٰة فی الجماعة وعن ابی سعید الخدری قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الصلوٰة فی الجماعة تعدل خمسة وعشرین صلاة فاذا صلاها فی فلاة فاتم رکوعها و سجودها بلغت خمسین صلاة. رواه ابو داؤد رواه الحاکم بلفظه وقال صحیح علیٰ شرطهما ورواه ابن حبان فی صحیحه اهـ مختصراً۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ (النور ص:۸ صفر المظفر ۱۳۵۵ھ)

## مسجد کے دریا برد ہونے کے خوف سے اس کو منہدم کرنا

سوال (۸۳۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دریائے راوی نے ہمارے قصبۂ سیدوالہ کو گرانا شروع کردیا ہے قصبہ کی آبادی کا ایک حصہ دریا نے کاٹ کر صاف کردیا ہے اور بعض بڑے بڑے مقامات گر چکے ہیں دریائے مذکور کی حالت اس قسم کی خوف ناک ہو چکی ہے جس سے اہالیان شہر کا متفقہ خیال ہو چکا ہے کہ اب یہ شہر ضرور منہدم ہو جاوے گا لوگ نئی آبادی کی بنیاد ڈالنے کے واسطے تجاویز کر چکے ہیں۔ اس قصبہ میں تقریباً چھ سات مساجد اہل سنت والجماعت مسلمانوں کی ہیں اور وہ قصبہ کے باقی محلات کے ساتھ سخت خطرہ میں ہیں اگر دریا شہر کو کاٹ کر بتدریج ان مساجد کے قریب پہنچے اور ان کو گرانا شروع کردے جس سے یقیناً تمام ملبہ۔ پختہ اینٹیں لکڑی کا سامان۔ شہتیر۔ باسے وغیرہ دریا میں غرق ہو جاویں گے یا بہہ جائیں گے اور چونکہ یہاں کے مسلمان بہت مفلوک الحال اور افلاس زدہ ہو چکے ہیں اس قسم کی پختہ عمارات زمانہ قدیم کی تعمیر شدہ ہیں اس صورت میں اور متذکرۃ الصدر حالات کے ماتحت اگر مسلمان مساجد کا تمام ضروری اور کارآمد ملبہ پختہ فرشوں کے اکھیڑ لیں تا کہ نئی مساجد کی تعمیر میں لگایا جا سکے تو شرعاً مسلمانوں کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں یعنی

تحریم مساجد کے منافی تو نہیں جس سے خدا وخدا کے رسول ﷺ کے نزدیک قابل مواخذہ ہو جواب بہت جلد ارسال فرمادیں کیونکہ تباہی ہمارے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ بینوا توجروا۔؟

**الجواب۔** نازک مسئلہ اور بڑے درجہ کے سائل۔ اس کا جواب تو جماعت محققین کے مشورہ سے دیا جانا مناسب تھا اب بھی ممکن ہے کہ دیوبند سے رجوع فرمایا جاوے۔ اور یہ میری تحریر بھی بھیجدی جاوے باقی امتثال امر کے لئے میں بھی اپنا خیال عرض کر دوں۔ جزئیہ کا حوالہ تو ذہن میں نہیں قواعد سے عرض کرتا ہوں اگر غالب گمان گرنے کا نہ ہو تو ہدم جائز نہیں اور اگر غالب گمان ہو تو اس نیت سے جائز ہے (اور اس نیت کا اعلان بھی کر دیا جاوے) کہ اگر دریابُرد ہوگئی تو اس کے ملبہ سے نئی آبادی میں مسجد بنالیں گے اور اگر سالم رہی تو پھر اصلی جگہ تعمیر کر دیں گے اور یہ سب تفصیل اس وقت ہے کہ جب خود منہدم ہو جانے کے وقت حمل ونقل کی قدرت نہ رہے گی ورنہ خود انہدام کا انتظار ضروری ہے۔

۲۰ رجمادی الاولیٰ ۵۴ ۱۳۵۴ھ (النور ص: ۸ ربیع الثانی ۵۵ ۱۳۵۵ھ)

## مسجد کی تعمیر شروع کرا کر نماز کی اجازت پھر انکار کرنے سے مسجد ہوتی ہے یا نہیں

سوال (۸۳۳) علمائے دین سے گزارش ہے کہ صورت ذیل میں شرع شریف کا جو حکم ہے اس سے مطلع فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ ایک شخص مسمی خلیل احمد نے ایک قطعۂ زمین خریدی۔ اس زمین سے ایک خاص قطعہ کو جس کی چوحدی واضح کر دی مسجد بنوانے کے لئے مخصوص کر دیا۔ اور پوری زمین کا نقشہ اس طرح بنوایا کہ مسجد کے لیے مخصوص کردہ قطعہ پر دومنزلی مسجد کا نقشہ دکھایا اور باقی پر مکان دوکان کا نقشہ دکھایا اور یہ نقشہ پاس ہو گیا مسجد بنوانے کے لیے اجازت ہوگئی اجازت حاصل ہونے کے بعد اشخاص محلّہ اور بعض اعیان شہر کے سامنے مسجد کی بنیاد قائم کی اور سمت قبلہ قاعدہ سے ٹھیک کر کے اپنے ایک عزیز کی نگرانی میں مسجد کی تعمیر شروع کرادی چنانچہ نیچے کی منزل کی دیواریں مسجد نما بن گئیں اس کے بعد خلیل احمد صاحب نے مسمی مولوی محمد عابد سے (جو کہ اس مسجد زیر تعمیر کے پاس مطب قائم کیے ہوئے تھے) فرمایا کہ مجھ سے اس مسجد کی تکمیل نہیں ہو سکتی ہے آپ چندہ یا جس طریق سے چاہیں تکمیل کرالیں خلیل احمد کے کہنے کے مطابق مولوی محمد عابد صاحب نے تکمیل کے کام کو انجمن تبلیغ اسلام کے حوالہ کیا اور انجمن نے چندہ سے کام شروع کرادیا اور نیچے کے درجہ میں تبلیغ کا مکتب قائم کر دیا اور کچھ عرصہ تک اس میں مکتب قائم رہا جبکہ انجمن کی طرف سے اکثر حصہ چھت وغیرہ کا پٹ گیا تو خلیل احمد صاحب نے فرمایا کہ میرے والد خود اس کی تکمیل کریں گے انجمن والے اپنا حساب دیدیں تا کہ ان کو روپیہ دیدیا جائے۔ انجمن والوں نے حساب دیدیا مگر باوجود تقاضا و دوادوش کے کچھ عرصہ تک روپیہ انجمن کو واپس نہیں کیا اور خود بھی کام شروع نہیں کیا بالآخر مولوی محمد عابد صاحب نے جن کے ذمہ تکمیل کا کام آیا تھا قریب کے ان

مسلمانوں کو جو کہ اپنی دو دکانوں میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے اجازت دیدی کہ مسجد کی چھت پر جماعت سے نماز پڑھ لیا کریں جب چھت پر اذان اور نماز ہونے لگی (جس جگہ یہ مسجد قائم کی گئی ہے وہاں مسلمانوں کے اعتبار سے ہندوؤں کی آبادی زیادہ ہے) ہنود نے اذان اور نماز سے مزاحمت تو نہیں کی مگر ان کو ناگوار ضرور ہوا اور خفیہ طریق سے ان کے مشورے ہوتے رہے مولوی محمد عابد صاحب نے ہنود کی طرز مخالفت کو محسوس کر کے خلیل احمد اور ان کے والد کو (جو کچھ عرصہ سے ملازمت کی وجہ سے لکھنؤ میں قیام رکھتے تھے) لکھنؤ خط لکھا کہ مسجد کی چھت پر جب سے اذان نماز ہونے لگی ہے ہنود کا خیال ہے کہ مسجد بنوانا پاس نہیں ہوا ہے اذان نماز یہاں کیوں ہوتی ہے آپ مہربانی فرما کر نقشہ لیکر تشریف لایئے اور اہل ہنود کو نقشہ دکھلا کر مطمئن کر دیجئے۔ دو ہفتہ تک کوئی جواب نہیں آیا تو پھر تاکیدی خط لکھا گیا چند یوم کے بعد خلیل احمد صاحب تشریف لائے تو بجائے اس کے کہ ہنود کو نقشہ دکھلا کر مطمئن کرتے انہیں لوگوں میں یہ اعلان شروع کر دیا کہ پہلا نقشہ میں نے منسوخ کرا دیا ہے اور اس پوری زمین کو میں فروخت کرنا چاہتا ہوں او مولوی محمد عابد صاحب کو بھی نقشہ دکھلایا جس میں صرف ترمیم اس قدر تھی کہ اوپر کے حصہ میں مسجد کی شکل نہیں دکھائی تھی اور نیچے کے حصہ میں سمت قبلہ وغیرہ بجنسہ سابق تعمیر کے موافق تھی۔ خلیل احمد صاحب کا یہ کہنا تھا کہ مسجد نقشہ سے منسوخ کرا دی ہے۔ ہنود میں خوشی کے چرچے ہونے لگے اور فوراً بیس پچیس قدم کے فاصلہ پر مندر بنوانے کے درخواست گزر گئی۔ حکام امپرومنٹ ٹرسٹ کی تحقیق میں جب یہ آیا کہ قریب میں مسجد کی بنیاد قائم ہوئی ہے وہ درخواست مندر کی نامنظور کر دی۔ اب خلیل احمد صاحب علانیہ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ مسجد میں نے منسوخ کرا دی ہے اور کہیں بنوالوں گا اگر یہاں مسجد بنے گی تو ہماری زمین فروخت نہیں ہوگی اس لیے کہ ہم کو قیمت ہندوؤں سے زیادہ ملے گی اور وہ مسجد ہونے کی صورت میں خرید نہیں کریں گے۔ محض جائداد فروخت کرنے کی غرض سے اپنی نیت خراب کر رکھی ہے نہ خود مسجد کی تکمیل کراتے ہیں نہ مسلمانوں کو تکمیل کرنے دیتے ہیں اور ہندوؤں کو مندر بنوانے کا موقع دے رہے ہیں۔ مذکورۂ بالا تفصیل کے ملاحظہ کے بعد ارشاد ہو کہ یہ مسجد قرار پا گئی یا نہیں۔ بصورت اول مسلمانوں کو حق ہے کہ اپنے اثر سے اس مسجد کی تکمیل کر لیں اور مندر بنانے کا موقع نہ دیں۔ انجمن والوں کو خاموش کرنے کے لیے منجملہ اٹھاون روپیہ کے صرف مبلغ پچھتر روپے دیدیئے ہیں باقی ہنوز باقی ہیں۔

نوٹ:۔ خلیل احمد صاحب نے خود نماز نہیں پڑھی مگر حق مسلمانوں کو دیدیا اور مسلمانوں کا بنوانا اور حق تسلیم کر لیا اور نماز و اذان کی اطلاع پر دو تین ہفتہ تک خاموش رہے۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار یزول ملکه عن المسجد والمصلی بالفعل و بقوله

جعلته مسجدا عند الثاني وشرط محمد والامام الصلوٰة فيه وفي ردالمحتار قوله بالفعل اى بالصلوٰة فيه ففي شرح المنتقى انه يصير مسجدا بلا خلاف ثم قال عند قول المنتقى وعند ابي يوسف يزول بمجرد القول ولم يردانه لايزول بدونه لما عرفت انه يزول بالفعل ايضًا بلاخلاف اھ قلت وفي الذخيرة وبالصلوٰة بجماعة يقع التسليم بلاخلاف حتٰى انه اذا بنى مسجداواذن الناس بالصّلوٰة فيه جماعة فانه يصير مسجدا اھ في العالمگيرية الباب الحادى عشر واذا سلم المسجد الٰى متولي يقوم بمصالحه يجوز وان لم يصل فيه وهو الصحيح كذا في الاختيار شرح المختار وهو الاصح كذا في محيط السرخسي اھ۔

ان روایات میں مسجد کے مسجد ہونے کی جتنی شرطیں ہیں متفق علیہ یا مختلف فیہ واقعہ مسئول عنہا میں سب محقق ہیں قول بھی چنانچہ بار بار زبانی بھی نقشہ میں بھی معاملہ سے بھی اس کو مسجد کے لقب سے ذکر کیا۔ فقہاء نے یا طالق یا حر سے طلاق واعتاق کا حکم کر دیا ہے اور وقف امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مثل اعتاق کے ہے۔ اور فعل بھی چنانچہ اس میں نماز باجماعت ادا کرنے کو جائز رکھا جس سے اذن پایا گیا۔ تسلیم بھی چنانچہ اس کی تکمیل کا انتظام ایک مولوی صاحب کے حوالہ کیا جو بانی کے ملازم بھی نہیں تولیت کی حقیقت اسی شان کا انتظام ہے پس جب سب شرطیں مسجد ہونے کی پائی گئیں اور کوئی مانع نہیں پایا گیا اس لیے وہ زمین مسجد ہوگئی۔ اب بانی کا انکار محض لغو ہے۔ واللہ اعلم۔ آخر شعبان ۱۳۵۴ھ (النور ص: ۷ شوال المکرم ۱۳۵۵ھ)

## حکم خفتن در مسجد

سوال (۸۳۴) زید کے مکان کے قریب مسجد بہت ہوادار ہے دو پہر کے وقت مکان سے اس میں زیادہ عافیت ہوتی ہے اگر زید اس وقت اس غرض سے مسجد میں جا کر سو رہے اور پھر نماز ظہر ادا کر کے چلا آوے تو کسی قسم کی توہین مسجد تو نہیں ہے اور زید مرتکب توہین مسجد تو نہیں۔؟

الجواب۔ في الدرالمختار واكل ونوم الا لمعتكف وغريب في ردالمحتار واذا اراد ذلك ينبغي ان ينوي الاعتكاف فيدخل ويذكر الله تعالٰى بقدر مانوى او يصلي ثم يفعل ماشاء فتاویٰ هندية. ص: ۶۹۱ ج: ۱

اس سے معلوم ہوا کہ بجز معتکف یا مسافر کے اوروں کو مسجد میں سونا مکروہ ہے لیکن اگر کسی کو سخت ضرورت واقع ہو مثلاً گھر کی گرمی کا تحمل نہیں کر سکتا تو یہ حیلہ کرے کہ مسجد میں تھوڑی دیر کی اعتکاف کی نیت کر لے مثلاً بعد ظہر تک کی اور پھر اس میں داخل ہو کر تھوڑا وقت عبادت وذکر میں بھی صرف کر دے پھر وہاں سو رہے اور ظہر پڑھ کر باہر آ جاوے۔ ۱۷ ررمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص: ۷۸)

## مسجد کے صحن میں چارپائی بچھانا

سوال (۸۳۵) کیا رائے ہے اس مسئلہ میں ایک طالب علم نے اتفاقاً نواڑ کا پلنگ اپنی مسجد کے صحن میں جہاں لوگ وضو کیا کرتے ہیں وہاں بچھایا۔ اب بعض شخص نے اعتراض کیا کہ جائز نہیں۔ اب گزارش ہے کہ طالب علم کی معذوری کو دیکھئے کہ کہاں تک ہے ارشاد فرمائیے کہ جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی نفسہ جائز ہے اگر پاک ہو مگر چونکہ عرفاً یہ خلاف ادب ہے اس لیے مناسب نہیں جیسے جوتہ پہن کر مسجد کے اندر چلا جانا۔ ۲۷؍رجب ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۲۰۷)

## مسجد کے روپیہ میں مسجد کے لئے تجارت کرنا

سوال (۸۳۶) دریں دیار کہ مرسوم برائے اخراجات ضروری مسجد اہل محلہ چیزے از نقود می دہند شدہ شدہ از بقیہ خرچ چیزے از نقود فراہم آید از یں نقود برائے زیادتی مال مسجد تجارت درست است یانہ۔؟

الجواب۔ باذن معطین درست است۔ فقط ۸؍ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اولیٰ ص:۲۱۳)

## شرائط تولیت مسجد

سوال (۸۳۷) ایک مسجد کے متعلق ایک درگاہ شریف ہے جس میں اہل محلہ اور زائرین درگاہ شریف نماز پڑھتے ہیں اور جس کو ایک رئیس معتقد شیخ نے بپاس خاطر تیار کرایا تھا۔ ایک بزرگ اولاد شیخ سے جس کو بعض سجادہ نشین مانتے ہیں اس مسجد میں نماز باجماعت آخر اور مکروہ اوقات میں ادا کرتا ہے اور انتظام مؤذن وامام اپنے اختیار میں رکھا ہے وہ مؤذن اور امام بغیر رعایت اوقات مقررہ شرعیہ مستحبہ کے حسب منشاء اسی سجادہ نشین کے اذان واقامت جماعت کرتے ہیں ایک جماعت اہل محلہ وزائرین ونیز باقی اولاد شیخ چاہتے ہیں کہ اقامت جماعت اوقات مستحبہ شرعیہ میں کی جاوے اور یہ سجادہ نشین صاحب عمداً اس سے تخلف کرتے ہیں اگر یہ سجادہ نشین صاحب اپنے اصرار پر قائم رہے اور نماز اوقات مکروہہ میں ادا کرے تو کیا اہل محلہ اور زائرین و باقی اولاد شیخ کو شرعاً حق حاصل ہے کہ اول وقت میں اس مسجد میں نماز باجماعت ادا کریں۔ اور ایسا مؤذن وامام مقرر کریں جو اوقات مقررہ شرعیہ مستحبہ میں اپنے کام کو انجام دیں یا مسلمانان اہل محلہ وزائرین کو ایسے سجادہ نشین صاحب کا اتباع خواہ جیسے وقت میں نماز پڑھے لازم ہے اور براہ مہربانی ومرحمت یہ بھی بیان فرماویں کہ کیا کسی سجادہ نشین صاحب کا یہ حق ہے کہ مسلمانوں کو اپنی شرکت میں نماز پڑھنے پر مجبور کرے خواہ وہ کسی وقت نماز پڑھنا چاہے۔ اور مسلمانوں

کو پہلے وقت میں نماز باجماعت پڑھنے سے منع کرے۔؟

الجواب۔فی الدرالمختار کتاب الوقف جعل الواقف الولایة لنفسه جاز بالاجماع وکذا لو لم یشترط لاحد فالولایة له عند الثانی وهو ظاهر المذهب الیٰ قوله والا فللحاکم وفیه وینزع وجوبا للواقف درر فغیره بالاولی غیر مامون الیٰ قوله وان شرط عدم نزعه او ان لاینزعه قاض ولا سلطان الخ وفیه ولایة نصب القیم الیٰ الواقف ثم لوصیه الیٰ قوله ثم للقاضی اھ مختصرا وفی اثناء هذه العبارة طالب التولیة لا یولی الاالمشروط له النظر لانه مولی فیرید التنفیذنهر وفی ردالمحتار تحت قوله ولایة نصب القیم الیٰ الواقف مانصه عن التتارخانیة ماحاصله ان اهل المسجد لو اتفقوا علیٰ نصب رجل متولیا لمصالح المسجد فعند المتقدمین یصح ولکن الافضل کونه باذن القاضی ثم اتفق المتاخرون ان الافضل ان لایعلموا القاضی فی زماننا لما عرف من طمع القضاة فی اموال الاوقاف وکذلك اذا کان الوقف علیٰ ارباب معلومین یحصی عددهم اذا نصبوا متولیا وهم من اهل الصلاح اھ وفی الدرالمختار قبیل باب الوترو النوافل ولا هل المحلة منع من لیس منهم عن الصلوٰة فیه (ای اذا ضاق بهم المسجد کما فی ردالمحتار )ولهم نصب متول فی ردالمحتار ای ولو بلا نصب قاض کما قدمناه عن العنایة وفیه باب الإمامة والاحق بالإمامة تقدیما بل نصبا الاعلم باحکام الصلوٰة الیٰ قوله ولو ام قوما وهم له کارهون ان الکراهة نفسا وفیه اولانهم احق بالامامة منه کره له ذلك تحریما وان هو احق لا والکراهة علیهم اھ مختصراً۔ ان روایات سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

(۱) اگر ان سجادہ نشین کو بانی مسجد نے متولی نہیں بنایا تو ان کو انتظامات مسجد میں دخل دینا بدون رضامندی اہل محلّہ کے مطلقاً ناجائز ہے۔

(۲) اگر ان سجادہ نشین کو بانی مسجد نے متولی بنایا بھی ہو مگر اوقات مکروہہ میں نماز و جماعت کی عادت کرنے سے معزول کر دیئے جاویں گے حتیٰ کہ اگر ان کی تولیت میں عدم عزل کی بھی تصریح کر دی ہو تب بھی معزول کر دیئے جاویں گے یہاں تک کہ ایسے امور غیر مشروعہ کے اعتبار سے خود واقف بھی اگر متولی ہو وہ بھی معزول کر دیا جاتا ہے۔

(۳) متولی و منتظم کے عزل و نصب کا اختیار شرعاً اہل محلّہ کو حاصل ہے حتیٰ کہ بعض احوال میں اہل محلّہ قاضی پر بھی مقدم ہیں۔

(۴) ایسا امام بھی گنہگار ہوتا ہے جس سے بوجہ اوقات مکروہہ میں نماز و جماعت پڑھنے کے

نمازیان مسجد کو کراہت ونفرت ہے۔

(۵) بحالت مذکورہ خود سجادہ نشین کا مطلقاً انتظام میں دخل دینا ناجائز ہے بوجہ ارتکاب غیر مشروع کے بھی اور بوجہ دعویٰ تولیت کے بھی جبکہ اہل تولیت کے نہیں ہیں چہ جائیکہ اوروں کو اقامت سنن شرعیہ سے روکیں۔ ۶/ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص:۱۹۲)

## تحقیق حلت گلگلہ ہائے آوردہ مسجد حسب رسم جہلاء

سوال (۸۳۸) ایک بات یہاں پیش آئی کہ کچھ گلگلے اور ایک کچے آٹے کا چراغ اس میں گھی ڈال کر روشن کر کے مسجد کے طاق میں رکھ دیتے ہیں اور اس کو طاق بھرنا کہتے ہیں۔ آیا ان گلگلوں کا کھانا جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ اس طرح سے گلگلے لانا جس میں بہت سی تقییدات وتخصیصات اعتقادیہ وعملیہ ہیں اور بعض جگہ عورتوں کا لانا مزید براں ہے عمل منکر اور بدعت ہے مگر اس سے خود ان گلگلوں میں کوئی خبث یا حرمت نہیں آتی ما اھل لغیر اللہ بہ میں داخل نہیں کیونکہ مسجد میں لانا قرینہ اس کا ہے کہ اللہ ہی کے لیے ہے لہٰذا ان کا کھانا حلال ہے البتہ اگر اس لیے نہ کھائے کہ فاعلین کو عبرت ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

۵/صفر ۱۳۳۵ھ (تتمۂ خامسہ ص:۵)

## حکم ترغیب چندہ در مسجد

سوال (۸۳۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عیدگاہ یا جامع مسجد یا اور کسی مسجد میں چندہ مانگنا یا اس کی ترغیب دینا اور سائلوں کو صدقات خیرات دینا کیسا ہے۔؟

الجواب۔ اگر شق صفوف نہ ہو مرور بین یدی المصلی نہ ہو، تشویش علی المصلین نہ ہو، حاجت ضروریہ ہو تو درست ہے۔ ۵/شوال ۱۳۳۶ھ (تتمۂ خامسہ ص:۶۵)

## استحباب سلام کردن وقت داخل شدن در مسجد وقتے کہ کسے دراں نباشد

سوال (۸۴۰) اگر خالی مسجد میں نمازی جائے اگر کوئی شخص مسجد میں نہ ہو تو السلام علیکم کرنی چاہیے یا نہیں۔ اگر کرنی چاہیے تو کون سے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔ دوسرے آدمی کہتے ہیں کہ خالی مسجد میں السلام علیکم نہیں کرنی چاہیے اگر آدمی موجود ہو جب کرنی چاہیے۔؟

الجواب۔ فی العالمگیریۃ اذا دخل الرجل فی بیتہ یسلم علیٰ اھل بیتہ وان لم یکن فی البیت احد یقول السلام علینا وعلیٰ عباداللہ الصالحین کذا فی المحیط ج:۲ ص:۲۱۷۔ اور بظاہر بیت اور مسجد میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ مسجد میں ملائکہ کا موجود ہونا اقرب

ہے۔اس لیے ان الفاظ سے سلام کرے۔ السلام علینا وعلیٰ عباداللہ الصالحین لیکن صرف مسجد میں ضروری نہیں۔ ۲۳ محرم ۱۳۴۳ھ (تتمۂ خامسہ ص:۳۲۰)

## دریچہ کشادن سوئے مسجد

سوال (۸۴۱) اگر بالاخانہ مکان خاص یا مشترک مثل بیٹھک کے کھڑکیاں مسجد میں کھولی جاویں جن سے سوائے فائدہ ہوا کے اور کوئی غرض قبض وتصرف زمین یا فرش وغیرہ کا مقصود نہیں جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ اگر کھڑکی وغیرہ آنے کے واسطے کھولی جاوے یہ تو جائز نہیں کیونکہ طریق حقوق ملک سے ہے اور مسجد غیر مملوک ہے اور اگر محض ہوا وغیرہ کے لیے کھولا ہے اور جس دیوار میں کھڑکی کھولتا ہے وہ اس کی مملوک ہو اور کوئی غرض فاسد نہ ہو تو اس میں اگر مسجد واہل مسجد کو کسی قسم کا ضرر وحرج نہ پہنچے تو جائز ہے اور اگر کوئی نقصان یا بے احتیاطی ہو جائز نہیں مثلاً مسجد میں وہاں سے دھواں جاوے یا خس وخاشاک وہاں سے پھینکا جاوے یہ منع ہے۔

ومن اخرج الی الطریق الاعظم کنیفا او میزابا او حوضا او بنی دکانا فلرجل من عرض الناس ان ینزعه ویسع للذی عمله ان ینتفع به مالم یضر بالمسلمین فاذا اضر بالمسلمین کره له ذلك لقوله علیه السّلام لاضرر ولاضرار فی الإسلام .هدایة ص: ۴۸۵ ج: ۲۔ وَاللّٰهُ اعلمُ۔ ۳ر جمادی الاولیٰ ۱۳۱۰ھ (امداد ثالث ص:۱۵۶)۔

## تحقیق معنی حدیث مسند کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم در مسجد فضیخ فضیخ نوشید وجواب اشکال برآں معہ بقیہ سوال

سوال (۸۴۲) مسجد فضیخ کی وجہ تسمیہ کے متعلق وفاء الوفاء میں بحوالۂ مسند احمد ابن عمر سے یہ حدیث نظر آئی ہے۔ عن ابن عمر ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم اتی بجر فضیخ ینش وهو فی مسجد الفضیخ فشربه فلذلك سمی مسجد الفضیخ ۔

سوال یہ ہے کہ یہاں فضیخ سے کیا مراد ہے آیا باذق مراد ہے یا بادہ کا معرب ہے یا کچھ اور۔؟

الجواب۔لغت میں اس کے معنی ہیں عصیر العنب وشراب یتخذ من بسر مفضوخ (ای مکسور) اور شراب کے معنی ہیں ماشرب اور عصیر وشرب کے لیے سکر لازم نہیں پس فضیخ کا مسکر ہونا ثابت نہیں۔

بقیہ سوال۔اسی کے ساتھ نش کی تطبیق بھی مفہوم فضیخ کے ساتھ ہونی چاہیے۔؟

الجواب۔نش کے لغوی معنی ہیں صوت الماء وغیرہ اذا غلااور غلیاں کے لیے بھی سکر لازم نہیں۔چنانچہ ماء میں غلیاں ہوتا ہے سکر نہیں ہوتا۔

بقیہ سوال۔علاوہ اس کے نفس حدیث کے متعلق بھی معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کس حد تک قابل اعتماد ہے۔اوراس کے رواۃ کون کون ہیں اوران پرکیا جرح ہوسکتی ہے۔؟

الجواب۔میں نے مسند احمد میں تمام مسند عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی جو کہ ڈیڑھ سو صفحہ سے زائد پر ہے ایک ایک حدیث کر کے دیکھی مجھ کو یہ حدیث نہیں ملی اگر نظر سے چوک گئی ہو میں نہیں کہہ سکتا اگر مل جاتی تو اس کے رجال دیکھے جاتے۔لیکن اگر یہ حدیث ثابت بھی ہو تو مضر کیا ہے۔جبکہ اس کے مسکر ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور فرضاً اگر مسکر ہونا بھی مان لیا جاوے تو قبل تحریم مسکر پر محمول ہوسکتا ہے۔

۲۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۴ھ (تتمۂ خامسہ ص:۲۰۷)

## تحقیق صلوٰۃ یا دخول مسجد درنعال

سوال (۸۴۳) متعلق فقرۂ ذیل مندرجہ ذیل خط عزیزی بہ نسبت امیر کابل جوتوں سمیت سب ان کے آدمی مسجد میں آئے اور جوتوں سمیت نماز پڑھی۔

الجواب۔اس مقام پر تین امر ہیں۔دو نہایت جلی اور ایک خفی۔

امر اوّل۔یہ بات یقینی اور متفق علیہ و ثابت بالدلیل اور مسلم ہے کہ نعال اگر طاہر ہوں تو ان کو پہنے ہوئے مسجد میں آنا یا نماز پڑھنا فی نفسہ قطع نظر عوارض خارجیہ سے جائز اور مباح ہے عام اس سے کہ عوارض کی وجہ سے کہیں مستحسن ہو جاوے اور کہیں مستقبح ہو جاوے۔

امر دوم۔یہ بات بھی یقینی اور متفق علیہ اور محقق ہے کہ اگر نعال نجس ہوں تو ان کو پہنے ہوئے مسجد میں آنا یا نماز پڑھنا ناجائز وحرام اور معصیت ہے جس میں جواز یا اس سے بڑھ کر استحسان کا اصلاً شائبہ بھی نہیں یہ دونوں امر تو جلی ہیں جو محل اشتباہ نہیں ہوسکتے۔

امر سوم۔جو کہ خفی اور محل اشتباہ و معرض بحث ہے یہ ہے کہ عوارض خارجیہ کے اعتبار سے بصورت طہارت آیا اس میں کوئی استقباح ہے یا نہیں یا اس سے ترقی کر کے استحسان کا حکم کیا جاوے۔

سواول یہ سمجھنا چاہئے کہ جو حکم کسی عارض کی وجہ سے ہوتا ہے وہ عارض کی وجہ سے بدل جاتا ہے اور جو حکم شارع کو، فی نفسہ مقصود ہوتا ہے وہ کسی حالت میں نہیں بدلتا اس کے شواہد و نظائر علم فقہ میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔دوسرے یہ جاننا چاہئے کہ یہ یقینی ہے کہ صلوٰۃ فی النعال شارع کے نزدیک کوئی حکم مقصود نہیں کیونکہ مقاصد شرعیہ میں سے کوئی غرض اس کے ساتھ متعلق نہیں اب اس کا مدار عوارض

پر رہا پس جہاں کوئی عارض مانع نہ ہوگا وہاں منع نہ کیا جاوے گا بلکہ جہاں کوئی عارض مؤثر فی الاستحسان ہوگا وہاں مستحسن کہا جاوے گا اور جہاں کوئی عارض مانع ہوگا وہاں منع کیا جاوے گا۔

تیسرے۔ یہ معلوم کرنا چاہئے کہ مسجد اور صلوٰۃ دونوں چیزیں واجب الاحترام والادب ہیں اور ادب کے بعض طرق محض عرف پر مبنی ہوتے ہیں پس جس ملک میں مع النعال کسی کے فرش پر آنا اور آ کر ملنا عرفاً خلاف ادب شمار کیا جاتا ہے وہاں صلوٰۃ ودخول مسجد مع النعال اس عارض بے ادبی کی وجہ سے واجب المنع ہوگا جس کا پتہ قرآن سے لگتا ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا فاخلع نعليك اور اس کی علت یہ فرمائی انك بالواد المقدس طوى۔ خواہ ان کے نعال طاہر ہوں یا نجس ہوں لیکن عموم علت ادب سے حکم معلول میں عموم ہو جاوے گا جہاں نعال نجسہ کے ساتھ جانا خلاف ادب ہوگا نہی اس کے ساتھ خاص ہوگی اور جہاں مطلق نعال کے ساتھ جانا خلاف ادب ہوگا نہی اس کو بھی عام ہو جاوے گی اور ہمارے دیار ہند کا عرف اس بارہ میں ظاہر ہے پس بناء علی التقریر المذکور یہاں اس کی ممانعت ضروری ہے اور جس ملک میں یہ عرفاً خلاف ادب نہ ہو وہاں منع نہ کیا جاوے گا۔ سو اہل کابل کا عرف ایسا ہی ہوگا اور یہاں کے عرف کی ان کو اطلاع نہ ہوگی یا خاص وردی کے نعال میں ایسا عرف ہوگا یا دوسرے ملک میں ہونے کی وجہ سے بے اطمینانی اس کا عذر ہوگا اور اخیر درجہ یہ کہ فعل غیر نبی کا فی نفسہ حجت نہیں اور اگر کوئی عارض مؤثر فی الاستحسان کا حکم کیا جاوے گا جیسا بعض روایات میں اس کی ترجیح کی یہ علت فرمائی ہے کہ اہل کتاب نعال میں نماز نہیں پڑھتے لیکن یہ عارض متحقق نہیں بلکہ اصل علت کہ نہی عن التشبہ ہے خود مقتضی منع کو ہے کیوں کہ یہاں اس ہیئت میں تشبہ ہے۔ اب درایۃً وروایۃً اس میں کوئی اشکال نہ رہا۔ ۱۲ محرم ۱۳۲۳ھ (امداد چہارم ص: ۱۶۳)

# تمت

امداد الفتاویٰ مبوب جلد دوم
تمام ہوئی

﴿ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ ﴾

# ضمیمہ نمبر...... ا

## سوال (٦١٦) صفحہ نمبر ۵۰۷

حاشیہ(۱)

حضرت حکیم الامۃ رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورۂ بالا جواب میں شوہر عمرو کا اپنی بیوی ہندہ کے بچوں کے نسب کی نفی کرنے اور ہندہ کی تصدیق کرنے پر نسب کی نفی کو درست قرار دیا ہے اور ہندہ کے بچوں کو مجہول النسب قرار دیا ہے لیکن اس پر کوئی حوالہ یا فقہی عبارت نقل نہیں فرمائی، ظاہراً اس میں تسامح معلوم ہوتا ہے کیونکہ فقہ کی کتب معتبرہ میں صراحت ہے کہ نفی نسب کے لئے قاضی کے لعان کے بعد باپ سے بچہ کا نسب قطع کرنا ضروری ہے، جب تک قاضی ایسا نہیں کرے گا بچہ ثابت النسب ہی رہیگا، اور یہی قول صحیح ہے، اور وجہ یہ ہے کہ ثبوت نسب بچہ کا حق ہے جو محض والدین کے تصادق سے باطل نہیں ہوسکتا البتہ قاضی کے قطع کرنے سے قطع ہوجائے گا۔

اگر کہا جائے کہ شرح وقایہ کی عبارت میں عورت کی تصدیق پر نسب کی نفی درست ہونے کی تصریح ہے تو واضح ہو کہ یہ بھی شارح وقایہ کا تسامح ہے جیسا کہ "البحر الرائق" اور "رد المحتار" میں اس کی تصریح ہے اور شرح وقایہ کے حاشیہ میں بھی اس کی وضاحت موجود ہے۔

خلاصہ یہ کہ لعان اور قاضی کے قطع نسب کے بغیر محض زوجین کے تصادق سے نسب منقطع نہ ہوگا، اور بچے ثابت النسب رہیں گے۔

عبارات ملاحظہ ہوں:۔

في "بدائع الصنائع"

وكذا إذا نفي نسب ولد حرّة، فصدّقته لا ينقطع نسبه لتعذّر اللعان لما فيه من التناقض حيث تشهد بالله أنه لمن الكاذبين، وقد قالت إنه صادق، وإذا تعذّر اللّعان تعذّر قطع النّسب لأنّه حكمه، ويكون أنهما لا يصدقان على نفيه لأن النّسب قد ثبت، والنّسب الثابت بالنّكاح لا ينقطع إلا باللّعان ولم يوجد، ولا يعتبر تصادقهماعلى النّفي لأن النسب يثبت حقًّا للولد، وفي تصادقهما على النفي إبطال حق الولد، وهذا لا يجوز (ص ٢٤٦ ج ٣)

في "الدر المختار"

(فإن لاعن لاعنت وإلا حبست) حتى تلاعن أو تصدّقه (فيندفع به اللّعان ولا تحدّ) وإن صدّقته أربعا لأنه ليس بإقرار قصدا، ولا ينتفي النّسب لأنّه حق الولد فلا يصدقان في إبطاله الخ ___ وفي "الشامية" (قوله: ولا تحدّ) وما في بعض نسخ القدوري "فتحدّ" غلط لأن الحد لا يجب بالاقرار مرّة، فكيف يجب بالتّصديق مرّة، بحر وزيلعي، قلت: وقد يجاب بأن مراد القدوري بالتّصديق الإقرار بالزّنا لا مجرّد،

قوله: صدّقت الخ قوله: ولا ينتفي النّسب لأنه إنّما ينتفي باللّعان ولم يوجد وبه ظهر أن ما في شرح الوقاية والنّقاية من أنها إذا صدّقته ينتفي غير صحيح

(ص ٤٨٥ ص ٤٨٦ ج ٣ ايچ، ايم، سعيد)

وفى "الفتاوى الهندية"

رجل تزوّج امرأة، فجاءت بولد لتمام ستة أشهر من وقت النكاح فإن القاضي يقضي بالنّسب والدّخول، حتى يقضي لها القاضي بكمال المهر ونفقة العدّة، فلو أنّه نفي هذا الولد فإنه لاعن بينهما ويقطع النّسب، وإن حكم بكونه منه حيث قضى بكمال المهر ونفقة العدّة، وكذا المطلّقة طلاقا رجعيًا إذا ولدت لأكثر من سنتين تكون رجعة، فإن نفاه لاعن القاضي بينهما وألحق الولد بأمه كذا في التحرير شرح الجامع الكبير للحصيرى (ص ٥٢٠ ج ١)

وفي الفتاوى الهندية أيضًا:

وإذا فرق القاضي بينهما بعد اللّعان يلزم الولد أمّه، وروى بشر عن أبي يوسف رحمه الله تعالى أنه لا بدّ أن يقول القاضي: "فرّقت بينكما، وقطعت نسب هذا الولد منه" حتى لو لم يقل ذلک لا ينتفي النّسب عنه، وهذا صحيح كذا في المبسوط، وهكذا في النهاية، ثم ينفي القاضي نسب الولد ويلحقه بأمّه، وعند أبي يوسف رحمه الله تعالى: أن القاضي يفرّق ويقول: "ألزمته أمّه وأخرجته من نسب الولد" حتى لو لم يقل ذلک لا ينتفي النّسب كذا في الكافي، وفي المبسوط: هذا هو الصّحيح. كذا في شرح مجمع البحرين لابن الملک

(ص ٥٢٠ ج ١)

في "شرح الوقاية"

فإن لاعن لاعنت وإلا حبست حتى تلاعن أو تصدّقه فينفي نسب ولدها عنه. وفي "حاشية شرح الوقاية" (قوله فينفي) أي حين ما صدّقت المرأة زوجها انتفى نسب ولدها عنه، وهذا خطأ من الشّارح، نبّه عليه صاحب البحر وغيره، فإن النّسب إنما ينتفي باللعان ولم يوجد، وكيف ينتفي بتصديقها فإنّه حق الولد، فلا يصدّقان في إبطاله (ص ١١٩ ج ٢) والله سبحانه أعلم

احقر
محمد تقی عثمانی عفی عنہ
خادم دار العلوم کراچی نمبر ۱۴
۲۶-۸-۱۴۱۴ھ